[illegible] تقاریر

تقاریر

Misc

[illegible]

US

ت 278 ا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامِدًا وّ مُصَلِّیًا

نصیحت گوش کُن جاناکہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

یہ لکچرز اور اسپیچز، جن کا ایک ایک لفظ دُرِ شاہوار اور ایک ایک حرف لولوے آبدار ہے عالی جناب فیض مآب حامئے دین اسلام نواب محسن الملک سیّد مہدی علی خاں دام اقبالہٗ کے ہیں۔ انہوں نے وقتاً فوقتاً، قومی بہی خواہی، اور مُلکی و اسلامی بھلائی، کے جوش میں دئیے ہیں۔ ایسے فصیح و بلیغ، پُر معنی خیز و درد انگیز، عبرت آمیز، خطبات کا دیباچہ لکھنا بھی کسی ایسے ہی صاحب بصیرت، مکانی صفت عالی دماغ آدمی کا کام تھا۔ اور یقین ہے کہ ہند اور پنجاب کے بڑے بڑے جادو رقم، اہل قلم، شبدیزِ قلم کو قرطاس کے میدان میں جولانی دیکر اپنے دل اور دماغ کے جوہر دکھاوینگے ؛

مگر وہ لوگ جو مجھ ناچیز، ہیچ میرز کی طرح گمنام اور عوام میں داخل ہیں، کیا وہ نواب کی فنافی القومی اور اسلام پر جاں نثاری، کی شکر گذاری اور حق شناسی کے ولولہ اور دلی جوش کو اپنے دل ہی دل میں روک رکھیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ ایسا کرنا ہمارے لئے کفرانِ نعمتی، اور ناسپاسی میں داخل ہے۔ گو آپ کے فیوض برکات اور آپ کے کارنامے جنہوں نے ایک عالم کو مسخر کرلیا ہے۔ اور مسلمانوں کے ابدی روحوں کے ساتھ جاوینگے، اس امر کے ہرگز محتاج نہیں ہیں، کہ کوئی شخص انہیں پبلک سے متعارف کرائے، اس لئے کہ وہ آفتاب عالمتاب کی طرح، تمام جہان میں عموماً اور چار دانگ ہند میں خصوصاً ظاہر باہر ہیں، اور ملک کا ہر ایک آدمی اعلےٰ سے لیکر ادنےٰ تک ان سے واقف ہے ؛

ایک تجربہ اور مشاہدہ کیا ہوا قدرتی قاعدہ ہے کہ جب نفوس قدسیہ میں سے کوئی فرد بشر اپنے ملک کی بگڑی ہوئی حالت کے درست کرنے پر مضبوطی سے کرہمت باندھتا ہے۔ تو جہاں پر اُس کے ہزاروں مخالف، حشرات الارض کی طرح، اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر ایک فرد ان افراد میں کا یہی چاہتا ہے

کہ جیتنی کاذمی میں روزہ انکایا جاوے۔ وہاں بہت سی طبائع ایسی بھی موجود ہوتی ہیں۔ جو اپنی بہتری بہبودی، اور اپنے مآل کار کو سوچ سمجھ کر راستی اور حق باتوں کے قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اور اُس مُصلح قوم کی مدد کے لئے کوئی نہ کوئی ایسا مضبوط دل، ایسا مستقل مزاج، ایسا عالی حوصلہ، ہمت بہت بھی اُس فرد قدسی کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ جو اپنی جان و مال وغیرہ کو اُس پر تصدق کرتا ہے ؞

اگر حضرت موسےٰ علیہ السلام کی خداوند تعالےٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو پشت پناہ کیا۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حواریون مدد گار بنا دیئے، جنہوں نے بآواز بلند کہا "نحن انصار اللہ" اور ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابابکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ایسا ہی حال آپ کے متبعین کا ہے ؞

اگر حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا اسمٰعیل شہید اور مولوی یحییٰ علی مہاجر جیسے فرشتہ خصال نصیب ہوئے، تو سر سید احمد مرحوم دہلوی کو سید مہدی علی (نواب محسن الملک) اور مولوی مشتاق حسین (وقار الملک) جیسے پسندیدہ افعال قسمت میں آئے ؞

اگر قومی کارناموں خصوصاً ایم۔او۔اے۔ کالج کی خدمات کی حیثیت میں کوئی شخص سر سید مرحوم اور نواب صاحب ممدوح کا آپس میں مقابلہ کرنا چاہیگا، تو مشکل ہی اس ارادہ میں کامیاب ہو سکیگا۔ کیونکہ سر سید مرحوم کی کوئی جانفشانی جو قومی ترقی کی اس قسم کی نظر نہیں آئیگی۔ جس میں اول سے لیکر آخر تک ہمارے ممدوح کا حصہ نہ ہو، وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ؞

سر سیّد مرحوم کی وفات حسرت آیات کے بعد جو کچھ نواب صاحب مرحوم و مغفور نے کر دکھایا اور کر رہے ہیں اگر اس کو معجزہ سے تشبیہ دیجاوے تو روا ہے، اور اگر اس کو خرق عادت سے تعبیر کی جاوے (جس کے سر سید مرحوم قائل نہ تھے) تو عین بجا ہے۔ بھلا، جو نازک حالت اور پیچیدگیاں سر سید مرحوم کی وفات کے موقعہ پر کالج کو پیش آرہی تھیں، کو سُبکیاں لے رہا اور ڈُبکیاں کھا رہا تھا۔ اور بار قرضہ کے اُس کی اینٹ سے اینٹ بجنے کا وقت آگیا تھا طالب علموں کی تعداد روز بروز گھٹ رہی تھی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ہمیشہ کے لئے بند ہونے کا خطرہ تھا۔ اگر خدانخواستہ نواب صاحب ممدوح بادی عالم پیری اور مختلف امراض میں مبتلا ہونے کی حالت میں بہادرانہ کر ہمت باندھ کر کھڑے نہ ہو جاتے تو کس کو امید تھی کہ کالج اس سرسبزی اور ایسے عروج کو پہنچیگا کہ ہندوستان بھر میں اپنا نظیر آپ ہی ہو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو کبھی ممالک مغربی و شمالی سے نکال کر کلکتہ تک لیجانا اور کبھی وہاں سے کھینچکر بمبئی وغیرہ تک وسعت دینا، قومی چندہ کے لئے مستعد بار کالوں تک جانا؟ یہ ہمارے ممدوح کا کام تھا ؞

مگر یہ امورات اس وقت ہمارے موضوع سے علحدہ ہیں۔ اس لئے کسی دوسرے موقعہ پر بیان کی

رکھا جاتا ہے ✣

یہ ثابت کرنا کہ عالیجناب نواب صاحب ممدوح قدرتاً ہی فصیح و بلیغ پیدا ہوئے اور مہدی ہذا الزمان اور شاہ عبدالعزیز وقت میں کچھ منحصر نہیں ہے، بلکہ یہ مسلّم الثبوت اور بدیع امورات ہیں، جو احباب ان لکچروں کا مطالعہ کرینگے۔ اُنہیں علاوہ دیگر ہزاروں فائدوں اور قیمتی نصائح کے یہ باتیں بھی خود بخود یقین ہو جائینگی ✣

الحال ہم سر سیّد مرحوم کے اُن پاکیزہ اور قابل عزت خیالات میں سے جو اُنہوں نے نواب صاحب ممدوح کے بارہ میں مختلف اوقات میں ارشاد فرمائے۔ اُن میں سے چند ایک کا اس مقام پر نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ✣

چنانچہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

۱- مجی مہدی! میں نے آپ کا مضمون، جس کا عنوان "سوال و جواب" ہے۔ دیکھا - اور اُسی طرح بی قصد دل سے اُٹھنے والے شوق سے وجد کیا جس طرح کہ آدم نے انجان یا نپ کا رخدا کی بات پر وجد کیا تھا۔ زندہ باشی و جان من باشی - الخ (تہذیب الاخلاق جلد سوم صفحہ ۷۸) ✣

جن دنوں سر سیّد مرحوم پر کفر کے فتاوے تیار ہو رہے تھے اور مخالفین کے نرغہ میں آ گئے تھے تو اپنا اور اپنے دوستوں کا حال ایک موقعہ پر لکھتے وقت یوں فرماتے ہیں:-

۲- اب ہمارے محبوب مہدی[1] علی اور ہمارے عزیز مشتاق حسین[2] کا حال سنو! یہ ہمارے دونوں دوست ایسے ہیں، جن کا حال کچھ چھپا نہیں ہے۔ مولوی مہدی علی کا علم - اُس کی ذاتی خوبیاں اُس کی پیاری پیاری باتیں، اُس کی سچی ایمانداری، اُس کی فصیح تقریر اس قابل ہیں کہ اگر ہماری قوم کے دل کی آنکھیں اندھی نہ ہوتیں تو اُس کے نام سے فخر کیا کرتے۔ الخ (تہذیب الاخلاق جلد پنجم صفحہ ۲۱) ✣

ایک اور آرٹیکل میں جو اختتام سال تہذیب پر لکھا گیا ہے۔ عالیجناب نواب صاحب کے اُس مشہور و معروف بے مثل لکچر پر جو اُنہوں نے مرزا پور میں دیا تھا - اور اس مجموعہ کے شروع میں ہے تحریر فرماتے ہیں:-

۳- ہم نے اپنے مضامین، لکھنے اور قومی بھلائی کی کوشش میں کمی نہیں رکھی - اگرچہ پچھلے سال میں کارروائی مدرسۃ العلوم کی اکثر چھپتی رہی - الّا مضامین دلنشین سے بھی یہ پرچہ خالی نہیں رہا - ہمارے زخم زدہ و دل شکستہ دوست مولوی سید مہدی علی کا لکچر مسلمانوں کی تہذیب پر جو اس سال کے پرچوں میں چھپا درحقیقت ایک ایسا کارنامہ ہے کہ جس کی قدر، وہی لوگ جانتے ہیں - جو اس کی قدر جانتے ہیں - ہمارے ہمعصر ایڈیٹر ... اخبار نے اُس کی ویسی ہی قدر دانی کی ہے جس کا وہ مستحق ہے - ہم کو نہایت فخر ہے - کہ ایسا عالی مضمون ہمارے اس ناچیز پرچہ کے ذریعہ سے مشتہر ہوا - جو ہماری قوم کی اگلی حالت کو یاد دلاتا ہے

---

[1] جناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں صاحب دام اقبالہٗ ✣

[2] جناب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب ✣

اور پچھلی حالت بتا کر شرمندہ کرتا ہے اور پھر آیندہ کی بہتری کی توقع سے دل و جان کو تقویت دیتا ہے۔

(جلد پنجم تہذیب الاخلاق صفحہ ۲) ٭

پھر ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں :۔

۵۔ آپ کا ایک نہایت طولانی خط، نہایت دلچسپ، فصیح و زبردست، دلکش، مملو از قوت ایمانی و ممزوج از فطرۂ ربانی پہنچا۔ خوبی تحریر و فصاحت بیان جیسا کہ آپ کا خاصہ تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کی ہر تحریر میں پایا جاتا ہے۔ خواہ میرے نام کا خط ہو۔ خواہ لکچر اشاعت اسلام پر، خواہ اور کوئی لکچر الخ ٭

(تحریر فی اصول التفسیر صفحہ ۲۷) ٭

پس جس شخص کی بابت سید السادات رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی رائے ہو جس کا قدرے تفصیل سے عرض کیا گیا ہے تو کس کو شک ہو سکتا ہے اُس کے برگزیدہ عالم ہونے کا۔ مزید برآں اسلامی دنیا اس کو تجربہ اور مشاہدہ میں بھی لا چکی ہو۔ سر سید مرحوم و مغفور نے جو آپ کو شاہ عبد العزیز وقت مہدی ہذا الزمان وغیرہ خطاب دئے تھے۔ تو ایسے کلمات کا ایسے مدبر، ایسے پولیٹشن، ایسے ریفارمر کے قلم و زبان سے نکلنا کچھ بے معنی نہ تھا۔ کیونکہ آخر الامر انقلاب زمانہ، تجربہ اور مشاہدہ نے دکھا دیا اور دکھا رہا ہے کہ جو سقم اور خامیاں وغیرہ اُس وقت رہ گئی تھیں۔ وہ نواب صاحب کے زمانہ میں نہ صرف پوری ہی ہوئیں، بلکہ روز بروز ترقی روز افزوں اپنا مبارک چہرہ دکھا رہی ہے کاشکے اس وقت سر سید مرحوم زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ جس پودے کو اُنھوں نے اپنے مُبارک ہاتھوں سے لگایا تھا، نواب صاحب ممدوح نے اُس کو کس سعی اور جانفشانی کی آبیاری سے سر سبز او رتازہ کر دکھایا ٭

جس وقت سر سید مرحوم و مغفور پر علماء کالانعام کی بن آئی اور ایسے کریم النفس نیک نہاد، خیر خواہ قوم، سید آل رسول پر ناحق اور بے موجب کفر کے فتاوے لکھائے گئے۔ تو اُس وقت بجز ذات قدسی صفات نواب صاحب اور حضرت وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب کے کوئی سر سید مرحوم کا دوست نہ تھا۔ اور چونکہ نواب صاحب ممدوح کا مرحوم و مغفور کے ساتھ وہ تعلق تھا۔ جس کو سر سید مرحوم لحمک لحمی اور جسمک جسمی سے ظاہر فرماتے ہیں۔ اس لئے نواب صاحب موصوف بھی ان کلمات سے بچ نہ سکے اور یار لوگوں نے ان کو بھی کرسٹان وغیرہ سے یاد کیا اور جناب محتشم الیہ نے وہ کلمات پڑھ کر مثل سر سید مرحوم کے صبر کیا۔ چنانچہ اُن ایام میں جو منشی حامد علی صاحب کے خط کا جواب نواب ممدوح نے تحریر کیا تھا وہ ایسا دردناک اور ایسا متاثر ہے۔ کہ پڑھتے وقت کوئی سنگدل آدمی ہو جو آب دیدہ ہو

لے گو کہ بعد اس کے بڑے بڑے ملکی ہمدرد، مثلاً مولانا حالی و مولوی نذیر احمد وغیرہ نے پرلے درجہ کی جانفشانیاں اور عرق ریزیاں دکھلائیں اور دکھلا رہے ہیں ٭

اڈیٹر کا بلاج ادا نہ کرے۔ جس کو دلچسپی کے لئے بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے :۔

مراسلۂ مہدی

عزیزِ من راجد علی سلمک اللہ تعالٰے !

خط تمہارا آیا حال معلوم ہوا۔ میری کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ عیاں را چہ بیاں ؎

یک سینہ و صد ہزار شعلہ　　　　یک دیدہ و صد ہزار باراں

تم نے پوچھا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھنا کیوں ترک کیا، کیا سیّد صاحب کی مخالفت کی یا کفر کے فتووں سے ڈر گئے۔ عزیزِ من ! نہ میں سیّد صاحب سے مخالف ہوا نہ کفر کے فتووں سے ڈرا بلکہ میری سکوت کا اصلی سبب تم کو معلوم ہے کہ قطع نظر روحانی صدموں کے کئی مہینے سے ایسا بیمار ہوں کہ لکھنا پڑھنا دشوار ہے۔ روزمرہ کا کام بھی بمشکل دوسروں کی مدد سے کرتا ہوں ؛

عزیزِ من ! سیّد صاحب سے مخالفت کا زمانہ گذر گیا، اب اس خیال کو جانے دو کہ پھر وہ زمانہ آویگا ؎

انا احمد و احمد انا　　　　نحن روحان حللنا بدنا

کفر کے فتووں کا ڈر عامیوں کو ہوگا جن کا ایمان برادری کے حقّہ پانی پر ہے۔ نہ اُن مردوں کو جو اسلام کی حقیقت ان کفر کے فتوے دینے والوں سے بھی زیادہ جانتے ہوں۔ وہ تو ان بادی کا غذوں پر جو کبھی مشرق سے مغرب کو اور کبھی مغرب سے مشرق کو اُڑتے پھرتے ہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور پرکس کے برابر بھی اُس کی وقعت نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک خدا نے اپنی جنّت و دوزخ ان کفر کے فتوے دینے والوں کو ہبہ نہیں کر دی کہ جس کو چاہیں مرحمت میں بھیجیں جسے چاہیں کافر بنا کر دوزخ میں دھکیل دیں ؛

عزیزِ من ! تم تاریخ سے ناواقف ہو۔ اگلے لوگوں کا حال تم نے نہیں پڑھا۔ ورنہ تم ان کفر کے فتووں پر تعجب کرتے، یہ تو ایک پرانی رسم ہے کہ ہر مذہب میں اُس پر عملدرآمد رہا ہے اور مذہبی سرداروں نے اُسے اپنی قسمت و عزّت کا ذریعہ ٹھیرا رکھا ہے تاکہ وہ پوجے جاویں اور خدا کے عزیز ٹھیریں۔ اور جو اُن کو آگے پیچھے سے نکلے وہ روح القدس کی آواز بھی جاوے۔ افسوس اُن ضعیف القلب و ضعیف الایمان لوگوں پر جو اپنی دلی تصدیق پر اطمینان نہ رکھیں اور اُن کے دل ان ہوائی کاغذوں کے پتوں کی طرح اُڑتے پھریں ؛

سنو میاں ! دنیا میں جتنی نامور قومیں گذری ہیں یا جو اب موجود ہیں اُن کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب کسی نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اوسط درجہ کے خیالات سے بڑھ کر کوئی بات زبان سے نکالی یا اُن کی معمولی سمجھ سے کچھ زیادہ کہا تو وہ مجنوں اور دیوانہ ٹھیرا۔ اور اگر اُس سے کوئی ایسی بات نکلی جو مخالف اُس زمانہ کے دینی خیالات اور مذہبی رسوم کے ہوئی گو وہ خیال اور رسم بالکل مذہب کے مخالف ہی ہو یا اُس سے مذہبی سرداروں کی عزت و شان میں کچھ فرق آیا تو وہ لامذہب اور کافر ہی سمجھا گیا۔ پھر یا جلا وطن کیا گیا

یا مار ڈالا گیا یا زندہ جلایا گیا ◆

دیکھو یونان میں سقراط کو زہر کا پیالہ کیوں پلایا گیا۔ اسی جرم میں کہ اُس نے بُت پرستی کی بُرائی کی جسے اُس زمانہ کے لوگ اچھا جانتے تھے ◆

جربرٹ جب مسلمانوں کے مدرسہ سے معقولات سیکھ کر اپنے ملک میں گیا تو اپنی قوم کے نزدیک کیوں کافر و مرتد ٹھیرا۔ اسی قصور میں کہ وہ اُن علموں کو جاری کرنا چاہتا تھا جس کی خوبی سے اُس کی قوم ناواقف تھی ◆

کلمبس کیوں پاگل ٹھیرا۔ اسی لئے کہ اُس نے وہ بات کہی جو کہ اُس زمانہ کے لوگوں کی عقل اور سمجھ سے باہر تھی ◆

ڈیوکس نے جب بھاپ کے زور سے جہاز اور گاڑی چلانے کی نسبت اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ کیوں پاگل خانہ میں بھیجا گیا۔ اسی قصور میں کہ اس زمانہ کے اوسط درجہ کے خیال سے اُس نے بڑھ کر بات کہی ◆

روجر بیکن کے کفر کا کیوں فتوے دیا گیا۔ اسی لئے کہ وہ اُن مسائل سے منکر تھا جس کو اُس زمانہ کے عالم حق اور سچ جانتے تھے ◆

کوپرنیکس نے کیوں ہیأت کے صحیح مسائل کے اظہار پر جرأت نہ کی۔ اسی لئے کہ وہ پادریوں کی مخالفت سے خائف تھا ◆

بیرونون حکیم کو روم کے پوپ نے کیوں زندہ جلا دیا۔ اسی جرم میں کہ اُس نے زمین کی گردش کا اقرار اور آسمان کے وجود جسمانی سے انکار کیا تھا جس کو اُس زمانہ کے پادری ہمارے وقت کے مولویوں کی طرح اپنی نادانی سے مخالف آسمانی کتاب کے جانتے تھے ◆

لوتھر کو کیوں شہر بشہر بھاگنا پڑا۔ اسی گناہ میں کہ پوپ کو نجات کے فرمان دینے کا مجاز نہ کہتا تھا ◆

یہ چند نظیریں تو غیر قوموں کے نامور لوگوں کی ہیں۔ اب ہم اپنی ہی قوم اور اپنے ہی مذہب کے نامور شخصوں کا حال بیان کرتے ہیں۔ جن میں سے اب کوئی تفسیر کا، اور کوئی حدیث کا، کوئی فقہ کا، کوئی اصول کا، کوئی کلام کا امام سمجھا جاتا ہے اور جن میں سے کسی کو خطاب ہے، امام المفسرین، اور کسی کا امام الفقہا، اور کسی کا حجت الاسلام، اور کسی کا کبریت احمر، اور کسی کا اکسیر اعظم، تاکہ معلوم ہو کہ ان بزرگوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے کیسے صدمے اُٹھائے ◆

عبد اللہ ابن عباس پر لوگوں نے طعنہ کیا کہ یہ بے سمجھے بوجھے قرآن کی تفسیر کیا کرتے ہیں ◆

عبد اللہ بن زبیر کے زیادہ نماز پڑھنے پر لوگوں نے کہا کہ یہ مکار اور منافق ہیں ◆

سعد بن وقاص کو کوفے کے جاہلوں نے شکوہ خلیفہ سے کیا کہ اُن کو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی ◆

حضرت علی کو ناصبیوں نے کافر ہی بنا دیا ◆

امام زین العابدین کی نسبت لوگوں نے کہا کہ یہ تو بت پرستوں کی باتیں کرتے ہیں ◆

امام ابوحنیفہ کی نسبت وہ باتیں لوگوں نے کہیں کہ جن کا نقل کرنا بھی بے ادبی ہے۔ بعضوں نے اُن کو جاہل ٹھیرایا، بعضوں نے بدعتی بنایا، بعضوں نے کفر کی نسبت کی۔

امام شافعی سے پاک امام کو بدذاتوں نے اضرّ من ابلیس کا خطاب دیا اور اُن کے مرنے کی دعائیں کیں۔

علمائے عراق اور مصر نے اُن پر یہاں تک تہمتیں لگائیں کہ یمن سے دارالسلام تک ایسی بے حرمتی اور بے عزتی سے قید کر کے بھیجے گئے کہ ہزاروں آدمی ملامت کرتے اور گالیاں دیتے جاتے تھے اور وہ اُن کے حلقہ میں سر جھکائے ہوئے تھے۔

امام مالک کی مصیبت ہمارے دل کی تسلی کے لئے کافی ہے کہ پچیس برس تک جمعہ و جماعت کے لئے باہر نہ نکلے اور ایسی ذلت سے قید کئے گئے کہ جس کے سننے سے بدن پر رعشہ ہوتا ہے۔ اس بے دردی سے اُن کی مشکیں باندھی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اُکھڑ گیا۔ پھر اونٹ پر سوار کرائے گئے اور کہا گیا کہ اُس مسئلہ کی صحت کا اقرار کر دیں جسے وہ دل سے غلط جانتے تھے۔ آخر امام نے اونٹ پر کھڑے ہو کر کہا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے، جو نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ مالک انس کا بیٹا ہوں۔ اور صاف کہتا ہوں، طلاق المکرہ لیس بشئ، اس پر ستّر کوڑے مارے گئے اور قید رکھے گئے۔

امام احمد حنبل کی مصیبت سنو کہ ۲۸ مہینے تک قید میں رہے اور بھاری بھاری زنجیریں اُن کے پاؤں میں ڈالی گئیں اور یہ ذلت اُن کو دی گئی کہ مجلسوں میں بلائے جاتے اور لوگ اُن کو طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے اور ہر شام کو جیلخانہ سے نکالے جاتے اور کوڑوں کی مار اُن پر پڑتی۔ اور یہ سزا اُس قصور کے بدلے میں تھی کہ وہ ایک غلط مسئلہ میں موافقت اُس زمانہ کے لوگوں کی نہ کرتے تھے۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری وطن سے نکالے گئے۔

نسائی مسجد میں شہید کئے گئے۔

بایزید بسطامی پر بھی جلاوطنی کا فتوےٰ دیا گیا۔

ذوالنون مصری مصر سے بغداد کو اس مصیبت سے بھیجے گئے کہ پابستہ و گردن بستہ، دست بستہ تھے اور ایک جماعت مولویوں کی اُن کے کفر و زندقہ پر گواہی دینے کے لئے ہمراہ گئی۔

سہل بن عبداللہ تستری باین امامت مرتد ٹھیرے۔

ابوسعید خراز پر بھی کفر کا فتوےٰ دیا ہی گیا۔

جنید بغدادی کو عالموں نے کافر لکھا اس قدر تنگ کیا کہ وہ مسائل توحید علانیہ بیان نہ کر سکے۔

محمد بن فضل بلخی باین جلالت اس طور پر نکالے گئے کہ اُن کے گلے میں رسی ڈال کر گلی کوچوں میں تشہیر کئے جاتے تھے۔

امام ابن حسن ازدی کو بدعت کے زاہدوں نے نکلوا ہی دیا ۔

ابو عثمان مغربی بھی در بدر مارے پھرے ۔

حضرت شبلی پر کفر کا فتوے دیا گیا اور ان کے پاس کا بیٹھنا بھی ایک گناہ قرار دیا گیا ۔

امام ابوبکر نابلسی کی باوجود علم و فضیلت مولویوں کے حکم سے کھال کھینچی گئی ۔

ابن حبان باوجود تبحر و امامت زندیق قرار دئے گئے ۔

شیخ ابومدین بجرم زندقہ جلاوطن کئے گئے ۔

شیخ ابوالحسن شاذلی مغرب سے قید کر کے بگناہ زندقہ مصر کو بھیجے گئے ۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام بھی کفر کے فتوے سے نہ بچے ۔

شیخ تاج الدین سبکی اباحیہ ٹھیرائے گئے ۔

شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ ابوالحسن اشعری اور امام حجۃ الاسلام غزالی کا کچھ بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا ۔

سب جانتے ہیں کہ شیخ محی الدین وہ شخص ہے جس کو امام الموحدین اور کبریت احمر اور اکسیر اعظم اور شیخ الطائفہ کہتے ہیں ۔ اس کی نسبت نہ فقط کفر کا فتوے ہوا بلکہ حضرت عالموں نے یہ فتوے دیا کہ کفرہ اشد من کفر الیہود والنصاریٰ کہ اس کا کفر یہود اور نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر ہے ۔ اور اس پر بھی ان ظالموں کو صبر نہ آیا بلکہ ان کے تمام گروہ پر تکفیر کا فتوے جاری کیا اور اس پر ان کے دل کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی ۔ بلکہ ان کے کفر میں شک کرنے والوں پر بھی کفر کا فتوے دے دیا اور صاف یہ لکھ دیا کہ من لم یکفر طائفۃ ابن عربی کان لم یکفر الیہود والنصاریٰ ومن شک فی کفرہ ومن ھو مثلہ فھو کافر ومن شک فی کفرہ فھو کافر ۔

شیخ ابوالحسن اشعری کی کیفیت ظاہر ہے کہ وہ سنیوں کے امام ہیں، مگر ان کو بھی یاروں نے الحاد کے الزام سے نہیں چھوڑا ۔ اور کفر کی نسبت ان کی طرف کر دی ۔

امام غزالی کا حال سب جانتے ہیں کہ آج لقب ان کا حجۃ الاسلام ہے مگر یہ حضرت بھی اپنے زمانہ میں کافر ٹھیرائے گئے اور ان کی کتابوں کو جلا دیا بلکہ ان پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا تھا ۔ اسی امر امام کو کسی ان کے دوست نے لکھا کہ تمہاری کتابوں پر لوگ طعن کرتے ہیں اور خلاف سلف صالح کے عقائد کے جانتے ہیں اس کا انہوں نے شکایت نامہ جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملے یا عزیز! ان حاسدوں کی باتوں پر خیال نہ کر اور ان جاہلوں کی طعن و لعن سے کچھ رنجیدہ نہ ہو ۔ ان کی باتوں پر صبر کر اور ان کو چھوڑ دے ۔ استحقر من لا یحسد ولا یقذف واستصغر من بالکفر والضلال لا یعرف تو سہل جان اس آدمی کو جس کو لوگ حسد نہ کریں اور حقیر جان اس شخص کو جس کی طرف کفر اور گمراہی کی نسبت نہ کی جائے ۔

ایسے لوگوں کی صلاح کی امید نہ کرو جو صرف حسد سے برا بھلا کہتے ہیں۔ اور ایسے جاہلوں کی بات نہ سنو جو تھوڑی سی مخالفت کو بھی لوگوں کی کفر جانتے ہیں۔ اور ان مفتیوں اور مولویوں کی باتوں پر کچھ خیال نہ کرو کہ جو ذرا ذرا سی بات پر فقد کفر فقد کفر کہنے لگتے ہیں۔ کیا وہ فقہ کے پڑھ لینے اور نجاست کے ازالہ اور زوجین کے طلاق کے مسئلے جان لینے سے کفر و ایمان کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف توجہ نہ کرو اور ان کی باتوں کے سننے میں اپنی اوقات ضائع نہ کرو اور اپنے دھندے کو نہ چھوڑو۔

ان بزرگوں کو جانے دو۔ ہندوستان کے بعض نامور شخصوں کو خیال کرو کہ ان کو بھی یاروں نے نہ چھوڑا۔

حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کے کفر کا فتوے دیا گیا۔

مولانا ولی اللہ پر بھی بدعت و گمراہی کا الزام لگایا گیا۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید فی سبیل اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تکفیر کا فتوے مکہ کے مفتیوں سے لوگ لکھوا ہی لائے۔ اور ایسے پاک شخص کے کافر ٹھیرانے میں دریغ نہ کیا۔

غرض کہ کوئی زمانہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس میں کوئی نامور اور مصلح ایسا گذرا ہو جس کی مخالفت لوگوں نے نہ کی ہو بلکہ ہم تو ہر ایک نامور کا ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ یار لوگوں نے اس کو حسد کیا۔ دشمنوں نے اس پر طعن کئے۔ جاہلوں نے اس کی ہنسی اڑائی حضرات مولویوں نے اس کے کفر کے فتوے دئے۔ ایک بھی تو ان کے پنجۂ ظلم سے نہیں بچا۔ اور کوئی بھی تو تکفیر کے فتوے سے محفوظ نہیں۔ پھر اس زمانہ کے مولویوں کے کافر کہنے کی اگر کوئی شکایت کرے۔ تو وہ نادان ہے یہ تو ان کی معمولی عادت اور پرانی سنت ہے ولا تجد لسنتھم تبدیلا۔

ایک زمانہ میں حضرات فقہا نے تکفیر کی یہ کثرت کر دی کہ ذرا ذرا سی بات پر کفر کے فتوے دیئے اور ایک ادنیٰ فروعی مسئلہ کی مخالفت پر مسلمانوں کو قتل کرایا۔ صدہا مسلمان ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے پر کافر ٹھیرے اور بہت سے ایمان دار گردن اور کانوں کے مسح نہ کرنے پر مارے گئے خلق قرآن کے مسئلہ نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادیں۔ خلافت و امامت کی بحث میں شہر کے شہر ویران کر دئے۔ پس جب اس زمانہ میں شیطان کے وجود خارجی اور آسمان کے وجود خارجی کے انکار پر کفر کے فتوے ہوئے۔ تو کوئی نئی بات نہیں ہے ؎

گھائل تیری نظر کا جو رخ دگر ایک　　زخمی بچا ایک بندۂ درگاہ دری نہیں

عزیز من تو ایمان ایک نور ہے جو خدا دل میں پیدا کرتا ہے۔ وہ نور خود آدمی کو اپنے ایمان کی حقیقت سے واقف کر دیتا ہے۔ اس کی تصدیق قلبی دوسروں کی شہادت کی محتاج نہیں رہتی۔ نہ کسی کی تکفیر سے کسی کا دل متزلزل ہوتا ہے ؎

ومن یک وجدہ وجدا صحیحا　　فلم یحتج الی قول المغنی

لہ من ذاتہ طرب قدیم　　وسکر ثم من غیر دن

امام ابو حنیفہ سے یوسف بن خالد نے وتر کا مسئلہ پوچھا۔ امام نے کہا کہ واجب ہے۔ اُس فقیہ نے کہا کہ کفرت یا ابا حنیفۃ کہ اے ابو حنیفہ تم کافر ہو گئے۔ یہ جواب اس کے امام نے فرمایا کہ ایھولنی اکفارک ایای وانا اعرف الفرق بین الواجب والفرض کہ کیا تیرے کافر کہنے نے مجھے ڈرا دیا حالانکہ میں واجب و فرض کا فرق جانتا ہوں۔ پس کیا کافر کہنا ہمارے زمانہ کے لوگوں کا اُن کو ڈراوے گا جو کفر و ایمان کی حقیقت جانتے اور حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں ✦

غرض کہ میں آج تک کفر کے فتوے کو نہیں سمجھا کہ کیا ہے۔ آیا کوئی نوشتہ خدا کا ہے جو جبریل امین لائے ہیں یا جہنم کے داروغہ کے نام کا وارنٹ ہے جو مولوی صاحبوں نے عطا کیا ہے یا محض تحریر کیا جاتا ہے غایۃ ما فی الباب وہ ایک عالم یا چند عالموں کی رائے ہے۔ اُس کی ہمارے نزدیک اُسی قدر وقعت ہے جس قدر کہ حدیث موضوع اور بے سند کی شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک تھی یعنی گوز شتر۔ میں نہیں خیال کر سکتا کہ کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ کسی آدمی کے کہنے سے گو وہ کتنا ہی متقی ہو کوئی مسلمان کافر ہو جاویگا یا خدا اُس کے فتوے پر دوزخ میں بھیج دیگا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ تقلیدی مسلمان جن کو انسان کہنا بھی زیبا نہیں اور جن کی شان کالانعام بل ھم اضل ہے وہ ان خوفناک کاغذوں کو دیکھ کر ڈر جاوینگے اور ایک کاٹھ کے گڈوں کو حقیقی سانپ سمجھ کر بھڑکنے لگینگے۔ اس سے زیادہ کوئی اثر ان فتووں کا نہیں ہے ✦

(تہذیب الاخلاق جلد اول ۲۷۲ تا ۳۰۰) ✦

اُنہیں ایام میں جب کہ آپ حیدر آباد میں تشریف فرما ہوئے، تو بعض مخالفین نے بہت سے اتہام اور افترا آپ پر باندھے۔ چنانچہ نواب صاحب ممدوح نے اپنی برأت کے لئے اُن کے جواب میں جو ایک تحریر شائع کی وہ بھی اس مقام پر نقل کی جاتی ہے:-

لعنۃ اللہ علی الکاذبین

اخبار نور الانوار میں میری نسبت ایک بزرگ نے مشتہر فرمایا ہے کہ وقتیکہ میں حیدر آباد کو ان سے ملنے گیا اور انہوں نے پوچھا کہ حیدر آباد سے بھی شغل تحریر نیچریہ کا رہیگا۔ بجواب اس کے میں نے کہا کہ یہ بہت سے زیادہ ہوا کہ میں نے اس تحریر کو ترک کر دیا ہے اور یہ تحریریں میری جب بطور ظاہر کے تھی ورنہ باطن میرا بجا اہل اسلام کا ہے ✦

یہ تحریر حضرت کی سراسر جھوٹ اور محض تہمت ہے سُبحانک ھذا بہتان عظیم۔ چند روز پیشتر لکھنؤ نے ایسی ہی بیہودہ خبریں اڑائی تھیں اور میرے تمام دوستوں نے بھی مجھ سے استفسار کیا تھا میں نے بجواب عزیزی ماجد علی کے اس کی کیفیت اپنی مشتہر کر دی تھی۔ اب حیدر آباد آنے سے پھر ناواقف مسلمانوں کو خیال شاید پیدا ہوا اور اُن کو اپنے غلط خیال کے موافق گمان تبدیلی خیالات و وضع کا میری نسبت پیدا ہوا ہو مگر میرے

مذہبی خیالات اور دلی ولولوں میں کچھ فرق نہیں ہوا مسلمانوں کے مذہبی اوہام کی غلطیاں ظاہر کرنے اور اُن میں تہذیب شائستگی پھیلانے کا خیال جیسا تھا ویسا ہی ہے ؎

اُنہیں خوئے دل آزاری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے — وفا کی ہم کو بیماری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے

مَیں نے نہ اپنے اعتقاد کو بدلا، نہ اپنے خیال کو، نہ اپنی وضع کو، نہ اپنے لباس کو، نہ اپنی طرزِ معاشرت کو؛ اور انشاء اللہ العزیز ؎

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود — سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود

حلقۂ پیرِ مغانم ز ازل در گوش است — ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

مولوی محمد علی صاحب کی تحریروں کی تاثیر بھی میری توبہ کی ایک خیالی وجہ قرار دی گئی ہے۔ مگر مَیں سچ کہتا ہوں اور سراسر سچ کہتا ہوں کہ اُن کی اکثر تحریرات کا اثر اگر کسی کے دل پر ہو سکتا ہے تو اتنا ہی کہ اسلام شہوت رانی اور ظلم اور فساد اور بداخلاقیوں کا ذریعہ اور جھوٹی کہانیوں اور بیہودہ خبروں اور عقل و حقیقت کی مخالف باتوں کا ایک مجموعہ ہے نہ اسلام سے دنیوی برکتیں ہوئیں نہ بنی نوع انسان کی معاشرت اور اخلاق میں اس سے اصلاح ہوئی۔ حق یہ ہے کہ مولانا صاحب پادریوں پر احسان کر رہے ہیں اور اُن کو اسلام کی غلط بُرائیوں کے ظاہر کرنے اور اُس کی اصلی خوبیوں کے چھپانے میں مدد دے رہے ہیں۔ جو سیاہی موجودہ اسلام کے چہرہ سے دُور کی جاتی ہے۔ مولوی صاحب اُسے پھر لگا دیتے ہیں۔ اور جو الزام مسلمانی مذہب سے دُور کیا جاتا ہے مولانا صاحب اُسی کو پھر جما دیتے ہیں۔ پس جب کہ میرے نزدیک مولانا صاحب کا دل و دماغ ایسا ہو اور میرے دل پر اُن کی تحریرات کا ایسا اثر ہوتا ہو تو اُس سے مجھے کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ ہاں اُن کی تحریرات سے کبھی کبھی طالب العلموں کی کج بحثیوں کا مزہ آ جاتا ہے یا صرفی و مصباح پڑھنے والوں کے لفظی مباحثوں کی تفسیر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے دگر ہیچ۔ اِس وقت مجھے ایک حکایت منظوم یاد آئی ہے کہ شائقین کے نذر کرتا ہوں۔ سُننے والے اُسے میری زبان سے سنیں اور داد دیں ؎

عارفے از کوہ بصحرا گذشت — دید عزازیل بدامانِ دشت — دل ز غم وسوسہ پرداختہ — دیدہ ز نیرنگ تہی ساختہ

گفت بدو عارفِ صحرا نورد — کز چہ دریں بادیہ ہرزہ گرد — طبعِ تو آسودہ ز وسواس چیست — ایں قدرت کندی الماس چیست

کارِ تو در صومعہ و خانقاہ — باز چرا ماندہ از کارگاہ — تفرقہ بخشِ صفِ طاعت نۂ — رخنہ گرِ سلکِ جماعت نۂ

در صفِ اصحابِ نبیِ تو کو — جادوئے جبریلِ فریبِ تو کو — شعبدہ انگیزئ خوبت کجاست — خدعۂ بد عربدہ جویت کجاست

رہزنِ دوراں بدل بدسگال — طعنہ کناں داد جوابِ سوال — کز برکاتِ علمائے زماں — فارغم از کشمکشِ این و آں

داشت مرا بارِ زمیں جد و جہد — حیلہ گریہائے فقیہانِ عہد — یک تنِ از یں طائفہ بوالہوس — از پئے گمراہئ کونین بس

اب مَیں اپنے دوستوں اور یاروں کی خدمت میں صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی میری نسبت ایسی لغو اور بیہودہ اور جھوٹی خبریں اڑائے اُسے غلط اور تہمت سمجھیں۔ اور ناصحینِ دلسوز کی حضور میں بھی یہ التماس ہے کہ آئندہ

نصیحت سے معاف فرماویں اور اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کریں ؎

من ترک عشق بازی و ساغر نمے کنم | صد بار توبہ کردم و دیگر نمے کنم
شیخم بطعن گفت حرام است مے مخور | گفتم بگوش گوش بہ ہر خر نمے کنم
تقوی ہمیں بس است کہ چون زاہدان شہر | ناز و کرشمہ بر سر منبر نمے کنم

ایسے دردانگیز حالات ہیں کہ لکھے نہیں جا سکتے اس لئے اجمالاً ان کو ہمیں چھوڑ کر ان لیکچروں کے جمع کرنے کا باعث عرض کیا جاتا ہے۔ یہ خیال اس ہیچ مدان کو اسی وقت پیدا ہو گیا تھا جب کہ سنہ ۱۸۹۸ء میں بندہ نے **نواب** صاحب مرحوم کے مضامین متعلقہ تہذیب الاخلاق کو ترتیب دیا تھا۔ مگر ہر ایک کام اپنے وقت پر انجام پاتا ہے۔ اس لئے کئی ایک باعث سے وہ ارادہ ملتوی رہا ؛

اب جو ان جواہرات بیش بہا کو خاک سے اٹھا کر پراگندہ اور ایک دوسرے سے الگ پایا تو میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ عاشق سرسید مرحوم و مغفور کے لیکچروں کے انہیں بھی ہر ایک جگہ سے تلاش کر کے ایک مکمل مجموعہ کی صورت میں شائع کر دوں تاکہ آئندہ اور موجودہ نسلوں کے لئے ایک ذخیرہ دانش اور جواہرات کا خزانہ کھل جائے۔ پس جہاں تک میرے حیطۂ امکان میں تھا میں نے ہر قسم کی کوششوں سے کام لیا بہت سی کتابوں کو پڑھا اور پرانے اخباروں رسالوں اور کانفرنس کی رپورٹوں وغیرہ کی ورق گردانی کی۔ بڑے بڑے اہل علم لوگوں سے بذریعہ تحریر مشورہ لیا۔ اور واقعی میں کوئی ایسا لیکچر باقی نہ رہا جو اس مجموعے سے رہ گیا ہو۔ جہاں تک میری ہمت میں تھا میں نے خوشخط لکھوانے اپنا وقت اور زر کثیر خرچ کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ؛

اس موقعہ پر اگر میں اپنے قدیمی دوست حضرت مولوی **امام الدین** صاحب گجراتی کا شکریہ ادا نہ کروں تو بے انصافی میں داخل ہوگا جنہوں نے ورق گردانی لیکچروں کی تلاش اپنی کتابیں دینے اور ہر ایک قسم کی امداد میں فرق نہیں کیا۔ پس میں ان کا تہ دل سے شکرگذار اور ممنون احسان ہوں ؛

ناظرین با تمکین سے التجا کرتا ہوں کہ اگر مجھ سے اس مجموعہ میں کوئی فروگذاشت ہو گئی ہو تو اس کی اصلاح فرماویں اگر ہدایت ہمدردانہ و منصفانہ ہے تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کو درست کیا جائے۔ اس مجموعہ کا نام **مجموعہ لیکچرز و اسپیچز حصہ اول** رکھتا ہوں۔ اگر حیات مستعار باقی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا دوسرا حصہ بھی بہت جلد پبلک کے سامنے پیش کروں گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؛

مسکین ملک فضل الدین ککے زئی

۱۵ - دسمبر ۱۹۰۰ء

تاجر کتب قومی - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۱

اسپیچ

بمقام ہائی سکول مرزاپور تاریخ ۲۲ - مئی ۱۸۷۲ء کو بغرض تقسیم سالانہ انعام کے جلسہ ہوا اور اکثر رئیس اور حاکم تشریف لائے ۔ اول ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں ۔ پھر دوسرے ماسٹر نے اردو میں رپورٹ سنائی ۔ بعد اُس کے رابرٹسن صاحب کلکٹر مرزاپور نے انگریزی زبان میں ایک مختصر سپیچ کر کے یہ فرمایا کہ اب میرے دوست مولوی مہدی علی ڈپٹی کلکٹر صاحب کچھ تقریر کرینگے ۔ اور اردو زبان میں آپ لوگوں سے کچھ کہینگے ۔ بعد اُس کے مولوی مہدی علی صاحب نے کھڑے ہو کر زبانی یہ تقریر کی :-

اے حاضرین جلسہ ! جو رپورٹ حالات مدرسہ کی ابھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں اور بابو صاحب نے اردو میں سنائی اُس سے آپ کو طلبہ کی تعداد اُن کی تعلیم کے درجے اور اُس کے نتیجے معلوم ہو گئے اب اُس کا اعادہ بیفائدہ ہے مگر میں اپنے اوپر ضروری سمجھتا ہوں کہ جو فرق اُس مدرسہ کی حالت میں بہ نسبت سابق کے ہوا ہے اسے کچھ تھوڑا سا بیان کروں ۞

۱۸۶۸ء میں میں نے اس مدرسہ کو دیکھا اور چند مرتبہ عربی ۔ فارسی ۔ اردو ۔ درجوں کا امتحان لیا اور انگریزی طلبہ کی استعداد و لیاقت کی کیفیت اور ممتحنین سے سنی ۔ اس زمانہ میں اس مدرسہ کی تعلیم کی یہ کیفیت کہ رؤسائے شہر اپنے لڑکوں کو مشن اسکول میں بھیجنا پسند کرتے تھے اور بوجہ ناقص ہونے تعلیم کے اور بے انتظامی مدرسہ کے یہاں داخل کرانا منظور نہ کرتے تھے ۔ مگر جب سے گارڈن صاحب ماسٹر مقرر ہوئے اُن کی لیاقت اور محنت و توجہ خصوصاً اُن کی خوش اخلاقی اور تہذیب کی وجہ سے صورت مدرسہ کی بدل گئی طلبہ بھی بڑھ گئے ۔ استعداد میں بھی اُن کی ترقی ہوئی ۔ اب رئیسان شہر اپنے دلاڈوں کو اسی مدرسہ میں بھیجتے ہیں اور یہاں کی تعلیم کو پسند کرتے ہیں اور گارڈن صاحب کے شکر گزار ہیں ۔ عربی درجہ میں بھی اچھی ترقی ہوئی ۔ مولوی معین الدین صاحب کی برکت سے چند طالب علموں کے سر پر فضیلت کی پگڑی بھی بندھ گئی ۔ بلاشبہ مولانا صاحب بڑے مفسر بڑے محدث بڑے عالم اور

جامع معقول و منقول ہیں۔ دُور دُور سے لوگ اُن سے پڑھنے آتے ہیں۔ جس قدر انہوں نے محنت کی ہے اُس قدر تنخواہ نہیں پائی۔ جس قدر اُنہوں نے علوم کی تعلیم کی گو اُن علوم کی نسبت میری رائے کیسی ہی ہو اُن کی تعلیم میں ذرا شک نہیں ٭

یہ چند فقرے کہہ کر ڈپٹی صاحب عربی کے طلبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے مخاطب ہوکر یہ تقریر کی:-

اے میرے ہم قوم اور ہم مذہب طالب علموں! تم ذرا میری باتوں کو غور سے سنو اور انصاف اور دانشمندی سے اُسے سوچو کہ مَیں تمہاری بھلائی کے لئے کیا کہتا ہوں ٭

اگرچہ مَیں نہایت خوش ہوں کہ تم اپنے قدیم علوم کی تعلیم پر متوجہ ہو اور ایک نہایت دل پر اثر کرنے والے شوق سے اُس کی تحصیل کرتے ہو اور تم میں سے چند طلبہ نے کامیابی بھی پائی اور فضیلت کے خطاب پا لینے سے اپنی عزت حاصل کی۔ مگر حقیقت میں یہ تعلیم ناکافی ہے اور جو نتیجہ علم کا ہے وہ اس سے حاصل نہیں کیونکہ تم نے دو قسم کے علم حاصل کئے۔ ایک منقول دوسرے معقول۔ پہلی تعلیم نے تم کو تقلید میں کامل کیا۔ دوسری نے چند غلط اور بے اصل اوہام کو معقولات صحیحہ کی صورت میں تمہارے دل پر نقش کیا۔ نہ اُس سے جیسا کہ چاہئے تمہارے دین کو فائدہ ہوا۔ نہ اُس میں تمہاری عقل کو ترقی ہوئی۔ مذہبی تعلیم سے غرض صرف یہ ہے کہ وہ باتیں جو خدا نے اپنے سچّے رسول کی معرفت بذریعہ وحی کے بتائیں اُس کی روشنی ہمارے دل پر پڑے اور ہم اُن کی حقیقت سے واقف ہوں اور اُن کی حقیقت اور سچائی ہمارے دل پر اپنا ایسا اثر کرے کہ نہ تقلیداً بلکہ تحقیقاً ہم اُن کو تسلیم کریں۔ مگر جو تعلیم تم نے پائی اُس سے یہ فائدہ نہیں پہنچا یا نہ تم اُس کی حقیقت سے واقف ہوئے نہ بیواسطہ اُس نور کی شعاعیں تمہارے دل پر پہنچیں۔ تمہاری مذہبی تحقیقات اُن لوگوں کے قولوں پر ختم ہوگئی جو مثل تمہارے غیر معصوم تھے اور جن کی رائے میں تمہاری طرح خطا و صواب دونوں کا احتمال تھا۔ افسوس کہ تم نے اصل چشمہ سے پانی نہیں پیا۔ جو نہایت شیریں اور صاف اور موتی کی طرح چمکتا ہے بلکہ اُس حوض کو اصل چشمہ خیال کیا جو بیر بضاعہ کی طرح گندہ ہو رہا ہے۔ تم نے اپنے دینی عقائد اور مذہبی اقوال کو خدا کی کتاب سے خود تحقیق نہ کیا۔ بلکہ لوگوں کی رایوں اور قولوں اور خیالوں ہی پر اپنے معتقدات کی بنیاد قائم کی۔ تم نے اپنے فقہی مسائل اور شرعی احکام کو سچّی باتوں سے رسول کی خود دریافت نہیں کیا بلکہ جو لوگ لکھ گئے اور کہہ گئے اُسی کو منزل من اللہ سمجھا اور بڑا افسوس یہ ہے کہ اگر تم جاہل رہتے اور کچھ تعلیم نہ پاتے تو تم اس کورانہ تقلید میں پڑنے سے معذور ہوتے۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس اُس پر ہے کہ تعلیم نے تم کو یہ نتیجہ دکھایا اور علم کے حاصل کرنے سے بجائے تحقیق کے تم نے تقلید کو حق جانا ٭

یہ تم نہ خیال کرو کہ معاذ اللہ مَیں مذہبی تعلیم کو بُرا جانتا ہوں۔ مَیں کافر ہوں اگر ایسا خیال کروں بلکہ

میں ہر مسلمان پر فرض سمجھتا ہوں کہ وہ مذہبی تعلیم پاوے اور اپنے دینیات میں کامل واقفیت حاصل کرے لیکن اگر میں متاسف ہوں تو صرف اُس کی طرز و طریق پر کیونکہ جو تقلیدی تعلیم تم حاصل کرتے ہو یہ حقائق دینی کے ادراک کے لئے اور مسائل شرعی کی حقیقت پر پہنچنے کے لئے ناکافی ہے بلکہ مزاحم ہے۔ انصاف کرو کہ کیا حاصل ہوا تم کو تعلیم سے جب کہ تمہارے خیالات میں بلندی اور تمہاری عقل میں ترقی نہ ہوئی اور تمہارے دل نے اصل مذہب کی روشنی نہ پائی۔ اور کیا فرق ہوا درمیان اُن عامیوں کے جو تمہاری تقلید کرتے ہیں اور درمیان تم عالموں فاضلوں کے جو تم اوروں کے پیچھے چلتے ہو۔ پس اُس تعلیم سے جس نے تم کو کورانہ تقلید میں مبتلا کیا تمہارے مذہب کو کیا فائدہ ہوا ؛

مگر یہ حقیقت میں قصور تمہارا نہیں ہے۔ وہ سلسلہ تعلیم کا ایسا ہے کہ جب تک بڑی مضبوطی اور دانشمندی اور ایمانی قوت سے اور اچھی اچھی تحقیق سے اُس میں اصلاح نہ کریں اور اُس کے حسن و قبح سے بحث کر کے دوسری راہ نہ بتاویں تب تک تم سوائے اس کے کہ آنکھ بند کر کے اُس پر چلو کیا کر سکتے ہو ؛

خیر مذہبی تعلیم کو چھوڑو۔ اب اپنے معقولی سلسلہ پر نظر کرو اور سوچو کہ تقلید نے اُسے بھی کس ابتر حالت پر پہنچا دیا ہے اور اُس سے کیا نتیجہ تم کو حاصل ہوتا ہے۔ تمہارا علم معقول چند یونانی مسئلوں کے جاننے پر منحصر ہے اور گنی ہوئی باتوں کی واقفیت پر اُس کا مدار ہے۔ حقیقت میں معمولی کتابوں کے چند ورقوں کا الٹ پلٹ کر لینا اور طوطی کی طرح اُسے زبان کہہ دینا تمہارے علم کی انتہا ہے اور چند فلسفی باتوں کا جس کی حقیقت پر بھی ہرگز تم نہیں پہنچتے یاد کر لینا تمہارا مبلغ علم ہے۔ حساب میں اگر تم نے خلاصۃ الحساب کی ضرب تقسیم سیکھ لی تم محاسب ہو گئے۔ شرح چغمینی کے دو جزو اگر پڑھ لئے تو تم رشک بطلیموس بن گئے۔ مجسطی کے لفظ یاد ہو گئے کہ اپنے آپ کو افلاطون جاننے لگے۔ مگر اے میرے عزیزو۔ تم اپنے بھائیوں کو جو اسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پاتے ہیں دیکھو اور اُن کی باتوں سے اپنے دقائق حقائق کو مقابلہ کرو۔ تب تمہیں معلوم ہو کہ تم کس غلطی میں پڑے ہوئے ہو۔ اے طالب علمو۔ ذرا ان لڑکوں سے عناصر کی حقیقت سنو تب اسطقسات اربعہ کی ماہیت جاننے پر خوش ہو۔ ذرا طبیعیات کے مسائل کا تجربہ کر کے دیکھو۔ تب میبذی اور صدرہ کی طبیعیات پڑھ لینے پر ناز کرو۔ ذرا آسمان و زمین کا کرہ جو اس وقت تمہارے سامنے رکھا ہے ہاتھ میں اٹھا کر اُس کی کیفیت پوچھو پھر اپنے فلکیات پڑھ کر آسمان و زمین کے قلابے ملاؤ۔ افسوس ہے۔ کہ یہ سب چیزیں تمہارے سامنے ہیں اور تم اُن کی حقیقت دریافت کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے اور اُس کی غلطی و صحت پر آگاہ ہونے پر متوجہ نہیں ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ تم میں جو علوم سے فارغ ہو چکے اور جنہوں نے پگڑی فضیلت کی سر پر باندھ لی اور جن کو جناب سیدنا و استادنا نے معقول و منقول کی سند بھی دیدی ذرا میرے ساتھ اسٹیشن پر چلو اور ایک انجن کو دیکھ کر اُس کے چلنے کا سبب بتاؤ شاید تم ویسی ہی باتیں کرو گے جیسا کہ وہ دہقان جو اپنا ہل بیل چھوڑ کر اُسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو۔ اور عامیانہ باتیں کرے نہ تم اُس کی دُم

سے واقف ہو گئے نہ سرسے ۔ پھر ذرا تار گھر کے کمرہ میں تشریف لیچلو اور اُس کہربائی قوت کی حقیقت بتاؤ۔ وہاں بھی سوائے اظہار حیرت کے آپ لوگوں سے کچھ نہ ہوگا۔ پس افسوس کا مقام ہے یا نہیں کہ تمہارے معقولات اور ہندسہ اور ہیئات اور ریاضی اور طبیعیات نے تم کو ایک عامی آدمی کے درجہ سے بھی نہیں بڑھایا اور غور ابھی کوئی مادہ تحقیق کا نہیں دیا۔ پس آپ کے علم و فضل سے کیا توقع قوم کی ترقی اور علم کی روشنی پھیلنے کی کی جاوے ✦

اے ہوشیار طالب علمو! کیا خدا نے تم کو اور قوموں کی طرح مادہ تحقیق کا نہیں دیا ہے یا تمہارے دل و دماغ کو ان باتوں کے سمجھنے کے لائق نہیں بنایا۔ میرے نزدیک شاید ساری دنیا میں ہماری ہی وہ قوم ہے کہ جس کے دل و دماغ کے برابر دوسرا نہیں۔ کیا یہ وہ قوم نہیں ہے جس نے یونانیوں کو چند مسائل سیکھ کر اُسے ایسی ترقی دی کہ اگر افلاطون و ارسطو زندہ ہوتے تو وہ بھی قدموں پر گرتے کیا ہم لوگ وہ نہیں ہیں جن کے اجداد نے ساری دنیا کو معقولات کی روشنی سے منور کیا۔ یورپ کا ملک کیا ہماری شاگردی پر کسی زمانہ میں فخر نہ کرتا تھا۔ کیا اب یہ بڑے بڑے محقق ہمارے اسلاف کے علم و فضل سے فیضیابی کا اقرار نہیں کرتے۔ پس رونے کا مقام ہے کہ ایک ایسی باہمت اور عالی دماغ اور بلند حوصلہ قوم ایسی پست اور ذلیل اور ابتر حالت پر پہنچ جاوے کہ چماروں کے لڑکے لڑکیوں کے بچے اُن پر ہنسیں اور اُن کے دل و دماغ کو علوم کی تحصیل کے لائق نہ جانیں۔ سچ ہے جو خدا نے فرمایا ہے تلک الایام نداولها بین الناس کیسی قوم کیسی ہو جاوے ✦

لیکن اس ذلت و ادبار و جہالت کا سبب صرف تمہارا تعصب و تقلید ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ انگریزی پڑھنا منع ہے۔ کوئی فرماتا ہے کہ علوم جدیدہ سیکھنا حرام ہے۔ کوئی اس خبط میں مبتلا ہے کہ انگریزی مدرسوں میں تعلیم لینے سے مذہب جاتا رہیگا۔ کوئی اس نشہ میں سرمست ہے کہ تحقیق کرنے اور پرانے خیالات کو چھوڑنے سے خرق اجماع کا لازم ہوگا۔ اگر حقیقت میں تمہارا مذہب ایسا ہی بودا اور ناپائدار ہے اور وہ تمہارے نزدیک ایک طلسم کا رخانہ ہے تو کب تک تم بچاؤ گے۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں وہ گرجاویگا۔ اور ان نئے منتروں سے جو بچے سیکھتے جاتے ہیں وہ طلسم درہم برہم ہو جاویگا۔ مگر ہمارے نزدیک تو وہ ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی بنیاد ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے کہ طوفان نوح سے بھی اُسے صدمہ نہ پہنچیگا اور علوم کی تحصیل اور حقائق اشیا کی تحقیق سے اُس کا نور اور چمکیگا ✦

اے میرے عزیزو! ذرا ہارون رشید اور خلفائے عباسیہ کے عہد دولت پر خیال کرو۔ برامکہ کی علمی مجالسوں کو دیکھو کہ انہوں نے علم کی ترقی اور معقولات کی تحقیق میں کیا کیا کوششیں کیں اور انھوں نے اپنی تحقیق کی بدولت اسلام کی کیسی عزت ظاہر کی۔ غزالی رح اور رازی رح اور بو علی اور فارابی اور [illegible] کیسے نامور ہوئے کہ جن کا نام اب بھی غیر قوم کا کوئی محقق بغیر تعظیم کے نہیں لیتا۔ مگر افسوس ہزار افسوس کہ وہ لوگ

مر گئے۔ اُن کی جگہ ہم پیدا ہوئے ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ۔ تہی خمخانہا کردند و رفتند

لیکن اگر تم کہو کہ اب بھی تم اُن کی باتیں جانتے ہو اور اُنہیں کی تحقیقاتوں کو پڑھتے ہو تو یہ غلطی ہے بہت سی باتوں میں فرق ہو گیا۔ بہت سی چیزیں بدل گئیں تحقیقات اعلےٰ درجہ پر پہنچ گئی۔ اکثر چیزوں کی غلطیاں کھل گئیں۔ اس واسطے وہ اپنے زمانہ کے خیال کے لحاظ سے محقق تھے۔ مگر اب اُن کی تحقیقاتوں کے ماننے والے جاہل اور مقلد ٹھیرینگے۔ دیکھو بطلیموس کیسا بڑا حکیم تھا مگر ذرا اُس کا جغرافیہ دیکھو۔ اُس نے جو پُرانی دنیا کا نقشہ کھینچا تھا اُسے ملاحظہ کرو۔ اور اب کے جغرافیہ اور حال کی زمین کے کرہ سے ملاؤ تو کتنا فرق پاؤگے کہ اگر اس زمانہ میں کوئی ایسے جغرافیہ کو لکھے تو وہ احمق ٹھیرے مگر سب اُس نامور حکیم کی اُس تحقیقات کو اُس کی عالی دماغی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ پس تم جو اس خیال میں مبتلا ہو کہ علم اگلوں پر تمام ہو گیا۔ ساری تحقیقاتیں پُرانے لوگ کر گئے۔ اب اُن کا جاننا ہی منتہائے علم ہے یہ نادانی ہے۔ اس لئے ذرا تم ان عامیانہ خیالات کو چھوڑو اور اپنی قوم کی جس کے ڈوبنے میں کچھ باقی نہیں رہا دستگیری کرو نہ کہ اُس کے غرق کرنے کی تدبیر کرو ؞

بھلا انصاف سے اس کا جواب دو کہ تم عالم بھی ہو گئے فقیہ بھی بنگئے۔ صدرہ۔ شمس بازغہ پڑھ کر جامع معقول بھی ٹھیر چکے۔ مگر اب تم خود کیا کروگے اور مدرسہ سے نکلنے کے بعد اپنی قوم کی کیا بھلائی کروگے۔ میرے نزدیک تمہارا معقول تو اس کام کا بھی نہیں کہ کسی علمی جلسہ میں بیٹھ کر بات سمجھنے کی بھی لیاقت اُس سے حاصل ہو۔ چہ جائے کسی صنعت و ہنر کے ایجاد کرنے کی توقع ہو یا کسی نئی تحقیقات کرنے کی اُمید ہو۔ ہاں اُس کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنے مشرب کے چند لوگ آدمی بیٹھو تو اُن کی کتابوں کے حواشی اور شرحوں اور زوائد لفظوں سے بحث کر کے چند ساعت اپنی عمر عزیز ضائع کرو رہا تمہارا منقول اُس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ کسی مسجد میں جا کر قصہ گوئی کروگے۔ جھوٹی جھوٹی باتیں دین کی کہکر نہایت ذلت اور مکر کے ساتھ روٹیاں کماؤگے۔ دنیا کی بُرائی دنیاداروں سے نفرت کا وعظ کہکر کونجڑے قصائیوں کے سامنے اپنا دامن پھیلاؤگے۔ شاذ و نادر ایسے لوگ نکلینگے جو سچا توکل کریں اور اپنے دل سے دنیا چھوڑ کر دیندار بنیں۔ پس یہ نتیجہ تو تمہاری ذات کے لئے ہُوا۔ رہی قوم کی بھلائی۔ بس علم اور حکمت اور عقل کی ترقی کی تو تم سے کچھ اُمید نہیں۔ کیونکہ وہ آلہ ہی تمہارے پاس نہیں جس سے وہ کام ہو۔ ہاں دین کی ترقی کا تم خیال کر سکتے ہو۔ مگر میرے نزدیک سوائے اس کے کہ تعصب اور جہالت اور تقلید کی ترقی ہو تمہاری ذات سے اور کچھ امید نہیں۔ چند جہلا میں بیٹھ کر شیخی کی باتیں کروگے۔ اُن کے دلوں میں جو تعصب اور تقلید کی آگ ہے اُسے اور مشتعل کروگے۔ نہ اخلاق میں تہذیب۔ نہ عادات میں اصلاح۔ نہ معاشرت کے طریقوں کی درستی۔ نہ چال چلن میں شائستگی کی تم سے توقع ہے نہ غلط

خیالات اور نہ بیہودہ اوہام کے دور کرنے کی تم سے امید ہے کیونکہ تم نے خود ہی ایسی تعلیم نہیں پائی دوسروں کو تم کیا تعلیم کرو گے ۔

پس اے میرے بھائیو! جب تک کہ تم تعصب و تقلید نہ چھوڑو گے اور علوم جدیدہ کی تحصیل پر متوجہ نہ ہو گے تب تک تمہارا علم اور تمہارا جہل یکساں ہے ۔

میں نے تمہاری بہت سمع خراشی کی اور شاید تم میں سے بعض کو نہایت غصہ دلایا۔ مگر الحق مر حق کہنے نے مجھے اس کہنے پر آمادہ کیا اگر یہ حالت تمہاری نہ ہوتی تو ہم سے ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کو ایسی بڑی باتوں کی زبان سے نکالنے پر کب جرات ہوتی۔ خیر خدا رحم کرے اور ہماری قوم کے لئے بھی ترقی علم و دولت کی راہ کھولے ۔

نمبر ۲

لکچر

جو مرزا پور انسٹیٹیوٹ میں ۲۳ - اکتوبر ۱۸۶۶ء کو دیا

حضرات! اس بات کو میرا لکچر مسلمانوں کی تہذیب پر ہے کہ وہ پہلے کیسی تھی اور اب کیسی ہے اور آیندہ کیسی ہوگی۔ تہذیب کا لفظ میں نے انگریزی لفظ سویلیزیشن کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے۔ سویلیزیشن ایک انگریزی لفظ ہے جو کہ قدیمی رومی زبان کے لفظ سوس سے جس کے معنی شہری اور جماعت کے ہیں نکلا ہے اور اس کی نسبت اس جماعت یا شہر یا ملک کی طرف جاتی ہے جس میں لوگوں کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کے قانون۔ اور آپس میں ملنے جلنے کے قاعدے۔ اور زندگی بسر کرنے کے طریقے۔ اور فرائض انسانی ادا کرنے کے قواعد عقلی اور اخلاقی اصول پر منضبط کئے گئے ہوں اور جن میں موافق حالت زمانہ کے خوبی اور شائستگی پائی جاتی ہو۔ اس انگریزی لفظ کی اصل پر خیال کیا جاوے تو مجھ کو بجائے لفظ تہذیب کے لفظ تمدن کا استعمال کرنا مناسب ہوتا۔ کیونکہ تمدن کا مادہ مدینہ ہے جس کے معنی بستی کے ہیں اور اس لئے تمدن کے ٹھیک معنی بستی کے ہیں (یعنی آبادی میں آ کر رہنا) مگر میں اس لفظ کو سویلیزیشن کے مقابلہ میں استعمال نہیں کرتا۔ اس لئے کہ جس مراد میں یہ انگریزی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تمدن کے لفظ سے وہ مراد پائی نہیں جاتی۔ تمدن کا لفظ آبادی میں مل کر بستی پر دلالت کرتا ہے۔ اور سویلیزیشن کا لفظ تمدن کی ترقی یافتہ حالت کو بتاتا ہے نہ صرف تمدن کو بہت سے ملک اور بہت سی قومیں اب موجود ہیں جن میں تمدن ہے۔ پر سویلیزیشن نہیں ہم جنہوں

بھی اپنی بدبختی سے سویلیزیشن کے درجہ کو نہیں پہنچے گو کہ مدت سے تمدن کے اعلیٰ درجہ پر ہیں اس لئے ہم نے "تہذیب" کا لفظ اختیار کیا ہے جس کے معنی چھانٹنے اور اصلاح کرنے اور درست کرنے اور خالص کرنے اور پاکیزہ کرنے کے ہیں۔ عرب بولتے ہیں "هذب به ای اصلحه" اصطلاح میں بھی تہذیب کا لفظ ہر چیز کی درستی پر بولا جاتا ہے۔ عادت کی درستی۔ رسم و رواج کی درستی۔ اخلاق کی درستی۔ علم و ہنر کی درستی۔ معاملات کی درستی۔ زبان کی درستی۔ انتظام ملک کی درستی۔ جذبات نفسانی کی درستی۔ سب پر تہذیب کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی ٹھیک مراد سویلیزیشن کی ہے۔

جن اصطلاحی معنوں میں لفظ تہذیب یا لفظ سویلیزیشن کا ہم استعمال کرتے ہیں اُس پر بہت سا مباحثہ ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ مگر جو مراد کہ اس لفظ سے میرے دوست سید احمد خاں بہادر نے بیان کی ہے وہ تمام خیالات کی جامع ہے اور میں اُسی کے بیان کرنے پر اکتفا کرونگا۔ وہ کہتے ہیں کہ "سویلیزیشن سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے۔ اور تمکین و وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے"۔

مبارک ہو اُس شخص کو جس نے ان مختصر لفظوں میں ایسے مطالب بیان کر دیئے جس سے ہمارے خیالات کو نہایت وسعت ہوتی ہے۔ اور وہ بیان ہی خود بخود ہمارے دل کو سویلیزیشن کی ترقی کے لئے برانگیختہ کرتا ہے۔

جو مراد کہ میں نے لفظ تہذیب یا سویلیزیشن کی بیان کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تہذیب مذہب اور علم و ہنر۔ اخلاق و معاشرت۔ تمدن و تجارت۔ زراعت و سیاست سب سے متعلق ہے۔ اور جب تک یہ سب چیزیں اپنے درجہ کمال پر نہ ہوں پوری پوری تہذیب کا وجود نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں میں یہ سب چیزیں نہایت خراب حالت میں ہیں وہ وحشی کہلاتے ہیں اور جن میں کچھ کچھ درست ہو گئی ہیں وہ نصف وحشی پکارے جاتے ہیں۔ اور جن میں زمانہ کی ترقی کے موافق یہ سب چیزیں ترقی پا گئی ہیں وہ مہذب یا سویلیزڈ کہلاتی ہیں۔ زمانہ کی ترقی کے موافق کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ کچھ عجب نہیں کہ آیندہ زمانہ میں انسان کو زمانہ موجودہ سے بھی ایسی زیادہ ترقی ہو کہ حال کی مہذب قومیں اُس زمانہ کے لوگوں کے سامنے وحشی یا نصف وحشی تصور ہونے لگیں۔

مذہب کو قوموں کی تہذیب پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کے مذہبی اصول تہذیب کے برخلاف ہوں تو ممکن نہیں ہے کہ وہ قوم اعلیٰ درجہ کی تہذیب میں پہنچے۔ جس قدر اصول مذہبی تہذیب کے برخلاف ہوتے ہیں اُسی اندازہ کے موافق تہذیب میں بھی نقصان رہتا ہے اور یہ بات

نہایت آسانی سے مختلف مذاہب کے اصول اور اُس کے پیروؤں کی حالت دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے ؛

مسلمانوں نے مذہب اسلام کی پہلی صدیوں میں مذہبی تہذیب کو اعلیٰ درجہ پر پہنچایا تھا۔ اُس ریگستان کے ناخدا نے لات ومنات وعزیٰ کی پرستش کو چھڑایا۔ اور ایک نہایت قوی ہستی مطلق کی پرستش کا بیج ہر ایک کے دل میں بویا۔ ہم کو ایک ایسی ہستی کا خیال دلایا جو ہمارے ادراک اور قوائے عقلی سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور اُسی پر یقین کو نجات کا مدار ٹھہرایا۔ جو تمام مذہبی تہذیب کی اصل اصول ہے ؛

تمام روحانی تہذیب کو ان چند لفظوں میں کہ "قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا" پورا کر دیا یعنی اپنے دل کو بُرے خیالوں اور بدجذبوں سے پاک کرنا مراد کو پہنچنا ہے اور اُس کو بدی میں آلودہ کرنا گمراہی کے گڑھے میں گرنا ہے ؛

مذہبی تعلیم کو نہایت تہذیب کے اصول پر یہ کہکر ختم کر دیا کہ "فذکر انما انت مذکر" یعنی لوگوں کو نصیحت کر کہ تو بجز نصیحت کرنے والے کے اور کچھ نہیں ہے ؛

تمام مذہبوں کی ناگواری ان لفظوں سے مٹا دی کہ "لکم دینکم ولی دین" یعنی تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہے۔ جہاد کا سبب مذہبی ناگواری نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگوں نے غلطی سے خیال کیا ہے۔ کیونکہ اگر جہاد کا سبب مذہبی ناگواری ہوتی تو صلح یا فتح یا اطاعت قبول کرنے کے بعد کیوں تمام مختلف مذاہب گوارا کئے جاتے اور ہر شخص کو کیوں احکام مذہبی ادا کرنے کی اجازت رہتی۔ جب کہ ہادی نے بلاشبہ خدائے واحد کے نام کی منادی کرانا فرض ٹھہرایا ہے۔ پس جو لوگ اس منادی کی مزاحمت کریں اور منادی کرنے والوں کو اُن کے ہاتھ سے امن نہ ہو۔ اُنہیں سے لڑنا مگر امن قائم رکھنے کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ نہ غیر مذہب کی ناگواری کے سبب۔ اور یہ وہ اصول ہے جس پر آج کل کی تمام گورنمنٹیں یہاں تک کہ وہ گورنمنٹ بھی جس کا مذہبی یہ حکم ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تیرے طمانچہ مارے تو تو اُس کے سامنے دوسرا گال بھی کر دے۔ چلتے ہیں ؛

امامت کو یعنی کسی ایک کا کسی گروہ کے لئے پیشوا ہونا اور اُس گروہ کا اُسی کی رائے پر چلنا جو اُس زمانہ کے تمام مذہبوں میں رائج تھا یہ کہکر بالکل نیست و نابود کر دیا کہ "ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" یعنی خدا کے کلام کے سوا کسی دوسرے کو اپنا پیشوا مت بناؤ ؛

اجتہاد کو یعنی دین کی باتوں کے سمجھنے کو جیسا کہ سب اگلی قوموں میں خاص خاص لوگوں سے مخصوص تھا ان مختصر لفظوں سے عام کر دیا کہ "استفت قلبک" یعنی ہر شخص کا دل اس کا مجتہد ہے ؛

جوگی پنے اور تجرد کو جس کا رواج روئے زمین کی ساری قوموں میں تھا بالکل معدوم کر دیا فرما کر "لا رھبانیۃ فی الاسلام" تیرتھ اور بت خانوں کو جس سے لوگوں کے دلی خیالات

بت پرستوں کے سے ہو جاتے ہیں"۔ "لا تجعلوا قبری عیدا" فرما کر بالکل ممنوع ٹھیرا دیا ✤

یہ وہ اصول ہیں جو مذہبی تہذیب میں اس سے اعلے نہیں ہو سکتے ✤

علوم کو اگلے مسلمانوں نے ایک اعلے درجہ کی تہذیب پر پہنچایا تھا۔ ادب و انشا میں عرب قدیم سے نامور ہیں۔ شاعری بھی اُن کی مشہور ہے۔ کیٹی لونیا اور پرووینس اور اٹلی کے شاعروں نے انہیں کی روش پر شعر کہنا اختیار کیا۔ اور یورپ کی نظم میں بحر و وزن وغیرہ عرب ہی سے لیا گیا۔ فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ درجہ پر ترقی کرنے کے ثبوت میں حریری اور یمینی اور متنبی کی کتابیں اب تک دنیا میں موجود ہیں۔ ساتویں صدی کی عورتوں کا کلام اب تک ہمارے پاس ہے جس کے ایک ایک فقرہ پر ہزاروں در شاہوار کی لاکھوں لڑیاں نثار ہوتی ہیں ✤

عرب کے شاعر قدرتی کیفیتوں کے بیان کرنے کی طرف بھی مائل ہیں۔ مگر شکسپیر سا قدرتی جذبوں کا بتانے والا کوئی نہیں ہوا۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعروں کی قسموں میں رزمیہ و عشقیہ تو ترقی پر تھیں مگر جو اصل جان شاعری کی ہے اور جس میں فطرتی جذبات اور قدرتی حالات کے بیان سے انسان کے دل پر اثر ڈالا جاتا ہے اُس میں بڑی ترقی نہیں ہوئی ✤

ناول یعنی قصہ کے پیرایہ میں علمی یا اخلاقی باتوں کے بیان کرنے سے کبھی مسلمانوں نے چشم پوشی نہیں کی۔ بدیع ہمدانی اور ابو القاسم حریری کے مقامات اسی فن میں ہیں۔ الف لیلے اس فن کی ایک عمدہ کتاب ہے جس کا مسلسل بیان کسی جگہ سے نہیں ٹوٹتا اور جس سے اُس زمانہ کے مسلمانوں کے مختلف خیالات کا پورا پورا عکس سننے والے کے دل پر پڑتا ہے ✤

ڈراما میں بعض کتابیں تالیف تو ہوئیں۔ مگر عملی رواج اُس کا مسلمانوں میں نہیں ہوا ✤

فارسی زبان کو بھی جو دنیا کی سب باتوں میں شیریں سمجھی جاتی ہے مسلمانوں نے بہت رونق دی فردوسی رزمیہ نظم میں۔ خسرو قدرتی کیفیات کے اظہار میں۔ سعدی اخلاق و تمدن کے ادا کرنے میں۔ فارس اور ہندوستان میں ہوئے ہیں جیسے کہ ہومر یونان میں یا شکسپیر انگلستان میں ✤

ہمارے مذہب کے بانی نے تحصیل علم کی طرف متعدد طرح سے لوگوں کو رغبت دلائی تھی جس کا نتیجہ ہوا کہ اسلام کی دوسری صدی میں مسلمانوں نے علوم کی طرف توجہ کی اور جہاں سے اُن کو ملا اُنہوں نے علوم کو اخذ کیا۔ غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کی کتابوں کو نہایت عزیز رکھا اور چند روز میں اور قوموں کیلئے اُستاد ہونے کی عزت حاصل کی ✤

اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا الزام جو بعض ناواقف یا متعصب مؤرخوں نے مسلمانوں کو دیا ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ٹولیمی کے کتب خانہ کی چار لاکھ یا سات لاکھ کتابیں جولیس سیزر کی لڑائی میں جل گئی تھیں اور جینٹ کرانی نے جس نے اسکندریہ کی کتب خانہ کی تحقیق میں بہت سی کتابیں

لکھی ہیں اس روایت کو جھوٹا ٹھیرایا ہے۔ جن دو مؤرخوں نے یہ کہانی لکھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا جو چھ مہینے تک جلا کیا محض غلط ہے۔ خود وہ دونوں مورخ ... بعد اس واقعہ کے پیدا ہوئے تھے اور کوئی پہلی سند اُن کے پاس نہ تھی ۔

فلسفہ کی بنیاد منصور خلیفہ نے ڈالی مگر ہارون رشید اس کے پوتے نے اُن کی تکمیل کی۔ یہ خلیفہ بڑا مربی علم کا تھا۔ اہل شام اور نسطورین فرقے کے عیسائی ترجمہ میں فلسفہ کے اس کے حامی اور معاون تھے۔ اس کے زمانہ میں بوسیلہ اہل فارس اور اسپین و علمائے یہود کے فلسفہ کو بے انتہا رونق ہوئی اُس کے گماشتے بلاد ارمن اور شام اور مصر میں یونانی کتابوں کو ڈھونڈنے کے لئے مقرر تھے۔ اور ہزار ہا اونٹ قلمی کتابوں کے بھرے ہوئے اس کے دربار میں آیا کرتے تھے۔ کتب فلسفہ کے ترجمہ کا ایک جدا کارخانہ اُس نے مقرر کیا تھا۔ اور بغداد اور کوفہ اور بصرہ اور نیشاپور میں بڑے بڑے مدرسے اور کتب خانہ قایم کئے تھے۔ یہ خلیفہ بے تعصبی میں مشہور تھا۔ چنانچہ اس نے ایک عیسائی عالم کو دمشق کے کالج کا پرنسپل یعنی مدرس اعلےٰ مقرر کیا تھا ۔

جس طرح خلفاے عباسیہ کی بدولت بغداد کی سلطنت میں فلسفہ نے ترقی پائی اس سے زیادہ تر اسپین میں خلفاے بنی اُمیہ کے سبب سے روشنی فلسفہ کی پھیلی۔ اس ملک میں پہلا حامی علم اور حکمت کا خلیفہ عبدالرحمن ابن حکم تھا جس نے ہجرت کی تیسری صدی میں وفات پائی۔ اس ملک میں علم کی اس قدر ترقی ہوئی کہ ایک کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں اور پرانی کتابوں کے نقل کرنے کے لئے تین سو کاتب مقرر تھے ۔

اسپین اور اٹلی میں صدہا مدرسے ایسے جاری تھے جن میں صدہا عیسائی طلبہ فلسفہ اور حکمت پڑھتے اور پھر اپنے یہاں اُسے جاری کرتے۔ اُس وقت کے مسلمانوں اور فرنگستان کے عیسائیوں کے خیالات کا فرق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جربرٹ نامی ایک فرانسیسی عالم جب مسلمانوں کے مدرسہ میں فلسفہ و حکمت سیکھ کر اپنے ملک کو گیا تو لوگوں نے اُسے کافر ٹھیرایا اور جب مر گیا تو یہ کہا کہ شیطان نے علم کا بدلا لیکر اُسے مار ڈالا ۔

خلفاے عبیدین نے بھی جن کو یورپ کے مورخ خلفاے فاطمہ لکھتے ہیں مصر میں کچھ کم ترقی نہیں کی اُن کے شاہی کتب خانہ میں بھی ایک لاکھ قلمی کتابیں موجود تھیں جو سنہری جلدوں سے آراستہ اور نہایت خوبصورتی سے رکھی ہوئی تھیں ۔

ہندوستان کے فتح کرنے والے بادشاہوں نے بھی اس طرف سے غفلت نہیں کی۔ محمود غزنوی نے جس کو بعض تربیت یافتہ نامور ہندوں نے اپنی تحریروں میں وحشی اور قزاق لکھا ہے باوجود دوامی لڑائیوں میں مصروف ہونے ایک بڑے مدرسے کی بنیاد غزنی میں ڈالی اور مختلف زبانوں کی عجیب عجیب

کتابیں جمع کیں اور قدرتی عجائبات کا ایک عجائب خانہ بنایا اور اس مدرسے کے قیام کے لئے بہت روپیہ مقرر کیا۔ سلاطین غوریہ اور تیموریہ نے بھی منطق اور ریاضی اور طبیعیات اور ادب کے رونق دینے میں بڑی کوشش کی۔ اکبر کا زمانہ علم کی ترقی کے حق میں مشہور ہے ❊

اس زمانہ میں جو کہ یونان کی تاریخ کا چوتھا زمانہ سمجھا جاتا ہے فلسفہ کے چھ مختلف طبقے تھے مگر مسلمانوں نے اُن میں سے عموماً ارسطو کی حکمت کو اختیار کیا کیونکہ اُس کے فلسفہ کو بسبب کوشش علمائے اسکندریہ کے ہزار برس سے غلبہ تھا اور اُس کا رواج بھی بہت ہو گیا تھا اور یہی سبب ہوا۔ کہ اُس کی حکمت کی کتابوں کا زیادہ ترجمہ ہوا۔ مگر وہ افلاطون کی تصنیفات سے بھی محروم نہیں رہے بلکہ اس کی کتابوں کا بھی ترجمہ عربی میں ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں میں ابو نصر فارابی اور بوعلی سینا حکمت مشائی میں ویسے ہی ہوئے ہیں جیسے کہ یونانیوں میں ارسطو اور حکمت اشراق میں شیخ شہاب الدین مقتول ایسا ہی نامور ہوا ہے۔ جیسا کہ افلاطون یونانیوں میں۔ مگر اور طبقہ کی حکمت کا زیادہ تر رواج مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ گو وہ اور حکما کے اصول سے بےخبر نہیں رہے ❊

مسلمانوں نے ارسطو کی منطق کو زیادہ پسند کیا اور اُسی کا ترجمہ بھی اُن کے وقت میں بہت ہوا اول ترجمہ ارسطو کے قیاسات کا حنین ابن اسحاق کے ذریعہ سے مسلمانوں میں پھیلا۔ پھر ابو بشر نے چند کتابوں کا سریانی سے ترجمہ کیا اور یحیےٰ ابن عدی اور کندی نے اُسے مرتب کیا اور آخر کو فارابی اور بوعلی سینا نے اُس کی تکمیل کی۔ مسلمان عالموں نے جس خوبی سے یونانی اور سریانی اصطلاحات کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اس پر وہ بڑی تعریف کے مستحق ہیں۔ جارج ہنری لوئیس صاحب بھی اپنی تاریخ فلسفہ میں اُس پر بڑی حیرت ظاہر کرتے ہیں ❊

مسلمانوں نے اس علم میں ترجمہ اور تقلید ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس میں بہت کچھ ترقی کی چنانچہ تصور و تصدیق کے مباحث اور جزئیات و کلیات کے اصول اور استخراج نتائج کے ضابطہ اور صغرے وکبرے کی ترتیب اور حد اوسط کا بیان۔ اور قیاسات کی تقسیمیں جس خوبی سے اُنہوں نے کی ہیں اُس سے اُن کے دماغ کی قوت ظاہر ہے ❊

مسلمانوں نے ارسطو اور افلاطون کی الہیات سے بھی واقفیت حاصل کی اور واجب الوجود اور عقول عشرہ اور روح اور تناسخ اور دیگر مسائل کی بخوبی تحقیق کی اور ان کے مسائل کو اپنے مذہبی مسائل سے تطبیق یا تردید کرنے میں اپنی طبیعت کی جولانیاں اچھی طرح دکھائیں اور اُس کے واسطے اُنہوں نے ایک خاص علم اپنے مذہبی علوم میں داخل کیا جس کا نام علم کلام ہے ❊

طبیعیات میں مسلمانوں نے پوری تقلید یونانیوں کی کی مگر چونکہ اُنہوں نے تجربہ اور مشاہدے اور آلات کے ذریعہ سے کسی چیز کی ثبوت کرنے کی بجائے زیادہ تر دقیق منطقی استدلال سے

کام لیا۔ اس لئے وہ اُس کی غلطیوں کو درست نہ کر سکے اسُ اسطے ہیولےٰ اور جزء لایتجزےٰ اور صورت نوعیہ و جسمیہ اور حیز طبعی اور خلاء کی نازک بحثوں کو اور بھی دقیق کر دیا اور کائنات الجو اور اجرام فلکی اور عناصر اربعہ کی ماہیت کی تحقیق کرنے سے قاصر رہے۔ با اینہمہ انہوں نے اس علم میں بعض نہایت بکار آمد چیزوں کی تحقیق کی ہے۔ جیسا کہ محمد بن ذکریا نے اسباب قوت جاذبہ مقناطیسی پر نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے ؛

علم ہیئت میں مسلمانوں نے بڑی ناموری پائی اور بہت زمانہ تک وہ اُس کی تحقیقات پر متوجہ رہے بطلیموس کی عمدہ مشہور کتاب مجسطی کا پورا ترجمہ حنین ابن اسحاق نے کیا تھا اور جس کی ابن یوسف اور ابن قرہ نے تصحیح اور حکیم نصیر الدین طوسی نے تہذیب و تکمیل کی مسلمانوں کی ترقی علم پر شاہد ہے۔ وہ اس علم کے ایسے قدر دان تھے کہ خاص بطلیموس کا بنایا ہوا کرہ قاہرہ کے کتبخانہ میں ۴۳۵ ہجری تک موجود تھا ؛

اس علم میں مسلمانوں نے تقلید ہی نہیں کی بلکہ اس کو تحقیق بھی کیا اور اُسے کام میں بھی لائے خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں اچھے اچھے آلات ایجاد ہوئے ؛

سنجار اور کوفہ کے میدانوں میں زمین کے دائرہ عظیمہ کی پیمائش ہوئی جس سے اُس کا وہ صحیح دور جواب تک مانا جاتا ہے ثابت ہوا ؛

پھر اُنہوں نے رصدخانے بھی کثرت سے بنوائے اور زیچ کواکب بھی تیار کئے جس کا نشان سمرقند بغداد۔ دمشق۔ اندلس۔ سمرقند کے ٹوٹے کھنڈروں سے اب بھی ظاہر ہے ؛

مسلمانوں نے بطلیموسی نظام کی غلطی کو کوپرنیکس سے پہلے خیال کر لیا تھا چنانچہ محمد بن جابر جس کو انگریزی میں البویاسر کہتے ہیں اور جو بارھویں صدی میں اندلس میں پیدا ہوا اُس نے اس نظام سے انکار کیا جس کی تصدیق الپٹ ریجس اپنے رسالہ علم ہیئت کے دیباچہ میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ کہ نامی گرامی البویاسر نے کہا ہے کہ نظام شمسی اور حرکات اجرام فلکی میری تحقیقات میں اور ہی طرح پر لیا جو نظام قدیمہ یونانیہ کے خلاف ہیں ؛

علم مرایا و مناظر میں بھی مسلمانوں نے بڑی ترقی کی خصوصاً ابو علی الحسن جو گیارھویں صدی میں ہوا اُس کا رسالہ علم مرایا و مناظر کا یورپ کی مشہور کتابوں میں سے ہے جس کو وزنیر نے ترجمہ کیا اور ۱۵۷۲ء میں بمقام بیل چھاپا گیا۔ اس محقق نے یونانیوں کی یہ غلطی ثابت کی کہ شعاع نظر آنکھ سے نکل کر کسی چیز پر نہیں پڑتی ہے بلکہ اُس نے تشریح اور علم مثلث کی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ تمام چیزوں کی شعاع آنکھ میں آ کر پڑتی ہے جس کی تحقیقات کا نتیجہ وہ ہے جو آج فوٹوگراف کی تصویروں سے دکھائی دیتا ہے ہبۃ اللہ بن حسین بغدادی نے جو مسترشد باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں تھا نور کی رفتار کا اندازہ

نکالا اور اُس کو دلائل ہندسیہ سے ثابت کیا ٭

علم ہوا میں ابو علی الحسن ہی اس مسئلہ کا موجد ہے کہ جس قدر ہوا زمین کے طبقے سے اونچی ہوتی ہے اُسی قدر وہ سبک اور ہلکی ہوتی ہے ٭

علم ہندسہ اور حساب میں مسلمانوں نے بہت توجہ کی اقلیدس کے مقالوں کا ترجمہ یونانی اور سریانی اور رومی زبان سے مختلف عالموں نے کیا۔ جن میں سے حجاج اور حنین اور ثابت اور ابو عثمان کے ترجمے مشہور ہیں۔ پھر اُس کی اصلاح و تہذیب صدہا عالموں نے کی۔ اُس پر سیکڑوں شرحیں لکھیں آخر علامہ نصیر الدین طوسی نے اس کی تکمیل کی اور اُس کے بعد بھی بہت سے عالم ترتیب و تہذیب اور شرح پر متوجہ رہے ٭

مسلمانوں نے ارشمیدس حکیم کی کتاب اصول ہندسہ کا بھی ترجمہ کیا اور اُس کی شرحیں لکھیں چنانچہ ابو الحسن علی ابن احمد اور نصیر الدین طوسی اور ابو سہل قوہی کی شرحیں اب تک مشہور ہیں۔ ابلینوس کی کتاب جو مخروطی شکلوں اور خطوط منحنی کے بیان میں ہے اُس کے سات مقالے ترجمے کئے گئے جس میں سے چار مقالوں کا ترجمہ احمد بن موسیٰ حمصی نے اور باقی کا ثابت ابن قرہ نے کیا اور اُن کے ۱۲۰ اور بھی چند نامی حکمائے یونان کی کتابیں اس فن کی عربی میں ترجمہ ہوئیں ٭

حساب میں بھی مسلمانوں نے کم توجہ نہیں کی۔ اُنھوں نے ہندوؤں سے مراتب اعداد کا رکھنا سیکھا اور اسی لئے اُس کا نام اُنھوں نے اعداد ہندیہ رکھا۔ فن جبر و مقابلہ کی نسبت اختلاف ہے۔ بعض مسلمانوں کو اس کا موجد بیان کرتے ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے یہ علم ہندوستان کے پنڈتوں اور یونان کے عالموں سے اخذ کیا تھا مگر پھر اُس میں بہت سی ترقی کی ٭

علم طب میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ اُنھوں نے ہندوستان میں سفر کیا۔ زبان سنسکرت کو سیکھا اور نہایت مشہور دو کتابیں سنسکرت زبان کی جن کا نام چرک اور سشرت تھا عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ سب سے پہلے ۱۵۶ ہجری میں موسےٰ بن موسےٰ الفزاری نے سنسکرت کا ترجمہ شروع کیا۔ پھر محمد بن اسمٰعیل جو ہندوستان میں آیا اور اُس کے بعد دس عالم ہندوستان میں آئے اور ہندوؤں کے علوم کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا۔ بقراط اور جالینوس کی عمدہ کتابوں کو بھی انھوں نے نہیں چھوڑا۔ بو علی سینا کا قانون صدہا برس تک یورپ کے مدرسوں میں پڑھایا جاتا تھا ٭

اس نامی حکیم کی نسبت جارج ہنری لوئیس صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ صرف مترجم اور شارح ارسطو کی حکمت کا نہ تھا بلکہ اُس نے بوجہ اپنے علم کمال کے اپنی رائے کو بھی بہت کچھ دخل دیا اور مردوں کو چیر کر علم تشریح انسان کی غلطیاں درست کیں" ٭

حواس خمسہ ظاہری و باطنی کی تقسیم اسی کی تحقیق ہے جس کی پیروی اب تک سب کرتے ہیں

ہیرلٹ کاشمش میں لکھا ہے کہ دواسازی کا علم عرب نے پیدا کیا تھا۔ چند دواؤں کے مرتب کرنے اور نسخہ لکھنے کا طریقہ ایجاد ہے اور یہودیوں سے اَور ملکوں میں پھیلا ✤

علم کیمیا یعنی حل وعقد کی ترقی کی نسبت تو ل گبن صاحب کا کافی ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ اس کی ایجاد عرب ہی سے ہے ✤

علم نباتات ومعدنیات میں ابو عثمان اور عبدالرحمٰن سروتی اور عباس ابن بیطار کی کتابیں اُن کی توجہ پر گواہی دیتی ہیں۔ طاہر بن محمد یوسف غزنوی نے دس جلدیں اس علم میں لکھی ہیں ✤

علم حیوانات میں اُن کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ انہوں نے صرف ارسطو اور گیلین کی کتابوں کے ترجمہ پر اکتفا کیا ✤

علم جغرافیہ میں بھی اُنہوں نے بسبب اپنے دریائی سفروں اور خشکی کی سیاحت اور کثرت تجارت کے اور آخر کو بسبب اپنے فتوحات کے بہت عمدہ تہذیب حاصل کی ادریسی اور ابوالفدا اس فن میں مشہور ہیں ✤

علم موسیقی میں فارابی نے وہ کمال حاصل کیا تھا جس کی اہل یورپ بھی تصدیق کرتے ہیں جارج ہنری لوئیس صاحب نے لکھا ہے کہ علم موسیقی میں اس کی تصنیف بہت کامل ہے اور اُس نے اگلے مصنفین کی غلطیوں کو بہت اچھی طرح درست کیا ہے ✤

غرضکہ مسلمانوں کے تہذیب علوم میں نہایت اعلےٰ درجہ کی ترقی تھی مسٹر اوٹ جرمن کے مورّخ نے نہایت انصاف سے یہ بات لکھی ہے کہ "مسلمانوں نے اور قوموں سے کتنا ہی کچھ کیوں نہ سیکھا مگر اُنہوں نے اپنی قابلیت ولیاقت سے اُس کو بہت کچھ ترقی دی" ✤

جارج ہنری لوئیس صاحب اپنی ہسٹری آف فلاسفی میں لکھتے ہیں کہ "یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ عرب ہی نے تمام کتابوں اور تحریروں کو فلسفہ یونان کی تباہی سے محفوظ رکھا اور اُنہیں کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلاسفہ پہنچا۔ اس امر خاص میں یورپ اُن کا ممنون احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے کہ اُن لوگوں نے علم ہندسہ اور ہیئت اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور اُنہیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر انگلستان میں علم پھیلا" ✤

ڈاکٹر ڈراپر صاحب لکھتے ہیں کہ "علم کے سیکھنے میں اہل فرنگ ابو علی الحسن اور ابو موسےٰ اور ابوالوفا اور اَور علمائے عرب کے زیادہ تر احسانمند ہیں۔ ابوالوالید ــ انگریز" اور ورمس لکھتے ہیں وہ شخص تھا کہ جس کی تصنیفات کی چارسو برس تک عیسائی۔ یہود تعظیم وتکریم کرتے رہے اور بہت سی کتابیں اُس کی جن کا نام ہی اب مسلمان نہیں جانتے زبان عربی او لیٹن میں موجود ہیں چنانچہ جرمنی میں پچاس سے زیادہ اُس کی تصنیفات چھاپ ہو چکی ہیں ✤

ڈاکٹر ہیلی صاحب بھی اپنی تاریخ اسپین میں اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس نامی ڈاکٹر نے جو مقابلہ اُس زمانہ کے مسلمانوں کی حکمت اور فلسفہ کا یورپ سے کیا ہے اُس کے دیکھنے سے اندازہ اُس ترقی کا ہو سکتا ہے جو مسلمانوں نے علوم میں کی تھی۔ سیدلیو نامی فرانسیسی مدرس علوم تاریخ کا اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "جب علم طب اور طبیعات اور کیمیا اور فلاحت عرب کے ہاتھ آیا تو انہوں نے اُس میں بہت کچھ ترقی کی یہاں تک کہ ان علوم میں اُن کی فضیلت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے گویا وہ ایک شمہ ہے اُس اصلی فضیلت کا جو آج تک ہم کو معلوم ہی نہیں ہوئی۔ بہرکیف عرب کی قوم ہمارے جملہ فضل وکمال کا اب بھی سرچشمہ ہے اور جن کمالات کو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ آذر قوم کا ایجاد ہوگا وہ اب ہم کو اُن کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کے اصل موجد عرب ہی ہیں"۔ ایک دوسرا فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ "عرب کی قوموں کو خدا نے دنیا میں اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ علوم وفنون اور اسباب تمدن کو ان مختلف قوموں تک پہنچا دیں جو فرات کے کنارے سے لیکر ہسپانیہ کی وادی کبیر تک پھیل رہی ہیں چنانچہ اُن تمام قوموں نے جملہ کمالات اسی قوم عرب سے حاصل کئے تھے"۔

فنون دستکاری کو اہل عرب نے رومیوں کے بڑے بڑے شہروں میں جا کر بخوبی حاصل کیا تھا اور پھر خود اُس کو ترقی دی تھی۔ ہارون رشید خلیفہ عباسی نے جو ایک گھڑی بطور تحفہ کے شارلیمین بادشاہ فرنگستان کو جو اُس کا بڑا دوست تھا بھیجی تھی اور جس کا ذکر ایجن ہارڈ صاحب نے کیا ہے مسلمانوں کے فنون و دستکاری میں ترقی کرنے کا بڑا ثبوت ہے۔

عرب و اسپین کے ہتھیار و غرناطہ یعنی گرینیڈا کا حریر نہایت مشہور تھا۔

فن عمارت میں بھی انہوں نے بہت ترقی کی تھی۔ وہ حوض و فوارہ نہایت خوبی سے بناتے تھے۔ اور مختلف قسم کے پتھروں کے گل بوٹے تراش کر مکانات کی عمارت کو آراستہ کرتے تھے۔ گنبد بنانے کی ترکیب اُنہوں نے یونانیوں سے اخذ کی مگر پھر اُس کو نہایت ہی خوبصورت کر دیا۔ قرطبہ یعنی کارڈوا کی جامع مسجد اور اسپین کی وادی کبیر میں عبد الرحمٰن ثالث کا قصر عالی۔ اور کارڈوہ کا محل۔ اور ہندوستان میں قطب کا مینار اور تاج کا روضہ اور علی مردان کی نہر۔ اُن کی صناعی کے شاہد ہیں۔

تصویر بنانے میں مسلمانوں نے کچھ ترقی نہیں کی۔ کیونکہ بت پرستی کی جڑ مٹانے کی غرض سے وہ موقوف کی گئی تھی۔ مگر مکانات کی آراستگی کے لئے اُنہوں نے ایک قسم کے نقوش جدیدہ ایجاد کئے تھے پہلے تو وہ کچھ نقش وغیرہ تھے۔ پھر وہ ایسے خط ملے رہے گئے جن کا آپس میں تقاطع ہوتا تھا اور وہ خط ملا حروف عربی کے مشابہ تھے کہ جن سے طرح طرح کی ظرافت آمیز عمدہ عمدہ خوش وضع شکلیں پیدا

ہوجاتی تھیں ❊

جہاز بنانے میں بھی انہوں نے ترقی کی تھی۔ چنانچہ ۹۰۰ء میں عبدالرحمٰن خلیفہ اسپین نے ایک ایسا بڑا جہاز بنایا کہ اب تک اُن ملکوں میں کسی نے نہ دیکھا تھا اور اسپین کے مسلمانوں کے جہاز بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ غالباً اسپین والے جو بڑے بڑے جہازوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے جہاز اہل اسلام کے جہازوں کی نقل ہیں۔ ہندوستان میں بھی محمود بادشاہ گجرات نے ایسا ایک بیڑا جنگی جہازوں کا طیار کیا تھا جس سے بڑھ کر ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ ضلع کمبرجا پر اس بادشاہ کے بہت سے جنگی جہاز جن پر توپیں چڑھی رہتیں تیار رہتے ❊

اخلاق کو بھی مسلمانوں کے بانی مذہب نے نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا۔ سچائی اور وفاداری اخلاص اور نیکی۔ ہمدردی و محبت دشمنوں کو معافی اور برائی کا بدلا بھلائی اصلی اصول نجات کے ہیں ❊

غیر مذہب والوں کے ساتھ جو اخلاق خود بانیٔ اسلام نے برتے وہ اس مثال سے ظاہر ہو سکتے ہیں کہ عیسائی ایلچی جب مدینہ میں آئے تو خود اپنی ذات سے اُن کی مہمانداری کی اور باوجودیکہ رومن کیتھلک تھے اور تثلیث کے قائل۔ مگر اُن کو اجازت دی کہ اپنی نماز اُسی مسجد میں پڑھیں جو ایک خدائے واحد ذوالجلال کا نام پکارنے کو کچی مٹی اور کھجور کے درختوں کی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ اگرچہ بعد کو اس نہایت قابل تعظیم اخلاق کی پیروی کم ہوئی۔ مگر کچھ نہ کچھ اُس کا اثر ہر ایک زمانہ میں پایا جاتا تھا۔ جب کہ بیت المقدس فتح ہوگیا تو وہاں کے عیسائیوں نے اُن اصحاب رسول کی دعوت کی جو کہ بیت المقدس کی فتح کے لئے گئے تھے۔ چنانچہ اُن سب نے قبول کی اور گرجے میں اُن کو کھانا کھلایا گیا وہ سب کھانا کھانے اور گرجے کی تصویروں کو تعجب سے دیکھتے جاتے تھے ❊

سلطان صلاح الدین بھی عیسائی بادشاہوں سے باوجودیکہ ہمیشہ اُن کا مقابلہ کرتا رہا نہایت حسن اخلاق سے پیش آتا اور اُن کی تعظیم کرتا تھا۔ امیر صیدا جو عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ جب صلاح الدین کے پاس آیا تو اُس نے نہایت تعظیم و تکریم کی اور اُسے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اور شقیق کا امیر جو کہ فرنگیوں کے نامی امیروں میں سے تھا سلطان کے خیمے پر آیا تو اُس نے بڑی عزت کی اور اُس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اسپین کے حاکموں اور امیروں نے جیسا برتاؤ غیر مذہب والوں سے کیا تھا۔ اُس کی نسبت جارج ہنری لوئیس صاحب یوں لکھتے ہیں کہ "اسپین میں علم اور حکمت کے کمال نے تعصب کو ایسا مٹا دیا تھا کہ زمانہ حال کے لوگ سُن کر تعجب کرینگے کہ یہودی اور عیسائی اور مسلمان ایک ہی زبان بولتے اور ایک ہی قسم کے گیت یا شعر پڑھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک ہی طرح کا خیال رکھتے تھے عرب۔ یہود۔ نصارے کو اپنے فرائض مذہبی اور رسمیات کے ادا کرنے سے مطلقاً ہارج اور مانع تھے بلکہ اُن کی دوستی و محبت و ربط و ضبط یہاں تک بڑھا کہ مسلمان اور عیسائی اور یہود میں شادی بیاہ

ہونے لگا ؂

ماباپ کے ادب کی نہایت تاکید کی گئی۔ جن لوگوں نے کسی نہایت متعصب مسلمان ترک کو اپنی بوڑھی عیسائی ماں کو اتوار کے دن اپنی پیٹھ پر سوار کر کر گرجا نماز پڑھانے کو لیجاتے دیکھا ہو گا وہ نہایت تعجب کرتے ہونگے کہ مسلمانوں کے مذہب کے بانی نے ماباپ کی کس قدر تعظیم و ادب کی تعلیم کی ہے ؂

عرب کے پیغمبر نے عورتوں کو روحانی زندگی میں بالکل مردوں کے برابر کر دیا۔ اتنا فرق بھی اُن میں نہیں رکھا جیسا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ یا سولہ آنہ روپیہ میں ہے۔ وہ اسی طرح نیکی کر سکتی ہیں جس طرح کہ مرد۔ وہ اسی طرح روحانی ترقی پا سکتی ہیں جس طرح کہ مرد۔ کوئی مذہبی نیکی ایسی نہیں ہے۔ جو مرد پا سکتا ہو یا کر سکتا ہو۔ اور وہ نیکی عورت کے لئے نہ ہو۔ ان کے دنیاوی حقوق سے بھی غفلت نہیں کی۔ وہ اسی طرح اپنے مال کی مالک ہیں جیسا کہ مرد۔ وہ سب قسم کے معاہدہ کی مجاز ہیں۔ اپنی جائداد کی خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ وہ خود آپ مالک ہیں۔ ہبہ کر سکتی ہیں۔ بیع کر سکتی ہیں۔ تمام تصرفات جو مرد کر سکتا ہے وہ بھی کر سکتی ہیں ؂

پالیگمی یعنی تعدد ازدواج میں بانئے مذہب کا یہ قول ہے کہ ایک دو تین چار تک عورتیں نکاح میں لا سکتے ہو۔ لیکن اگر اندیشہ بھی عدل نہ کر سکنے کا ہو تو پھر صرف ایک ہی چاہیئے۔ پس اگر اس کے حکم منفی کا خیال ہو۔ تو پھر ایک کے سوا جائز نہیں رہتی۔ پس اجازت اور امتناع کو ایسی عمدگی سے ایک ساتھ بیان کیا ہے کہ بجز حالت خاص کے جس کا جائز رکھنا بلاشبہ عقل کے موافق ہے تعدد کو معدوم کر دیا ہے ؂

اس سے بھی زیادہ عمدگی سے طلاق کے مسئلہ کو بتایا ہے۔ طلاق کی اجازت دی جس کی اجازت دینا بلاشبہ نہایت ضروری تھی مگر اُس کو ایسا مباح فعل بتایا جس سے بے انتہا ناراضی خدا اور رسول کی پائی جاتی ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ نے خیال کیا کہ طلاق دینے والا قتل ہونے کے لائق اور اس عمدہ نصیحت سے طلاق نہایت معتدل طور پر برتی جانے لگی۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ایک بات جو اپنی آخر عمر میں بانی اسلام نے فرمائی اور جو سب سے مقدم تہذیب انسانی کا مسئلہ تھا اور جس کو اُس وقت تک کسی نے نہ کہا تھا اُس پر اس وجہ سے کہ رواج عام کے بالکل برخلاف تھا کسی کا خیال نہیں گیا اگر بانی اسلام چند روز اور دنیا میں رہتے تو وہ مسئلہ بھی مثل اور مسائل کے عام ہو جاتا اور وہ مسئلہ غلامی کو بالکل معدوم کر دینے کا تھا۔ بانئے اسلام نے ان چند لفظوں سے کہ "فاما منًا بعد واما فداء" یعنی لڑائی کے قیدی سب چھوڑ دیئے جاویں خواہ کچھ لیکر خواہ احسان رکھ کر غلامی کو بالکل معدوم کر دیا ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اس نص صریح سے مسلمانوں کے مذہب میں غلامی بالکل ممنوع ہے گو کہ کسی کو اس کا خیال نہ آیا ہو ؂

دختر کشی کی رسم جس پر عرب کو اس ملک کے ہندوؤں سے بھی زیادہ فخر تھا کیسی کچھ مسلمانوں میں سے مٹ گئی جس کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا ؂

مسلمانوں کی معاشرت کے طریقے۔ بولنے چالنے کے قاعدے بھی نہایت عمدہ تھے بزرگوں کا ادب۔ بڑے بوڑھوں کی تعظیم۔ بات چیت میں نرمی و اعتدال۔ کسی کی طرف جھوٹ و عیب کی نسبت کرنے کا خیال۔ طعن و طنز کا لحاظ۔ فحش اور اخلاق و حیا کے خلاف باتوں سے نفرت۔ بن پوچھے کسی بات میں دخل نہ دینا۔ سرگوشی نہ کرنا۔ جاہلوں نادانوں سے نہ جھگڑنا۔ مذہبی گفتگو بے ضرورت نہ کرنا بیہودہ ہنسی اور جہل سے نفرت۔ وہ آداب مجلس تھے کہ جن کے لحاظ نہ رکھنے سے انسان بدتمیز اور سوسائٹی سے خارج کرنے کے لائق سمجھا جاتا۔

شادی بیاہ کے دستور بھی تہذیب سے خالی نہ تھے۔ قبل نکاح کے مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھ کر پسند کر لینا بیخوف اور بلا لحاظ کسی جاہلانہ خیال کے اور زن و شوہر کا اپنی رضامندی ظاہر کرنا ایک عام دستور تھا۔ نکاح کے وقت ایک مختصر مجلس عزیزوں اور خاص دوستوں کی مرتب ہوتی۔ اور ایک مختصر حسب حیثیت سامان ماں باپ کی طرف سے لڑکی کو دیا جاتا۔ اور بعد نکاح کے ایک مختصر سی دعوت دوست آشناؤں کی کی جاتی۔ عورتیں بالکل اپنے گھر کی مالک اور منتظم سمجھی جاتیں۔ اور سب گھر کا کام کاج اُن کے تعلق ہوتا۔ نوکر چاکر بھی اُن کے تابعدار ہوتے یہاں تک کہ مرد بھی بے رضامندی اُن کے کوئی کام نہ کرتا اگرچہ عورتوں کو باہر نکلنے کی عام اجازت نہ تھی مگر مسجدوں میں نماز کے لئے آنے اور بضرورت باہر نکلنے یا اپنے خاوند اور خاص عزیزوں کے ساتھ سفر کرنے سے ممنوع نہ تھیں اور منہ اور ہاتھ کو تو شرع نے بھی ستر میں داخل نہیں کیا۔ اولاد کی تعلیم اور تربیت پہلے تو استادوں اور اتالیق کے ذریعہ سے خاص خاص طور پر دیجاتی۔ مگر تیسری صدی سے عام مدرسوں میں تعلیم دینے اور دور دراز شہروں میں لڑکوں کو بھیجنے کا عام رواج ہو گیا۔ فارس اور دیلم کے سلاطین امراء کا تو ایک عام طریقہ تھا کہ اولاد کو باہر ہی بھیجکر تعلیم و تربیت دلاتے۔ اسی سبب سے اُس زمانہ کے اکثر شہزادے اور امیر زادے عالم اور ادیب اور منشی ہوتے۔ جس کی تصدیق رچرڈسن صاحب نے کی ہے۔ ابوالفدا جو ایک نامی بادشاہ تھا ایسا مورخ و جغرافیہ داں اور مصنف ہؤا ہے کہ اُس کی نظیر دوسری قوم میں کم ملیگی کرخ کا مدرسہ جسے وزیر ابو نصر نے بنایا اور ناصریہ کالج جسے مستنصر باللہ نے دجلہ کے کنارے پر تعمیر کیا۔ اور جس کے متعلق شفاخانہ اور حمام اور رہنے کے مکانات بھی تھے اور جس کے لئے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ وقف تھا۔ اور نظامیہ مدرسہ بغداد کا عام تعلیم و تربیت کے لئے عمدہ مدرسے تھے۔

لڑکیوں کی بھی تعلیم گھر پر بذریعہ پڑھی لکھی عورتوں کے یا بڈھے نیک چلن اُستادوں کے ایسی عمدہ ہوتی کہ صدہا مسلمان عورتیں ایسی گذری ہیں کہ اُن کا کلام اُن کی کتابیں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اُس عمدہ تعلیم و تربیت کے سبب سے خیالات اُن کے ایسے روشن ہو جاتے تھے کہ ہمدردی اور قومی بھلائی کے جوش میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دیتیں۔ ناصر الدین بادشاہ حمص کی بی بی بردہ نام

نے جو ساتویں صدی میں ہوئی ہے اپنا کل مال و متاع ایک بڑے کالج دمشق کے بنانے اور اُس کے آیندہ اخراجات میں صرف کر دیا ٭

لباس و پوشاک کا حال یہ ہے کہ عرب کا اصلی لباس کُرتہ اور تہبند اور ایک خاص قسم کا عمامہ یا گول ٹوپی اور موزہ یا جوتہ کو بھی وہ ایک ضروری جزو لباس کا جانتے تھے جس کو شارع نے بھی زینت نماز فرمایا ہے۔ مگر پھر مسلمانوں نے کیانیوں اور عجمیوں کا لباس زیادہ پسند کیا اور تھوڑی سی تبدیلی سے اُسے اپنے یہاں رواج دیا۔ بعض بادشاہوں نے خود بھی لباس میں کچھ ایجاد کی جیسا کہ ۱۵۳ ہجری میں منصور خلیفہ نے ایک لمبی گول ٹوپی جو لکڑی کی تیلی تیلیوں سے بنائی جاتی جس پر سیاہ رنگ یا کالا کپڑا منڈھا جاتا اور غالباً وہی ٹوپی ہے جسے اب انگریز استعمال کرتے ہیں۔ پھر تاتار کے مسلمانوں نے وہ سُرخ ٹوپی ایجاد کی جسے اب ترک پہنتے ہیں۔ اور ہندوستان کے بھی بعض ٹھیٹ مسلمانوں کے مبارک سروں پر دکھائی دیتی ہے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایک خاص قسم کی لال ٹوپی ایجاد کی جس کے سبب سے ایرانی اپنے آپ کو قزلباش یعنی لال سروں والا کہتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک خاص قسم کا درباری لباس تجویز کیا گیا۔ یعنی سفید ململ کا جامہ جسے آپ کی گون کہنا چاہئے اور کمربند اور پگڑی جس کی بڑی زینت بازوبند اور مالا سے سمجھی جاتی تھی۔ یہ لباس شاید مصریوں کا تھا اس لئے اس کا نقشہ شہر تھیبس کے قبرستان میں بعض بادشاہوں کی تصویروں میں پایا گیا ہے ٭

عورتوں کا لباس گو بہ نسبت ایک چادر اور تہ بند کے بہت درست کیا گیا۔ مگر درحقیقت اُس میں کوئی عمدہ ترقی نہیں ہوئی۔ کھانے پینے میں کیانیوں اور عجمیوں کی طرح دسترخوان کی رونق اور آرائشگی حضرت معاویہ امیر شام کے وقت سے شروع ہوئی۔ پھر عباسیوں کے زمانہ میں چھوٹی میز پر کھانا رکھ کر کھانے کا رواج ہوا جسے بعض نادان مولویوں نے بدعت بتایا۔ اور چھٹویں صدی تک اُس کا جھگڑا رہا جس کی نسبت امام غزالی نے یہ تصفیہ کیا کہ نہ گناہ ہے نہ بدعت ہے بلکہ اُس میں صرف تنظیم کھانے کی ہے۔ غرض آٹھویں صدی سے لیکر تیرھویں صدی تک مسلمانوں کی طرز معاشرت کو ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ یورپ نے مسلمانوں ہی کی معاشرت و تمدن دیکھ کر اُس میں ترقی کی۔ گیارھویں صدی کے آخر سے تیرھویں صدی تک جو صلیبی لڑائیاں مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیت المقدس میں ہوئیں اُس کی نسبت یورپ کے مؤرخوں کا قول ہے کہ گو ان لڑائیوں سے بیشمار آدمی ضائع ہوئے اور بہت سا نفیس مال بغیر کسی فائدہ کے ضائع ہوا لیکن انجام کار اُس سے فائدے بھی بہت کچھ ہوئے۔ جس میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اُسی زمانہ سے اہل یورپ نے فوج کی ترتیب و اصلاح شروع کی اور تجارت اور زراعت کے طریقے اُن مشرقی قوموں سے سیکھے اور شہریوں کی سی عادتیں اختیار کیں اور دنیا کے حالات کی تحقیق کے واسطے سفر کی عادت ڈالی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یورپ کی قوموں کو تمدن کے

طریقے اُسی وقت سے معلوم ہوئے جب سے وہ مسلمانوں کی اُن قوموں سے ملے جو تمدن اور حسنِ معاشرت اور علوم و فنون اور ہنر و کمالات میں اُن سے فائق تھیں ۔

تجارت اور زراعت میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ اُن کو ہمیشہ سفر کی طرف رغبت رہی ہے جب اُن کی سلطنت فرانسیس اور اسپین کے پہاڑوں کے بیچ سے گذر کر ہمالیہ تک پہنچی تو اُس وقت وہ دنیا کے بڑے نامی تاجروں میں ہو گئے اور فنِ زراعت میں تو مثل اُن کے کوئی نہ تھا اس واسطے کہ جس قدر پانی کے خزانے بنانے اور اُس کو اپنی کھیتی کی کیاریوں تک برابر پہنچانے میں یہ لوگ مضبوط تھے دوسرا نہیں ہوا۔ اہلِ عرب پہلے سے تجارت میں نامور ہیں۔ چنانچہ وہ جزیرہ بحرِ احمر کا جس کو [illegible] کہتے ہیں اور لنکا کا کنارا اور ملیبار عربوں کی بستی سے معمور تھے۔ اور جب مشہور جہاز راں واسکوڈیگاما صاحب پندرھویں صدی کے آخیر میں ملیبار کے کنارے پہنچے تو انہوں نے تمام تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں پائی۔ چنانچہ اب تک اُن کی نسل باقی ہے جو موپلا کے نام سے مشہور ہیں۔ اور باوجودیکہ اب بالکل وحشی ہو رہے ہیں مگر ہر قسم کی تجارت کرتے ہیں ۔

مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کیا اُس وقت دجلہ اور فرات کے موہانہ پر انہوں نے بصرہ شہر کو اس ارادے سے بسایا کہ گجرات اور سندھ میں جو دریائے سندھ کے پورب واقع ہے تجارت کر سکیں۔ انہوں نے دریائے فرات کے کناروں سے بحرِ ظلمات کے ساحل تک اپنی تجارت پھیلائی اور کارسیکا اور سارڈینیا اور جنوبی اٹلی میں بہت سے شہر آباد کئے۔ ایک عرصہ دراز تک میڈیٹرینین میں اُن کے تجارتی جہاز اپنے بادبانوں سے سمندر کی لہروں کو رونق دیتے رہے ۔

سیاستِ مدن کا طریقہ جو اب امریکہ میں جاری ہے وہ مدت ہوئی کہ مسلمانوں نے قائم کیا تھا۔ معزز و ممتاز لوگوں کی رائے سے جو کہ رائے دینے کی لیاقت رکھتے تھے اور جن کو اہلِ عقد کہتے ہیں ایک شخص کا بطور پریسیڈنٹ کے ہونا قرار پایا تھا۔ وہ پریسیڈنٹ جب تک کہ اپنے عہدہ کا کام انصاف سے کرے اپنے عہدہ پر بحال رہنے کے لائق تھا۔ بیت المال میں سے اُس کو مثل ایک عام مسلمان کے اور کچھ زیادہ حق نہ تھا ۔

اس پریسیڈنٹ کو جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں تمام امور میں معتبر لوگوں سے مشورہ کر کے کام کرنا ہوتا تھا غلطی سے روکنے کا ہر ایک مسلمان کا حق تھا۔ اور قصور کی حالت میں موقوف ہو سکتا تھا۔ پہلے خلیفہ نے لوگوں سے کہا کہ اچھی باتوں میں میری مدد کرو اور بُری باتوں میں روکنے کا تم کو حق ہے۔ دوسرے خلیفہ نے رعایا کے دلوں کے امتحان لینے کے لئے ایک روز خطبہ میں پوچھا کہ اگر میں بُرا حکم دوں تو تم لوگ کیا کرو۔ ایک عام جوان آدمی تلوار لیکر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ فوراً خلافت کی گدی سے تم کو اُتار دیں اور دوسرے کو خلیفہ بنا دیں ۔

چوتھے خلیفہ کو ایک یہودی کے مقابلہ میں زرہ کے دعوے میں ایک عام مسلمان کی طرح جج کے محکمہ میں حاضر ہونا پڑا اور جج نے اُس سچے نیک عادل خلیفہ کے برخلاف حکم دیا اس وجہ سے کہ قانون کے موافق ثبوت نہ تھا۔

پانچویں خلیفہ برحق حسن ابن علی کے عہد میں بھی اصول سیاست اسی طرح قائم رہے مگر افسوس ہے کہ بہت سبیوں اور بے انتہا خوں ریزیوں کے بچانے کی غرض سے اس خلیفہ برحق نے اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور سلطنت شخصیہ قایم ہوگئی جس کو ہمارے پیغمبر نے ملکاً عضوضاً کہا تھا اور جس کو یونانی ٹیرنٹ یعنی ظالم کہا کرتے تھے۔ اُس دن سے اصول سیاست جو مسلمانوں کے بانی نے قائم کئے تھے خود مختاری کے پاؤں کے تلے روندے گئے۔

شخصیہ سلطنت جاری ہونے کے بعد سلطنت موروثی اور خاندانی ہوگئی اور ولیعہدی اور جانشینی کی خراب رسم جاری ہوئی چنانچہ اکثر ظالم اور بے رحم سلطنت کے مالک ہو گئے جنہوں نے ظلم و ستم سے دنیا کو تاریک کر دیا۔ بہت سے لوگ ان واقعات میں مارے گئے اور اکثر اچھے نیک پاک لوگ جلاوطن ہو گئے مدتوں تک کشت و خون جاری رہا۔ رعایا کا مال اُن بیرحم بادشاہوں کا ترکہ اور لوگوں کی جانیں اُن کی قربانی اور فدیہ ٹھیر گئیں۔

جب شخصیہ سلطنت کے جاری ہونے سے حکومت کسی قانون عقلی اور نقلی کے تابع نہ رہی بلکہ سلطنت ایک شخص کی خواہشوں اور اس کے غیظ و غضب کے تابع ہوگئی۔ تب اُس زمانہ کے دانا نیک آدمیوں نے اُس خود مختاری کے روکنے میں بڑی سعی کی۔ اُن کے لئے ایک مجموعہ قانون کا بنایا جو قرآن و حدیث کے صاف و صریح حکموں یا اُس کے اشاروں کنایوں اور اگلے پانچ وقتوں میں جو واقعات پیش آئے تھے اُن کی نظیروں سے مرکب تھا۔ اور اب جو ہماری فقہ کی کتابوں میں مدون ہے اور جسے قانون شریعت یا محمدن لا کہتے ہیں۔ مگر چونکہ اُس پر عمل کرنا ہمیشہ خود مختار بادشاہوں کے اختیار میں تھا۔ اور کوئی ایسی جماعت یا ایسی کونسل جو بادشاہ کو اُس کی تعمیل پر مجبور کرے موجود نہ تھی۔ اس لئے اُس پر بہت کم عمل کیا گیا۔ اور خود مختاری کے روکنے میں یہ قانون کامیاب نہ ہوا۔

جیسا کہ سلطنت شخصیہ کا عام قاعدہ ہے ویسا ہی مسلمانوں کی سلطنت شخصیہ میں بھی ہوا۔ کبھی تخت پر ایسا ظالم قابض ہوا جس نے دنیا کو جور و ظلم سے بھر دیا اور کبھی ایسا نیک اور عادل جانشین ہوا جس نے نہایت عدل اور انصاف سے حکومت کی۔ اس وقت مجھ کو نہایت زیبا ہے کہ میں اُس بڑے عادل خلیفہ عبدالعزیز کے نام کو یاد کروں جس نے اپنی حکومت میں نہایت عدل برتا۔ اُس کے عہد کے ایک مغرور امیر نے عیسائی رعایا پر کچھ زیادتی کی تھی خلیفہ نے پا بزنجیر اُس کو طلب کیا۔ اور دوسرا حاکم اُس کی جگہ بھیجا جس کو ان احکام کی تعمیل کا حکم دیا تھا کہ تمام عہد و پیمان جو خراج گذاروں سے کئے گئے ہیں۔

وہ باختیار قائم رکھے جاویں اور وہ لوگ اپنے عبادت خانوں اور گرجاؤں پر قابض رہیں۔ کوئی مسلمان ان سے پرخاش نہ کرے نہ اُن پر جھوٹی تہمت لگانے پاوے۔ انصاف کے وقت مسلمان اور غیر مسلمان برابر سمجھا جاوے۔ سلطان صلاح الدین بھی انہیں نیک اور عادل بادشاہوں میں ہوا ہے جس نے کہ مسلمان اور غیر مسلمان کو انصاف میں برابر جانا اور مرنے کے وقت اپنا مال جو وقف کیا اُس کی نسبت وصیت کی کہ بلالحاظ مذہب کے محتاجوں کو تقسیم کیا جاوے مسلم ہو یا عیسائی یا یہود۔ ابن سہم بھی جو ایک عقلمند مسلمان سردار ہوا ہے جب وہ قرطبہ میں مسند نشین ہوا اور مسلمانوں کو زمین تقسیم کرنی چاہی تو جتنی زمین مزروعہ عیسائیوں کے قبضہ میں تھی وہ بدستور اُن کے پاس رہنے دی صرف بنجر اور غیر مزروعہ زمین کے ٹکڑے جس کا کوئی مالک تھا مسلمانوں کو دئے۔

عبدالرحمٰن جب سپین کا امیر ہوا تو اُس نے سارے گرجے جو خلاف شرط عہد و پیمان کے ضبط کر لئے گئے تھے واپس کر دئے۔

طارق نے جس کا نام جبرالٹر یعنی جبل الطارق کی اونچی چوٹی پر لکھا ہوا ہے جب والنسیا سپین کا محاصرہ کیا اور شہر کے رہنے والوں نے صلح چاہی تھی وہ اُن کے ساتھ نہایت مستقل مزاجی سے پیش آیا اور اُن کے قبضہ میں رہنے دیا۔ اُن مذہبی دستوروں میں کچھ مداخلت نہ کی بلکہ اُن کے باہمی حقوق و معاملات کے تصفیہ کے لئے اُن کو اپنے ججوں سے فیصلہ کرانے کی اجازت دی۔

محمد قاسم جس نے اول اول ہندوستان پر چڑھائی کی کو نیک اور منصف امیروں میں نہ تھا مگر جس وقت اُس نے مغلوب ہندوؤں کے حقوق کی ہدایت چاہی تو یہ جواب عرب سے اُس کو ملا کہ جب لوگوں نے اطاعت قبول کر لی تو حقوق رعایا کے مستحق ہو گئے اور اس لئے مذہبی رسومات کے اجرا کی اُن کو اجازت دینی چاہئے۔ اور جو جاگیریں کہ برہمنوں کی ضبط کی گئی ہوں وہ واگذاشت کر دی جاویں بلکہ تین فیصدی جو پیداوار کے محاصل پر جو پہلے اُن کو دیتے تھے وہ سرکاری خزانہ سے دینا چاہئے۔ کیا نظیر اس کی اور کسی فتحمند قوم کی تاریخ میں پائی جاتی ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اسی بات میں ناموری نہیں پائی کہ وہ بحر عرب نکل کر ہسپانیہ کی وادی کبیر میں جا پہنچے اور وہاں سے ہندوستان کے دریائے سندھ میں آ نکلے یا عرب ریگستان اور گرم خشک پہاڑوں سے نکل کر اُنہوں نے اپنی فتح کی جھنڈی سپین اور فرانس کے پہاڑوں پر گاڑ دی۔ اور تھوڑے زمانہ میں اچھی حکومت اٹھارہ سو فرسخ میں قایم کر لی۔ بلکہ وہ اس بات میں بھی نامور ہیں کہ اُنہوں نے اپنے مفتوحہ و مقبوضہ ملکوں پر اپنی راست بازی اور عہد و پیمان کی پابندی ثابت کر دی اور اپنی نقواری اطاعت میں غیر قوموں کو ہر قسم کی آزادی بخشی جیسا کہ ڈاکٹر بیلے اپنے کانڈیکا اپنی تاریخ اسپین میں لکھتے ہیں کہ وہ شرطیں جو مفتوحہ قوم پر قایم کی گئی تھیں ایسی ہیں کہ لوگوں کی

بجائے تکلیف کے اُن فتح کرنے والوں سے اطمینان ہو گیا اور جب اُنہوں نے اپنی اُس تقدیر کا جو پہلے تھی اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ کیا تو اُن کو یقین ہو گیا کہ اُن کی خوش قسمتی ہو گئی۔ مذہبی رسموں کے بجا لانے میں آزادی گرجا اور عبادت خانوں کی بخوبی حفاظت۔ مال۔ عزت۔ جان سے پورا اطمینان۔ یہ سب چیزیں اُس اطاعت کا معاوضہ تھیں جو اُنہوں نے اُس فتحمند قوم کی کی تھی۔ محصول جو لگایا گیا تھا وہ بہت ہی ہلکا تھا۔ اور تمام لوگوں پر عرب کا یہ اعتبار بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے عہد و پیمان کو خوب قائم رکھتے ہیں۔ اُس عام انصاف نے جو وہ ہر درجے کے لوگوں سے بلا تمیز کسی قوم و مذہب کے کرتے تھے اُن لوگوں کا سب پر اعتبار کرا دیا اور تمام قوموں کی آنکھوں میں اُن کی عزت ہو گئی اور نہ صرف اپنے معاملات بلکہ دل کی فیاضی اور عادات کی عمدگی اور اپنی جبلی خاطرداری سے عرب والے اپنے وقت کے عام لوگوں میں معزز و ممتاز تھے۔

ایک نامی مورخ انگلستان کا لکھتا ہے کہ جب سلطان صلاح الدین نے دوبارہ بیت المقدس کو فتح کیا تو وہ اُن سے اُسی طرح پیش آیا جیسا کہ دسویں صدی کی آخر لڑائی میں فتح کرنے والے مسلمانوں سے پیش آئے تھے۔ اور جنہوں نے بیت المقدس کے قلعہ میں چالیس ہزار مسلمان مع زن و فرزند کے قتل کر ڈالے تھے۔ بلکہ اُس نے کچھ ظلم نہ کیا اور جب اہل قلعہ نے اپنے تئیں اُس کے سپرد کیا۔ سلطان نے اُن عیسائی قیدیوں پر نہایت مہربانی کی اور جو لوگ ایسے غریب تھے کہ اپنی رہائی کی قیمت نہ ادا کر سکے اُنہیں مفت آزاد کر دیا۔ اس بادشاہ کے تہذیب اخلاق کے سامنے بادشاہ فرانس تو کیا بلکہ رچرڈ شیر دل کی بھی کچھ حقیقت نہ رہی۔

ملک سپین کو جو ترقی اور آبادی اور رونق مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی اُس کی نسبت ایک فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ "اُس کی ترقی اور آبادی کا قیاس اس پر کر لینا چاہیے کہ ایک مقام قرطبہ میں دو لاکھ گھر آباد۔ چھ سو مسجدیں اور پچاس شفاخانے اور اسّی عام مدرسے اور نو سو حمام تھے اور سڑکوں پر قندیلیں اس قدر روشن ہوتی تھیں کہ شہر میں چلنے والے اُس کی روشنی میں پھرا کرتے تھے"۔

جن فتحمند مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کو فتح کیا ان میں بھی اچھے اور بُرے عادل و ظالم سب طرح کے ہوئے مگر انہیں کی بدولت ہندوؤں میں تہذیب و شائستگی پھیلی۔ جس وقت مسلمانوں نے اپنی فتح کا نشان ہمالیہ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر اُڑایا اُس وقت دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان کی قوموں کا اُن کے لباس کا۔ اُن کی طرز و معاشرت کا کیا حال تھا۔ اور مسلمان فتحمندوں کی فتوحات نے ہندوستان کے دلوں اور اُن کی خصلتوں پر کیا اثر کیا۔ اور اُن کے اخلاق و معاشرت و تمدن میں کیسی تبدیلی پیدا کی جوتا پہننا انہوں نے سکھایا۔ کپڑا پہننا انہوں نے بتایا۔ فرش پر بیٹھنا۔ مختلف طرح کے کھانوں کا پکانا مکانات کی آراستگی۔ بزم مجلس۔ اور ہزاروں چیزیں تہذیب و شائستگی کی انہیں کی بدولت ہندوؤں نے سیکھیں۔ بڑے بڑے شہر اُن کی بدولت آباد ہوئے۔ عمدہ عمدہ عمارتیں جو اب دنیا میں بے نظیر گنی جاتی ہیں انہیں کی توجہ سے تعمیر ہوئیں۔ ہاں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا زمانہ ایسی تہذیب اور سولیزیشن کا

تھا جیسا کہ اب کو یَن وکٹوریا کا ہے۔ جن متعصب مورخوں نے مسلمان بادشاہوں کے کچھ کچھ غلط حالات
ایک تعصب کے جوش سے بیان کئے ہیں۔ اُن کو چاہیے کہ ان کے وقت کا مقابلہ ان لوگوں کے اُس
عہد سے کریں جب کہ اُنھوں نے اینجلو سیکشن پر فتح پائی تھی۔ نہ کوئین وکٹوریا کے عہد سے ❊

چند سال ہوئے کہ ایک ہندو نے وائسرائے کی دارالحکومت یعنی کلکتہ سے پُرانی مغل کی دارالخلافت
یعنی دہلی تک سفر کیا اور اس مختصر سفر کا ایک سفرنامہ تیار کیا جس کی عبارت انھوں نے اپنی دانست میں
لارڈ ڈلہوزی کو شرمانے والی لکھی تھی اُس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ کوئی آفت اور کوئی مصیبت مسلمانوں
کی عملداری سے زیادہ ہندوستان میں نہ تھی۔ اُنھوں نے تمام خوبیوں کو برباد کر دیا تھا۔ اس کتاب پر
ٹیولنڈن کے اخبار میں ایک ریویو نکلا تھا۔ اُس ریویو میں یہ فقرہ مندرج ہے کہ "مسلمانوں کو بُرا کہنا اُن
کے عیبوں کو ڈھونڈنا گو وہ صحیح ہوں ایک ہندو کے منہ سے نہایت نازیبا معلوم ہوتا ہے" ❊

ایک بڑا الزام مسلمانوں کی سیاست پر یہ دیا جاتا ہے کہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ اور
لوگ زبردستی مسلمان کئے گئے۔ مگر یہ الزام حقیقت میں صحیح نہیں ہے سیل صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ لوگ نہایت
دھوکہ کھاتے ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ مذہب اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے"۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اُن لوگوں نے
اسلام کیوں قبول کیا جن پر مسلمانوں نے کبھی فوج کشی نہ کی تھی۔ اور پھر اُن لوگوں نے جنھوں نے اہل عرب کو
اُن کے فتوحات سے محروم کر دیا اور اُن کی سلطنت بلکہ خلیفوں کا خاتمہ کر دیا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس
سے بڑھ کر تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔ اور جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی۔ وہ لوگ
جو مسلمانوں کو یہ الزام دیتے ہیں کیا جواب دیسکتے ہیں اس بات کا کہ ترکی جنھوں نے حجازیوں پر آٹھویں صدی
کے آخیر پر حملہ کیا مسلمان نہ تھے اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد اپنے مغلوب حجازیوں کے دین میں مسلمان
ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اسلام کی خوبیوں نے اُن کو مسلمان کر دیا۔ گبن صاحب کہتے ہیں
افریقہ اور ایشیا کے لکھو کہا نومسلم جنھوں نے کہ عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھا دی۔ ایک خدا اور
اُس کے رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہو گئے تھے"۔ الفنسٹن صاحب نے بھی ہندوؤں کا جبراً مسلمان
کرنا تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "محمود غزنوی نے ایک ہندو کو بھی جبراً مسلمان نہیں کیا۔ نہ سوائے
لڑائی کے کسی ہندو کے خون سے تلوار کو آلودہ کیا ❊

یہ حال مسلمانوں کے پہلے زمانہ کی تہذیب کا تھا۔ مگر جب ہم اس کا بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اب وہ
کیسی ہے تو نہایت درد و حسرت سے ہم کو یہ لکھنا پڑتا ہے کہ بنسبت سابق کے ہر بات میں مسلمانوں
کی تہذیب نہایت تنزل پر ہے ❊

مذہب کا خیال ہے کہ جو مسئلہ اصل اصول اسلام کا تھا یعنی سوائے ایک خدا کے اور کسی کو نہ ماننا
یہی اصلیت پر نہ رہا۔ ہمارے مسلمان ہیں جو سوائے خدا کے نبی یا ولی یا قطب زندوں یا مردوں سے مدد چاہتے ہیں

چیزوں کو پوجتے ہیں۔ اور جن اور بھوت و پلید کو مانتے ہیں۔ تعویذ و گنڈے بناتے ہیں۔ حاضرات کا عمل کرتے ہیں۔ شگونوں پر چلتے ہیں۔ خدا کے سوا دوسروں کی نذر نیاز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کمبخت خدا کے سوا اوروں کی نماز بھی پڑھتے ہیں ❖

روحانی تہذیب جو جان اسلام کی تھی اُس کا لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی اثر نہیں پایا جاتا صرف ظاہری بناؤ سنوار پر اصل اسلام رہ گیا ہے۔ صدہا مسلمان ہیں کہ پہروں ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں گھنٹوں دریا میں پڑے رہتے ہیں۔ بے محراب دار جانماز کے نماز نہیں پڑھتے۔ بے زیتون کے داتوں کے خدا کا نام نہیں لیتے۔ دکھانے کے لئے جیب میں مٹی کے ڈھیلے۔ اور بند میں پہلو کی مسواک۔ اور دوش پر مصلے اور رومال میں سرمہ دانی لئے اور ہاتھ میں تسبیح لئے پھرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ دل کو بُرے خیالوں اور بدجذبوں سے پاک کرنے سے مراد پر پہنچنے کی کچھ فکر نہیں کرتے ❖

مذہبی تعلیم بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی۔ اچھے اچھے عالم بجائے وعظ و نصیحت کے جب کسی مخالف سے بات کرتے ہیں تو اُن کا چہرہ سُرخ آنکھیں نیلی پیلی ہو جاتی ہیں۔ بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اگر سیاست کا خوف مانع نہ ہو تو مار ڈالنے میں تامل نہ کریں ❖

ایسے مغلوب الغضب لوگوں کے علاوہ جو نہایت نیک عالم ہیں اُن کا بھی وعظ اپنی ہی مسجد کے سایہ اور مریدوں کے حلقہ میں ہوتا ہے۔ اور اُنہیں باتوں پر جن کو ہر کوئی جانتا ہے۔ ہم نے آج تک نہیں سُنا کہ کبھی مولوی صاحب نے مسجد سے نکلکر مذہبی منادی کرنے کے لئے کسی ریگستان کی گرم ہوا کا صدمہ اُٹھایا ہو۔ کسی پہاڑ پر جنگلی لوگوں سے اسلام کے پھیلانے میں مصیبت سہی ہو یا سوائے اُن معمولی باتوں کے جس سے سب کے کان بھرے ہوئے ہیں کسی نے کوئی تحقیق کی بات بھی زبان سے نکالی ہو ❖

امامت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر ایک فرقہ ہر ایک گروہ نے اپنا ایک جدا امام ٹھیرا لیا ہے اور اُن کو روم کے پوپ سے بھی بڑھ کر معصوم سمجھ رکھا ہے۔ اور قرآن تو صرف تعویذ بنا کر بازو پر باندھ لینے یا مردوں پر فاتحہ پڑھنے کے لئے رہ گیا ہے ❖

اجتہاد پر وہ اعتقاد ہے کہ ہر ایک نے اپنے مجتہد کو نبی سمجھ رکھا ہے۔ سرِمو اُن کے قول یا فعل یا رائے سے تجاوز کرنا جائز نہیں جانتے۔ اُن کے نزدیک اُس پاک اور معصوم نبی کے قول جس کی باتیں ریگستان اور عرب کے بچرنے والے سمجھ لیتے تھے اُن کے مجتہدوں کے سوا دوسرا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا نہ بے واسطہ اُن کے مجتہدوں کے کسی کو اُس پر چلنا جائز ہے ❖

جوگی بننے اور تجرد اور رہبانیت کا وہ حال ہے کہ صدہا جوگی مسلمان خیالی دنیا چھوڑے ہوئے جو تپسیں کرتے اور اپنی جھولیوں کو گول گول ابیض نورانی سے بھرے ہوئے دنیاداروں کو بُرا بھلا

کتے پھرتے ہیں۔ اور مسلمان جاہل بھی اُن کو ولی اور خدارسیدہ سمجھ کر اُن کے ہاتھوں خدا کو ہدایت بھیجتے ہیں ✦

تبرکات اور رسوم اور تیوہاروں کا حال ظاہر ہے کہ ہر شہر میں قدم رسول اور مولاعلی کی درگاہ اور امام حسن کی کربلا اور حضرت عباس کا روضہ اور بی بی فاطمہ کی زیارت موجود ہے۔ اور صدہا مرے ہوئے ولیوں کے مزاروں پر عیدگاہوں سے زیادہ ہجوم ہوتا ہے اور اُن کے تبرکات کی زیارت نجات کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اُن کے مٹی کے ڈھیروں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں ✦

علم کا یہ حال ہے کہ علم ادب کسی کو اس زمانہ میں آتا ہی نہیں۔ شاید معدودے چند مسلمان ایسے نکلیں جو ٹوٹی پھوٹی عربی لکھ سکتے یا بول سکتے ہوں ✦

علوم مذہبی کا جاننے والا اور تحقیق کرنے والا ایک بھی نہیں رہا۔ بڑی علمیت اس میں رہ گئی ہے کہ فقہ و حدیث یا تفسیر کی کتابوں میں سے کسی مطلب کے لئے کوئی روایت ڈھونڈ کر نکال لیجاوے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط ✦

فلسفہ تو اب ہماری قوم میں نام کو بھی نہیں سنا جاتا۔ چند طالب علم کہیں کہیں یونانی فلسفہ کی کتابیں پڑھتے ہیں جس کی اصلیت سے پڑھانے والا پڑھنے والے سے کچھ زیادہ واقف نہیں ہوتا ✦

طبیعات جاننے والا مسلمانوں میں کوئی نہیں ہے۔ ان چند مسائل کا بیان جس زمانہ کے عالم اس طرح پر کرتے ہیں کہ عناصر چار ہیں۔ خاک۔ باد۔ آب۔ آتش۔ یہ چاروں بسیط ہیں خاک کے اوپر آب اور آب کے اوپر باد اور باد کے اوپر آگ ہے اور وہ بہت بڑا ناری کرہ ہے۔ آسمان کی حرکت سے مشتعل رہتا ہے۔ مگر چونکہ قطبین کی طرف حرکت کم ہے اس لئے وہاں مشتعل بھی کم ہے۔ اور اس سبب سے اس کی شکل اہلیجی ہو گئی ہے۔ جب شاگرد پوچھتا ہے کہ اہلیجی کیا شکل ہے تو اُستاد اپنی سرمہ دانی نکال کر دکھلا دیتے ہیں کہ ایسی بیچ میں سے موٹی۔ دونوں طرف سے پتلی۔ پس اس زمانہ میں عالموں کی یہ طبیعیات رہ گئی ہے جس پر ہر کوئی ہنستا ہے ✦

علم ہیئت بڑے بڑے درسگاہوں میں تشریح الافلاک اور قوشجی سے زیادہ نہیں پڑھایا جاتا۔ بڑے بڑے عالم اس زمانہ کے چغمینی سے زیادہ نہیں جانتے۔ اس میں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ آسمان پیاز کے پتروں کی مانند تہ در تہ ہے۔ سب سے اوپر کے پتر کی حرکت سے تمام اندرونی پتر بے حرکت کر جاتے ہیں اور اسی طرح سے دن رات اور رات دن ہو جاتا ہے۔ دُم دار ستارہ کہ اب تک بڑے بڑے مولوی صاحب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ زمین کا دھواں ہے جو کہ آگ کے کرہ تک پہنچنے سے جلنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ بجھ جاتا ہے ✦

ہندسہ و حساب کچھ باقی ہے۔ اقلیدس کا ایک مقالہ اور خلاصۃ الحساب کی تحصیل بار دیا ہفتہ تک

فضیلت کی جگہ بھی بند ہو دیتی ہے۔ مگر طالب علم یہ سوچتے ہیں کہ تحریر اقلیدس کے پڑھنے اور ان ٹیڑھی سیدھی شکلوں کے بنانے میں کیا فائدہ ہے ٭

علم طب ہاں بے شک بڑی ترقی پر ہے۔ جس کے عالم یعنی طبیب ابھی تک معدہ سے جگر تک سارا ہی کی تنگ راہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ قطع نظر اس کے یہ علم جس قدر کہ مسلمانوں میں تھا اب اس کا جاننے والا ہی نہیں رہا ٭

علم نباتات کی تحقیقات اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہے۔ اچھے پڑھے لکھے مسلمانوں نے لکھا ہے کہ سراندیپ میں ایک درخت ہے جس پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ نہ زمین پر اس کا پتہ گرتا ہے نہ کوئی جانور اسے کھا سکتا ہے۔ ہمیشہ ترو تازہ رہتا ہے۔ بڑے بڑے عالموں کا اس پر یقین ہے کہ بعض بوٹیاں ایسی ہیں۔ جن سے سونا چاندی بن سکتا ہے ٭

علم حیوانات میں بلاشبہ بڑی ترقی ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ہاں کے بڑے بڑے عالموں کو تقریر کرتے سنتے ہیں کہ اگر بکری کتے سے بچہ پیدا ہو تو اس کا کھانا درست ہے یا نہیں ٭

علم جغرافیہ کا بیان کرنا بے فائدہ ہے۔ بڑے بڑے عالم یہ یقین رکھتے ہیں کہ عدن میں شداد کی بہشت موجود ہے جس کی دیواریں سونے چاندی کی اور ستون زمرد و یاقوت کے ہیں اور موتی و جواہر کنکر پتھر کی طرح پڑے ہیں۔ اگر کوئی بھولے سے پہنچ جاتا ہے۔ تو اونٹ اپنا جواہروں سے بھر لاتا ہے ٭

دستکاری و فنون بعض تو معدوم ہو گئے اور جو مفید تھے وہ اب تک ہیں اور میری دانست میں بہ نسبت زمانہ سابق کے زیادہ ترقی پر ہیں ٭

اخلاق کا یہ حال ہے کہ سچائی اور وفاداری۔ اخلاص و محبت۔ نیکی و ہمدردی کا نام نہیں جھوٹ اور مکر۔ ریا اور نفاق۔ کینہ اور عداوت سے گنتی ہی کے مسلمان محفوظ ہونگے ٭

وہ آدمی جن سے کبھی کی جان پہچان نہ ہو اس اخلاص سے ملینگے کہ گویا ماں جائے بھائی ہیں مگر دوست ایسے کم نکلینگے کہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی بدگوئی اور غیبت نہ کریں۔ منہ پر تعریف کرنا اور پیچھے گالیاں دینا ایک عام خصلت ہے۔ اقرار کا پورا کرنا۔ وعدہ کا وفا کرنا کوئی جانتا ہی نہیں مکر و ریا کی مجسم صورت کسی نے نہ دیکھی ہو۔ وہ ہمارے زمانہ کے مولویوں اور درویشوں کو دیکھ لے۔ صورت میں فرشتے اور سیرت میں شیطان ٭

حسد اور عداوت تو ہم لوگوں کا خمیر ہو رہا ہے۔ کسی کی عزت ہم لوگوں سے دیکھی ہی نہیں جاتی۔ ہمدردی اور عام محبت کا سایہ بھی کسی کے دل پر نہیں پڑا۔ ہمارے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ انسان اپنے ذاتی کاموں کے سوائے عام بھلائی کے کام بھی کرتا ہے ٭

غیر مذہب والوں سے سچائی اور اخلاص و محبت سے پیش آنا تو مسلمان کو اسلام سے خارج کر دینا ہے۔ ہاں جھوٹی خوشامد کرنا اور نہایت عاجزی اور ذلت سے کسی امید یا خوف کے سبب سے قدموں پر سر رکھ دینا عام دستور ہے ٭

آداب مجلس کے تو ایسے ہیں کہ جس نے جنگل میں بھیڑ بکریوں کا ریوڑ دیکھا ہو وہ مسلمانوں کی مجلس کو دیکھ لے۔ بلا اطلاع بے اجازت کے بے ضرورت کسی کے ہاں جانا۔ بے وجہ پہروں بیٹھے رہنا اور بیہودہ فضول لغو باتیں کرنا۔ اور فحش اور اخلاق و حیا کے برخلاف مثلوں اور کہاوتوں اور شعروں کا زبان پر لانا۔ بات بات پر قسم کھانا۔ ایک کا دوسرے کو برا بھلا کہہ دینا۔ حرکات و سکنات میں آدمیت کا لحاظ نہ رکھنا۔ بات کرتے کرتے قہقہہ مار کر دوسرے کے ہاتھ کو زور سے جھٹک دینا یا اس کے زانو پر ہاتھ مارنا۔ کسی کی بات کو پوری ہونے سے پہلے بیچ میں بول اٹھنا معمولی آداب ہمارے یہاں کی مجلسوں کے ہیں ٭

شادی بیاہ کے دستورات نہایت ہی نامعقول ہیں۔ اول تو سب سے بڑا مقصود نکاح کا یعنی رضامندی طرفین کی حاصل ہی نہیں ہوتا۔ نہ مرد عورت کو دیکھنے پاتا ہے نہ عورت مرد کو۔ یہ مضمون بالغیب پر نکاح کا مدار آ رہا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرد و عورت دونوں نکاح سے ناراض ہوتے ہیں مگر شرم و خوف سے کچھ بول نہیں سکتے۔ مرد تو دل سے انکار اور زبان سے اقرار کرتا ہے۔ اور عورت اپنی حالت زار پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہے۔ عین نکاح کے وقت جو نامعقول رسمیں ادا کی جاتی ہیں وہ تو ذکر کرنے کے ہی لائق نہیں۔ اگر ہندوستان کا دولہا پھولوں کا سہرا سر پر ڈالے سرخ جوڑا پہنے۔ آنکھوں میں کاجل لگائے۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی لگے ہوئے ایک ٹٹو پر سوار ولایت کے کسی تھیٹر میں کھڑا کر دیا جائے تو غالباً سارا شہر اس عجیب تماشا کے دیکھنے کو جمع ہو جاوے پھر فضول اخراجات شادی کے اور کھانا بانٹنا یا عام گروہ کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح اکٹھا کر کے کھانا کھلانا کیسی نامعقول رسم ہے۔ اس پر قصبات و دیہات کی وحشیانہ رسمیں تو وبال جان ہیں۔ شرم اس کا نام ہے کہ عورت مر جاوے پر کسی کے سامنے خاوند سے نہ بولے۔ بوڑھی ہو جاوے مگر ماں باپ کے سامنے گھر کا انتظام نہ کرے اور اگر بھولے سے نام خاوند کا لے لیتی ہے تو نکاح ہی ٹوٹ جاتا ہے ٭

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مسلمان عورتیں شریف خاندان کی اکثر پڑھی لکھی اور خوش سلیقہ باتمیز صاحب عصمت و حیا ہوتی ہیں اور اپنے گھر کا انتظام نہایت خوبی سے کرتی ہیں۔ اور خاندانی عزت کا خیال تو ان کا خمیر ہے۔ مگر مردوں کی نالائقی اور بدچلنی اور نکاح کے نامعقول دستوروں اور معاشرت کی بد رسموں کے سبب اکثر وہ اس خوشی سے محروم رہتی ہیں جس کی وہ مستحق ہیں ٭

بیوہ عورتوں کے نکاح کا معیوب جاننا جو سراسر اسلام کے خلاف ہے عام دستور ہے۔ مگر یہ ساری خرابیاں ہمارے ملک ہندوستان ہی میں ہیں اور مسلمانی ملکوں میں یہ خرابیاں کم ہیں ٭

اولاد کی تعلیم و تربیت کا یہ حال ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک مدرسہ بھی ایسا نہیں ہے جو موافق اس ترقی یافتہ زمانہ کی حالت کے کافی ہو۔ بعض نیک مسلمانوں نے اپنے طور پر چند جگہ عربی فارسی کے مدرسے قائم کئے۔ مگر افسوس ہے کہ اُن کی بھی مدد مسلمانوں نے نہ کی۔ روز بروز اُن کی حالت پر تنزّل پر ہے۔ لیکن اگر وہ ترقی بھی پا دیں تب بھی ہماری حاجتوں کے لئے کافی نہیں ہیں اس لئے کہ جو علوم اُن میں پڑھائے جاتے ہیں اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے اصول ہی غلط ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ زمانہ حال کی ترقی نے اُن کا رنگ ڈھنگ بدل دیا۔ اور بعض بالکل غیر مفید اور فضول ہیں۔ ان علموں سے ہرگز یہ اُمید نہیں ہو سکتی کہ ہمارے خیالات کو ترقی ہو یا ہمارے دلوں میں آزادی اور تحقیق کا ولولہ پیدا ہو یا دنیا کے عجائبات اور موجودات کے حقایق کے دریافت کرنے میں ہم کو اُن سے کچھ مدد ملے یا وہ ہمارے فنون کی ترقی اور تجارت اور زراعت اور مال و دولت کے بڑھانے میں کچھ کام آ دیں۔ پھر جس طور پر تعلیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جس قدر عمر کا حصہ اُس میں صرف ہوتا ہے اُس کا پورا معاوضہ ملتا ہو یا سوائے لفظوں اور عبارتوں کے علوم کی حقیقت کا اثر پڑھنے والے کے دل پر پہنچتا ہو ٭

تعلیم سے بڑھ کر ہماری اولاد کو تربیت کی حاجت ہے جس کا کچھ بھی سامان نہیں ہے۔ ہزارہا لڑکے اُن خاندانوں کے جو کہ علم اور شرافت اور عزت میں نامور ہیں کمینوں کی صحبت میں بیٹھ کر اُن کی بد عادتیں اختیار کر لیتے ہیں اور بدچلن بازاری آدمیوں کے ساتھ رہ کر آوارہ ہو جاتے ہیں۔ اور امیروں اور نوابوں کی اولاد کا بدچلن ہونا تو ایک ضروری امر ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان کی امیری اور بدچلنی۔ نوابی اور جہالت لازم و ملزوم ہیں۔ ان آفتوں سے بچ کر اگر تربیت بھی ہوتی ہے تو ایسی کہ جس کا فائدہ تربیت نہ پانے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مدرسوں کے طالب علم اگر صبح سے آدھی رات تک برابر کتاب دیکھتے رہیں تو بڑی تعریف کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور کوئی ایسا کھیل جس سے اُن کے قوائے جسمانی کو طاقت ہو اور قدرتی جذبات شگفتہ ہوں کھیلنے نہیں پاتے۔ نہ اُس کا کچھ سامان ہے اس واسطے اکثر طالب علم ایسے ضعیف و کمزور و لاغر ہوتے ہیں کہ جب مدرسے سے نکلتے ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ شاید کوئی مردہ قبر سے نکلا ہے۔ پھر اخلاق کے درست کرنے اور چال چلن میں شائستگی پیدا کرنے اور عمدہ طور سے زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ یہ مثال ٹھیک ٹھیک ہمارے مدرسے کے پڑھے ہوؤں پر صادق ہوتی ہے کہ مولویوں کی عقل لڑکے۔ اور لڑکوں کی عقل کتاب لے لیتی ہے۔ یہ نقص تعلیم و تربیت کا زیادہ ہندوستان میں ہے۔ مگر ٹرکی اور مصر اور ٹیونس میں انتظام ہوتا جاتا ہے

چنانچہ پندرہ ہزار مدرسے ٹرکی کی عملداری میں ہیں جس میں سے دس لاکھ سے زیادہ لڑکے پڑھتے ہیں اور خاص قسطنطنیہ میں ایک یونیورسٹی قایم ہے - اور دستکاری کی تعلیم کے مدرسے اور عورتوں کے اسکول انتہائی علوم کے کالج بالکل یورپ کے ڈھنگ پر جاری ہیں۔ مصر میں بھی اسی طور کا انتظام ہے - خود خدیو مصر کے دونوں لڑکے لنڈن کے مدرسے میں تعلیم و تربیت پاتے ہیں ۔

لباس و پوشاک ہم ہندوستانیوں اور سنٹرل ایشیا کے مسلمانوں کا کچھ عمدہ نہیں ہے نہ خاص خاص وقتوں اور جلسوں کے لئے کوئی مخصوص لباس ہے - مگر جو لباس ترکوں نے سلطان محمود کے وقت سے پسند کیا ہے اور جسے بعض دانا مسلمانوں نے ہندوستان کے بھی اختیار کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے - عورتوں کا لباس تو ایسا ہے کہ خود مہذب مسلمان اُس سے شرماتے ہیں ۔

ہم ہندوستان اور ایشیا کے مسلمانوں کے کھانے کا طریق بھی کچھ عمدہ نہیں - مگر ترکوں اور اکثر مصریوں نے بالکل یورپ کے طور پر یا قریب قریب اُس کے طرز کھانے پینے کا اختیار کیا ہے اور ہندوستان کے بھی تہذیب یافتہ مسلمانوں نے اُسے رواج دیا ہے ۔

سیاست مدن میں ایشیا کے مسلمان نہایت ابتری کی حالت میں ہیں - بخارا اور خیوا اور سمرقند اور زنجبار میں جیسے شرع اور عقل اور انصاف اور اخلاق کے برخلاف سیاست کے قاعدے جاری ہیں اور جس میں بعض ظلموں کے دُور کرنے کے لئے یورپ کی تربیت یافتہ گورنمنٹوں نے اپنا فرض بھی ادا کیا اُن سے مسلمانوں کی بہت کچھ بدنامی ہوتی ہے - مگر یورپ کی دیکھا دیکھی ٹرکی اور مصر اور ٹونس میں کچھ ترقی شروع ہوئی ہے اور سیاست مدن کی اصلاح ہوتی جاتی ہے - اُن کے پُرانے تاریک خیالات بدلتے جاتے ہیں - چنانچہ ایک نامہ سے جو سلطان نے جنوری ۱۹۰۱ء میں شاہ بخارا کو لکھا تھا جب کہ اُس نے سلطان سے بمقابلہ روس کے مدد مانگی تھی - شاہ بخارا اور سلطان کے خیالات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے - سلطان لکھتا ہے کہ "دانائے سلطنت یہ ہے کہ اپنے دوست اور آشنا کو پہچانتا رہے اور سلاطین ہمدرد و نزدیک سے راہ و رسم جاری رکھے اور رشتۂ محبت و الفت کو محکم و مضبوط رکھے مگر تم نے کسی سلطنت سے راہ و رسم ظاہری پیدا نہ کی اور وضع پرستانہ اپنا رکھا کہ کوئی سیاح یا کوئی وکیل کسی سلطنت کا تمہارے ملک میں وارد ہوا اگر وہ قوم انگریز یا روس ہوا تو اُس کو تم نے سراسر قتل کیا اور اگر اہل ایران تھا تو اس کو شیعہ ہونے کے سبب پکڑ کے فروخت کیا اگر باشندہ روم تھا تو اس پر تہمت جاسوسی اور خفیہ نویسی لگا کر چاہ سیاہ میں قید کر کے ہلاک کیا - اب انصاف کرنا چاہئے کہ یہ راہ و رسم کیسی ہے - تم نے وہ طریقہ رکھا ہے کہ کسی سلطنت کی تمہارے ساتھ دوستی نہیں تو اب کس واسطے اور کس رابطہ سے امداد چاہتے ہو اور میں بالجہار کونسی راہ و رسم کے شاہ روس سے بگاڑوں - یہ فرق شاہ بخارا و سلطان کے خیالات میں ہوا صرف تعلیم یورپ سے

نفرت اور اختلاط کا سبب ہے۔ یہ کیفیت حال کے تنزلات کی جو میں نے بیان کی ضرور ہے کہ اُس کے سببوں پر بھی کچھ غور کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ہر نتیجہ ایک مناسب سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک سبب کا اُس کے مناسب نتیجہ ہوتا ہے۔ پس یہ ایک نہایت ضروری امر ہے۔ اُن سببوں کی پہچان بیان کی جاوے جن سے یہ تنزلات پیدا ہوئے۔ چنانچہ میرے نزدیک اُس کے چند سبب ہیں :۔

اوّل شخصیہ سلطنت کا ہونا۔ تمام ایشیا میں مُلکی اور قومی اور علمی ترقیاں یا تنزلات ایک بادشاہ کے خیال پر منحصر ہیں۔ جس طرف وہ متوجہ ہوتا ہے کُل رعایا کی توجہ اُسی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ مسلمانوں میں سوا ابتدائی زمانہ کے ہمیشہ شخصیہ سلطنت رہی اور مختلف مزاج اور مختلف خیال کے بادشاہ تخت نشین ہوئے اس لئے پوری پوری ترقی کسی بات میں حاصل نہیں ہوئی اور اخیر میں جب بادشاہ برابر نالائق اور جاہل اور کاہل ہوتے گئے اور علوم و فنون کی طرف اُنہوں نے کچھ توجہ نہ کی مسلمانوں کو بھی ہر بات میں تنزل ہوتا گیا۔ اگر مسلمانوں میں بے خیال بادشاہ کے ہر چیز کی طرف وہ توجہ ہوتی جو اب یورپ کی رعایا کو ہے تو ہرگز یہ قومی تنزلات نہ ہوتے ❖

دوسرا سبب مذہبی اوہام۔ میرے نزدیک جیسا کہ ایک سچا مذہب جو اوہام اور غلط خیالات سے پاک ہو تہذیب کی ترقی کا بڑا سبب ہوتا ہے اُسی طرح جھوٹا مذہب یا وہ مذہب جس میں لغو اوہام اور بیہودہ خیالات مِل جُل گئے ہوں ساری ترقیات کے روکنے کا بڑا قوی سبب ہے ❖

مذہب اسلام فی نفسہ نہایت سچا اور صحیح مذہب ہے مگر خود ہم نے اپنے لغو خیالات سے اُس کو ایسا کر رکھا ہے کہ علوم میں۔ فنون میں۔ اختلاط میں۔ ہمدردی میں۔ غرض کہ ہر چیز میں بجائے ترقی کے ہم کو مذہبی مزاحمت ہوتی ہے۔ اور آزادی رائے جو ایک قدرتی حق اور ایک سچے مذہب کا پہلا اصول ہے وہ بالکل جاتی رہتی ہے۔ حالانکہ آزادی رائے کی مزاحمت ہی ساری خرابیوں اور تمام تنزلات کی جڑ ہے۔ کیا خوب کہا ہے مل صاحب نے کہ "جب انسان کا دل قانون کے خوف یا کسی اور ڈر سے اپنی بڑی ضروری باتوں پر آزادانہ گفتگو نہیں کر سکتا تو افسردہ اور ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور جب کہ یہ سُستی کسی قدر اور زیادہ ہوتی ہے تو روزمرہ کی باتوں اور معمولی معاملوں میں بھی کچھ ترقی نہیں کر سکتا۔ اور جب کہ اور بھی زیادہ سُستی بڑھ جاتی ہے تو وہ اپنی پہلی حاصل کی ہوئی باتیں بھی بھول جاتا ہے" ❖

مسلمانوں میں مزاحمت آزادی رائے کی ہر زمانہ میں مذہبی اوہام کے سبب جاری رہی۔ کسی زمانہ میں کم کسی میں زیادہ۔ اور اسی وجہ سے عام ترقی مسلمانوں نے نہ کی۔ جب یہ مزاحمت بڑھ گئی۔ تو پورا پورا تنزل اُن کو نصیب ہوا۔ چنانچہ ہم اپنے زمانہ میں سارے تنزلات اس مزاحمت کی ترقی ہی کے سبب سے دیکھتے ہیں ❖

تعصبات یعنی دوستی نہ رکھنا۔ سچائی و صفائی سے غیر قوموں سے نہ ملنا۔ تجربہ شدہ بھلائیاں کی عمدہ باتوں کو اختیار نہ کرنا۔ غیر ملکوں کا سفر نہ کرنا جو تہذیب اور ہماری ترقیوں کی بڑی روکنے والی چیزیں ہیں صرف مذہبی اور علم کے نتیجے ہیں جس میں ہم مسلمان خصوصاً ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں ❖

تیسرا سبب اشاعت علوم و فنون کے عام اور آسان وسیلوں کا نہ ہونا۔ بڑا عمدہ وسیلہ ترقی کا ملکی زبان ہے۔ کسی ملک اور کسی قوم نے کچھ بھی ترقی نہیں پائی جب تک اُسی ملک یا اُسی قوم کی عام زبان میں علوم کا رواج نہیں ہوا۔ مگر اس سے مسلمانوں نے عموماً غفلت کی۔ عام علوم انہوں نے عربی ہی زبان میں رکھے اور دنیا کے سارے حصوں میں جہاں جہاں وہ گئے عربی ہی کو علوم کی کنجی سمجھتے رہے اس واسطے مذہبی اور عقلی اور تمام قسم کے علوم ایک فرقہ سے مخصوص رہے جو کہ اس زبان کی مشکل کو طے کرتے اور عالم کہلاتے اور عام لوگ ہمیشہ کاٹھ کے اُلو رہے ❖

ہمارے زمانہ میں جو چند مذہبی کتابوں کا ترجمہ دیسی زبان میں ہوا ہے اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہزاروں مسلمان اردو خواں ہیں کہ وہ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ۔ عقاید۔ تاریخ سے ایسے واقف ہو گئے ہیں کہ پچاس برس پہلے شاید سوائے دہلی کے مشہور مولویوں کے کوئی اُن سے واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اور یہ نتیجہ ملکی زبان میں علوم کے ترجمہ ہونے کا ہے ❖

چھاپہ کا نہ ہونا بھی اگلے زمانہ میں ترقی نہ کرنے کا ایک بڑا سبب تھا چنانچہ اس زمانہ میں جو ترقی دکھائی دیتی ہے ہرگز نہ ہوتی اگر یہ عمدہ ہنر ظاہر نہ ہوتا۔ اسی ہنر کا نتیجہ ہے کہ رسالے اور جرنل اور میگزین اور اخبار اور مختلف قسم کے کاغذات کے ذریعہ سے علوم و فنون کی وہ باتیں عوام میں پھیل جاتی ہیں جن کو صرف عالم لوگ جانتے تھے اور جس کے سبب سے اب علوم و فنون کا تنزل پانا خیال میں نہیں آتا اور معدوم ہونا تو ایک امر محال ہے ❖

سفر کے ذریعوں کی آسانی بھی ملکی تہذیب کا بڑا سبب ہے انسان کا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ عمدہ باتوں کے دیکھنے تربیت یافتہ قوم سے ملنے کا اثر ضرور اس پر پڑتا ہے۔ اور کسی کو اچھا کام کرتے دیکھ کر لامحالہ اُسے پسند کرتا ہے یہاں تک کہ متعصب جاہل سا جاہل بھی اُس سے محروم نہیں رہتا اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی جب تک دوسرے ملکوں میں جانے اور غیر قوموں کے ملنے کا اتفاق نہ ہو۔ چونکہ یہ آسانی اگلے زمانہ میں نہ تھی اس لئے ترقی جیسی کہ چاہئے نہ ہوئی۔ اور اس زمانہ میں علوم و فنون کی جو کچھ ترقی ہے وہ صرف سفر کی آسانی سے ہے۔ اس مبارک زمانہ میں ریل اور تار برقی وہ چیزیں ہیں جس نے دنیا کے مختلف ملکوں کو ایک کر دیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مختلف قوموں کے خیالات بھی ایک ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ امید ہے کہ ایک ایسا وحدت کا زمانہ آجاوے جس میں کسی چیز میں باہمی اختلاف نہ رہے یہاں تک کہ مذہب بھی سب کا ایک ہو جاوے اور تمام دنیا

وہی ہوگا جو بالکل نیچر کے مطابق ہو جسے میرے دوست سید احمد خاں بہادر ٹھیٹ اسلام کہتے ہیں ۔

چوتھا سبب جو خاص ہندوستان کے مسلمانوں کے تنزلات کا سبب ہوا ہندوستان کا وطن کر لینا اور اپنے اصلی وطن کو چھوڑ بیٹھنا ہے۔ مسلمان جب کہ ہندوستان میں آئے اُس وقت نہایت خوش رو اور سرخ و سفید اور قوی و تندرست تھے طبیعتیں بھی اُن کی آزاد تھیں دلوں میں بھی اُن کے ایک جوش تھا۔ رسوم کی پابندی سے اُن کو خبر نہ تھی۔ مگر جب ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا اور اُن قوموں سے مل گئے جو کہ اُن سے قوت میں۔ دلیری میں۔ آزادی میں۔ علم میں۔ معاشرت میں کم تھیں اور چھوت اور پرہیز اور رسموں کی پابندی اور تنگ خیالات اُن کے رگ و ریشہ میں سما رہے تھے تو رفتہ رفتہ وہ بھی ویسے ہی ہو گئے۔ اُن کی اصلی حالتیں بالکل بدل گئیں۔ وہ خون جو ابراہیم کی رگوں کا ہم میں تھا بدل گیا۔ وہ ہڈی جو اسمٰعیل کے خون سے بنی تھی بدل گئی۔ وہ دل جس میں ہاشمی جوش تھا بدل گیا۔ غرض کہ چہرا بدل گیا۔ رنگ بدل گیا۔ صورت بدل گئی۔ سیرت بدل گئی۔ دل بدل گیا۔ خیال بدل گیا۔ یہاں تک کہ مذہب بھی بدل گیا۔ تمام وہ جوش جو اُٹھے تھے اُس ریتیلے جنگل عرب سے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کر دیا تھا ہندوستان میں آکر بے آف بنگال میں ڈوب گئے ۔

اگر اب ہم آئندہ زمانہ کی پیشینگوئی کرنی چاہیں کہ آئندہ کو مسلمانوں کی تہذیب کیسی ہوگی تو ہم کو کسی ترقی یافتہ ملک کے حال پر نظر ڈالنی چاہیے کہ اُس نے کیونکر ترقی کی۔ اگر وہی آثار ہماری قوم میں بھی پائے جاویں تو ہم کو ضرور آئندہ کی ترقی کی اُمید کرنی چاہیے۔ ہم یورپ کا حال دیکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ارسطو کا فلسفہ یورپ میں جاری تھا اور وہ دین مذہب سے ویسا ہی مل گیا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے مذہب سے مختلط ہو رہا ہے۔ اور جب تک وہ قایم رہا کسی طرح کی مذہبی یا عقلی ترقی یورپ میں نہیں ہوئی۔ آخر تیرھویں صدی میں تقلید کے چھوڑنے کی راہ نکلی۔ چنانچہ روجر بیکن نے جو ۱۲۱۴ء میں پیدا ہوا اور جو حقیقت میں شاگرد مسلمان فلسفیوں کا تھا اپنا پانوں تقلید سے نکالا اور فلسفہ تخمینیہ قیاسیہ کو چھوڑ کر فلسفہ شہودیہ تجربیہ پر متوجہ ہوا۔ اُس نے بہت سی کتابیں لکھیں مگر جب کہ ارسطو کے فلسفہ کو لوگوں نے غلط جانا تب وہ افلاطون کے فلسفہ پر متوجہ ہوئے۔ اور اسی لیے ترقی فلسفہ کی رک گئی۔ مگر پندرھویں صدی کے شروع میں طلیسیس اور کمپیلا اور بعض محققوں نے اس فلسفہ کے اصول کے باطل کرنے پر کوشش کی اور تحقیق کی راہ نکالی۔ مگر جس طرح کہ اس زمانہ کے مسلمان ایسے لوگوں کی تحقیق کو کفر جانتے ہیں وہی مصیبت اُن بیچاروں پر بھی پڑی بیکن کی تکفیر کا فتوے دیا گیا اور بعض کو قتل کیا گیا۔ پھر بڑا انقلاب یورپ میں ہیئت قدیمہ کی غلطی بیان کرنے اور ہیئت جدیدہ کے

ثابت کرنے پر ہوا - اگلے زمانہ میں یورپ کے لوگ آسمان و زمین کو ویسا ہی جانتے تھے جیسا کہ اب مسلمان بطلیموسی ہیئت کے موافق مانتے ہیں اور یہ مسائل مذہب میں ایسے ہی داخل سمجھے جاتے تھے جیسا کہ اب مسلمان سمجھتے ہیں - مگر کوپرنیکس نے جو کہ پروشیہ کی اطراف کا رہنے والا تھا سنہ ۱۵۰۷ء میں چاہا کہ اس ہیئت کی غلطی ظاہر کی جاوے مگر پادریوں اور مذہبی لوگوں کے سبب سے اُسے جرأت نہ ہوتی تھی - آخر سنہ ۱۵۳۰ء میں اُس نے ایک کتاب لکھی مگر اُس کے مشہور کرنے میں بڑا تأمل کیا - آخر سنہ ۱۵۴۳ء میں کچھ خلاصہ اُس کا مشہور ہوا - مگر وہ اُسی زمانہ میں مر گیا اور برونو نامی حکیم نے اُسے مشہور کیا مگر وہ اُسی جرم میں نکالا گیا - اور دینی محکمہ میں اُس کی تحقیقات کی گئی اور اُس کو کفر و الحاد کے مسائل کا پھیلانے والا ٹھیرایا - آخرش وہ بیچارہ روم میں زندہ جلایا گیا - اس قصور میں کہ اُس نے ایک صحیح مسئلہ ہیئت کا زبان سے نکالا تھا سنہ ۱۶۱۰ء میں گلیلو نامی حکیم نے دوربین ایجاد کی اور اس حکمت کی رونق دی - مگر متعصب پادریوں کو اس سے بڑی برہمی ہوئی - اُنہوں نے اس کو ملحد ٹھیرایا اور آخر ایک حجرۂ تنگ و تاریک میں بند کیا - مگر باوجود اس کے پھر اُن نامور حکیموں کی تحقیقات کو نہ مذہبی تعصب روک سکا - نہ جاہلانہ خیالات اُس کے مزاحم ہوئے - اور اب اُس کو وہ رونق ہے کہ اگر اس کے برخلاف ہیئت قدیمہ کا مسئلہ کسی کی زبان پر آوے تو کیا حکیم - کیا پادری سب اُس آدمی کو پاگل اور دیوانہ بنا دیں - پھر ارسطو کا فلسفہ جو مذہب میں داخل ہو گیا تھا اور پوپ کو معصومیت کا درجہ دیا گیا تھا اور نجات کے فرمان بیچنے کا اُن کو اختیار تھا اور آسمانی کتابوں کے پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی - اس غلط خیال کو تا مور لوتھر نے کھویا مگر جو مصیبت اُس پر اور اُس کی پیروی کرنے والوں پر ہوئی اُس کے سننے سے بدن پر رعشہ ہوتا ہے - مگر آخر اُسے کامیابی ہوئی ✣

یہی حال بجنسہٖ اب ہم مسلمانوں میں پاتے ہیں - ٹرکی میں - مصر میں - اور ہندوستان میں بھی بعض خدا ترس آدمی اپنی قوم کی بھلائی کے لئے آمادہ ہوئے ہیں اور جس طرح کہ اُن یورپ کے عالموں نے مسائل حکمت کے بیان کرنے میں کوشش کی ہے اسی طرح یہ لوگ بھی کر رہے ہیں - چونکہ اس زمانہ میں انتظام سلطنت کا دوسرے قاعدہ پر ہے اس سبب سے اُن حق بات کہنے والوں کو کچھ مضرت نہیں پہنچی - صرف کفر و الحاد کے فتووں ہی پر خیر گذری ورنہ اُن پر اُس سے بھی زیادہ سخت مصیبت گذرتی جو اگلوں پر گذری ہے مگر ان تمام حالات سے آیندہ کی بہتری کی اُمید ہوتی ہے ✣

ٹرکی یعنی روم کی سلطنت جو کسی زمانہ میں نہایت قوی تھی اسی صدی کے شروع میں نہایت تنزل کی حالت پر پہنچ گئی تھی - مولویوں کی خیانت اور قاضیوں کی بددیانتی اور لوگوں کی جھوٹی ایمانداری اور عوام کے مذہبی اوہام اور تعصبات کی یہ نوبت پہنچی تھی کہ قریب تھا کہ اسلام کا نشان اُن

کی طرح اُس مبارک زمین سے مٹا یا دے۔ مگر خدا نے سلطان محمود کے دل سے ان بیہودہ توہمات کو نکال کر اُسے انتظام مملکت کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ اُس نے ایک تبدیلی معاشرت اور سیاست کے قاعدوں میں کرنی چاہی۔ مگر جیسا کہ نادان اور خود غرض مذہبی آدمی جن کا عوام پر بہت کچھ رُعب داب ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنی عزت اور دولت کے خیال سے ایسے کاموں میں مانع ہوتے ہیں اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا۔ مگر آخر نوبت خونریزی کی پہنچی اور جب تک کہ بہت سے مولویوں اور قاضیوں اور اسلام کے بدنام کرنے والے مسلمانوں کے سر اسلام پر قربان نہ کئے گئے وہ انتظام پورا نہ ہوا۔ مگر آخر کار سلطان نے فوج کی وردی بالکل بدل دی۔ اور یورپ کی سلطنتوں کا سا انتظام جاری کیا۔ پوشاک اور طریق خوراک اور طرز معاشرت بھی بدل دیا۔ غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ اور غلامی بھی قطعاً موقوف کر دی اور بلا لحاظ قوم و مذہب کے اپنی عام رعایا کے حقوق ایک کر دے۔ ٹیکا لگانے کا کارخانہ جاری کیا۔ علم تشریح کا مدرسہ بنوایا۔ وبائی بیماریوں کے لئے شفاخانے تیار کرائے۔ فرانس اور جرمن اور انگلستان کی علمی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کرایا ؎

بعد مرنے اس سلطان کے اُس کے جانشینوں نے بھی اُس میں ترقی کی۔ چنانچہ سلطان عبدالعزیز خاں جو اب تخت پر ہے ۱۸۶۷ء میں فرانس اور لنڈن گیا اور وہاں کی شان و شوکت اور عجیب و غریب کارخانوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ پھر شاہ آسٹریا اور ولیعہد انگلستان اُس کے یہاں آئے اور مہمان ہوئے اور رشتہ دوستی و محبت کا جو کہ ملک اور عزت کی ترقی کا بڑا قوی سبب ہے باہم ان بادشاہوں کے مضبوط ہوا ؎

غرض ان تبدیلیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ٹرکی کی سلطنت کسی طرح ضعیف نہیں سمجھی جاتی اور یورپ کی اور سلطنتیں بھی عزت کی نگاہ سے اُس کو دیکھتی ہیں۔ تعلیم و تربیت اور ترقئے ملک کے وہی اصول و قواعد جاری ہیں اور ہوتے جاتے ہیں جو یورپ کی اور شائستہ سلطنتوں میں جاری ہیں۔ یورپ کی صنائع و بدائع پر بھی بڑی توجہ ہے۔ آہنی سڑکیں بھی تیار ہوتی جاتی ہیں۔ انتظام دربار اور عدالت اور کچہریوں کا بھی یورپ کی اور سلطنتوں کے طور پر کیا گیا ہے ؎

یہ ترقی جو کچھ سلطان حال نے کی وہ نتیجہ یورپ کی سیر اور فرانس اور لنڈن میں جا کر وہاں کے کارخانوں کے دیکھنے کا ہے جس سے اس کے خیالات میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔ چنانچہ جب سلطان یورپ کے سفر سے لوٹا تو اُس نے عام دربار میں ایک اسپیچ کی جس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ "جن قوانین کی قباحتوں سے ہم اپنے تجربہ سے واقف ہو گئے ہیں ان کی ترمیم و تکمیل اور جن قواعد کی خوبی ہم کو معلوم ہو گئی ہے ان کے استحکام سے ہمارا ملک اور ہماری قوم بہت جلد دولت و اقبال کے اعلےٰ درجہ پر پہنچیگی ؎

مصر بھی ترقی پر ہے۔ اُس میں بھی تعلیم و تربیت اور انتظام مملکت یورپ کے ڈھنگ پر ہوتا ہے۔ خود خدیو مصر کئی مرتبہ فرانس اور لنڈن گیا اور اِس وقت اُس کے دو لڑکے لنڈن کے مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں ✤

ٹونس جو ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی ہے نہایت ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس ریاست کا وزیر سید خیرالدین احمد جو دوسرا رشید پاشا اور ایک روشن ضمیر اور لائق آدمی ہے اُس نے یورپ کے حالات سے بخوبی واقفیت پیدا کی بہت سے لوگوں کو اپنے ملک کے۔ فرانس اور لنڈن کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ اور بہت سی علمی کتابوں کو عربی زبان میں کیا۔ خود اُس نے ایک ایسی عمدہ کتاب لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یورپ کے علوم و فنون اور وہاں کے تمدن و معاشرت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جہالت اور ذلیل حالت پر کس قدر متاسف ہے۔ اس وزیر نے اپنا پُرانا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور تعلیم و تربیت کے لئے مدرسے بالکل یورپ کی طرز پر جاری کئے ہیں۔ اس وقت اُس کے چھاپہ خانہ میں بہت سی علمی کتابیں چھپ رہی ہیں۔ ایک مسلمان عالم ابوالعباس نامی جو چھبیس برس سے زیادہ عرصہ تک فرانس اور لنڈن اور اور شہروں میں یورپ کے رہا ہے اور فرانسیسی اور انگریزی زبان سے بخوبی واقف ہے اُس کا مہتمم اعلےٰ ہے۔ اس مسلمان عالم نے بھی کئی کتابیں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ مسلمانوں کو جوش اور ولولہ پیدا ہو اور وہ علوم و فنون کو جو یورپ میں جاری ہیں اپنے علموں سے مقابلہ کریں۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ ہمارے اور یورپ کے علموں میں یہ فرق ہے کہ ہم مدرسہ میں بیٹھ کر برسوں سے صفت مشبہ کی لفظی بحث کرتے ہیں اور یورپ کے تعلیم یافتہ دو منٹ میں لیورپول سے آسٹریا کو خبر بھیجتے ہیں۔ ان دونوں تعلیم کا جداگانہ اثر جو ملک و قوم کی ترقی پر ہوتا ہے وہ اس سے ظاہر ہے۔ ایران میں بھی شاہ کے یورپ جانے سے اُمید ہے کہ آیندہ زمانہ میں کچھ ترقی ہو ✤

امیر کابل بھی جب سے انبالہ سے واپس گیا ہے اپنے تاریک خیالات کی پابندی چھوڑتا جاتا ہے۔ یہ ترقیاں جو کچھ ان ملکوں میں ہوئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں اُن پر نظر کر کے نہایت افسوس آتا ہے کہ مسلمان ان ملکوں کے جو کہ ہمسایہ یورپ کے ہیں ایسی ترقی کرتے جاویں اور ہندوستان کے مسلمان جو ایک تربیت یافتہ گورنمنٹ کے زیر سایہ ہوں وہ جیسے تھے ویسے ہی ہوں ✤

جن لوگوں نے جناب نواب گورنر جنرل بہادر کی وہ درد و حسرت بھری ہوئی تقریر مسلمانوں کی تعلیم کی نسبت سُنی ہو گی۔ اور جن شخصوں نے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر بنگال کو عام جلسوں میں ہم لوگوں کی نسبت افسوس سے اسپیچ کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اور جو لوگ گورنمنٹ بنگال و مدراس کی دلی توجہ سے جو مسلمانوں کی تعلیم کی طرف ہے واقف ہونگے اُن کو کس قدر رنج ہوتا ہوگا اس خیال سے کہ اس کا اثر

جیسا کہ چاہئے ابتک نہیں ہوا ہے ۔

لیکن جب میں چند سال پہلے کا حال اس زمانہ سے ملاتا ہوں تو کچھ اُمید اُن کی ترقی کی پائی جاتی ہے ۔ اور اُن کے خیالات میں بھی ایک قسم کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے چند سال کا ذکر ہے کہ کلکتہ کے عربی مدرسہ کے لڑکے مدرسہ کے پرنسپل پر ڈھیلے پھینکتے تھے ۔ اور اب خود انگریزی پڑھتے ہیں ۔ دو تین برس ہوئے کہ انگریزوں کے چھوئے ہوئے گلاس میں پانی پینے سے لوگ ڈرتے تھے اور اب اُن کے ساتھ عام جلسوں میں کھاتے پیتے ہیں ۔ یورپ سے پہلے سوسائٹی اور علمی جلسوں کا نام بھی نہ تھا اور اب ہر جگہ اُس کا چرچا ہوتا جاتا ہے ۔ اخبارات میں سوائے دُوسرں کی بکری اور چند آنکھوں سے دیکھے حال کے کوئی عمدہ مضمون نہ ہوتا تھا ۔ اور اب کے اخبار ایسے ہیں جن میں عمدہ آرٹیکل ہوتے ہیں ۔ جن میں سے اودھ اخبار جس کا اڈیٹر نہایت ہی لائق اور ذی استعداد اور عالی دماغ ہے ہندوستان کا ٹیمز اخبار سمجھا جاتا ہے ۔ اور علیگڈھ کا اخبار جس کا اڈیٹر ایک روشن ضمیر تعلیم یافتہ مسلمان ہے ۔ اور کلکتہ کا اردو گائیڈ جس کا مالک ایک مشہور عالم ہے ۔ اور پنجاب کا پنجابی اخبار ۔ اور میرٹھ کا اخبار عالم اور بعض اور اخبار عمدہ خیالات پیدا کرنے کے اچھے ذریعے ہیں ۔ اور ان سب سے بڑھ کر وہ روشن ستارہ ہے جسے ہند کے آفتاب نے صرف مسلمانوں میں روشنی پھیلانے کے لئے نکالا ہے یعنی تہذیب الاخلاق جس کا اثر لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ ہوا اور ہوتا ہے ۔

ان سب سے بڑھ کر ہمارے دل کو قومی ترقی کی پوری امید دلانے والی وہ تجویز ہے جو ایک نامور گروہ نے مسلمانوں کی اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کی نسبت کی ہے یعنی قایم کرنا ایک مدرسۃ العلوم کا اس لئے کہ ہمارے موجودہ مدرسے گو اُن کی کتنی ہی ترقی کیجاوے قومی ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتے ۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں اور ہماری گورنمنٹ کے موجودہ مدرسے بھی ہماری حاجتوں کے موافق نہیں ہیں ۔ اس لئے کہ قطع نظر اس کے کہ جو حصہ عمر کا ان مدارس کی تعلیم میں ضائع ہوتا ہے اُس کا پورا معاوضہ نہیں ملتا اور نہ اُن علوم تک ہماری رسائی ہوتی ہے جن سے ہم ایک روشن ضمیر عالم سمجھے جاویں ۔ یہ بہت بڑا نقص ہے کہ ہم اپنی مذہبی تعلیم او تربیت سے محروم رہتے ہیں اور یہی بڑا جزو قومی ترقی کا ہے ۔ اگر ہم مدرسوں میں پڑھ کر ریل گودام کے بورڈوں پر انگریزی حرفوں میں نام لکھنے لگے اور اپنے مذہبی عقاید سے ناواقف ہو کر لامذہب ہو گئے ۔ تو ہم ایک تربیت یافتہ مسلمان نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے جو تجویز مدرسۃ العلوم کی کی گئی ہے درحقیقت وہ ایک عمدہ بنیاد ہے جو مسلمانوں کی اصلی ترقی کے لئے ڈالی گئی ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ ہم مسلمانوں میں بعض ایسے ہیں کہ گورنمنٹ کی خوشامد سے تاکہ اس کے انتظام تعلیم کے مدد و معاون ہو کے کسی خطاب کا استحقاق پیدا کریں یا اپنے مذہبی الم کے سبب یا ذاتی طبیعت کی تاثیر سے اس

عمدہ تجویز سے مخالف ہیں اور اپنے اوقات کا بڑا حصہ اُس کی مخالفت میں ضائع کر رہے ہیں یہ لوگ ان وہی ہیں جو نہیں چاہتے کہ مسلمان دوسروں کی زبان سیکھیں یا غیر مذہب والوں سے بصفائی و یکجائی ملیں۔ بڑی خواہش اُن کی یہ ہے کہ وہ نفرت اور عداوت جو نسل اور مذہب اور ملک کی مغائرت سے پیدا ہو گئی ہے۔ قدرت اور عقل کی روشنی سے نیست و نابود نہ ہونے پاوے۔ اور وہ قدرتی رشتہ محبت کا جو سارے بنی آدم خصوصاً مسلمانوں اور اہل کتاب میں ہے کسی طرح مضبوط اور مستحکم نہ ہو۔ مسلمان اُن علوم و فنون کو سیکھنے نہ پاویں جن سے اُن کے دل روشن اور خیال وسیع ہوں یا موجودات کی اصلی حقیقت حاصل کریں۔ اُن کی منتہائے کوشش یہ ہے کہ وہ قوتیں جو اس وقت تک مسلمانوں میں کسی قدر باقی ہیں ایک جگہ جمع نہ ہوں۔ بلکہ متفرق متفرق بیجا طور پر ضائع ہوتی رہیں۔ اگر جمع بھی ہوں تو وہ اُن کاموں میں صرف کی جاویں جن سے بجائے بھلائی کے ضرر پیدا ہو۔ اگر یہ لوگ علم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو یہ چاہتے ہیں کہ اس اُنیسویں صدی میں وہ علوم پڑھائے جاویں جو آٹھویں صدی میں جاری تھے۔ اور اگر مذہب پر جھکتے ہیں تو اُن کی یہ مدعا ہوتی ہے کہ سولھویں صدی کے روم کے عیسائیوں کا زمانہ پھر اسلام میں آجاوے۔ یہ لوگ جب انگریزی طور پر تعلیم و تربیت کا نام سنتے ہیں تو ایک بے اختیاری جوش اُن کے دل سے اُٹھتا ہے اور جب کچھ اور اُن سے نہیں ہو سکتا۔ تو کفر کا فتوے ہی دیکر اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ وہ یا تو اپنی نادانی سے یا درحقیقت عوام مسلمانوں میں جن کا دل تعصبات کا خزانہ ہو رہا ہے ایک جھوٹی عزت پیدا کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ انگریز وحشی علم کی حقیقت کیا جانیں۔ وہ تو صرف لوہار اور بڑھئی اور موچی کے کاموں کو اچھا جانتے ہیں۔ علوم کا خزانہ تو ہمارا صدرا و میبذی ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں سے سوائے اس کے کیا امید ہو سکتی ہے جو وے کر رہے ہیں لیکن یہ مخالفتیں اُن کی کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ جوش جو اُٹھا ہے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا اب اُن کے کفر کے فتووں سے رُک نہیں سکتا۔ صدہا مسلمان ہیں جن کے دلوں میں یہ بات سما گئی ہے کہ جو زمانہ گذر گیا وہ گذر گیا۔ اب ہماری بھلائی اس میں نہیں ہے کہ جو کچھ ہمارے بزرگوں نے پڑھا وہی ہم بھی پڑھیں۔ اور جو کام ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ ہم بھی کریں۔ بلکہ ہماری بھلائی اس میں ہے کہ ہم چاروں طرف آنکھ کھول کر دیکھیں اور اُن علوم و فنون کو جن کے عجیب و غریب نتیجے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں حاصل کریں ✽

اس موقع پر کہ میرے کلام کا سلسلہ مسلمانوں کی ترقی کی تدبیروں تک پہنچا بڑی بے انصافی ہوگی اگر میں اُس نامور خیر خواہ اسلام کا نام نہ لوں جو ان سارے جوشوں کا سرچشمہ ہے یعنی مولوی سید احمد خاں بہادر۔ اسی نامور شخص نے اول پانوں اپنا تعصبات اور تقلید اور رسم و رواج کی پابندی سے نکالا اور رائے کی آزادی اور تحقیق کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا اور اپنی تقریر سے اپنی تحریر سے

اپنے برتاؤ سے ۔ اپنے خیالات سے ایک نمود مسلمانوں کے لئے قایم کردیا ۔ اور وہ مزاحمتیں جو مسلمانوں کے دلوں کو پکڑے ہوئے تھیں اپنے پُرزور ہاتھ سے توڑدیں ۔ ابتدائی کوشش اس نامور مسلمان کی غازی پور کا مدرسہ ہے اور علیگڈھ کی سیَن ٹیفک سوسائٹی ہے اور اخیر کام اس کا مدرستہ العلوم ہے ؂ وہ تعلق جو مسلمانوں کو انگلستان سے ہے اور وہ ضرورت جو اہل اسلام کو انگریزی طور پر تعلیم و تربیت پانے کی ہے اُسے بھی اسی شخص نے ظاہر اور ثابت کردیا ۔ خود لنڈن کا سفر اختیار کیا ۔ اپنے صاحبزادہ کو کیمبرج کالج میں عمدہ تعلیم دلائی حالانکہ جس زمانہ میں اُنھوں نے ولایت جانے کا قصد کیا مسلمان ولایت جانے اور وہاں کے مدرسوں میں پڑھنے کو کفر جانتے تھے یہاں تک کہ جو اسکالرشپ لارڈ لارنس صاحب نے تجویز کی تھی اُس کا کوئی لینے والا مسلمان ممالک مغربی و شمالی میں نظر نہ آتا تھا اور آج چودہ مسلمان ہندوستان کے لنڈن میں موجود ہیں (علاوہ نواب بشیر آباد کی) جن میں چند نوجوان لڑکے صرف تعلیم و تربیت کے لئے ہیں ۔ چنانچہ ایک بمبئی کے امیر زادے نے امسال میں سرالوجی کے امتحان میں دوسرا سارٹیفکٹ پایا ہے اور درحقیقت یہ سب بڑے عمدہ نشان مسلمانوں کی ترقیوں کے ہیں ؂

اب میں اپنے اس لکچر کو دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا مسلمانوں کے دلوں سے اُن خیالات کو دُور کرے جو اُن کی ترقیوں کے روکنے والے ہیں اور جو اسباب اُن کی ترقی کے تجویز کئے گئے ہیں اُن کو پورا کرے اور جو شخص مسلمانوں کی ترقیوں کی تدبیر کرنے والا ہے اُس کی عمر و دولت میں ترقی ہو آمین ؂

نمبر ۳

اسپیچ

یہ اسپیچ ۳۰ دسمبر ۱۸۹۶ء کو بمقام الہ آباد بتائید رزولیوشن نمبر ۴ یعنی (اس جلسہ کی رپورٹ سے کہ جو ریزولیوشن دربارہ نسبت الہ آباد یونیورسٹی کی فیکلٹی آف آرٹس کے ووٹ آف تھنکس کی نسبت درباب بدستور قایم رکھنے زبان فارسی کی تعلیم یونیورسٹی میں جو بی اے میں ہے کا انگریزی ترجمہ کر ان ممبروں کی گورنمنٹ اور چیف جسٹس الہ آباد یونیورسٹی اور پریسیڈنٹ فیکلٹی آف آرٹس دیگر یونیورسٹی کے تمام ممبروں کی خدمت میں بھیجا جاوے) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دہم میں فرمائی ۔ چونکہ نواب محسن الملک بہادر عرصہ دراز کے بعد دکن سے ہندوستان تشریف لائے تھے اور جناب ممدوح کو یہ پہلا موقع شمولیت کانفرنس کا تھا اس لئے ان کی اسپیچ سے پہلے جسٹس سید محمود مرحوم نے

ایک شستہ فارسی غزل تصنیف نمودہ نہایت پرجوش لہجہ میں پڑھی۔ یہ غزل اس غزل کو چھوڑ کر [illegible]
لہٰذا آج سے پہلے وہ غزل بھی چھاپی جاتی ہے۔ جس سے یہی معلوم ہو جائیگا کہ مرحوم سید محمود
کو علوم مشرقی اور خصوصاً زبان فارسی سے کس قدر محبت تھی :-

مرا در سینہ باید درد دل گویم زبان سوزد ... دگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد
اگر دم بستم اندر دیدہ اشک داغ جدائی را ... نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

غزل

خادم آن زبردستی کہ اندر دل آید در درونم ... کہ راز خویش پنہانی بگوش اہل معنی آرم
بہ سال است آسمان ہر چہ تدبیر ش ہمی سازی ... دل ایشاں را و دانایان را اہل من چنین خواہم
ہمین گفتہ ام کہ چیزے خوب گویم ہر سہ یاراں ... کہ شیدستان زیادہ ترسیم ... ہستم
نمی خواہم کہ از گفتہ خود آتش برافروزم ... کہ چیزی کہ دل آید از قسمت ... خواہم
چہ قید قافیہ بندی بہ باشد بر زبان من ... چہ در ہر گوشہ ... کہ این من ... [illegible]
مرا یار است شیرین گفتار و منم از وہ گفتی ... [illegible]
الا اے محمود ہندی کہ مشغول ذکر گشتی ... [illegible]
[illegible] ... کہ ہستی آشنا ... [illegible]

ازاں گفتم من اے محمود ایں اشعار رنگیں را
کہ ہندی ... محمدی علی شہباز ... [illegible]

جناب صدر انجمن و احباب حاضرین! جو رزولیوشن ہمارے صدر انجمن نے تجویز فرمایا اس کی تائید کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں۔ دل تو چاہتا ہے کہ تائید کرتے وقت کچھ میں بھی کہوں۔ مگر آج کے جلسہ نے اور خصوصاً اس وقت کی تقریروں نے میرے دل پر عجیب تین حالتیں طاری کر دی ہیں۔ ایک حالت فخر و مباہات کی ہے۔ دوسری تعجب و حیرت کی۔ تیسری تاسف و رنج کی۔ فخر و مباہات تو اس بات پر ہے کہ تمام ہندوستانی اور تمام ہندوستان کے لوگ اور خصوصاً مسلمان تمام سوبلزڈ لوگوں میں بدنام ہیں کہ جو تجویز کرتے ہیں جو مجلس جو انجمن جو سوسائٹی کسی نام سے اور کسی غرض سے قایم کرتے ہیں۔ بجز نمائش اور دکھاوے کے کوئی مقصود نہیں ہوتا۔ لیکن اس داغ کو جو مسلمانوں پر تھا اس انجمن اس کا نفرنس نے مٹا دیا۔ آج ہی کی تجویز نسبت ایسے مسئلہ کے ہوئی ہے کہ جو شخص دنیا کے حالات سے بے خبر ہے زمانہ کی رفتار سے ناواقف ہے وہ تو یہ کہیگا کہ ہاں جی وہاں فارسی عربی کچھ گفتگو تھی۔ اور جو لوگ نفسانیت اور تعصب میں بھرے ہوئے ہیں اور ہر ایک کام نیک کو بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ کہینگے کہ ہاں جی وہی سرسید جو بہت سے انقلاب پیدا کرنے والے ہیں وہی عربی کو مٹایا چاہتے ہیں۔

لیکن بلند نظر لوگ جو زمانہ کی رفتار سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور مسلمان کس گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں وہ کہینگے کہ یہ ایسا بڑا نازک اور دقیق مسئلہ ہے جو نہ احاد اور عشرات و مآت سے متعلق ہے بلکہ پانچ کروڑ مسلمانوں سے علاقہ رکھتا ہے۔ اس لئے ایسی انجمن جو حقیقت میں اپنے پانچ کروڑ بھائیوں کی رہبر اور ان کی سچی قائم مقام اور نہایت دور اندیشی سے پانچ کروڑ مسلمانوں کی مضرت کو رد کرنے والی ہو کیسی قابل فخر و مباہات ہے۔

تعجب مجھے بالکل نہیں ہے کہ ہمارے پیر کون وہ پیر نہیں جس کے معنی جوانوں کے مقابل بوڑھے کے ہیں بلکہ ہمارے پیر سرسید جو مرادف ہے مرشد کا ہادی کا اس نے کس خوبی سے نہ صرف فصاحت و بلاغت سے بلکہ نہایت عمدہ دلائل سے جو دوسری قوموں کو کپکپانے والی ہیں یونیورسٹی میں فارسی زبان کی ضرورت کو ثابت کر دیا ہے۔ گو کہ وہ اور کسی کو تعجب میں ڈالنے والی ہو۔ میں ہزار دل درجہ بڑھ کر ان کو جانتا ہوں۔ میں نے سرسید کی زبان سے لفظ نہیں سنے کون ہے۔ سرسید ان کی کسی چیز کی تعریف حماقت ہے اس لئے کہ ؎

اللیل والخیل والبیداء تعرفه
والسیف والضیف والقرطاس والقلم

ان کی اسپیچ اور ان کے بیان پر تو مجھے کیا تعجب ہوگا مجھے نہایت تعجب اس پر ہوا ہے کہ سترہ برس بعد میں نے مسلمانوں کی ایسی مجلس میں ایسے مسلمان بھائیوں کو اور اپنے مسلمان بچوں کو ایسا فصیح بلیغ روشن دماغ پایا جیسے کہ مولوی حشمت اللہ ہیں جو تھوڑی دیر ہوئی ابھی اسپیچ کر چکے ہیں۔ سرسید خدا ان کو سو برس سال زندہ رکھے اور وہ یقینی زندہ رہینگے کبھی نہ مرینگے۔ مرنے کے بعد بھی زندہ رہینگے۔ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ رہیگا وہ نہ مرینگے۔ ان کا اور جو شخص ان کے ہم عمر ان کے ساتھی ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ جتنے دن جئیں جتنے دن ان کے برکات سے مستفید ہوں غنیمت ہے۔ ہم کو نئی پود کو دیکھنا چاہئے۔ اس پر امیدیں قائم کرنی چاہئیں۔ ایک حکایت مجھ کو یاد آئی ہے کہ ایک باغ تھا اور دو آدمی تھے۔ وہ باغ نہایت خوب پھولا پھلا ہوا تھا۔ اچھے اچھے درخت میوہ دار لگے ہوئے تھے۔ ایک اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا بہت تعریف کی۔ دوسرا دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا و رونے لگا۔ تیسرے آدمی نے دیکھا کہ دو آدمی ہیں ایک ہنستا ہے اور دوسرا روتا ہے۔ دونوں سے سبب پوچھا۔ ہنسنے والے نے کہا کہ کیا ترو تازہ شاداب پھلا پھولا باغ ہے کیسے اچھے میوہ دار درخت ہیں اس سے زیادہ اور کیا خوشی کی بات ہوگی۔ جو روتا تھا اس نے کہا ارے حضرت کہیں پوچھی لگائی ہے جو ان درختوں کے لئے کسی چمن میں زمین بھی تیار ہو رہی ہے۔ جو پود ان کو دیکھ رہے ہیں اگر وہ بھی ہوں تو خوشی ہے ورنہ خوشی پر تعجب ہے۔ ہائے سرسید کی محنت کو کس نے کیا؟

ہوئی یعنی پود لگی ہوئی ہے اُس کے پھل پھول بھی نظر آتے ہیں۔ جیسے حشمت اللہ، عنایت اللہ۔ اور یہی بات تعجب اور حیرت اور خوشی کی ہے ؎

رنج و تاسف اس بات کا ہے کہ ایسے جلسہ میں ایک مجھ سا شخص بھی موجود ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس حق سے اُس کو اس جگہ آنے کی اجازت ملی ہے۔ اُس کو نہ کسی قسم کی لیاقت ہے۔ نہ استعداد (آواز آئی۔ نو نو نو) نہ دل ایسا قوی ہے۔ طبیعت حاضر۔ نہ مسلمانوں کے ساتھ سوائے زبانی ہمدردی کے کچھ کیا ہے (پھر آواز آئی۔ نو نو نو) ایسی تجویزوں پر کون حق ہے کہ تائید کو کھڑا ہو۔ مگر ایک سلسلہ اتفاق میں دعائیں سکھائی جاتی تھیں۔ مجھ سا نادان بھی وہاں گیا جس کا نہ ذہن نہ حافظہ قوی۔ وہاں پہنچکر درخواست کی کہ مجھے بھی دعائیں سکھائی جاویں۔ پیرجی نے بہت کچھ سکھایا پڑھایا مگر اُس کو ایک ٹوٹی پھوٹی بھی یاد نہ ہوئی۔ آخر کو پیر صاحب نے جیسے ہمارے سرسید اُس سے کہا کہ میں تم کو ایک لفظ بتا دیتا ہوں جس سے ثواب میں شریک ہو جایا کرو۔ جب کوئی دعا پڑھے تو تم صرف آمین کہدیا کرو ؎

مجھ سے نہ دعا پڑھی جاتی ہے اور نہ عربی پر زبان الٹتی ہے آمین کہے دیتا ہوں (قہقہہ پڑیں)

جو تحریک کہ پیش ہوئی ہے نہایت عمدہ اور مفید ہے اُس کی تائید کرتا ہوں (چیرز چیرز) ؎

نمبر ۲

لیکچر

مسلمانوں کی علمی و اخلاقی ترقیوں کی تاریخ اور پھر ان کے تنزل اور ادبار کے اسباب پر جو ۲۹ - دسمبر [illegible] کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس سیزدہم منعقدہ الہ آباد میں دیا گیا ؎

جس وقت نواب محسن الملک نے لکچر دینے کے لئے اپنی کرسی سے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو ان سے پہلے مولوی سید فریدالدین احمد خاں صاحب اپنی کرسی پر سے اُٹھے اور کہا :-

میں آج آپ کو بتاتا ہوں کہ آج کیا ہوگا۔ آج وہ ہوگا جو بیان ہے اس کانفرنس کی تاریخ وہ لکچر دیگا جو دکھا دیگا کہ مسلمان اس وقت بھی کتنی قابلیت رکھتے ہیں۔ وہ کون ہے اگرچہ اُس کے نام کے ساتھ بہت سے خطاب ہیں لیکن میں اُس کو پیارا مہدی کہنا زیادہ پسند کرتا ہوں ؎

بعد اس کے نواب محسن الملک اپنی کرسی پر سے اُٹھے مجمع نے ان کے اُٹھنے کے تمام کمرہ کو نہایت زور سے چیرز دیئے اور دیر تک چیرز دیتے رہے کہ سلسلہ تالی چیرز کی آواز تالی سے گونج گیا اور تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر ان کے لکچر سننے کے مشتاق ہوئے۔ مگر قبل اس کے کہ لکچر دینا

شروع کریں تو انہوں نے حسب مندرجۂ ذیل تمہیدی گفتگو کی :-

تمہیدی گفتگو نواب محسن الملک

اے حاضرین ! اس وقت جو میرے دوست اور میرے بزرگ مولوی فریدالدین صاحب نے میری معرفی کی اور جس طور پر انہوں نے مجھے بتلایا ، اور جس حیثیت سے کہ آپ اول سے مجھے پہچانتے اور جانتے ہیں درحقیقت وہ اس وقت میری حالت پر صادق نہیں ہے ۔ میں اس امر کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ میں اس موقع پر اپنا آپ معرف بنوں اور آپ کو بتاؤں کہ میں کون ہوں ۔ صاحبو !

من قاش فروش دلِ صدپارۂ خویشم
ہر لحظہ بر دارد دل گذرد ہر کہ ز پیشم

مگر یہ دل فروشی ان بے وفا سنگدل دلرباؤں کے لئے نہیں ہے جو دل لیکر دلداری نہیں کرتے نہ یہ دل ان قدرِ عشق ناشناسوں کے لئے ہے جو اس کی قیمت بلکہ دیت تک نہیں دیتے ، ایسا سستا اور کم قیمت دل اُسی شاعر کا ہوگا جس کا یہ شعر میں نے پڑھا اسی کے دل کے ٹکڑے چاند کے ٹکڑے لیا کرتے ہونگے ، میرا دل تو اپنی قوم کے شکستہ دل مسلمانوں کے لئے ہے جن کی شکستہ حالی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہے اور جن پر قربان کرنے کے لئے میں اسے یہاں لایا ہوں ۔ لیکن میں کس کے ہاتھ اسے بیچوں اور کس پر نثار کروں اس مجلس میں تو تمام دل فروش ہی دکھلائی دیتے ہیں ، اور سب اپنے اپنے دلوں کو اپنی قوم پر فدا کرنے کے لئے دل بکف ہیں ۔ اس وقت تو میں دل دینے والوں کا ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ یہاں جتنے دل فروش موجود ہیں غالباً سارے ملک میں اتنے دل فروش بھی نہ ہونگے ، ایسے اہل دل کے مجمع میں مجھے اپنے دل کا پیش کرنا ایسے اس بازار میں لانا بوالہوسی اور نادانی نہیں تو کیا ہے ؟

صاحبو ! اس وقت اس مجلس میں آنے اور اس مجمع کے دیکھنے سے جو کیفیت مجھ پر طاری ہے اسے میں کیونکر بیان کروں میرے دل کی یہ کیفیت نہ اس لئے ہے ، کہ یہ ہال جس میں سب ہم لوگ جمع ہیں کچھ ایسا نامعقول کچھ ایسا عالیشان کچھ ایسا آراستہ ہے کہ جسے دیکھ کر میں حیران و ششدر ہو گیا ہوں نہ میرے دل کی یہ حالت اس لئے ہے کہ یہ کوئی شاہی دربار ہے ، اور یہاں کوئی شاہنشاہ تختِ سلطنت پر بیٹھا ہوا ہے جس کے جاہ و جلال سے میرا دل قابو بلکہ پہلو سے نکلا جاتا ہے ۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں ہے ۔ ہال کو دیکھتا ہوں تو مٹی کی کچی دیواریں ، بانس کی ٹٹی گزی کی چھت ، بوریے کا فرش ! اور چند ٹوٹی پھوٹی کرسیاں ۔ وہ بھی چندہ کی یا مانگے کی ۔ مجمع پر نظر کرتا ہوں تو یہاں نہ کوئی بادشاہ ہے نہ امیر ، نہ کوئی رئیس ہے ، نہ وزیر ، چند شکستہ حال ، پریشان خاطر مسلمان اپنی قوم کے حال پر مرثیہ پڑھنے کے لئے جمع ہیں بلکہ بجز نالہ و زاری کے یہاں آنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام زندہ ہے

اور اسلامی جوش باقی ہے۔ اسلام کا زندہ ہونا مسلمانوں کی جسمانی زندگی سے ثابت نہیں ہوتا، مردہ دل مسلمان تو اب بھی دنیا میں اتنے زندہ ہیں، کہ جن کی گنتی آسمان کے تاروں اور درخت کے پتوں سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ اسلام کی زندگی معلوم ہوتی ہے مسلمانوں کی روحانی اور دلی زندگی سے۔ اور وہ اس وقت اتنے زندہ دل مسلمانوں میں جو اس وقت اس ہال میں جمع ہیں نظر آرہا ہے۔ یہ اسلامی جوش وہ نہیں ہے جو مسلمان ذاتی عزت، ذاتی دولت، ذاتی ثروت، حاصل کرنے کے لئے دکھلاتے ہیں، ایسا جوش تو ہر کمینے سے کمینہ اور رذیل سے رذیل مسلمان میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ جوش ہے قومی محبت اور قومی ہمدردی کا جو اس وقت مسلمانوں کے دلوں میں بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے ❖

جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ یہاں دور دور سے مسلمان جمع ہوئے ہیں نہ کسی بادشاہ کے حکم سے، نہ کسی دربار شاہی میں شریک ہونے کی غرض سے، نہ تجارت سے فائدہ اٹھانے نہ دولت کمانے، نہ کسی قسم کے تماشہ دیکھنے کے لئے۔ بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کریں، اپنے بھائی مسلمانوں کی روز افزوں خراب حالت کی اصلاح کریں، اپنے بھائی مسلمانوں کی، غریب، مفلس، یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت کی تدبیر سوچیں، تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایسے زمانہ میں ایسا پاک مجمع، اور ایسا مجمع کا ایسا پاک ارادہ ❖

اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب

پھر اس پر بھی مجھے حیرت ہے کہ یہاں جو مسلمان جمع ہوئے ہیں نہ اس لئے کہ پولیٹیکل جوش دکھائیں، اور سلطنت پر بحث کریں، گورنمنٹ کو مشکلات میں ڈالیں، اس کے کاموں پر نکتہ چینی کریں، ایسے بے تکے غل و شور مچائیں، اور اپنے دل کے غبار نکالیں۔ اور نہ اس لئے کہ مذہبی چھیڑ چھاڑ کریں، دوسروں کے دلوں کو دکھائیں اور جو آگ سینوں میں چھپی اور دبی ہوئی ہے اسے بھڑکائیں، بلکہ یہاں مجمع ہے انہیں لوگوں کا جو اپنی گورنمنٹ کے سچے وفادار، اپنی گورنمنٹ کے احسانوں کے شاکر، اور اپنی گورنمنٹ کی مہربانیوں کے قدر داں، جن کو اپنی گورنمنٹ کی فیاضی اور انصاف پر بھروسہ، جن کو اپنی گورنمنٹ کی [illegible] اور صلح کلی سے ہمدردی، جن کو اپنی گورنمنٹ سے زمانہ اور حالت اور ضرورت کے موافق اپنی بھلائیوں کی امید، اور پھر یہ سب ہے ان لوگوں کا جو مذہب میں سچے، ایمان میں پکے، اسلام میں کامل ہیں، مگر تعصب بری انسانیت سے خالی، دل کے دکھانے سے متنفر، مذہبی جھگڑوں سے متنفر۔ پس حقیقت میں کیسا اچھا ہے یہ مجمع، اور کیسے اچھے ہیں اس کے ارادے، خدا برکت دے اس مجمع کو، اور قائم رکھے اس مجلس کو، اور بڑی حیات دے اس مجلس کے سردار کو اور بہت دنوں جئے وہ شخص جو اس کے بانی سید ہیں ❖

صاحبو! ذرا آمین کہنے میں صبر کرتا ہوں ایک بڑی دعا قبول ہو گیا جو اصلی دعا ہے اور جس پر ساری دعائیں منحصر ہیں۔ وہ دعا ہے اپنی قیصرہ ملکہ معظمہ اور ان کی گورنمنٹ کی جس کے سایۂ عاطفت میں

ہر قوم آمادہ اور ہر شخص اپنی فلاح کی تدبیروں میں مشغول ہے، کہیں بجٹ ہو رہے ہیں دولت بڑھانے کے لئے، کہیں مجلسیں ہو رہی ہیں تجارت کی ترقی دینے کے واسطے، کہیں مجمع ہے سوشل اصلاح کے لئے، کہیں جلسہ ہے تہذیب شائستگی پھیلانے کے واسطے، کسی جگہ بلند پرواز قوموں کی نیشنل کانگریس ہے، کہیں بیچارے غریب مسلمانوں کی ایجوکیشنل کانفرنس۔ یہ آزادیاں اور یہ آسانیاں جس گورنمنٹ کی بدولت ملک اور ملک کے سب باشندوں کو حاصل ہوں اُس کا شکر اور اُس کے لئے دل سے دعا کرنا ہر بشر پر فرض ہے۔ دوستو اب میں دعا کرتا ہوں اور کہیں آمین هذا دعاء لا یرد فان هذا دعاء یشمل البشر ۔

اے میرے دوستو جب سر سید احمد خاں بہادر نے مجھے اس جلسہ میں شریک ہونے کیلئے بُلایا، اور لکچر دینے کی بھی فرمایش کی، اُس وقت گو میں اُن کے حکم کی تعمیل پر مجبور رہوا، مگر میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کونسا مضمون اختیار کروں اور آپ کے روبرو کیا کہوں۔ ایسے اکابر قوم اور علماے ملت کے سامنے جہاں ہند کے سحبان مولانا مولوی نذیر احمد صاحب نے اپنے فصیح و بلیغ خطبوں سے مجلس میں وجد و حال کی کیفیت طاری کردی ہو اور جہاں ہمارے زمانہ کے ہومر اور شکسپیر مولوی الطاف حسین حالی نے اپنی جادو بیانی سے دلوں کو مسخر کرلیا ہو، اور جہاں مسلمانوں کے گبن مولوی شبلی نعمانی، اور ہندوستان کے اقلیدس رشیدیس شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب سے روشن ضمیر عالی دماغ اپنی طبیعتوں کے جوہر دکھا چکے ہوں۔ مجھ سے نادان ہیچ مدان، بیچارے اٹاوہ کے ملکی بارہ کے سید کا کھڑا ہونا اور تقریر کرنا گستاخی اور بے شرمی نہیں تو نادانی اور حماقت تو ضرور ہے۔ پھر میں نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں کچھ کہنا بھی چاہتا ہوں تو کیا کہوں انوری اور خاقانی آکر مسلمانوں کی پچھلی عظمت و شان کے قصیدے سُنا گئے دبیر انیس بھی تشریف لاکر موجودہ حالت پر اپنی قوم کے مرثیہ پڑھ چکے نہ تہنیت کا مضمون رہا نہ تعزیت کا ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

باقی کیا رہا ہے جو میں کہوں۔ مگر چونکہ نوکر کو اپنے مالک کی، بندہ کو اپنے آقا کی، مرید کو اپنے مرشد کی اطاعت کے چارہ نہیں مجھے بھی اپنے سر سیّد کے حکم کی تعمیل سے گریز نہ تھا اس لئے مَیں نے اپنی قوم کے حال پر ایک ٹوٹا سو کھا مضمون لکھا یعنی اپنی قوم کا تنزل اور اُس کے اسباب اب ایسے بدمزہ اور بے نمک مضمون کے سنانے اور آپ کے اوقات عزیز ضائع کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں ۔

صاحبو! میرا یہ مضمون تین حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصہ ایک جدا لکچر ہے دو کو تو میں آج اور کل دو دن میں سُنادونگا مگر تیسرے لکچر کے لئے وقت نہیں ہے اُسے میں آپ کی مجلس کے سیکرٹری کو دئے دیتا ہوں کہ آپ کی ہدایت اور حکم کے موافق جس طور پر چاہیں اُس کا استعمال کریں ۔

پہلے لکچر میں مسلمانوں کی ملکی و تمدنی و مذہبی ترقی و تنزل کی مختصر تاریخ اور ترقی و تنزل کے اسباب کا بیان ہے

دوسرے لکچر میں یونان کی ترقی اور زوال اور یورپ کے تنزل اور ترقی کا ذکر ہے مع اُن کے اسباب کے
تیسرے لکچر میں اُن اسباب سے جو یورپ کی ترقی کے باعث ہوئے، مسلمانوں کے مستفید نہ ہونے کا
ذکر ہے"۔

(اثنائے گفتگو میں سید احمد خاں کو مخاطب کرکے یہ شعر پڑھے تھے):- **شعر**

دلبران ماہ پیکر دیدہ ام　　　　در جمالت چیز دیگر دیدہ ام

ایں چہ نوراست ایں چہ تابانُ ضیاست

ہفت کوکب نورافشاں از تو راست

تو مکمل از کمال کیستی　　　　مظہر نور جمال کیستی

(یہ شعر پڑھ کر سید احمد خاں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اس کا جواب دیجئے دیجئے
اور پھر کہا کہ میں ہی اس کا جواب دئے دیتا ہوں اور جواب یہ دیا):-

از جمال محمدی و کمال احمدی ۔

پھر انہوں نے پریسیڈنٹ کو مخاطب کرکے یہ بھی کہا کہ:-

میں جانتا ہوں کہ آپ کی اس مجلس میں مباحثہ مذہبی کی اجازت نہیں ہے مگر ہر شخص اس بات کو
جانتا ہے کہ مباحثہ مذہبی ایک چیز ہے اور تاریخانہ واقعات کا بیان دوسری چیز، تاریخانہ واقعات میں
ان اسباب کا بلا کسی مباحثہ کے بیان ہوتا ہے کہ کسی قوم پر جو واقعات ترقی و تنزل کے گذرے ان کے
اسباب کیا تھے خواہ وہ اسباب تمدنی ہوں یا مذہبی یا پولیٹیکل، اگر وہ اسباب بلا کسی مذہبی یا پولیٹیکل بحث
کے یا ان کے جائز و ناجائز ہونے کے مباحثہ کے محض بطور واقعات بیان ہوتے ہیں اور وہ اس کو مذہبی
بحث سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ میرے لکچروں میں مسلمان اور غیر مسلمان قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب کا بیان ہے تو جو واقعات
یا اسباب اُنکی ترقی کے ہونگے اور اسی طرح جو واقعات یا اسباب اُنکی تنزل کے ہوئے اُن کا بیان آویگا۔ پس امید ہے کہ آپ
مجھ کو یہ الزام نہ لگاوینگے کہ میرے لکچروں میں پولیٹیکل یا مذہبی بحث ہے کیونکہ میں نے صاف بیان
کر دیا ہے کہ بحث مذہبی ایک جدا چیز ہے اور واقعات و اسباب کا تاریخانہ بیان دوسری چیز ہے جس کو
مذہبی بحث سے کچھ علاقہ نہیں ۔

لکچر

مسلمانوں کی ملکی و علمی و تمدنی ترقیوں کی تاریخ اور پھر اُن کے تنزل اور اس کے اسباب

حضرات! روئے زمین پر مسلمانوں ہی کی قوم ایسی نہیں ہے جس کو ترقی کے بعد زوال پہنچا ہو
اور بھی بہت سی قومیں ایسی گذر چکی ہیں جن کی ترقی شان و عظمت میں مسلمانوں سے کسی طرح کم نہ تھی اور پھر ان کو زوال

مسلمانوں سے کہیں بہت زیادہ ہوا ہے۔ مسلمانوں کی قوم اب تک قایم ہے، اور اسلام اس وقت تک کروڑوں انسانوں کے دلوں میں جوش زن ہے۔ لیکن بہت سی قومیں ایسی گزر چکی ہیں جو ایک زمانہ میں حکومت اور شان و شوکت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہی تھیں۔ اور گو اس وقت بھی اُن کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے بالکل معدوم نہیں ہوا مگر بہت ہی خفیف اور ضعیف یادگار اُن کی باقی ہے۔ ایسی قوموں اور مذہبوں کی آیندہ ترقی کی کوئی امید نہیں ہے۔ مگر ایسی قوم کے لئے جس کی نسبت روے زمین کی آبادی کے ساتھ ایک سدس کی ہو بیشک آیندہ کی ترقی کی اُمید کے لئے کافی وجوہ موجود ہیں۔ اور جو نتائج کہ ہم گذشتہ تواریخ اور حالات سے نکال سکتے ہیں وہ بیشک ہماری آیندہ کی رہنمائی کے لئے کافی ذریعہ ہو سکتے ہیں +

زبردست قوم ایک بلند اور مضبوط چٹان سے مشابہ ہے، جس وقت ہم اس چٹان کی طرف نظر ڈالتے ہیں، تو اس کی عظمت، اُس کے استحکام، اور اُس کی جسامت دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے، کہ اُس کو کبھی زوال نہیں ہو سکتا۔ لیکن اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے، کہ اگر ایک مدت مدید کے بعد دیکھا جاوے تو اُس چٹان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ کبھی تو یہ زمین کے فطرتی تشنج سے ہوتا ہے، جیسے زلزلہ یا آتش فشاں مادہ، جس نے پچھلے زمانہ میں تمام روے زمین کی ہیئت بدل دی تھی۔ اور جس سے اب بھی کبھی کبھی ارضی تغیرات پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں علم طبقات الارض کے باریک اور دقیق مسائل کے حل کرنے والوں نے نئی تحقیقات سے یہ ثابت کیا ہے، کہ بڑے سے بڑے اور مضبوط سے مضبوط پہاڑ فقط پانی، آفتاب اور ہوا کے عمل ہی سے برباد نہیں ہوتے، بلکہ لاکھوں کروڑوں نہایت چھوٹے چھوٹے کیڑے ان پہاڑوں کے ہر ذرہ کو کھا جاتے ہیں۔ سوئیٹزرلینڈ Switzerland کے سب سے بلند پہاڑ فال مارن ([illegible]) کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ وہ اسی قسم کے کیڑوں کے عمل سے گویا حالت نزع میں ہے، اور ایک مدت مدید میں ریگ ہو کر بہ جائیگا۔ اور نام و نشان بھی اُس کا نہ رہیگا۔ قوموں کی یہی حالت ہے، نہایت ناچیز اسباب جن کی طرف کبھی خیال بھی نہیں گزرتا۔ اکٹھے ہوتے ہوتے وہی نتیجہ پیدا کر دیتے ہیں، جو پہاڑوں کی تباہی میں ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے مترتب ہوتا ہے، وہ پہاڑ کہ جس کو چند صدی پیشتر یہ بیان کیا جاتا تھا، کہ عظمت اور استحکام میں اپنا آپ ہی نظیر ہے، آخر کار ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں کا لقمہ بنکر نیست و نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ قوم جو اپنی قوت و سطوت، دولت و عظمت کے زمانہ میں، زمانہ کی دست تعدی کے پہنچنے سے بھی محفوظ سمجھی جاتی ہے، اُن خفیف اسباب کے جمع ہو جانے سے جن کا کسی کو خیال نہیں ہوتا، ضعیف و کمزور ہوتے ہوتے آخر ایسی تباہ و برباد ہو جاتی ہے کہ کہیں اُس کا پتہ بھی نہیں ملتا +

ان قوموں میں سے جو گذشتہ زمانہ میں ترقی کرنے کے بعد تباہ ہو گئیں مشہور قومیں ایرانی، یونانی

رومی مصری اور یہودی ہیں، چونکہ بنی اسرائیل کی حالت ہم سے بہت مشابہ ہے، اس لئے میں صرف اُس قوم کی اول مختصر کیفیت بیان کرتا ہوں ✤

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت سے مصر میں آباد ہوئے۔ اُن کی کئی نسلیں فرعونِ مصر کی غلامی میں گذریں، اور طرح طرح کے عذاب اور مصائب میں گرفتار رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو مصر سے نکالا، اور اس عذاب سے چھڑایا، اور اُن سے خدا کی سرسبز اور شاداب زمین شام کا وعدہ کیا، چونکہ فراعنہ کی غلامی کرتے کرتے عصبیت اور حمیت سب اُس قوم سے جاتی رہی تھی، اور اُن کے سارے جوش ٹھنڈے اور اُن کے سب ولولے سرد ہو گئے تھے، جرأت اور بہادری کچھ اُن میں باقی نہ رہی تھی، جب حضرت موسےٰ نے مقابلہ کے لئے کہا تو کہنے لگے کہ "یَا مُوْسٰی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ" اے موسےٰ اُس میں تو زبردست قوم رہتی ہے ہم تو وہاں نہ جائینگے جب تک کہ وہ نکلیں اگر وہ نکل جائیں تو البتہ ہم اُس میں داخل ہونگے۔ ہزار ہزار طرح سے موسےٰ نے سمجھایا، ہمت دلائی، مگر اُنھوں نے ایک نہ سُنی، اور جب بولے تو یہی کہ "اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" ہم ہرگز اُس میں داخل نہ ہونگے جب تک کہ وہ وہاں ہیں تم ہی جاؤ اپنے رب کو لیکر اور دونوں لڑو ہم یہیں بیٹھے رہینگے۔ آخر خدا نے اپنے قانون قدرت کے موافق اُن کو بسبب سالہا سال کی غلامی میں رہنے کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لائق نہ جانا، اور چالیس برس تک اُن کو جنگل میں حیران و پریشان رکھا، یہاں تک کہ وہ نسل جس کے رگ و پے میں ذلت و پستی سمائی ہوئی تھی اُسی جنگل میں ہلاک ہوئی، اور بیس برس کی عمر سے اوپر کا کوئی آدمی بھی زندہ نہ رہا، اور نئی نسل پیدا ہوئی جس نے محنت اور مصیبت میں پرورش پائی تھی، اور جس کو عصبیت اور حمیت کا نیا جوش پیدا ہوا تھا اُن کو یوشع نبی لیکر بڑھے۔ "فَدَخَلُوْهَا وَهَزَمُوا الْجَبَّارِیْنَ" پس وہاں داخل ہوئے اور جباروں کو شکست دی ✤

بنی اسرائیل اپنے آپ کو خدا کے خاص بندے سمجھتے تھے، اُن کو یقین تھا کہ خدا نے اُن کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ خدا کی حکومت ساری دنیا میں قایم کریں، اور ساری زمین سے بت پرستی کو دور کر کے ایک خدا کی عبادت کی طرف لوگوں کو مائل کریں، کچھ مدت تک تو فلسطین اور مقدس زمین شام کے وہ اپنے بزرگوں اور قاضیوں کی اطاعت میں رہے، پھر ساری قوم ایک بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئی یہ زمانہ اُن کی اعلےٰ درجہ کی ترقی کا تھا، اور اسی زمانہ میں حضرت سلیمان کی سلطنت اپنی عظمت اور سطوت میں حد کے درجہ پر پہنچی تھی، اُن کے بادشاہی کے زمانہ میں صرف یہی نہ تھا، کہ گرد و نواح کے بادشاہ اپنا سر بیت المقدس کے معصوم اور دانشمند بادشاہ کے روبرو تسلیم خم کرتے تھے، بلکہ ہندوستان کا سونا اور جواہرات اور عود بھی اُن کی نذر کے لئے بھیجے جاتے تھے، چاروں طرف سے اُس قوم میں دولت کھنچی چلی آتی تھی

ساری قوم ایک بادشاہ کے زیرِ حکومت تھی۔ مگر یہودی قوم میں ہمیشہ فتنہ و فساد اور نافرمانی کا جوہر موجود رہا ہے، اُن سے فقط اپنے خدا اور مذہب کے خلاف ہی میں بغاوت سرزد نہیں ہوئی، بلکہ اپنے بادشاہوں کے مقابلہ میں بھی اُنہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ یہی خباثت پھیلتے پھیلتے عوام میں سرایت کر گئی، اور آخرکار قوم کی تباہی کا باعث ہوئی۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے اختتام تک بارہ قومیں یہودیوں کی پانسو برس تک متفق رہیں، اگرچہ کبھی کبھی اس زمانہ میں بھی آپس میں لڑ بھڑ لیتے تھے، مگر سلیمان کے انتقال کے بعد تو دس قبیلوں نے بغاوت اختیار کر کے ایک نئی سلطنت قایم کر لی۔ یہ نفاق گویا دوسری قوموں کے لئے حملہ آوری کی دعوت کا خط تھا فلسطین میں اُنیس بادشاہ باامن وامان حکومت کر چکے تھے، مگر اُن کے بعد جو نفاق پھیلا، اُس نے اسیریا (Assyria) کے بادشاہ شاہ مین سر (Shahmaneser) کو یہودیوں کے ملک پر حملہ آوری کی جرأت دلائی۔ اس حملہ کا انجام یہ ہوا کہ اکثر یہودیوں کو وہ قید کر لے گیا۔ اس کے بعد کسی کو نہیں معلوم کہ اُن دس قبیلوں پر کیا گزری کہیں نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ دو قبیلے جو بیت المقدس میں باقی رہ گئے تھے اُن کا انجام بھی قریب قریب وہی ہوا، جو اُن دس کا ہوا تھا۔ کچھ کم سو برس کے زمانہ میں بابل کے بادشاہ نے اُن کے ملک کو فتح کر کے ستر برس تک اپنے شہر میں قید رکھا۔ اس زمانہ کے بعد یہودیوں کی ملکی تاریخ گویا معدوم ہو گئی، نہ سلطنت باقی رہی، نہ وطن رہا، قید سے نجات پانے کے بعد جب یہ لوگ اپنے ملک کو واپس آئے تو اُس کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے آپس کے فسادات کی بنا قایم کر دی، یہاں تک کہ حضرت عیسٰے کے پیدا ہونے کے سو برس پیشتر اُن کے ملک پر رومانیوں کا قبضہ ہو گیا، اور اُنہیں کی طرف سے ایک بادشاہ حکومت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، یہ حالت بھی غنیمت تھی، مگر فتنہ و فساد کا وہ مادہ جو یہودیوں کی طبیعت میں موجود تھا، اس کو بھی کہاں قایم رہنے دیتا تھا، رومانیوں کے خلاف میں جب کھلم کھلا بغاوت کی، تو اس سختی سے اُن لوگوں کی سرزنش کی گئی کہ سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا، کہ تمام روئے زمین پر منتشر ہو جائیں، لیکن یہ لوگ جہاں گئے، اپنا مذہب ساتھ لیتے گئے، اور اب تک اُن لوگوں کے دلوں میں یہ امید باقی ہے کہ پھر وہ ایک دن آنے والا ہے کہ اُن کا ملک موعود اُن کو واپس ملیگا +

اس مختصر تاریخی بیان سے اب آپ لوگ اُن اسباب پر غور فرمائیے، جو اس قوم کی ترقی اور زوال کے باعث ہوئے۔ غلامی کی زندگی نے اول اُن کو بزدل اور ڈرپوک بنایا، پھر تکلیف اور محنت اور جنگل کی زندگی نے اُن میں دوبارہ جوش پیدا کیا، مذہب اور اتفاق، ہمت اور مردانگی، نے اُن کو اعلےٰ درجہ کی ترقی پر پہنچایا، پھر اُن میں نااتفاقی پھیلی، اور جھگڑا پیدا ہوا، وہ مغرور متکبر اور خودسر ہو گئے، ہر شخص اپنے آپ کو خدا کا خاص بندہ سمجھتا اور دوسری قوموں کے لوگوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتا تھا، دولت اور عیاشی حکومت کے ساتھ آئی، ربانی امداد کے بھروسہ پر اُنہوں نے ہاتھ پاؤں ہلانے اور اپنی فلاح کی کوشش کرنی

یکلخت ترک کردی، اُن کے مذہبی پیشوا، علما اور قاضی خود غرض اور متعصب ہو کر دین میں تحریف کرنے لگے، عوام اور جہال اصلی مذہب چھوڑ کر اپنے مفتیوں اور مولویوں کو پوجنے اور اپنا پیغمبر سمجھنے لگے، درحقیقت سوائے ظاہری اور جھوٹی شیخی کے نہ اُن میں سلطنت کرنے کی لیاقت رہی، نہ مذہب کی خوبی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانے کے ہمقدم نہ رہ سکے، اور جب دوسری قوموں نے اُن پر فوج کشی کی، تو منہ تاکتے رہ گئے۔ کوئی سامان ہی ایسا نہ تھا جس کے بھروسہ پر مقابلہ کا نام بھی لیتے۔ پس وہ قوم جو دنیا میں سب سے معزز تھی، وہ قوم جو دنیا میں خاص خدا کی پیاری قوم سمجھی جاتی تھی، وہ قوم جس میں خدا نے بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء و مرسلین مبعوث کئے تھے، وہ قوم جس میں بڑے بڑے سلاطین اور بادشاہ ہوئے تھے، وہ قوم جس کے آگے روئے زمین کے سلاطین سر جھکاتے تھے، وہ قوم جس کو خدا نے تمام قوموں پر شرف بخشا تھا، اپنی غفلت، اپنے تمرد، اپنے غرور، اپنی نالائقی، اور اپنی نااہلی سے ایسی ذلیل و خوار ہو گئی کہ گویا خدا کی زمین میں کچھ اس کا حصہ ہی نہ تھا۔ نہ کہیں اُن کی سلطنت باقی رہی، نہ عزت، کتوں کی طرح ہر جگہ سے ہانکے اور ہر حصہ زمین سے نکالے جاتے ہیں۔ "ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاۤؤُا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" اُن پر ذلت و مسکنی ڈالی گئی اور خدا کے غضب میں گرفتار ہوئے۔

اب ہم کو اپنی قوم کا حال دیکھنا چاہیئے، بنی اسمٰعیل کی حالت اُس زمانہ میں جب کہ اسلام کی روشنی اُن میں پھیلی، اپنے بھائیوں بنی اسرائیل سے مختلف تھی۔ یہودیوں کی طرح غلامی کی رسّی اُن کی گردن میں نہ تھی، نہ مصر کے فرعون کی طرح کوئی جبار اور قہار اُن پر ظلم کرنے والا تھا، ساری قوم آزاد اور خودمختار تھی۔ سکندر کی فوج نے اگرچہ تمام مشرقی سلطنتوں کو پامال کر دیا تھا، مگر صرف عرب پر اُس کا ہاتھ نہ پہنچا، اُس کے جھنڈے کے نیچے اگرچہ سب نے اپنا سر نیچا کیا، مگر عرب نے اپنے ایلچی تک اُس کے پاس نہ بھیجے۔ حضرت عیسےٰ کی پیدائش کے زمانہ سے تین سو برس اول اُنہوں نے اپنے خشک پہاڑی جزیرہ نما میں آزادی اور خودمختاری قایم کی، اور ایک ہزار برس تک کسی کے تابع اور مطیع نہ ہوئے۔ اسلام کی دعوت کے وقت اگرچہ سب لوگ جہالت اور بُت پرستی میں گرفتار تھے۔ مگر تھے تیز و چالاک، سواری میں طاق، لڑنے بھڑنے میں مشاق، محنت کے عادی، سفر کے شایق، بدن کے قوی، دل کے مضبوط، مصیبت کے مقابلہ کیلئے آمادہ، صرف رہنما کی کسر تھی کہ وہ اُن کی قوتوں کو جو وحشیانہ کاموں اور خانگی لڑائیوں میں صرف ہوتی تھیں، مذہبی اور ملکی ترقیات میں لگا دے، اور جو کل اُلٹی چل رہی تھی اُسے سیدھا کر دے۔ چنانچہ ہمارے ہادی ہمارے سردار نے یہی کیا، کہ ساری قوم کو سیدھے اور کام کے راستے پر لگا دیا، اور اُن کے اختلاف و نفاق اور خانہ جنگیوں کو اتفاق اور مذہبی جوش سے بدل دیا۔ جب جمال نبوی کا پرتو اُن پر پڑا، اور نور محمدی نے اُن کے دلوں کو روشن کر دیا، تو وہ خدا کی خلافت کے مستحق ہوئے، اور پورا ہوا وہ وعدہ جو خدا نے اُن سے کیا تھا۔

اگرچہ بنی اسرائیل کی طرح مسلمانوں نے بھی خدا کی وحدانیت کے اعتقاد پھیلانے سے اپنے مذہب کو آغاز کیا، مگر یہودیوں نے کبھی غیر قوموں کو اپنے آپ میں نہ ملایا؛ بلکہ اپنے مذہب کو وہ اپنی خاص ملک سمجھتے رہے، مگر اسلام کی دعوت تھی کافّۃ للنّاس، اُن کی یہی کوشش تھی کہ سارے بندے خدا کی ایک اُمّت اور ایک قوم ہو جائیں، اور ہر ایک خدا کی توحید کا معتقد، اور اسلام کا ماننے والا، ہو جائے۔ چنانچہ یہ سچا مذہب سب پر غالب آیا، اور اس دین نے شرک اور بت پرستی کو نہ صرف عرب کی پاک زمین سے، بلکہ دنیا کے بڑے بڑے حصّوں سے دور کر دیا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ برابر قایم رہا، مُلک کے مُلک فتح ہو گئے۔ خلفائے راشدین کے اخیر زمانہ میں اگرچہ بغاوت پھیلی، اور وہ تلوار جو خدا نے دشمنوں کے لئے مسلمانوں کے ہاتھ میں دی تھی، آپس میں چلنے لگی۔ اور مخالفت اور دشمنی اور مذہبی اختلاف کا زہریلا بیج پڑ گیا، مگر یہ زمانہ جلد گزر گیا، اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی دانشمندانہ اور تدبّر حکیمانہ پالیسی نے اُس آگ پر پانی ڈال دیا، اور پھر مسلمان فتوحات پر متوجّہ ہو گئے۔ امیر شام کے بعد ایسے واقعات ہوئے جن کے دردناک نتیجے آج تک مسلمان اُٹھاتے ہیں اور جس سے مسلمانی تاریخ شرم سے بھری ہوئی ہے۔ آخر کار جب بنی اُمیّہ کی سلطنت مستقل طور پر قایم ہو گئی، پھر سلسلہ فتوحات کا شروع ہوا، اور دمشق سے لیکر پرتگال کی سرحد تک اسلامی سلطنت جو کہ صرف ایک خلیفہ کی حکومت میں تھی قایم ہو گئی۔ جب اندرونی سازشوں اور خفیہ بغاوتوں سے جو چُپکے چُپکے اپنا کام کر رہی تھیں، مروانیوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا، اور عباسی خلیفہ ہوئے، اُنہوں نے بھی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ ایشیا کوچک اور سیریا کے فتح کرنے کے بعد اسلام کی فوجیں قسطنطنیہ تک پُہنچ گئیں، اور وہاں سے تھوڑے دنوں میں ویانا پر حملہ کیا گیا، یورپ میں فرانس کے وسط تک اسلام کا پھریرا اُڑنے لگا، اُندلس میں نہایت زبردست سلطنت قایم ہو گئی، مشرق کی طرف ایران میں ہوتے ہوئے ہندوستان اسلام کے جھنڈے پُہنچ گئے، اور وہ عظیم الشان سلطنت قایم ہو گئی، جو گزشتہ صدی کے اختتام تک موجود تھی۔ لیکن جیسی یہ ترقی تعجب خیز تھی، ویسا ہی حیرت انگیز زوال بھی ہُوا، ایک خاص حد تک پُہنچکر ہماری ترقیاں رُک گئیں اور پھر زوال آنے لگا۔

فتوحات کا سلسلہ تیسری صدی تک خوب جاری رہا، اُس کے بعد تنزل کے آثار شروع ہوئے۔ اس سلسلہ کا تیسری صدی تک جاری رہنے کا سبب یہ تھا کہ جو جوشِ فتوحات کا عرب میں پھیل گیا تھا، اُس سے ساری قوم بہادر اور سپاہی ہو گئی تھی، اور جو قواعد حضرت عمرؓ نے قایم کئے تھے، اُس سے ہر عرب گویا ایک سپاہی تھا، جو ہر وقت اپنے ملک اپنی قوم اپنے مذہب کے لئے جان دینے کو تیار تھا۔ بقول سر ولیم میور کے اُن قواعد سے ساری قوم میں گویا ایک جنگی روح حلول کر گئی تھی، اور تمام عرب سولجر ہو گئے تھے، جن کا صرف یہی کام تھا کہ دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کو فتح کریں، اور اُن میں اسلام پھیلائیں۔ وہ قواعد ایسے مستحکم اصول پر قایم کئے گئے تھے، کہ مذہبی ولولے کے جاتے رہنے پر بھی عربوں میں کامل اڑھائی سو برس

یک جنگی جوش پورے طور پر قایم رہا۔ قوم کی قوم گویا ایک فوج تھی جو ہر وقت حرکت میں رہا کرتی تھی۔ اصطبل اُن کے گھر تھے، گھوڑوں کے پیٹ اُن کے بچھونے تھے، غرضکہ عرب ایسے مسلح اور مستعد قوم ہو گئے تھے، جو پشتہا پشت تک ملک گیری کے لئے ایک لحظہ کے نوٹس دینے پر تیار اور حملہ کرنے کے لئے مستعد رہتے تھے ✦

بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں گو اندرونی خانہ جنگیاں اور باہمی فسادات ہوتے رہے مگر فوجی قواعد اور عرب کی مستعدی نے چندے ترقی کا سلسلہ جاری رکھا، مگر جب وہ قواعد ٹوٹ گئے، اور خلفائے عباسیہ نے بجائے عرب کے دوسری قوموں کو دخیل کیا، اور پھر عیاشی، فضولی، کاہلی، اور بزدلی مزاجوں میں آگئی، اُن کا زوال شروع ہوا ✦

معتصم باللہ درحقیقت اُس سد کا توڑنے والا تھا، جو حضرت عمرؓ نے قایم کی تھی، اُس نے ترکی غلاموں کو فوجی کام پر مقرر کیا، اُنہیں کا باڈی گارڈ بنایا، عرب کے بدلے اُن پر بھروسہ کرنے لگا، اُس نے اپنی قوم عرب کو ایسا بیدل کر دیا کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور اُن کے خوف سے اُسے بغداد چھوڑ کر دوسرا شہر سُرّ مَن رای بسانا پڑا۔ اس کے بیٹے متوکل علی اللہ نے تو ان ترکوں پر یہاں تک بھروسہ کیا کہ اپنی جان اُن کے سپرد کر دی، اُسے ترکوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ اپنی خاص تلوار جو دس ہزار درہم کو خریدی تھی، اپنی حفاظت کے لئے اپنے غلام ترک کو دیدی، جس نے اُسی تلوار سے اُس کا کام تمام کیا ✦

جب اس طور سے اجرتی سپاہی اور باہر کے لوگ فوج میں داخل ہوئے، اور عربوں کی قدر کم ہو گئی، اُن کی تنخواہوں اور وظیفوں میں بھی فرق آگیا، اور فوج کے کام سے بیکار ہو گئے۔ چونکہ وہ زراعت۔ تجارت وغیرہ تو جانتے ہی نہ تھے، اس لئے اُنہوں نے بھی خانہ بدوشی اختیار کی، اور پہلی سی بدویت کی حالت میں رجوع کرتے، اور گھوڑے بندوق اور نیزے سے کام لینے لگے۔ اس تغیر سے جو عرب کی فوجی حالت میں پیدا ہوا، خلفاء کی عظمت کا زمانہ جلد گزر گیا، صوبجات میں بغاوت پھیل گئی، سلاطین اور امرا نے خود مختاری اختیار کی، باہمی نزاع اور بدنظمی نے دار الخلافت کو اپنا گھر بنایا۔ اور وہ اجرتی فوجیں جو مدد کے لئے باہر سے بلا کر نوکر رکھی گئی تھیں، اپنے آقاؤں پر بگڑ بیٹھیں، اور بجائے نوکروں کے آقا بن گئیں، اور ترکی غلام، ترکی سپاہی، ترکی جنرل، اور ترکی امیر خلیفہ کے جان و مال کے مالک بن گئے، اُنہوں نے خلافت کو اپنا کھلونا بنا لیا، کسی کو گدی سے اُتارا، کسی کو بٹھایا، کسی کو مارا، کسی کی آنکھیں نکالیں، کسی کو اپنا پٹھو بنایا۔ کیا خوب کہا ہے ایک نامور مورخ نے کہ "وہ عصا جس پر خلفا نے ٹیک کر سہارا لیا تھا وہی اُن کے حق میں اژدہا ہو گیا" ✦

اگرچہ خلفائے عباسیہ کی خلافت تیسری صدی میں نہایت ضعیف ہو گئی تھی مگر نام اُن کا ابھی تک ترکی، ایران وغیرہ میں امیرالمومنین کے نام سے یاد کئے جاتے تھے، خراج تو کوئی بھیجتا نہ تھا مگر نام کے لئے

خطبہ خلیفہ ہی کے نام کا پڑھا جاتا تھا۔ لیکن پانسو برس کی سلطنت کے بعد یہ نام بھی باقی نہ رہا، اور چنگیز خاں کے پوتے نے عباسیوں کی خلافت کا نام بھی زمین کے صفحہ سے مٹا دیا، اور اُن کے ساتھ عربوں کی ملکی تاریخ کا بھی گویا خاتمہ ہو گیا +

عربوں کی سلطنت اگرچہ عرب و شام میں اس طور پر تباہ ہوئی مگر اُس کی شاخیں جو دوسرے ملکوں میں پھیلی ہوئی تھیں کچھ دنوں تک تر و تازہ رہیں، اُن میں سے بڑی سلطنت وہ تھی جو مسلمانوں نے اسپین یا اندلس میں قایم کی تھی +

اس سلطنت کا حال سُنئے، کہ ساتویں صدی کے اوائل میں خلیفہ عبدالملک کی عہد حکومت میں اسلام کی فوجیں افریقہ سے بڑھ کر سینٹا (Ceuta) تک پہنچ گئی تھیں، یہاں سے تنگ آبنائے جبل الطارق کے اُس پار اسپین (Spain) کا ملک نظر آتا تھا، خلیفہ وقت کے گورنر موسٰے نے اُس ملک کے فتح کرنے کا ارادہ، اور اپنے سپہ سالار طارق کو مع پانچ ہزار فوج کے روانہ کیا۔ یہ لوگ اُس مقام پر اُترے جہاں آج کے دن جبرالٹر (Gibraltar) کا قلعہ واقع ہے، گویا اسی نام سے وہ اندلس کے فتح کرنے والے کی آج تک یادگار ہے۔ اگرچہ یہ فوج اندلس کے صرف حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی، مگر پہلے ہی مقابلہ میں وہاں کے باشندوں کو ایسی شکست ہوئی، کہ کل ملک حملہ آوروں کے تصرف میں آ گیا۔ موسٰے نے اپنے سپہ سالار پر رشک کھا کر اُس کو یہ حکم بھیجا کہ میرے آنے تک انتظار کرو، مگر طارق فتح کے نشہ میں سرشار آگے بڑھ گیا، اور جب گورنر وہاں پہنچا، تو اس کامیاب سپہ سالار طارق کو یہ انعام ملا، کہ اسے تازیانے لگائے گئے، مگر گورنر کو بھی آخر یہی انعام ملا۔ جس وقت خلیفہ نے موسٰے کو بلا بھیجا، اور وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا، خلیفہ نے موسٰے پر بھی اُنہیں سزاؤں کا حکم صادر فرمایا، جو موسٰے نے اپنے ماتحت کو دی تھیں۔ لیکن قبل اس کے موسٰے نے اسپین کے تمام جزیرہ نما کو فتح کر لیا تھا، اور پیرنیز (Pyrenees) کے پہاڑوں پر سے فرانس کا زرخیز میدان اُس کے قدموں کے لئے پھیلا ہوا نظر پڑتا تھا۔ اندلس میں مسلمانوں نے جو ترقی کی وہ اس قدر عظیم تھی کہ آج اُس کو باور کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے، اندلس کے فتح کرنے میں دو برس بھی صرف نہ ہوئے تھے کہ فرانس پر حملہ آوری کر دی گئی۔ پانچ ہزار بربر کے سپاہی جو پہلے اس مہم پر بھیجے گئے تھے اُن کے ساتھ موسٰے نے اٹھارہ ہزار عرب شریک کر کے اپنی فوج کو ایسا بنا لیا، کہ کوئی اس کو روک نہ سکے۔ ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں یہ معلوم ہوتا تھا، کہ تمام یورپ مسلمانوں کا مطیع ہو جائیگا، اور عیسائی مذہب کی دار الخلافت "روما" میں اسلام کے خطبے پڑھے جائینگے جو ایک وقت میں مکہ میں گونجی تھی، پوری کو ملنا ہو جائیگی لیکن یہ سلسلہ فتوحات کا ۷۳۲ء میں ٹورس کے (Tours) مقام پر یکایک ختم ہو گیا، اس مقام پر مسلمانوں کو ایسی شکست ہوئی، کہ مسلمانوں کے قدم پیرنیز پہاڑ کے اس پار نہ بڑھ سکے، یہ شکست اس وجہ سے ہوئی کہ اسلام کی فوج بے دیکھے بھالے بہت آگے بڑھ گئی تھی، اور سپہ سالاروں میں آپس میں اتفاق

پیدا ہوگیا تھا۔ آخرکار اسلام کا زور اندلس جیسے چھوٹے ٹکڑے میں محدود ہوگیا۔ سات سو برس تک مسلمانوں کی سلطنت اندلس میں تمام دنیا بھر کے لئے عظمت و جلال کا نمونہ تھی، کوئی نظیر اُس فیاضی اور دریادلی کی قوم مفتوح کے ساتھ سلوک کرنے میں ایسی بہم نہیں پہنچ سکتی، جو مسلمانوں کی سلطنتِ اُندلس کا مقابلہ کرسکے اندلس بنی اُمیہ کے خلیفہ کے زمانہ میں فتح ہوا تھا، اس لئے اس ملک کی سلطنت اُن کی خلافت کے زوال کے بعد اُن کے ہاتھ سے نہ نکلی، جس وقت بنی امیہ کا خاندان تباہ ہوا، تو قتل عام سے ایک متنفس عبدالرحمٰن بچ کر اسپین پہنچا۔ یہاں پر لوگوں نے اُس کی بڑی آؤبھگت کی، اور تخت پر بٹھلایا۔ لیکن اس کے ساتھ ظلم و تعدی کا وہی رواج اسپین میں بھی شروع ہوگیا، جو ہمارے خاص وطن میں قائم تھا اور یہی ظلم باعث ہوا اسپین میں بھی اُن نتائج کے پیدا کر دینے کا جس نے عربستان کو تباہ کیا تھا۔ ملک میں بغاوت پھیلی، اور اُس کے خاص تین سرداروں نے سازش کر کے فرانس کے بادشاہ شارلمین Charlemagne کو سلطنت اسپین پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ محض اتفاق تھا کہ اس قدر محنت سے قایم کی ہوئی سلطنت اُسی وقت برباد نہ ہوگئی۔ شارلمین کو اپنے باغی امرا کی سرزنش سے فرصت نہ ملی، کہ اسپین پر حملہ کرے۔ عبدالرحمٰن نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ان ہی بداندیشوں سے بدلہ لینے کا خوب موقع پایا، یہ انتقام ایسی سختی اور شدت سے لیا گیا، کہ پھر کسی کو اس کے خلاف سازش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مسٹر لین پول کا بیان ہے کہ "بدعہدیوں اور خونریزیوں کی وجہ سے ایماندار آدمیوں نے اس کی خدمت سے انکار کیا، اور اُس کے پُرانے خیرخواہوں نے، جنہوں نے اُس کے اسپین آنے پر ایسی خوشی سے اُس کی آؤبھگت کی تھی، اس کے ظلم و ستم دیکھ دیکھ کر وفاداری سے مُنہ موڑنا شروع کر دیا۔ اس کے رشتہ دار جو خلفاے عباسیہ کے ڈر سے بھاگ کر اُس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے، اس کی جابرانہ حکومت سے ایسے بیزار ہو گئے، کہ اس کو تخت سے اُتارنے کی سازشوں میں شریک ہونے لگے، اور اپنی جانیں کھو بیٹھے، عبدالرحمٰن یکہ و تنہا رہ گیا۔ اُس کے پُرانے خیرخواہ اُسے چھوڑ کر چلے گئے، اُس کے رشتہ دار اور نوکر تک اُس کے دشمن بن گئے اُدھر تو اندرونی بکھیڑوں کی وجہ سے اُس کی تیز مزاجی مشتعل ہوگئی، اور کچھ فی نفسہٖ اُس کی طبیعت بے رحم تھی۔" دغابازی اور ہلاکت سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے عبدالرحمٰن نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا، جو خلفاے بغداد کی بربادی کا باعث ہوا تھا۔ اس نے بھی خلفاے بغداد کی طرح غیرقوموں کی اُجرتی فوج کو بھرتی کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ چالیس ہزار افریقہ کے سپاہی اُس کی حفاظت کے لئے مامور تھے۔ عبدالرحمٰن کے مرنے کے بعد چند روز تک اس کے ظلموں کی یاد سے لوگوں کے دلوں میں بغاوت کی جرأت پیدا نہ ہوئی۔ اس کا جانشین نہایت نرم مزاج اور پاک طینت تھا، اور لوگ اُسے ہر دلعزیز اور منصف کے خطابوں سے یاد کرتے تھے، مگر باوجود اس کے اس کی سلطنت کو آٹھ برس نہ گزرے تھے کہ بغاوت کا طوفان ٹوٹ پڑا۔ سازش کے بعد سازش، اور قتل عام کے بعد قتل عام، جاری ہوگیا، اور آپس میں جنگ و جدال شروع ہوگئی۔ اسی وقت تک ایک ایسا انتہائی

قوم یعنی ملک کے نومسلم باشندے بھی میدان میں آچکے تھے، یہ خاص اُندلس کے رہنے والوں کی اولادیں تھے، جنھوں نے ابتدائی حکمرانوں کی فیاضی دیکھ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ کُل مذہب تبدیل کرنے والوں کی طرح ان میں عربوں سے زیادہ تعصّب تھا، اور اپنے دورہ کرنے والوں ملاؤں کے ذریعہ سے بے اطمینانی اور بغاوتوں کو پھیلایا کرتے تھے۔ بے انتظامی اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ بہت سے صوبے خود مختار بن گئے، اور علیحدہ علیحدہ بادشاہ مقرر ہو گئے۔ سیول (Seville یہ اسپین کے ایک صوبہ کا نام ہے) کے بادشاہ ابو حجاج کا دربار تو شاہنشاہی شان و شکوہ سے ہوا کرتا تھا، غیر ملکوں کے بادشاہوں کے یہاں سفیر حاضر رہا کرتے تھے، اور مدینہ اور بغداد سے تحائف پیشکش جایا کرتے تھے، اس کی فیاضی کا وہ شہرہ پھیلا، کہ قرطبہ کے شعرا جوق جوق اس کے دربار میں جاکر حاضر ہو گئے۔ غرضکہ اس طوائف الملوکی، اور چھوٹے چھوٹے سلاطین کے خود مختار، اور اپنی علیحدہ علیحدہ سلطنت قایم کرنے سے اصلی قوت اتنی کم ہو گئی تھی، اور ضعف اتنا طاری ہو گیا تھا کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمانی حکومت کا اختتام قریب آپہنچا ہے، ڈاکوؤں کے گروہ ملک کو تباہ کئے دیتے تھے، اور اس قدر جرأت اُن کی بڑھ گئی تھی کہ قرطبہ کے دروازہ تک لوٹ مار جاری تھی۔ اُس زمانہ کے ایک مصنف نے چشم دید کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے "ملک پر تباہی چھا رہی ہے، آفتوں کا سلسلہ ہے کہ ختم نہیں ہوتا، لوٹ مار برابر جاری ہے، بی بیاں اور بچے غلامی میں کھچے چلے جاتے ہیں" ایسی ردّی حالت کے زمانہ میں عبدالرحمٰن ثالث قرطبہ کے تخت پر ۹۱۲ء میں یعنی قریب قریب پہلی فتح کے دو سو برس بعد جلوس فرما ہوا۔ اس بادشاہ کی جوانمردی اور استقلال نے یہ نتیجہ پیدا کر دیا، کہ آخرکار ملک کو امان ملی اور وہ کل بغاوتیں جو ایک مدت سے پھیلی ہوئی تھیں فرو ہو گئیں۔ یکے بعد دیگرے کل صوبجات فتح کر لئے گئے یہاں تک کہ آخرکار عبدالرحمٰن تمام ملک اسپین کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس بادشاہ نے آخرکار خلیفہ کا خطاب اختیار کیا، لیکن ان سب اغراض کے حاصل کرنے میں عبدالرحمٰن کو بھی اُجرتی سپاہیوں سے کام لینا پڑا۔ اُن سب میں سر برآوردہ وہ گروہ تھا، جو اُس کی حفاظت جان کے لئے "سلیوز" (Slaves) یعنی غیر ملک کے خریدے ہوئے غلاموں سے مرکب تھا۔ اندلس کی یہ حالت ہو گئی، کہ اجرتی سپاہیوں کے بغیر کام ہی نہ چل سکتا تھا، اس واسطے قرطبہ کے خلیفہ کے دشمن اُسی کی رعایا میں سے تھے، اور اُن میں کے منتخب کئے ہوئے سپاہیوں پر بھروسہ نہ کیا جا سکتا تھا۔ ملکی دشمنوں کے سوائے عبدالرحمٰن کو بیرونی دشمنوں کا بھی خوف لگا ہوا تھا۔ شمالی افریقہ کے خلفا ہمیشہ لڑنے بھڑنے پر تیار بیٹھے رہتے تھے۔ ادھر اسپین کے شمال میں ایک ایسے زبردست دشمن کی قوت بڑھتی چلی جاتی تھی جس سے مسلمانوں کے آفتاب سلطنت کے غروب ہونے، اور آخرکار اندلس سے نکالے جانے کا سامان تیار ہو رہا تھا، یہ عیسائی تھے۔ ان دشمنوں کا وجود مسلمانوں کی غفلت اور بے پروائی کا نتیجہ تھا۔ عیسائی جس وقت اندلس سے نکالے گئے، تو ان میں سے تھوڑے لوگوں نے اسچوریا (Asturia) کے پہاڑوں میں پناہ لی تھی، اُن کے سرغنہ پلیگو (Pelago) یا جیسا کہ ننو بولنا

میں بیان کیا گیا ہے، پلیجی اس (Pelagius) کے ساتھ تیس آدمی اور دس عورتوں نے کُووَادُونگا (Covadonga) کے غار میں پناہ لی تھی۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے کے عربوں نے اپنے غرور سے کچھ پرواہ نہ کی، اور نہ ضرورت سمجھی کہ اُن کو وہاں سے نکالدیں۔ ایک زمانہ کے بعد مفرورین کے یہ چھوٹے سے ٹکڑے بڑھتے بڑھتے ایک جنگی گروہ ہو گئے، اور اُن کے دلوں میں نہایت جوش سے اپنے بزرگوں کی بربادی کا انتقام مسلمانوں سے لینے کی آرزو پیدا ہوئی۔ جس وقت عبدالرحمن ثالث تخت نشین ہوا، اس گروہ کی تعداد مسلمانوں کے لئے خطرناک ہو چکی تھی، ان کے بادشاہ ارڈونڈ ثانی (Ordono II) نے صوبہ اندلس پر حملہ کیا، اور شہر بیڈہجاز (Badajoz) سے جو قرطبہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے، خراج وصول کر کے لیگیا۔ ان کے خلاف میں خلیفہ نے بذات خود فوجکشی کی، اور وَیل آف رِیڈس (Vale of Reeds) کے مقام پر شکست دی۔ عبدالرحمن نے اس فتح کے بعد خلیفہ کا خطاب اختیار کیا، اور اسی خطاب سے تیس سال اور حکومت کی، مگر قبل اس کے کہ پندرہ برس بھی گزریں وہ عیسائی گروہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، پھر لڑنے بھڑنے کو تیار ہو گیا، اور اُن کے بادشاہ رامیرو (Ramiro) نے ۹۳۹ء میں عبدالرحمن کو الہان دِیغا (Alhandega) کے مقام پر شکست دی۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مقام پر پچاس ہزار مسلمان مارے گئے اور خلیفہ مع پچاس سواروں کے اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔ عیسائیوں میں جو اندرونی فتنہ و فساد تھا، اُس کی وجہ سے وہ اس فتح کو پورے پورے طور پر کام میں نہ لا سکے، خلیفہ نے اُن سے صلح کر لی اور نوَرِا (Navarre) کے بادشاہ کو اپنے یہاں مہمان ٹھیرایا، اور اپنی فوج سے لیَان کے جلاوطن کئے گئے بادشاہ کو اپنا تخت واپس لینے میں مدد دی۔

اس خلیفہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی عظمت ملک اسپین میں اعلےٰ درجہ پر تھی مسٹر لین پول (Mr Lane Poole) کا بیان ہے، کہ قرطبہ میں کبھی اتنی دولت اور ایسی سرسبزی پیشتر نہیں دیکھی گئی تھی، صوبہ اندلس کی زراعت کبھی ایسی ترقی کی حالت میں نہ تھی، قدرتی زرخیزی زمین کو انسانی ہنر اور محنت نے کمال کو پُہنچا دیا تھا، بے امنی کا نام و نشان باقی نہ تھا، قانون کی عزت اور عمل آوری پورے پورے طور پر کیجاتی تھی، شاہنشاہ قسطنطنیہ، شاہ فرانس، جرمنی اور اطالیہ کے سفیر اس کے دربار میں حاضر رہا کرتے تھے۔ عبدالرحمن کا بیٹا بہت بڑا عالم تھا، مگر فن سپہ گری اور تدابیر مملکت سے بے بہرہ۔ اس میں کچھ شک نہیں، کہ علوم و فنون کو اس کے زمانہ میں بہت بڑی ترقی ہوئی، مگر بغاوتوں کا انسداد پورا پورا کبھی نہ کر سکا۔ اس کے مرنے کے بعد بعض واقعات ایسے پیش آئے، جن کی وجہ سے یہاں بھی بعینہ وہی حالت ہو گئی، جو خلفاے بغداد کی تھی، چونکہ بادشاہ بہت ہی کم سن تھا، اس لئے کل انتظام مملکت اُس کے وزیر المنصور کے سپرد ہو گیا، اُس نے تھوڑے عرصہ میں اپنے آپ کو بادشاہ بنا کر خلیفہ کو بالاے طاق رکھ دیا۔

حضرت خلیفہ زمانہ میں مزا کیا کرتے تھے، اور وزیر بادشاہت۔ بہت شان و شوکت کی حکومت کے

بعد وزیر نے ۱۰۰۲ء میں وفات پائی، اور اس کے بعد اسپین میں پھر وہی بدنظمی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ مختلف سرداروں اور ظالم حاکم ظلم اور فساد کرتے رہے، نت نئے خلیفہ، اور نت نئے بادشاہ پیدا ہوتے تھے۔ بربری کی فوج جو شاہی تخت کی حفاظت کے لئے ابتداءً مامور ہوئے تھے، اُس نے خلیفہ کو شطرنج کا مہرہ بنا لیا عبدالرحمن کا بیٹا مع اپنے ایک لڑکے کے مسجد کے ایک غلیظ پاخانے میں قید کر دیا گیا تھا، یہاں ان دونوں کو بے آب و دانہ رکھا گیا، اُس وقت امیرالمومنین کے دل میں جو کچھ خواہش تھی وہ یہ تھی، کہ ایک ٹکڑا روٹی اور ایک چراغ میسر آ سکے۔ اس بدنظمی سے عیسائیوں نے جن کی طاقت بروز بڑھتی جاتی تھی، بہت کچھ فائدہ اٹھایا الفانزو (Alfonso) نے ایسٹوریا (Asturia) اور لیان (Leon) اور کیسٹیل (Castille) تینوں بادشاہوں کو اپنے زیرِ حکومت کر کے ایک فوج ہمراہ لیکر اسپین کے جنوب میں جبل الطارق جا پہنچا، اور یہاں سمندر میں نہانے کی منت پوری کی۔ یہ حالت دیکھ کر اسپین کے مسلمانوں نے اپنے افریقہ کے ہم مذہبوں سے استمداد کی۔ مدد تو آئی، مگر بربر کی ایک قوم کی قوم آ کر اسپین میں آباد ہو گئی، اور اگرچہ ان کی مدد سے ملک میں امن و امان قائم ہو گیا، مگر انہوں نے خود ملک ہی پر قبضہ کر لیا۔ ۱۱۰۲ء میں جب یوسف کا انتقال ہوا، تو اسپین کا وہ حصہ جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، افریقہ کی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ اس کے مرنے کے بعد بربر کے لوگ جو اسپین میں رہ گئے تھے، بالکل مطلق العنان ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے بادشاہوں، اور سرداروں نے سرکشی کر کے علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قرطبہ، قادس، غرناطہ، اور ویلنشیا (Valencia) میں قائم کر لیں۔ مگر پھر ایک شخص ایسا پیدا ہوا، جس نے اسپین کے مسلمانی صوبوں کو ایک سلطنت قرار دیکر امن امان بخشا، اس شخص کا نام عبدالمومن تھا۔ مگر اس وقت میں وہ عظیم الشان اور آخری جنگ مسلمانوں و عیسائیوں میں شروع ہوئی، جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا، کہ اسپین کے مسلمانوں کی سلطنت کا نام و نشان مٹ گیا۔ بارھویں صدی کے آخر میں (۱۰۹۴ء) سِڈ (Cid) نے صوبہ ویلنشیا کو فتح کر کے اپنے آپ کو بادشاہ قرار دیا، اس کے بعد تو مسلمانوں کی سلطنت اسپین کا زوال گویا بالکل قریب ہی آ گیا۔ افریقہ کی سلطنت سے جو کچھ باقی بچا تھا اُس پر موحدیوں کا خاندان حکمراں ہو گیا۔ اسپین میں جو مسلمان بادشاہ تھے اُن میں باہم سخت عداوت اور دشمنی تھی، اس لئے یکے بعد دیگرے عیسائیوں نے فتح کر لئے، اور موحدیوں کو اسپین سے نکال باہر کیا۔ آخر ۱۲۳۸ء میں مسلمانوں کی زیرِ حکومت اسپین کے جزیرہ نما کا ایک صوبہ غرناطہ باقی رہ گیا تھا۔ اور اس کا بھی انجام بہت ہی قریب تھا اس واسطے صوبے میں بھی جھگڑے اور فساد پھیلے ہوئے تھے۔ آخر آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے یہ صوبہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا، اور ۱۴۹۲ء میں آٹھ سو برس کی اسلامی سلطنت کے بعد آخیر مسلمان بادشاہ ابوعبداللہ غرناطہ سے سدھارا، اور کنجیاں فرڈی نینڈ (Ferdinand) کے حوالہ کر کے اپنے شہر پر ایک حسرت کی نگاہ ڈالی، اور جلا وطن ہوا۔ اس مقام کو اب تک آخری آہ مور کے نام سے یاد کرتے ہیں، وہ وہ آخری آہ تھی جس کے ساتھ مسلمانوں کی سلطنت کا اسپین میں خاتمہ ہو گیا۔

اُس وقت جب مسلمان اسپین سے نکالے جا رہے تھے، اور جب بغداد کی سلطنت کو زوال آگیا تھا، ٹرکی میں مسلمانوں کی ایک سلطنت قایم ہوئی جو آج تک موجود ہے۔ عثمانی ترکوں کی تاریخ، دنیا کی تاریخوں میں سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے، اور اس میں بھی وہ صفات موجود ہیں جو دوسری مسلمانی سلطنتوں میں موجود تھیں۔ شروع میں ان کی فتح چاروں طرف ہونے لگی، اُن کی فوجیں اپنے دشمنوں پر ایسی فتح پاتی تھیں کہ گویا خیال ہوتا تھا کہ تمام دنیا ان کے قدموں کے نیچے آجائیگی۔ ترکوں میں بہت سے اسبابِ ترقی کے روکنے والے موجود تھے۔ وہ اپنی کامیابی کے گھمنڈ میں دوسروں سے کچھ سیکھتے نہ تھے، اور دوسرے ملکوں میں جو علمی دماغی ترقیاں ہو رہی تھیں، اُن سے کچھ فائدہ اُٹھانا اپنی شان کے خلاف تصوّر کرتے تھے، اُن میں پُرانا جوش نافرمانی اور حسد کا قایم تھا، جس سے بہت سے خونخوار معاملات آنتام کے واقع ہوئے۔ سولھویں صدی کے وسط میں سلطان سلیمان المشہور بہ عالیشان کے عہد میں ترکی سلطنت عروج پر پہنچ گئی تھی، فرانس اور انگلستان ان کی دوستی کے خواہشمند رہا کرتے تھے، اُن کی عظمت عیسائی بادشاہوں کے دلوں میں یہاں تک سمائی ہوئی تھی، کہ خود شاہنشاہ جرمنی سلطان کے وزیرِ اعظم کے بھائی بننے کی آرزو رکھتا تھا، گویا وہ اپنا رتبہ سلطان کے وزیر کے برابر سمجھتا تھا۔ یورپ کی تمام قومیں ترکوں سے ڈرتی تھیں، اور ایک وقت معلوم ہوتا تھا، کہ اُن کی قوت کے پھیلنے کے لئے کوئی چیز مزاحم نہ ہوگی اور بلا روک ٹوک بڑھتے رہینگے لیکن سلیمان کے مرتے ہی سلطنت میں زوال شروع ہوا، جو آج تک چلا جا رہا ہے۔ اس قریب دو سو سال کے عرصہ میں کوئی ایسا دس سال کا زمانہ خالی نہ گیا ہوگا، جس میں ترکی فوج کو شکست پر شکست نہ ہوئی ہو، اور صوبے پر صوبے اُن کی حکومت سے نکل نہ گئے ہوں۔ قریب دو سو سال سے اس سلطنت کو بیمار مین[*] [illegible] کہتے ہیں۔ اور اُس کی نسبت یہ پیشین گوئیاں ہوئی ہیں کہ وہ جلد فنا ہو جائیگی لیکن بیمار آدمی ابھی تک نہیں مرا، اور اخیر روسی لڑائی میں اُس نے دکھا دیا ہے، کہ ابھی تک اُس قوم میں ابھی جان موجود ہے۔ جو ترقی ہوئی ہے وہ اُس تہذیب کا نتیجہ ہے، جو اس صدی کے شروع میں سلطان محمود نے جاری کی تھی اُس نے دیکھا کہ ٹرکی سلطنت کا وجود ان اصلاحوں کے جاری کرنے پر منحصر ہے، جو اُن کی چاروں طرف ہو رہی ہیں۔ آخرکار فوج میں اصلاح ہوئی، فوجی تعلیم و تربیت کو ترقی دی گئی، اور نئے ایجاد کئے ہوئے ہتیار کام میں لائے گئے اپنی عادتوں میں تبدیلی کرنا، ترک لوگ اس قدر کراہت کی نظر سے دیکھتے تھے کہ یہ بات اُن کی تاریخ میں مشہور ہو گئی ہے، یہاں تک کہ سلیم اول کے زمانہ میں، یعنی سولھویں صدی کے شروع میں مصر میں فوج نے توپوں کے استعمال کرنے سے انکار کیا، کیونکہ اُن کے غلط خیال میں ہمیشہ یہ گمان تھا اگرچہ دو قوموں نے ثابت کردیا، کہ صرف قواعدداں فوج لڑائی میں زیادہ کارگر ہو سکتی ہے، لیکن ترک لوگوں نے ہر قسم کی تعلیم پانے سے انکار کیا۔ شیولیئر فولارڈ Chevalier Folard مشہور فرانسیسی مورخ نے یہ بیان کیا ہے، کہ اٹھارویں صدی کے شروع میں جو ترکوں کی فوج کو شکست ہوئی، اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے اُن

[*] یعنی بیمار آدمی۔

نئے ہتھیاروں کو لڑائی میں استعمال نہیں کیا۔ ایڈورڈ کریسی (Sir Edward Creasy) کی رائے میں سنگینوں سے عیسائیوں کو مسلمانوں پر فتح ہوئی۔ جب صدی گذشتہ کے آخر میں سلطان نے نیا توپ خانہ فرانسیسی قاعدہ پر تیار کرنے کا ارادہ کیا (تو ینگی چری (Janissary) ایک گروہ تھی جس کو ترکی میں ینگ چری کہتے تھے) نے مطلقاً ان ہتھیاروں کے اختیار کرنے اور فرانسیسی قواعد کو سیکھنے سے انکار کیا، مگر آخرکار جو اصلاحیں محمود نے اِس صدی کے پہلے پچیس برس میں جاری کی تھیں، وہ پھر تمام رائج کی گئیں ٭

ینگ چری کی قوت توڑنے، اور پرانے قاعدوں اور خیالات کے مٹانے میں بہت بڑی خونریزیاں ہوئی ہیں۔ یہ معاملہ آیندہ کے لئے غور طلب ہے کہ آیا جو اصلاحیں اُس زمانہ سے جاری ہوئی ہیں وہ ترکی سلطنت کو پھر تازہ کرنے کے لئے کافی ہونگی یا نہیں۔ اکثر یورپین دانشمندوں کی یہ رائے ہے کہ وہ اصلاحیں کسی مردہ پر بجلی کا امتحان کرنے سے زیادہ مؤثر نہیں ہیں، اور بعضے یہ خیال کرتے ہیں، کہ محمود کی اور اُس کے جانشین سلطانوں کی جاری کی ہوئی اصلاحوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو کچھ رمق باقی رہ گئے تھے اُس کو فرو کرنے سے سلطنت کو زوال پہنچا اور نئی زندگی نہ پڑی۔ اگرچہ میری یہ رائے نہیں ہے، مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ سلیمان کے زمانہ سے اس صدی کے آغاز تک جس کو دو سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے، ترکوں کی سلطنت حالت سکون پر رہی، اور دوسری یورپین قومیں بڑی جلد جلد ترقی کرتی رہیں۔ جو قوم کہ حالت سکون پر رہیگی، اُس کو ضرور زوال ہوگا۔ ترکی کی موجودہ زندگی کچھ اُس کی ذاتی قوت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اُس مدد کی وجہ سے ہے جو یورپ کی مغربی قوتیں اُس کو دیتی ہیں، اور اُن کا باہمی حسد، ترکوں کے اُس پھول باغ کا، جو کہ یورپ میں رہ گیا ہے، محافظ ہے، ورنہ وہ بھی کب کا کاٹ گیا ہوتا، اور یورپ میں اسلام کا نام کے سوائے کچھ نشان نہ رہتا ٭

چونکہ آپ صاحبوں میں سے اکثر لوگ مسلمانوں کی ہندوستان کی سلطنت کی تاریخ سے بخوبی واقف ہیں اس لئے میرا یہ ارادہ نہیں کہ میں اُس کو تفصیل سے بیان کروں۔ ابتدا میں مسلمانوں نے ہندوستان پر جو حملے کئے اُن سے کوئی دوامی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ نہ ایک مستقل سلطنت جس کی حکومت سارے ہندوستان پر ہوتی قائم ہوئی، البتہ خاندان تیموریہ کے زمانہ سے جابجا مستقل سلطنت کے آثار نمایاں ہوئے، گو تیمور نے بھی محمود غزنوی کی طرح چڑھائی کر کے ملک کو فتح کیا، مگر اُس نے ہندوستان کو اپنا گھر نہ بنایا، اور یہاں اقامت اختیار نہ کی، اور کچھ پاؤں جمائے بغیر چلدیا۔ بابر کے زمانہ سے ہندوستان کی باضابطہ سلطنت اور شاہی خاندان قائم ہوا، مگر بابر بھی ہمیشہ اپنا وطن اور طرف چھوٹنے کا افسوس کرتا رہا۔ خاندان تیموریہ کے سایہ سلطنت کے مسلمانوں نے نہایت جلد ترقی کی، چاروں طرف حملے شروع ہو گئے، اور ہندو راجاؤں کو دکن کی طرف ہٹتے ہوئے چلے گئے، اور مناسب موقعوں پر اُن کی کوششیں رکنے لگیں، اور چھوٹی چھوٹی ابتری حکومتیں

قایم کیں۔ مغلوں کی سلطنت اکبر کے زمانہ میں عروج پر پہنچ گئی۔ عقل و دانش، استقلال اور بے تعصبی میں اس بادشاہ کی کسی تاریخ میں نظیر نہیں پائی جاتی۔ ہندو راجاؤں سے اس قسم کی محبت پیدا کرنا، کہ اس کے بڑے اور چھوٹے میں شریک ہیں، اُسی کا کام تھا۔ حتیٰ کہ معزز راجپوت راجاؤں نے اس بادشاہ کے ساتھ اپنی بیٹیاں بیاہ دی تھیں۔ اکبر کو معلوم ہو چکا تھا کہ ہندوؤں میں انتظام کی نہایت بڑی قابلیت ہے۔ اسی لئے اُس نے ان لوگوں کو کشادہ پیشانی سلطنت کے اندرونی انتظام میں اونچا درجہ دیا۔ خزانہ اور مالگزاری کا کل انتظام انہیں لوگوں کے سپرد تھا، اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ان دونوں صیغوں کا انتظام کسی اور بادشاہ کے زمانہ میں اس سے بہتر نہ تھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہندوستان میں اکبر کے دربار سے زیادہ کسی بادشاہ کا دربار اس شان و شکوہ کا نہ تھا۔ تمام دنیا اور تمام مذہبوں کے علما اُس کے دربار میں ٹوٹ پڑے تھے، اور ہر مذہب اور ہر قوم کے لوگوں کے ساتھ ایک ہی طرح کا برتاؤ ہوتا تھا۔ یہ کہنا کہ ہندوستان کی کیا حالت ہوتی، اگر اکبر کے چند جانشین اُسکی پالیسی پر چلے ہوتے مشکل ہے۔ مگر اس میں تو کچھ شک نہیں کہ سلطنت نہایت مستحکم بنیاد پر قایم ہو جاتی، اور یہ بھی بہت قرین قیاس ہے، کہ ایک مدت کے بعد ہندوستان کی کل آبادی ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک ایک قوم ہو جاتی، اور ایک ہی مذہب اختیار کر لیتی، گو یہ کہنا دشوار ہے کہ کونسا مذہب اختیار کیا جاتا۔ مگر اکبر کے جانشین اُس کے طریق اور اصول کے پابند نہ تھے، فساد کی قوتیں اپنا کام شروع کر چکیں تھیں۔ اور زوال کا عمل آغاز ہو چکا تھا، صوبہ جات میں رقابتوں کا زور قایم ہو چکا تھا، اور آپس ہی کے لڑائی جھگڑوں پر اکتفا نہ کی جاتی تھی، بلکہ اس بات میں بھی کوشش کی جاتی تھی، کہ شاہنشاہی حکومت کی اطاعت سے سبکدوشی حاصل کر لی جائے۔ مگر سب سے زیادہ بدنصیبی کی بات یہ تھی کہ خود شاہی خاندان میں نفاق کے قدم آ چکے تھے۔ شاہزادے ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ سازشوں میں مصروف تھے اور حکومتوں کے حاصل کرنے میں برادر کشی اور پدر کشی تک دریغ نہ کیا گیا۔ اورنگ زیب کی سلطنت کے زمانہ میں، جس کی مدت پچاس سال سے زیادہ تھی، اور جس نے اپنی بے نظیر لیاقت اور مشہور قابلیت اور حیرت انگیز محنت اور بہادری سے اپنی سلطنت کو ایسی وسعت دی تھی، جو کسی پہلے بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی، زوال کے آثار شروع ہو چکے تھے۔ اورنگ زیب کی سختیوں اور تعصب کی بدولت، مرہٹے قزاقوں سے بڑھتے بڑھتے ایک قوم بن گئے، اور اس سلطنت مغلیہ کو صدمہ پہنچانے کے لائق ہو گئے تھے۔ اگرچہ اُس کی دانائی اور بہادری سے کل صوبہ جات یکے بعد دیگرے فتح کر لئے گئے، مگر جو صوبہ دار مقرر ہوتا وہ خود مختار ہو جانے کی کوشش کرتا، اور اُس کے بیٹے بغاوت کا علم بلند کرنے کے لئے ہمیشہ آمادہ، اور اُس کے لئے سازشیں کرتے رہتے۔ جس سے نہ صرف اُسے اپنے بیٹوں کے ساتھ سختی کرنے اور انہیں زنجیروں میں جکڑنے کی ضرورت ہوتی، بلکہ شاہزادیوں پر بھی ظلم و غضب جلالی نازل کرنے پر مجبور ہوتا۔

تو اس کے جیتے جی اُس کی سلطنت تمام جزیرہ نما میں قایم رہی، مگر اورنگ زیب کے مرنے کے ساتھ ہی فتنہ و فساد کی آگ جس کو وہ خود بمشکل روک سکا تھا، ایک دم سے بھڑک اٹھی۔ اُس کے بیٹے اور پوتے آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ یہاں تو یہ جھگڑے قصے ہو رہے تھے، اُدھر صوبہ جات کے صوبہ داروں، اور ہندو راجاؤں نے اپنے اپنے خودمختاری کے عَلَم بلند کئے۔ سلطنت کے حاصل کرنے کے لئے جو جھگڑے پیدا ہوئے تھے، اُس کے رفع ہونے تک اُس سلطنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا باقی رہ گیا جنوب میں ارکاٹ کے نواب نے خودمختاری اختیار کر لی، حیدرآباد میں آصف جاہ نے ایک خودمختار سلطنت قایم کی، جو آج تک خدا کی مہربانی سے موجود ہے، لکھنؤ کی بادشاہت خلیج بنگال تک پہنچ گئی، اور مغرب میں مرہٹوں کی سلطنت پونہ سے اجمیر تک قایم ہو گئی اور اُن کی فوجیں تنجور سے بنگال تک پھیل گئیں اور کل صوبوں سے خراج لینا شروع کر دیا۔ ان سب شورشوں کے درمیان شہنشاہ دہلی کی یہ حالت تھی، کہ گویا ایک کاٹھ کا پتلا ہے، جس کی حکومت اُس کے محل کے چار دیواری کے اندر محدود تھی۔ مرہٹے، مغل، اور افغانوں نے اپنے سرداروں کی زیر حکومت مختلف اوقات پر دہلی پر قبضہ کر لیا، اور جو آیا خزانہ لیا، اور چلدیا۔ آخرکار جب غلام قادر نے دہلی پر قبضہ کیا، اور شہزادیوں سے سخت بیرحمیوں اور تشدد کے برتاؤ کے بعد بھی کچھ ہاتھ نہ لگا، تو اُس نے یہ کیا، کہ خزانے کے صندوق خالی دیکھ کر بوڑھے شاہنشاہ کو زمین پر دے مارا اور اپنے خنجر سے اُس کی آنکھیں نکال لیں غدر اور بغاوت چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، اور اگر ایک جدید، غیر متوقع اور عجیب سبب نہ پیدا ہو جاتا، تو غالب ہے کہ مرہٹوں کی سلطنت دہلی میں قایم ہو جاتی، اور مسلمان شاہنشاہ کی جگہ ہندو مہاراجہ حکومت کرتا۔ ہندوستان میں جو ہمارا وجود قایم ہے، وہ انگریزی مداخلت کی وجہ سے ہے۔ ہندو اور مسلمانوں کی تعداد میں سات اور ایک کی نسبت ہے، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں پر سخت ظلم ہوتا اور اُن کا مذہب توڑ دیا جاتا۔ جس طرح سے کہ سکھوں کے زیر حکومت پنجاب میں مسلمانوں پر سخت ظلم و تعدی ہوئی، اسی طرح تمام ہندوستان میں اُن پر جبر و ظلم ہوتا، اور آخرکار ہندوستان میں مسلمانوں اور اسلام کے نشانات ہی باقی رہجاتے۔ مگر تقدیر نے تو اور ہی کچھ لکھ رکھا تھا، اس صدی کے اوائل میں انگریزوں نے مرہٹوں کو بالکل توڑ دیا، اور ہندوستان کی سلطنت اُن کے قبضہ میں چلی گئی، اور اگرچہ حکومت ہم لوگوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہی، مگر ہمارا وجود اور ہمارا مذہب تو باقی رہگیا۔

گذشتہ صدی کے آخر میں علاوہ شہنشاہ دہلی کے، تین اور چھوٹی ریاستیں مسلمانوں کی ہندوستان میں قایم تھیں۔ کرناٹک، حیدرآباد، اور اودھ۔ نواب کرناٹک تو تھوڑے عرصہ کے بعد سرکار انگریزی کے وظیفہ خوار بن گئے اور اُن کا صوبہ انگریزی ملک میں شریک ہو گیا، اور وہاں سے تمام آثار سلطنت اسلام کے رخصت ہوگئے۔ اس بات کو فقط نوّے برس ہوئے ہیں، مگر مسلمانوں کی جو حالت مدراس میں اب ہے، وہ کسی قوم کی تمام دنیا میں نہ ہوگی۔ میں اپنے ذاتی تجربے سے جو اس صوبہ کے مسلمانوں کی نسبت ہے کہہ سکتا ہوں، کہ وہاں کے

مدراس کے مسلمان درحقیقت سخت افلاس میں گرفتار ہیں، خاندان کے خاندان تباہ اور برباد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں، جو لوگ پچاس برس اوّل مدراس کی زینت، اور اُس کی عزت بڑھانے والے تھے، اُن کی اولاد آج ذلّت و خواری سے دربدر ماری پھرتی ہے۔ اودھ کی سلطنت بھی نیست و نابود ہو چکی، اس پرانی سلطنت کی تباہی پر جتنا افسوس کیا جائے بجا ہے، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ آخری بادشاہوں کی بے عنوانیاں بدنظمیاں، اور ظلم اس قدر بڑھ گئے تھے، کہ انگریزی مداخلت لازمی اور ضروری ہو گئی تھی۔ اس سلطنت کے جاتے رہنے سے بہت سے مسلمان ہندوستان کے شمالی حصے کے تباہ و مفلس ہو گئے، اور اس کے آخری بادشاہ کی افسوسناک موت سے مسلمان بادشاہی کا نام بھی ہندوستان سے جاتا رہا، فَسُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِی لَا یَمُوْتُ وَبِیَدِہِ الْمُلْکُ وَالْمَلَکُوْتُ، حیدرآباد کی ریاست خدا کے فضل و کرم سے باقی ہے، اور یہاں کے مسلمانوں کی حالت تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت سے بہتر ہے، دولت اور حکومت اُن کے ہاتھ میں ہے، امارت اور ثروت کے نشان ہر جگہ نظر آتے ہیں، یہی وہ ٹکڑا ہے جو اب سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا ملجا و ماوا ہے۔

جس طرح مسلمانوں کی ملکی ترقیاں حیرت انگیز ہیں، اُن کی علمی اور تمدنی ترقیاں اُن سے کچھ کم عجیب نہیں ہیں، وہ جوش مذہب نے اُن میں پیدا کر دیا تھا، قانون قدرت کے مطابق اُس کا یہی مقتضا تھا، جو وقوع میں آیا، یعنی تمام اُن کی اندرونی قوتیں ہیجان میں آ گئیں، اور اُن کی ترقی کو خواہ وہ پولیٹیکل تھی یا علمی اور تمدنی، جس وقت تک وہ جوش قایم رہا، کوئی چیز نہ روک سکی۔ اول اول مسلمانوں نے قرآن کو جمع کیا، پھر اُس کے معانی حل کرنے اور سمجھنے پر متوجہ ہوئے، اور جس طرح سے ہندوستان میں تمام علوم کی ابتدا وید کے معانی کی تشریح کی ضرورت سے ہوئی، اسی ضرورت سے صرف و نحو، معنی و بیان، عروض، قوافی، اور کل علوم جن کے اوپر زبان کا سمجھنا اور اُس کی باریکیوں کا جاننا، موقوف ہے، مسلمانوں نے ایجاد کئے۔ اُس کے بعد احادیث نبوی کے جمع کرنے، اور علوم دینی کی تدوین پر متوجہ ہوئے، اور اُن کو کمال کے درجہ پر پہنچایا۔ خلفاے بنی امیہ کے وقت میں لٹریچر میں بہت ترقی ہوئی۔ علم موسیقی کی بنا یزید ثانی کے وقت میں پڑی، شاہزادہ خالد نے علم کیمیا میں نام حاصل کیا، تعمیر کے فن میں ترقی شروع ہوئی، دمشق میں مسجد اُمیّہ بنائی گئی، اور کئی ایک نئے شہر تیار ہوئے، اسلام کی پہلی صدی تمام ہوتے ہوتے نہ فقط علوم کی مضبوط بنیاد قایم ہو گئی، بلکہ پانچ بہت بڑے، اور متعدد چھوٹے چھوٹے شہر اور کئی عالیشان مسجدیں تعمیر ہو گئیں، خلفاے بنی عباس کے وقت میں فلسفہ اور حکمت میں بے انتہا ترقی ہوئی۔ تیسری صدی تک خلفاے عباسیہ کے عہد حکومت میں مسلمانوں نے اتنی علمی اور عملی ترقیاں کیں، کہ نہ فقط خود خلفا علم دوست تھے، بلکہ اُن کے وزرا اور امراے دولت میں سے ہر ایک عالم اور عالموں کی قدر و منزلت کرنے، اور علمی کتابوں کے جمع کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتا تھا، اور تمام ممالک اسلام کے اہل کمال کا، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود

یا تعجب، مرجع و ماوا دار الخلافت بغداد تھا۔ جس وقت تیسری صدی کے آخر میں خلافت کی قوت گھٹ گئی اور چھوٹی چھوٹی سلطنت حجاز، خراسان اور دوسری ممالک اسلام میں قایم ہوگئیں، تو ایک مدت دراز تک ہر ایک ریاست ان میں سے بجائے خود ایک منبع فیض بنگئی۔ اور ان میں سے ہر ایک میں علما اور فضلا اور حکمائے اسلام کثرت سے پیدا ہوئے، اور اُن کی تصانیف تمام اسلامی ملکوں میں شائع ہوئیں۔ مسلمانوں کے ہر قسم کے علوم میں ترقی، اور اُن کی کثرت تصانیف کا تھوڑا سا اندازہ ہامر پرگستال کی تاریخ سے ہوسکتا ہے۔ یہ ایک نہایت نامور جرمن کا عالم ہے، اُس نے ایک کتاب مسلمانوں کے ذکر میں سات نہایت ضخیم جلدوں میں لکھی ہے، جن کے صفحوں کی تعداد سات ہزار سے زیادہ ہے، وہ بھی ابتدائے اسلام سے خلیفہ مکتفی بامر اللہ کی خلافت کے دسویں سال یعنی ۵۶۶ ہجری تک۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے ایک فہرست اُن عرب کی کتب تواریخ و رجال کی درج کی ہے جو اُس کا ماخذ ہیں۔ اس فہرست میں ۵۰۰ کتابیں ہیں، جن میں سے بہتیروں کے نام تک ہم لوگوں نے نہیں سُنے۔ ایک اور مورخ نے اسپین کے مسلمانوں کی علم و تہذیب کی ترقی کا حال لکھا ہے، جس میں وہ بیان کرتا ہے، کہ اسپین میں جو ترقی لٹریچر، علم اور شاعری میں مسلمانوں نے کی تھی اُس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ مسلمانوں کے دماغ اور اُن کا ٹیسٹ (Taste) یعنی علمی ذوق، نہایت ہی نازک و پاکیزہ تھا، اُن میں تہذیب کا وہ جوش تھا اور جو صرف مہذب اور شائستہ اور نہایت تربیت یافتہ قوم میں پیدا ہوسکتا ہے۔ اُن کے ظالم سے ظالم اور خونی سے خونی بادشاہ میں بھی لٹریچر کا، مادہ پایا جاتا تھا، جو شخص لطیفوں اور فصاحت اور بلاغت اور خوش تقریری اور خوش بیانی کے کم سے کم قدر کرنے کی لیاقت نہ رکھتا تھا۔ وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علم موسیقی اور دیگر اعلیٰ درجہ کے علوم سے عالی دماغ اور روشن ضمیر مسلمان گویا قدرتی طور پر مناسبت رکھتے تھے، اُن میں وہ دقیقہ سنجی اور لٹریچر کی نزاکت پائی جاتی تھی، جو فی الحال فرنچ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ بقول اس مؤرخ کے اسپین میں نہ صرف مرد ہی حکیم اور ڈاکٹر ہوا کرتے بلکہ عورتیں بھی ایسی عالمہ ہوتیں، کہ قرطبہ میں لیڈی ڈاکٹر کا ہونا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ ہندسہ، ہیئت، تاریخ، فلسفہ، علم نباتات، علم حیوانات، غرضکہ علم کی ہر شاخ کی پوری پوری تعلیم اسپین میں ہوتی تھی۔ لٹریچر کی ترقی کی نسبت یہ کہنا کہ یورپ میں کسی زمانہ میں ایسی ترقی نہ ہوئی تھی، کچھ تعریف نہیں ہے۔ مسلمانوں نے اس قدر اس علم کو بڑھایا تھا کہ شاعری ہر شخص کی گویا زبان زد ہوگئی تھی، اور ہر درجہ کے لوگ ایسے لطیف و پاکیزہ اشعار کہتے تھے، اور ایسی فصیح و بلیغ تقریریں کرتے کہ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا کی تصویر نظر آجاتی۔ صنعت و حرفت کی یہ ترقی تھی، کہ ہر شہر میں اُس کے عمدہ آثار نظر آتے، عالیشان، بلند، مستحکم اور خوشنما عمارتیں چاروں طرف نظر آتیں۔ سنگ مرمر کے محل، خوب صورت باغ، خوشنما فوارے، عالیشان مسجدیں، نہریں اور پل ایسی تھیں، کہ جن کے سامنے فرانس اور جرمن کے شاہی محل اصطبل کے برابر تھے۔ محلات شاہی میں سے ایک جھاڑ لیا تھا جس میں ایک ہزار دو سو چار شمعیں روشن ہوتی تھیں، امیر عبدالرحمن سوم نے

ایک برج بنایا تھا جس میں ایک ایسا مکان تھا جو بارہ ستونوں پر قائم تھا۔ امیر عبدالرحمٰن سوم نے ہنر کو بہت ترقی دی، چین سے کاریگر بلائے، جو کہ ریشم اور سوتی کام مسلمانوں کو سکھاتے تھے، اور ہر ایک قسم کے صناع وہاں موجود تھے۔ ریشم اور حریر کے کارخانے اتنی کثرت سے تھے، کہ صرف قرطبہ میں ایک لاکھ تیس ہزار اس کے بنانے والے تھے۔ المیریا کے ریشمی کپڑے اور قالین آج تک یورپ میں مشہور ہیں۔ مٹی کے برتنوں پر سونے اور چاندی کا چمکدار رنگ میجورکا کے جزیرہ میں مسلمان ہی کیا کرتے تھے۔ جس پر سے اٹلی کے گلی برتنوں کا نام میجولیکا پڑ گیا ہے۔ المیریا میں شیشے اور پیتل اور لوہے کے ظروف ایسے خوشنما بنتے تھے جو سجاوٹ اور مکانوں کی آرائش میں کام میں لائے جاتے تھے، اب تک بھی ان کے نازک نقش و نگار کے عمدہ نمونے موجود ہیں، جن پر قرطبہ کے دربار کے بڑے بڑے مسلمان امیروں کے نام کندہ ہیں۔ زیوروں کی تیاری میں نہایت نزاکت اور خوبصورتی اور ہنر برتا جاتا تھا، جیرونا کے کیتھیڈرل کی قربان گاہ میں اب تک ایک عجیب یادگار اُس زمانہ کا محفوظ ہے، یعنی چاندی کا ایک ڈبہ جس پر سنہرا کام اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور خلیفہ حکم کے حق میں دعائیں کندہ کی ہوئی ہیں۔ اسی محقق مورخ نے جن چیزوں کا تفصیلی بیان کیا ہے اُن سب کو چھوڑ کر اُس کا یہ فقرہ میں آپ کو سناتا ہوں، وہ لکھتا ہے کہ "صنعت وحرفت، علم و ہنر اور عموماً سب قسم کی سویلیزیشن" میں قرطبہ مسلمانوں کے زمانہ میں دنیا کا سب سے زیادہ چمکدار ستارہ تھا" ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے، کہ علوم وفنون کی ترقی نے وہاں مذہبی تعصب کو اتنا دبا دیا تھا کہ اس زمانہ میں اُس پر یقین نہیں ہو سکتا۔ عیسائی یہودی اور مسلمان ایک ہی قسم کے خیالات رکھتے، ایک ہی زبان بولتے، ایک ہی راگ گاتے، ایک ہی طرح کے شعر وسخن سے اپنا دل خوش کرتے۔ ایسی دوستی، ایسا اتحاد اور علم کا ایسا شوق ہرگز نہ ہوتا، اگر مسلمانوں کے مذہبی تعصب کی نسبت جو عام رائے دیکھاتی ہے وہ صحیح ہوتی۔ اسپین کے شمال میں مسلمانوں کے علوم وفنون کی شہرت پھیلی ہوئی تھی، اور وہاں شوق سے عربی کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔ فرانس وجرمن اور انگلستان کے لوگوں کو مسلمانوں ہی کے سبب سے سواری کا شوق پیدا ہوا، اور وہ عرب کے گھوڑوں کے شائق ہوئے، اس زمانہ سے پہلے یورپ میں گھوڑوں کا استعمال کم تھا، ان ملکوں میں شکار کا شوق بھی مسلمانوں سے پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں یورپ کے عالم و شاعر جب تک چند عرصہ کے لئے قرطبہ کی سیر نہ کر لیتے، وہ مسلم الثبوت عالم یا شاعر نہ ٹھیرتے۔ ڈاکٹر جانسن کو اگرچہ انگریزی کے اول لغت لکھنے کی عزت حاصل ہے، مگر مسلمان مصنف لغت کے بہت پہلے اُس سے ہو چکے ہیں۔ اُن کی ایک لغت کی کتاب ساٹھ جلدوں میں ہے، جس کے ہر لفظ کے معنی اور محاورے، علما اور شعرا کے فقرات اور اشعار کی سند سے بیان کئے گئے ہیں۔ عربی میں پوری انسائیکلوپیڈیا بھی موجود تھی، جو ابو حسن بن عبداللہ نے سائنٹفک ڈکشنری آف سائنسز بھی لکھی تھی۔ مسلمان شاعری کے موجد تھے انہوں نے نظم کی بحریں ایجاد کیں، اس کا اثر عیسائیوں پر بھی ہوا، جو کہ اس زمانہ کے ادیبوں سے

مذہبی اشعار کے بجائے دلچسپ غزلیں اور عشقیہ کہانیاں نظم میں لکھنے لگے، فرانس اور اٹلی اور سسلی میں شاعری کا شوق مسلمانوں ہی کے سبب سے پیدا ہوا، مورخین تو مسلمانوں میں اس کثرت سے ہوئے ہیں، جس کثرت سے کہ شاعر، تاریخ کے ساتھ ہی اسٹیٹسٹکس (Statistics) بھی جاری تھی (مردم شماری اور آمدنی و خرچ کی تفصیل، تجارت کا حال اور اسی قسم کی چیزیں کتابوں میں درج کی جاتی تھیں)۔ اس زمانہ میں مسافر و سیاح بھی بہت نظر آتے تھے، جو کہ صرف علم کی ترقی دینے کے لئے مختلف ملکوں کی سیر کرتے پھرتے تھے، اور اُن ملکوں کے حالات قلمبند کرتے، اور سفرنامے لکھتے، اکثر یورپ سے لوگ آتے، اور مسلمانی مدرسوں سے علم حاصل کرتے۔ جربٹ نامی ایک شخص قرطبہ سے علوم سیکھ کر جب اپنے ملک کو واپس گیا تو اُس نے فرانس کے کنارے ایک اپنا مدرسہ قایم کیا۔ ڈراپر صاحب لکھتے ہیں کہ آج کل کے یورپ کے عالم اور حکیم اور ہیئت دان چاہتے ہیں کہ اپنی بزرگی قایم کریں، اور اصلی عالموں کو اندھیرے میں چھوڑ دیں، لیکن اُن کی کوشش انصاف کی نظر میں بالکل حقیر ہوتی ہے۔ یورپ کے عیسائی عالموں کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اُن کے علم کی بنیاد اُن عربوں نے ڈالی جن کو وہ وحشی اور نامہذب کہتے ہیں، عربوں نے اپنا نام آسمان کے ستاروں پر لکھ رکھا ہے، یعنی آج کل کے ہیئت دانوں کو اکثر عربی نام استعمال کرنا پڑتے ہیں، انہوں نے علوم ہی کی طرف توجہ نہیں کی، بلکہ وہ روزمرہ کی زندگی کے لئے کارآمد چیزوں پر بھی بہت کچھ متوجہ ہوئے، انہوں نے زراعت کو بہت بڑھایا، زراعت کے لئے قانون مقرر کئے، جانوروں کی نسل بڑھائی، گھوڑوں اور بھیڑوں میں ترقی دینے کے ذریعے پیدا کئے، چاول، نیشکر، روئی کا استعمال انہیں لوگوں نے ہم کو سکھایا، باغ کے میووں کا اُن کا استعمال، اُن کی ترقی، ہم نے انہیں لوگوں سے سیکھی، ریشم کی پیداوار کی، اور اس سے عمدہ کپڑا بننے کی ترکیب ہم کو پیشتر معلوم ہی نہ تھی، انہیں کی بدولت ہم کو اس کا علم ہوا، انہوں نے بارود اور بندوق بھی ایجاد کی، جو بندوق وہ استعمال کرتے تھے، ڈھلے ہوئے لوہے کی ہوتی تھی۔ تجارت کی اُن کے زمانہ میں اتنی ترقی تھی کہ صرف عبدالرحمٰن سوم کے خزانہ میں ۵۵ لاکھ درم کی آمد تھی، اتنی بڑی رقم اُس زمانہ میں کبھی زراعت یا رعایا سے بظلم وصول نہ ہو سکتی تھی، صرف اسپین کی آمدنی اُس زمانہ کے تمام عیسائی بادشاہوں کی آمدنی سے زیادہ تھی۔ آج کل کے مصنف، عربوں کی تعلیم میں بہت غلطیاں نکالتے ہیں، لیکن اُن کو خیال رکھنا چاہئے، کہ کسی قوم کی علمی ترقی اُس زمانہ کے حالات اور دیگر قوموں کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے، کیا عجب ہے کہ ہمارے بعد ہمارے علوم میں جن کو ہم کامل سمجھتے ہیں، ہزاروں غلطیاں نکلیں۔ جس طرح کہ اہرام مصر کے دیکھنے سے اُس زمانہ کے ہنر کا اندازہ ہو سکتا ہے، ہم عربوں کی کتابوں اور عمارات کے دیکھنے سے ان کے علوم و فنون اور صنعت کا اندازہ کر سکتے ہیں، افسوس ہے کہ اُن کی تصنیفیں اور اُن کی بنائی ہوئی چیزیں بہت کم موجود ہیں، کچھ تو زمانے کے انقلاب نے اُن کو ضائع کر دیا اور زیادہ حصہ اُن کا عیسائیوں کی حسد کے نذر ہو گیا، جس کو

اُنھوں نے اس لئے ضائع کر دیا، کہ آیندہ اُن کی وحشیانہ حالت ظاہر نہ ہو۔ اس پر بھی اب تک انکی تصنیفات اُن کی موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل علوم کے دقیق اور نازک مسائل کی تحقیق اور حل کرنے میں اُنھوں نے اپنی دماغی قوت ظاہر کی ⁂

مسلمانوں کے ملکی انتظام کی نسبت یہ بات دیکھنے کے لائق ہے کہ اُنھوں نے اسپین کو کس حالت میں پایا تھا اور آٹھ سو برس کی سلطنت اور حکومت کے بعد، اُنھوں نے اُسے کس حالت میں چھوڑا۔ ایک یورپین مورخ لکھتا ہے، جس وقت مسلمان اسپین کی سرحد پر پہنچے، اسپین کی حالت یہ تھی، کہ ایک مری ہوئی ریاست نے کل زمین کو اپنے آپ میں تقسیم کر لیا تھا، بڑی بڑی جاگیروں کی کاشت مصیبت زدہ اور مظلوم غلاموں کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ شہر کے باشندے تمام تباہ ہو گئے تھے۔ جب عربی حکومت وہاں قایم ہوئی، اور انتظام ہوا، تو وہاں کی مغلوب قوموں نے اپنے آپ کو پہلے کی نسبت کچھ بُری حالت میں نہ پایا، بلکہ چند روز میں اُن پر ثابت ہو گیا، کہ سلطنت کی تبدیلی نے اُن کو فائدہ ہی پہنچایا، اُن کو اپنے ہی قانون جاری کرنے، اور ججوں کے رکھنے کی اجازت دی گئی، انہیں قوم کے حاکم اُن کے ضلع کے انتظام کے لئے مقرر ہوئے، شہر کے باشندوں کو بجائے اس کے کہ ریاست کے خرچ کا بار اُٹھائیں، ایک خفیف سا محصول فی آدمی دینا پڑا، سب قدیم زمینداروں اور شہر کے رہنے والوں کا قبضہ اپنی ملکیت پر قایم رہا۔ بیشک گرجے اور اُن لوگوں کی زمینیں ضبط کر لی گئیں جو شمال کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گئے تھے، مگر اُن زمینوں کے متعلق جو غلام تھے، وہ وہیں کاشتکاروں کی حیثیت سے اُن زمینوں پر قابض کر دئے گئے، اور وہاں کے نئے مالک اُن سے پیداوار کا صرف ایک معین حصہ جو ایک ثلث سے تین خمس تک ہوتا تھا لیتے رہے، اُن کو وہ حقوق عطا ہوئے، جو درحقیقت اُن کو اپنے گاتھک بادشاہوں کے زمانہ میں بھی حاصل نہ تھے، وہ حق انتقال اراضی کا تھا، کہ رہن، بیع، ہبہ، کرنے کا اختیار اُن کو پورا دیا گیا۔ مذہبی تعصبات کی یا مذہبی تکلیفات کی کبھی انہیں کسی قسم کی شکایت نہ تھی۔ بجائے اس کے کہ اُن پر ظلم کیا جاتا، یا وہ زبردستی مسلمان بنائے جاتے، جیسا کہ گاتھوں نے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا، عربوں نے اپنی مفتوح رعایا کے مذہب کو اُن کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اور مذہبی عبادت، اور مذہبی رسموں کے ادا کرنے میں پوری آزادی بخشی۔ ان انتظاموں سے مفتوح قوم اور عیسائی رعایا کو پورا اطمینان ہوا، اور علانیہ وہ اقرار کرنے لگے، کہ وہ ان مسلمانوں کی حکومت کو فرانک یا گاتھ کی حکومت سے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ الغرض مسلمانی حکومت سے گو سب کو فائدہ پہنچا، مگر درحقیقت اس تغیر سلطنت سے اُن غلاموں کے نصیب کھل گئے جن کے ساتھ کثرت سے وہ لوگ ظالمانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اسپین میں جب کہ غلامی عیسائیوں کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں منتقل ہوئی، تو سب غلام چھوٹے چھوٹے کاشتکار بن گئے، اور جو غلام عیسائیوں کے قبضہ میں تھے، اُن کی آزادی کا آسان راستہ کھل گیا، یعنی کلمہ پڑھنا اُن کو تمام غلامی کی سختیوں سے نجات

دیا، اور شل اور فتح قوم مسلمانوں کے اُن کو آزاد کر دیا۔ اسپین کے سارے زرخیز صوبے، مسلمانوں کی حکومت
مسلمانوں کی محنت، مسلمانوں کے ہنر سے ایسے سرسبز اور شاداب ہو گئے کہ سارا ملک گویا باغ نظر
آتا تھا لہ

لہ اس وقت کے مسلمانوں کی بے تعصبی اور تہذیب اور سلطنت اور انصاف اور فیاضی کا اندازہ، اس حالت سے ہو سکتا ہے
جو اسپین کے مسلمانوں کی حکومت سے نکل جانے کے بعد عیسائی گورنمنٹ اور عیسائیوں کے انتظام سے ہوئی۔ جب
پندرھویں صدی میں عیسائی مسلمانوں پر غالب آگئے، اور مسلمانوں کی حکومت اُن سے باقی رہی، عیسائیوں نے جو سلوک مسلمانوں
سے روا رکھا، اُن کی حکومت میں آنے سے جو ملک کا حال ہوا، وہ بکلس ہسٹری آف سولیزیشن کی جلد دوم سے نقل کر کے میں
آپ کو سناتا ہوں۔ وہ مورخ لکھتا ہے کہ "اسپین کے آخری مسلمان بادشاہ کی تباہی کے بعد یعنی پندرھویں صدی کے اسپین کے
لوگوں نے مفتوحہ قوم یعنی مسلمانوں کو عیسائی کرنا شروع کیا،" ان کا خیال یہ تھا کہ صرف اسی ترکیب سے اس ملک
کی تباہی رک سکتی ہے، اور جب ان مسلمانوں پر پادریوں کا اثر بہت کم ہوا، یا ایسے لوگ جنہوں نے عیسائی ہونے سے انکار
کیا، تو پھر بجائے ترغیب دینے کے ظلم اور دیگر ذرائع سے کام لیا گیا۔ اس ظلم کو انہوں نے انتہا کے درجہ تک پہنچایا، کسی کو
دھمکایا، کسی کو جسمانی سزا دی، کسی کو زندہ جلایا، ۱۵۲۶ء کے بعد کل ملک میں کوئی مسلمان نظر نہ آتا تھا، سب زبردستی سے
عیسائی کیے گئے۔ ۱۵۶۶ء میں فلپ دوم نے ایک خاص احکام شاہی (اُن لوگوں پر جو بیشتر مسلمان تھے اور اب عیسائی
کیے گئے تھے جن کو آئندہ موریسکو کے نام سے منسوب کریں گے) جاری کیا جس میں موریسکو لوگوں کو ایسی حرکت اور کام کرنے
سے ممانعت کی گئی جس سے اپنے قدیم مذہب کی (دین اسلام) بالکل یاد نہ آئے، اُن کو یہ حکم دیا کہ اسپین کی زبان سیکھیں،
عربی کتابیں نہ دیکھیں۔ اور عدول حکمی پر سخت سزا قایم کی، اس کو اس درجہ تک پہنچایا کہ یہ بیچارے اپنی مادری زبان (یعنی
عربی) میں اپنے گھر میں بھی گفتگو کرنے سے منع کیے گئے، اُن کے رسوم و کھیل کود بھی بند کر دیے گئے۔ نہ اُن کو اجازت اُن
تماشوں وغیرہ کے دیکھنے کی تھی اور نہ وہ پوشاک پہننے کی اجازت تھی جو اُن کے آبا و اجداد پہنتے چلے آتے تھے، حتیٰ کہ عورتیں
بھی نقاب ڈالنے سے ممنوع کی گئیں، حمام میں اُن کا نہانا بھی بند کیا گیا، چنانچہ جتنے حمام خانگی مکانوں میں بھی موجود تھے
وہ سب توڑ ڈالے گئے۔ ان سب ظلموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناامید ہو کر موریسکو یعنی مسلمانوں نے آخری کوشش کی اور ۱۵۶۸ء
میں تمام باغی ہو گئے۔ اگرچہ اُن کی تعداد اس قدر کم تھی اور غیر ملک میں ان کے باغی ہو جانے کا جو کچھ نتیجہ ہوا ہر شخص سمجھ
سکتا ہے، لیکن مایوسی نے ان میں زور پیدا کیا، اور ۱۵۷۱ء تک دبائے نہ جا سکے، اس کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تعداد
کم ہو گئی، لیکن چھوٹی چھوٹی بغاوتیں اِدھر اُدھر ہوتی رہیں، ایسی حالت سے جیسے وحشت پیدا ہوتے ہیں اور بھوک بڑھتی
پیدا ہوتی ہے، اسپین میں جہالت پھیلی ہوئی تھی، اس نے ان بیچارے مظلوموں کی پوری تباہی کر دی یعنی اسپین کے
جہاز کا بیڑا جو انگلستان پر بھیجا گیا تھا ۱۵۸۸ء میں تباہ ہو گیا، اور الجیریا کی لڑائی میں شکست ہوئی
اس وقت پادریوں نے بادشاہ اسپین یعنی فلپ دوم کے پاس یہ درخواست کی کہ جب تک اس ملک میں بد عقیدہ
عیسائی یعنی موریسکو لوگ رہیں گے تب تک ملک میں امن اور چین نہ ہوگا اور حکومت و سلطنت کو برکت نہ ہوگی

اگرچہ ہم مسلمانوں نے اسپین میں نہایت ترقی کی، اور ہماری سلطنت اور ہماری تہذیب، ہمارے علوم و فنون سے اُس ملک کو بہت فائدہ پہنچا، مگر افسوس ہے کہ جب مسلمان اس سرزمین سے نکالے گئے، اور ترکوں نے یورپ کے دوسرے حصہ ترکی پر قبضہ کرنے سے اُس کا معاملہ ختم کر دیا، تو وہ دوسرا قریب چار سو برس تک اور اُن کی حکومت سے کوئی ترقی اُس ملک کو نہ ہوئی۔ نہ وہاں ترکوں نے علوم و فنون، تہذیب و شائستگی کی روشنی پھیلائی، نہ اپنے بھائی عربوں کے موافق اُنھوں نے وہاں نام پیدا کیا۔ کوئی بات ہم اُن میں ایسی نہیں پاتے جس کا بیان فخر کے ساتھ ہم کر سکیں۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو حصے ملک کے اُن کے قبضہ سے نکل گئے یا نکلتے جاتے ہیں، کوئی عمدہ یادگار بھی اُن کی گورنمنٹ، اُن کی سوسائٹی کی وہاں پائی جاتی۔ مسلمانوں دوسری سلطنتوں میں بھی علمی اور تمدنی ترقی میں ہم اسپین

اس نحوست کو ملک سے دور کرنا چاہیے۔ اب ظاہر تھا کہ ان باقی ماندہ لوگوں کی وجہ اُس قوم میں سے تھی۔ جس نے اُس ملک پر حکومت کی تھی، زندگی کے دن ختم ہو چکے تھے۔ پادریوں کی مختلف پارٹیوں نے بہت سی تجویزیں کیں، کسی نے کہا کہ ان کو قتل کرو، کسی نے کہا ان کو جلاوطن کرو۔ آخر ۱۶۰۹ء میں حسب منظوری فلپ سوم مورسکو لوگ جو اسپین کے اُن باشندوں میں سے تھے جو زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کا کام کرتے تھے اور جن کی تعداد قریب دس لاکھ کے تھی، مثل جنگلی جانوروں کے شکار کیے گئے، کچھ قتل کیے گئے، کچھ لوٹے گئے، باقی ماندہ افریقہ کو بھاگ گئے، جہاز پر حملہ ہوا، ہزاروں ذبح کیے گئے۔ عورتوں پر ظلم ہوا، بچے شیر خوار جنگیاہ سمندر میں ڈبا دیے گئے، جو بچے وہ ساحل بربر کو بھاگے، وہاں بھی قتل ہوئے، جو صحرا کو گئے وہ بھوکوں مر گئے، اور بے انتہا جانیں ضائع ہوئیں۔ اسپینیوں کو پیدا ہوا کیونکہ کوہ پیرنیز سے لے کر جبل الطارق تک ایک ہی لا مذہب نظر آتا تھا۔ اُن کی بڑی اُمیدیں اس امر کی تھیں، مگر وہ پوری نہ ہوئیں کیونکہ کاشتکاری کے سب سے عمدہ طریقے صرف مسلمانوں کو ہی معلوم تھے۔ اور وہی ان کاموں کو دیا کرتے تھے، چاول، شکر، روئی، ریشم اور دیگر اسباب سب یہی لوگ پیدا کیا کرتے تھے۔ بنگالی نقاشی اور دیگر فن انھیں لوگوں میں تھے، ان لوگوں کے اسپین سے نکال دینے کے بعد کوئی قوم ملک اسپین میں ایسی باقی نہ رہی جو ان کے بجائے ان ضروری کاموں کو انجام دیتی۔ زراعت و صنعت کو بڑا نقصان ہوا کیونکہ اسپین کے لوگ سوائے جنگ اور مذہب کے اور سب پیشوں کو حقارت سے دیکھتے تھے، یا اتنا کہ نے دنیا کی بے دینی جانا یہ تو البتہ عزت سمجھا جاتا تھا، باقی سب پیشے سب کام ذلیل خیال کرتے تھے۔ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے نکال دینے کے بعد پادریوں کی وہ امیدیں سرسبزی کی بر آئیں تمام ملک برباد ہو گیا۔ اسپین کے لوگوں نے اعادہ یا ترمیم سے خیال پوپ یا چارلس دوم کے وقت کی تاریخ نہیں لکھی، لیکن مختصر ذرائع سے معلوم ہوا کہ اسپین کی حالت تباہی پر تھی۔ میڈرڈ کی آبادی سترھویں صدی کے شروع میں چار لاکھ تھی اور اٹھارھویں صدی کے شروع میں دو لاکھ سے کم ہو گئی۔ سویل جو اسپین کا سب سے بڑا شہر تھا سولھویں صدی میں ... کے قریب باشندے تھے سے ایک لاکھ تیس ... دمی یا اس سے ...

[illegible]

سے ساتھ ذکر نہیں کر سکتے ۔ بغداد و مصر وغیرہ کی ابتدائی ترقی کو چھوڑ کر اگر دیکھا جاوے ، تو کسی دوسری سلطنت میں مسلمانوں کی ایسی ترقی نہ ہوئی جو اسپین میں ہوئی تھی ، اور اگر کسی حصہ ملک میں کسی بادشاہ کی توجہ سے کچھ ترقی ہوئی بھی ، وہ تو محدود اور مخصوص تھی ، اُس کا اثر پبلک پر جیسا کہ چاہیئے نہ ہوا ، اور نہ بڑے لمبے زمانہ تک وہ ترقی قایم رہی - ہندوستان ہی کو لیجئے ، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ سے محمد شاہ کے وقت تک ہم مسلمانوں نے کیا کیا ، باوجودیکہ پہلے سے اس ملک کی حالت ہمارے آنے سے بہت درست ہوگئی ، اور تہذیب وشایستگی نے ترقی پائی ، مگر سوائے اکبر کے زمانہ کے جس کا اثر شاہ جہاں کے وقت تک رہا ، علمی یا تمدنی ترقی ، جس کا ہم فخر کے ساتھ ذکر کر سکیں ، پائی نہیں جاتی ، اور جو کچھ ترقی اُس زمانہ میں ہوئی تھی ، اس کا بھی اندرونی فسادات اور مذہبی تعصبات کی وجہ سے جلد خاتمہ ہو گیا ، جس کی بدولت نہ ہماری سلطنت رہی نہ تہذیب ، البتہ ہم مسلمان اپنی قوم کے حال پر مرثیہ پڑھنے کے لئے زندہ اور ابھی موجود ہیں ۔

[illegible]

اور ۱۶۹۴ء میں اس شہر کی آبادی پہلے سے چوتھائی رہ گئی - ٹولیڈو میں سولھویں صدی میں پچاس سے زیادہ اونی کپڑے بنانے کے کارخانے تھے ۱۶۶۵ء میں صرف ۱۳ رہ گئے یہ شہر جو پہلے ریشم کے کام کے لئے مشہور تھا اب اس سے وہ ہنر بالکل جاتا رہا اور چالیس ہزار آدمی جو ان کارخانوں سے پرورش پاتے تھے اب ویران اور تباہ حال ہو گئے - کیسٹل اور دوسرے شہروں میں علے ہذا القیاس یہی حال تھا ، خزانہ سرکاری خالی ہو گیا ، ظلم اور زیادتی سے رعایا کے پاس جو کچھ تھے وہ لوٹے جانے لگے ، چنانچہ اُن کے کپڑے واسباب حتیٰ کہ گھر کی چھت بھی سرکار کے تقاضے کے عوض چھڑا لی جاتی تھی ۔ کاشتکاری موقوف ہوگئی ، لاکھوں آدمی فاقہ سے مر گئے ، اکثر شہروں میں ثلث سے زیادہ گھر برباد اور ویران ہو گئے ، ان مصیبتوں کے سبب سے اسپین کی فوجی طاقت بھی گھٹ گئی ، ہر شعبہ میں تنزل کے آثار نظر آنے لگے ، چنانچہ ۱۶۵۵ء میں جہازوں کا چھوٹا سا بیڑا تیار کرنے کی تجویز ہوئی تھی مگر ملاح وغیرہ کی کافی تعداد نہ ہونے سے ناکامیابی ہوئی ، دریا کے نقشہ جات جو بنائے گئے تھے وہ سب گم ہو گئے ، اور اسپین کے جہازوں کی حالت اس درجہ پہنچی تھی کہ اُن پر کوئی شخص بھروسہ نہ رکھتا تھا - اکثر فوج اپنے جھنڈے چھوڑ کر بھاگ گئی اور جو لوگ وفاداری اور ایمانداری سے رہ گئے تھے اُن کے پہننے کو کپڑا نہ تھا ، تنخواہ تو کچھ ملتی ہی نہ تھی اور فاقہ سے مرتے تھے ۔ سرحدی شہروں میں حفاظت کے لئے لشکر نہ تھا ، قلعے مسمار اور انہدام کی حالت میں تھے ، خزانوں میں سامان نہ رہا - اور جہاز بنانے کا ہنر بھی ہاتھ سے جاتا رہا - لوگ چھوٹے چھوٹے گروہ میں ہو کر خانگی مکانوں کو لوٹتے تھے اور دن کے وقت خون ہوتے تھے ، بادشاہ کے خانگی خزانہ میں اس قدر تنگی تھی کہ وہ اپنے خانگی نوکروں کی تنخواہ بھی نہیں دے سکتے تھے ، اور اُن کا روزانہ خرچ جتنا بھی بشرطیکہ کافی رہتا ایسا نہ جاتا تھا ، روٹی کے واسطے راستہ پر لڑائی نہ ہوتی ہو ، جس دن سے مسلمانوں کے نکالے جانے کے بعد اس ملک کی بری حالت کا اور جو مشکلات میں ہے مشکل سے ہو سکتا ہے وہ ناقابل اختتام نہ ہو سکا ۔

صاحبو! مسلمانوں کی ملکی اور تمدنی اور علمی حالتیں جو آپ نے سنیں، اُن سے تو کسی قدر اُن کی ترقی اور زوال یا تنزل کی کیفیت معلوم ہوئی۔ مگر بڑی بات غور اور توجہ کے لایق ہے، وہ اُن اسباب کا دریافت کرنا ہے، جنہوں نے یہ نتیجے پیدا کئے، غالباً بہت لوگ ترقی اور تنزل کے اسباب کا نام سُن کر متحیر ہوئے، اس لئے کہ دنیاوی حوادث اور قومی یا شخصی عزت و ذلت، اقبال و ادبار کے نتیجے سمجھے جاتے ہیں جس کی تقدیر میں جیسا لکھ گیا، ویسا ہی اُس کا ظہور میں آنا لازمی ہے۔ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ۔ کیسا سبب، اور کہاں کی علت، یہ سچ ہے، مگر صاحبو! دنیا کا نام ہم کو بتلایا گیا ہے، عالم اسباب، اور جس خدا نے اسے بنایا، اور جو اِن حوادث کا پیدا کرنے والا ہے، وہ مانا گیا ہے مسبب الاسباب، اُس نے ایک مستحکم قانون بنا دیا ہے کہ ہر سبب کے لئے کوئی نتیجہ اور ہر نتیجہ کے لئے کوئی سبب ہو۔ جیسا کہ ہم اس قانون کا عمل تمام موجودات اور محسوسات میں دیکھتے ہیں، مثلاً بیج سے درخت، درخت سے پھول، پھول سے پھل ہوا کرتا ہے، نہ ان میں بے ترتیبی ہوتی ہے، نہ قدرت کا قانون ٹوٹتا ہے، ہر چیز ایک معین قاعدے اور منتظم سلسلے سے ہوتی ہے، اسی طرح حوادث روزگار اور انسانی افعال میں بھی قدرت نے ایک ترتیب رکھی ہے، جس سے تمام حوادث گویا سبب اور نتیجے کے ایک غیر متناہی سلسلے ہوا کرتے ہیں۔ کوئی واقع پیدا نہیں ہوتا، جس کے اول اور واقعات نہ گزر گئے ہوں جو اُس کے ہونے کے باعث ہوئے ہوں۔ بلاشبہ قومی عزت اور قومی ذلت خدا کے اختیار میں ہے، اور ہمارا سچا اعتقاد ہے اس پر کہ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ "جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔" مگر اُسی کے ساتھ یہ بھی اعتقاد ہے، کہ وہی خدا جو ملک دیتا ہے اور ملک چھین لیتا ہے، وہی خدا جو عزت بخشتا اور ذلت دیتا ہے، کبھی بے سبب کے ایسا نہیں کرتا۔ خود ہی فرماتا ہے "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ○ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا" "ہم عذاب نہیں دیتے جب تک پیغمبر نہیں بھیجتے اور جب ہم چاہتے ہیں کسی گاؤں کو تباہ کریں تو دولتمندوں کو حکم دیتے ہیں وہ فسق کرتے ہیں پس اُس گاؤں پر حکم پورا ہو جاتا ہے اور ہم اُس کو بالکل تباہ کر دیتے ہیں" سبب اور نتیجے کا سلسلہ ہم نے کسی دہریہ یا ملحد عیسائی یا فلاسفر سے نہیں سیکھا۔ بلکہ ہم کو ہمارے سچے خدا نے اپنے سچے کلام میں اور ہمارے سچے رسول نے اپنے سچے حکم اور سچے قول اور سچے عمل سے اس مسئلہ کو سکھایا ہے، آخرت جو منتہائے مقصود اسلام ہے، وہ خود کیا ہے سلسلہ انہیں اسباب اور نتائج کا "الدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ" کیا ہے متن اسی مضمون کا جس کی جتنی بڑی شرح چاہو کرو، اور جتنے لمبے حاشیے چاہو لکھو۔ امید اور خوف جو وہ بڑے لفظ قرآن مجید میں منتقل کئے گئے ہیں، وہ کیا ہیں؟ اسباب اور مسبب کے سلسلے کے ثبوت کیا خوب فرمایا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ

امید کی تعریف میں "الرجاء هو ارتياح القلب لانتظار ما هو محبوب عنده ۔ ولكن ذلك المحبوب المتوقع لابدّ وان يكون له سبب فان كان انتظاره لاجل حصول اكثر اسبابه فاسم الرجاء عليه صادق ۔ وان كان ذلك انتظارًا مع انخرام اسبابه واضطرابها فاسم الغرور والحمق عليه اصدق من اسم الرجاء" ۔ یعنی امید خوش ہونا ہے دل کا اس چیز کے انتظار میں جو وہ چاہتا ہے لیکن اس متوقع چیز کے ملنے کے اگر اسباب مہیا ہیں تو اس کے ملنے کے انتظار پر امید کا نام صادق ہے لیکن بغیر ہونے ان اسباب کے اس کے انتظار پر حماقت اور غرور کا لفظ زیادہ صادق ہے بہ نسبت امید کے ۔ مثلاً اگر کسی کاشتکار نے اول ایسی زمین منتخب کی ہو جو کاشت کے لائق ہو، اور اس میں عمدہ اور تازہ بیج ڈالا ہو، اور پانی سینچے اور خودرو گھاس کے نکالنے اور دانہ پڑنے کے بعد چڑیوں وغیرہ سے اس کی حفاظت کی ہو، اور تا تیاری فصل کے ہر وقت اس کی خبر رکھتا رہا ہو، ان تمام اسباب کے جمع کرنے اور ان مدارج کے طے کرنے پر جو اس کے اختیاری تھے اگر وہ امید کرے اپنے کھیت سے پیداوار پانے کی، اور بھروسہ کرے خدا پر آفات ارضی و سماوی سے، جو اس کے اختیاری نہیں ہیں، بچانے کا ۔ تو بلاشبہ اس کے انتظار کو ہم امید کہیں گے ۔ مگر جو کوئی زمین ہی تلاش نہ کرے یا زمین اس کی بنجر ہو، جو کھیتی کے قابل نہ ہو، یا وہ بیج نہ ڈالے یا سڑا گلا بیج ڈالے، یا بیج ڈالے جَو کا اور امید کرے گیہوں کی، یا بیج ڈالنے کے بعد اس کی خبرگیری نہ کرے، تو ایسے شخص کے انتظار کو حماقت اور غرور کہنا چاہئے نہ امید ۔ **شعر**

ترجو النجاة ولم تسلك مسالكها
ان السفينة لا تجري على اليبس

تو نجات کی امید رکھتا ہے اور اس کے رستوں پر چلا ہی نہیں کشتی کہیں خشکی پر چلتی ہے ۔

یہ وہ تعریف امید کی اور یہ عمدہ مثال امید کی اور یہ فرق جو امید اور حماقت کی باہم امام صاحب نے بیان فرمایا ہے، گویا سبب اور نتیجے کے سلسلے کی تصویر ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ صرف محسوسات اور موجودات عالم میں ہی پایا نہیں جاتا، بلکہ تمام حوادث دنیاوی اسی سلسلے کے پابند ہیں ۔ اس لئے ہم کو قومی عروج اور زوال کے تاریخی واقعات ہی سے مطلع ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ ان کے اسباب دریافت کرنے لازم ہیں ۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری تاریخیں اس سے خالی، اور ہمارے مورخین اس سے غافل ہیں ۔ اگرچہ یہ افسوس ہم نہیں ہوتے کہ ہمارے یہاں کے ایک عالم علامہ ابن خلدون نے تمدن اور ریاستوں کے تاریخ لکھنے والے کو محتاج اس بات کا قرار دیا ہے، کہ ہر واقعہ کا سبب اور ہر حادثہ کی علت تحقیق کرتا ہو۔ مگر افسوس ہے کہ یہ خیال کتاب ہی میں رہا، اور اس پر ہمارے مورخین نے لحاظ نہ کیا۔ اس واسطے ہم اپنی ترقی اور تنزل کے اسباب تلاش کرنے میں اپنی طبیعت یا غیر قوموں کی رائے سے مدد لینی ہوتی

اور اسی واسطے وہ اسباب جو قومی تنزل کے میں بیان کرتا ہوں، منجملہ اختلافی مسائل کے رہینگے۔

اسباب تنزل

صاحبو! جب ہم دنیا کی اور قوموں اور اپنی قوم پر نظر کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو سلسلہ قدرت نے قوموں کی ترقی اور تنزل کا بنا رکھا ہے اُسی کے موافق ہمارا بھی عروج اور زوال ہوا۔ قوموں کا بڑھاؤ اور گھٹاؤ ہمیشہ ایک ہی طور پر ہوا کرتا ہے، محنت اور جفاکشی سلطنت کے آگے آگے چلتی ہے اور اطمینان اور عیش کے پیچھے پیچھے رہتے ہیں۔ جفاکش سپاہی سلطنت اور دولت حاصل کرتے ہیں۔ سلطنت اور دولت اول مہذب اور تربیت یافتہ بناتی، پھر عیش اور نفسانی لذتوں میں اُن کو مبتلا کر دیتی ہے۔ جس سے بادشاہ اور امیر آرام طلب، سست، کاہل، اور بزدل ہو کر سلطنت، امارت، حکومت سب کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ سلطنت اور دولت کے ساتھ علم و تہذیب یا تمدن و شائستگی، بلکہ قوم بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ ہم مسلمانوں کا بھی حال ہوا کہ اول تو اُن میں ایک جوش پیدا ہوا، جس سے وہ شرق سے غرب تک پھیل گئے، دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر قابض ہوئے، بڑی وسیع سلطنت قائم کی، علوم و فنون سیکھے، تہذیب و شائستگی پھیلائی، عیش و عشرت اور ثروت کی کوئی حد نہ رہی، پھر آرام طلب ہوئے، دماغوں میں سستی، مزاجوں میں کاہلی آئی، جس سے خلافت اور سلطنت کھو بیٹھے، علم و تہذیب سے بے نصیب ہو گئے، یعنی جن درجوں کو طے کرتے ہوئے اوپر چڑھے تھے، اُنہیں زینوں سے اُترتے ہوئے نیچے آ گئے۔

ہماری ترقی کا پہلا زینہ تھا مذہبی جوش، اور عربی حمیت، اور عربی عصبیت۔ تین صدیوں میں ہم نے ان زینوں کو طے کیا تھا اور تیسری میں ہم اپنے عروج، اور ترقی کے انتہا درجے کو پہنچ گئے۔ وہاں پہنچکر ہم ٹھیر گئے، اور ملکی اور مذہبی ترقیاں ختم ہو گئیں۔ بقول ایک یورپین مورخ کے وہ خیالات اور اسباب جو اسلام اور اُن ملکی قوتوں اور خاندانوں کے مخصوص تھے، جن میں اسلام کی ابتدا ہوئی تھی، امتداد زمانہ کی وجہ سے یا تو ضعیف اور کمزور ہو گئے، یا اُن معمولی اغراض میں ضم ہو گئے جن پر عموماً انسانی رویہ اور رفتار کا مدار ہے۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، مسلمان دنیاوی زینت اور عیش کے مطیع ہوتے گئے اور بجائے سپاہی کے آرام طلب امیر بن گئے اور سلطنت کے کاروبار میں دوسرے لوگ دخیل ہوئے اور رفتہ رفتہ خلیفہ اور خلافت دونوں پر حاوی ہو گئے۔ عرب کی وہ خاص اور ممتاز جنگی حیثیت جس کی بدولت وہ مسلمان شاہی خاندانوں کے لشکر اور مذہب اسلام کے پھیلانے کے ذریعے تھے، تیسری صدی میں غارت ہو گئی۔ دنیاوی نعمتوں اور دولت کی لذت سے اُن کا ابتدائی جوش تو جا ہی چکا تھا، اب جب خلفا اپنے لوگوں یعنی عرب کو شک اور بے اعتنائی کی نظر سے دیکھنے لگے، اور اُن کا [illegible] انتظام ہٹ گیا، اور عرب کی

قوت ٹوٹ گئی، اور وہ اپنی بدویت پر رجوع کر گئے اور غیر قوم کے اُبھرتی سپاہی، اور غلام اُن کے جانشین ہو گئے، اُس وقت سے اُن کا نشان پولیٹیکل جماعت میں خودمختار قوت کی حیثیت سے کہیں پایا نہیں جاتا۔ عربوں کی قوت ٹوٹ جانے سے خلافت کو بڑا صدمہ پہنچا، اور آخر کار قریشی خاندانوں کی خلافت کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ تھوڑے دنوں میں نہ عربی فوج رہی نہ عربی حکومت، نہ عربی خلافت کا پتہ رہا۔ نہ عباسیوں کا نشان، ٭

اگرچہ چند صدیوں تک اُس کے بعد مسلمانی سلطنت قائم رہی، اور بعض حصوں میں نئی قوموں نے کبھی کبھی اسلام کا جوش بھی ظاہر کیا، مگر وہ ایسا محدود اور مختلف رہا، کہ اُس کا اسلامی حکومت پر تمام دنیا کے یکساں اثر نہ پڑا، اور نہ کوئی ایک مسلسل زمانہ جھگڑے اور انقلاب، اندرونی فساد، خونریزیوں اور سازشوں سے پاک، کسی اسلامی سلطنت پر گزرنے پایا ان ہی اسباب سے تنزل ہوا جس کی تفصیل یہ ہے ٭

پہلا سبب

خلافت کا جمہوری سے شخصی سلطنت ہو جانا اور خلفا اور سلاطین کا خودمختار ہونا اور شریعت کے احکام کا پابند نہ ہونا

شروع میں اسلامی خلافت کی صورت جمہوری سلطنت کی سی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت گویا ایک ایسا گروہ تھا جن کے مقاصد اور اغراض ایک تھے، اور جن کی حریت اور آزادی کا کوئی مزاحم نہ تھا خلیفہ شریعت کے احکام کا تابع، مسلمانوں کے حقوق کا محافظ، اور اُن کی آزادی کا حامی، اور بیت المال کا امین ہوتا، شرعی احکام اس پر ویسے ہی نافذ ہو سکتے جیسے کہ عام رعایا پر، حقوق العباد کی حفاظت اُس پر ویسے ہی واجب ہوتی جیسے کہ حقوق اللہ کی کیسی صحیح تعریف کی ہے خلافت کی جس نے کی ہے کہ هِيَ الرِّيَاسَةُ الْعَامَّةُ فِي التَّصَدِّي لِإِقَامَةِ الدِّينِ بِإِحْيَاءِ الْعُلُومِ الدِّينِيَّةِ وَإِقَامَةِ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَالْقِيَامِ بِالْجِهَادِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ مِنْ تَرْتِيبِ الْجُيُوشِ وَالْفَرْضِ لِلْمُقَاتِلَةِ وَإِعْطَائِهِمْ مِنَ الْفَيْءِ وَالْقِيَامِ بِالْقَضَاءِ وَإِقَامَةِ الْحُدُودِ وَدَفْعِ الْمَظَالِمِ وَالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ نِيَابَةً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "خلافت ریاست عامہ کو کہتے ہیں جس کا منصب دین کو قائم کرنا ہو، علوم دینیہ کو زندہ کرنے سے اور ارکان اسلام کے قائم کرنے سے اور جہاد کی مستعدی سے اور جو کچھ اُس سے متعلق ہے مثلاً فوجوں کی ترتیب۔ لڑنے والوں کے روزینے، غنیمت کی تقسیم۔ عدالت کا قیام۔ حدود

کی اقامت۔ جرایم کا روکنا۔ اچھی باتوں کا حکم۔ بُری باتوں کی روک۔ اور یہ سب باتیں بحیثیت جانشینی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ہوں"۔ مگر خلافت کی یہ تعریف صرف خلفاے راشدین پر صادق رہی جنھوں نے نہ کبھی خود مختاری کا خیال کیا، نہ کبھی معصومیت اور خطا سے پاک ہونے کا دعوے۔ وہ بلاشبہ ان فرائض کے پابند اور ان شرائط کے جامع تھے، پڑھو وہ خطبہ حضرت صدیق اکبرؓ کا جو جنھوں نے اپنی خلافت کی شروع فرمایا تھا، کہ "اے مسلمانو میں ایسا ہی آدمی ہوں جیسے کہ تم ہو، نہ خطاؤں سے معصوم ہوں نہ غلطیوں سے محفوظ، نہ تم سب سے بہتر اور اچھا ہوں اس لئے تم میری خبرداری رکھنا، جو باتیں میری خدا اور اُس کے رسول کے احکام کے موافق ہوں اُن میں میری متابعت کرنا، اور جس میں مجھے لغزش کرتے ہوئے دیکھنا مجھے سنبھال لینا"۔ افسوس کہ تیس برس سے زیادہ یہ اسلامی خلافت نہ چلی نہ خلفاے راشدین کے بعد جو خلیفہ ہوئے وہ ان فرائض کے پابند رہے مثلاً عضو شل کی پیشین گوئی صادق آئی، اور خلافت خود مختار سلطنت اور ڈسپاٹک گورنمنٹ ہو گئی، سلاطین اور بادشاہ آزاد ہو گئے اور لذات نفسانی میں منہمک، نہ اُن کو قوم کا ڈر رہا نہ شرع کا، نہ اُنھوں نے مذہب کا خیال رکھا، نہ انصاف کا۔ ایک خلیفہ تھے حضرت علیؓ کہ اپنے بھائی عقیل کو ایک درم حصہ معینہ سے زیادہ نہ دیا اور ایک خلیفہ وہ تھے کہ رکاب سے پانوں نکالنے کے اول ایک صوبہ کی آمدنی خوشامد کرنے والوں کو بخش دی۔ ایک خلیفہ تھے حضرت عمرؓ کہ جب اُن کے پاس روم کا سفیر آیا تو زمین پر فرش تک نہ تھا۔ اور ایک تھے خلیفہ مقتدر باللہ جن کی جلو میں سات ہزار خواجہ سرا، اور جن کی ڈیوڑھی پر سات ہزار دربان، اور جن کے محل میں ۳۸ ہزار شجر زربفت کے پردے پڑے تھے۔ اگر خلافت کا ابتدائی اصول قایم رہتا اور خود مختاری سلطنت کی بنیاد اسلام میں جلد نہ پڑ جاتی، تو یقیناً مسلمانی گورنمنٹ دنیا کی مہذب ترین گورنمنٹوں میں سے ہوتی، اور بے شک آج تک دنیا میں قایم رہتی۔ خود مختاری نے اسلامی سلطنت کو بہت نقصان پہنچایا اور بادشاہوں کی مطلق العنانی نے سلطنت کو بہت جلد تباہ کیا۔

تیس برس کا زمانہ چھوڑ کر اگر اسلامی خلافت اور مسلمانی سلطنت پر عام نظر ڈالی جائے، تو اس خود مختار سلطنت کی مختلف حالتیں اور متناقض کیفیتیں نظر آئینگی، کسی خلیفہ کو آپ نہایت سفاک، بے رحم، اور ظالم پائینگے، جو مقتولوں کی لاشوں پر خوان نعمت بچھائے ہوئے خوشی سے کھانا کھا رہا ہے، مظلوم، بیگناہ یتیموں اور بیواؤں کی آہ و زاری کی دردناک صداؤں میں خوش الحان مطربوں کے گانے سُن رہا ہے، کسی ظل اللہ کو آپ دیکھینگے، کہ معدلت کی کرسی پر بیٹھا ہوا انصاف کر رہا ہے، عدل کی ترازو ہاتھ میں ہے بیواؤں اور یتیموں کی فریاد کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ عمری صولت، فاروقی ہیبت چہرے سے عیاں ہے، متقی و زاہد، علما و فقہا کا بازار گرم ہے، بکری اور شیر گویا ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں، پھر کسی زمانہ میں آپ سلطان وقت کو علم و ہنر کا شایق پائینگے، جس کی توجہ سے علم و کمال کی شعاعیں ملک میں پھیل رہی ہیں، علوم و فنون کے دریا بہہ رہے ہیں، مدرسے اور کالج بن رہے ہیں [illegible]

اور حکما جمع ہیں، اہل فن اور اہل کمال سے دربار بھرا ہوا ہے، بادشاہ اُن کے حلقہ میں بیٹھا ہوا علمی مباحثے کر رہا ہے۔ اُسی کے بعد آپ ایسا جاہل بادشاہ دیکھینگے جس کے تعصب اور جہالت سے ملک تاریک ہو رہا ہے، مدرسے ویران، خانقاہیں اُجڑی پڑی ہیں، علما ذلیل، اہل کمال خوار ہیں۔ غرضکہ کسی ایک صدی اور کسی ایک ملک اور کسی ایک خاندان میں بھی یکساں حالت بُری یا اچھی آپ کو نظر نہ آوےگی، بلکہ ملک کی حالت بادشاہ وقت کے خیال کے مطابق ہمیشہ بدلتی ہوئی دکھائی دیگی۔ حقیقت میں خودمختاری اور کسی اصول کی پابندی نہ ہونے سے اسلامی زمین ہزاروں رنگ بدلتی رہی، اور مختلف اور متناقض حالتیں بادشاہوں کی طبیعت اور مزاج اور حالت کے مطابق پیدا ہوتی رہیں۔ اگر سلطان وقت عیش و عشرت پر جھکا، مغنی و مطرب کا ہجوم ہوا، ساقی و ندیم جمع ہوئے، صراحی و جام کے دور چلنے لگے، قلقل مینا کی صدائیں بربط و عود کے ترانے، آسمان تک پہنچے، اِندر کا اکھاڑہ زمین پر اُتر آیا، نمرود کی بہشت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اگر خلیفۃ اللہ فی الارض اللہ کی طبیعت تورع اور پرہیزگاری پر جھکی، قاضی کے فتوے محتسب کے دُرّے جاری ہوئے، ملحد دار پر، بیدین صلیب پر چڑھے، خُم ٹوٹے، ساقی شہر بدر ہوئے، بربط و ارغنوں جلائے گئے، میخانے ویران، خرابات خراب ہوئے، زاہدوں کی بن آئی، پیر مغاں کی مٹی خراب ہوئی۔ غرضکہ جس طرف بادشاہ کی طبیعت آئی، سارے ملک میں اُسی کا اثر نظر آنے لگا، اور جدھر بادشاہ کا خیال آیا اُسی طرف ساری رعایا جھک پڑی۔ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ اس خودمختاری اور سلطنت کی تغیر پذیر حالت نے ہمیشہ اسلامی زمین پر اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا کی کیفیت طاری رکھی اور سلطنت کو کبھی کسی مستحکم اصول پر قایم نہ ہونے دیا، نہ کسی ایک حالت کو کبھی قیام ہوا۔ اس پر جانشینی کے مستقر اصول کے نہ ہونے اور جانشینوں کے باہمی جھگڑوں اور دربار کی سازشوں اور فرقہ بندیوں نے کبھی دُنیا کو چین نہ لینے دیا، نہ کسی ملک یا کسی زمانہ میں ایک پوری صدی اطمینان سے گزرنے پائی۔ نہ کوئی قوت بادشاہوں کی خودمختاری کی روکنے والی باقی رہی نہ اُن کی فضول اور اسراف کی مزاحمت اور روک کسی قانون یا قاعدہ سے ہو سکی۔ خودمختاری نے اُن کو دولت اور شاہی خزانوں کے بیدریغ خرچ کرنے پر آمادہ کیا، اور دولت و ثروت نے اُن کو دنیاوی لذتوں کا شیدا، اور اسراف اور فضولی نے عیاشی اور آرام طلبی کا عادی کر دیا، کیا خوب کہا ہے ایک مورخ نے مسلمان بادشاہوں کی نسبت، کہ بجائے اس کے کہ بلند ہمتی سے روحانی خوشیاں حاصل کرتے، اور اعلیٰ درجے کے خیالات پیدا کرتے، وہ اپنے شوق اور دولت کو بیہودہ شان و شوکت و عیش و عشرت میں صرف کرنے لگے۔ بہادروں اور شجاعوں کے انعام عورتوں اور خواجہ سراؤں کو ملنے لگے، سپاہیوں اور بہادروں کے عوض شاہی لشکر میں حور و غلمان کی بھرتی ہونے لگی، ایسے خلیفوں اور ایسے بادشاہوں کی رعایا کا مزاج بھی ویسا ہی ہو گیا، اُن کا مذہبی جوش اور دلی ولولہ دولت کی افراط سے سرد پڑ گیا، اور برخلاف اپنے بزرگوں کی محنت کے کاموں میں دولت کی خواہاں، اور علم کی طلب

میں نیکنامی کے طالب اور دنیا کی اُمور میں آرام اور عیش کے جویا ہو گئے ایسی صورت میں سلمانی سلطنت کے قیام اور اُس کے استحکام کی کیا توقع ہو سکتی تھی اور وہ کونسے ایسے مستحکم اور عمدہ اصول پر مبنی تھی جو حوادث زمانہ کے صدموں سے محفوظ رہتی۔ اُس کا ان انقلابوں میں محفوظ رہنا اور باوجود ایسی حالتوں کے اتنے دنوں تک برقرار رہنا ہی باعث تعجب ہے نہ اُس کا زوال۔ نو سو برس سے یہ عمارت ہل رہی تھی مگر اب اُسے یورپ کے سیلاب نے بالکل تباہ کر دیا، اور اُس کی علمی اور تمدنی قوت نے اُس کے ٹکڑے کر دئیے، اس سے پیشتر چونکہ انقلاب اسلامی حدود کے اندر محدود رہتا اور ایک اسلامی خاندان کے بجائے دوسرا کوئی مسلمان خاندان تخت سلطنت پر قایم ہو جاتا اس لئے اُس کا اثر ظاہرا اسلام پر نہ پڑا اور عیسائی غیر قوموں کی کمزوری نے اتنے برسوں تک اس کمزور عمارت کو قایم رکھا، اب آخر یورپ کے علمی سیل کے سامنے وہ نہ رہ سکی، اور نہ سوائے چند حجروں کے کوئی عمدہ اور عالیشان اور خوبصورت حصہ اُس کا گرنے سے باقی رہا۔ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَهٗ اور جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کرنی چاہتا ہے۔ تو اُس کی کوئی روک نہیں ٭

دوسرا سبب

اسلام میں اختلاف کا پیدا ہونا اور مسلمانوں کے متفرق فرقے ہو جانا

مسلمانوں میں اختلاف کا پیدا ہونا، اور مسلمانوں کے متفرق فرقے ہو جانا بھی ہمارے زوال کے بڑے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے، اور اُن میں سب سے بڑا اختلاف، مذہبی اختلاف ہے، جس کا بیج ابتدا ہی زمانہ میں پڑا، اور امامت کا جھگڑا اُس کا سبب ہوا۔ اس سے مسلمان جن کی تعریف میں خدا نے فرمایا تھا۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے، اور کافروں کو چھوڑ اپنے آپس میں لڑنے لگے، حقیقت میں اس بغض و عناد کا بیج جو امامت کے اختلافی مسئلہ سے عرب کی زمین اور مسلمانوں کے دلوں میں پڑا، وہ اپنے بڑے بڑے تنے اور زہریلے پھل لایا، اُس نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں، اسلام کی مضبوط بنیاد کو ہلا دیا، غیروں کو حملہ کرنے اور اسلام پر غالب آنے کی جرأت دلائی، باہمی محبت اور اختلاط اور ہمدردی کا نام نہ رکھا، اسی سے مسلمانوں کی باہم سلطنت اور ریاست پر ہی لڑائیاں نہیں ہوئیں بلکہ اُس کا مہلک اثر تہذیب اور ہر خاندان

بلکہ ہر گھر میں ہونے لگا، اور نہایت قوت سے وہ اب تک موجود ہے۔ پھر اختلاف ہی پر نہ ٹھیرا، بلکہ دوسری شکل اور دوسرے رنگ میں جلوہ دکھانے لگا، چھوٹی چھوٹی باتوں اور خفیف سے خفیف مسائل میں اتنا اختلاف ہو گیا، کہ اسلامی جماعت کی صورت ہی کہیں نظر نہیں آتی، اور اختلاف اور جھگڑے کے سوائے اتحاد کا نام و نشان تک کہیں پایا نہیں جاتا۔ ساری اسلامی زمین میں کہیں مجموعی قوت کا سایہ تک نظر نہیں پڑتا۔ چونکہ دین ہی نے اتفاق پیدا کیا تھا، اور یہی وہ بڑی نعمت تھی جو خدا نے ہم کو دی تھی اور یہی وہ بڑا احسان ہے جو ابتدا میں اُس نے ہم پر کیا تھا، جس کا اقتضا خود فرماتا ہے۔ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔ اُن لوگوں کے دلوں میں اُلفت دی۔ اگر تو ساری زمین کی چیزیں خرچ کرتا تو بھی اُن کے دلوں میں اُلفت نہ پیدا کر سکتا۔ لیکن یہ اُلفت اُن میں خدا نے پیدا کی۔ آخر دین ہی کے اختلاف سے اُس کی بنیاد شروع ہوئی، اور یہ نعمت خدا نے ہم سے لے لی، اور ہم کو اختلاف اور جھگڑوں اور فسادوں میں ڈال کر دنیا کا رکھا نہ دین کا۔ ملکوں کو جانے دیجئے، سلطنتوں کا ذکر نہ کیجئے، صوبوں اور شہروں پر خاک ڈالیے، کوئی دو خاندان، دو گھر، بلکہ دو دل مسلمانوں کے ایسے بتا دیجئے کہ اُن میں اتفاق ہو، اور باہم ایک دوسرے سے عداوت اور دشمنی یا رشک حسد نہ رکھتا ہو، اور کیا مذہبی اور کیا دنیاوی، کیا خانگی، کیا خیالی باتوں سے اس کمبخت نفاق اور اختلاف کے سبب دو مسلمان ایک دوسرے کے مخالف نظر نہ آتے ہوں۔ گبن جو ایک بڑا نامی مورخ ہے۔ وہ اپنی تاریخ میں اول زمانہ کے مسلمانوں کی بے نظیر حب الوطنی کی شہادت میں لکھتا ہے کہ جب ہنیولیانوس اور اُس کے فرقہ والوں کی بغاوت عام کی وجہ سے بجزاد قیانوس کے ساحل سے مراجعت کرنے پر مجبور ہوئے تو اُس وقت اُن کے لشکر میں ایک مسلمان قیدی تھا، جس نے خود عقبہ کی جگہ پر مقرر ہونے کی درخواست کی تھی، اور نہایت جانی دشمن اُس کا تھا، باغیوں نے اُس کی ناراضی اور انتقام لینے کے لحاظ سے اُس سے سازش کرنی چاہی، اُس نے نہایت حقارت سے اُن کی درخواستوں کو نامنظور کیا اور اُن کی سازش اور منشاء کو افشا کر دیا۔ سردار نے عین خطرہ کے وقت میں جب کہ اُس کو اپنی جان کا خوف تھا اُس کی بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اُس نے اپنے رقیب کے جھنڈے تلے مرنا پسند کیا، اور دو دوستوں کی طرح جمع ہو کر اُس کے ساتھ شہادت کا قول دیا، دونوں نے اپنی تلواریں میان سے نکالیں، اور اُس وقت تک ڈٹ کر لڑتے رہے کہ اپنے ہوطنوں کے آخری مقتولوں پر ایک دوسرے کے پہلو میں گر گئے۔ کیا حال کے زمانہ میں کوئی مثال اس کی بتا سکیگا، وحقیقت وہ تھے اعضائے یکدیگر، اور ہم لوگ ہیں اعدائے یکدیگر، یعنی ذاتی خواہشوں، ذاتی دعووں کے سبب قوم کا خیال اور اسلام کی پروا۔ کون سی آفت مسلمانوں پر آئی ہے، جس کی بنا خود مسلمانوں کے نفاق پر نہیں ہوتی۔ کون سی ذلت مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوئی ہے جس کی اصلی سبب خود مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہوتا۔ دہلی کی سلطنت اور اسپین کی سلطنت دنیا میں کس نے غارت کی؟

نادر شاہ کو پانی پت سے کس نے لوٹنے نہ دیا، اور کون دہلی میں لایا، اور قتل عام کرایا، ترکوں کو اسی آخری جنگ میں روسیوں کے ہاتھ سے شکست کس نے دلائی، سلیمان کو عثمان پاشا سے کس نے نہ ملنے دیا، حال میں جو کوشش مسلمانوں کی قومی ترقی کے لئے کی جاتی ہے، کون اُسے چلنے نہیں دیتا، اور کون اُس کی بربادی کے سامان جمع کر رہا ہے، اِس گئے گذرے زمانہ میں جو کوششیں ہمارا بہادر سر سید کرتا ہے کون اُس کی ناکامیابی چاہتا ہے، کون اُس کی راہ میں روڑے ڈالتا ہے۔ خود اُسی کے بھائی مسلمان۔ کس لئے وہ یہ کرتے ہیں، صرف اِس اختلاف کی وجہ سے جس کا بیج عموماً مسلمانوں کے دلوں میں پڑا ہوا ہے۔ فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ۔ پس خدا اُن چیزوں کا قیامت میں فیصلہ کریگا جن میں اُن کو اختلاف ہے +

تیسرا سبب

مسلمانوں میں قومی آزادی کا نہ ہونا

یہ بات بھی کچھ کم مسلمانوں کی تباہی کی نہیں ہوئی، کہ کبھی مسلمان ایک قوم نہ ہوئے اور متحد المذہب فرقوں نے بھی اپنے آپ کو کبھی آزاد قوم نہ بنایا، درحقیقت "نیشن" کے لفظ کا اطلاق کسی ملک کے کسی فرقہ کے مسلمانوں پر کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے، اُنہوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کیا، اپنی قومی آزادی کیلئے وہ متحد نہ ہوئے، ورنہ خود مختار بادشاہوں کی غیر محدود اختیارات کی روک تھام ہوتی اور مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے ایک دوسرے کے شریک ہوتے +

ذرا تاریخ ملاحظہ فرمائیے کہ جتنی اندرونی جنگیں ہوئیں، کوئی بھی حقوق اور آزادی کے حاصل کرنے کیلئے ہوئیں جتنی لڑائیاں ہوئیں، وہ یا تو مذہبی تھیں، یا کسی ذاتی یا قومی عداوت کی وجہ سے پیدا ہوتی تھیں، مگر ہر حالت میں نتیجہ واحد تھا، کہ کسی ایک خاندان کے لئے حکومت حاصل کرنے کی غرض سے جنگ ہوتی، اور فاتح نے مفتوح کے ساتھ بحیثیت انتقام ویسا ہی برتاؤ جابرانہ اور ظالمانہ کیا، جو خود اُس کے ساتھ مفتوح نے ایک زمانہ میں کیا تھا۔ کسی صورت میں بھی کہیں یہ بات پائی نہیں جاتی کہ قوم نے ایک دل ہو کر اپنے حقوق اور اپنی آزادیوں کے حاصل کرنے میں کوشش کی ہو۔ اسلامی تاریخ میں کوئی بھی واقعہ اس قسم کا نہیں ہے، جیسا کہ تاریخ Runnymede کے چھوٹے جزیرے یا انگلستان میں پیش آیا تھا۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ انگلستان کی رعایا نے اپنے امراء کی سرپرستی میں اسی مقام پر بادشاہ سے اپنی آزادیوں کے فرمان پر جبر دستخط لئے تھے +

قومی اتحاد جیسا کہ ہم آج کل یورپ میں دیکھتے ہیں ہم لوگوں میں کبھی قایم نہ ہوا - ایک قبیلہ، ایک خاندان چند روز تک حکمراں رہا - اور اُس کے بعد دوسرا اُس کا جانشین ہوگیا - اسپین اور انگستان دونوں کی نوسو برس پیشتر جو حالت تھی، اُس کا مقابلہ کیجئے - اسپین کو پہلے افریقہ کے لوگوں نے فتح کیا، اور بہت بربروں نے، ان میں اگر بہت سے نومسلم خاص وہاں کے رہنے والے شریک ہو گئے، اسی طرح افریقہ سے بھی لوگ وقتہً فوقتہً وہاں آتے رہے اور بستے گئے، مگر ان سب لوگوں میں آپس میں رقابتیں اور نفاق اور مذہبی عداوتیں قایم رہیں - انگلستان میں بھی نوسو برس پیشتر یہی حالت تھی، کہ خاص وہاں کے باشندے اور اینگلس آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اس کے بعد نارمنڈی سے ولیم نے اس جزیرہ پر فوج کشی کر کے فتح کی - مگر دو صدیاں بھی نہ گزریں تھیں کہ یہ سب لوگ خلط ملط ہو کر ایک ایسی قوم بنگئی، جن کے اغراض ایک، خواہشیں ایک، اور آزادی کے خیالات ایک تھے - یہی وہ طریقہ ہے جس کی وجہ سے انگستان کی آج یہ عظمت قایم ہے - وہاں کی رعایا ایک دل ہے؛ مگر غالباً اس سے بھی بہتر مثال مختلف افراد کے اتفاق کی امریکہ میں ملتی ہے - مختلف ملکوں سے جلاوطن ہو کر لوگ یہاں آباد ہوئے ہیں - انگریز (English ، آئرش (Irish) اسکاچ ; Scotch) جرمن (German) ڈچ (Dutch) سوئیس (Swiss) اسٹرین (Austrian) فرنچ (French) سوئیڈ (Swede) اور ڈین (Dane) ہر قوم کے شخص امریکہ میں موجود ہیں، اور اب بھی جاتے ہیں، مگر حالت یہ ہے، کہ امریکہ کی ہوا لگی نہیں، کہ خیال میں اور خواہشوں میں امریکہ کے باشندے بنگئے، گو مذہب مختلف ہوں، مگر یہ قومی خیال واحد ہے - آپس میں مختلف پولیٹکل فرقوں میں گو کتنی ہی تفریق کیوں نہ ہو، مگر جہاں کسی دوسرے ملک کا نام آیا کہ سب کے سب ملکر ایک قوم ہو جاتے ہیں - یہ وہ جوش ہے جو ہماری قوم کے سینہ میں کبھی موجزن نہیں ہُوا - مسلمانوں کی مختلف قوموں میں اگر کوئی خیال عام ہے تو وہ مذہب ہے - اگرچہ یہ سب مسلمان ہیں، اور باوجودیکہ ہزار برس گزر چکے مگر قومیت کے لحاظ سے عرب عرب ہیں، ترک ترک ہیں، تاتاری تاتاری ہیں، ایرانی ایرانی، افغان افغان، اور مُغل مُغل، ایک کو دوسرے کے ساتھ کچھ ہمدردی نہیں ؞

چوتھا سبب

تعلیم اور تہذیب کی ترقی کا سلسلہ برابر جاری نہ رہنا

باوجود اُس بے نظیر اور قابلِ تعریف ترقی کے، جو کہ ہم مسلمانوں نے علم و تہذیب میں کی، ہماری ترقی اضافی اور محدود تھی؛ نہ اُن کا سلسلہ برابر جاری رہا، نہ وہ ایسے عام ہوئے، کہ ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر فرقہ کے مسلمان اُس سے مستفید ہوتے؛ اور نہ وہ ترقی اُس درجہ تک پہنچی کہ جس سے پیچھے ہٹنا اسلامی گروہ کو ناممکن ہوتا؛ اور وہ علمی خیال، اور طبیعت کی آزادی، اور وہ دل کا جوش، اور وہ عام انسانی ہمدردی، اور وہ تحقیق کا شوق، جو کہ خاص خاص زمانے، خاص خاص ملک، خاص خاص فرقوں، میں پیدا ہوا تھا، قومی عادت قومی خصلت، ہو جاتا، اور جس سے اوہام اور وسوسے، جو پھل پھول جہالت کے زہریلے درخت کے ہیں، اسلام کی زمین میں پیدا نہ ہوتے، اور اُس کے وہ بُرے نتیجے جو اسلام کو اُٹھانا پڑے، نہ اُٹھانے پڑتے۔ بلکہ بجائے اس کے ہماری علمی اور تمدنی ترقی محدود رہی۔ اگر کسی زمانہ، کسی ملک، کسی فرقہ، میں کسی خلیفہ، یا بادشاہ کی توجہ اور حمایت سے فلسفہ اور حکمت کا چرچا ہوا، حکیم اور فلسفی جمع ہونے لگے، کتابوں کی تصنیف اور علوم کی ترقی شروع ہوئی، لوگوں کے دلوں میں شوق پیدا ہوا، دماغی قوتوں کو تحریک ہوئی۔ چند دن گزرنے پائے کہ اُس کا جانشین دوسرے خیال کا سلطنت کے تخت پر بیٹھا، اور حضرات فقہا اُس پر غالب آئے، اور اُس کے خیالات بدل گئے۔ پھر کیا تھا وہ ساری کوششیں بند، ترقی مسدود۔ اچھے سے اچھے زمانہ کو اشاعت علوم کے لیجیے اور تاریخ کے صفحے اُلٹنے شروع کیجیے، ایک صفحہ میں نظر آئیگا کہ روم، اسکندریہ اور ایران سے صدہا اونٹ کتابوں سے بھرے ہوئے چلے آ رہے ہیں، ترجمہ ہو رہا ہے، فلسفہ اور حکمت کا بازار گرم ہے، مدرسے بن رہے ہیں، طلبا کا ہجوم ہے، الہیات، طبعیات، منطق، ہیئت، ہندسہ کی تعلیم جاری ہے، فلسفہ کی کتابوں سے کتب خانے بھرے ہوئے ہیں، حکمت کی کتابیں سنہری الماریوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ دوسرا ورق لوٹتے ہی سارا دفتر اُلٹا نظر آئیگا، دوسرا ہی نقشہ دکھائی دیگا، کوئی مفتی یا مُلا صاحب ممبر پر بیٹھے ہوئے فلسفہ کی حرمت کا وعظ کر رہے ہیں، تحصیل حکمت پر کفر و الحاد کے فتوے جاری ہیں، کتابیں جل رہی ہیں، فلسفہ کا دفتر اُلٹ رہا ہے، منطق، طبعیات کی نایاب کتابوں کے ورق پھٹ پھٹ کر ہوا میں اُڑ رہے ہیں، فلسفی شہر سے نکالے جا رہے ہیں، حکیموں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ غرضکہ کب اتنی آزادی ملی، کہ دماغی ترقیوں کا سلسلہ مسلسل برابر جاری رہتا، اور اوہام اور وساوس کی سخت اور مضبوط بیڑیاں [illegible]

اگرچہ اس پر بھی روشن ضمیر عالی دماغ مسلمان جو علم کا ذائقہ چکھ چکے تھے، علم کے قایم رکھنے میں کوشش کرتے رہے، اور اُن غلطیوں کے درست کرنے میں، جو علوم و فنون کی ترقی کی مانع ہوئیں، نہایت ساعی رہے، مگر زیادہ تر وہم کو عقل پر، اور وسوسہ کو غور پر، اور فقہا کو علما پر غلبہ رہا، اور فلسفہ اور حکمت کی ترقی نہ ہونے پائی۔ اس وقت میرے ہاتھ میں ایک رسالہ ہے جس میں اُن کتابوں کے نام لکھے ہیں جو پچھلے زمانہ میں عرب کے مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد، نیشاپور اور دمشق وغیرہ بڑے بڑے اسلامی کالجوں اور مدرسوں میں کس قسم کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُن درسی کتابوں میں فلسفہ کی کتابوں کے نام بہت ہی کم ہیں۔ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں ۳۶ کتابوں کے نام ہیں، اُن میں صرف دو کتابیں منطق اور معقولات کی ہیں وہ بھی معمولی۔ نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں ۱۲ کتابوں کے نام ہیں جو سب مذہبی ہیں۔ اسی طرح ۳۰ مختلف مدارس میں ۳۹ کتابوں کی تفصیل ہے جس میں ایک کتاب بھی درحقیقت وہ نہیں ہے، جس پر فلسفہ اور حکمت کا اطلاق ہو، اور ایک دوسری بڑی ضخیم کتاب لنڈن کی چھپی ہوئی اس وقت میرے پاس موجود ہے، جس کے بہت صفحے ہیں اور اس میں اُن کتابوں کی فہرست ہے جو کہ اب مصر کے ۴۸ مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، اس میں ۱۹۰۰۰ کتابوں کے نام ہیں، ان میں صرف ۴۰۰ کتابیں منطق وغیرہ کی ہیں اور وہ بھی سب معمولی، جن کو ہمارے قطبی اور صدرہ کے پڑھنے والے بھی جانتے ہیں، کوئی کتاب عزیز الوجود اُن میں وہ نہیں ہے جو نامی مسلمان فلسفیوں نے تصنیف کی تھیں اور جن میں سے بعض بعض اب جرمن، لندن اور پیرس کے کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ ہمارے یہاں کی یونیورسٹیوں میں حکمت و فلسفہ کی تعلیم عام طور پر ہوئی اور نہ عموماً لوگوں کو ان علوم کا شوق تھا۔ ان کی تعلیم خانگی طور پر ہوا کرتی اور خاص خاص خاندان یا خاص خاص اشخاص ان علوم سے واقف ہوتے۔ ان علوم کی عام ترقی کچھ تو مذہبی عقاید میں خلل آنے کے خیال سے نہ ہونے پائی اور کچھ اُن کے غیر مفید ہونے سے۔ اس لئے کہ جو علوم ایسے تھے کہ جن کا اثر مذہبی عقاید پر نہیں پہنچتا تھا اور جو مفید بھی تھے وہ تمام اسلامی ملکوں میں پھیل گئے جیسے کہ طب، اس کے بعد حساب اور جبر و مقابلہ، جو علوم مشکل اور دقیق اور نظری تھے، جو ذہن اور عقل کی جلا، اور صفائی کے لئے تو بہت مفید تھے مگر اُن سے کچھ فائدہ نہ تھا، اُن کی عام ترقی نہ ہوئی۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اُس زمانہ میں اشاعت علوم کے سامان ہی ایسے جمع نہ تھے، کہ علوم کی عام ترقی کی امید ہو سکتی، اصلی اشاعت علوم کی تو چھاپے سے ہوئی، یہ سچ ہے کہ ایسی اشاعت جیسے کہ اس زمانہ میں ہے، ہونی نا ممکن تھی، مگر وہ علوم جن کا مسلمانوں کو شوق تھا یا ضرورت، اسی زمانہ میں خوب پھیل گئے، اور بڑی بڑی مبسوط اور موٹی کتابیں فقہ وغیرہ کی ہر کتب خانہ بلکہ ہر معزز مسلمان کے گھر میں نظر آتی تھیں۔ اگر علوم حکمیہ کا بھی ویسا ہی شوق ہوتا، تو بلا شبہ اسی نسبت سے ان علوم کی بھی اشاعت ہوتی۔ ان علوم کی عام ترقی نہ پانے کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ مشکل اور دقیق علوم

کسی زمانہ میں ایسے عام نہیں ہوئے کہ اُن کا اثر عوام پر پہنچے، ہمیشہ خاص فرقوں اور خاص خاندانوں بلکہ خاص شخصوں سے مخصوص رہتے ہیں، یہ خود غلطی ہے کہ اُس کی ترقی کی، فقہ یا تاریخ یا طب کی طرح امید کیجاوے یہ سچ ہے مگر اول تو جس نسبت سے دوسرے دقیق اور مشکل مذہبی علوم پھیلے، اُس نسبت سے ان علوم کی اشاعت نہ ہوئی، دوسرے ہر زمانہ اور ہر وقت میں اُس کی روک ہوتی رہی، اور ہمیشہ یہ خیال رہا کہ عُیُوْنُ النَّشرِعِ قَائِمَۃً عَلٰی ظُهُوْرِهَا مَانِعَةٌ مِنْ اِخْتِيَارِهَا۔ اور عام نہ ہونے سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ یہ توقع کی جاتی کہ ہر مسلمان اُس سے مستفید ہوتا، اور ہر شخص حکیم اور فلسفی ہو جاتا، مگر یہ علوم اگر روکے نہ جاتے اور مفید بھی ہوتے اور جو لوگ علوم حاصل کرنے والے تھے وہ مذہبی اور دینی علوم کی طرح اسے بھی حاصل کرتے اور اُسے اُسی نسبت سے پھیلاتے تو بلاشبہ دماغی قوتوں کی تحریک قایم رہتی، نظر بلند، دماغ عالی، خیال روشن رہتے، تحقیق کا شوق باقی رہتا، اور وہ کیڑا دوسروں کی پیروی کرنے کا جو مسلمانوں کے دماغ کو کھانے لگا نہ لگنے پاتا، مگر جب اُس کی روک، اور شوق کے نہ ہونے سے اُس کی عام ترقی نہ ہوئی، اور ذہنوں کی پستی اور دماغوں کی ضعت نے مذہبی علوم میں تقلید کا خیال پیدا کر دیا، اُس کا اثر عقلی علوم پر بھی پڑا، اور علوم حکمیّہ کی تعلیم بھی تقلیدی طور پر ہونے لگی، اور جیسا جیسا زمانہ گزرتا گیا، رسم اور نام کے سوائے، اُن علوم کی تعلیم سے جو اصلی غرض تھی فوت ہوگئی۔

آپ پچھلی کئی صدیوں پر نظر ڈالئے۔ کیا آپ ایسے عالم بتا سکتے ہیں، کہ جو علوم حکمیّہ کے عالم تھے، مگر اُنھوں نے اپنے متقدمین کی طرح کسی قسم کی ایجاد یا کوئی نئی بات دریافت کی۔ آپ کسی کا نام بتا سکتے ہیں۔ جس نے محمد بن موسیٰ کی طرح جبر و مقابلہ اور علم مثلث میں ترقی کی ہو؛ ابو علی الحسن سا کوئی شخص ہوا ہے جس نے علم مرایا و مناظر میں نہایت باریک اور دقیق تحقیقاتوں سے یورپ کے حکیموں کی سُنہری فہرست میں جگہ پائی ہو؛ ہبت اللہ بغدادی کے مقابلہ میں آپ کسی کا نام لے سکتے ہیں جس نے نور کی رفتار کا اندازہ نکالا، اور اُسے دلائل سے ثابت کیا؛ عبد الرحمن صوفی کا نظیر بتائیے جس نے سیاروں اور ستاروں کی تصویر کھینچنے میں ترقی کی ہو؛ ابو القاسم سا محقق کون ہوا ہے جس نے تجارت کے اصول پر عمدہ کتابیں لکھی ہوں؛ ابو رشد اور ابو طفیل کی مانند ہونا تو ایک طرف، اُن کے نام جاننے والے، اور اُن کی تصنیفات سے فیض اُٹھانے والے کتنے ہوئے ہیں۔ بلد انصاف کیجئے اور فرمائیے کہ باوجود جاری رہنے تعلیم حکمت و فلسفہ کے، اور باوجود سیکھنے علوم معقول کے، اور باوجود کہلانے عالم علوم عقلی کے کیوں مسلمانوں سے ایجاد اور تحقیق کی قوت جاتی رہی، اور کیوں وہ اپنے بزرگوں کی طرح محقق اور موجد نہ ہوئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ تقلید کی عادت نے حکمت و فلسفہ میں بھی اُن کو تحقیق کا شوق نہ دلایا، اور جو استعداد ایجاد اور نئی باتوں کی دریافت کی تھی، اُس سے کام نہ لیا، اور جس طرح دینی مسائل میں اجتہاد چھوڑ دیا، معقولات میں بھی چند کتابوں کے پڑھنے اور چند مسائل کے سیکھنے اور اُسے تنگ اور تاریک دائرہ میں گھومتے رہنے پر قناعت کر لی۔

هكذا ضعف العلم في القرون السابقة فكيف الظن بزمانك هذا وقد انتهى الامر الى ان يظهر الانكار بيتهدف لنسبته الجنون فالاولى ان يشتغل الانسان بنفسه و يسكت يوں ہی اگلے زمانہ میں علم ضعیف ہوا سو آج کل کا کیا ذکر ہے اور اب تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ ان کا ظاہر کرنے والا شخص جنون کی طرف منسوب کیا جاتا ہے پس بہتر یہ ہے کہ انسان اپنا کام کرے اور چُپ رہے۔

پانچواں سبب

غلط مذہبی خیالات

اس سبب کو میں مسلمانوں کے دین اور دنیا، علم و تہذیب، پولیٹیکل اور سوشل، غرضکہ تمام چیزوں کے زوال کا اصلی سبب سمجھتا ہوں، اور سبب بھی ایسا عام کہ جس سے کوئی ملک اور کوئی فرقہ نہیں بچا، اور جو اب تک ہم کو ادبار اور افلاس کے تاریک غار سے اُبھرنے نہیں دیتا۔

جب ہم دنیا کے مختلف حصوں کے مختلف فرقوں کے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں، تو باوجود اُن اختلافات کے جو اُن میں پائے جاتے ہیں، ترقی نہ کرنے میں ہم سب کو متحد و متفق پاتے ہیں، ذرا آنکھ کھول کر دنیا کے چاروں حصوں پر نظر ڈالئے، اور جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، اُن کی حالت دیکھئے، سب کو یکساں پائیے گا، سلطنت اور ریاست اُن کے ہاتھ سے نکل گئی، اور جہاں برائے نام کچھ باقی ہے، اگر مٹ نہیں گئی تو مٹنے کا نقشہ ہو رہا ہے، افلاس اور ادبار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے، دولت اور عزت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، علوم و فنون میں دنیا کی سب قوموں سے اُن کا درجہ گرا ہوا ہے، تہذیب و شائستگی میں مہذب قوموں کی فہرست سے گویا نام خارج ہو رہا ہے، زمانہ کی رفتار کے ساتھ کہیں چلتے ہوئے نظر نہیں آتے، دماغی دوڑ میں دوسری قوموں کے ساتھ دکھائی نہیں دیتے، پھر یہ حالت ایسی عام ہے، کہ جہاں کہیں اور جس حصے کے مسلمانوں پر ڈالو کوئی اس سے خالی نہیں تھا، عجمی ہو یا عربی، ترکی ہو یا مصری، ایرانی ہو یا ہندی اس عام تنزل کا، جو ہم ہر جگہ یکساں پاتے ہیں، سبب بھی عام ہونا چاہئے، وہ سبب کیا ہے مسلمانوں کے مذہبی خیالات کا بگڑ جانا، یا کتاب و سنت کی پاک تعلیم میں جھوٹے توہمات اور وہموں اور انسانی خیالات کا مل جانا کر اصلی حالت پر نہ رہنا۔ یہ بحث اتنی بڑی اور وسیع ہے، کہ اگر آپ کا تھوڑا قیمتی وقت میں اس کی تفصیل سے بیان کرنے، اور آپ کو اس پر متوجہ کرانے کے لئے لوں، تو غالباً آپ معاف فرما دیں گے، اور ذرا دل لگا کر میری بات سنیں گے۔

اول یہ سوچنا چاہیئے کہ اسلام جس زمانہ میں ظاہر ہوا، اُس وقت دنیا میں بہت سے مذہب جو دھرم- آتش پرستوں اور بُت پوجنے والوں کو جانے دو، توریت اور انجیل کے ماننے والے اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی اپنے اپنے مذہب پر قایم تھے۔ ان مذہبوں کے ہوتے ہوئے ضرورت اسلام کی دعوت کیا ہوئی؟ اور کیوں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) بھیجے گئے، اور کیوں آیندہ کے لیئے رسالت اور پیغمبری اُس ذات پر ختم ہوگئی۔ اس کا سبب یہ تھا، کہ اُس زمانہ میں کوئی مذہب اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہا تھا، خدا کی وہ تعلیم جو موسےٰ اور عیسےٰ نے دی تھی، اپنی اصلی حالت پر نہ رہی تھی، مذہبی پیشواؤں اور دنیا کے شریروں اور خود غرض آدمیوں نے رسموں اور وہموں اور خود غرضیوں سے اُسے بگاڑ رکھا تھا، اور مذہب انسان کی ترقی کا مانع، اور مزاحم ہو رہا تھا، روحانی نیکیاں باقی نہ رہی تھیں، تحقیق اور سمجھ بوجھ سے کام لینے کی عادت جاتی رہی تھی، تقلید اور بزرگوں کی باتوں کے ماننے پر دین کا مدار رہ گیا تھا، کوئی جوگی بن رہا تھا، کسی کو رہبانیت کا خبط تھا- غرضکہ ایک عام تاریکی لوگوں کے دلوں پر چھا رہی تھی، اور روحانی تعلیم کا اثر باقی نہ رہا تھا۔ ایسے وقت میں خدا نے اُن خرابیوں کی اصلاح، اور جہالت کی تاریکی دور کرنے کے لئے محمد عربی کو بھیجا؛ تاکہ سچا دین خدا کے بندوں کو سکھایا اور ابراہیمی مذہب جاری کیا جاوے۔ وہ سچا دین اور ابراہیمی مذہب کیا تھا- **اسلام** اور اُس کے کیا معنی خدا نے بتلائے، اور اُس کی کیا تعریف کی "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" خدا کی فطرت جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا، چونکہ وہ مطابق تھا انسانی فطرت کے، جس میں نہ کوئی رمز تھا نہ پہیلی، جو انسان کی سمجھ میں نہ آوے، نہ اُس میں کوئی روک اور سد تھی جو انسان کی ترقی کو روکے؛ اس لئے اُس کی منادی بھی عام اور "كَافَّةً لِّلنَّاسِ" ہوئی، اور چونکہ خدا نے وعدہ کر لیا تھا کہ "نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے قرآن اُتارا اور ہم ہی اُس کے محافظ ہیں" اُس تعلیم کی پاک کتاب کی بے تحریف اور بغیر تبدیل کے ہمیشہ موجود رہنے کا- اِس لئے کسی نبی کے بھیجنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی- آیندہ غلطیوں، اور جھوٹے خیالوں، اور بیہودہ وسوسوں کی اصلاح، اگر مذہب اسلام میں خلط ملط ہو جاویں، مجددین اور مصلحین پر چھوڑ دیگئی- اگر اسلام انسان کی ترقی کا مانع ہوتا، اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ وہ چل نہ سکتا اور ذہنی اور دماغی ترقیوں کا محرک ہونے کے بجائے حائل اور مانع ہوتا اور جیسا کہ ایک ریگستان اور پہاڑی ملک کی وحشی قوموں کی ترقی دینے والا ہے، تہذیب یافتہ ملکوں کی ترقیوں کا معین اور حامی نہ ہوتا، یا ہمارے پاس کوئی ذریعہ اس کی اصلی تعلیم کے تحقیق کرنے کا باقی نہ رہتا، تو نہ اُس کی دعوت عام ہوتی، نہ نبوت کا سلسلہ ختم ہوتا-

اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ سچا اسلام کیا ہے، وہ اُس استعداد کا کام میں لانا ہے جو خدا نے انسان میں رکھی ہے جس کے سبب سے ہر آدمی تکلیف شرعی کا مکلف ہوا ہے؛ وہ استعداد کیا ہے سمجھنے کی قوت، جسے اہل علم عقل کہتے ہیں، اور اہل شرع ایمان؛ دونوں ایک ہی چیز ہیں- کیا خوب فرمایا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے
كُلُّ آدَمِيٍّ فُطِرَ عَلَى الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بَلْ عَلٰى مَعْرِفَةِ الْاَشْيَاءِ عَلٰى مَا هِيَ عَلَيْهِ

ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے کہ خدائے عزوجل پر بلکہ حقائق اشیا کما ہی پر یقین لائے۔ انہوں نے ایمان کی گویا تعریف کی ہے، کہ اَلْاِیْمَانُ مَعْرِفَۃُ الْاَشْیَآءِ عَلٰی مَا ھِیَ عَلَیْہِ "ایمان کے معنی ہیں اشیا کو اس طرح جاننا جیسے کہ وہ واقع میں ہیں" اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ، "ہر شخص فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے باپ اُس کو یہودی۔ نصرانی۔ مجوسی کر ڈالتے ہیں" اسی سے انسان نیکی بدی اور برے بھلے کو پہچان سکتا ہے۔ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا۔ "پس خدا نے گناہ اور پرہیزگاری اُن کے دل میں ڈالی"، اسی کے کام میں لانے سے وہ فرشتے سے بڑھ کر پاک، اور بیکار کر دینے سے بدتر از حیوان ہو جاتا ہے، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔ کامیاب ہے وہ شخص جس نے اس کو پاک کیا۔ اور ناکامیاب ہے وہ شخص جس نے اُس کو رائگاں کیا۔ اسی استعداد سے ایک بدوی اور جنگلی صرف خدا کے آسمان و زمین کو دیکھ کر اس کی یکتائی کا اقرار کرنے لگتا ہے، اور اسی استعداد سے ایک حکیم فلسفی اس کی قدرت کی باریکیوں، اور اُس کی صنعت کے حیرت انگیز عجائبات کو سمجھ کر پکار اُٹھتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا۔ جب اسلام فطرت الٰہی کے مطابق ہے، اور علم بحقائق الاشیاء اس کی تعریف اور علت غائی ہے، تو سمجھ لیا جاوے کہ کوئی چیز جو خلاف فطرت ہو، جو انسان کی دماغی قوتوں اور روحانی خوشیوں، اور دنیاوی ترقیوں کو روکے، اسلام اس کا کبھی حامی نہ ہوگا، اور ہم یقیناً کہتے ہیں کہ کبھی نہ تھا اور نہ آیندہ ہوگا۔ مگر باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ کیا علوم کی تحصیل، کیا کمالات کا اکتساب کیا دماغی قوتوں کو کام میں لانے، کیا دنیاوی ترقیوں کے حاصل کرنے میں، ہمیشہ یہی خیال مزاحم رہے ہیں۔ علمی ترقیاں اسی حیلے سے روکی گئیں، معقولات اور فلسفہ کی اشاعت اسی خیال نے بڑے طور پر نہ ہونے دی حقائق اشیا کی تحقیقات کو ہمیشہ اسی نے روکا اسی نے دوسروں کی اچھی باتوں کو سیکھنے نہ دیا، پولیٹکل یا سوشل کسی ترقی میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ ہم کو چلنے نہ دیا، جہاں کوئی چیز، کیسی مفید کیوں نہ ہو، کسی نے مسلمانوں میں جاری کرنی چاہی، اور وہ ذرا بھی مروجہ خیال، موجودہ رسم، قومی عادت کے خلاف ہوئی اس پر حرمت کا حکم جاری ہوا، اور جاری کرنے والے کے لئے کفر کی بڑی بڑی کالی مہروں کے فتوے تیار۔ اور اگر حکومت بھی اسلامی ہوئی تو نفی بلد اور قتل کی سزا بھی موجود۔ تو اب ہم کو دریافت کرنا چاہئے کہ آیا مذہبی خیالات ہماری ترقی کے مانع ہیں یا نہیں، اور جو مذہبی خیالات ترقی کے مانع ہیں، وہ خیالات اصلی مذہب کی تعلیم سے پیدا ہوئے ہیں اور در حقیقت اسلام نے ہم کو سکھلائے ہیں یا یہ غلط اور جھوٹے خیالات ہیں اور اسلام اُن سے پاک اور منزہ ہے ۞

اگر کوئی کہے کہ مذہبی خیالات ترقی کے ہمیشہ مانع رہے، اور مانع ہیں، اگرچہ یہ ایک جرم ہوگا جس کی سزا گلیلیو کو قتل یا ... کفر، کا فتوے تو ضرور۔ مگر واقعات کوئی بدل نہیں سکتا۔ پچھلے زمانے اور پچھلی

اسلامی سلطنتوں کو جانے دیجئے، اس صدی میں جو زوال مسلمانوں کا ہوا، اُسی کے اسباب میں سے سب سے بڑے سبب کی تلاش کیجئے، تو انہیں خیالات کو اصلی سبب پائیگا، کہ زوال مسلمانوں کا اُنکی سلطنت کا ہوا تھا، وہ جیسے کہ اس صدی میں ہوئے، ہزار برس کے گزشتہ زمانہ میں کبھی نہ ہوئے تھے، اس کا سبب صرف مذہبی غلط خیالات ہیں، ساری مسلمانی دنیا پر نظر ڈالیئے اور بخارا سے ٹونس تک خیال کیجئے، کونسا خطہ کونسا حصہ مسلمانی آبادی کا ہے، جہاں علوم سے نفرت، فنون سے غفلت، نئی چیزوں کے جاری کرنے کا خوف، نئی باتوں کے سیکھنے کا ڈر نہ تھا یا اب نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا سبب کہیں غفلت بھی ہو، مگر مسلمانوں کی چُستی، تیزی اور چالاکی، جو کہ اب تک دوسری چیزوں میں پائی جاتی ہے، کیا ہمارے دل قبول کرا سکتی ہے کہ صرف غفلت ہی اس کا سبب ہے! ہرگز نہیں، بلکہ دماغی قوتوں کا سکون اور تقلید کی قوت، اور حلت اور حرمت کی بحث، اور ملاؤں کے کفر کے فتوے اس کے اصلی سبب ہیں*

زمانہ میں تو ایسی حیرت انگیز تبدیلی ہو گئی، کہ تلوار کے بدلے علم سلطنت کا مالک ہوا، شجاعت کی جگہ ہنر نے حکومت کو اپنے قبضہ میں کیا، انسانی قوتوں نے وہ چیزیں ایجاد کیں کہ قدرت کا حیرت انگیز تماشا نظر آرہا ہے، ساری قوموں نے یورپ کے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ اُٹھایا، اور اس علمی دولت کا حصہ لیا، مگر مسلمان اپنی بہادری اور شجاعت پر نازاں رہے، اور زمانہ کی تبدیلی کا اندازہ نہ کر سکے، ہر نئی چیز کو حرام اور ہر نئی بات کو بدعت سمجھے، اور ملاؤں اور مفتیوں کے فتوے کے منتظر رہے۔ اور یہ خدا کے نیک بندے، دنیا کی چال سے بے خبر، زمانہ کی رفتار سے ناواقف، ہر نئی بات سے ڈراتے اور روکتے رہے۔ نہ علم کو سیکھنے دیا، نہ کسی ہنر کے جاری ہونے کے روادار ہوئے۔ ٹرکی کو دیکھئے وہ خود یورپ کا ایک ٹکڑا ہے، جہاں چاروں طرف علوم و فنون کی روشنی پھیل رہی تھی، جہاں کی چھوٹی سی چھوٹی ریاست اور وحشی سے وحشی سلطنت ترقی کر رہی تھی، اور یہ زبردست اور قوی سلطنت باوجود بے نظیر بہادری اور خداداد شجاعت کے روز بروز گرتی اور ڈوبتی گئی۔ یہاں تک کہ سوائے ایک پھول باغ کے کچھ بھی اُس کے ہاتھ میں نہ رہا۔ روس جو سب سے زیادہ وحشی تھا وہ اُس سلطنت پر غالب آگیا، جو ایک صدی پیشتر اُس سے ہر طرح پر زبردست اور قوی تھے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ روس نے ہر قسم کی اصلاح کی، ہر قسم کے فنون جاری کرنے میں کوشش کی، اور ٹرکی کو غلط مذہبی خیال اور علما کے فتوؤں نے کچھ کرنے نہ دیا، نئی وردی اور نئے ہتھیار تک جاری نہ ہو سکے جب تک ہزاروں سپاہی اور سیکڑوں منصب جو کہ اُس کے استعمال کو مذہب کے خلاف سمجھتے تھے۔ نہ مارے گئے اگر مثل ایک اس واقعہ کے اور چند واقعات اسی طرح کے پیش آتے اور روشن ضمیر سلطان اور عالی دماغ وزیر سلطان محمود کی پیروی کرتے اور کم سے کم روس ہی کے موافق ملکی اصلاحیں کرتے، اور علوم و فنون کو ترقی دیتے تو آج یہ روز سیاہ اُن کو کیوں نصیب ہوتا! اور ہم کو اُن پر مرثیہ پڑھنے کی نوبت کیوں آتی۔ ٹرکی کو بھی جانے دیجئے! اپنے ملک ہندوستان کو دیکھئے

اور اپنی قوم پر نظر کیجئے، کہ مسلمانوں کی تباہی کا روز بروز تباہ ہوتے جانے کا کیا سبب ہوا، سلطنت انگریزی میں وہ مثل اور قوموں کے ہر طرح کی ترقی کر سکتے تھے، اور اُن نعمتوں سے جو اس سرکار کے سایہ عاطفت میں دوسری قوموں نے حاصل کیں، وہ بھی حاصل کر سکتے تھے، اُس سے محروم رہنے کا کیا سبب ہوا، پھر وہی کہنا پڑے گا کہ مذہبی غلط خیال، انگریزی پڑھنا حرام سمجھتے رہے علموں کو عقاید میں خلل انداز کرتے رہے۔ اُن کو کالجوں اور مدرسوں میں کرستان ہو جانے کے خوف سے جانے نہ دیا، نئے علوم وفنون کو کفر کے فتوے نے سیکھنے نہ دیا، کیا وہ زمانہ یاد سے جاتا رہا جب ہمارے دین کے فدائی، اور قوم کے عاشق، اور اسلام کے شیفتہ، سر سید کا دل مسلمانوں کے حال پر جلا، اور اُن کی مصیبت اُن سے دیکھی نہ گئی، اور وہ اپنے ڈوبتے ہوئے بھائیوں کے بچانے کے لئے گہرے اور عمیق سمندر میں کود پڑا، اور مجنونانہ طور پر اُن کی تعلیم و تربیت کی دھن میں لگا، کس چیز نے اس کی کوشش کو روکا، اور کس خیال نے اُس سچے دوست کو قوم کی نظر میں دشمن بنایا "صرف مذہبی غلط خیال نے" کیا جرم تھا اُس پاک بے گناہ سید کا جس کی سزا میں وہ کافر ٹھیرا، کیا خطا کی تھی اس دل وجان کے فدا کرنے والے نے جس کے بدلے وہ قوم کی نظروں میں واجب القتل ٹھیرا، یہی نہ کہ وہ اُن کی ترقی چاہتا تھا، اور جو چیزیں کہ ترقی کی مانع تھیں اُن کو راہ سے ہٹانا چاہتا تھا، اور وہ ترقی قوم کی نظروں میں اور متعصب کے خیالوں میں مذہب کے خلاف سمجھی جاتی تھی، اسی لئے اُس کے کفر و الحاد کے فتوے مکہ و مدینہ سے منگائے جاتے تھے، کیا میرا یہ کہنا غلط ہوگا اگر کہوں کہ بیچارے سر سید پر، اگر انگریزی حکومت نہ ہوتی، تو وہ فتوے ضرور جاری ہوتے، اور بغیر قتل کے صرف نفی بلد ایسے بڑے جرم کی سزا کبھی کافی نہ سمجھی جاتی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جب تک سر سید نے اپنی خداداد قوت، اور بے نظیر استقلال، اور لاثانی عالی دماغی، اور حیرت انگیز روشن ضمیری، اور سچی محبت اسلام، اور بے پایاں ہمدردی سے اُن غلط خیالات کی غلطی ثابت نہ کی، اور رسموں کے مضبوط بندوں کو جس میں ہم جکڑے ہوئے اور جس کو غلطی سے مذہبی بند سمجھے ہوئے تھے نہ توڑا، تعلیم اور تربیت اور معاشرت کی ترقی کے راستے پر ہم نے قدم تک نہ رکھا۔ آج اس بڑے اور عظیم الشان جلسہ میں جو اتنی پاک صورتیں مسلمانوں کی دکھائی دیتی ہیں، اور جو اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرنے اور اُن کی ترقی کی تدبیریں سوچنے اور اُن کی بھلائی کے راستے نکالنے کے لئے جمع ہوئے ہیں کیا کبھی ہم کو نظر پڑتیں اگر وہ غلط خیالات قایم رہتے، اور سر سید کے دل پر اثر کرنے والی اور دل کو کپکپا دینے والی تحریروں سے قوم کی طبیعتیں بدل گئی ہوتیں۔ کیسے کیسے عالی دماغ اور روشن ضمیر، عالم اور فاضل، ادیب اور شاعر، خوش تحریر اور خوش تقریر مسلمان یہاں جمع ہیں، اور ان کے توانائے دماغی اور روشن خیالیوں سے کیسی کچھ قوم فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر سر سید نے غلط خیالات کی غلطی ثابت نہ کر دی ہوتی تو آج یہ قوتیں کچھ کام آتیں۔ میرے نزدیک تو وہ روشن خیالات جو آج قوم کے دلوں کو روشن کر رہے ہیں ہاتھوں ہاتھ کے فانوس میں چھپ کر رہ جاتے او۔

اُن کی نورانی شعاعیں اُن کے دماغ سے باہر ہی نہ نکلنے پائیں ۔

غرضکہ اس سے کوئی اب انکار نہیں کر سکتا کہ مذہبی غلط خیالات ہماری ترقی کے مانع ہیں اور وہ بھی سمجھے جاتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ خیالات اصلی مذہب کے سچے خیالات ہیں، اور اسلام نے ہم کو سکھلائے ہیں یا اسلام اُن سے پاک و منزہ ہے۔ مَیں کہتا ہوں اور پکار کر کہتا ہوں، بلکہ جو اُس سے انکار کرے اُس سے مباہلہ کرنے کو طیار ہوں، کہ اسلام ان خیالات سے پاک، اسلام ان لغویات سے منزہ، اسلام ان باتوں سے بیزار ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ یہ میرا قول ہے، یہی قول ہے اُن تمام سچے اور پاک مسلمانوں کا جن کے دماغ خدا کے نور سے روشن تھے، یہی خیال ہے اُن اماموں اور بزرگوں کا جو کہ مقتدائے اسلام اور پیشوائے دین تھے۔ جو کہتا ہے کہ علوم عقلی علوم شرعی کے متناقض ہیں، وہ خود غلطی کرتا ہے جو سمجھتا ہے کہ تحقیق شرع کے خلاف ہے، وہ خود خدا کے کلام کو نہیں سمجھتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ظَنَّ مَنْ يَظُنُّ اِنَّ الْعُلُوْمَ الْعَقْلِيَّةِ مُنَاقِضَةٌ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِيَّةِ وَاِنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا غَيْرُ مُمْكِنٍ هُوَ ظَنٌّ صَادِرٌ عَنْ عَمًى فِيْ عَيْنِ الْبَصِيْرَةِ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ" بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ علوم عقلیہ علوم شرعیہ کے مخالف ہیں۔ اور یہ کہ دونوں میں جمع کرنا غیر ممکن ہے۔ لیکن یہ گمان اس لئے پیدا ہوا کہ اُن کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں نعوذ باللہ منہ۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَمَرَ بِالنَّظَرِ تَعَالٰى اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلٰى قَوْلِهٖ وَكُلُّ ذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى وُجُوْبِ النَّظَرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ وَالتَّفَكُّرِ وَذَمِّ التَّقْلِيْدِ فَمَنْ دَعٰى اِلَى النَّظَرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ كَانَ عَلٰى وَفْقِ الْقُرْاٰنِ وَدِيْنِ الْاَنْبِيَاءِ وَمَنْ دَعٰى اِلَى التَّقْلِيْدِ كَانَ عَلٰى خِلَافِ الْقُرْاٰنِ وَعَلٰى وِفَاقِ دِيْنِ الْكُفَّارِ خدا نے غور و فکر کا حکم دیا۔ پس کہا ہے۔ کہ کیا وہ لوگ نہیں سوچتے۔ کیا وہ آسمان و زمین کی سلطنت کو نہیں دیکھتے۔ اور یہ سب باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نظر اور استدلال اور فکر واجب ہے اور تقلید مذموم ہے۔ پس جو شخص نظر و استدلال کی طرف بلاتا ہے وہ قرآن اور طریقۂ انبیا کے موافق ہے اور جو شخص تقلید کی طرف بلاتا ہے وہ قرآن کے مخالف اور کافروں کے مذہب کے موافق ہے۔ ابن قیم کا قول ہے کہ "وَمَا عِنْدَ الْمُتَكَلِّمِيْنَ وَغَيْرِهِمْ فَهُوَ فِي الْقُرْاٰنِ اَصَحُّ تَقْرِيْرًا وَاَحْسَنُ تَفْسِيْرًا" جو کچھ متکلمین وغیرہ بیان کرتے ہیں وہ قرآن میں زیادہ خوبی اور وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ امام غزالی کی نصیحت ہے وَمِنْهَا اَنْ يَكُوْنَ اعْتِمَادُهٗ فِيْ عُلُوْمِهٖ عَلٰى بَصِيْرَتِهٖ وَاِدْرَاكِهٖ لِصَفَاءِ قَلْبِهٖ لَا عَلَى الصُّحُفِ وَالْكُتُبِ وَلَا عَلَى التَّقْلِيْدِ مَا يَسْمَعُهٗ مِنْ غَيْرِهٖ۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ علوم میں اُس کا اعتماد اپنی سمجھ اور ادراک پر ہو۔ یعنی دل کی صفائی پر ہو نہ صحیفوں اور کتابوں پر اور نہ اُن باتوں کی تقلید پر جن کو وہ غیروں سے سنتا ہے۔

ان غلط خیالات نے ہم کو ترقی سے باز نہیں کیا، بلکہ ہمارے پاک اور سچے اور بے لاگ مذہب کو بھی

دنیاوی ترقیوں کا بھی ایسا ہی ترغیب دینے والا ہے جیسا کہ روحانی خوشیوں کا تعلیم کرنے والا، بدنام کردیا ہے؛ اور ہمارے مذہب کے مخالفوں کو اعتراض کرنے اور اُس پر ہنسنے کا موقع دیا ہے، چنانچہ ایک متعصب عیسائی کا قول ہے کہ عیسائیت اُس بڑی سے بڑی خوشی کی، جو قادرِ مطلق نے انسان کو دی ہے صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہے، بلکہ اُس کو ترقی دینے والی ہے، اور برخلاف اس کے اسلام اُس کو خراب کرنے والا اور ذلت میں ڈالنے والا ہے۔ سر ولیم میور جن سے آپ سب لوگ واقف ہیں اسی غلطی میں پڑنے کے سبب سے اسلام ہی کو مسلمانوں کے زوال کا باعث قرار دیتے اور یوں کہتے ہیں کہ "اسلام میں جو قرآن کے سخت بندوں میں جکڑا ہوا ہے عیسائی مذہب کی طرح زمانہ اور موقع کے مختلف حالتوں کے لحاظ سے تغیر ہو ہی نہیں سکتا تھا، اور دنیوی معاملات میں پیشوائی اور رہنمائی کرنا درکنار، اُس میں یہ قابلیت ہی نہ تھی کہ سوسائٹی کی رفتار اور قوم کے عروج کا ہم قدم رہ سکے"، کیسا جھوٹا ہے یہ قول جہاں تک نفسِ اسلام سے متعلق ہے، اور کیسا سچا ہے، جہاں تک مسلمانوں کے غلط خیالات اور خلافِ اسلام حالات سے متعلق ہے۔ تعجب ہے کہ باوجود قرآن پڑھے ہونے اور اُس کے معنی سمجھنے کے سر ولیم نے ہمارے اعمال اور ہمارے غلط خیالات کے بُرے نتیجوں کو مذہب اسلام سے منسوب کیا، اور اس طور پر اسلام پر اعتراض کرتے وقت عیسائیوں کے اُن افعال کو بھول گئے جن کے سبب سے ایک ہزار برس تک یورپ میں تاریکی چھا رہی تھی، اور عیسائیت نے پوپ اور مذہبی لوگوں کی مذہبی ہدایت اور مذہبی حکم اور مذہبی خیال سے علم و تہذیب، انصاف، اخلاق، اور ہر قسم کی روحانی اور دماغی ترقی اور انسان کی آزادی اور خوشی کو روک دیا تھا۔ میرے دوسرے لکچر میں ان خرابیوں کا تفصیل بیان ہے اُسے سُنئے اور انصاف کیجئے کہ خراب سے خراب اور نہایت محدود زمانے میں بھی کبھی اسلام نے یعنی مسلمانوں کے اعمال نے دنیا کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا، جتنا کہ عیسائیت نے ایک زمانۂ دراز تک جس کی مدت ہزار برس سے کم نہیں کیا انسانوں کو مصیبت اور وبال اور ادبار اور ہر قسم کی آفتوں میں مبتلا رکھا۔ سر ولیم میور اسلام کو قرآن کے سخت بندوں میں جکڑا ہوا، سوسائٹی کی رفتار اور قوموں کے عروج کا ہم قدم نہیں سمجھتے، اور عیسائیت کو دنیوی معاملات میں رہنمائی اور پیشوائی کرنے والا خیال کرتے ہیں۔ ذرا قرآن کھولیں اور دیکھیں کہ اس نے اسلام کو کن بندوں میں جکڑا ہے۔ بلاشبہ ایسے بندوں میں جکڑا ہے جس سے ہم شرک اور بت پرستی کی نجاست سے بچیں، ایک سچے خدا کو تین نہ سمجھیں، کسی کو خدا کا بیٹا، کسی کو اُس کا شریک جانیں؛ تبرکات اور تصویروں کی پرستش نہ کریں، ناقابلِ فہم باتوں اور رمزوں پر یقین نہ لاویں، راہبوں کی تجرید اور تعذیبِ نفس کی مصیبت میں نہ پڑیں، روحانی برائیاں، زنا، چوری، خیانت، ظلم، جبر، عقوقِ والدین نہ کرنے پاویں، مگر اسلام میں کوئی ایسا بند اور ایسی قید نہیں ہے، جو انسان کی دماغی قوتوں اور روحانی خوشیوں، اخلاقی خوبیوں اور دنیاوی ترقیوں کو روکے۔

ذرا قرآن کھولئے اور دیکھئے کہ اول سے آخر تک اس میں کیا ہے؟ کہیں حقائق موجودات اور کائنات کا بیان ہے، کہیں مناظر قدرت و مظاہر فطرت کا ذکر ہے، کہیں نظام عالم پر غور کرنے کی ہدایت ہے کہیں عقل و سمجھ سے کام نہ لینے پر ملامت، کسی جگہ اسرار حقیقت اور معرفت کا بیان ہے کسی جگہ علم و حکمت اور مکارم اخلاق کا ذکر ہے، کہیں پرانی قوموں کے حالات مذکور ہیں کہ ہم عبرت پکڑیں، کہیں اصول عامہ سیاست کا بیان ہے کہ ہم اُس پر عمل کریں۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ''ان کے دل ہیں جو سمجھ کے کام میں نہیں آتے'' کیا ہے، تازیانہ ہے اُن لوگوں پر جو دل و دماغ رکھتے ہیں مگر اُس سے کام نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ ''یہ لوگ جانور کے سے ہیں بلکہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ'' کس کی شان میں ہے، اُن لوگوں کی جو کہ آنکھ، کان، ہوش، حواس، رکھتے ہیں مگر انہیں کام میں نہیں لاتے، مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ''جس کو حکمت دی گئی اُس کو بہت کچھ بھلائی دی گئی'' کیا ہے حکمت کی فضیلت کا بیان۔ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٌ۔ وَهَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ''جن کو علم دیا گیا وہ درجے والے ہیں۔ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں'' کیا ہے تعلیم کی ترغیب۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ ''مذہب خدا کے نزدیک اسلام ہے'' کیا ہے اسلام اور فطرت کے اتحاد کا بیان۔ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا۔ ''وہ بولے کہ ہم اُسی کے پیچھے چلینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا'' کیا ہے، نہ سوچنے اور نہ سمجھنے پر ملامت۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ ''ان لوگوں نے اپنے علما اور درویشوں کو خدا کے علاوہ ارباب بنا لیا ہے'' کیا ہے، اہل کتاب پر اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی عصمت کے اعتقاد پر ملامت۔ هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ هُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ هُمْ لَا يَتَذَكَّرُوْنَ۔ هُمْ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ۔ هُمْ لَا يَتَدَبَّرُوْنَ۔ ''وہ نہیں جانتے۔ نہیں عقل رکھتے۔ نہیں سوچتے۔ نہیں فکر کرتے۔ نہیں غور کرتے'' جس سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے، کیا ہیں، کوڑے اور تازیانے ہیں جو کافروں پر لگائے گئے ہیں اس جرم میں کہ عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے؛

غرضکہ سارا قرآن اور ساری تعلیم ہمارے ہادی کی یہی ہے، کہ وہ استعداد جو بد و فطرت میں خدا نے رکھی ہے وہ کام میں لائی جاوے، اور دنیا و دین کی ساری نعمتیں حاصل کی جاویں۔ قرآن سر دلیم کی سمجھی ہوئی وہ زنجیر نہیں ہے جس میں ہم دنیاوی ترقیات کے لئے جکڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ برخلاف اُس کے وہ اُن بندوں کو توڑنے والے ہیں جو عیسائیت نے یا عیسائیوں نے انسانوں پر اُس سے روکنے کیلئے لگائے تھے۔ غور کرو خدا کی اُس جھڑکی پر جو رہبانیت اور جوگ بننے کے لئے ہے۔ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ''کس نے خدا کی وہ نعمت حرام کی جو خدا نے بندوں کے لئے پیدا کی'' پڑھو خدا کی یہ آیت جو دنیاوی لذتوں سے متمتع ہونے کے لئے ہے۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ

مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ "اچھی چیزیں جو ہم نے روزی دی ہیں کھاؤ اور اچھے کام کرو"۔ خدا اپنے بندوں پر اپنی خدائی کے اقرار لینے میں کیا حجت پیش کرتا ہے، یہی کہ ہم نے طرح طرح کی نعمتیں دیں پھر بھی شکر نہیں کرتے۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ "اور ہم نے اُس میں معاش کی چیزیں پیدا کیں لیکن تم لوگ کم شکر کرتے ہو"۔ دیکھو کیسا عام اجازت نامہ ہے خدا کا دنیا کمانے کے لئے۔ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ "زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کی روزی تلاش کرو"۔ پھر خدا اپنے اچھے بندوں کو کیا دعا سکھاتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ "اے خدا ہم کو دنیا اور آخرت میں بھلائی دے"۔ یعنی دنیا اور دین دونوں کی بھلائی، جب کہ قرآن کے یہ احکام ہوں اور طلبِ معیشت و تجارت و کسبِ حلال کے لئے صاف صاف ترغیبیں و بشارتیں جیسا کہ ہمارے ہادی نے طلبِ معیشت کے لئے فرمایا ہو۔ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا لَا يُكَفِّرُهَا اِلَّا الْهَمُّ فِيْ طَلَبِ الْمَعِيْشَةِ۔ "بعض ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف یہ ہے کہ معاش کی فکر میں رنج اُٹھایا جاوے" اور تجارت کے لئے ارشاد کیا ہو کہ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔ "سچا سوداگر قیامت کے دن صدیقوں اور پیغمبروں کے ساتھ اُٹھیگا"۔ اور طلبِ دُنیا کے لئے صاف صاف لفظوں میں یہ خوشخبری سُنائی ہو کہ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا تَعَفُّفًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى عِيَالِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ "جو شخص دنیا کو بطریق حلال تلاش کرتا ہے اور جس کا مقصد سوال کرنے سے بچنا اور آل اولاد کے لئے کوشش کرنا اور ہمسایہ پر مہربانی کرنا ہوتا ہے اُن کا مُنہ خدا کی ملاقات کے وقت چودھویں رات کے چاند کا سا ہوگا"۔ تو کیا ایسا مذہب دنیاوی خوشیوں کے حاصل کرنے کے لئے انسان کے پاؤں کی زنجیر ہے، ہرگز نہیں! بلکہ وہ اُن کے لئے خطِ آزادی ہے۔

مگر جس طرح کہ سچّی تعلیم قرآن کی اور نفسِ اسلام انسانوں کے لئے خطِ آزادی ہے، اسی طرح ہمارے غلط خیالات اور خلافِ مذہب اعمال بلاشبہ ترقی کے پاؤں کی زنجیر ہیں، ہمارے خیالات ہمارے اعمال یقیناً اس سچّی تعلیم کے خلاف اور اصل مقصودِ اسلام کے متناقض ہیں چند عالموں اور چند مسلمان حکیموں کو جانے دو جو کفر و الحاد کے فتوے سے نہیں بچے، بلکہ عام خیالات اور اقوال پر نظر کرو، تو کیا معلوم ہوتا ہے؟ عقل دین سے بے تعلق، فطرت اسلام کے خلاف، فلسفہ سراسر الحاد، تشبہ بالکفار ولوکان فی امور الدنیا قطعی حرام، کوئی فرماتا ہے۔ يَجُوْزُ الْاِسْتِنْجَاءُ بِاَوْرَاقِ الْمَنْطِقِ، "منطق کے اوراق سے استنجا جائز ہے"، کسی کا ارشاد ہے۔ اَلْفَتْوٰى عِمَادُ الشَّرْعِ۔ "فتوے شرع کا ستون ہے"۔ کسی کا قول ہے۔ اِنْقَطَعَ زَمَانُ الْاِجْتِهَادِ۔ "اجتہاد کا زمانہ جاتا رہا"۔ کوئی کہتا ہے۔ اَلدُّنْيَا وَالدِّيْنُ ضِدَّانِ لَا يَجْتَمِعَانِ. "دنیا اور دین دونوں ضد چیزیں ہیں جو جمع نہیں ہوسکتیں"۔ کیسے تعجب کی یہ بات ہے کہ اسلام جو فی نفسہ علم کا حامی، اور فطرت کے مطابق، اور علم حقائق الاشیا کا مرادف،

اور ہر طرح کی دماغی قوتوں کا محرک، اور دنیاوی ترقیوں کا ذریعہ ہوا، وہ ہم مسلمانوں کے غلط خیالات، بیہودہ اوہام، جنونانہ زہد اور متعصبانہ افعال سے علم کا مزاحم، تہذیب کا مانع، ترقی کا روکنے والا کہا جاوے۔ اور مذہب عیسائی جس نے رہبانیت کی تعلیم دی ہو، جس نے قدرتی جذبات کے شگفتہ کرنے کا کوئی سبق نہ دیا ہو، جس نے دنیاوی ترقیوں کے لئے کوئی راہ نہ کھولی ہو، جو مذہب فی نفسہ رمز اور پہیلیوں کا مجموعہ ہو، جس کا مدار عقل کے بدلے آسمانی روشنی پر رکھا گیا ہو وہ عیسائیوں کے اعمال سے علم اور تہذیب کا پھیلانیوالا، اور انسان کو ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچانے والا کہا جاوے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔ سو عبرت پکڑو اے عقل والو۔ بے شبہ یہ عجیب بات ہے ✽

صاحبو! مذہب اور علم کی ہمیشہ لڑائی ہوا کی ہے، اور اب بھی یہ جنگ اچھی طرح جاری ہے۔ یورپ جہاں آج کل علم کی قوت ہے وہاں علم ہی کی عملداری ہے۔ مذہب اُس کے مقابلہ سے عاجز ہے۔ وہ مذہب جسے سر ولیم میور دنیاوی ترقیوں کا رہنما کہتے ہیں، اُن ملکوں سے رخصت ہو رہا ہے، اور قریب ہے وہ آن کہ سوائے گرجا کے پادریوں اور بے علم کاشتکاروں اور نادان بوڑھیوں کی زبانوں کے اُس کا اثر کسی کے دل پر نہ رہیگا۔ یورپ اور امریکہ میں بد اعتقادی اس کثرت اور اس زور سے پھیلتی جاتی ہے کہ نہ کسی کی دعا نہ نفرت نہ ملامت نہ کوئی پولیٹیکل قوت اُسے دبا سکتی ہے۔ بقول ایک محقق کے مذہب کی یہ حالت ہے کہ نہ ملک کی پالیسی پر اُس کا اثر رہا ہے نہ جنگی جوش جو مذہبی بنیاد پر قایم تھا نظر آتا ہے، جو کچھ باقی ہے وہ یہ ہے کہ چند سنگ مرمر کے بت بعض گرجوں میں پرانے زمانہ کے مجاہدین کے نظر آتے ہیں۔ جو تاریکی کہ یورپ پر قایم ہوگئی تھی وہ اب رفع ہوتی جاتی ہے، صبح ہوگئی ہے اور جدید اور بہتر حالت کے آثار پیدا ہوئے ہیں، سوسائٹی اس آنے والی روشنی پر آنکھیں لگائے ہوئے بیٹھی ہے، اور صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ سویلیزیشن کے دریا کی دھارا پرانا راستہ چھوڑ چکی ہے اور نیا راستہ ڈھونڈ رہی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام پر بھی علم کا ایسا ہی اثر ہوگا۔ اُس کا جواب "ہاں" بھی ہے اور "نہیں" بھی! وہ خیالی مذہب، جو کہ مجموعہ ہے ہمارے اوہام، اور وساوس اور بت پرستوں کی رسموں، اور مشرکوں کی عادتوں، اور دل خوش کن کہانیوں کا وہ بلاشبہ علم کی روشنی کے سامنے نہ ٹھیریگا، مگر وہ اسلام جو مطابق ہے فطرت کے، اور مرادف ہے علم بحقایق الاشیاء کے، اور جو موافق ہے سچے علم کے، اور جو بتایا گیا ہے قرآن میں اُس کو علم کی ترقی سے اور ترقی ہوگی، اور وہ دنیا میں اور پھیلتا جاویگا، اور علم کی روشنی کے سامنے اُس کا خوبصورت چہرہ اور چمکنے لگیگا۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ پس اپنا منہ دین کی طرف سیدھا کر ٹیڑھے رستہ سے مڑ کر۔ خدا کی فطرت جس پر اُس نے آدمیوں کو مخلوق کیا۔ خدا کی ساخت میں تبدیل نہیں ہے۔ یہ سیدھا دین ہے ✽

نمبر ۵

لکچر

یونان کی ترقی اور یورپ کا تنزل پھر اُس کی ترقی کی تاریخ و اسباب

پر

جو ۳۰۔ دسمبر ۱۸۹۰ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس پنجم میں بمقام الہ آباد، دیا گیا جب کہ نواب محسن الملک لکچر دینے کو کھڑے ہوئے تو تمام ہال چیرز کی آوازوں سے گونج گیا۔ قبل شروع کرنے لکچر کے اُنھوں نے کہا کہ "آج مجھ کو یقین ہے کہ اس لکچر سننے میں شروع سے آخر تک آپ کے کانوں کو تکلیف نہ ہوگی، لیکن دیدہ و دل سے کام لینا ہوگا۔ اور قوموں کی ترقی و تنزل کے اسباب کو سُن کر کسی قدر اپنی قوم کی ترقی و تنزل کے وجوہ پر خیال کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہر قوم کی ترقی اور تنزل کے اسباب قریباً قریباً یکساں و مشابہ ہوتے ہیں۔ اس لکچر میں دوسری قوموں کی ترقی اور ترقی سے تنزل دکھایا گیا ہے خاصکر یونان اور یورپ کا ذکر ہے۔ یونان کا بوجہ استادی کے اور یورپ کا بوجہ جہالت اور جہالت سے پھر ترقی کرنے کے جو مقتبس علیہ ہوگا مسلمانوں کو اپنی قوم کی ترقی و تنزل کے اسباب پر قیاس کرنے کو۔ گو سر سیّد یا مولانا الطاف حسین حالی خود بیکچر یا شاعر بے بدل ہیں جو قومی حالت کا رونا روتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی موجودہ تہذیب و شائستگی بدرجہا بہتر ہے اُس حالت سے جو پچھلے زمانہ میں یورپ کی تھی جس پر مردہ اور بیمار کی مثال ٹھیک آ سکتی ہے پس جب مردہ زندہ ہو جاتا ہے تو کیا حال کا مریض اچھا نہیں ہو سکتا۔ مردہ کو مسیح کی ضرورت ہے اور مریض کو معمولی طبیب ڈاکٹر بھی اچھا کر سکتا ہے (بعض لوگوں نے اس پر چیرز دی) سیّد احمد نے جبکہ سے اپنے ایک دوست سے جو قریب تھے کہا کہ مسلمانوں کا مرض قابل علاج نہیں ہے نہ مسیحا کچھ کر سکتا ہے نہ طبیب اُس دوست نے کہا نہیں نہیں، اس جلسہ میں سب طبیب و ڈاکٹر ہیں صرف ذرا سے ملکی خیالات اور مذہبی غلط فہمیوں کی اصلاح درکار ہے۔ اس لکچر کے پڑھنے میں ایک مقام پر پھول نچھاور کئے گئے کہ اگرچہ نبوت ختم ہوگئی ہے لیکن بنی اسرائیل میں بہت سے پیغمبر وقتاً فوقتاً اُن خرابیوں کے دور کرنے کو جو اصل مذہب میں ملجاتی ہیں اور مذہب سے علٰحدہ ہوتی ہیں آئے تھے میں قوم محمدی یعنی مسلمانوں میں ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے اِنّ اللہ عزّ وجلّ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا اس حدیث کو پڑھ کر پوچھا

کہ اس صدی کا مجدد کون ہے؟ پھر کہا کہ آپ جانتے ہیں میرے بیان کی ضرورت نہیں ہے ۞

اس کے بعد انہوں نے نہایت فصاحت و جرأت سے لیکچر پڑھنا شروع کیا:-

حضرات! میں نے اپنے پہلے لیکچر کو شروع کیا تھا ان لفظوں سے کہ روئے زمین پر مسلمانوں ہی کی قوم ایسی نہیں ہے جس کو ترقی کے بعد زوال ہؤا ہو، اور بھی بہت سی قومیں ایسی گذر چکی ہیں کہ اُن کی بھی ایسی ہی حالت ہوئی۔ میں اس دوسرے لیکچر کو بھی یہی کہہ کر شروع کرتا ہوں کہ مسلمانوں ہی کی وہ قوم نہیں ہے جنہوں نے علم و تہذیب میں ترقی پائی ہو، پھر اُن میں زوال آیا ہو، بلکہ اور بھی بہت سی قومیں دنیا میں ایسی گزر چکی ہیں جنہوں نے علوم و فنون میں مسلمانوں سے بہت بڑھ کر ترقی کی تھی اور مسلمانوں نے اُنہیں سے علم سیکھا تھا، مگر اب ایسی جاہل اور علوم سے بے خبر ہیں کہ گویا تربیت یافتہ قوموں میں اُن کا نام ہی نہیں ہے اور نیز بعض قومیں ایسی ہیں جو اول نہایت ناتربیت یافتہ، جاہل، بلکہ وحشی تھیں اور اُنہوں نے ایسی ترقی کی کہ اب علم اور صنعت اور کمال میں دنیا کی اُستاد ہیں۔ مجھے اس لیکچر میں دونوں تصویریں دکھانی منظور ہیں اس لئے میں یونان اور یورپ کا ذکر کرتا ہوں۔ یونان کا اس لئے کہ وہ قوم علوم و فنون میں مشہور ہے ہم نے اُنہیں سے علم سیکھا ہے یہ قوم ہماری اُستاد ہے اس قوم کی حیرت انگیز تاریخ سے آپ کو اپنی علمی ترقیوں کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر جائیگی۔ اور ترقی کے بعد اُن کا علوم و فنون سے بے خبر ہو جانا آپ پر ثابت کریگا کہ کسی چیز کو دنیا میں قیام نہیں ہے حکومت ہو یا سلطنت علم ہو یا تہذیب اس کا بھی دورہ ہؤا کرتا ہے آج ایک ملک اور ایک قوم میں اُس کا خیمہ ہے کل دوسرے ملک اور دوسری قوم میں اُس کا ڈنکا بج رہا ہے۔ تلک الایام نداولها بین الناس ۞

یورپ کا اس لئے ذکر کرتا ہوں کہ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اُس کی حالت نہایت خراب تھی اور تباہ ہونے میں اُس کی کوئی چیز باقی نہ رہی تھی سارا ملک جاہل نامہذب غیر تربیت یافتہ بلکہ وحشی تھا مگر پھر اُس نے ایسی ترقی کی کہ آج اُس کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے ۞

اس سے آپ کو تعجب ہوگا کہ جو قوم اوہام اور وساوس میں مبتلا ہو جو قوم علوم و فنون سے متنفر ہو، جو قوم تہذیب و شائستگی کی دشمن ہو، جس ملک پر جہل و تعصب کی تاریکی چھائی ہو، جس ملک کی زمین صرف مذہبی جہالت کی وجہ سے انسانوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہو جس ملک میں بھوت پلید جن شیطانوں پر اعتقاد اور گنڈے تعویذ فال و نجوم پر یقین تام ہو اُس میں علم کی ایک روشنی پھیلا دے جس سے ثابت ہو کہ اس قسم کے تاریک خیالات کا گویا وہاں گزر ہی نہ ہؤا تھا۔ اس سے بھی آپ کو تعجب ہوگا کہ اول علم و تہذیب کے آفتاب کی شعاعیں اسلام نے وہاں تک پہنچائیں اور ہم بدنصیب مسلمانوں کی صحبت اور شاگردی سے اُن کو علم و تہذیب کا خیال پیدا ہؤا۔ اور اس سے آپ کو جرأت بھی ہوگی اور اپنی ترقی کی امید اور سبب بڑھ کر آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ مذہب اور علم کا ہمیشہ جھگڑا رہا اور ایک دوسرے پر غلبہ چاہتا رہا، اور اُن کے نتیجے بھی نہایت عجیب ہیں کہ علم کے غلبے کا مذہب پر کیا اثر ہؤا اور مذہب کے غلبے نے علم کا کیا حال کیا اس کے ساتھ ہی آپ کو معلوم ہوگا کہ مذہب کیونکر بگڑا اور پھر اس کی اصلاح کیونکر ہوتی ہے اور اس کی خرابی اور درستی کے کیا اسباب پیدا ہوئے

کرتے ہیں۔ غرضکہ یہ ایک ایسا عجیب اور مفید مضمون ہے کہ اس سے ہر مسلمان بہت کچھ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں افسوس ہے کہ ایسے عمدہ اور مفید مضمون کے نہ بیان کرنے کی مجھے لیاقت ہے نہ اس کے لئے وقت۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے نوجوان لائق ذی استعداد انگریزی دان مسلمان اس مضمون کو آئندہ نہایت شرح و بسط اور خوبی سے بیان کر سکینگے ۔

اب یونان کا حال سنئے۔ یونان ایک ایسا ملک ہے جو مدت تک اندرونی جھگڑوں اور فسادوں میں مبتلا رہا وہ کبھی ایک سلطنت قایم نہ کر سکا اُس میں نہ دولت کا نام تھا، نہ حب الوطنی اور قومی ہمدردی تھی اُس کے باشندے اکثر بددیانت اور رشوت خوار تھے، اُن کا جوش صرف صورت یعنی بت تراشی اور عمارت پر ختم تھا، وہ اکثر ایران کی سلطنت میں نوکر ہوتے، اور پولٹیکل فسادوں میں ایران کے مدعیان سلطنت کو مدد دیتے جیسا کہ اور سلطنتوں میں ہوا ہے آخر یونانی جرنیل سپاہی ایران کی اصلی حالت سے واقف ہو گئے، اور ایران کا رعب اُن کے دلوں سے جاتا رہا، اُن کو ایران کی سلطنت پر قابض ہونے کا خیال پیدا ہوا، اسکندر کے زمانہ میں یہ آرزو اُن کی پوری ہوئی، اور دارا کے مارے جانے کے بعد یونانی اُس وسیع سلطنت کے مالک ہو گئے اس سے اُن کو کچھ ملک ہی ہاتھ نہیں آیا بلکہ اسی زمانہ میں اُن کو علمی ترقی بھی نصیب ہوئی۔ سکندر کی لشکرکشی اور اُس کی فتوحات سے یونانیوں کے دماغوں میں یہ انتہا تحریک ہوئی، بقول ڈاکٹر ڈاپر کے ان جنگوں سے یونانیوں کی آنکھیں کھل گئیں، مختلف ملکوں کے تجربہ اور مشاہدہ نے اُن کو علمی ترقی کا شایق کر دیا بہت سے جہاندیدہ لائق یونانیوں نے سکندر کے ساتھ یونان سے ڈینیوب تک، اور وہاں سے دریائے نیل، اور دریائے نیل سے دریائے گنگ تک، تمام ملکوں کی سیر کی بحر اسود کے شمالی حصہ کی ٹھنڈی ہوا کھائی اور مصر کے ریگستان کی گرم و خشک ہوا کے صدمے بھی اٹھائے، مصر کے اہرام اور مینار بھی اُن کی نظر سے گذرے، سریانی بادشاہوں کے محل، شہر بابل کی شہر پناہ، اور اس کے عجیب بت خانے، اور رصدگاہ، اور پانی پہنچانے کے حیرت انگیز ذریعے، اور سب سے بڑھ کر عجیب چیز وہ سرنگ جس کے ذریعہ سے دریائے فرات کے نیچے سے آمد و رفت ہوتی تھی اُنہوں نے دیکھی ان حیرت افزا اور عظیم الشان یادگاروں ہی نے جو اتنی پُرانی ہیں کہ زمانہ کی عمر اُسی سے شروع ہوتی ہے یونانیوں کو تحریک دی بلکہ ایران کے تازہ اور جدید عجائبات نے بھی اُن کے دلوں میں جوش پیدا کر دیا، اور ان کی صناعی اور بت تراشی اور مرمر کے بت خانوں اور حیرت انگیز اور بلند اور پاکیزہ شہر پناہوں اور رنگ آمیز یا اور سونے چاندی کی شاہی عمارات نے ایرانیوں کو کچھ کم متعجب نہیں کیا، ان سب چیزوں کو دیکھ کر یونانیوں کی آنکھیں کھل گئیں، اور بجائے خیالی اور نظری بیکار اور فضول خیالات کے اُن کو علمی تجربوں اور صنعت و فنون کے مفید عملوں کا شوق پیدا ہوا۔ اسکندر کے مرنے کے بعد اس کا ساتھی بطلیموس مصر کا حاکم [illegible]

لـه یہ مضمون ڈاپر صاحب کی کتاب سے لیا گیا ۔

بادشاہ ہوا، اُس کے ساتھ بیت المقدس کے حملے کے بعد ایک لاکھ یہودی وہاں آئے اور اُس کے جانشین نے اور ایک لاکھ اٹھانوے ہزار یہودی جو مصری لوگوں کی غلامی میں تھے قیمت دیکر آزاد کر دئیے اور اُن کو وہی حقوق عطا کئے جو یونانیوں کو حاصل تھے، اس برتاؤ سے ہزارہا یہودی اور سریانی خود بخود مصر میں آکر آباد ہو گئے اور بطلیموس کی مہربانیوں اور فیاضیوں اور اُس کی حکومت کے شہرہ نے یونانیوں کو بھی ترغیب دی کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر وہاں آبسے بطلیموس نے اب علوم و فنون کو ترقی دینی شروع کی، اُس نے علما کو اکھٹا کیا، کتابیں جمع کیں، اُن کے ترجمے کرائے، کتب خانے، مدرسے، کالج، قائم کئے تحصیل علم کا شوق ڈال دیا۔ طلبہ کے لئے وظائف مقرر کئے۔ علم اور اہل علم کی ایسی قدر کی کہ اسکندریہ نہ صرف مصر کا دارالخلافت ہو گیا بلکہ علوم و فنون کے لحاظ سے بھی وہ دنیا کا دارالعلوم بن گیا۔ بطلیموس نے اس غرض سے کہ جو علوم اُس وقت تک حاصل ہو چکے ہیں وہ قایم رہیں، اور آئندہ اُن کو ترقی دیجاوے اور پھر اُن کی اشاعت ہو، ایک عجائب خانہ بنایا، جس کے کمروں میں نہ صرف ہنر اور صنعت کے دیوتاؤں کے بنائے ہوئے بت اور تصویریں موجود تھیں، بلکہ اُن میں مختلف علوم و فنون، اور مختلف زبانوں کی سات لاکھ جلدیں بھی موجود تھیں۔ اُس کا عام حکم تھا، کہ جہاں سے اور جس فن کی کتابیں ملیں سرکاری خرچ سے خریدی جائیں، اگر کوئی مول نہ دے اُن کی نقلیں کرائی جائیں۔ اس کام کے لئے بیشمار نقلنویس مقرر تھے، اور ہزاروں روپے اُس پر صرف کئے جاتے تھے غیر زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کا ایک جدا صیغہ قائم تھا اور اُس پر اتنا روپیہ خرچ کیا جاتا تھا کہ اُس پر یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے تحصیل علوم کے لئے جو لوگ اُس میں آتے اُن کا خرچ سب سرکاری خزانہ سے دیا جاتا، وہاں علوم کو، ادب، ریاضی، ہیئت، طب، چار شاخوں میں تقسیم کیا تھا، ہر ایک کے پروفیسر اور مدرس اور فیلو علٰحدہ علٰحدہ تھے اور وہی لوگ مقرر ہوتے جو اُس فن کے کامل اور مشہور تھے، وہاں ایک رصدگاہ بھی بنائی گئی جس میں اسطرلاب اور اُسی قسم کے دیگر آلات موجود تھے، ایک کیمیا خانہ بھی بنایا گیا جہاں کیمیا کی دریافت ہوا کرتی، علم تشریح کے عملی تجربوں کے لئے ایک کمرہ مخصوص تھا، جس میں نہ صرف مردے چیرے پھاڑے جاتے تھے بلکہ اُن مجرموں پر بھی یہ عمل ہوتا تھا جن پر قتل کا فتوے ہوتا۔ اس کے سوائے وہاں ہر علم کے متعلق لکچر دئیے جاتے، اور مباحثے ہوتے، کہا گیا ہے کہ ایک وقت میں چودہ ہزار طالب العلم دوسرے ملکوں کے یہاں جمع ہو گئے تھے بعض بعض پادری بھی یہیں کی تعلیم پائے ہوئے تھے اگرچہ ارسطو کے فلسفہ کی تعلیم ان مدرسوں میں ہوتی تھی مگر افلاطون کے فلسفہ سے بھی وہ بے پرواہ نہ تھے بلکہ اخیر میں تو یہ نوبت پہنچ گئی کہ فلاطون کی حکمت نے ارسطو کے اصول کو گویا اسکندریہ کے مدرسہ سے خارج کر دیا۔ دونوں کا فلسفہ ایک دوسرے سے مختلف تھا، افلاطون کے فلسفہ کی بنیاد تھی، کلیات سے جزئیات کا استخراج کرنا، اور ارسطو کا اصول تھا جزئیات کے دریافت اور مشاہدوں سے کلیات کا قایم کرنا۔ افلاطون ایک خیال پیش نظر رکھ کر اُس کے جزئیات کی تحقیق کرتا، ارسطو برخلاف اُس کے تفحص جزئیات سے نتائج قایم کر کے

نکیہ قایم کرنا۔ افلاطون کی حکمت سے بہت جلد اور نہایت چمکدار مگر وصل غیر قابل اطمینان نتیجے پیدا ہوتے، ارسطو کے اصول سے بے انتہا محنت اور دیر کے بعد مگر زیادہ مستحکم نتائج حاصل ہوتے۔ ایک حکیم نے دونوں فلسفہ کی مثال میں کہا ہے کہ افلاطون کی حکمت گویا ایک شاندار اور عظیم قلعہ ہے مگر جس کی بنیاد دھواں پر قایم ہے، ارسطو کی حکمت ایک مضبوط عمارت ہے جس کی بنیاد بہت محنت اور ناکامیابیوں کے بعد مضبوط چٹانوں کے اوپر رکھی گئی ہے۔ چونکہ قوت متخیلہ سے کام لینا بمقابلہ قدرت مدرکہ کے عمل میں لانے کے زیادہ دلچسپ اور زیادہ دلاویز ہے، اس لئے آخر اسکندریہ میں بمقابلہ مشاہدہ اور فکروں کی محنت، اور استقرار کی زحمت، کی طبیعتیں آسان اور دلچسپ خیالی طریقوں کی طرف زیادہ رجوع ہو گئیں، اور افلاطون کی جدید حکمت سے مدرسوں میں بہت سے وہمی مجذوب بھر گئے۔ مگر آخر کار ارسطو کا فلسفہ زیادہ مفید ثابت ہوا، اور پچھلے حکما نے خیالی باتوں کو خدا حافظ کہ کر اپنے علم کو اُن واقعات پر قایم کیا جو عملی تجربوں اور مشاہدوں کو ریاضی کے ثبوت کی کسوٹی پر چڑھا کر حاصل کئے گئے تھے۔ ارشمیدس کی تحقیقات اشیا ثقل کے متعلق اور علم مرایا و مناظر بطلیموس کی تصنیفات آج کل کی عملی فلسفہ کی تحقیقات سے بہت مشابہ اور پرانے زمانہ کی وہمی لغویات کو انگشت حقارت دکھلاتی ہیں ✤

اس عملی اور علمی فلسفہ کے سوائے اخلاقی فلسفہ بھی جاری ہو گیا تھا۔ زینو نامی حکیم نے اُس کی ایجاد کی تھی، اُس نے انسان کی روزانہ زندگی کے افعال کی بُرائی اور بھلائی کی معیار قایم، اور انسان کو نیک چلن بنانے کی کوشش کی۔ اُس کا خیال تھا کہ تمام خواہشیں اور شہوتیں اور آرزوئیں نقصان علم سے پیدا ہوتی ہیں، انسان کو اپنی خواہشوں کو روکنا اور عاقلانہ اور نیک زندگی، عقل کی پابندی سے بسر کرنی چاہیے۔ زندگی کو دماغی قوتوں کا مطیع کرنا اور رنج اور خوشی کو ایسا برداشت کرنا مناسب ہے کہ گویا اُس کا کچھ اثر ہی طبیعت پر نہیں ہوا۔ اُس کا مقولہ تھا کہ میرے پاس ایک جواہر ہے جس کو تمام دنیا کی قوت مجھ سے نہیں چھین سکتی، وہ یہ کہ مرنے سے مجھے کوئی روک نہیں سکتا ✤

اب دیکھئے کہ ان علمی ترقیوں کا یونان کے مذہب پر کیا اثر ہوا۔ علمی ترقی کے زمانہ سے اول یونانی دنیا کی اور قوموں کی طرح دیوتاؤں کی متعدد اور پرانی روایتوں پر چلنے والی تھی، اُن کا اعتقاد تھا کہ اُن کے جزیروں میں دیو، جن، جادوگر، عجائب الخلقت مخلوق، بھری ہوئی ہے، آسمان بہشت کا فرش ہے، جس میں دیوتا مع پریوں اور مصاحبوں کے دربار کرتا ہے، اور مع اپنے سب درباریوں کے انسانی اشغال اور عیش پرستی اور نفسانی لذتوں میں مبتلا ہے۔ معجزات، خرق عادات، اور خلاف فطرت چیزوں پر اُن کا پورا اعتقاد تھا۔ جب علم و حکمت کی روشنی چمکنے لگی، اُن کا قدیم قومی مذہب اُس روشنی کے سامنے دھندلا ہونے لگا، اور فطرت کی اعلیٰ عظمت کے مقابلہ میں اُن کے اولمپس کے دیوتا ذلیل اور حقیر ہو گئے۔ وہ دیوتاؤں کے قربانی اور ان کی پرستش کرنے، اور پرانی روایتوں اور بزرگوں کے اعتقادوں کو ذلیل اور کہانیاں سمجھنے لگے۔ علم کی روشنی

نے جب اُن کے دماغ کو روشن کیا تو اُن کو معلوم ہوا کہ الہام افسانہ اور زیرلب افسانے و ڈھکوسلے تھے۔ آسمان جسے وہ اندر کا اکھاڑا سمجھتے تھے اُنہوں نے سمجھ لیا کہ وہ دھوکے کی ٹٹی ہے۔ سوائے ستاروں اور فضا کے وہاں کچھ ہے ہی نہیں، کہاں کی بہشت اور کہاں کے دیوتا۔ غرضکہ مکان کے ساتھ مکین بھی تشریف لے گئے اور علم نے اُن کے دیوتاؤں کو بھی عدم کا راستہ بتایا ٭

یونان میں جب علم و مذہب کی لڑائی شروع ہوئی تو جیسا کہ ہمیشہ ہوا اور ہوتا چلا آتا ہے، مذہب کی بہت کچھ حمایت کی گئی، علم کے حملوں سے مذہب کے بودے اور ناپایدار قلعہ کی حفاظت کے لئے بہت کچھ مایوسانہ تدبیریں عمل میں لائی گئیں، مذہبی پیشواؤں نے ان جدید تحقیقاتوں کو کفر و الحاد ٹھیرایا، مذہب میں شک کرنے والوں پر کفر کے فتوے جاری کئے گئے۔ نئے خیالات پھیلانے والوں بلکہ اُن کے ماننے والوں کو سزائیں دیں، اُن کا مال و اسباب ضبط کیا، وطن سے نکالا، جب اس سے بھی وہ آگ نہ بجھی تو قتل اور ہلاک کرنے سے عوام کو روکنا اور علم کی روشنی کو بجھانا چاہا۔ مگر یہ سب تدبیریں عبث، اور ساری کوششیں فضول تھیں۔ آنکھ کھولنے کے بعد دنیا کی عجائبات کے دیکھنے سے روکنا، کیا انسانی طاقت کا کام ہے، علم کے سامنے جھوٹے مذہب کے جھوٹے خیالات اور جھوٹی باتیں کہیں قایم رہ سکتی ہیں آخرکار اس لڑائی میں علم جیتا اور اُن کا جھوٹا مذہب ہارا ٭

اب ذرا اُس سلسلہ پر خیال کیجئے کہ علم کے پھیلنے کے آغاز سے مذہب کے زوال تک یونانیوں کے مذہبی خیالات کیسے درجہ بدرجہ بدلتے گئے، اول تو مذہبی آدمیوں نے علمی تحقیقاتوں ہی کو غلط ٹھیرایا اس دلیل سے کہ جو باتیں ہزارہا برس سے مانی جا رہی ہیں ضرور وہ صحیح ہونگی، ہزاروں برس تک لاکھوں آدمیوں کا اُسے ماننا، اُس کی صحت کی دلیل ہے، یہ فرقہ تو وہ تھا جس نے اپنی غلط حمایت سے مذہب کو اور بھی شکست دی اور مذہب کی غلطی مذہبی خیالات کی حماقت گویا تسلیم کر لی۔ اس کے بعد دوسرا فرقہ پیدا ہوا جس نے مذہبی اعتقادات کے خلاف پوری شہادت پائی، اور اُس کے خلاف علمی مسائل کی صحت کا اعتراف کیا، مگر مذہب کے قایم رکھنے کے لئے مذہبی روایات کو استعارات اور تشبیہات پر محمول کیا، اور اپنے بزرگوں کے بچاؤ کا یہ راستہ نکالا کہ اُنھوں نے زمانہ کی سمجھ کے موافق پوشیدہ علوم اور صحیح واقعات کو دوسرے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ پھر تیسرا فرقہ کھڑا ہوا جس سے پرانے فضولیات اور لغویات کو جدید علمی تحقیقاتوں سے تطبیق کرنے، اور مذہبی الفاظ، اور مذہبی باتوں کی تاویل شروع کی، مگر کہیں ایسی کوششیں جھوٹے مذہب اور باطل خیالات کو قایم رکھ سکتی ہیں، آخر وہ دور پورا ہو گیا جن میں مذہب کے حامیوں کی رائے ٹکر کھاتی رہی اور وہ وقت آ گیا کہ جو عقیدے جہالت کے سبب سے قبول کئے گئے تھے اور جن میں شک ہو گیا تھا اور جن کے قایم رکھنے کے لئے استعاروں اور تشبیہوں اور تاویلوں سے کام لیا گیا تھا قصے اور افسانے اور ڈھکوسلے ٹھیرا کر ترک کر دئے گئے ٭

کیفیت تو ہمارے پُرانے اُستاد یونانیوں کی تھی جن سے ہم نے اول علمی سبق سیکھا تھا بیان ہوئی۔ اب ذرا دل لگا کر ہمارے نئے اُستادوں یعنی یورپ کی اُن قوموں کا حال سُنئے جن سے ہم علم سیکھ رہے ہیں اور جو تہذیب اور علم کے دیوتا سمجھے جاتے ہیں۔

پانچویں صدی سے پندرھویں تک پورا ہزار برس کا زمانہ ڈل ایجز کے نام سے مشہور رہا ہے یہ زمانہ علم، تہذیب، شائستگی، طرزِ معاشرت، اور سوسائٹی کی حالت کے لحاظ سے جہالت و تاریکی کا سمجھا گیا ہے [1]۔ اسی زمانہ میں روم کی شاہنشاہی تباہ ہوئی، وحشیوں کے حملوں سے اُس کے صوبے ویران اور برباد ہوئے، ہر طرف اندھیرا چھا گیا، سارا ملک جہالت میں غرق ہو گیا، فلسفہ کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے، قانون کے علم سے بے پروائی اختیار کی، اُن کی عمدہ وسیع زبان لیٹن بگڑ گئی، شاعری کا خیال جاتا رہا، صنعت و حرفت پر زوال آیا، جاہل اور بے علم عہدہ داروں اور باہر کے ناخواندہ بادشاہوں کی حکومت نے رومیوں کی عظیم الشان شاہنشاہی کے ڈھچر کو ڈھیلا کر دیا تھا یہاں تک کہ آخر وحشی لوگوں کے متواتر پچاس سال کی حملہ آوری نے اُن کی مصیبتوں اور آفتوں کو پورا کر دیا، مذہب کی خرابی، اور مذہبی پیشواؤں کی بددیانتی، اور پادریوں کی خودغرضی نے عیسائی مذہب کو ایسا غارت کیا تھا کہ مذہب عیسائی علم اور تہذیب اور تمدن اور انسانیت اور انصاف کا ایسا مخالف سمجھا جاتا تھا کہ اس زمانہ میں کسی کو اُس کا یقین نہیں ہو سکتا۔ عیسائی لوگ کافروں کے علوم کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے، لٹریچر اور ادب کی طرف کچھ توجہ نہ کرتے تھے، عیسائی بچے مکتبوں میں تعلیم کے لئے بھی نہ جانے پاتے تھے، مذہبی اعتقادات میں فساد آنے کے خیال سے علم پڑھنا گویا جرم تھا۔ مذہبی خیال سے کارتھیج کی چوتھی کونسل نے یہ حکم جاری کر دیا کہ کوئی پادری بھی سوائے مذہبی کتابوں کے دوسری قسم کی کتابیں نہ پڑھے، اس دلیل سے کہ جو علوم الہام ربانی کے خلاف ہیں وہ حقارت اور نفرت کے لائق ہیں اور اُن کے نزدیک سوائے مذہب کے باقی تمام علوم الہام ربانی کے خلاف تھے۔ مذہبی عہدوں پر جو لوگ مقرر کئے جاتے تھے اُن میں بھی تعلیم کوئی ضروری شرط نہ تھی بلکہ اکثر جاہل لوگ ہی ان عہدوں پر مامور ہوتے۔ ایک محقق چند پادریوں کی ایک نقل لکھتا ہے کہ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے یونانی اور عبرانی کیوں نہیں سیکھ لی تو فرمایا کہ یونانی زبان تو نئی ہے اور ہر نئی چیز سے بچنا چاہئے اور عبرانی زبان پڑھنے سے آدمی یہودی ہو جاتا ہے۔ جہالت کے ساتھ وسوسے اور اوہام ہمیشہ ہمعنان ہوا کرتے ہیں اُن کو بھی پادریوں نے خیر مقدم کہا اور تمام نے نہایت مبارکبادی سے اُن کو قبول کیا اُس کے ساتھ رہبانیت کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ رہا سہا علم بھی دفن ہو گیا۔ مجنونانہ زہد اور متعصبانہ خیالات نے انسان کی دماغی ترقیوں کو ایسا روکا کہ وہ روشن دماغ اور اعلےٰ خیال کے لوگ جو بہت کچھ علمی روشنی پھیلا سکتے تھے تاریک غاروں میں جا گھسے۔ بادشاہوں کے وحشیانہ پن اور جہالت نے واکس [illegible] آگ پر ایسی جہالت کی تاریکی پھیلا دی کہ کل قوم علم سے نفرت اور جہالت پر فخر کرتی

[1] یہ تمام واقعات انگریزی تاریخوں سے لئے گئے ہیں۔

تھی اٹلی کے اِسٹوُوگا رتھ بادشاہوں میں سے شیوڈارک اپنا نام تک نہ لکھ سکتا تھا، وہ علم کا ایسا دشمن تھا کہ عیسائیوں میں پڑھنے کو بھی کسی کو جانے نہ دیتا تھا۔ اُس پر یہ ایک بڑی مصیبت واقع ہوئی کہ اٹلی کی پرانی زبان لیٹن میں بہت تبدیلی ہو گئی، چونکہ علمی کتابیں اسی زبان میں تھیں، جب اِس زبان کے سمجھنے والے کم ہو گئے، تو علم کا خزانہ بھی عام لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گیا اور چونکہ تمام مدرسے اور تعلیم گاہیں گرجوں اور خانقاہوں کے متعلق تھیں اور اُس پر پادریوں کا پہرہ تھا اس لئے عوام کے لئے تعلیم کا دروازہ بند ہو گیا اگرچہ لاٹن زبان بدل گئی تھی مگر جو نئی زبانیں اُس سے نکلی ہیں لوگ اُسے بولتے تو تھے مگر وہ تحریر میں نہ آتی تھیں اور عوام الناس اپنی زبان میں لکھنے پڑھنے کا کوئی ذریعہ نہ رکھتے تھے اس لئے یہ حال ہو گیا کہ لوگوں نے نہ صرف کتابیں پڑھنی چھوڑ دیں بلکہ حرف شناسی سے بھی بے بہرہ ہو گئے مذہبی فرقوں کے سوائے اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے لوگ ایسے جاہل اور کندۂ ناتراش تھے کہ اپنا نام تک نہ لکھ سکتے تھے یہاں تک کہ اُس زمانہ کے امرا، دستاویزات پر بجائے اپنے نام لکھنے کے صرف صلیب کا نشان کر دیتے تھے۔ شارلیمین سا شخص بالکل لکھنا نہ جانتا تھا اور نہ صرف امرا بلکہ مذہبی علما کا یہ حال تھا کہ شارلیمین کے زمانہ میں اسپین کے ہزار پادریوں میں ایک بھی معمولی خط نہ لکھ سکتا تھا۔ اس جہالت سے ہزارہا اوہام اور وسوسے پیدا ہوئے۔ انصاف اور حق و باطل کی تمیز گرم لوہے کے ہاتھ میں پکڑنے یا گرم تیل میں ہاتھ ڈبونے یا ٹھنڈے پانی میں تیرنے پر منحصر ہو گئی۔ تہذیب کی یہ خرابی تھی کہ اٹلی میں مرد اور عورت ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے، لکڑی کے دستہ تک کی چھریاں نہ تھیں نہ گھر میں ایک یا دو پیالے کے سوائے برتن تھے، روشنی کے لئے موم یا چربیوں کی بتیوں کا نام تک نہ جانتے تھے، کھانے وقت نوکر ہاتھ میں بدبو اور دھوئیں دار مشعل لئے کھڑا رہتا تھا، مردوں کی پوشاک چمڑے کی ہوتی تھی جس میں کسی قسم کا استر تک نہ ہوتا تھا، عورتوں کی پوشاک نہایت ہی بدنما اور بری ہوتی۔ عورتیں نہایت ذلیل اور حقیر اور غلامی کی حالت میں تھیں، لونڈیوں سے کچھ زیادہ اُن کی عزت نہ تھی۔ غرضکہ کیا بلحاظ علوم و فنون کے کیا بلحاظ تہذیب و شائستگی کے سارے یورپ پر تاریکی چھا رہی تھی ✤

علم ہیئت کے عمدہ مسائل سے صرف ایک مسئلہ اُس وقت یورپ اچھی طرح جانتا تھا یعنی ہمارے پنڈتوں کا نجوم جس سے آیندہ کی پیشین گوئی کیجاتیں اور جنم پتریاں بنائی جاتیں۔ ایک بزرگوار جو ۱۴۲۰ء میں اس دنیا سے سدھارے اُن کا نام تھا کارڈینل ڈیلی وہ علم ہیئت کو علمی طور پر اس خوبی سے کام میں لانا جانتے تھے کہ وہ ماں کے پیٹ سے نکلنے والے بچہ کی جنم پتری ہی نہیں بنا سکتے تھے بلکہ اپنے علم نجوم کی قوت سے اُنہوں نے حضرت مسیح کی جنم پتری بھی تیار کر ڈالی اور اس بات کا دعوےٰ کیا کہ علم نجوم کی رُو سے نوح کے طوفان کی تاریخ بتائی جا سکتی ہے۔ حضرت کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ علم ہیئت میں تو ایسے کامل تھے کہ بلا شبہ نوح کے طوفان کی تقویم بنا ہی ڈالتے۔ اور انہیں ایک بزرگوار کو مت سمجھئے والٹن خلیفہ کرتا ہے

بلکہ صدیوں تک بڑے بڑے فاضل اور علماء یورپ کے اس میں مشغول و مستغرق رہے۔ کیپلر بھی جو علم ہیئت میں ایسا
بڑا کامل تھا جس نے بطلیموسی نظامِ شمسی سے انکار اور کرۂ زمین کا مثل دیگر کروں کے فضا میں ہونا اول اول نکالا
وہ بھی نجوم کے علم کی صحت سے انکار نہ کر سکا۔

ذرا سحر و جادو کا حال بھی سُن لیجئے۔ کہ وہ ملک جس کے علم کا سچا جادو اب ساری دنیا کو مسخر کئے ہوئے
ہے وہ جھوٹے جادو اور سحر کے کیسے معتقد تھے ۱۴۸۴ء میں انوسینٹ ہشتم روم کے پوپ نے اپنے مشہور بل
یعنی حکم سے جو عام خیالات سحر اور جادو کی بابت عوام میں پھیلے ہوئے تھے اُن کو چرچ کی بھی طرف سے
تسلیم کیا یعنی مذہبی اعتقادات میں سحر و جادو کا اعتقاد مانا گیا اُس نے حکم دیا کہ ساحروں خصوصاً جادوگرنیوں
کی تلاش کی جاوے اور ڈھونڈھ کر ماری جاویں تاکہ اُن کے جادو کے عمل سے بچائے عیسائی محفوظ رہیں
جرمنی میں دو انسپکٹر جادوگرنیوں کے ڈھونڈنے کے لئے مقرر ہوئے۔ پولس کے آدمیوں پر کیا بھروسہ ہوسکتا
تھا۔ او معصوم پوپ کو اُن پر کب اطمینان تھا اس لئے ایک پادری صاحب بھی اُن کی مدد کے لئے مامور
ہوئے اور ایک مجموعہ ضابطہ کا (جیسا کہ ہمارا مجموعہ ضابطہ کارروائی فوجداری ہے) سراغ لگانے کے طریقے
اور تحقیقات کرنے کے قواعد اور ہدایت کے لئے منضبط کیا گیا جس کا نام تھا میلیوس میلے میکارم اس ضابطہ سے
جادو کی تاثیر کی صحت کا مجنونانہ خیال عموماً پھیل گیا اس کے بعد الگزینڈر ششم نے ۱۴۹۴ء میں لیو دہم نے
۱۵۲۱ء اور اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں ان قواعد و ضوابط کو کافی نہ سمجھ کر اور زیادہ سخت اور ہیبت ناک احکام
جاری کئے جس سے تمام لوگوں میں جادو کا خوف پھیل گیا۔ اگر کسی کو کوئی بیماری جس کا ظاہری سبب معلوم نہ ہوتا ہوتی
یا جسم کے کسی عضو میں کچھ درد ہوتا یا کسی کے معاملات میں خلل پڑتا یا خاندان پر کوئی آفت آتی یا کوئی طوفان ہو جاتا
یہاں تک کہ اگر کوئی جانور بے سبب مر جاتا یا کوئی غیر معمولی واقع پیش آتا اُس کا باعث جادو ہی قرار دیا جاتا
(سُبحان اللہ! سبب اور نتیجہ کے قدرتی ضابطہ کو کیا اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے) اور جس پر جادو کا الزام لگایا
جاتا اُس کا سزا پانا تو ایک امر ضروری تھا اور سزا بھی کیسی سزا یعنی زندہ جلایا جاتا۔ جو لوگ سحر و جادو کے جرم
میں گرفتار ہوتے اُن کا رہائی پانا تو ناممکن تھا کیونکہ بہت ہی کم ایسا اتفاق ہوتا کہ کوئی نہ کوئی ثبوت جرم کا
نہ مل جاتا اگر فوراً ملزم اقبال نہ کرتا تو اُس کا سر مونڈا جاتا اور بہت غور سے اُس کے سر میں شیطانی نشانات
ڈھونڈے جاتے اگر کوئی غیر معمولی نشان مل جاتا تو ثبوت جرم میں کوئی شک ہی باقی نہ رہتا اور اگر اس قسم کی
شہادت دستیاب نہ ہوتی تو اقبال جرم کے لئے جسمانی ایذائیں دی جاتیں۔ اس لئے خواہ مخواہ ملزم اُن
ایذاؤں پر اقبال کو مقدم سمجھ کر ساحر اور جادوگر ہونا قبول لیتے۔ آپ لوگ شاید یہ خیال کرینگے کہ اگر سحر کی صحت
کا یقین تھا اُس کے کرنے والوں کو سزائیں ہوتی تھیں تاہم شاید دو چار ہی واقعات سال میں ایسے ہوتے
ہونگے جن میں سزا دینے کی نوبت آتی۔ آپ کو نہایت تعجب ہوگا یہ سُن کر کہ مصیبت اسی کام نے جس نے
بستیاں خالی کر دیں اور طاعون ہیضہ کی بیماری کی طرح سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کا کام تمام کر دیا۔ ایک

چھوٹے سے ضلع لنڈم ملک جرمنی میں چار برس کے اندر کل آبادی کا پانچواں حصہ جادو کے جرم میں جلا دیا گیا جنیوا میں تین مہینے کے اندر پانسو جادوگر اور جادوگرنیاں جلائی گئیں۔ ضلع کومو میں سنہ ۱۵۲۶ء میں ایک ہزار آدمی اسی جرم میں جلائے گئے۔ کسی قدر عرصہ کے بعد باوجود رفارمیشن یعنی اصلاح کے انگلستان میں بھی یہ جنون پھیلا اور سب سے بڑھ کر پھیلا۔ ملکہ الزبتھ نے سحر کو اول درجہ کا جرم قرار دیا بلا لحاظ اس کے کہ وہ کسی نقصان کے واسطے استعمال کیا جائے یا نہیں۔ جیمس اول نے اُس سے بھی زیادہ اُسے وسعت دی اور زیادہ صاف اور صریح الفاظ میں سحر کی سزا کے واسطے قانون جاری کیا۔ لوگوں کو جادوگرنیوں کی ایسی ہیبت سما گئی کہ بلا مدد گورنمنٹ کے بعض آدمیوں نے جادوگرنیوں کے خارج کرنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ دیہ بدیہ پھرتے اور جہاں جاتے ۲۰ شلنگ فیس لیتے تاکہ جادوگرنیوں کو اُن کے گاؤں سے نکال دیں اپنے پیشہ کے چلانے کے لئے وہ مشتبہ اشخاص کو گرفتار کرتے اور اُن سے جرم کا اقبال کرا کے سزائیں دلواتے اور اس طور سے جادو کرنے والوں سے گاؤں کو صاف کرتے۔ منجملہ جادو کی شناخت کی اور علامتوں کے ایک یہ طریقہ بھی شناخت کا نکالا گیا تھا کہ سوئیاں چبھو کر دیکھتے کہ کوئی خاص نشان تو نہیں ہے جو بعض جادوگرنیوں میں پایا گیا تھا۔ سب سے تعجب کے لایق تو یہ طریقہ تھا کہ مشتبہ ساحرہ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کپڑے میں لپیٹ کر اُسے تالاب یا دریا میں ڈال دیتے اگر ڈوب جاتی تو خیر یہ سمجھا جاتا کہ اصطباغ کے پاک پانی کا اُس پر اثر ہے اور اگر تیرنے لگتی تو وہ جادوگرنی سمجھی جاتی اور پھر زندہ جلائی جاتی غرضکہ نتیجہ دونوں حالت میں موت تھا۔ سترھویں صدی کے وسط میں جادو کے سراغ لگانے والوں کا ایک سرگروہ تھا جس کا نام تھا میتھیو ہاپ کنس۔ سب سے زیادہ آدمی انگلستان میں جادوگری کے الزام میں اُس زمانہ میں جلائے گئے جو لانگ پارلیمنٹ کہلاتا ہے یعنی سترھویں صدی کے وسط میں ۱۷۱۶ء میں ایک عورت اور اُس کی لڑکی بعمر ۹ سالہ کو پھانسی ہوئی کیونکہ اُنہوں نے اپنی روح شیطان کو بیچ دی تھی اور اپنے پائیتابے اُتار کر صابون کھول کر اُن سے طوفان پیدا کیا تھا۔ سنہ ۱۵۶۳ء میں اسکاٹلینڈ میں جادوگرنیوں کی سزا کے لئے ایک قانون منظور ہو گیا۔ اسکاٹلینڈ کے بادشاہ جیمس ششم جب ڈیمارک سے شادی کر کے واپس آیا۔ تو اُسے معلوم ہوا کہ چند جادوگرنیوں نے ایک مجلس قایم کر کے رستہ میں طوفان برپا کر کے بادشاہ کے مارنے کی کوشش کی ہے۔ یہ جادوگرنیاں پکڑی گئیں اور جسمانی ایذاؤں کے بعد ایک جادوگرنی نے قبول کیا کہ شیطان جو کہ بادشاہ کا بڑا دشمن تھا اُن لوگوں سے ملا ہوا تھا اور جو بادشاہ کے مارنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس مقدمہ میں تیس جادوگرنیاں قتل کی گئیں۔ انگلستان میں اُس زمانہ میں جادوگرنیوں کی سزا دینے کے لئے ایک مجلس قایم ہو گئی تھی اور اُن کے لئے قانون بھی منظور ہو گئے۔ اس مجلس کے ممبر دورہ کرتے پھرتے تھے صرف گلاسگو کے ایک ہی دورہ میں سترہ آدمی زندہ جلا دئیے گئے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے بیان کیا ہے کہ عیسائیوں نے نو لاکھ جادوگرنیوں کو زندہ جلا دیا ہے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں جرمنی میں ایک

شخص پیدا ہوا جس نے اُس کو اول غلط بتلایا ۱۷۰۱ء میں دوسرا شخص پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ جادو کے منکر بہت نظر آنے لگے۔ گو کہ انگلستان میں ۱۷۳۶ء کے بعد زندہ جلانے کی سزا نظر نہیں آتی ہے۔ لیکن جرمنی میں ۱۷۴۹ء میں سوئٹزرلینڈ میں ۱۷۸۲ء میں اور پوزان میں ۱۷۹۳ء میں بھی زندہ جلائے گئے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ ۱۸۸۰ء میں انگلستان میں ایک شخص ڈاکٹر ہیرس کی عدالت میں مجرم قرار دیا گیا تھا اس لئے کہ اُس نے لوگوں سے کہا کہ بیماری جادو سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کو بھی جادو آتا ہے اور اُسی سے وہ آرام ہو سکتے ہیں۔ اکثر مریضوں سے اُس شخص نے روپیہ بھی جادو کی بیماری کو دور کرنے کے لئے وصول کیا تھا ✤

اگرچہ اس جہالت اور ناشایستگی کے اسباب مختلف ہوں مگر سب سے بڑا سبب پادریوں کا تسلط اور غلبہ تھا چھٹویں صدی میں گری گری دی گریٹ چرچ روم قابض ہوا اور روم کا چرچ رفتہ رفتہ تمام ملک یورپ پر حاوی ہو گیا بجز آئرلینڈ و اسکاٹلینڈ وغیرہ کے قدیم مذہبوں کو بالکل نیست و نابود کر ڈالا روم کے مذہبی پیشواؤں اور پوپوں نے دینداری کے پیرایہ میں دنیاوی سلطنت حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور آخر کار معصوم اور امام شہنشاہ بنکر دین و دنیا دونوں کو ڈبو بیٹھا ✤

خرابی کے آثار بہت پہلے سے ظاہر ہونے لگے اور نئے نئے رنگ سے اُس کا روز افزوں ادبار کا ظہور ہونے لگا اُن لوگوں کے سروں پر فضیلت کی پگڑیاں بندھنے لگیں جو محض جاہل اور ناشایستہ تھے، اُن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت آ گئی جو مذہب کے حیلہ میں ہزاروں طرح کے ظلم کرتے تھے، فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا، عیسائی مذہب میں پورے طور سے بت پرستی شروع ہو گئی، مذہب و ملت کی جُھنیں گمراہی و ذلت کے مجمعے ہو گئے، اکابر ملت نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا، فرائض دینی کے تارک ہو گئے، اپنے ذاتی عیش و عشرت اور حظوظ نفسانی میں ایسے منہمک ہو گئے، کہ دینی خدمتیں چھوڑ کر ملکی اور دنیاوی عہدے حاصل کرنے لگے، روم کے پادری جو وعظ و نصیحت کے لئے ملکوں میں پھرا کرتے تھے وہ صرف علم و فضل سے بے بہرہ ہوتے بلکہ فسق و فجور میں ہمہ تن مبتلا۔ اُن لوگوں نے یہ شعار اختیار کر لیا تھا کہ جہاں جاتے وہاں کے لوگوں سے اپنے لئے نذر و نیاز حاصل کرتے، اور اُس کے صلہ میں اُن لوگوں کو مغفرت نامے لکھ دیا کرتے گویا کہ گناہوں کا بخش دینا اُنہیں کے اختیار میں تھا۔ اور رضوان خازن جنت اُنہیں کا چاکر ✤

بھلا یہ بات آپ لوگ اس وقت یقین کریں گے کہ مذہبی زور، اور معصوم پوپ، اور دینداروں کے نسبت حسن ظن، غلو اور تعصب بڑھ گیا تھا کہ معمولی طبیب تک نظر آتے تھے، شفا خانوں میں بجائے طبیبوں کے پادری مقرر ہوتے تھے جو کہ دوا دینے کے بدلے دعا دیتے اور پڑھا ہوا پانی پلا کر بیمار کو خدا کے رحم پر چھوڑ دیتے ✤

کانسٹینٹین بادشاہ قسطنطنیہ کی دینداری کی بدولت وہ زمانہ یورپ میں ہو گیا تھا کہ بیمار بجائے
دوا کے جھاڑ پھونک، دعا اور گنڈے تعویذوں، اور پادریوں کے کرشموں سے اچھا ہوا کرتے تھے۔
بیت المقدس کی پاک مٹی اور وہاں کی خاک کثرت سے لائی جاتی، اور جن اور شیطانوں کے دور کرنے
اور مریضوں کے اچھا کرنے کے لئے بڑی قیمت سے بکتی۔ مرے ہوئے عیسائیوں کی روحوں کی حاضرات
ہوتی، ولیوں کے خرقے اور اُن کے پھٹے پُرانے کپڑے بلکہ اُن کی ہر ایک چیز متبرک سمجھی جاتی، اور مصیبت و بلا
کے دور کرنے کے لئے یہ چیزیں خدائی آلات خیال کیجاتیں۔ پیروں اور شہیدوں کی زیارات کی اچھی طرح
پوجا ہوتی، اُن کے عُرس کئے جاتے، اُن کے قبروں پر گرجے بنائے جاتے، اور مشکلات میں اُن سے مدد
مانگی جاتی، غرضکہ کوئی بات وسوسہ اور وہم اور بت پرستی اور جہالت کی ایسی باقی نہ تھی کہ جس کی برکت سے
یورپ اُس زمانہ میں محروم رہا ہو۔ ان اوہام اور وساوس کے پیدا ہونے سے جو نتیجہ مذہبی تعصب کا تھا
علم بالکل مغلوب ہو گیا اس لئے کہ علم اور جھوٹے مذہب اور جھوٹے خیالات میں بالکل دشمنی ہے جھوٹا مذہب کسی
قسم کی تحقیقات کو جائز نہیں رکھتا، جھوٹا مذہب ہر قسم کی ترقی سے پرہیز کراتا ہے، جھوٹا مذہب انسان کے
قوائے دماغی کی ترقی کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے، جھوٹا مذہب اپنے تاریک خیالات کے قایم
رکھنے کے لئے تحقیق کا چراغ جلنے نہیں دیتا، برخلاف اُس کے علم ہر چیز کی تحقیق چاہتا ہے، ہمیشہ خیالات
میں ترقی اور رایوں کا تغیر کراتا ہے اوہام اور وساوس کی تاریکی کو اپنی روشنی کے سامنے ٹھیرنے نہیں
دیتا۔ اور اپنی سچی باتوں سے جھوٹے وہموں اور وسوسوں کو انسانی دماغوں سے خارج کر دیتا ہے۔
مذہب اختلاف جائز نہیں رکھتا، مگر اُس کی اجازت دیتا ہے۔ جب کہ یورپ میں مذہب اور جھوٹے اوہام کا
غلبہ ہوا اُس کا لازمی نتیجہ تھا کہ علم اُس کے خوف سے بھاگ کر کسی دماغ میں پناہ لے۔ اُس زمانہ میں علم
نے بعض بعض دماغوں کی کوٹھریوں میں پناہ تو پائی مگر ہمیشہ اُس پر قفل لگا رہا، اور جس طرح جلاوطن کیا ہوا
قیدی بھاگ آنے پر موت کی سزا پاتا ہے باہر نکلنے پر اُس کو موت ہی کی سزا دیگئی یعنی جن دماغوں میں پناہ
لی تھی وہ توڑ دیئے گئے۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ گیلیلیو نامی ایک شخص تھا جس نے یہ کہا تھا کہ زمین
آفتاب کے گرد پھرتی ہے، چونکہ یہ بات انجیل کے عقاید کے خلاف تھی وہ گرفتار ہوا اور سزا کا مستحق ٹھیرا
خدا جانے کیسے اچھے اُس کے نصیب تھے کہ بمشکل اُس کی جان بچ گئی اگرچہ اس طور پر گیلیلیو گنہگار ٹھیرا
اور اُس کا خیال انجیل کے خلاف سمجھا گیا اور اُس پر ارتداد کا فتوٰے ہوا مگر زمین کو آفتاب کے گرد پھرنے
سے مذہب نہ روک سکا۔ علم کا تحصیل کرنا ناجائز اور خلاف مذہب ہی اُس وقت نہ سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ جو لوگ
علم پڑھتے اور عقل کی باتیں سیکھتے وہ جادوگر سمجھے جاتے۔ بہت سے عالم جادوگری کے جرم میں زندہ جلائے
جاتے اگر اُس زمانہ کے قواعد کے موافق کوئی سحر کی سزا سے بچ جاتا تو اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا،
بہت سے آدمیوں کے نام تاریخ میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ جب وہ اسپین کے مدرسوں سے علم سیکھ کر گئے

اور فلسفہ اور حکمت کے دقیق اور نازک مسائل بیان کرنے لگے، تو سمجھا گیا کہ یہ علم کے اُس درخت کا پھل کھا رہے ہیں جس کے کھانے سے آدم بہشت سے نکالے گئے۔ اور جس کے پھل اسپین میں مسلمانوں کے علمی درختوں میں پھلے ہوئے سمجھے جاتے تھے ۔

اب خیال فرمائیے کہ ایسے ملک ایسی قوم نے اپنے آپ کو اُس اعلےٰ درجہ کی شائستگی پر کیونکر پہنچایا اور جہالت کے ایسے تاریک غار سے نکل کر علم و تہذیب کے آسمان پر چڑھ کر اپنے آپ کو دنیا کا آفتاب کیونکر بنایا ۔

اس ترقی کے بڑے اسباب میں سے مذہبی اصلاح، چھاپہ، اور قطب نما کی ایجاد، اور ملکی زبانوں میں تالیف و تصنیف ہے ۔

مذہبی اصلاح جسے ریفارمیشن کہتے ہیں وہ نہایت دلچسپ اور غور کے قابل ہے۔ میں نے جو ابھی مختصر کیفیت مذہب عیسائی کی خرابیوں کی بیان کی اُس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ عیسائی مذہب اپنے مذہبی پیشواؤں کی خود غرضی اور حرص و طمع اور نفس پرستی کے سبب سے خراب ہو گیا تھا اور مذہب کے بہانہ سے بہت کچھ تسلط دنیا پر پوپ نے حاصل کر لیا تھا ۔

اگرچہ بعض بعض خدا کے نیک بندے اس حالت کے دیکھنے کی برداشت نہ کر سکتے تھے اور صلاح کی خواہش رکھتے تھے مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی آخرکار پندرھویں صدی میں لوگوں سے نہ رہا گیا اور ۱۴۱۲ء میں پراگ میں [illegible] نامی محقق پیدا ہوا۔ اُس نے ان غلطیوں پر قوم کو متنبہ کیا اور اس میں اصلاح کی ضرورت ظاہر کی مگر جیسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے قوم اُس کی نصیحتوں سے برآشفتہ ہوئی اور اُس کو [illegible] آگ میں جلا ڈالا۔ [illegible] میں ملک انگلینڈ میں ہنری ہشتم کے زمانہ میں [illegible] نامی مصلح دین پیدا ہوا مگر وہ بھی اپنی کوششوں میں ناکامیاب رہا۔ اسی طرح سے بہت سے شہروں میں بہت سے لوگوں نے کوششیں کیں لیکن روم کی چرچ کی قوت کی وجہ سے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اُسی زمانہ میں بہت سی کتابیں مذہب کے عقاید و اعمال کی خرابیوں اور غلطیوں کی نسبت تصنیف اور شائع ہوئیں اگرچہ مصنفین نے اُن تصنیفات کی بدولت قوم کے ہاتھوں سے بہت سی ایذائیں پائیں مگر لوگوں کے دلوں پر ان تصانیف کا اثر پڑا اور عموماً لوگوں کے خیالات اُس طرف رجوع ہونے اور ہر جگہ اُس کا چرچہ ہونے لگا۔ اب وہ زمانہ آ گیا کہ ان مختلف و متفرق کوششوں کا نتیجہ حاصل ہو، وہ زمانہ ۱۵۲۰ء کا تھا کہ جس میں مشہور مصلح دین [illegible] لوتھر نامی عالی ہمت شخص کھڑا ہوا، اور اُس نے مذہبی اصلاح کا وعظ کہنا شروع کیا، اُس نے [illegible] پر عمل کر کے نہایت جوش و خروش کے ساتھ مشائخ روم کی برائیوں کا اعلان کیا، اور متعدد رسالے اُن کے اعمال کی مذمت اور عقاید حقہ کے اثبات میں شائع کئے؛ اور ایک گروہ کثیر کو اپنا ہمدم اور موافق کر لیا، اور [illegible] کو بالاعلان خطبہ سنایا کہ چرچ روم سے [illegible] نے باوجود مزاحمت و مخالفت [illegible] قوت کے اُن کی مقاومت کی، اور [illegible] آزادی اور عزایم میں پیش قدمی کی، اور [illegible] کے

کہ تم لوگ ترک (مسلمان) کے مقابلہ اور محاربہ کی کیا فکر کر رہے ہو، بڑا موٹا ترک تو یہی پوپ روم ہے، جس کی شناعت تمام روے زمین پر پھیل گئی ہے، یہی تو بڑا رہزن دین ہے اُس کے ساتھ کھلم کھلا مقابلہ کیا جاے۔ لوتھر کو بہت بڑی محنت اور تکلیف اُٹھانی پڑی اور بڑے بڑے مباحثے اور مناظرے کرنے پڑے جس کا نتیجہ اُس کا جلاوطن اور آخر قید ہونا تھا اُس کے قید ہو جانے سے یہ نہیں ہوا کہ مذہبی جوش چند مدت کے لئے ٹھنڈا ہو گیا بلکہ رفارمیشن کو سخت صدمہ پہنچا، مختلف فرقوں میں نزاع و خصومت کے آثار نمودار ہو گئے اور اکثر مقامات میں آتش فتنہ بھڑک اُٹھی حتےٰ کہ زراعت پیشہ اقوام نے بھی بسرکردگی اناباپٹسٹ منزر ہنگامۂ قتل گرم کیا اور تمام ملک جرمن میں بے امنی پھیل گئی ٭

لوتھر اصلاح کے نشہ میں ایسا سرشار تھا کہ قید نے اُسے اور بدمست کر دیا، اور اُس کی طبیعت کے ولولے قید خانہ میں اور زیادہ جوش مارنے لگے، آخر اُس سے صبر نہ ہو سکا اور ۱۵۲۲ء میں جیل خانہ سے نکل کر وٹن برگ میں جہاں فساد کی آگ بھڑک رہی تھی پہنچا، مگر اُسے ایک دوسری مشکل کا سامنا کرنا پڑا جو مخالفین کی مخالفت سے بھی زیادہ اُس کے کام میں خلل ڈالنے والا تھا یعنی اُس کا دوست اور مددگار اور اصلاح مذہبی میں اُس کا دہنا بازو ارسمس ملک ہالینڈ کا رہنے والا اُس سے بگڑ گیا، لوتھر اپنے کام میں ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ اُس نے اپنے دوست کی مخالفت میں نفسانیت کو ذرا دخل نہ دیا، اور اپنے گروہ میں پھوٹ پڑنے کے بڑے نتیجوں کے پیش نہ آنے کے خیال سے اپنے دوست کی بہت کچھ دلجوئی کی، اُس نے اپنے دوست کو لکھا کہ اگر تم اپنے خیالات کو میرے خیالات سے متفق نہیں کر سکتے تو خیر نہ کرو، مگر خدا کے لئے علانیہ مخالفت تو نہ کرو، اپنی گروہ کو مخالفین اور روم کے پادریوں کی مذہبی فوج کا ایک حصہ نہ بناؤ۔ نہ میں تمہارے خلاف کچھ کہوں نہ لکھوں نہ تم کوئی مناظرہ اور مجادلہ میں کچھ لکھو۔ ارسمس کو اپنے پُرانے دوست اور اصلی مصلح سے کچھ ایسا رنج ہو گیا تھا کہ اُس نے ایک بات بھی اُس کی نہ مانی، اور لوتھر کے خلاف میں رسالہ لکھ ہی ڈالا۔ اس سے لوتھر کی یہ حالت ہوئی کہ عنانِ ضبط اُس کے ہاتھ سے جاتی رہی اور جواب دینے پر مجبور ہوا، اور آخر سلسلہ مناظرہ و مقابلہ کا یہاں تک پہنچا، اور غصہ کی آگ یہاں تک بھڑک اُٹھی کہ اُن الفاظ کا استعمال ہونے لگا جو تہذیب اور صلاحیت کے بالکل خلاف تھے، لوتھر کو اس جوش نے نہایت نقصان پہنچایا اور اُس کے کام میں بہت خلل پڑا، یہاں تک کہ اُس کا غصہ اور اُس کے مکروہ اور نا ملائم کلمات خود اُس کے معتقدین اور مقلدین کے دلوں میں کانٹوں کی طرح چبھنے لگے، مگر باینہمہ لوتھر اپنا کام کرتا رہا اور فریڈرک والی سیکسنی اور اُس کے جانشین سے اُسے بہت مدد ملی، اور باوجود پوپ روم کے فتوے کے جو لوتھر کے خلاف میں صادر ہوا تھا، لوتھر آزادی اور اپنے مجددیہ طریقہ کے پھیلانے میں پہلے سے زیادہ مشغول ہوا، اور آہستہ آہستہ سب مشکلات پر غالب آیا۔ چونکہ لوتھر کی اصلاح صرف خیالات کی اصلاح نہ تھی، بلکہ اُس سے ایک بڑا انقلاب سلطنت اور حکومت میں بھی پیدا ہونیوالا تھا، اس لئے بہت قوت اور سختی کے ساتھ قوم نے اُس بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانا چاہا، یا بجائے

ہونے اور اس نئے فرقہ کی تجویزوں کے روکنے کے لئے کونسلیں جمع ہونے لگیں آخر ۱۵۲۹ء میں جرمنی میں شاہ جرمن کے بھائی کی میر مجلسی سے ایک اخیر جلسہ منعقد ہوا، اور اُس میں یہ قرار پایا کہ اس مجددیہ فرقہ نے جو جو تغیرات مذہبی مسائل میں کئے ہیں وہ واجب العمل نہ سمجھے جائیں، تاوقتیکہ کسی اجماع عام کے ذریعہ سے اُس پر بحث ہوکر کوئی بات طے نہ ہوجائے، مگر کیا ایسی تدبیریں اُس جوش کو روک سکتی تھیں جو کہ خدا نے اُن لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا جو مذہب کو خراب ہوتا اور قوم کو ڈوبتا ہوا دیکھ کر حسبۃ للہ اُس کی درستی کے لئے کھڑے ہوئے ہوں، ایسے لوگ کہیں خودغرض اور دنیا پرست لوگوں کے ساتھ صلح کرسکتے اور ذرا سے بھی اُس خط سے اپنا قدم پیچھے ہٹا سکتے ہیں، جو خدا نے اُن کے دلوں میں کھینچ دیا ہو۔ فرقہ مجددیہ نے اس اجماع کو اجماع علے الضلالۃ خیال کیا اور سب نے ملکر اُس کے روکنے اور مقابلہ کرنے پر مخالفت کی۔ اسی روز سے یہ نیا فرقہ پروٹسٹینٹ کے لقب سے مشہور ہوا جس کے معنی مخالف کی مزاحمت اور اپنی آپ حمایت کرنے کے ہیں۔ اس کے بعد بہت سے جھگڑے ہوئے اور زبان و قلم سے گزر کر سیف و سناں کی نوبت پہنچی اور ملکی لڑائیاں اصلاح کے حامیوں اور اُس کے روکنے والوں میں ہونے لگیں۔ مگر ترکوں کے متواتر حملوں نے ان اندرونی خونریزیوں کو جلد بند کردیا اور ۱۵۵۵ء میں دونوں فریق نے اس بات پر فیصلہ کرلیا کہ ایک دوسرے کا معارض اور مزاحم نہ ہو، جس کو جو طریقہ اچھا معلوم ہو اختیار کرے، اور اس طور پر اس سال میں جرمن ریفارمیشن کا خاتمہ ہوگیا۔ دوسرے ملکوں میں بھی اس اصلاح کا قدم پہنچا اور جھگڑے اور لڑائیاں شروع ہوئیں اور اگرچہ ہر ملک اور ہر صوبے بلکہ ہر مقام پر اصلاح پھیلانے والوں کو کچھ نہ کچھ مصیبتیں اور تکلیفیں سہنی پڑیں مگر اسپین اور اٹلی میں تو ایسے دردناک واقعات پیش آئے اور ایسی بے رحمی سے کام لیا گیا کہ جس کے بیان سے سننے والوں کے دل کانپنے لگتے ہیں، ان مقامات میں روم کی چرچ کو اپنی کامل قوت اور سطوت کا مقابلہ ریفارمیشن کے استعمال کرنے کا بوجہ قرب کے موقع ملا، اور اگرچہ ریفارمیشن کی اصلاح انہیں مقامات میں بڑی کامیابی کے ساتھ ہوئی، لیکن انکوزیشن کے ظلم نے اُبھرنے نہ دیا اور جن لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا چراغ اپنے دلوں میں روشن کیا تھا وہی اُن کے لئے داغ دل ہوگیا، اور ایسی آفتیں اُن کو جھیلنی پڑیں کہ جن کا گمان اور وہم بھی نہ تھا، اس ہولناک اور وحشت انگیز دینی محکمہ نے جو ظلم و ستم ڈھائے اور جس طرح پر بنی نوع انسان کے ساتھ سلوک کئے وہ اُن مردم خوار وحشیوں اور جنگلیوں کی بے رحمی اور وحشیانہ افعال سے کچھ کم نہ تھے جو کہ انسان کو جلا کر اُن کے گوشت کے کباب بنا کر کھایا کرتے ہیں، یہ ناپاک مذہبی عدالت ہولی آفس یعنی پاک محکمہ کے نام سے قایم ہوئی۔ خفیہ تحقیقاتیں کیجاتیں چھوٹے الزاموں پر لوگ گرفتار کئے جاتے اُن کا مال و اسباب ضبط ہوتا آخر بیچارے بیگناہ گنہگار ہوکر یا قید ہوتے یا گلا گھونٹ کر مارے جاتے، یا زندہ جلتی ہوئی آگ میں جلائے جاتے، اس محکمہ کی کارروائی آخر صرف عیسائی مذہب کے اُن لوگوں پر محدود نہ رہی جو کہ بدعتی اور دین کے مخرب سمجھے جاتے، بلکہ یہودی اور مسلمانوں کیواسطے بھی اُسے وسعت دیگئی، فرڈی نینڈ

اور یورپ کی سلطنت میں ان کوزیشن کی بڑی گرم بازاری ہوئی، یہاں تک کہ دارالسلطنت سیول کے قریب میں جلانے کے واسطے ایک جگہ بنائی گئی، جہاں قریباً ہر روز انکوزیشن کے قربان شدہ آدمی جلائے جاتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر ۱۴۸۳ء ایک ایک انکوزیٹر جنرل مقرر ہوا جس کے انکوزیشن کی شناعت اور نابکاری کمال کے درجہ کو پہنچ گئی، جرم کا اقبال تو جرم ہی تھا مگر جو اس سے انکار کرتے اُن کے بچنے کی بھی کوئی صورت نہ تھی، اُن کو جسمانی ایذائیں دیجاتیں، اور پھر قید کئے جاتے یا زندہ جلائے جاتے۔ میں اس موقع پر دل کے کپکپا دینے والے خونی واقعات اور اُن مذہب کے پیرایہ میں ظلم اور وحشیانہ حرکات کرنے والوں کے ظلم و ستم کو نہ زیادہ بیان کرسکتا ہوں نہ اس کا موقع ہے مگر اس پر آپ قیاس کر لیجئے کہ اس محکمہ کے آغاز کی تاریخ سے اُس کے زوال ۱۸۰۸ء تک ۳۱۹۱۲ زندہ جلائے گئے اور ۱۷۶۵۹ آدمیوں کی جو دستیاب نہ ہوئے تصویریں جلائی گئیں اور ۲۹۱۴۵۰ آدمی قید کئے گئے جس کی کل میزان صرف اس محکمہ کی قربانیوں کی ۔۔۔ نفر (۳۴۱۰۲۱) ہوتی ہے۔

اس طرف تو یہ سخت تدبیریں اصلاح کے روکنے اور مذہبی برائیوں کے باقی رکھنے اور عوام کو اصل مذہبی اصول اور دینی احکام سے جاہل اور بیخبر رہنے کے لئے ہو رہی تھیں، اُس طرف اصلاح کا اثر آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں پر ہو رہا تھا، نہ پوپ کے کفر کے فتوے اُسے روک سکے، نہ قتل اور جلنے کا خوف اُسے دبا سکا، جو رائیں مذہب کے خلاف قائم ہو گئیں تھیں، وہ رفتہ رفتہ ظاہر اور عوام میں پھیلنے لگیں، اور جو سیلاب مذہب کے خلاف جوش زن ہوا تھا وہ کسی ظلم و ستم کی سد سے نہ رُک سکا۔ اور آخرکار بہت بڑے حصہ میں یورپ کے پھیل گیا یہاں تک کہ اُس کی پُرزور موجوں نے پوپ اور اُس کی معصومیت اور امامت اور سلطنت سب کو پورے سے ایسا بہا دیا کہ اُس زمانہ کے جزر و مد میں سوائے اُس کے ڈھانچہ کے کہ وہ کبھی کبھی نظر آتا ہے کہیں اُس کا لاشہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

یہ مذہبی اصلاح صرف عیسائی مذہب کی اصلاح نہ تھی بلکہ حکومت اور اخلاق اور علم اور طرز معاشرت سب کی اصلاح کا باعث ہوئی اس لئے کہ مذہب کے حیلہ سے پوپ اور پادریوں نے ان تمام باتوں پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور سب پر مذہب چلا دی، اور سب میں مذہب کا دخل تھا، مذہب کی اصلاح کے بغیر درحقیقت کسی اور چیز کی اصلاح ہو نہ سکتی تھی، مذہبی روک ٹوک سے اصلاح کی قوت ہی گویا بیکار ہو گئی تھی، برسوں بلکہ پشتہا پشت تک کی تقلید اور جہالت نے اُن کو پادریوں کی باتیں ماننے اور اُن کے پیچھے چلنے کے سوائے کسی کام کا نہ رکھا، تمام فطرتی قوتیں بیکار اور تمام دلولے ٹھنڈے ہو گئے تھے، اس ریفارمیشن نے اُن میں ایک نئی جان ڈالدی اُس نے گویا سوتوں کو غفلت کی نیند سے جگا دیا، اس کی بدولت ہر ملک میں نئے خیالات پھیل گئے، عوام الناس مذہبی کتابیں دیکھنے اور پڑھنے لگے، اُن پر مذہبی پیشواؤں کی بے ایمانیاں اور خودغرضیاں کھل گئیں، اور اصلی مذہب میں جو کچھ اپنی طرف سے اُنہوں نے ملا رکھا تھا اُس کو وہ جان گئے، عوام الناس اور ادنے

لوگوں میں اُن خیالات کے پھیلنے سے اُن کی تہذیب پر بڑا اثر پہنچا، اگرچہ بہت لوگوں نے اُن خیالات کو قبول بھی نہ کیا تاہم وہ مذہبی طریقوں اور مذہبی باتوں پر سرگرمی اور آزادی سے بحث کرنے لگے انجیل کے ترجمے اپنی اپنی زبان میں کئے اور اُس پر سے پادریوں کے ساتھ سوال وجواب کرنے کے لائق اور اس پر مستعد ہوئے، یہاں تک کہ پادریوں پر ہنسنے اور ان کی جہالت پر افسوس کرکے کہنے لگے کہ ہم کو جو سبق پادریوں سے ملتا ہے اُس سے بہتر اور عمدہ سبق ہماری کتابیں ہم کو دیتی ہیں، رفتہ رفتہ پادریوں نے بھی اپنی چال بدلی اور مذہب کے حیلے میں آزادی کو دبانا اور تہذیب کو روکنا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اب وہ زمانہ آگیا جس میں مذہب اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا اور پرانے مذہبی خیالات اب جاہلوں کے دلوں اور کج بحث پادریوں کے دماغوں اور ناسمجھ خفیف طبیعت عورتوں کے سینوں کے سوائے کہیں اپنا جلوہ دکھاتے نظر نہیں پڑتے ؞

دوسرا بڑا سبب چھاپہ کی ایجاد ہے اگلے زمانہ میں جہالت کی بڑی وجہ کتابوں کی قلت تھی اور عوام کا تو ذکر کیا ہے خواص اور امرا کو بھی قیمت کی گرانی کے سبب سے اُن کا ملنا دشوار تھا ساتویں صدی کے آغاز سے جب کہ مصر سے پیپرس (لیف) کا یورپ میں آنا موقوف ہوا، دسویں صدی کے اختتام تک جب کہ کاغذ بنانے کا ہنر ایجاد ہوا چمڑے کے سوائے کوئی چیز لکھنے کے لئے موجود نہ تھی اور اُس کی قیمت اتنی گراں تھی کہ کتابوں کے لکھنے اور اُن کے باقی رکھنے میں اُس سے مدد نہ ملتی بلکہ عمدہ کتابوں کے تلف ہونے کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہوا، اسلئے کہ ہر کتاب کے لئے گرانی قیمت کے سبب سے نیا چرم نہ خریدا جاتا، بلکہ جب کوئی نئی کتاب لکھوانا چاہتا تو دوسری کتاب کو مٹا کر اور اُسی کے چمڑے کو صاف کرکے اُس پر دوسری کتاب لکھوائی جاتی، اس وجہ سے بہت قدیم مصنفوں کی تصنیفات ضائع ہوگئیں، اور اُن کی جگہ زاہدوں کی کہانیاں اور جاہلوں کے پھسلانے کے مذہبی قصے رہ گئے، گیارھویں صدی میں کاغذ کے ہنر کی ایجاد نے اس دقت کو کچھ کم کر دیا اور کتابیں زیادہ لکھی جانے لگیں۔

چودھویں صدی کے وسط میں کاغذ کی ارزانی اور اصلاح کے خیالات اور لاٹن زبان کے دوبارہ زندہ کرنے کے شوق نے پرانی کتابوں کی نقلوں پر لوگوں کو متوجہ کیا، اور کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد بڑھنے لگی، مگر چونکہ عمدہ عمدہ کتابیں پادریوں کے قبضے اور خانقاہوں کی مقفل الماریوں میں بند تھیں، اور سوائے مذہبی پیشواؤں کے اور کسی کو اُن پر نظر ڈالنی حرام تھی، اُن کے ملنے میں بڑی دقت اور مشکل پیش آئی، اٹلی کے طالب علموں نے پندرھویں صدی میں قلمی کتابوں کے جمع کرنے اور علم ادب کے زندہ کرنے میں اپنی تمام عمریں صرف کردیں، مگر انسانوں کی خوش نصیبی سے جس وقت اٹلی کے زندہ دل علم دوست، علمی کتابوں کی تلاش کرنے میں سرگرم تھے اور نہایت دقت اور مشکل سے قلمی کتابوں سے کچھ علم حاصل کرتے تھے اُس وقت اتفاقاً یورپ میں ایک ایسی عمدہ ایجاد ہوئی جس کے برابر تمام دنیا کے انسانوں کی تاریخ میں کوئی دوسری چیز نہیں، وہ ایجاد کیا تھی چھاپہ کی کل — اس ایجاد نے کتابوں کو سستا اور علم کو ارزاں کر دیا۔ اس وقت سے بذریعہ ان کلوں کے

کتابیں آسانی سے چھپنے لگیں اور لٹریچر کی اشاعت اٹلی میں کمال زور شور سے ہونے لگی، گویا اس وقت سے تعلیم کا آفتاب افق پر آیا، اور اس نے اپنی نورانی شعاعیں دنیا پر ڈالنی شروع کیں، اگرچہ بعض کم نصیب ملکوں میں اس کی روشن کرنیں اسی وقت نہ پڑیں، اور فرانس و انگلینڈ میں پندرھویں صدی کے آخر تک قدیم علم پھر زندہ نہ ہوا، تاہم اس کی روشنی ہر روز ہر ملک میں چمکنے لگی اور رفتہ رفتہ ہر حصے میں دنیا کے پھیل گئی ٭

چھاپہ کی ایجاد سے یہ نہیں ہوا کہ مختلف علوم کی کتابیں آسانی سے اور بکثرت ملک میں حاصل کی گئیں یا پرانے علوم محفوظ ہو گئے، یا ان علوم کے جاننے والوں کی تعداد بڑھ گئی، بلکہ ان دانشمند و لائق لوگوں کو اپنے عمدہ اور مفید ترقی بخش خیالات کے عوام الناس میں پھیلانے کا عمدہ ذریعہ مل گیا، چھوٹے چھوٹے رسالوں اور پرچوں کے چھپنے اور بکثرت تقسیم ہونے اور سوسائٹی میں اس پر بحث ہونے سے تہذیب اور طرز معاشرت پر اتنا اثر پڑا کہ پچھلے زمانہ کی صدیوں میں اس کا ہونا ممکن نہ تھا، اٹھارھویں صدی کے شروع میں سوسائٹی کی اصلاح، اور اخلاق کی درستی، اور طرز معاشرت میں تہذیب پھیلانے کے لئے جو کام ٹیٹلر اور اسپیکٹیٹر پرچوں نے کیا ہے وہ شاید بلکہ یقیناً کسی بڑی سے بڑی کتاب نے نہیں کیا۔ اگر چھاپہ کی کل ایجاد نہ ہوتی تو نہ رفارمیشن کو ایسی مدد ملتی نہ علم و تہذیب اس تیزی اس جلدی سے یورپ میں پھیلتے ٭

رفارمیشن اور چھاپہ کے سوائے وسائل سفر کی بآسانی اور تجارت کی ترقی نے بھی یورپ کی تہذیب اور تمدن پر بہت عمدہ اثر پیدا کیا ٭

تجارت کی ترقی کو ایسی مشکلات نے روک رکھا تھا جن کا حل کرنا مشکل تھا، پہلے تو مال و متاع کا جمع کرنا مشکل تھا پھر اس کی حفاظت اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو سامان لیجانے میں چور اور ڈاکوؤں کا خوف تھا ہر زمیندار کے علاقے میں راہداری کا محصول دینا پڑتا۔ چودھویں صدی میں شمالی اور جنوبی ممالک میں تجارت کا آغاز ہوا، جب تک مقناطیس کا استعمال پورے طور پر معلوم نہ تھا یہ ممکن نہ تھا کہ اٹلی کے تاجر جزائر عبور کر کے نئے دریاؤں میں جانے کی جرأت کرتے، مگر مقناطیس کی ایجاد سے ویسا ہی تغیر ہو گیا، جیسا کہ چھاپہ کی کل سے، اس سے جہاز رانی کو بڑی ترقی ہوئی، اور کثرت سے جہاز ایک ملک سے دوسرے ملک میں آنے جانے لگے، اور تجارت کی ترقی کے ساتھ علم اور تہذیب میں بھی بہت بڑی ترقی ہوئی یہ جہاز صرف ایک ملک کا مال ہی دوسرے ملک میں نہ پہنچاتے تھے، بلکہ ایک قوم کے خیالات اور ان کے علوم اور ان کی تہذیب بھی دوسرے ملکوں میں لیجا کر پھیلاتے تھے ٭

ان ضروری اور اہم اور حیرت انگیز ترقیوں کے اسباب کے سوائے اور بھی چند اسباب یورپ کی ترقی کے ہوئے جن کو انگلش مورخین نے اپنی تالیفات و تصنیفات میں بیان کیا ہے ٭

غلامی کی موقوفی اور اُن کی آزادی بھی ایک اُن میں سے ہے، یورپ میں بھی ایشیا کی طرح غلامی کی رسم جاری تھی، بلکہ وہاں غلاموں کی سختیاں اور تکلیفیں غیر قابل برداشت تھیں، اس سے انسانوں کا وہ گروہ جو اور انسانوں کی طرح اپنی فطرت میں آزاد اور خود مختار رکھا جانوروں کی طرح ذی عقل اور ذی شعور طبقہ سے خارج، اور اپنے قدرتی حق سے آزادی کے محروم ہو رہا تھا، غلاموں کی آزادی سے صرف یہی نہیں ہوا کہ غلاموں نے اپنے قدرتی حقوق حاصل کیئے، بلکہ در پردہ اُس کا اثر اُن کے آقاؤں پر بھی پہنچا، اُن کے اخلاق جس کا برتاؤ وحشی درندوں کی طرح غلاموں پر کرتے تھے درست ہو گئے۔ اُن کی سُستی جو غلاموں کے اوپر کاروبار چھوڑ دینے سے اور اُن کو بیلوں کی طرح ہمیشہ کام میں جتے رہنے سے پیدا ہو گئی تھی جاتی رہی، وہ کام جو غلاموں سے لئے جاتے تھے یا خود اُن کو کرنے یا اُس کے لئے تھیلیوں کے مُنہ کھولنے پڑے ٭

نئی زبانوں کی ترقی اور ملکی زبانوں میں تحریری ہونے اور کتابوں کا لکھا جانا بھی ایک بڑا سبب ترقی کا ہوا، اول لاٹن زبان علمی زبان تھی جب وہ مرنے لگی اور اُس سے نئی نئی زبانیں پیدا ہوئیں، تو بولنے میں اُن زبانوں کا استعمال ہوتا۔ مگر اُن میں لکھنا پڑھنا عیب سمجھا جاتا، ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ جو زبان مردہ ہو جائے مگر کتابیں اور تحریریں اُسی زبان میں ہوتی رہیں، تو گو اور کوئی مخالفت مذہب یا گورنمنٹ کی طرف سے ہی نہ ہو، تب بھی وہ تھوڑے ہی آدمیوں میں محدود رہتی ہے، اُس سے زیادہ حصہ انسانوں کا مستفید نہیں ہو سکتا، جب سے لاٹن زبان کی قید اُٹھ گئی اور اپنی اپنی ملکی زبانوں میں کتابوں کا لکھنا پڑھنا جاری ہوا، علوم کے خزانوں کی گویا مُہر توڑ دیگئی اور پبلک کا ہاتھ اُس پر پہنچنے لگا ٭

ان واقعات اور اسباب سے جو میں نے بیان کئے آپ کو معلوم ہو گیا، کہ یورپ کا زوال کیونکر ہوا تھا اور اُس نے ترقی کیونکر کی، اول جو زوال ہوا وہ مذہبی دست اندازی اور پوپ کے اختیارات اور اقتدارات کے زیادہ ہو جانے، اور ہر دینی و دنیاوی معاملہ میں مذہب اور پوپ کے دخل دینے سے ہوا، اُس سے جہالت پیدا ہوئی، جہالت سے سپرسٹیشن یعنی اوہام و وساوس پیدا ہوئے، اوہام اور وساوس سے بدکاریاں اور بد اعمالیاں پیدا ہوئیں، اُس نے قوم کو مفلس اور ذلیل کیا، جب ترقی ہوئی وہ انہیں مرحلوں کے طے کرنے کے بعد ہوئی۔ گویا اصل سبب یورپ کی تباہی اور بربادی کا مذہب یا وہ مذہبی خیال تھا ٭

یہ ایک لحظہ کے لئے نہ سمجھا جائے کہ اصل مذہب اور سچا عیسوی دین اُس کا باعث ہوا۔ کوئی سچا مذہب جو خدا کی طرف سے ہو دنیاوی ترقیات اور علوم و فنون کی اشاعت کا مانع اور تہذیب و شائستگی کا مخالف نہیں ہوتا، مگر خود عیسائی مذہب میں اُن لوگوں کے خیالات سے جو کہ اول بت پرست تھے

اور پھر عیسائی ہو گئے مل گئے، اور اُن کی صفائی بُت پرستوں کے اختلاوات، اور رسوم کے مٹنے سے جاتی رہی، اور پوپ اور پادریوں نے اپنے ذاتی اغراض اور ذاتی فوائد کے لئے مذہب کو اپنی اصلی حیثیت پر نہ رہنے دیا، ایک بڑے نامی محقق یورپین نے اس سے بڑی بحث کی ہے وہ لکھتا ہے، کہ دو سببوں سے عیسائی مذہب اور بُت پرستی مخلوط ہو گئے اول روم کے نئے بادشاہی خاندان کی پولیٹکل ضرورتیں اور دوسرے نئے مذہب کی اپنے آپ کو ترقی دینے کی پالسی ؂

پہلی ضرورت نے کانسٹن ٹائن کو جو بڑا نامور بادشاہ اور عیسائی تھا مجبور کیا کہ وہ اپنے آپ کو نہ صرف عیسوی مذہب کا حامی بلکہ کل رعایا کا مربی بادشاہ بنا دے چنانچہ اُس نے اپنی صلح کل کی پالسی اختیار کی، اگر اُس نے عیسائی گرجے بنائے تو اُس کے ساتھ بت پرستوں کے مندروں کی بھی مرمت اور تعمیر کی، اگر اُس نے پادریوں بات سنی، تو منجمن سے بھی اصلاح لی، اس شہنشاہ کو جو کہ صرف بادشاہت کا خواہاں اور بڑا دنیا کا آدمی تھا، اپنے آپ کو سب کی نظروں میں پیارا بنانے اور سلطنت قایم رکھنے کے لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ عیسائی اور بت پرست دونوں پارٹیوں میں اتحاد اور یگانگی پیدا کرے ؂

دوسری ضرورت یعنی عیسوی مذہب کی اپنے آپ کو ترقی دینے کی پالسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ صادق الاعتقاد عیسائی بھی شاہنشاہ کی اس پالسی کے مخالف نہ ہوئے شاید انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ عیسوی عقاید بُت پرستوں کے خیالات کے ساتھ ملجانے سے مذہب زیادہ اور جلد پھیل جاویگا، اور آخر کار سچا مذہب ہی غالب آویگا، اور اُس کی سب آلایشیں دور ہو جاوینگی ؂

اب سنئے کہ اس آمیزش کا نتیجہ کیا ہوا عیسوی مذہب میں بت پرستی داخل ہونی شروع ہو گیا اور قدیم زمانہ کے یونانی توہمات پھر زندہ ہوئے اور جو کہانیاں اور قصے اور پُرانی روایتیں اُن کے دیوتاؤں اور ولیوں کی چلی آتی تھیں وہ دوسرے رنگ میں جلوہ دکھانے لگیں، شاہنشاہ کے خوش کرنے کے لئے بیت المقدس کے ایک غار سے عیسٰے مسیح اور اُن کے ساتھ کے دو چوروں کی صلیب مع کتبہ اور کیلوں کے جو اُس وقت کام میں لائی گئی تھیں تین صدیوں کے بعد ڈھونڈ نکالی گئیں، اور کرامت اور معجزہ سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ یہ اصلی چیزیں ہیں، جو رسمیں یونان کے بُت پرست مذہبی پیشوا کیا کرتے تھے اُن سب کی نقل عیسائی مذہب کے پادری کرنے لگے، چمکدار جبہ پادریوں کا تاج اور طرہ موم بتیاں صف بستہ گرجے میں جلنا سونے چاندی کے ظروف کا چڑھانا میں استعمال کرنا، وغیرہ وغیرہ سب کو پادریوں نے خوشی سے اپنے یہاں داخل کیا، اور اُسے مذہبی مراسم قرار دیا رومن لوگوں کا بڑا نشان صلیب کے ساتھ قبول ہوا، اور رومن لوگ جیسے کہ آدمیوں کے مرنے کے بعد دیوتا بناتے تھے، اُسی طرح عیسائی مذہب میں ہیرو ولی بننے لگے، پھر قلب ماہیت کا مزہ داخل ہوا، اور عشاے ربانی پادری روٹی اور شراب کو عیسٰے کا گوشت اور خون بتانے لگے، جس نیزہ سے حضرت مسیح کو جو زخم لگایا گیا تھا جن کیلوں سے اُن کو صلیب پر لگایا تھا جو کانٹے کا تاج اُن کو پہنایا تھا اُس کی بادگاریں جشن ہونے لگا اور اُن چیزوں کی

انکو یہاں تک اندھا اور بے سمجھ کر دیا کہ، اگرچہ مختلف خانقاہوں اور مختلف گرجوں میں یہ تاج رکھا ہوا تھا مگر کسی نے ذرہ خیال کیا نہ اس کے کہنے کی جرأت کی کہ سب کا اصلی ہونا غیر ممکن ہے اور ایک کے سوا باقی جعلی اور نقلی ہیں، غرضکہ جیسا زمانہ گذرتا گیا بت پرستوں کے عقیدے، اور اُن کی رسمیں کسی نہ کسی لباس میں عیسوی مذہب میں داخل ہونے، اور روز بروز بڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ وہ تمام اوہام اور وساوس جن کا مختصر بیان میثلل ایجس کے ذکر میں میں نے کیا ہے، وہ ایسے عقاید دینی اور مذہبی خیالات ہو گئے، کہ اُن کا انکار گویا ارتداد اور کفر تھا، اور چونکہ وہ علم مذہب کے مخالف تھے اس لئے پادریوں اور پوپ کو اُس کے قایم رکھنے کیلئے علم کی تحصیل اور دوسری زبانوں کے سیکھنے کی ممانعت کرنی پڑی، اور اس طور سے مذہب علم کی تحصیل، اور تہذیب کی ترقی کا مانع اور جہالت کا حامی ہوا، غرضکہ اب نتیجہ یہ نکلا کہ جو مذہب جھوٹا ہوگا یا جو جھوٹی باتیں سچے مذہب میں مل جاوینگی یا جو رسمیں یا جو خیالات مذہبی لوگ ماننے لگینگے وہ علمی اور تمدنی ترقی کے ضرور حائل اور مزاحم ہونگی اور چونکہ دینی ترقی اور تنزل دنیاوی، ترقی اور تنزل کے ہمعنان ہے، اُس کا اثر دنیاوی امور میں طرز معاشرت سلطنت اور حکومت پر بھی پہنچیگا ✤

اب اس کا ثبوت یورپ کی دوسری رفتار سے لیجئے، کہ جب اٹلی میں پوپ کی قوت گھٹنے لگی، باغی قوتوں میں تحریک پیدا ہونے کا موقع ملا جیسی جیسی مذہبی قوت گھٹتی گئی، باغی قوتوں کو ترقی ہوتی گئی، جیسے جیسے علم پھیلتا گیا مذہب کا زور کم ہوتا گیا ✤

اب اس موقع پر یہ بات بیان کے قابل ہے کہ یورپ میں اول علم کیونکر پھیلا۔ کس قوم اور کس ملک سے اور کس طرح یورپ نے علم سیکھا جس سے اُن کو پادریوں پر غلبہ ہوا، اور جس نے مذہب کے غلط اوہام، مذہب کے غلط خیالات، مذہب کی بھاری زنجیروں سے یورپ کو نکالا، وہ بدنصیب قوم ہماری ہے جس کی صحبت سے یورپ کے خیالات میں ترقی آئی اور ہم بدنصیب مسلمان ہیں جن کے علم اور تہذیب کی شعاعیں اول اول وہاں پہنچیں ✤

اس کی بنیاد کروزیڈ یعنی وہ صلیبی لڑائیاں ہیں جو عیسائیوں کے ہاں جنگ مقدس کے نام سے مشہور تھیں جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بیت المقدس کے لئے ہوئیں، پطرس نامی اس کا بانی تھا اُس نے عیسائیوں کو اس پر آمادہ کیا کہ زمین مقدس کو مسلمانوں سے پاک کریں پوپ نے وعدہ کیا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہوگا وہ نجات ابدی کا استحقاق حاصل کریگا، فرانس اور اٹلی کے ہزارہا آدمی جمع ہوئے، طامعین اور مفسدین، شاہزادے، امیرزادے، اور علما، اور عورت، و مرد، صلیب اُٹھا کر چل کھڑے ہوئے۔ یہ پہلا غول تھا جو سنہ ۱۰۹۶ء میں مجنون پطرس کے ہمراہ مشرق کو روانہ ہوا، سلطان سلیمان نے نیسیا کے میدان میں اُن سب کو پوپ کے وعدہ کئے ہوئے بہشت کے لینے کے لئے عدم کا راستہ بتایا، اس گروہ کی تعداد اسی ہزار تھی چار برس بعد دوسری گروہ نے عیسائیوں کی جس کی تعداد کئی لاکھ تھی حملہ کیا اور سنہ ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس مسلمانوں سے چھین لیا، اور بیچارے مسلمانوں کو بغیر تمیز مرد عورت جوان اور بچے کے تہ تیغ کیا، مگر مسلمان پھر جلد سنبھل گئے

اور اُنہوں نے مقابلہ کرنا اور عیسائیوں کو نکالنا شروع کیا۔ تب دوسری لڑائی کا آغاز ہوا اور ۱۱۴۷ء میں فرانس
اور جرمن اور اٹلی کے لوگ قریب دو لاکھ آدمیوں کے فرانس کے بادشاہ فلپ کے زیر حکومت روانہ ہوئے، ان کا
ترکوں نے وہی حال کیا جو کہ پطرس تارک الدنیا کے لشکر کا کیا تھا، ساحل پر اُترتے ہی شاہ سلیمان نے اچھی طرح
اُن کی خدمت کی، اور سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضہ سے نکال لیا، مگر سرداروں
قیدیوں کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ آج تک اُس کی تعریف عیسائیوں کی زبان پر ہے، اس کے بعد پوپ کلیمنٹ
ثالث نے تیسرے جہاد پر لوگوں کو آمادہ کیا جس میں فرانس اور انگلستان کا بے شمار لشکر معہ اپنے سرداروں اور بادشاہ
کے روانہ ہوا۔ فرانس کا بادشاہ تو چند روز کے بعد اپنے ملک کو لوٹ گیا مگر رچرڈ شیر دل سلطان صلاح الدین سے
لڑتا رہا، اور آخرکار مجبور و لاچار ہو کر عزت کے ساتھ صلح کر کے لوٹ گیا، اس کے بعد ۱۲۰۲ء میں چوتھے جہاد کی
تیاری ہوئی پچھلے جہادوں کی طرح اس کا بھی انجام ہوا، اور عیسائیوں کو شکست ہوئی اسی طرح سے دو جہاد اور
ہوئے اور اُن کا ۱۲۷۰ء میں لوئیس نہم والی فرانس کے آخری جہاد میں شکست پانے اور مر جانے سے خاتمہ ہوا،
یورپ کے مورخین لکھتے ہیں کہ ان جہادوں کی بدولت فلسطین کی زمین میں چالیس لاکھ عیسائی دفن ہوئے۔ اگرچہ
جہاد کے ختم ہونے کے زمانہ سے ۱۵۱۷ء تک جب کہ یورپ میں اصلاح شروع ہوئی قریب دو سو برس کے زمانہ
گزرا اور اُس زمانہ میں بظاہر زیادہ ترقی یورپ نے نہیں کی۔ مگر جیسا کہ یورپ کے اکثر محققین لکھتے ہیں ان
جہادوں سے یورپ کے خیالات میں بڑی اصلاح اور اُن کے خیالات میں تبدیلی کی بنیاد قائم ہوگئی، اول تو
کروزیڈ کے نتائج اور متواتر شکستوں نے جو مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوئیں، تمام عیسائی قوموں کے اعتقاد کو
متزلزل کر دیا، اور وہ سمجھے کہ خدا کے بیٹے میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اپنی پاک زمین کو کافروں کے قبضہ سے
نکال سکے، دوسرے جو ہزارہا عیسائی سپاہی اُن جنگوں سے واپس آئے اُنھوں نے ظاہر کیا، کہ اُن کے دشمن ایسے
لوگ نہ تھے جیسے کہ پادری بیان کرتے تھے بلکہ وہ بہادر خوش خلق اور انصاف پسند تھے۔

ہیلم صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان لڑائیوں کی بنیاد وہ نفرت اور حقارت تھی جو کہ عیسائی
مسلمانوں کی کرتے تھے مگر مسلمانوں کے حالات اور صفات دیکھ کر، وہ حقارت کم ہوگئی، اور مسلمانوں کے میل جول
سے تعصب بہت کچھ دور ہو گیا، اور مسلمانوں کی فیاضی نے عیسائیوں کے دل پر بڑا اثر کیا، چنانچہ تمام عیسائی مورخ
سلطان صلاح الدین کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ تیسرے اسپین کے عربوں سے شیولری کا بہادرانہ اور فیاضانہ
خیال ہر طرف پھیلنے لگا، جس کے باعث ذاتی عزت کا عمدہ خیال پیدا ہو کر یورپ میں آئندہ ایک نیا قانون جاری
ہو گیا، ایک محقق مورخ لکھتا ہے کہ کچھ شک اس میں نہیں ہے کہ عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے سوائے دوسری ہر چیز
میں مسلمان سردار، یورپ کی شیولری کے فرائض ادا کرنے کے لئے ہر طرح قابل اور موزوں تھے، اس لئے
کہ اُن کے اخلاق، اُس وقت مہذب اور شائستہ تھے، جب کہ مغربی ممالک وحشیانہ حالت میں ڈوبے ہوئے تھے،
شیولری ایک طریقہ تھا یا اُسے کوئی ایک فرقہ سمجھ لینا چاہیئے جو میڈل ایجز میں اس لئے قائم کیا گیا تھا، کہ اس سے اخلاقی

اور تمدنی خرابیاں دور ہوں، اور جو لوگ اُس میں شریک ہوں وہ خوش اخلاق وفادار فیاض ہوں، خوش اخلاقی سے صرف یہی غرض نہ تھی کہ آداب مجلس ادا کئے جاویں، بلکہ ہر شخص اپنا عجز و انکسار ظاہر کرے، اور دوسروں کی تہِ دل سے عزت کرے، اور وفاداری سے یہ مقصود تھا کہ ہر شخص اپنے تمام وعدوں پر ثابت قدم رہے، عہد شکنی، ایسی ذلیل چیز سمجھی جاتی کہ اُس کا داغ کیسی ہی بہادری سے نہیں مٹ سکتا تھا، شولری کی فیاضی کی نسبت صرف اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ وہ ایک لازمی عادت سمجھی جاتی تھی اور اس گروہ کا ہر شخص مال و متاع کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، ہر امیر کا مکان جو اس فرقہ میں شریک ہوتا مہمانداری کے لئے کھلا ہوا تھا۔

یہ ترقی اور اصلاح خیالات کی تو مسلمانوں کی صحبت اور مسلمانوں کی بہادری اور فیاضی اور خوش اخلاقی دیکھ کر ہوئی تھی، اور علم جس طور سے عیسائی ملکوں میں پہنچا اُس کی یہ کیفیت ہے کہ جب پوپ جنوبی فرانس اور اٹلی سے جلاوطن کردئے گئے اور مذہبی دباؤ کم ہوا، تو عربی علم نے اٹلی کے شمال میں اپنا قدم جمایا، اور ارسطو کے فلسفہ نے جو اُس وقت عربی لباس پہنے ہوئے تھا، اپنے بہت سے خفیہ اور علانیہ مرید پیدا کر لئے، اور لوگ کھلم کھلا اُس کو سیکھنے لگے، جب علم اس طور سے ایک دفعہ شمالی اٹلی میں قایم ہو گیا، تو آہستہ آہستہ تمام اٹلی میں پھیل گیا، اور قرطبہ اور غرناطہ کے نمونہ پر علمی سوسائٹیاں قایم ہونے لگیں، اب تک تو اس کی ایکاڈمی جو سنہ ۱۴۴۲ء میں قایم ہوئی تھی موجود ہے جو گویا اس بات کی یادگار ہے کہ کس راستہ سے سولیزیشن یورپ میں داخل ہوا تھا، ڈراپر صاحب لکھتے ہیں کہ الجبرا کے اصول سے جو ہم کو واقفیت ہوئی وہ عربوں کی بدولت، یہ علم عربوں نے پہلے اٹلی میں تیرھویں صدی کے آغاز میں داخل کیا اُس وقت لوگوں کا خیال اس علم کی طرف اس قدر کم مائل تھا کہ تین سو سال تک اس علم میں کوئی یورپین کتاب تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ فرانس اور جرمن اور انگلینڈ سے طالب علم علم کے اس چشمے سے پانی پینے کے لئے آتے تھے جو صرف مورس یعنی مسلمانوں کے شہروں میں بہتے تھے، اور پھر اُس سے اپنے ملک والوں کو اُس کی طرف مائل کرتے تھے، ایک یورپین مورخ لکھتا ہے کہ سارسن لوگوں یعنی مسلمانوں نے سوت اور روئی سے کاغذ بنانے کا طریقہ ایجاد کیا اور اُس سے یورپ کو بہت فائدہ پہنچا، بارسی لونا کی بندرگاہ سے اسپین کے مسلمان یہودی تجار کی مدد سے بہت بڑی تجارت کرتے تھے، اور اُنہوں نے بہت سی تجارتی ایجادیں نکالی تھیں، یہ ایجادیں دوسرے علموں کے ساتھ اُنہوں نے یورپ میں داخل کیں، آپ لوگ یہ سُن کر کچھ کم حیرت نہ کرینگے کہ یورپ کے خیالات تجارت کے پھیلنے کی نسبت ایسے غلط تھے کہ تجارت بالکل رُکی ہوئی تھی، پادری بیمہ کے سخت مخالف تھے، اور آگ اور دریا کے بیمہ کو اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے، کہ وہ گویا خدا کو دغا دینا ہے، اور زندگی کا بیمہ خدا کی مرضی میں مداخلت کرنا سمجھا جاتا تھا، سود سے بار ہن پر روپے دینے کے وہ سخت مخالف تھے، مگر یہ سب تجارتی طریقے اور ہنڈیوں کا رواج اُسی زمانہ میں اسپین کے خلیفوں کے ذریعہ سے یورپ میں جاری ہوا، ٹیکا لگانا بھی مسلمانوں کے ملک سے یورپ میں داخل ہوا، جس وقت لیڈی میری ورٹلی مانٹیگیو نے ۱۷۲۱ء میں قسطنطنیہ سے ٹیکا لگانے کی مسلمانی ایجاد کو یورپ میں داخل کیا تو پادریوں نے اُس کی اَ...

مخالفت کی کہ اگر انگلینڈ کے پادشاہی خاندان نے اُس ایجاد کو قبول نہ کیا ہوتا تو وہ ہرگز کام میں لائی جاتی اسپین کا
سارا ملک مسلمانوں کی بدولت علوم و فنون اور تہذیب و شایستگی کے سبب سے دنیا کا بہشت ہو رہا تھا جس زمانہ
میں پیرس اپنی غلاظت اور عفونت سے ہیضہ اور بخار کا گھر تھا، اور غایت تعفن کے سبب سے ناک بند کئے بغیر چلنا
مشکل تھا، اُس زمانہ میں مسلمانوں کے شہر صفائی اور پاکیزگی میں جنت کے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ نہ صرف
مسجدوں اور شفاخانوں اور مدرسوں سے اُن شہروں کی رونق تھی بلکہ صفائی اور پاکیزگی اور روشنی کا ایسا انتظام
تھا کہ ہر کوچہ اور گلی میں پختہ فرش تھا سڑکوں پر اتنی قندیلیں روشن ہوتیں کہ شب میں چلنے والے اُن کی روشنی
میں پھرا کرتے۔ ان شہروں کے دیکھنے اور اس انتظام کی خوبیوں پر نظر کرنے سے اُن عیسائی مسافروں اور
سیاحوں کی آنکھیں کھلتیں اور جب وہ اپنے وطنوں کو واپس آتے تو بمقابل مسلمانی شہروں کے اپنے یہاں
کی غلاظت اور نجاست کو دیکھ کر دل میں نفرت کرتے، اگر مذہبی خیالات اور پادریوں کی روک کچھ کرنے نہ دیتی، مگر
جب پادریوں کا دباؤ کم ہوا اور علم پھیلنے لگا، اس سے صفائی کی طرف خیالات رجوع ہوئے اور بیماریاں جو نتیجہ
گناہوں کا سمجھی جاتی تھیں وہ عفونت اور غلاظت کا نتیجہ سمجھی جانے لگیں۔ اس سے لوگوں کے دل میں یہ خیال
پیدا ہوا جو اُس زمانہ میں نہایت ہی عجیب سمجھا جاتا تھا کہ طاعون وغیرہ سخت بیماریاں خدا کی طرف سے مذہبی
گناہوں کی سزا نہیں ہیں اور نہ اُن کے دور کرنے کا یہ علاج ہے کہ پیروں اور ولیوں کی منتیں مانی جائیں، بلکہ
غلاظت اور تعفن کا نتیجہ ہے اور صرف جسم اور مکانات اور رستوں کی صفائی سے وہ دور ہو سکتی ہیں۔
بارھویں صدی میں پیرس کے رستوں پر ایسی خراب بدبو نکلتی تھی کہ اُن پر فرش بندی کرنے کی ضرورت
واقع ہوئی، جس سے فوراً ہیضہ اور بخار، جس سے جسم پر چھالے پڑ جاتے تھے کم ہو گیا اور صفائی حالت اسپین
کے مسلمانی شہروں کی طرح ہونے لگی اور قرطبہ اور غرناطہ کے نمونہ پر شاہراہوں پر روشنی کا طریقہ بھی
جاری ہوا۔

اس طور سے اول مسلمانوں کی صحبت اور وہ بھی وہ صحبت جو لڑائی اور جہاد کے دنوں میں ہوئی، اور
بعد اُس کے مسلمانوں کے عمدہ عادات، عمدہ خصائل کے اثر سے جس کا لڑائی کے وقت اُن کے دل پر ہوا، اور پھر
مسلمانوں کے شہروں کی پاکیزگی اور صفائی دیکھ کر جس کا اثر سیاحوں اور مسافروں کے اوپر پڑا، پھر مسلمانوں
کے علوم سے جو کہ مسلمانی مدرسوں میں آکر سیکھے، اور مسلمانی کتابوں سے جو کہ تجارت کی اور چیزوں کے ساتھ یورپ
پہنچیں، یورپ میں تعلیم و تہذیب کی ترقی ہوئی، اور ترقی بھی ایسی جیسے کہ بیج سے درخت جس کے سایہ میں
ہزاروں پناہ پاتے، جس کے پھول و پھل سے لاکھوں خوش اور سیر ہوتے، اور جس سے پھر اَن گنتی بیج پیدا ہوتے
ہیں، جن سے خدا کی ساری زمین باغ ہو رہی ہے۔

میرے اس مختصر بیان سے آپ کو اتنی باتیں تو معلوم ہوگئیں کہ یونان کیسا جاہل ملک تھا، اور پھر اُس نے
علم میں کیسی ترقی کی، اُس کا مذہب جو خیالی اور اوہام پر مبنی تھا علم کے حملہ کی تاب نہ لاسکا، اور اُس کے بچانے کی

کوششوں کا نتیجہ ناکامیابی ہوا، پھر یہ بھی کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ چند صدی اول یورپ کی کیا حالت تھی، اور
وہ حالت مذہبی کے سبب سے پیدا ہوئی تھی، اور وہ خدائی مذہب آدمیوں کے خیالات اور اُن کی رسموں کے ملجانے
سے کیسا خراب ہو گیا تھا، اور دوسری قوموں کی رسمیں اور دوسرے مذہب کے خیالات، مذہب میں مل جانے
سے کیسے ایک حصہ مذہب کا ہو گئے، اور پھر وہ خیالات اصلی مذہب کے اعتقادات سمجھے گئے، اور پادریوں کے
نفسانی اغراض اور دنیاوی طمع کی وجہ سے اُن کو ایسی تقویت ہوئی کہ اُن کو مذہب کے خلاف کہنا جرم اور بڑی
سزا کے لائق سمجھا جاتا، اور اُن غلط خیالات نے ہزار برس تک اپنا کامل قبضہ سارے یورپ پر رکھا، اور علم کو
قلعہ بند کر دیا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب علم کے عَلَم، اور عقل کے پرچم، اور فلسفہ کے پھریرے یورپ میں اُڑنے
لگے، اور مذہبی خیالات کو شکست ہوئی تو اُن خیالات کے لئے کوئی جگہ پناہ کی بھی باقی نہ رہی، بند قلعوں
میں بھی رہنے نہ پائے، قید بھی کافی نہ سمجھی گئی اور علم نے اپنا انتقام لیا اور بغیر جلائے اُن کو نہ چھوڑا، پھر یہ
بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ جب تک علم کا غلبہ نہ ہوا کسی قسم کی ترقی نہ ہونے پائی سلطنت، تہذیب، شائستگی،
دولت، ثروت، تجارت، زراعت، ہنر، صنعت، جس چیز کو لیجئے یہ سب کچھ علم کے بعد ہوا۔ علم گویا فوج تھی کہ
اُس نے ملک کو فتح کیا، اور دشمن کو نکالا، اور اس سے قلعہ خالی کرایا، باقی ترقیاں گویا سول کا انتظام تھیں، کہ
ملک کی اصلاح اور درستی کے لئے اُن کی ضرورت ہوئی اور جب دشمن کا کھٹکا نہ رہا وہ آرام سے بیٹھ کر اپنے انتظام
جاری کرنے لگے، پھر یہ بھی آپ کو معلوم ہوا کہ ایسی جہالت اور وحشت کے دور کرنے میں کیا مشکلات پیش
آئیں، اور کیا کیا سامان اُس کے دفع کرنے کے لئے مہیا کئے گئے اور اُن میں کتنی دیر لگی، اور یہ بھی آپ کو
معلوم ہو گیا کہ اول علم کی شعاعیں ہمارے ہی ملک سے یورپ میں پہنچیں، اور ہماری صحبت اور ہمارے لٹریچر اور
ہمارے علوم ہمارا علم ابتدائی حالت درست کرنے میں کیسا یورپ کا مددگار رہا، پھر نہایت خوشی سے آپ نے
سنا ہوگا، جو رسمیں اور عادتیں اور خیالات اور اوہام اس وقت ادنے سے ادنے مسلمانوں کے فرقوں میں پھیلی ہوئے
ہیں وہ اُس وقت کے اعلیٰ طبقہ کے عیسائیوں کے مذہبی خیالات تھے، بلکہ یقیناً بعض سننے والوں کو خیال پیدا
ہوگا کہ شاید میں نے خوش کرنے اور اپنے لکچر کو مزہ دار کرنے کے لئے بہت سی بے اصل کہانیاں اور غلط قصے یورپ
کی جہالت کے گھڑ کر بھر دئے ہیں، غرضکہ ان سب باتوں کے جاننے کے بعد مجھے درحقیقت کچھ کہنے کی اب ضرورت
باقی نہیں رہی۔ اگرچہ میں اُن رسموں اور وہموں اور وسوسوں کو گنتا اور بتاتا بیٹھوں، جو اب ہم لوگوں میں جاری
ہیں، اور اُن کی غلطیاں دکھانے کی کوشش اور جو کوئی نہ مانے اُس کے سامنے دلیلیں کرنا شروع کروں، تو گویا مناظرہ
یا مکابرہ کی ایک نئی کتاب کے تالیف کرنے، اور اُس کے جواب اور جواب الجواب لکھنے کا رستہ کھولوں، یہ حالات
ایسے صاف ہیں کہ اس پر بھی اگر کوئی نہ سمجھے اور دوسری قوموں کے ایسے بیّن اور روشن اسباب ترقی اور
زوال سے کچھ بھی عبرت نہ پکڑے اور خود اپنے بزرگوں کے حیرت انگیز کمالات سے واقف اور اپنے حالات
میں ایسی افسوسناک اور حیرت انگیز تبدیلی کو دیکھ کر ترقی کا خیال نہ کرے، تو سمجھ لینا چاہئے کہ خدا کی مرضی [illegible]

کے خلاف ہے اور اُس کا فتوےٰ ہماری خواہشوں کے مخالف صادر ہو چکا ہے ✤

اگرچہ میں نے تیسرے لکچر میں اِس امر پر بہت صراحت سے بحث کی ہے کہ جو اسباب یورپ کی ترقی کے باعث ہوئے، اُن میں سے بعض اسباب ہم کو بھی حاصل تھے، اُن کے موجود ہوتے ہوئے بھی کیوں ہم نے ترقی نہ کی اور ان اسباب سے ہم نے کیوں فائدہ نہ اُٹھایا، اور پھر کونسے اسباب ایسے ہیں جو ہم کو حاصل نہیں ہوئے، اور اُن کے نہ حاصل ہونے کے موانع کیا ہوئے، مگر اس موقع پر اتنا کہتا ہوں کہ ہمارے مقدس لوگوں کی بدولت تعصب اور غلط خیالات جو تعلیم کے مانع تھے کسی قدر ہٹ گئے اور جلد مٹ گئے اور ہم مسلمانوں کو معلوم ہو گیا اور جلد اور آسانی سے بغیر کسی کے قتل کرنے یا زندہ جلائے جانے کے جس کے اول مستحق تو سرسید تھے اُن کے بعد شاید میری باری آتی اور میرے بعد اکثر اِن کی جو اس چبوترہ پر خاص کر سبول پر بیٹھے ہوئے ہیں کہ اسلام ان لغویات پاک اور اِن اوہام سے مبرا ہے اور اب میں دیکھتا ہوں کہ تعلیم کا یہ بڑا مانع زیادہ باقی نہیں ہے۔ لوگ اب تعلیم کی قدر کرتے ہیں تعلیم چاہتے ہیں تعلیم پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جب تک کوئی قومی کالج نہ ہو اور جہاں مسلمانوں کو مذہبی اور دنیاوی علوم کے حاصل کرنے کے سامان جمع نہ ہوں نہ شوق سے کچھ کام چلتا ہے نہ تعلیم پورے طور پر حاصل ہو سکتی ہے اس کے لئے سرسیّد کی طرف دیکھو اور جو قومی تعلیم گاہ اُس نے بنائی ہے اُسے پورا کراؤ اور روپے سے اُس کی مدد کرو۔ اگر یہ قومی کالج اُس کے جیتے جی پورا نہ ہوا اور تم نے اس کام کو اُس کے ہاتھوں سے پورا نہ کرا لیا تو نہایت افسوس ہوگا۔ مگر جو لوگ اس تعلیم گاہ کو مفید جانتے اور مدد نہیں کرتے اُن کے حال پر ✤

مجھے اس موقع پر مثنوی شریف کی ایک حکایت یاد آئی ہے وہ عرض کرتا ہوں :-

حکایت

آں سگے می مرد و گریاں آں عرب	اشک می بارید و میگفت از کرب
ہیں چہ سازم مر مرا تدبیر چیست	زیں سپس من چوں توانم بے تو زیست
سائلے بگذشت و گفت ایں گریہ چیست	نوحہ و زاری تو از بہر کیست
گفت در ملکم سگے بُد نیک خو	نک ہمی میرد میان راہ او
روز صیادم بُد و شب پاسباں	شیر ز بود او نہ سگ اے پہلواں
تیز چشم و خصم گیر و دزد راں	نیک خو و باوفا و مہرباں
صید میکردی و پاسم داشتے	دزد را نزدیک من نگذاشتے
گفت رنجش چیست زخمے خوردہ است	گفت جوع الکلب زارش کردہ است
گفت صبرے کن بریں رنج و حرض	صابراں را لطف حق بخشد عوض

بعد ازاں گفتش کہ اے سالار حر — چیست اندر پشت ایں انبان بر
گفت ناں وزاد و لوت دوش من — مے کشم از بہر قوت ایں بدن
گفت چوں ندہی بدیں سگ ناں و زاد — گفت تا ایں حد ندارم اتحاد
دست ناید بے درم در راہ ناں — لیک ہست آب دو دیدہ رایگاں

میں اب خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا ہم لوگوں کو توفیق دے کہ سرسیّد نے جو کام شروع کیا ہے اور جس میں بلاشبہ قوم نے توقع سے بڑھ کر امید سے زیادہ مدد کی ہے قوم پورا کرا دے جس سے سرسیّد کے جیتے جی علی گڈھ کالج کی عمارت پوری ہو جائے، سرسیّد کا توبہ توبہ قوم کا گھر بن جائے اور اس کے اخراجات کے لئے کافی سرمایہ جمع ہو جائے اور اس سے قوم کے بچے توبہ توبہ سیّد کے بچے اتنے اور ایسے نکلیں کہ وہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی ترقی کے بیج ہوں اور رفتہ رفتہ ساری اسلامی زمین کو ہرا بھرا پھلا پھولا باغ بنا دیں۔ خدا ہے ہماری حاجتوں کا پورا کرنے والا، ہماری مصیبتوں کا دفع کرنیوالا اور ہماری دعاؤں کا سننے والا ہے۔ ہم کو یہ سب کچھ مشکل ہے مگر اس کو سب آسان ہے۔ پس اے میرے دوستو، اے میرے بھائیو، دعا کرو اور صدق دل سے دعا کرو خدا سے، کس خدا سے، اس خدا سے جو علۃ العلل ہے اور جو دنیا کو پیدا کرنے والا نہایت عظمت اور رحمت والا اور تمام بندوں کے گناہ بخشنے والا قادر مطلق ہر ایک کے پاس اور ہر ایک کے حال سے خبردار ہے۔ وَهُوَ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور جس کی شان ہے۔ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ وَمَنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ۔ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ٭

نمبر ۹

لکچر

جو اشاعتِ اسلام پر نواب محسن الملک بہادر نے ۲۲ مئی ۱۸۹۲ء کو حیدرآباد دکن میں دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا معاشر المسلمین!

آج ہمارے بزرگ اور واجب التعظیم حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب قبلہ قیصی القادری نے جس کام کے واسطے آپ لوگوں کو تکلیف دی ہے، وہ ایک ایسا کام ہے جو ہمیشہ سے ہمیں محبوب اور پسندیدہ

رہا ہے، اور جس کی طرف ہماری طبیعتوں کا میلان اور ہمارے دلوں کا جوش و ولولہ مشہور ہے، وہ کیا ہے؟
اشاعتِ اسلام یعنی اسلام کا اُن قوموں میں پھیلانا، جہاں اب تک لوگ اس سے واقف نہیں ہیں، اور
خدا کے نام کی منادی اُن ملکوں میں کرنی، جہاں اب تک اُس کے پاک نام کی منادی نہیں ہوئی۔ پس کیا
نیک اور مبارک ہے یہ کام، اور کیسا دلکش اور پیارا ہے یہ نام، خدا برکت دے اُسے جس نے ایسے
نیک کام کے لئے آپ لوگوں کو دعوت دی، اور رحمت ہو اُن پر جنہوں نے اسے قبول کیا۔

میرے عزیز بھائیو! آپ کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے، کہ یہ مشکل کام اشاعتِ اسلام کا جس کی مدد کیلئے
آج آپ جمع ہوئے ہیں، خدا نے آپ پر کیسا آسان اور سہل کر دیا ہے، کہ نہ اس کا کرنا آپ کو مشکل ہے،
اور نہ وہ مصیبتیں اور تکلیفیں جو اس کے پیچھے آپ کے بزرگوں نے اٹھائیں، آپ کے سامنے ہیں۔
اس کے آغاز ہی پر خیال فرمائیے، کہ آج جو اس اہم کام کے لئے آپ جمع ہوئے، تو اسی میں آپ کو
کیا تکلیف ہوئی۔ بڑی سے بڑی زحمت یہ ہوئی، کہ نسیم صبح کی طرح ٹھنڈے ٹھنڈے گھر سے نکلے،
اور باد بہاری کی مانند ایک ہوادار پُر فضا مکان میں آ پہنچے۔ جھالردار پالکیوں کی بدولت سر نے نہ
جانا کہ آفتاب کی تمازت اور دھوپ کی شدت کیا چیز ہے، صبا رفتار گھوڑوں نے پاؤں کو خبر نہ ہونے
دی، کہ کانٹوں کا درد اور آبلوں کی سوزش کس کا نام ہے۔ گھر سے بھوکے نہ نکلے کہ خالی پیٹ پکارتا۔
"اَلْجُوْعُ اَلْجُوْعُ" پیاس کی تکلیف نہ ہوئی، کہ سوکھی زبان چلاتی "اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ" پھر اس کے انجام
پر نظر کیجئے کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ چند درم یا چند دینار سے مدد کرنی، اور اپنی کمائی میں سے ایک چھوٹا سا
حصہ دینا۔ نہ وطن سے ہجرت کی ضرورت، نہ خویش و اقارب سے جدا ہونے کی حاجت، اب خیال کرو اپنے
بزرگوں کو کہ انہوں نے اس کام کے پیچھے کیسے دکھ اور درد سہے، اور کیسی مصیبتیں و تکلیفیں اٹھائیں۔
اسلام کی محبت میں اپنے پیاروں اور عزیزوں کو چھوڑا، ماں باپ جورو بچوں کو خیرباد کہا، بے زاد و راحلہ
خدا کی راہ میں چل کھڑے ہوئے، ایسی جلتی تپتی پتھریلی زمینوں پر چلنا پڑا جہاں سوائے گرم آفتاب کے
اُن کے سروں پر کچھ سایہ نہ تھا۔ اور ایسے پُرخار جنگلوں میں جانا پڑا، جہاں سوائے نوکدار کانٹوں کے اُن
کے سوجے ہوئے پاؤں کا کوئی غمخوار نہ تھا، بھوک کے مارے پیٹ پر پتھر بندھے ہوتے، اور پیاس کی
شدت میں زبان منہ سے نکل پڑتی، مگر وہ خدا کے شیر، اللہ کی یاد میں سیر، کبھی اُف نہ کرتے، اور اسلام
کے پھیلانے اور خدا کی منادی کرنے میں، تمام مصیبتوں کو راحت سمجھتے۔ درحقیقت اسلام اُن کا تھا، اور
مسلمان وہ تھے، ہم نام کے مسلمانوں کو اسلام کی کیا قدر، اور اُس کا کیا درد۔ لیلیٰ کی یاد میں بادیہ پیمائی کا مزہ
قیس ہی جانتا ہے، اور عشق میں شیریں کے کوہ کنی کے درد کی فرہاد ہی کو خبر ہے ؎

تو نازنین جہانی و ناز پروردہ — ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر
چو دل بمہر نگارے نہ بستہ اے او — ترا ز حالتِ عشاق بے نوا چہ خبر

انہیں کا وہ اسلام تھا، جس کی بدولت اِس اُمت نے خَیْرُ الْاُمَم کا لقب پایا، اور اُن کے حق میں خدا نے "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" فرمایا۔ اُنہیں کی حیرت انگیز کوششوں کے سبب سے اسلام کا جھنڈا قیصر کے قصر اور کسریٰ کے ایوان پر اُڑنے لگا، اور ایشیا کے میدانوں اور یورپ کے پہاڑوں میں "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کی صدا گونجنے لگی۔

انہیں بزرگوں کی محنتوں اور تکلیفوں کا نتیجہ ہے، کہ اسلام اس تیزی اور اس خوبی سے پھیلا، کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔ اُنہیں کی تکلیفوں اور برداشتوں کا ثمرہ ہے، کہ خدا کے نام کی منادی جنگل اور دریا، غار اور پہاڑ، ویرانہ اور آبادی میں ہو گئی۔ انہیں کی وہ دل کی کپکپا دینے والی تقریریں تھیں، جنہوں نے عرب کے سنگدل جنگلیوں کے دلوں کو موم کر دیا۔ انہیں کے وہ پاک کلام تھے، جنہوں نے وحشیوں کے دلوں کو اسلام کے پاک عقاید سے روشن کر دیا۔ اُنہیں کی بدولت بتخانوں میں گھنٹوں کی مکروہ صدا کے بدلے وہ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کی پیاری آواز آنے لگی۔ انہیں کی کوششوں سے آتشکدوں میں آگ کی بجائے خدا کے کلام کی روشنی ہونے لگی۔ شرک و بت پرستی کی تاریکی دنیا سے دُور ہوئی، اور ایک بےچون و بےچگون، بےشبہ و بےنمون خدا کی منادی جہان میں پھر گئی۔ بتخانے ویران ہو گئے۔ آتشکدے ٹھنڈے پڑ گئے، تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور دہریت کا باطل خیال باطل ہو گیا "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"[1] اگر ہم اپنے بزرگوں کی پیروی کرتے، اور حسن عقیدت اور حسن عمل کے ساتھ اسلام کی اشاعت میں سرگرم رہتے، تو غالباً آج کوئی خطہ زمین کا ایسا نہ ہوتا جہاں خدا کا نام نہ پکارا جاتا۔ اور اسلام کا پرچم نہ لہکتا ہوتا۔ مگر افسوس کہ ہم میں سوائے نام کے کوئی خصلت، کوئی عادت، کوئی چیز بھی اُن کی باقی نہ رہی، اور سوائے اپنی نفسانی خواہشوں میں منہمک ہونے کے کوئی بات شریعت و اسلام کی ہمیں یاد نہ رہی۔ زمانہ اُن سے خالی ہو گیا، پر کوئی اُن کا جانشین نہ ہوا۔ وہ خدا کے بندے دنیا سے چل بسے، مگر کوئی اُن کا وارث نہ ہوا۔ اور وارث ہوئے، تو ہم سے، جن پر صادق ہے خدا کا یہ قول "فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ"[2] ذرا آنکھ کھول کر اسلامی دنیا کو عبرت کی نظر سے دیکھو، اور مسلمانوں پر اور اُن کے اسلام پر غور کرو۔ کیا پاؤ گے کوئی ایسا خطہ زمین کا؛ جہاں کے مسلمانوں کو اسلام کا عشق؛ اسلام کا درد؛ اسلام کا شوق ہو؛ کیا دیکھو گے، کسی ملک میں کسی فرقہ کو مسلمانوں کے ایسا جس کو اسلام کی اشاعت، اسلام کی حفاظت؛ اسلام کی حمایت کا کچھ بھی خیال ہو۔ کیا ہو گئیں وہ بستیاں، جہاں ایسے پاک مسلمان اور جانباز مسلمان آباد تھے۔ کہاں گئے وہ مسلمان جن کے اسلام اور اسلام کی خوبیوں کی دنیا میں دھوم تھی۔ افسوس

---

[1] حق آیا اور جھوٹ بھاگا بیشک جھوٹ بھاگنے والا ہے۔

[2] پھر ان کے پیچھے ایسے ناخلف ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی۔

صد افسوس دِيَارُهُمْ خَالِيَةٌ وَعِظَامُهُمْ بَالِيَةٌ رُسُوْمُهُمْ قَدْ عَفَتْ وَحُسُوْمُهُمْ قَدِ انْطَفَتْ مَا بَقِيَ مِنْهُمْ مُطْعِمٌ وَّلَا طَاعِمٌ وَّلَا ثَاوٍ وَّلَا ظَاعِنٌ[1]

نظم

فَأَيْنَ كِرَامُ الصِّيْدِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ   وَلَا هَاشِمٌ بَاقٍ وَّلَا إِنَّهُمْ بَقُوْا
تُبَدِّدُهُمْ أَيَّامُ الْبَلَا فَتَبَدَّدَتْ   وَفَرَّقَهُمْ رَيْبُ الْمَنُوْنِ فَفُرِّقُوْا

نہایت ٹھیک کہا ہے ہمارے حال پر ہمارے ہندوستان کے سعدی حالی نے ؎

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا   ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا   وہ اُمت لقب جس کا خیر الامم تھا
نشاں اُس کا باقی ہے صرف اِس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو میں   ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو میں   طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں
نہیں[2] کوئی اسلام کی بات باقی
اگر ہے کسی میں تو ہے اتفاقی

اس نا امیدی کی حالت میں اگر کوئی چیز ہمارے دل کی تسلی دینے والی ہے تو خدا کا یہ وعدہ کہ اَللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ وہ نور کیا ہے؟ اسلام، جس کی تکمیل اور تمام کرنے کا وعدہ خدا نے فرمایا ہے۔ اگر ہماری حالتوں میں کچھ تبدیلی نہ ہو، اور ہم اپنی خواب غفلت سے نہ چونکیں، اور اپنے بزرگوں کی کہانیاں سُنکر جوش میں نہ آئیں، اور اپنے آبا و اجداد کی نشانیاں دیکھ کر بھی ہمارے دلوں میں گدگدی پیدا نہ ہو، تو کیا شک ہے کہ جو اسلام نام کو باقی ہے وہ بھی نہ رہیگا، اور جو پیاری صورت اسلام کی بگڑی ہوئی حالت میں نظر آتی ہے وہ بھی نظر نہ پڑیگی۔ کیا ایسا ہوگا؟ اور کیا خدا کی یہ روشنی بجھ جائیگی؟ لَا وَاللّٰهِ لَا، وَاللّٰهِ لَا، وَاللّٰهِ لَا، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ[3] ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ "هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ"[4] کیا سچا ہے یہ مقولہ

---

[1] ترجمہ۔ اُن کی بستیاں خالی ہیں، اور اُن کی ہڈیاں بوسیدہ، اُن کی نشانیاں مٹ گئیں، اُن کی تلواریں کند ہو گئیں، کوئی نہ رہا اُن میں کھانے یا کھلانے والا مقیم یا مسافر۔ کہاں گئے بزرگان بنی ہاشم، اور کیا ہو گئی اُن کی اولاد، افسوس کہ مصیبتوں نے اور زمانہ کی بلاؤں نے اُن کو تباہ کر دیا اور موت نے اُن کو مٹا دیا ❊

[2] اصل مصرعہ یہ ہے ع نہیں کوئی ذرہ نجابت کا باقی ❊

[3] قسم ہے اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں ہے میری جان ❊

[4] وہی جو برساتا ہے پانی بعد اس کے کہ لوگ نا اُمید ہو گئے ہوں اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کاموں کا بنانے والا اور سب خوبیوں سے موصوف ❊

"لیس للانسان الا ما سعیٰ" پھر کیوں ہم اس چھوڑ دیں، اور خدا کی رحمت سے نا امید ہوں، اور کیوں ہوں ہم اگرچہ بیمار ہیں۔ مگر ابھی مرے نہیں، گو ضعیف ہو گئے ہیں، مگر ابھی دم نہیں توڑا، دماغوں کی قوت، دلوں کا جوش، طبیعتوں کا ولولہ، بلاشبہ کچھ کم ہو گیا ہے، مگر ابھی باقی ہے۔ وہ دل کے ہلا دینے والی آواز اللّٰہ اکبر کی جو ہمارے بزرگوں کے منہ سے نکلی تھی اگرچہ سُست پڑ گئی ہے، مگر کانوں میں اب تک گونج رہی ہے۔ وہ خوبصورت تصویر اسلام کی جو ہمارے باپ دادا نے کھینچی تھی اور جس نے ساری دنیا کو اپنا گرویدہ اور فریفتہ کر لیا تھا، اگرچہ نقاب میں چھپ گئی ہے، مگر ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئی، وہ ابراہیمی خون جو ہماری رگوں میں دوڑتا پھرتا تھا۔ اگرچہ دھیما پڑ گیا ہے، مگر ابھی جاری ہے۔ وہ ہاشمی جوش جو ہمارے سینوں میں بھرا ہوا تھا، اگرچہ سُست ہو گیا ہے مگر ابھی باقی ہے، وہ نور اسلام جس سے ہمارے دل روشن تھے اگرچہ دھندلا ہو گیا ہے، مگر ابھی بجھا نہیں۔ اب بھی اسلام کی حرارت اس قدر باقی ہے، کہ اسلام کا نام سُن کر وجد میں آجاتے ہیں۔ مذہب کا جوش اب تک اتنا ہے کہ دین کی آواز سنتے ہی چونک پڑتے ہیں۔ اور یہی دلیل اس بات کی ہے کہ اسلام ابھی باقی ہے؛ اور مسلمان ہنوز زندہ ہیں؛ اور جب تک زندگی ہے۔ ہر طرح کی اُمید ہے۔ آج ہی کا یہ جلسہ اور اس وقت کا یہ مجمع، جہاں مسلمانوں کی اتنی پاک صورتیں اس وقت نظر آرہی ہیں، ہماری امیدوں کا تازہ کرنے والا، اور ہماری یاس کا مٹانے والا ہے۔ یہ جلسہ نہ کوئی شاہی دربار ہے؛ جہاں لوگ سلام و مجرے کے لئے جمع ہوئے ہوں۔ نہ کوئی تقریب شادی اور خوشی کی ہے؛ جہاں سیر و تفریح کے لئے آئے ہوں۔ ایک اللہ کے بندے نے خدا کی راہ میں قدم رکھا؛ اسلام کے درد نے اُسے بیتاب کیا؛ اور اُسے اسلام کے پھیلانے کا خیال آیا۔ دوسرے نے اُس کی مدد کی؛ اُس کے دل کو ٹھیرایا۔ اور خدا کے نام کی منادی کرنے میں اُس کا شریک ہوا، اور وہ دونوں خدائی فقیر، کشکول ہاتھ میں لئے اور جھولی گلے میں ڈالے ہوئے، شَیْئًا لِلّٰہِ، پکارتے یہاں پہنچے؛ ایک تیسرا خدا کا بندہ اُن کی مدد پر کھڑا ہوا اور آپ کو دعوت دی۔ اسلام کا نام سُنتے ہی وہ مذہبی جوش جو آپ لوگوں کے دلوں میں چھپا ہوا تھا موجزن ہوا، اور آپ کو یہاں تک لایا۔ وہ محبت اسلام کی جو آپ کے سینوں میں پوشیدہ تھی، جوش میں آئی، اور اُس نے آپ کو یہاں تک پہنچایا پس حاجی عبد اللہ صاحب عرب کا ایسے نیک کام پر مستعد ہونا، مولوی حسن علی صاحب واعظ کا اُن کی مدد پر کھڑا ہونا، حضرت مولانا و سیدنا حاجی شاہ عبد الرحیم صاحب قبلہ کا آپ کو دعوت دینا، آپ سب لوگوں کا آنا اور اس کام میں مدد کے لئے آمادہ ہونا، یہی وہ باتیں ہیں جو ہمارے مرے ہوئے دل کو زندہ کرنے والی، اور نا امیدی کی حالت میں امید لانے والی ہیں۔ اے کاش خدا ہماری امید پوری کرے اور ہم کو ایسے نیک کام میں مدد کرنے کی پوری توفیق دے۔

اے میرے عزیز بھائیو! جناب مولوی حسن علی صاحب واعظ ابھی آپ کو بتا چکے ہیں کہ حاجی عبد اللہ

صاحب عرب اور وہ دونوں امریکہ میں اسلام کی منادی کرنی چاہتے ہیں، اور اُن کو یہ شوق وہیں کے
ایک ایسے ذی وجاہت اور ذی علم آدمی کے سبب سے پیدا ہوا ہے، جس نے دین اسلام کو سچا اور برحق
سمجھ کر قبول کیا ہے، اور اپنے ملک میں اسکی اشاعت کرنے کا خواہشمند ہے، جو کچھ اُس کا خیال ہے۔ اور جس طرح
وہ اس کام کو انجام دینا چاہتا ہے، اُس کی پوری کیفیت آپ کو اُن تحریروں سے معلوم ہو گئی جو مولوی
صاحب نے ابھی پڑھیں، اُس کی نسبت مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری غرض اس وقت
کھڑے ہونے اور اس پریشان تقریر کرنے سے صرف یہ ہے کہ میں اُس تحریک کی تائید کروں، اور
اس میں اُن کا ہم صفیر بنوں۔ مگر یہ کام ایسا ہے جس میں مجھے بہت ہی تھوڑا کہنا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی
اشاعت کے ثواب، اور اُس میں مدد دینے کی فضیلتیں، جو کچھ خدا اور اُس کے رسول نے فرمائی ہیں،
وہ ایسی ہیں کہ ہر مسلمان کے دل پر توحید کے کلمے کی طرح نقش ہیں۔ اسلام کی دعوت دینے کی فرضیت ہر کلمہ گو
کو معلوم ہے۔ اس لئے اس کا بیان درحقیقت تحصیل حاصل ہے۔ البتہ ایسے موقع پر جو شکوک اور شبہات پیدا ہو سکتے
ہیں، اور اس کے اختلاف میں جو خیالات ظاہر اور جو دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں، اُن کا بیان ضرور ہے۔ تاکہ
اس کام کے شروع کرنے سے اول اُن پر غور اور اُن کا تصفیہ کر لیا جائے *

اول یہ کہ آیا کام اسلام کی اشاعت کا اور کاموں پر جو مسلمانوں کی بھلائی کے لئے ہیں ایسا مقدم
ہے، کہ اُن سب کو چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا چاہئے، یا یہ کہ پہلے مسلمانوں کی اور ضرورتیں پوری، اور اُن
کی حالتیں درست کر لی جائیں، تب اس کام کا خیال کیا جائے *

دوسرے یہ کہ اُن تمام مشکلات پر غور کر لیا جائے، جو اس کام میں پیش آنے والی ہیں *

تیسرے یہ کہ وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے مسلمانوں کو اطمینان ہو، کہ جس غرض کے لئے وہ چندہ
دینگے اُسی میں اُن کا روپیہ صرف ہو گا، اور جس کام کے لئے اُن سے روپیہ لیا جائیگا وہ اچھی طرح چلیگا *
یہ تین باتیں ہیں، جو بظاہر تصفیہ طلب ہیں۔ اس لئے میں ان کو ذرا تفصیل سے بیان کرنے، اور آپ
کے قیمتی وقت لینے کی، اجازت چاہتا ہوں *

پہلے امر کی نسبت بلاشبہ بہت کچھ رایوں کا اختلاف ہو گا، اور مختلف مذاق مختلف خیال اور
مختلف طبیعتوں کے آدمی، اپنے مذاق اپنے خیال اور اپنی طبیعت کے موافق اُس کی نسبت رائے دیں گے *
کوئی کہیگا، کہ اور بہت سی چیزیں اسلام کے فائدے اور مسلمانوں کی بھلائی کی ایسی ہیں جو اُس
پر مقدم، اور مسلمانوں کی توجہ کی محتاج ہیں، اور بہت سے کام مسلمانوں کے فائدے کے ایسے ہیں،
جن کو اسی ملک کے مختلف حصوں میں مختلف طور پر غریب مسلمان انجام دینا چاہتے ہیں، مگر روپیہ کی مدد نہ
ملنے سے ادھورے پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کو چھوڑ کر تمام دنیا میں اسلام پھیلانے کا خیال کرنا مناسب
نہیں ہے۔ اور اگر اسلام کی اشاعت کا کام اُن پر مقدم ہے، تو امریکہ کی کیا خصوصیت ہے، خود ہندوستان

میں اس کی ضرورت ہے، افریقہ والوں میں بہت کچھ مادہ اسلام کے قبول کا پایا جاتا ہے۔ یورپ والے سب سے زیادہ مدد کا محتاج ہے۔ اِن سب کو چھوڑنا اور امریکہ کو اس کام کے لئے منتخب کرنا ترجیح بلا مرجح ہے ؛

بعض لوگ خصوصًا وہ جو زیادہ دوراندیش اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے خواہاں ہیں، کہینگے کہ اب بھی دنیا میں مسلمانوں کی کچھ کمی نہیں ہے، مگر کیا بلحاظ عقائد و اخلاق کے، کیا بخیال تعلیم و تربیت کے، کیا بلحاظ تہذیب و معاشرت کے، وہ بہت پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور اُن کی حالت بہت کچھ اصلاح کی محتاج ہے، وہ روزافزوں ذلت و ادبار کی حالت میں گرفتار ہیں، اور افلاس اور جہل کی مہلک بیماری میں مبتلا، ہر روز ایک نئی مصیبت کا اُنہیں سامنا، اور ہر شام ایک تازہ بلا سے اُن کا مقابلہ ہے۔ نہ اُن کی تعلیم کا بندوبست ہے، نہ تربیت کا انتظام۔ سیکڑوں خاندان ایسے ہیں، جو علم کے معدن اور کمال کے مخزن تھے، اور جہاں سے صدہا مسلمان عالم بن کر نکلتے تھے۔ اب اُن کا پتہ بھی نہیں ہے۔ اُن کی اولاد جاہل، علم سے بے بہرہ اور دربدر مارے پھرتی ہے، جس کا نہ کوئی پُرساں ہے نہ خبرگیراں۔ اسی طرح ہزارہا گھرانے ایسے امیروں کے تھے، جن کی دولت و ثروت سے اسلام کی عزت تھی، اور جن کی بدولت ہزاروں مسجدیں آباد، سینکڑوں خانقاہیں معمور، اور بیسیوں مدرسے جاری تھے۔ اب اُن کا نشان بھی نہیں۔ اُن کے پسماندے مفلس، فقیر اور روٹیوں کو محتاج ہیں، کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی، کہ فاقوں نے اُن کا اور اُن کے بچوں کا کیا حال کیا، اور بھوک کے مارے وہ کب مر گئے۔ ایسی حالت میں کب مناسب بلکہ جائز ہے، کہ اُن کی خبر نہ لیجائے اور اُن کی اس افسوسناک حالت پر کچھ توجہ نہ ہو، وہ اسی دردناک حالت میں چھوڑ دیئے جائیں، اور ایک دور و دراز ملک میں اسلام پھیلانے کے لئے روپیہ جمع کیا جائے۔ اول اپنے درد کی دوا کرنی لازم ہے، تب دوسرے مریض کی خبر لینی چاہیئے۔ پہلے اپنے ٹوٹے پھوٹے گھر کی مرمت مناسب ہے، تب دوسرے کے لئے محل اور عمارت بنانے کی فکر۔ اس لئے مناسب بلکہ واجب ہے، کہ مسلمانوں کے لئے وہ ذریعے پیدا کئے جائیں، جن سے ان کی یہ مصیبت دُور ہو۔ اور اُن کے واسطے وہ سامان جمع کئے جائیں جن سے وہ اس ذلت سے نکلیں۔ اُن کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ اور اُن کے لئے مدرسے بنائے جاویں، ان کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ اور جن نیک بندوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اُن کو مدد دیجائے۔ اور مسلمانوں کے افلاس اور جہل سے نکلنے کی تدبیریں، جو مختلف حصوں میں ہندوستان کے ہو رہی ہیں، جاری کی جائیں۔ اس کے بعد اسلام کی اشاعت کا دوسرے ملکوں میں ارادہ کرنا چاہیئے ؛

اگر زمانہ کے انقلاب اور اُس کے نتائج خصوصًا نئی تعلیم اور نئی تہذیب کے بُرے نتیجوں پر غور کرنے والوں کی باتیں سنئے، تو وہ کہینگے کہ اسلام کی اشاعت بلا شبہ نہایت عمدہ اور ثواب کا کام

ہے۔ مگر اسلام کی حمایت، اور اُس کی حفاظت، اُس پر مقدم ہے۔ جس طرح کہ حملے کی بہ نسبت مدافعت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اسلام پر تو چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ غنیم کے متواتر حملوں سے اُس کے مورچے ٹوٹ گئے ہیں۔ اُس کا دروازہ کھل گیا ہے۔ دشمن کی فوج گھر میں گھس آئی ہے۔ اور اَلْقَتْلُ اَلْقَتْلُ کا غل مچا ہوا ہے، نہ محصورین کا کوئی بچانے والا ہے، نہ عورتوں اور بچوں کا کوئی محافظ۔ گھر میں آگ لگی ہوئی ہے، کوئی اُس کا بجھانے والا نہیں، فوج منتشر ہوتی جاتی ہے۔ کوئی اس کا روکنے والا نہیں، اس پر جو لوگ زندہ ہیں، اور کچھ کر سکتے ہیں، اُن کو یہ خبط ہے کہ دوسرے ملک پر چڑھائی ہو۔ اور نئے قلعے فتح کئے جائیں۔ نئی تعلیم، اور نئی تہذیب کے مسلسل اور متواتر حملوں سے اسلام کے عقیدے، مذہب کی باتیں، اور شرعی احکام، ہمارے نو تعلیم یافتہ بچوں کے دلوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹتے جاتے ہیں۔ اور لامذہبی وبا کی طرح پھیل رہی ہے۔ نہ اسلامی سلطنت باقی ہے۔ کہ حکومت کا خوف اُنہیں روک سکے، نہ قاضیوں کے حکم اور مفتیوں کے فتوے کا ڈر ہے کہ جان بچانے کے خیال سے کفر کی بات کوئی زبان سے نہ نکال سکے۔ یہ تو آزادی کا زمانہ ہے اُس کی برائیوں کی روک تھام بھی آزادی ہی سے ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں ضرورت ہے اس کی، کہ ایسی مذہبی تعلیم سے جو اس زمانہ کے مناسب ہو۔ الحاد و لامذہبی کے خیالات بند کئے جائیں۔ اور انگریزی تعلیم کے بُرے نتیجے، ایک نئی قومی اور ایک نئی مذہبی تعلیم سے روکے جائیں۔ نئی نئی کتابیں تالیف اور درس میں داخل ہوں نئی تحقیقاتوں اور نئے علم کلام سے مذہب کی حمایت اور حفاظت کی جائے۔ اِن باتوں کو چھوڑ کر اور امریکہ میں مذہب پھیلانے کا خیال کرنا۔ دوراندیشی اور دانشمندی سے بعید ہے ✤

دوسرے شبہ کی نسبت۔ کہ کونسی باتیں اس کام کے آغاز کرنے سے اوّل خیال اور تصفیہ کے لائق ہیں۔ بہت کچھ کہا جا سکتا ہے ✤

سب سے اول یہ کہ جہاں اسلام پھیلانے کی فکر ہے۔ وہاں علوم و فنون کی ترقی اعلیٰ درجے پر پہنچ چکی ہے۔ وہاں کے باشندوں کے مذاق۔ اور اُن کے خیالات دوسرے ہی قسم کے ہو گئے ہیں اُن لوگوں کے دلوں سے خود اُن کے مذہبی عقائد محو ہوتے جاتے ہیں۔ وہ خود اپنے یہاں کی وحی اور الہامی باتوں سے منکر۔ اور مذہب اور علم کی کشمکش میں حیران و پریشان ہیں۔ وہاں مذہب کی روشنی خود دھیمی ہوتی جاتی ہے اور علم کی نئی روشنی پر سب کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ عیسائیت کے بدلے دہریت اور علمیت پھیلتی جاتی ہے۔ پھر اُسے روز بروز ایسی ترقی ہے۔ کہ دنیاداروں کی تجارت و صنعت اور حکومت کی قوت۔ اُسے دبا سکتی ہے۔ وہاں مذہب کا جوش ہی باقی نہیں رہا۔ پس وہاں درحقیقت اسلام پھیلانا۔ اُن لوگوں میں نہیں ہے جو عیسائی یا کسی مذہب کے پابند ہیں۔ بلکہ اُن شخصوں میں ہے جو مذہب کے منکر۔ اور حقائقِ اشیاء کے معتقد۔ اور علم کے پیرو ہیں۔ گویا یہ مباحثہ اسلام اور عیسائیت میں نہ ہوگا۔

بڑا اسلام اور فلسفہ میں ہے

اس لئے دیکھنا چاہئے کہ جس حریف سے مقابلہ پڑیگا۔ اس پر چڑھائی کرنے کا سامان اور اس کے اوپر غالب آنے کے آلات بھی ہمارے پاس موجود ہیں کہ نہیں۔ اس مقابلے کو بالکل ایک لڑائی سمجھنا اور یہ خیال کرنا چاہئے۔ کہ گویا ہم کسی مضبوط سنگین قلعے پر۔ جس پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ اور جسکی توپوں کے گولے میلوں اور کوسوں تک کی خبر لیتے ہیں، چڑھائی کرنا چاہتے۔ اگر ہمارے پاس پرانے تیر و کمان اور ڈھال تلوار کے سوا، کوئی دوسرا سامان، جو اس چڑھائی کے لئے ضرور ہے نہ ہو مثلاً نہ تو قلعہ شکن توپیں ہوں، اور نہ بم کے گولے، نہ سرنگ لگانے کے لئے بارود ہو، نہ قلعہ اڑانے کا سامان، نہ ہمارے سپاہیوں کو ایسی لڑائی کا تجربہ ہو، اور نہ ایسے قلعوں پر چڑھائی کرنے کی مشق، تو لڑائی کا ارادہ، اور قلعہ کے فتح کی اُمید، محض نادانی ہے۔ اس پر بھی اگر صرف شہادت کا شوق ایسے مقابلہ پر لے جائے، تو ایسی شہادت خودکشی سے گھر بیٹھے بخوبی حاصل ہو سکتی ہے۔ بھلا خیال تو کیجئے کہ ایسے ملک میں جہاں علم و حکمت کی ایسی ترقی ہو، کہ ارسطو اور افلاطون کا کوئی نام نہ لیتا ہو، جن کے علم و حکمت کے مقابلہ میں پُرانا فلسفہ حرف غلط کی طرح صفحہ دل سے محو ہو گیا ہو، جنہوں نے تجربات اور مشاہدات سے ہر چیز کو علم الیقین سے عین الیقین کے درجے پر پُہنچا دیا ہو، جن کی تحقیقاتوں اور تحقیقاتوں کے نتیجوں پر اعجاز و کرامت اور سحر و طلسمات کا شبہ ہوتا ہو۔ وہاں ایسے لوگوں کا، جو دوسرے مذہب والوں سے ملنے کو گناہ، دوسرے لوگوں کی زبان سیکھنے کو حرام، اور فلسفہ پڑھنے کو کفر جانتے ہوں۔ اور جو بہت سی ایسی باتوں پر، جو خلاف حکمت، خلاف فطرت، اور خلاف واقع، ہوں۔ تقلیداً اعتقاد رکھتے ہوں ایک تعلیم یافتہ اور لامذہب قوم کو مسلمان بنانے کے لئے جانا، اور اُسے اسلام کی دعوت دینی کیا مفید ہوگی، اور ایسے لوگوں کی باتوں سے وہاں کے لوگ اسلام کی طرف کیا راغب ہونگے۔ یہ وہ کام ہے کہ ابن رُشد اور ابن طفیل سے فلاسفر، بوعلی اور فارابی سے حکیم، غزالی اور رازی سے امام، طوسی اور دوانی سے محقق، اس کے لئے ہونے چاہئیں کہ اول اُن تحقیقاتوں اور اُن کے علوم سے واقف ہوں، اور علمی مسائل کا مذہبی عقاید سے متحد اور موافق ہونا ثابت کریں۔ پھر اسلام کی دعوت دیں، ایسے اہم اور نازک اور مشکل کام کو ہمارے متعصب واعظ اور ہمارے ناواقف مولوی کس طرح انجام دینگے۔ کونسی باتیں اسلام کی وہ ہیں کا اثر اہل علم، اور اہل حکمت پر ہو، وہ خود جانتے ہیں، جو اُن کو سمجھائینگے۔ اور کن دلیلوں سے وہ اسلام کی سچائی اُن پر ثابت کر سکینگے۔ یہی ہمارے بچے جو انگریزی پڑھتے، اور مدرسوں میں معمولی تعلیم پاتے، اور ہیئت و جغرافیہ و تاریخ کی آسان کتابیں پڑھتے، اور ابتدائی مسائل جانتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کی بزرگانہ باتیں سنکر ہنستے، اور ان کی باتیں ٹھٹھوں میں اُڑا دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی باتوں سے اُن کے دل اسلام اور ایمان سے اور پھرتے جاتے ہیں۔ تو علم کے دریا میں تیرنے والوں، اور حکمت کے

سمندر میں غوطہ لگانے والوں۔ فیثا غورس اور بطلیموس کی تحقیقاتوں کے غلط ثابت کرنے والوں کے سامنے وہ کیا باتیں کرینگے ✣

دوسری بات غور کرنے کے لائق یہ ہے، کہ کون سے اصول اور عقاید وہاں جاری کرنے مقصود ہیں۔ اس لئے کہ وہ سچا دین اور سیدھا سادہ اسلام جو ہم کو نبی اُمّی نے سکھایا تھا، اپنی اصلی حالت پر اس وقت باقی نہیں ہے۔ اُس بے رنگ نے ہزاروں رنگ پکڑ لئے ہیں، اور اُس کی سادگی ہزاروں بناوٹ اور تکلفات کے پردے میں چھپ گئی ہے۔ اختلاف اور تفریق کی کوئی حد باقی نہیں رہی۔ کہنے کو تو بہتّر فرقے ہیں۔ مگر تفصیل پر نظر کیجئے۔ تو شمار اُن کا سیکڑوں سے بھی گزرتا ہے۔ پھر ہر ایک اپنے کو ناجی اور دوسرے کو ناری سمجھتا ہے ✣

اس لئے اوّل اپنے اندرونی اختلافات دور کرنے کی فکر چاہیئے اور اسلام کے وہ اصول اور عقائد قرار دینے چاہئیں۔ جن کو پھیلانا، اور ایک تعلیم یافتہ قوم کو اُس کے اوپر ایمان لانے کی دعوت دینی منظور ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے اختلافات کی وہ ترقی ہے کہ ایک خاندان میں ایسے دو مسلمان بھی ملینگے۔ جو اصول وعقاید درکنار۔ فروع، اور فروع میں بھی نہایت چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں جھگڑتے یا ایک دوسرے کی تکفیر نہ فرماتے ہوں۔ اُن بہتّر مذہبوں کو جانے دو۔ جو اسلام میں مشہور ہیں۔ کسی ایک فرقے ہی کو لے لو۔ اور اُن میں جو اختلاف، اور اختلاف سے مخالفت، اور مخالفت سے عداوت، ہو رہی ہے۔ اُس پر نظر کرو۔ تو سوائے نااُمیدی اور اسلام پر افسوس کرنے کے کوئی دوسری حالت نظر نہ پڑیگی۔ مثلاً اہل سنت کے فرقے کو لیجئے۔ جس میں میں بھی داخل ہوں۔ اور اکثر حاضرین مجلس۔ اور خیال کیجئے کہ اس کا کیا حال ہے۔ اگر انصاف اور غور سے دیکھو تو غالباً ستر سے زیادہ اسی ایک فرقے کی شاخیں ہونگی۔ جن میں طرح طرح کے پھل پھول لگے ہوئے ہیں۔ اور قسم قسم کے جھگڑے ذرہ ذرہ سی بات پر دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ کہیں ہاتھ ناف سے اوپر رکھنے نہ رکھنے پر جھگڑا، کہیں آمین بالجہر کہنے نہ کہنے پر تکرار۔ کہیں انگشت شہادت اُٹھانے نہ اُٹھانے پر لڑائی۔ کہیں ضاآلین اور دوآلین کہنے پہ فوجداری۔ غرض کہ جتنے مُنہ اتنی باتیں۔ جتنے آدمی اتنے جھگڑے، ایسی حالت میں کہ گھر میں یہ پھوٹ پڑ رہی ہو، دوسروں پر حملہ کرنا۔ اور اپنی لڑائی طے کئے بغیر غیروں سے مقابلہ کیا مفید ہوگا فرض کیجئے، کہ مسلمانوں نے اس تجویز کو پسند بھی کیا، اس نیک کام پر متفق بھی ہو گئے۔ چندہ بھی جس قدر منظور رہے جمع ہو گیا۔ اور وقت آیا کسی واعظ کو یہاں سے بھیجنے اور ڈیب صاحب کو مدد دینے کا، تو کس فرقے کے مولوی بھیجے جائینگے۔ اور کس خیال اور کس عقیدے کے لوگ منتخب ہونگے۔ اگر اہل حدیث نے جناب مولانا مولوی عبد القدوس نامی کسی عالم کو بالفرض منتخب کیا، تو مقلدین کہینگے۔ کہ هٰذَا وَهَّابِیٌ هٰذَا کَافِرٌ۔ اگر مقلدین نے مولوی مدار بخش نامی، کسی متقی دیندار کو مثلاً اس کام کے

واسطے تجویز کیا، تو اول حدیث فرمائینگے، کہ ھٰذَا اَبدُ عَنِّیْ ھٰذَا اَنَا سِقْ - پھر فرمائے کہ کون منتخب ہوگا، اور وہ مقصود جس کے لئے یہ کوشش ہو رہی ہے کیونکر حاصل ہوگا - رہا یہ اختلاف وہ دور دور پیدا نہ ہوگا - نہ ہوسکیگا - نادان ہے وہ جو اس کا خیال کرے، اور پاگل ہے وہ جو اس کی تمنا کرے ۔

اب رہا تیسرا شبہ کہ جس نیک کام کے لئے روپیہ وصول کرنا منظور ہے - اس کے ضائع نہ ہونے کا کیا اطمینان ہے - اُس کی نسبت کہا جا سکتا ہے، کہ جس اللہ کے بندے کے بھروسے یعنی ویب صاحب پر یہ کام شروع کیا جاتا ہے - اُن کا حال کیا ہے - اُن کو خود اسلام اور اسلام کے اصول و فروع سے کہاں تک انسیت ہے - اور ان کے خیالات دین اسلام کی نسبت کہاں تک اسلام کے مطابق ہیں، پھر اُن کا رویہ اور چلن کیسا ہے، اور وہ اپنے ارادے میں کہاں تک مستقل اور اس کام کے کرنے میں کیسے مستعد ہیں، اور وہ اس کام کو کس طرح اور کس کی صلاح و مدد سے چلائینگے ۔

پس اے میرے دوستو، اور دین اسلام کی امریکہ میں اشاعت چاہنے والو! یہ وہ اہم اور تصفیہ طلب باتیں تھیں، جو کسی کے خیال میں گزر سکتی ہیں، اور جن کا فیصلہ ضرور ہے، مگر میں اپنے دوست حاجی عبداللہ صاحب عرب اور اُن کے موید مولوی حسن علی صاحب کی طرف سے کہہ سکتا ہوں، کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے - جس کے لئے ہم اپنے ارادے بدل سکیں، یا جو ہم نے ارادہ کر لیا ہے، اُس سے پیچھے ہٹ سکیں - اس دنیا میں کوئی کام دینی ہو یا دنیوی ایسا نہیں ہے جس پر کچھ اعتراض نہ ہو سکیں اور جس پہلو سے دیکھا جائے، اُس میں کامیابی ہی کی امید ہو - مثلاً جو لوگ اشاعت اسلام سے دوسرے کاموں کو ضروری، اور خود مسلمانوں کی بُری حالتوں کی اصلاح کو مقدم سمجھتے ہیں اُن کو دو باتوں پر غور کرنا چاہئے ۔

اول یہ کہ کیا درحقیقت ان کا یہ خیال صحیح ہے - دوسرے یہ کہ کیا اس کام میں مدد کرنی اُن کی مجوزہ کاموں کی مانع ہے - ہم کہتے ہیں کہ نہ اُن کا خیال دوسرے کاموں کے مقدم ہونے کی نسبت صحیح ہے اور نہ یہ کام دوسرے کاموں کا مانع ہے ۔

پہلا امر تو صاف ہے، کہ اسلام کی اشاعت ایسا فرض ہے کہ کوئی دوسرا کام گو کتنے ہی ثواب کا ہو - اور گو مسلمانوں کے لئے کیسا ہی مفید ہو، اُس کی فرضیت کو مسلمانوں پر سے ساقط نہیں کر سکتا - اور جب تک اس فرض کفایہ کو کچھ لوگ خدا کا نام لیکر ادا نہ کریں مسلمان اُس سے سبکدوش نہیں ہو سکتے - وہ خدا جس نے فطرۃً ہر انسان کو مسلمان ہونے کی ہدایت دی ہے جو سب سے اول سب سے مقدم اور سب سے بڑھکر، اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ اس کو ایک جانیں اور لا یکتا مانیں، نہ کسی کو اس کا شریک سمجھیں، نہ کسی کے آگے عبادت کے لئے سر جھکائیں، اور ان لوگوں سے جن کو بے محنت، اور بے زحمت کے اسلام کی دولت اپنی رحمت سے مسلمانوں کے گھر میں پیدا کرکے مسلمان بنایا، یہ خواہش رکھتا ہے کہ جو نعمت

اُس نے اُن کے سپرد کی ہے، وہ اَوروں تک پہنچاویں، اور جو نعمت اُن کو دی ہے، دوسرے بندوں کو بھی اُس میں شریک کریں، پس ہر مسلمان پر فرض ہے، کہ دوسرے کے کان میں اسلام کی آواز پہنچادے اور خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کی صدا دوسروں کو سنادے۔ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ، خدا خوش ہوتا ہے سب سے بڑھ کر اُن لوگوں سے جو بھٹکے ہوئے لوگوں کو اس کی طرف لاتے ہیں۔ اور رسول مقبول فخر کرینگے اُن پر جو اُن کی اُمّت بڑھانے میں ساعی ہیں۔ ایک بیدین کے سامنے خدا کی خدائی، اور اُس کی یکتائی پر حجت لانا بہتر ہے۔ ہزار مسلمانوں کے روبرو وعظ کرنے سے اور ایک منکرِ اُلوہیت کا مسلمان بنانا بہتر ہے، ایک لاکھ مسلمانوں کی حالت درست کرنے سے۔ فَاِنَّ اَصْلَ اُصُوْلِ الْبِرِّ وَعُمْدَۃَ اَنْوَاعِہٖ ھُوَ التَّوْحِیْدُ۔ یعنی تمام نیکیوں کی جڑ اور سب نیکیوں سے بڑھ کر توحید ہے۔ درحقیقت توحید تمام نیکیوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے اعضا کے مقابلے میں دل اِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَمِیْعُ وَاِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَمِیْعُ یعنی اگر وہ اچھا ہے تو سب اچھے ہیں اور وہ بُرا ہے تو سب بُرے اور خدا کا ماننا۔ تمام عبادتوں میں ایسی عبادت ہے۔ جس کا صلہ ہے جنت۔ فرماتے ہیں رسول مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ مَنْ مَّاتَ وَلَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ یعنی جو مرے ایسی حالت میں کہ خدا کا شریک کسی کو نہ جانتا ہو، تو وہ جنتی ہے، اور حکایت کرتے ہیں سرورِ کائنات اپنے خدا کی طرف سے، کہ مَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً یعنی اگر کوئی ملیگا مجھ سے ایسی حالت میں کہ دنیا بھر کے گناہ لئے ہوئے ہو۔ مگر میرا شریک کسی کو نہ جانتا ہو، تو میں بھی ملونگا اُس سے اس طور پر کہ دنیا بھر کی مغفرت اُس کے لئے ہو ✤

کیا نہیں سنی ابوذر والی وہ حدیث۔ کہ حضرت نے فرمایا اُن سے۔ کہ جاؤ خوشخبری پہنچادو سب کو کہ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ کہ نہیں ہے کوئی جو گواہی دے خدا کی توحید کی اور محمدؐ کی رسالت پر سچے دل سے۔ مگر حرام کریگا خدا اُس پر آگ دوزخ کی۔ اور جب متعجب ہو کر پوچھا ابوذرؓ نے کہ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ کہ اگرچہ زانی بھی ہو اور چور بھی۔ غصہ میں آکر فرمایا کہ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ، کہ ہاں زنا کیا ہو، اور چوری کی ہو۔ تو کسی کا یہ خیال کرنا کہ اسلام کی دعوت پر دوسری چیزیں مقدم ہیں، بعینہٖ ایسا ہے، جیسے کسی کا کہنا، کہ جڑ پر ڈالی پتے مقدم ہیں یا فرض سے سنت اور نفل بہتر ہے۔ وَھٰذَا مَا یُخَالِفُہُ الْعَقْلُ وَالنَّقْلُ ✤

اب رہی یہ بات، کہ یہ کام دوسرے کاموں کا جن کو مسلمان کرتے ہیں، یا کرنا چاہیں، مانع ہوگا، اُس کے فیصلہ کرنے کے لئے اپنی روزمرہ کی کارروائیوں اور طرز آمد پر نظر کرو اور دیکھو کہ دنیا میں مختلف خیال اور مختلف مذاق کے آدمی ہیں۔ ہر شخص اپنے خیال اور مذاق کے موافق کام کرتا ہے کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ

نیکی کرنے والوں اور بھلائی چاہنے والوں ہی کو دیکھو، کہ اُن میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خاص قسم کی نیکی کا شائق
اُسی کے پھیلانے میں متوجہ، اور اُسی کے پورا کرنے میں سرگرم ہے۔ کسی کو بھوکوں کو کھانا کھلانے، اور
ننگوں کو کپڑا پہنانے، کا شوق ہے۔ کسی کو لولے، لنگڑے، اندھے، بہروں کی دردناک حالت کے ساتھ
ہمدردی ہے، کوئی خواہشمند ہے، کہ بیماروں کے لئے شفاخانے، اور غریبوں کے لئے محتاج خانے
قایم ہوں۔ کوئی چاہتا ہے کہ کسی طرح غمزدہ بیواؤں کی مصیبت دور، اور دوسری شادی کی رسم جاری ہو
کسی کو یہ شوق ہے کہ مسجدیں تعمیر ہوں۔ خانقاہیں بنائی جائیں، حاجیوں کے لئے مکّہ میں گھر۔ اور مدینہ
میں رباط تیار ہوں، کوئی چاہتا ہے۔ کہ مسلمانوں میں نماز روزہ کا چرچہ ہو۔ شریعت کے احکام جاری
کئے جائیں۔ مولوی وعظ کہنے کے لئے، محتسب دُرّے لگانے کے لئے مقرر ہوں۔ کسی کی یہ سعی او
خواہش ہے، کہ مدرسے بنائے اور کالج تیار کئے جائیں، اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔
غرضکہ جتنے دماغ اُتنے ہی خیالات، اور جتنے دل اُتنے ہی مذاق، وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشِقُونَ مَذَاهِبُ
پس کیا اشاعت اسلام کا نام اس لمبی اور طویل فہرست میں نیک کاموں کے درج نہیں ہو سکتا اور کیا دنیا
میں خدا کے ایسے بندے جن کو اس نیک کام کا شوق ہو، نہیں مل سکتے۔ اگر انصاف بلکہ ایمان کی نظر
سے دیکھو۔ تو اِس شوق کے شائق۔ اس جنون کے دیوانے، اس نشہ کے متوالے، ہزاروں نہیں،
بلکہ لاکھوں ہی ملینگے، اور لاکھوں موجود ہیں۔ اور ہمارا روئے سخن بھی انہیں کی طرف ہے۔ اور ہم
اُنہیں سے اعانت اور مدد کے زیادہ خواہاں ہیں۔ ہر شخص کو خدا اُس کے شوق میں سرگرم اور اُس کے
کام میں مشغول رکھے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اور سب کام بند ہو جائیں اور اسی ایک کام پر سب لوگ جھک پڑیں۔
بلکہ ہم اتنا چاہتے ہیں کہ یہ کام بھی جو خاص خدا کا کام ہے، شروع ہو جائے، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے
کھڑے ہو جائیں، کہ وہ اپنی مردانہ ہمت اور فیاضانہ مدد سے اس کام کو جاری کر دیں۔ تاکہ یہ بڑا فرض
جو ہر مسلمان کی گردن پر ہے، ادا ہو جائے۔ اور بازپرس کے دن اِس فرض کے ترک پر ہم سب سے
بازپرس نہ ہو۔ پھر یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے۔ کہ ایک کام کا شائق دوسرے کاموں میں مدد دینے
سے انکار نہیں کرتا۔ اور نہ ایک نیکی پھیلانے والا دوسری نیکیوں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ نہ ایک کام کرنے
سے دوسرے اور کام بند ہوتے ہیں۔ تو کیا سبب ہے، کہ جو لوگ اور اچھے کاموں میں سرگرم ہیں
وہ اَعْلَاءِ كَلِمَةِ اللهِ میں کچھ بھی مدد نہ کریں، یا خفیف سی اعانت اُن کی۔ اُن کے دوسرے کاموں
کی مانع اور روکنے والی ہو۔ کون ہے ایمان اور اسلام کی ترقی چاہنے والا، جو ایسا خیال کرے۔ اور
خفیف سی مدد، اور تھوڑی سی اعانت کرنے سے اپنا نام اَنْصَارُ اللهِ کی فہرست میں لکھانا چاہے اور
ایسے ملک میں جہاں اس تیرہ سو برس میں اب تک کسی نے اسلام کا نام نہ لیا ہو، اور جہاں خدا اور خدا کے
رسول کے نام کی منادی اب تک نہ ہوئی ہو۔ اسلام پھیلانے میں کوشش نہ کرے ✤

رہا یہ امر، کہ ہندوستان، افریقہ، اور انگلستان چھوڑ کر امریکہ میں اسلام کی اشاعت مقدم سمجھنے کا کیا سبب ہے۔ اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ایک ایسا ملک ہے، جہاں کے لوگ پورے آزاد اور آزادانہ خیالات رکھتے ہیں۔ اُن کو مذاہب مختلفہ کی تحقیق کا شوق ہے، اور اگر سچ سمجھ جائیں تو اس کے قبول کرنے پر بھی آمادہ ہیں۔ اس لئے دوسرے ملکوں کی بہ نسبت وہاں اسلام کا وعظ کرنا زیادہ مناسب اور مفید ہے۔ بلاشبہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ کام کرنا چاہئے۔ مگر یہاں خدا کی مہربانی سے کروڑوں مسلمان ہیں۔ اور ہر قصبہ میں مسلمان عالم، مسلمان واعظ موجود، اور اسلام کے نام اللہ اُس کے عقائد سے عموماً سب کو واقفیت ہے۔ اور ہمارے واعظ اس کام میں مشغول بھی ہیں۔ بخلاف نئی دُنیا کے کہ وہاں نہ مسلمان موجود ہیں۔ نہ اسلام کے نام سے وہاں کے باشندے واقف، نہ اب تک کسی نے اسلام کی منادی وہاں کی ہے، یہی حال افریقہ کا ہے کہ وہاں کے ایک حصّہ میں اب تک مسلمانی سلطنت موجود ہے۔ اور مسلمان سیّاحوں اور مسلمان تاجروں کے ذریعہ سے اسلام وہاں پھیلتا جاتا ہے، اور اسلام کی منادی کرنے والے وہاں بھی موجود ہیں۔ سوائے اس کے امریکہ کے ایک عالم کا ایمان لانا، ہزار افریقہ کے جاہل حبشیوں کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کے حق میں زیادہ مفید ہے ہاں لِوَرپول کا معاملہ زیادہ توجہ کے لائق ہے۔ اور بلاشبہ وہاں مدد دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مگر جب کہ یہ خیال کیا جائے، کہ وہاں یہ کام شروع ہو گیا ہے۔ اور وہاں کا ایک شخص جو کہ ذی علم اور ذی وجاہت ہے، اسلام کے پھیلانے میں مصروف ہے، اور اُسے مدد پہنچ رہی ہے۔ تو ہم کو اپنی تجویز سے باز رہنے کے لئے کوئی وجہ کافی معلوم نہیں ہوتی۔ خصوصاً جب کہ اس بات پر خیال کیا جائے کہ لندن وہ مقام ہے جہاں اب سیکڑوں مسلمان آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور اسلام کی خوبیوں کے ظاہر کرنے، اور اسلام کی حقیقت بتانے، کا اُنہیں اچھا موقع حاصل ہے۔ مگر جہاں اب ارادہ کیا جاتا ہے، وہ ایک ایسا مقام ہے کہ نہ اب تک وہاں کسی نے یہ کام شروع کیا ہے، نہ مسلمانوں کو وہاں سے زیادہ تعلق ہے۔ نہ مسلمان سیّاح، نہ مسلمان تاجر، نہ مسلمان عالم، نہ مسلمان طلبہ وہاں آتے جاتے ہیں۔ جس سے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی حالت دریافت کرنے کا موقع ملے۔ اس لئے جب خدا نے وہاں کے ایک بندہ کو اس کام پر آمادہ کر دیا ہے۔ تو اُس کی مدد نہ کرنی گویا ایک ایسی قوم کو جو مادہ اسلام لانے کا رکھتی ہے۔ اسلام سے محروم رکھنا ہے۔ اب میں آپ کی توجہ چاہتا ہوں اس پر، کہ جو لوگ مسلمانوں کے افلاس اور جہل کی خراب حالت پر نظر کر کے، چاہتے ہیں۔ کہ اول اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے، اور جو کچھ تجویزیں اس کے لئے کی گئی ہیں، وہ ادھوری چھوڑ کر دوسرا کام شروع نہ کیا جائے غالباً کوئی نہ ہوگا، جو اس بات کو دل سے نہ سُنے اور مسلمانوں کی زار حالت پر متاسّف ہو کر اُس کے علاج کا خواہاں نہ ہو۔ بلاشبہ یہ نہایت ضروری امر ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام سب کاموں پر مقدم ہے

گر ہمارے اِس کام سے اُس میں خلل نہیں ہو سکتا ۔ اور جیسا کہ ابھی میں کہہ چکا ۔ تھوڑی سی مدد اس کام میں فیاض اور عالی حوصلہ مسلمانوں کو اُس کام کے پورا کرنے سے روک نہیں سکتی ۔ علاوہ برایں ہزاروں مسلمان ہیں ۔ جو ابھی تعلیم و تربیت کی ضرورت نہیں جانتے ، یا جانتے ہیں مگر اس طریقہ کو جسے اِس زمانہ کے مصلحان قوم پسند کرتے ہیں ، مفید نہیں سمجھتے ۔ بلکہ ثواب حاصل کرنے کے لئے دوسرے ہی راہوں میں روپیہ خرچ کرتے ہیں ۔ کوئی مسجد بناتا ہے ۔ کوئی مہمانسرا ، کوئی حج کراتا ہے ، کوئی درگاہوں پر نذریں چڑھاتا ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہزار دلیلیں اُن کے سامنے مسلمانوں کی تعلیم کی ضروری ہونے کی لائے ، وہ ایک بھی نہیں مانتے ، اور لاکھ طرح اُن کو سمجھائیے ، وہ اسے ثواب کا کام ہی نہیں سمجھتے ۔ مگر وہ غیرہ اسلام کی اشاعت کو وَلَوْکَانَ فِی اَمْرِیْکَہْ ایسا سمجھینگے ۔ کہ اُس میں چندہ دینا گویا جنت میں داخل ہونے کے لئے اجازت نامہ لینا ہے ، اور بلاشبہ اگر اُن کی نیت صادق ہے تو اُن کا خیال درست ہے ۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ تو ہم نہیں سمجھتے ۔ کہ کیوں ہم ایسے لوگوں سے مدد کے طالب نہ ہوں ۔ اور کیوں ایسے لوگ جو محض ثواب کے لئے خیرات کرتے ہیں ، ایسے بڑے ثواب کے کام میں مدد نہ دیں ❋

اب رہا یہ خیال ، کہ مسلمان انگریزی خوانوں کے عقاید اور مذہبی خیالات کی اُن بُرے نتیجوں سے حفاظت کی جائے ، جو نئی تعلیم سے پیدا ہو رہے ہیں ۔ اور اس کے لئے ایسی مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے ، جو موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب ہو ، اُن کے لئے نئی کتابیں تالیف کی جائیں ۔ اور اُن حملوں سے جو علم کے ہو رہے ہیں ۔ اُن کے عقیدے ، بلکہ اُن کا اسلام بچایا جائے ، اور جو روپیہ جمع ہو ، اسی کام میں صرف کیا جائے ، بلاشبہ غور و فکر کے لائق ہے ۔ اور اُس کی ضرورت ہم تسلیم کرتے ہیں ۔ مگر یہ خیال کو کتنا ہی عالی اور مفید ہو ، اور گو یہ کام کیسا ہی ضروری اور اہم ہو ۔ مگر اول تو ہمیں اس کا پورا ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں ہم اپنے کام کو بجائے خلل انداز ہونے کے اُس کے لئے بھی مفید سمجھتے ہیں ، مشکل ہونا اس کام کا غالباً سب قبول کرینگے ۔ اِس لئے کہ انگریزی خوانوں کو نئی تعلیم کے بُرے اثر سے بچانا منحصر ہے ۔ اس پر کہ ہم کو نئے علوم اور نئی تحقیقاتوں کا ویسا ہی علم ہو ، جیسا کہ اپنے مذہب کا ۔ اور ہم کو حکمت جدیدہ کے نئے مسائل پر اتنا ہی عبور ہو ۔ جتنا کہ اپنے دین کے اصول و فروع پر ۔ پھر ہم فقط اُن علوم کے جاننے والے ہی نہ ہوں بلکہ ہم کو تحقیق اور فیصلہ کی قوت بھی ہو ۔ اور ہم حکیمانہ دماغ ، اور منصفانہ طبیعت بھی رکھتے ہوں ۔ تاکہ باہم اس اختلاف کو دُور کر سکیں جو علمی مسائل اور دینی عقاید ، اور شرعی احکام اور مذہبی روایات میں نظر آئے یا اُن دونوں میں سے کسی کو غلط اور کسی کو صحیح ٹھہرا سکیں ۔ اور ہم اُس غلطی اور صحت کو معقول دلائل سے ثابت کرنے کی قوت بھی رکھتے ہوں ، تاکہ وہ تطبیق یا تردید یا تاویل ، جو ہم کریں ، دوسرا بھی اُسے قبول کرے ، اور دوسروں کی طبیعتوں پر بھی اُس کا اثر ہو ، گویا ہم ایک ایسی زمانہ میں وہ کام کریں ۔ جو امام غزالی اور امام رازی وغیرہ متقدمین نے کیا تھا ۔ مجھ کو پہلے ایسے لوگ ہوں ، جو ان محققوں کی تحقیقاتوں کو شائع کریں

اور مسلمان انگریزی خوانوں کی استعداد اور علم کے درجات کے لحاظ سے ، اور اُن کے مادے اور سمجھ کے موافق نئی کتابیں لکھیں ۔ گویا ہماری قوم میں نئے علم کلام کے ایجاد کرنے والے اور اُس کے تائید دینے والے ، اور اُس کے پھیلانے والے ، ایسے ہوں ۔ جیسے اگلے زمانہ میں ہوئے تھے ، جیسے کوئی امام تھا ۔ کوئی مجتہد ، کوئی محقق ، کوئی علامہ ، اور کوئی عالم ۔ تاکہ ہمارے بچے جو نیا علم حاصل کر رہے ہیں ، دین پر قایم رہیں ، اور ملحد اور لامذہب نہ ہونے پائیں ۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ ہماری قوم میں موجود ہیں یا آیندہ اُن کے ہونے کی کچھ اُمید ہے ۔ اُس کا حال یہ ہے ۔ کہ اب تک ہمارے علما علوم جدیدہ کی حقیقت کیسی ، اُن کے نام بھی نہیں جانتے ، اور کیونکر جانیں ، وہ علوم بند ہیں ایسے صندوقوں میں ۔ جن پر انگریزی ، فرنچ ، اور جرمنی ، کی مُہریں لگی ہوئی ہیں ۔ جن کو اب تک ہمارے بزرگ عالموں نے توڑنا نہ توڑنے کا ارادہ کیا ، نہ توڑنے کی اجازت دی ۔ ایک مانہ چاہیئے ، کہ کوئی اُن علوم کو مقفل صندوقوں سے نکالے ۔ اور اُنہیں عربی جامہ پہنا دے ۔ اور ہمارے متکلّمین کے سامنے جو عربی لباس کے سوا دوسرے لباس میں کسی کی صورت دیکھنی نہیں چاہتے ، پیش کرے تاکہ وہ اسے دیکھیں اور اس مہیب اور ہولناک دشمن سے بچنے کی کچھ تدبیر کریں ۔ مگر یہ کون کہ سکتا ہے کہ اُس وقت تک ہماری قوم میں ایسا کوئی باقی رہے جو عربی جامہ میں بھی اُس کی شکل دیکھ کر پہچان سکے ۔ بظاہر تو اُس روزافزوں تنزل سے جو علم میں ہو رہا ہے ۔ اور علما اور اور بزرگانِ دین کے اس چال چلاؤ سے جو روزانہ دیکھتے ہیں ۔ اس کی بھی توقع نہیں ہے ۔ پس جب کہ اپنے ہی علموں کے جاننے والے نہیں ہیں ، اور منقول اور مذہبی علوم ہی کے لالے پڑے ہوئے ہیں ۔ تو علوم جدیدہ سے واقف ہونے ، اور نئے فلسفہ کو مذہب سے تطبیق یا تردید کرنے کا خیال ، جنون نہیں ہے ، تو کیا ہے ۔ ایسی حالت میں اگر ہم اشاعت اسلام کا دوسرے ملک میں خیال چھوڑ بھی دیں ۔ اور جو کچھ ہم اُس کے لئے جمع کریں ۔ وہ اس کام میں صرف کرنے کے لئے دے بھی دیں ۔ تو اُس سے کیا حاصل ہوگا ۔ بلکہ جو تجویز اس وقت امریکہ میں اسلام پھیلانے اور مدد دینے کی پیش ہے ۔ غالباً اس کام کے لئے بھی مفید ہوگی ۔ اس لئے کہ صدیاں گزر گئیں ، کہ ہم سے ایجاد کی قوت جاتی رہی ۔ اور جس طرح کہ کسی عضو کو مدت تک بیکار رکھنے سے آخر وہ عضو بیکار ہو جاتا ہے ہمارے دماغ تقلید کے سبب سے تحقیق اور غور کے لائق نہیں رہے ۔ ہم سے اُمید نہیں ہے ۔ کہ ہم نئے علموں اور نئے فلسفہ کو سیکھیں ۔ اور اپنے مذہبی مسائل کو اُس سے تطبیق دینے کے لئے نیا علم کلام ایجاد کریں ، یا ایسی کتابیں جو اس مقصود کے لئے ضروری ہوں تالیف کر سکیں ۔ یہ کام بھی اگر ہو سکیگا ۔ تو یورپ ہی کے عالموں سے جو مسلمان ہو جائیں ۔ بلاشبہ اُن کے دل و دماغ ایسے ہیں کہ اسلام لانے اور اسلام کی حقیقت جاننے کے بعد ایسی کتابیں تصنیف کر سکینگے ۔ جو ہمارے انگریزی خوانوں کے لئے مفید ہوں ۔ اور جس سے اُن کے عقیدے فاسد اور خراب نہ ہونے پائیں ۔ کیا گذشتہ

کی تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا، اور کیا آپ لوگ یونان اور فارس کے علوم پھیلنے کے بعد، جو سخت مقابلہ مذہب اور علم میں ہوا، اُس سے ناواقف ہیں؟ اُس وقت بھی یہی مصیبت پیش آئی تھی، جو اب پیش ہے، اور نئے تعلیم یافتوں کے عقیدے ایسے ہی بگڑنے شروع ہوئے تھے، جیسے کہ اب ہو رہے ہیں۔ مگر انہیں لوگوں کی مدد سے جو کہ اُن علوم کے جاننے والے تھے، اور جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ علوم کے متواتر اور مسلسل حملے جو مذہب پر ہو رہے تھے، روکے گئے، اور اُنہیں کی عمدہ تجویزوں سے اسلام کی حفاظت اور اُسے تقویت ہوئی۔ یونان اور عجم کے ذی علم اور قابل آدمیوں کے مسلمان ہونے، اور اُن کے مفید اور عمدہ کتابوں کے تالیف کرنے، اور علم کلام کے ایجاد ہونے سے، یہ لڑائی فیصل اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی، عربوں نے تو اس طرف بہت ہی کم توجہ کی۔ اور وہ اس جہادِ اکبر میں بہت ہی کم شریک ہوئے۔ جو کچھ کیا عجمیوں نے کیا۔ اسی طرح اب وہ وقت ہے۔ کہ یورپ کے نئے علم اور نئے فلسفہ کا نیا حملہ، مذہب پر ہے۔ اُس کی مدافعت کے لئے غالباً خدا نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ اُنہیں کے دلوں میں اسلام کا نور ڈالے۔ اور اُنہیں سے وہ مذہب کی حمایت کا وہ کام لے جو عجمیوں سے پچھلے زمانہ میں لیا تھا۔ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ شَیۡـًٔا ھَیَّاَ لَہٗ اَسۡبَابَہٗ[۱۵] ✦

اب میں جواب دیتا ہوں اُس شبہ کا، کہ جہاں اسلام پھیلانے کی فکر ہے، وہاں علوم و فنون کی ایسی ترقی ہے کہ مذہب مغلوب ہو رہا ہے۔ وہاں مقابلہ اسلام کا فلسفہ سے سمجھنا چاہیئے، نہ کہ عیسائیت سے۔ اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں اور مان بھی لیں، کہ ہر ایک باشندہ وہاں کا عالم، حکیم، فلسفی اور عیسائیت سے منکر، اور مذہب سے متنفر ہے۔ تب بھی ہم کو کوئی وجہ اس ارادے سے باز رہنے کی نہیں ہے، اس لئے کہ اُس وقت ہم کو اس کا خوف ہوتا۔ جب کہ ہمارا اسلام حکمت و فطرت کے خلاف ہوتا۔ یا عقل و قیاس سے کام لینے کی مخالفت ہوتی، یا علوم کے سیکھنے، اور حقایقِ اشیا کی تحقیق سے، ہم روکے گئے ہوتے۔ بلکہ برخلاف اس کے غالباً دنیا کے تمام مذہبوں میں اسلام ہی وہ مذہب ہے، جس کی بنیاد حکمت و فطرت پر ہے۔ اور جس میں عقل و قیاس سے کام لینے پر تاکید، اور جس میں علم کا سیکھنا، اور حقایقِ اشیا کی تحقیق معرفتِ الٰہی کے لئے ضروری ہے۔ شاید کسی مذہب نے ایسی صراحت سے دین اور فطرت کو متحد بتایا ہوگا، جیسا کہ اسلام نے، جس کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا، اور نہ کسی مذہب میں خدا نے عقل و قیاس سے کام لینے پر ایسی تاکید کی ہوگی جیسی کہ اسلام میں، جس میں خدا کی خدائی کی حجت اور اسلام کے اصول کی تصدیق عقل اور قیاس پر رکھی گئی ہے۔ اور جابجا فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ اور فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ کہہ کر اس پر اشارہ کیا گیا ہے۔ اور نہ کسی آسمانی کتاب نے حکمت حاصل کرنے کی

[۱۵] اور جب اللہ ارادہ فرماتا ہے کسی چیز کے کرنے کا تو اس کے ویسے ہی اسباب فراہم کر دیتا ہے ✦

ایسی ترغیب دی ہوگی، اور نہ اُس کی ایسی فضیلتیں بیان کی ہونگی۔ جیسے کہ قرآن نے کما قال اللہ تعالیٰ
مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا[1]۔ اور نہ کسی مذہب کے بانی نے علم حاصل کرنے کو، ہر مرد و
ہر عورت پر ایسا فرض کیا ہوگا، جیسا کہ ہمارے حضرت نے، جنہوں نے فرمایا ہے کہ[2] طَلَبُ الْعِلْمِ
فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ" اور نہ کسی ملت میں حقایق اشیاء کی تحقیق، معرفت آلہی کے لئے
ایسی ضروری کبھی گئی ہوگی۔ جیسی کہ اسلام میں۔ جس کے ماننے والے اور خدا کی معرفت چاہنے والے
رات دن یہی دعا کرتے ہیں کہ رَبَّنَا[3] اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ" اور نہ کسی مذہب میں دعوت
کا طریقہ انسانی طبائع کے اختلاف کے لحاظ سے، اور اُن کی استعداد اور سمجھ اور علم کے درجات کے
خیال سے جدا جدا حکمت یا موعظت یا مناظرہ، پر رکھا گیا ہو، جیسا کہ اسلام میں جو دعوت الی الحق کی نسبت
کہا ہے، کہ اُدْعُ[4] اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ
اَحْسَنُ" پس جب کہ ہمارے مذہب کا اصول یہ ہے، کہ کوئی سچا علم مخالف اسلام کے نہیں ہے، اور
ہم اُس پر یقین رکھتے ہیں، جیسا کہ خدا کی توحید پر، تو کیا وجہ ہے، کہ ہم اُس ملک میں اسلام پھیلانے سے
ڈریں۔ جہاں علم کی ترقی ہے۔ اور اُن لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے میں تردد کریں، جو عالم اور حکیم
اور فلسفی ہیں۔ اگر ایک لحظہ کے لئے ہمیں ایسا خوف ہو تو ہم کو فی الفور مذہب اسلام کو جھوٹا سمجھ کر چھوڑ دینا
چاہئے، مگر نہ مذہب اسلام جھوٹا ہے۔ نہ اُسے کسی امتحان، اور کسی مقابلہ کا ڈر ہے۔ کسوٹی سے کھوٹے
سکے کو خوف ہوتا ہے، نہ کھرے کو، روشنی سے چور کو ڈر ہوتا ہے، نہ ساہو کو۔ اوہام کو علم سے
خطرہ ہے، نہ یقینیات کو، جھوٹے مذہب کو علم سے مقابلے کا خوف ہے، نہ سچے اسلام کو۔ پھر اس
کے مسائل ایسے ہیں، جن سے ہمارے اس دعوے کی صداقت ہوتی ہے۔ اور کوئی بات اُس کی
ہمارے اس دعوے کے خلاف معلوم نہیں ہوتی، بلکہ جتنا غور کرتے جائیے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہب
اور علم بحقائق الاشیاء درحقیقت دونوں متحد اور مطابق۔ اور ایک دوسرے کے مؤید اور مصدق
ہیں *

اے میرے عزیزو اور پیارے مسلمانو! بڑے اور اصل مسئلے اسلام کے دو ہیں، جو اس ایک
کلمے میں جمع ہیں۔ جس کے کہنے سے گبر صد سالہ مسلمان اور جنت کا مستحق ہو جاتا ہے یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا
اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پہلے سے مراد خدا کو ایک جاننا۔ اور اس کو ایک ماننا ہے۔ دوسرے

---

[1] اور جس کسی حکمت دی گئی اُس کو سب طرح کی خوبیاں دی گئیں *

[2] علم کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے *

[3] اے ہمارے پروردگار ہم کو ہر چیز کی حقیقت جیسی کہ ہے دکھادے *

[4] اپنے پروردگار کی راہ پر دعوت دے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور مناظرہ کر اُن سے ایسی باتوں سے جو پسندیدہ ہوں *

کا مطلب ہے۔ آنحضرت کو پیغمبر ماننا۔ اور جو کچھ وہ خدا کی طرف سے لائے، اس کی تصدیق کرنی۔ ان دونوں میں سے کسی میں، کوئی بات ایسی نہیں ہے، جو عقل وفطرت کے خلاف ہو، یا کوئی عالم یا حکیم جب کہ اسے اس کی حقیقت سمجھائی جائے۔ اس سے انکار کر سکے۔ یا اس کے ثبوت کے لیے سوائے عقل کے کسی اور چیز کی حاجت ہو۔ چنانچہ ان دونوں جزو کو جو حقیقت اسلام کے دو حصے ہیں، لیجئے اور ان پر غور کیجئے۔ پہلا جزو، یعنی خدا کا ایک جاننا اور اس کا ایک ماننا، ایک ایسا دعوٰی ہے جس کے ثبوت میں خدا نے قدرت کے کارخانے ہی کو دلیل ٹھیرایا ہے۔ اور اپنی مخلوقات اور مصنوعات ہی کو اس پر یقین لانے کے لئے پیش کیا ہے، اور اپنی خدائی اور یکتائی اور اپنی قدرت وکمال پر انہیں چیزوں سے استدلال کیا ہے، جو ہر ایک کو نظر آتی ہیں، اور جن کو ہر جاہل اور ہر عالم سمجھ سکتا ہے بلکہ خود انسان کو، اور اس کی بناوٹ کو، اس کا بڑا گواہ قرار دیا ہے، اور اپنی پاک کتاب میں یہی دلیل لایا ہے، چنانچہ کہیں فرماتا ہے کہ، دیکھو آسمانوں اور زمین کو کہ ہم نے کس حکمت سے انہیں بنایا ہے، اور ہماری صنعت کا کمال کیسا کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے، نہ ان میں کوئی نقص ہے، نہ کچھ خلل، مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۞ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۞ کہیں فرماتا ہے کہ دیکھو تم، ہم کس طرح پانی برساتے ہیں اور زمین کو پھاڑ کر اس سے کیا چیزیں تمہارے لئے پیدا کرتے ہیں۔ اور تمہارے کھانے کے واسطے کس طرح غلہ، ترکاری، انگور، اور میوے، طرح طرح کے اس سے نکالتے ہیں۔ اِنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ کہیں فرماتا ہے کہ دیکھو ہم نے تمہارے آرام کے لئے کیسے کیسے جانور بنائے۔ جو تمہارے لباس کے کام آتے ہیں، جن کو تم کھاتے ہو، اور جن پر چڑھتے ہو، اور جن سے تمہیں سفر کرنے میں آسانی ہوتی ہے، دیکھو گھوڑوں، خچروں، اور گدھوں کو، ان سے تم کیسا آرام پاتے ہو، سوائے اس کے بہت سی ایسی چیزیں تمہارے لئے ہم بناتے ہیں، جن کا تمہیں علم تک نہیں ہوتا۔ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۞ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ اور کہیں فرماتا ہے کہ دیکھو چوپایوں کو ان سے ہماری کیسی کاریگری ظاہر ہوتی ہے، کہ ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ سے کیسا ستھرا اور نکھرا ہوا دودھ تمہارے پینے کے لئے نکالتے ہیں۔ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ

لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○
اور کہیں فرماتا ہے کہ دیکھو اپنے آپ کو کس طرح تم کو ماؤں کے پیٹ سے نکالا، کہ کچھ نہ جانتے تھے،
پھر کان بنائے سُننے کے لئے، آنکھ بنائی دیکھنے کے واسطے، اور دل دیا سوچنے اور سمجھنے کے لئے
تاکہ تم شکر کرو۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ پھر فرماتا ہے کہ ہماری خدائی کا ثبوت تو
ہر چیز سے ہوتا ہے، اور ہمارے خالق اور صانع ہونے پر تو ایک ایک چیز اس عالم شہادت کی
شاہد ہے۔ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں ہماری نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو ایمان
لائیں۔ اور خود انسان کی پیدائش اور جانوروں کی خلقت ہماری نشانی ہے، اُن لوگوں پر جو مانیں
اور رات دن کے اختلاف اور جو کچھ آسمان سے اتارا۔ اور زمین کو مرنے کے بعد جس طرح جلایا۔ اور ہوا
جس طرح چلتی ہے، ان سب میں ہماری خدائی کے پتے ہیں۔ اُن کو جو عقل و سمجھ رکھتے ہیں۔ اِنَّ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ
يُّوْقِنُوْنَ ○ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

غرضکہ سارا قرآن اس قسم کے بیانوں اور خطابوں اور دلیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور اسی قسم
کے مشاہدات سے شہادت پیش کی گئی ہے۔ اور اسی طور پر ملکوت سماوات و ارض کو طرح طرح سے
بیان کرکے اپنی حجت پوری کی ہے، كَذٰلِكَ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ○ اور سب سے
بڑھ کر دل پر اثر کرنے والی بلکہ دل کے ہلا دینے والی وہ جھڑکیاں ہیں، جو اُن لوگوں کو سُنائی ہیں،
جو ان چیزوں کے دیکھنے، اور ان باتوں کے سننے، اور ان حجتوں کے پیش ہونے پر بھی اُس
کی خدائی کو نہیں مانتے، یا اُس کے سوا دوسرے کو عبادت کا مستحق جانتے ہیں، چنانچہ کہیں فرماتا ہے
قتل ہو جیو انسان، کس بات نے اسے کافر بنایا، وہ اتنا بھی نہیں دیکھتا، کہ کس چیز سے وہ بنایا گیا
ہے، ایک نجس قطرہ سے پانی کے اُسے پیدا کیا۔ پھر سب چیز اُس کی ٹھیک ٹھاک کی، پھر اُس کے
نکلنے کی راہ آسان کی، پھر اُسے موت دی، پھر اُسے جب چاہیگا اُٹھائیگا۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ
اَكْفَرَهٗ ○ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ ○ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ
فَاَقْبَرَهٗ ○ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ○ اور کہیں اُن منکروں کے بے سمجھ اور ضدی ہونے پر
افسوس کرتا ہے، جو حشر و نشر کو نہیں مانتے، اور فرماتا ہے۔ کہ کیا نہیں دیکھتا انسان کہ ہم نے
اُسے نطفہ نجس سے پیدا کیا، اور پھر ہمیں سے جھگڑا کرتا، اور ہمارے ہی مقابلے پر آتا، اور ہمارے
اوپر اُلٹی مثلیں لاتا، اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا، اور کہتا ہے۔ کہ کون زندہ کریگا ہڈیوں کو

جب کہ وہ خاک ہو جائینگی، کہدے اے پیغمبر کہ وہی اُن میں جان ڈالیگا جس نے اول پیدا کیا، اور وہ سب طرح سے کرنا جانتا ہے۔ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ آخر ایسے انکار کرنے والوں کو اُن کے انکار اور کفر پر، ناوان اور کفر کہنے پر، اکتفا نہ کرکے فرماتا ہے، کہ وہ دل رکھتے ہیں، مگر سوچتے نہیں، آنکھ رکھتے ہیں، مگر دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں، مگر سُنتے نہیں۔ پس وہ چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ ؛

پس جو شخص ذری بھی عقل رکھتا ہو اور تھوڑا سا غور ان آیتوں کے مضمون پر کرے اور خدا کی عجیب صنعت اور حیرت انگیز کارخانے کو عبرت کی نظر سے دیکھے۔ تو وہ کبھی نہ خیال کریگا کہ ایسا عجیب غریب کارخانہ قدرت کا بغیر ایسے صانع کے جو اُس کا مدبّر او منتظم ہو، خود بخود ہو گیا ہو۔ بَلْ تَكَادُ فِطْرَةُ النُّفُوْسِ تَشْهَدُ بِكَوْنِهَا مَقْهُوْرَةً تَحْتَ تَسْخِيْرِهٖ وَمُصَرَّفَةً لِمُقْتَضَاءِ تَدْبِيْرِهٖ بلکہ فطرت انسانی اس پر شاہد ہے کہ یہ تمام کارخانہ ایک ایسے صانع کی صنعت ہے جس کی مٹھی میں ساری چیزیں ہیں، اور جو اپنی حکمت اور تدبیر کے موافق جس طرح چاہتا ہے اُس کو چلاتا ہے اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " کیا خدا میں شبہ ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمان و زمین کا۔

پس بڑا حصہ اسلام کا بلکہ وہ اصل حصہ جس کی تعلیم کے لئے روز آفرینش سے انبیاؑ و مرسلین دنیا میں بھیجے گئے، اور جس کا نام شرع سے اسلام ہے یعنی خدا کا ایک جاننا، وہ ثابت کیا گیا ہے، علم اور عقل سے، اور خود انسان اُس پر گواہ ٹھیرایا گیا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ، اور جو کچھ مخلوق اور مصنوع اور ما بین السموات والارض ہے، اُنہیں سے اُس پر حجتیں لائی گئی ہیں۔ اور سمجھ بوجھ سے کام نہ لینے اور علم و عقل کو دخل نہ دینے سے منکرین پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ گویا اسلام کا سبب علم اور عقل، اور کفر کی وجہ جہل اور نادانی قرار دی گئی ہے۔ تو فرمائیے۔ کہ اس بڑے جزو کو اسلام کے علم یا عقل سے کیا خوف ہے، اور جہاں اشیا کی حقیقت کھلتی جاتی ہے، وہاں اُس کو کس بات کا ڈر ہے۔ بلکہ جس طرح سچا سکہ نقّاد کو چاہتا ہے کہ قلب اور کھوٹے کو اُس سے جدا کرے، اور جس طرح بے جرم ہیرا جوہری کو ڈھونڈھتا ہے، کہ وہ اُس کی قدر کرے، اور قیمت لگائے۔ اسی طرح اسلام خود پکار رہا ہے، کہ ہے کوئی سچّے علوم کا جاننے والا، کہ

کہ مجھے پرکھے اور تصدیق کرے، اور ہے کوئی حقائق اشیاء کا سمجھنے والا کہ مجھے دیکھے اور ایمان لائے، ہاں اگر خوف ہوگا تو توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کو، جو نہ سمجھ میں آئے، نہ جسے عقل قبول کرسکے اور یہی سبب ہے کہ وہ علم اور عقل کی روشنی کی برداشت نہیں کرسکتا۔ اور جس مذہب کی بنیاد اس پر ہے وہ علم و حکمت کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعد دوسرا جزو پاک کلمہ کا یعنی دوسرا حصہ اسلام کا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے یعنی آنحضرت کی رسالت کی تصدیق، اس کی نسبت ہم کہتے ہیں، اور اس پر ہم یقین رکھتے ہیں، کہ اس میں بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو علم و حکمت کے خلاف ہو یا جہاں علم کا چرچہ ہے وہاں اس کی تصدیق میں کوئی غیر معمولی دقت پیش آئے، ہم اسے بھی جزو اول کی طرح ایسی مُسکت دلیلوں اور دل میں بیٹھنے والی حجتوں سے ثابت کرسکینگے کہ ہرایک حکیم اسی طرح اُسے قبول کرسکے، جس طرح کہ ایک غیر متعصب اہل کتاب اور ایک حکمت و فلسفہ کا جاننے والا اُسی طور پر اس کا اقرار کرے، جیسے کہ ایک معمولی سمجھ کا آدمی۔ مگر ہاں ہماری دلیلیں کسی قدر نئی نظر آئینگی۔ اور ہمارے استدلال کا طرز ذرا جدید معلوم ہوگا، جس طرح پُرانے ہتھیار اس زمانے میں نئے قلعوں کے فتح کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں، اسی طرح اس زمانے کے علم و حکمت اور اس زمانہ کے خیالات کے موافق، ہماری پُرانی دلیلیں ہمارے دعوے ثابت کرنے کے لئے مفید نہیں ہیں۔ اس زمانہ میں ایسے لوگوں کے سامنے جو کہ فطرت کے خلاف کسی چیز کے ہونے کے منکر ہیں۔ خرق عادت کا نبوت کی دلیل قرار دینا ایسا ہے کہ جیسے دو اور دو کا پانچ کہنا۔ اس لئے ہم موسائیوں یا عیسائیوں کی طرح پیغمبری ثابت کرنے کے لئے اُن چیزوں کو پیش نہ کرینگے۔ جسے سُن کر اس زمانہ کے ذی علم قہقہہ لگائیں اور بجائے اس کے کہ اسلام کی طرف رغبت کریں، اُن باتوں کو سُنتے ہی متنفر ہوجائیں، ہم نہ کہینگے کہ ہمارے پیغمبر نے لاٹھی کو سانپ بنادیا تھا، اس لئے وہ پیغمبر تھے۔ ہم نہ کہینگے کہ انہوں نے مردوں کو جلایا، اس لئے تم اُن کی رسالت کو مانو۔ ہمارے نبی نے اپنی نبوت کی تصدیق خلاف فطرت باتوں سے خود ہی نہیں چاہی اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کے لئے خرق عادت کو حجت ہی نہیں ٹھیرایا، جیساکہ قرآن مجید میں ہے۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ط وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَوَلَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْہِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ [1] بلکہ ہم کہینگے کہ وہ مقدس بندہ

---

[1] کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ تو کہہ کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو فقط کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں اور کیا یہ اُن کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے اُس پر ایسی کتاب اتاری جو اُن پر پڑھی جاتی ہے اُس میں اُن کے لئے رحمت ہے۔ اور نصیحت ہے اُن لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

خدا کا، جو انسان کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے آیا، اپنی نبوّت کے لئے خود حجّت ہے، اور وہ کتاب
جو دنیا کی ہدایت کے لئے لایا، خود اپنے دعوے کی دلیل ہے۔ ہم انہیں کو معجزہ، انہیں کو آیت، انہیں کو
نبوت کی تصدیق کے لئے پیش کرتے ہے

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے بایدازوے رو متاب

موسےٰ کا عصا کو سانپ کر دینا، اور اُس کا جادوگروں کے سانپوں کو نگل جانا، اُن کے ساتھ گیا۔
اس وقت کوئی موسائی اپنے نبی کے اس معجزہ کو دکھا نہیں سکتا۔ کہ لوگ اُسے دیکھ کر اُنہیں خدا کا پیغمبر
مانیں۔ اسی طرح عیسےٰ مسیح کا مُردوں کو جلانا۔ اُن کے ساتھ آسمان پر گیا۔ کوئی عیسائی اسے اب پیش
نہیں کرسکتا۔ کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لوگوں کو اُن کے رسول یا (معاذ اللہ) ابن اللہ ہونے کا
یقین ہو۔ اگر ہم اپنے رسول کی رسالت ثابت کرنے کے لئے اسی قسم کے کرشموں اور کرامتوں کو
پیش کریں۔ تو موسائیوں اور عیسائیوں سے بڑھ کر اپنے دعوے کو کسی سکت دلیل اور چپ کر دینے والی حجت سے
کیونکر ثابت کرسکینگے۔ اس لئے ہم قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر خود قرآن کو پیش کرینگے، اور آپ کی نبوت
کے ثبوت میں خود آپ کے حالات کو ✤

عصا کے سانپ ہو جانے، اور مُردہ کے زندہ کرنے کا ایک فلسفی انکار کرسکتا ہے، یہ کہہ کر کہ ہزاروں
برس کی خبر کی تصدیق مشکل، اور فطرت الٰہی کے خلاف لاٹھی کا اژدہا ہو جانا، اور مُردہ کا جینا، ناممکن۔ مگر قرآن
ایسا معجزہ ہے، جو آنکھوں کے سامنے ہے، اور جس کا طاقت بشری سے مافوق ہونا، ہر شخص کو تسلیم
کرنا پڑتا ہے۔ اور آنحضرت کے حالات ایسے ہیں، جس کے معلوم ہونے کے بعد کوئی آدمی عالم ہو
یا حکیم، آپ کے مؤید من اللہ ہونے سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ جس وقت ہم قرآن کو کسی عدو سے عدو کے
سامنے پیش کریں اور کہیں۔ کہ اسے دیکھو، اور بتاؤ، کہ کوئی کتاب کسی دانشمند یا کسی حکیم یا کسی فلسفی کی جو
بلحاظ عبارت کے، اور بنظر مضامین کے اس کے برابر ہو۔ تم نے دیکھی ہے۔ اور تم اس کے مقابلے میں
لاسکتے ہو۔ آخر دنیا میں بہت بڑے ادیب اور منشی گزرے ہیں، جن کی فصاحت و بلاغت کا غلغلہ آسمان
تک پہنچا۔ مگر بتاؤ تو سہی کہ سوائے خیالی باتوں کے الہامی باتوں کو کوئی اس طرح لکھ سکا، یا بجز رزم، بزم،
مدح، ذم، حسن جمال، اور خط و خال کے کسی نے انسان کے دل کے پاک کرنے والی باتیں اس خوبی سے
بیان کی ہیں۔ اگر کوئی ایسی کتاب دنیا میں روزِ آفرینش سے اب تک کسی ملک، کسی قوم، کسی مذہب میں ہو تو
پیش کرو۔ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ○ اور یہ بتاؤ کہ خیالی باتوں کے عمدہ الفاظ میں کرنے والوں، اور
ہجر و وصال کے مضامین اچھی عبارت میں لکھنے والوں میں سے، کوئی ایسا ہوا ہے جو اپنے کلام
کے بے مثل ہونے کا مدعی ہوا ہو، اور کسی نے اُس کا معارضہ نہ کیا ہو، بخلاف قرآن کے جس نے آواز

بلند سے دعوے کیا کہ [1]لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ مگر کوئی قادر نہ ہوا کہ تھوڑا سا کلام بھی ایسا لا سکے، جو نظم و تالیف، شیرینیِ بیان، فصاحتِ زبان، بلاغتِ معانی، اور پاکیزگیِ مضامین میں اُس سے مشابہت اور مناسبت رکھتا ہو، باوجودیکہ اُس وقت ایسے فصیح و بلیغ شاعر موجود تھے۔ جو فصاحت میں لمن الملک بجاتے، اور اپنے نظم کو خانہ کعبہ پر آویزاں کر کے هَلْ مِنْ [2]فَصِيْحٍ وَهَلْ مِنْ شَاعِرٍ پکارتے تھے جن کی انتہائی سعی یہ تھی کہ کسی طرح سے اس دعوے کو قرآن کے غلط ٹھہرائیں، اور اپنے خاندان، اپنی قوم، اپنے ملک، اور اپنے مذہب کو، اس نئے دین سے بچائیں، اور اس کے بعد اب تک دنیا میں، ہزاروں، لاکھوں، ادیب اور خطیب ایسے گزرے، جن کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے۔ اور جن کی بے نظیر نظم و نثر اب تک موجود، اور جن میں بہت سے ایسے ہوئے، جن کی یہی تمنا اور یہی آرزو تھی کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ کے برابر بھی کچھ لکھ سکیں۔ مگر نہ لکھ سکے، اور اپنی تمنا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے اور پھر وہ دعوے اور تحدی اور طلبِ معارضہ اب تک بحال خود موجود ہے، اور منکرین سے خطاب [3]اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ہنوز جاری، پھر جب یہ کہا جائے کہ یہ کتاب جو خدا کی طرف سے پیش کی گئی ہے، اُس کا پیش کرنے والا ایک اُمّی تھا جو نہ ایک لمحہ کے لئے مکتب میں بیٹھا، نہ ایک لحظہ کے لئے اُستاد کی شکل دیکھی، نہ عالموں کی صحبت پائی نہ حکیموں سے ملا، نہ شاعروں سے شعر سیکھا، نہ ادیبوں سے ادب، چالیس برس تک اپنی ہی قوم میں رہا۔ دیکھا تو انہیں وحشیوں کو، اور سنا تو انہیں جاہلوں سے، اس پر اُس نے ایسا کلام پیش کیا۔ جس کی عبارت پر ہزاروں دُرِّ شاہوار کی لڑیاں نثار اور جس کے مضامین پر دنیا کے حکیموں اور دانشمندوں کی ساری حکمت و عقل قربان۔ جس کا کلام عشقیہ مضامین اور خیالی باتوں سے خالی، اور تزکیہ قلب اور تصفیہ نفس کی تدبیروں سے بھرا ہوا، جس کی زبان کی لطافت دیکھ کر عرب کے سارے فصحا و بلغا پکار اُٹھے [4]اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ، اور جس کے مضامین کی پاکیزگی دیکھ کر دنیا کہنے لگی کہ [5]اِنَّهٗ لَذِكْرٰى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ تو اسے سُن کر ملحد سے

---

[1] اگر آدمی اور جن سب کے سب جمع ہو جائیں اس بات پر کہ مثل اس قرآن کے لا سکیں تب بھی نہ لا سکینگے اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرے۔

[2] ہے کوئی فصیح اور ہے کوئی شاعر جو مقابلہ پر آوے ❖

[3] اگر تمہیں شک ہے اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندہ پر اُتاری یعنی کتاب تو لاؤ تم کوئی ایک سورت اُس کے مانند اور بلاؤ اپنے اور مددگاروں کو خدا کے سوا اگر تم سچے ہو ❖

[4] یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو ❖

[5] درحقیقت یہ نصیحت ہے اور رحمت ایمان لانے والوں کے لئے ❖

خصم کو بھی کیا چارہ ہوگا، سوا اس کے، کہ اقرار کرے اس بات کا، کہ یہ کلام ضرور بشری طاقت سے خارج ہے، اور انسان کی قوت سے باہر۔ اگر کسی چیز پر اعجاز یا کرامت کا اطلاق ہو سکتا ہے، تو اسی پر، اور اگر کسی شے کو معجزہ کہہ سکتے ہیں تو اسی کو، اگر کوئی کلام دنیا میں خدا کا کلام مانا جا سکتا ہے، تو یہی۔ اور اگر کوئی کتاب کو خدا کی کلام کہہ سکتا ہے تو اسی کو۔

جس طرح ہم نے قرآن کو قرآن سے ثابت کیا۔ اسی طرح ہم آنحضرت کی نبوت کو آنحضرت کے حالات سے ثابت کرینگے۔ اور آپ کی رسالت کے دعوے پر آپ کی ذات ہی کو حجت لائینگے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ یعنی آئی تمہارے پاس پروردگار کی دلیل و حجت اور وہ کیا ہے، حضرت سرور کائنات عَلَیْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّحِیَّات کی ذات مبارک اور اس کا ثبوت ہوتا ہے، آپ کی زندگی کے حالات، اور آپ کے کاموں اور ان کے نتیجوں سے جو دنیا کو حاصل ہوئے۔ جب کوئی غور کرے اس بات پر، کہ آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے، جہاں قدرت نے کوئی سامان ایسا مہیا نہ کیا تھا کہ وہاں کے باشندوں کے خیالات کو مدد ملتی، اور نہ وہاں انسان کے ہنر اور صنعت نے ایسی چیزیں جمع کی تھیں جن کا اثر وہاں کے رہنے والوں کے دل و دماغ پر ہوتا۔ بلکہ جیسا ملک تھا۔ ویسے ہی باشندے۔ جیسی زمین اور آب و ہوا تھی ویسے ہی رہنے والے، دل ان کے سخت جیسے پتھر، مزاج ان کے گرم جیسے سموم آتشیں، جولانی میں باد صرصر سے زیادہ، جنگجوئی میں جنگل کے درندوں سے بڑھ کر، دل محبت اور اتفاق سے خالی اور دماغ غرور و جہالت سے بھرے ہوئے، کفر اور شرک سب پر چھایا ہوا، اوہام اور ضلالت میں ڈوبے ہوئے، بے رحمی اور بداخلاقی رگ رگ میں سمائی ہوئی، خونریزی اور غارت گری میں مشتاق، حرامکاری اور بے حیائی پر نازاں، خدا سے بالکل بے خبر، مبدا و معاد سے سراسر جاہل، بتوں کے پوجنے والے، بعث و نشر کے منکر، بھوت پریت کے معتقد، رسموں کے بندے، جہالت کے پتلے، ظالم، سنگدل، سفاک، بے رحم، وحشت خو، بداعمال، بدکردار، حریص، لٹیرے، ضدی، ہٹیلے، جھگڑالو۔

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے — سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

ایسے ملک اور ایسی قوم میں خدا کا ایک ایسا بندہ پیدا ہوا جس نے نہ باپ کی شفقت کا مزہ چکھا تھا، نہ ماں کی محبت دیکھی تھی، نہ کسی قسم کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع پایا تھا۔ ایک مدت دراز تک اپنے جاہل اور بت پرست اور بداخلاق لوگوں میں زندگی بسر کرنے کے بعد وہ قوم کے سامنے آیا؛ اور خلاف ملک کی آب و ہوا کے، خلاف ملک کے حالات کے، خلاف قوم کے خیالات کے، بلکہ خلاف اُن تمام توقعات کے، جو ایسی حالت میں ہو سکتی ہوں۔ روحانی نیکیوں کے پھیلانے، اور ایک نئی زندگی بخشنے اور نہ صرف اپنے ملک اور اپنی قوم کو، بلکہ ساری دنیا کو غفلت اور جہالت اور کفر کی بیماریوں سے نکالنے کے کام پر خدا کی طرف سے مامور ہونے کا دعوےٰ کیا۔ قوم کو ذلیل بت پرستی میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اپنے دادا ابراہیم کی طرح کہنے لگا مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ [1] اور ملک کو تراشے ہوئے بتوں کی پرستش میں مبتلا پا کر پکارنے لگا۔ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [2] اس آواز نے تمام قوم کو غفلت کی نیند سے جگا دیا، اور ایک نئی روح اُن میں پھونک دی، اور ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا جس سے اُن کی تمام اندرونی اور بیرونی چیزیں ایسی بدل گئیں، گویا قلب ماہیت ہو گیا، نہ اُن کے وہ دل رہے جن میں شرک اور بت پرستی کے خیالات تھے، نہ اُن میں وہ خیالات رہے، جن سے اوہام میں ڈوبے ہوئے تھے، نہ اُن میں وہ اوہام رہے جن سے طرح طرح کے گناہوں اور بداعمالیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ نہ اُن کی وہ طبیعتیں رہیں جن میں جاہلیت کا جوش تھا، نہ اُن کا وہ جوش رہا جس سے وہ تعصّب و غریب، کینہ و حسد، اور انتقام کی مہلک بیماریوں میں مبتلا تھے، نہ اُن میں وہ بیماریاں رہیں، جن سے زندگی نام کو بھی باقی نہ رہی تھی۔ اُس خدائی آواز نے جو اس پاک بندہ کے مُنہ سے نکلی کہ، اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ [3] اُن کے دلوں کو شرک اور بت پرستی کے خیالات سے ایسا صاف کر دیا، جیسے تند ہوا کا جھوکا زمین کو خس و خاشاک سے؛ اور اُس بیان نے حشر و نشر کے جس نے گویا زمین و آسمان شق کر کے بہشت و دوزخ کی صورت اُنہیں دکھا دی۔ اُن کی طبیعتوں کے سارے جاہلانہ جوش ایسے ٹھنڈے کر دیئے، جیسے کہ زور کی بارش بھڑکتی ہوئی آگ کو۔

پس یہ انقلاب تھا یا جادو جس نے قوم کی حالت میں ایسی حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی تھی

---

[1] کیا ہیں یہ تصویریں جن کے گرد تم گھوم رہے ہو۔

[2] کیا پوجتے ہو تم سوائے خدا کے ایسی چیزوں کو جو نہ تمہیں فائدہ پہنچا سکیں اور نہ نقصان، افسوس تم پر اور اُن پر جن کو تم پوجتے، سوائے خدا کے کیا تم نہیں سوچتے۔

[3] تم اور جن کو کہ تم پوجتے ہو، سوائے خدا کے ایندھن ہیں دوزخ کے۔

وہ دعوت تھا یا اسرافیل کا صور، جس نے سیکڑوں برس کے مردوں کو جلا دیا، وہ بشر کا کلام تھا یا روح القدس کی آواز، جس سے عرب اور عجم میں زلزلہ پڑ گیا۔ اور وہ عبداللہ کے یتیم فرزند کا کلام تھا یا خدا کی قدرت جس نے سارے سرکشوں کا غرور توڑ دیا۔ اور اُن کے غرور بھرے ہوئے سر ایک خدائے ذوالجلال کے سجدے کے لئے جھکا دیئے، وہ کیا چیز تھی، اُس خدا کی منادی کرنے والے میں، جس کی دعوت نے برسوں کے بہکے ہوؤں کو خدا کی راہ دکھا دی۔ اور وہ کس کی دی ہوئی قوت تھی، اُس کے کلام میں۔ جس نے ایسے حیرت انگیز، اور غیر منقطع، دایم الاثر، تاثیر لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی۔ جس سے مشرک موحد ہو گئے، کافر ایمان لے آئے، بت پرست بت شکن ہو گئے، گمراہ راہ دکھلانے لگے، خدا ناشناس حقیقت و معرفت کی باتیں کرنے لگے، وحشیوں میں تہذیب پھیل گئی، جاہل، عالم اور نادان، حکیم ہو گئے۔ زہد، پرہیزگاری، نیکی، پاکدامنی، قومی خصلت ہو گئی۔ جاہلیت کی تمام رسمیں موقوف ہو گئیں۔ قتل، زنا، چوری، جھوٹ، فریب جوئی، شراب خوری، کی ساری بد عادتیں جاتی رہیں۔ جاہلانہ حمیت و عصبیت کا نشان نہ رہا، خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں مٹ گئیں، سرکشی اور خود سری کے باطل خیالات باقی نہ رہے۔ روحانی اور اخلاقی برائیاں طبیعتوں سے ایسی نکل گئیں۔ جیسے کفر و شرک کی رسمیں عرب سے دماغ، غرور و نخوت سے۔ سینے، عداوت اور کینے سے ایسے صاف ہو گئے۔ جیسے بتوں سے کعبہ۔ دشمن ایسے دوست ہو گئے، جیسے ماں جائے بھائی۔ غیر ایسے یگانے بن گئے، گویا عزیز اور رشتہ دار۔ اختلاف اور پھوٹ کا نام نہ رہا۔ عداوتیں الفت سے بدل گئیں۔ بچھڑے ہوئے قبیلے ایک ہو گئے، وہ کیا تصرف تھا، جس نے عرب کی کینہ ور اور ضدی قوم کو ایک اسلامی رشتہ میں منسلک کر کے ایسی برادری بنا دیا، جس کے اتحاد اور اتفاق کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اور وہ کیا تسخیر تھی، جس نے اعراب سے وحشیوں اور بدویوں سے جنگلیوں کو ایسا رام کر دیا۔ کہ گویا وحشت اور نفرت، پھوٹ اور تفرقہ، خود سری اور سرکشی کا نام نہ جانتے تھے۔ پس ایسا حیرت انگیز تصرف انسان کے دلوں پر اور ایسی عجیب تسخیر لوگوں کے قلوب کی، اور ایسی تبدیلی قوم کے حالات کی، اور ایسا انقلاب ملک کے اخلاق اور تمدن کا، جو دنیا کے بڑے سے بڑے شاہنشاہ سے ہو سکا، نہ کسی بڑے سے بڑے حکیم اور مقنن سے، بلکہ جس کی نظیر کسی بڑے اولوالعزم پیغمبر کے زمانے میں بھی پائی نہیں جاتی، کیا نتیجہ تھا؟ صرف ایک ایسے انسان کی کوششوں کا، جو مؤید من اللہ تھا یا ہو سکتا تھا؟ صرف ایسے ایک آدمی سے جس کو خدا نے اپنی طرف سے اس کام پر مامور نہ کیا تھا۔ اور کیا اس کی تصدیق کے لئے کسی معجزہ یا خرق عادت کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ اور کیا اس کی سیرت و تعلیم اور ہدایت، عصا کے سانپ بنا دینے، یا مردے کے جلانے، یا چاند کے دو ٹکڑے کر دینے سے کم سمجھی جا سکتی ہے؟ اگر موسیٰ کا عصا سانپوں کے بنے ہوئے سانپوں کو کھا گیا۔ تو محمد کا عصا اس تیرہ سو برس میں لاکھوں کروڑوں [illegible] گنتی [illegible] اور اخلاق دنیا جہان کے دلوں کو چمٹے ہوئے۔ اور اُن کے روح کو [illegible] نکل گیا ✤

اور اگر عیسٰے نے دو چار اندھے، اور دس بیس لولے، لنگڑے، بلکہ دو ایک مُردے زندہ کر دئیے، تو محمدؐ نے (روحی فداہ)، اَن گنتی اور بےشمار دل کے بیماروں کو چنگا کر دیا۔ اور لاکھوں آدمیوں میں جو باعتبار روحانی زندگی کے مر گئے تھے، جان ڈال دی۔ پھر موسٰے اور عیسٰے کے معجزوں کا اثر اُن کے ساتھ گیا۔ مگر محمدی معجزہ اب تک زندہ ہے، اور قیامت تک زندہ رہیگا، اور اُس کا فیض جیسا جاری تھا ویسا ہی آخری دن تک جاری رہیگا۔ نہ آپ کے انتقال جسمانی سے اُس میں خلل آیا اور نہ آئیگا۔ اور نہ آپ کے نقل مکان سے اُس میں کوئی ہرج ہؤا نہ ہوگا ؎

مصطفٰے را وعدہ کرد الطاف حق ۔۔۔ گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
من کتاب و معجزات را رافع ام ۔۔۔ بیش و کم کن راز قرآں مانع ام
ہست قرآں مر ترا ہمچوں عصاء ۔۔۔ کفر را او درکشد چوں اژدہا
تو اگر در زیر خاکے خفتۂ ۔۔۔ چوں عصائش داں تو آنچہ گفتۂ
گرچہ باشی خفتہ تو در زیر خاک ۔۔۔ چوں عصا آگہ شود آں گفت پاک
قاصداں را بر عصائت دست نے ۔۔۔ تو بخسپ اے شہ مبارک خفتنے

اگر کوئی ہوشیار حکیم اور کوئی دانشمند فلسفی ایسے پاک بندہ کی سیرت اور تعلیم اور ہدایت پر غور کرے، جس نے نہ صرف عرب کی حالت بدل دی۔ اور نہ فقط حجاز سے بُت پرستی ہمیشہ کے لئے مٹا دی۔ بلکہ جس نے مردہ دل یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی، جن میں روحانی زندگی کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا، نئے سرے سے جلا دیا، اور جس نے موسٰے اور عیسٰے کی تعلیم کو جسے لوگ بھول گئے تھے۔ اور جس کو اپنے فاسد رایوں اور باطل خیالات ملانے سے خراب کر دیا تھا، پھر تازہ کر دیا۔ اور جس نے نہ صرف لات و منات کے پوجنے والوں، اور جبل اور عزّے کے آگے سر جھکانے والوں، کو خدا کی راہ دکھا دی، اور شرک اور کفر کی تاریکی سے نکال کر اُن کے دلوں کو نور ایمان سے روشن کر دیا۔ بلکہ مغرور اور خود سر جبت و لاغوت کے ماننے والے، کور باطن یہودیوں کو، وہ روشنی دکھا دی، جو طور پر موسٰے کلیم اللہ نے دیکھی تھی، اور آپس میں لڑنے والے اور تین خدا کے ماننے والے مردہ دل عیسائیوں کے دلوں میں وہ روح پھونک دی۔ جو مسیح پر اتری تھی۔ تو ایسے شخص کی نسبت وہ کیا رائے قائم کریگا، اور اُسے کیا سمجھیگا۔ اگر ہم اُسے پوچھیں کہ ایسے شخص کو اگر معاذ اللہ تم نبی نہیں مانتے، تو بلاشبہ تم ضرور مانوگے۔ کہ وہ ایک ایسا بشر تھا، جس کی مانند دوسرا اس دنیا میں نہیں ہؤا۔ اور جیسے دانشمند اور مقنن اور حکیم کے ناموں اور درجوں سے بڑھ کر دوسرا کوئی نام اور دوسرا کوئی درجہ دینا ضرور ہے۔ پھر وہ نام کیا ہے سوائے رسول اور نبی کے، اور وہ درجہ کونسا ہے سوائے پیغمبری اور رسالت کے، فقولوا نشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہ "قسم ہے اُس خدا کی جس نے محمدؐ کو پیدا کیا، کہ ان باتوں کو سُنکر

اور ان حالات کو سوچ کر کوئی آدمی نہ ہوگا، سوائے اُس کے، جس کے دل کی آنکھ کو خدا نے تعصب سے اندھا کر دیا ہو، جو اس کی رسالت میں شک کرے۔ اور اُسے موٴذن اللہ اور خدا کا داعی نہ سمجھے اور بے اختیار اشہد انہ لرسول اللہ نہ پکار اُٹھے ۞

پس جس طرح اسلام کے پہلے حصے یعنی لا الٰہ الا اللہ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے، جو عقل سلیم اور فطرت انسانی کی مخالف ہو۔ اسی طرح دوسرے حصے یعنی محمد رسول اللہ میں بھی کوئی ایسی پہیلی یا چیستاں نہیں ہے، جو علم و حکمت کے خلاف ہو۔ اور ایسے ملک میں جہاں علوم کی ترقی ہے۔ اُس کے سچے اور صحیح ہونے میں شبہ ہو سکے۔ اگر اُس ملک میں عیسائیت علم سے مغلوب ہو رہی ہے۔ تو اُس کا سبب اُن کے عقاید کا فساد ہے۔ اور اُن کے مذہب کے اصول کی خرابی۔ جس سے اسلام بالکل پاک صاف ہے، بلا شبہ تعلیم یافتہ ملک میں مشکل اور نہایت مشکل ہے۔ کہ کوئی عالم یا حکیم ایسے مذہب کو مانے، جس میں مریم کا فرزند خدا کا اکلوتا بیٹا مانا گیا ہو۔ اور جس میں خدا نے عدل قایم رکھنے کے لئے اپنے پیارے بیٹے کو بندوں کے گناہوں کا کفارہ اور قربانی کا بکرا بنایا ہو۔ اور صلیب دئے جانے کے بعد اُسے آسمان پر بُلا کر اپنے دہنے انگوٹھے پر بٹھا لیا ہو، اور ایسے بڑے دعوے کے ثبوت میں صرف وہ چیزیں پیش کی جاتی ہوں، جن کو قدرت کے قانون کے اصول جاننے والے تسلیم نہ کرتے ہوں۔ مگر ایسے مذہب کے ماننے میں کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتی۔ جس کے داعی نے اپنے آپ کو نہ خدا کا بیٹا کہا نہ فرشتہ، نہ خدا کی خدائی میں اپنے کو دخیل ٹھیرایا۔ نہ ایک عاجز اور مجبور بندہ سے بڑھ کر کوئی خصوصیت اپنے لئے قائم کی، بلکہ دنیا کو غلطی میں نہ پڑنے کے لئے پکار کر صاف کہہ دیا کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا، کہ میں صرف ایک آدمی ہوں تم جیسا، صرف فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے، اور جو کوئی اُس سے ملنا چاہے، اُسے چاہئے کہ نیک کام کرے، اور خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ۞

اے میرے دوستو اور میرے عزیز مسلمانو! غالباً میرے اس مختصر بیان سے آپ کے دلوں کو پورا اطمینان ہو گیا ہوگا، کہ اسلام کو علم کا کچھ خوف نہیں ہے، اور نہ اسلام کی اشاعت کو ایسے ملک میں جہاں علم کی ترقی ہے، کوئی چیز مانع ہے، اور نہ اسلام کے دونوں حصوں یعنی توحید اور نبوت کے ثبوت کے لئے ہمیں علم سے اندیشہ ہے، بلکہ اُس سے مدد ملنے کی اُمید ہے، مگر اسی کے ساتھ آپ کے دلوں میں یہ بات ضرور کھٹکتی ہوگی۔ کہ اگر واقعی اسلام اور علم، شریعت و حکمت، مذہب و فطرت ایک ہیں، اور ایک دوسرے کے حامی و مددگار۔ تو پھر بظاہر دونوں میں اب تک طاؤس و مار کی طرح عداوت کیوں مشہور رہی اور مذہبی پیشوا اور دیندار عالم ہمیشہ حکمت و فلسفہ سے لوگوں کو کیوں ڈراتے۔ اور علم و عقل کو مذہبی باتوں

میں دخل دینے سے کیوں روکتے رہے ہیں۔ اگر دین وحکمت کا اتحاد صحیح ہوتا۔ تو کفر کے، اتلاف، و فلسفہ کی، فت، پر کیوں ترجیح دی جاتی۔ اور منطق وحکمت کے پڑھنے والے، کیوں خبیث سمجھے جاتے، اسلئے آپ کے اطمینان کے لئے اس نفت اسکی بابت کچھ کہنا مناسب سمجھتا ہوں ٭

صاحبو! جیسا کہ میں نے کہا اور دین نے کیا، جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، حقیقت میں علم اور مذہب دونوں ایک اور ایک دوسرے کے حامی ہیں اور جو کچھ اختلاف نظر آتا ہے وہ یا غلط فہمی پر مبنی ہے یا اپنی اپنی حدود سے تجاوز کرنے پر ٭

غلط فہمی، تو یہ ہے۔ کہ جس کو مذہبی اعتقاد کہا جاتا ہو۔ وہ سچے مذہب نے نہ سکھایا ہو۔ یا جو علمی تحقیقات کا نتیجہ سمجھا گیا ہو، اس کا ثبوت قطعی نہ ہو۔ مثلاً یہ خیال کہ قاف زمرد کا پہاڑ ہے۔ اور دنیا کو ایسے گھیرے ہوئے جیسے باغ کو چار دیواری، اور آسمان کے کنارے اُس پر رکھے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے آسمان سبز نظر آتا ہے۔ یا یہ کہ زمین ایک بڑے پتھر پر رکھی ہوئی ہے اور وہ پتھر بیل کے سینگ پر ہے، جب کہ بیل اپنا سینگ ہلاتا ہے، تو پتھر ہلتا ہے، اور اُس سے زلزلہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ باتیں مذہبی ہیں اور اُن کا ماننا ضرور ہے، تو بلاشبہ مذہب اور علم کا اتحاد ثابت نہ ہوگا۔ مگر چونکہ ان اقوال کی بنیاد غلط فہمی پر مبنی ہے، اور یہ باتیں جھوٹی اور لغو کہانیوں کی طرح سُنی سُنائی مذہب میں داخل ہوگئی ہیں۔ اس لئے اس سے اس اتحاد پر کچھ اثر نہیں پہنچتا۔ اسی طرح بعض فلاسفہ کا یہ خیال، کہ دنیا کا بنانے والا اور اپنی قدرت کاملہ سے اُس کا انتظام قایم رکھنے والا کوئی نہیں ہے، اتفاقات سے خود بخود یہ سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے، اگر سچا مسئلہ علم کا ہے، تو مذہب کی مخالفت اُس سے لازمی ہے مگر جب کہ وہ ایسا مسئلہ ہے جو قطعی دلائل سے ثابت نہیں ہوا بلکہ اُس کی بنیاد کوہ قاف کے زمرد ہونے سے زیادہ نہیں ہے تو اس سے بھی کچھ مخالفت علم و مذہب کی ثابت نہیں ہوتی۔ پس وہ باتیں جو عقائد مسلّمہ مذہب میں سے نہ ہوں۔ اور جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت نہ ہوں، اگر مذہب میں داخل ہوگئی ہوں یا وہ مسائل جن کا ثبوت براہین ہندسیہ اور دلائل منطقیہ سے قطعی طور پر نہ ہوا ہو، اگر علمی مسائل کہے جاتے ہوں تو اس سے تخالف دونوں کا ثابت نہیں ہوتا۔ تخالف کے لئے تو وحدت موضوع اور محمول، قوۃ و فعل، شرط اور اضافت، جزو اور کل، مکان اور زمان، کی شرط ہے۔ اگر اس میں سے ایک میں بھی فرق ہوا، تو تناقض ثابت نہ ہوگا۔ اس لئے جب تک مذہبی اور علمی مسائل دونوں اپنے اپنے طور پر قطعی اور یقینی نہ ہوں ان کے اتحاد میں خلل نہ ہوگا اور اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ اِلَّا بِیَقِیْنٍ مِثْلِہٖ کا مقولہ ہمیشہ اس بحث میں پیش نظر رکھنا پڑیگا ٭

دوسرا سبب یعنی مذہب اور علم کا اپنے اپنے حدود سے تجاوز کرنا، وہ یہ ہے کہ جو قدرتی حد یا مذہب اور علم کی ٹھیری ہوئی ہیں۔ اُن سے کوئی باہر نکل جاوے اور دوسرے کی سرحد میں چلا جاوے

مثلاً عالم شہادت اور ناسوت علم کی مملکت ہے، اور عالم غیب اور لاہوت میں مذہب کی حکومت ہے۔ موجودات عالم کی تحقیقات کرنا، اور مادی کائنات کی حقیقت دریافت کرنی، علم سے متعلق ہے۔ اور خدا کو پہچاننا، اور اس کی مرضی دریافت کرنی، اور اخلاق حسنہ سے نفس کو آراستہ کرنا، اور بعد الموت کے آنے والی حالت کے لئے تیاری کرنی مذہب کا کام ہے۔ مذہب کے حدود سے خارج ہے کہ وہ دنیاوی فلسفہ سکھا دے۔ یا ہیئت و ہندسہ کی تعلیم دے، اور موجودات عالم کی تحقیقات کرے۔ اس کا کام نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو سکھا وے کہ اس عالم کی ترکیب اور ترتیب کیونکر ہوئی، وہ کس مادہ سے بنایا گیا، مادہ خود کیا ہے، ہیولے اور صورت کسے کہتے ہیں، اجزا لایتجزے کیا شے ہیں، ابعاد ثلثہ اور عناصر اربعہ کیا ہیں۔ اس کا کام نہیں ہے، کہ وہ اس بات پر غور کرے۔ کہ یہ تخت کی طرح مسطح چیز جس پر ہم رہتے ہیں، گول ہیں یا چپٹی، اور یہ نیلی نیلی چھت جو ہمیں نظر آتی ہے فضائے محض ہے یا سونے چاندی کا گنبد، سورج ہم سے کتنا دور ہے، کتنے برس میں توپ کا گولہ زمین سے اس تک پہنچ سکتا ہے وہ منور ہے یا تاریک، متحرک ہے یا ساکن، آباد ہے یا ویران، اگر آباد ہے تو اس کے رہنے والے ہماری ہی صورت و شکل کے آدمی ہیں یا بے دُم بندر۔ اگر مذہب ان باتوں میں دخل دے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس نے اپنے حدود سے باہر قدم رکھا، اور اپنے دوست یعنی علم کی سرحد میں مداخلت کی۔ یہ گویا اس کی طرف سے لڑائی کا پیام سمجھا جائیگا، اور ضرور دونوں میں جنگ شروع ہوگی۔ ہاں یہ سچ ہے، کہ مذہب ان علمی باتوں پر اشارہ کرتا ہے، اور الہامی کتابوں میں قادر مطلق کی بے نظیر قدرت کے ظاہر اور اس کے وجود کے ثابت کرنے کے لئے سادے اور عام فہم طریقہ سے مطابق اس زمانہ کے خیالات اور معلومات کے کچھ ان چیزوں کا اجمالاً بیان ہوتا ہے۔ اور اس پر فکر و غور کرنے، اور اس کے دقائق و حقائق کی تحقیق پر رغبت دلائی جاتی ہے، مگر صرف اشاروں اور عام فہم باتوں میں آئندہ علم کا کام ہے کہ وہ بذریعہ ان آلات کے جو تحقیقات اور ادراک اشیاء کے لئے انسان کو دیئے گئے ہیں۔ یعنی حواس اور عقل، ان کی حقیقت دریافت کرے، اور اپنی وسیع مملکت میں آزادی سے اپنا کام کرے۔ علم کا کام ہے کہ قدرت کے کارخانے پر تفکر کرے، موجودات اور قدرتی مصنوعات کو غور کی نگاہ سے دیکھے۔ ان کے درجے قرار دے، ان کا باہمی تناسب ثابت کرے، ان کی ماہیت اور خاصیت اور حالت سے بحث کرے، اسے اختیار ہے کہ وہ کوشش کرے، اس بات کے دریافت کرنے کی، کہ آسمان کیا چیز ہے، زمین کیا شے ہے، نباتات اور حیوانات، دریا اور پہاڑوں کی ترکیب کیونکر ہوئی ہے، پانی کیسے برستا ہے، ہوا کیونکر چلتی ہے، آفتاب متحرک ہے یا ساکن، چاند نورانی ہے یا تاریک، یہ نیلا نیلا گنبد جو نظر آتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے، ہزاروں چراغ جو اس میں جلتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ کیا ہیں، ان کی جسامت، ان کا بُعد، ان کی خاصیت کیا ہے۔

پھرو، آبادیں یا ویران چلتے ہیں یا ٹھیرے ہوئے۔ نباتات کی کتنی قسمیں ہیں، حیوانات کی اصل کیا ہے
اور اُن کے خاندان کتنے ہیں۔ پھر انسان کیونکر بنا، وہ اپنی نوع میں اور حیوانوں سے جُدا ہے یا صرف
ترقی یافتہ لنگور ہے۔ غرضکہ جہاں تک عقل اور حواس کام دے سکیں، وہ موجودات عالم پر غور کرے اور
اس کی تحقیقات، اُسے اختیار ہے، کہ عقل کے گھوڑے جہاں تک وہ اپنے وسیع میدان میں دوڑا سکے
دوڑائے، اور اپنی قلمرو کے جنگل میں جہاں تک ہو سکے وہ گھومتا اور چکر لگاتا پھرے، مگر اس کے
لئے بھی ایک حد ہے، جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر اس سے وہ تجاوز کریگا، اور مذہب کی سرحد
میں قدم رکھیگا، تو اس کی طرف سے گویا لڑائی کا اشتہار ہوگا، اور وہ ضرور مذہب پر حملہ کرنے والا
سمجھا جاویگا +

علم موجودات کے حالات اور اُن کے خواص اور تاثیرات دریافت کر سکتا ہے۔ مگر سوائے علم
کے کسی عنصر یا بسیط کی ماہیت اور حقیقت نہیں بتا سکتا، وہ آسمان اور زمین کی خلقت کی آغاز اور انسان
کی پیدائش میں کروڑوں سال کا زمانہ قرار دے سکتا ہے۔ مگر اُس کا آغاز کیونکر ہوا، اسے نہیں سمجھ سکتا
وہ چاند، سورج، زہرہ و مشتری، مریخ و عطارد، اور تمام سیاروں کی جسامت، اُن کا فاصلہ، اور اُن
کی گردش کی مدت جان سکتا ہے، مگر قدرت کے اُس بھید کو نہیں بتا سکتا، جس سے اُن کی جسامت
اور حیز اور فاصلہ کے ایک معین اندازہ قرار پانے کی علت معلوم ہو۔ اور اُن کے ایک مقرری چال پر
گردش کرنے کا سبب سمجھ میں آوے۔ آفتاب ہے کہ وہ اپنے محور پر ایک معینہ چال پر گھوم رہا ہے
مگر اُس کی چال کے معین کرنے والی قوت کون ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ
الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ چاند ہے کہ اُس کے پھرنے اور سیر کرنے کے لئے منزلیں مقرر ہیں جن سے وہ
باہر نہیں جا سکتا، مگر اُس کی منزلیں ٹھیرانے والی طاقت کیا ہے۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ
عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ○ آفتاب ہے کہ چکر کھا رہا ہے، چاند ہے کہ دوڑ رہا ہے، مگر وہ
کونسی زبردست قوت ہے جو دونوں کو اپنے اپنے حدود سے تجاوز نہ کرنے پر مجبور کئے ہوئے ہے
لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○
علم بتا سکتا ہے کہ آسمان و زمین اور تمام سیاروں بلکہ ساری دنیا کی چیزوں میں ایک قوت کشش کی
ہے، جس سے وہ سب اپنی اپنی جگہ پر ٹھیرے ہوئے اور ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ مگر وہ قوت
کیا ہے۔ اور اس کا دینے والا اور قائم رکھنے والا کون ہے۔ اس کے ادراک سے اس کی سمجھ قاصر ہے

ل‍ہ سورج چلا جاتا ہے اپنی ٹھیری ہوئی راہ پر یہ اندازہ ہے مقرر کیا ہوا اس زبردست باخبر کا +

ل‍ہ اور چاند کے لئے ہم نے مقرر کر دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آ جاتا ہے، جیسے پُرانی ٹہنی +

ل‍ہ نہ سورج کو پہنچ سکتا ہے کہ پکڑے چاند کو اور نہ رات بڑھ سکتی ہے آگے دن سے اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں +

اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَہُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ○ وہ عالم کی بناوٹ کی نسبت کہہ سکتا ہے کہ بے انتہا اور بیشمار مختلف قسم کے اجزاء لایتجزی کے باہمی تصادم سے جو فضائے غیر محدود میں اُڑتے پھرتے تھے۔ کروڑوں برس کی مدت میں بنا ہے، مگر اس کی قوت مدرکہ اس امر کے ادراک سے قاصر ہے، کہ وہ اجزاء لایتجزی کیا ہیں۔ ان کی ابتدا کب سے ہے، انہیں فضائے غیر محدود میں کس نے چھوڑا۔ اور کس قوت نے ان کو ترکیب دیکر ایسی حیرت انگیز دنیا بنائی۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ وہ علم تشریح سے انسان کی ایک ایک رگ اور ایک ایک پٹھے کی تفصیل، اور اس کے جسم کی ترکیب اور اس کے مختلف حصوں کے خواص بتا سکتا ہے، مگر اس کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں ہے جو اس چیز کو بتا سکے جسے جان کہتے ہیں۔ اور جس سے یہ خاک کا پتلا زمین پر بیٹھے بیٹھے آسمان کی سیر کرتا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ○ اس نے ستاروں کے دیکھنے کیلئے بڑی طاقتور دوربینیں ایجاد کیں اور اس کے ذریعہ سے کروڑوں میل کے فاصلہ سے ان کے حجم اور حیز اور دائرہ کو دیکھا، مگر کوئی ایسی دوربین ایجاد نہ کر سکا جو ان سیاروں کے بنانے والے کو دیکھ سکتا۔ اس نے آسمانوں کی کیفیت، ستاروں کی گردش، برجوں کی تعداد دریافت کرنے کے لئے رصدخانے بنائے۔ اصطرلاب ایجاد کئے، مگر وہ قدرت کی ان قوتوں کے جاننے کے لئے جو ان چیزوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اور جس سے یہ طلسم کا کارخانہ چل رہا ہے۔ نہ کوئی رصدخانہ بنا سکا، نہ کوئی اصطرلاب ایجاد کر سکا، کیونکہ یہ اس کے اختیار سے خارج، اور اس کے حدود سے باہر ہے جب وہ اپنی حد سے آگے بڑھنے کا ارادہ کرتا ہے، تو مذہب اسے روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ایک قدم آگے بڑھایا تو تجلی الٰہی تجھے جلا کر خاک کر دیگی۔ اب آگے عالم غیب اور عالم لاہوت ہے، جہاں سے میری حکومت شروع ہوتی ہے، مذہب بتاتا ہے کہ عالم شہادت میں جو کچھ تم دیکھتے ہو، ان تمام چیزوں کا ایک بنانے والا ہے، جس کی قدرت کے قدم کے نشان ہر جگہ پائے جاتے ہیں، اور جس کی ہستی کا ثبوت آسمان اور زمین، چاند اور سورج، پہاڑ اور دریا، آگ اور پانی، ہوا اور خاک، بلکہ ریگ کے ہر ذرہ، اور سمندر کے ہر قطرہ، اور درخت کے ہر پتے سے ہوتا ہے۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ ف۲

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کوئی ستارہ آسمان پر، کوئی جاندار زمین پر، کوئی پرندہ ہوا میں، کوئی درخت جنگل میں، ایسا نہیں ہے

ف۱ اللہ ہی تھامے ہے آسمانوں زمین کو کہ ٹل نہ جاویں اور اگر ٹل جاویں تو کون ان کو روک سکتا ہے اس کے سوا وہی بردبار بخشنے والا ہے

ف۲ اور ہر ایک چیز میں اس کی نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اس کا بنانے والا ایک ہے

جو اُس کے خالق اور صانع ہونے پر گواہی نہ دیتا اور اپنی زبان حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی تسبیح اور تقدیس نہ کرتا ہو ❊

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ[1] - جب ہم ایسی ذات کی معرفت اور اس کی صفات کا علم اور اس کی مرضی دریافت کرنی چاہتے ہیں، اور اس تک پہنچنے کا شوق ہم کو پیدا ہوتا ہے، تو علم اس کے دروازہ تک پہنچا کر یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے[2] لَوْدَنَوْتُ اَنْمُلَۃً ؎

اگر یک سرِ موے برتر پرم　　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

علم ہم کو ایک قادر مطلق کی ہستی کا اقرار کرا کے (خواہ وہ خالق کے نام سے ہو، یا علۃ العلل کے پردہ میں) بھٹکتا ہوا اور اندھیرے میں ٹکریں مارتا چھوڑ جاتا ہے - اس وقت مذہب وحی کی مشعل لیکر ہمارے راہ بتانے کے لئے سامنے آتا ہے، اور ہم کو اپنی نہ بجھنے والی روشنی دکھا کر سیدھے راستہ پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے - جہاں سے اُس کے جلال و جمال کی نشانیاں نظر آنے لگتی ہیں، اُس کی وصال کا شوق بڑھتا جاتا ہے، اور جسمانی اور ظلمانی حجاب دور ہونے لگتے ہیں - یہاں تک کہ آخرکار وہ ایسی حالت پر پہنچ جاتا ہے، کہ کانوں میں کوئی آواز نہیں آتی، اِلّا اس کی - آنکھ کسی چیز کو نہیں دیکھتی اِلّا اُس سے، دل میں کوئی خیال نہیں گزرتا اِلّا اُس کا - مِنْہُ یَسْمَعُوْنَ[3] وَاِلَیْہِ یَنْظُرُوْنَ وَفِیْ عَظَمَتِہٖ وَجَلَالِہٖ یَتَفَکَّرُوْنَ وَمَلٰئِکَتِہٖ یَتَشَبَّھُوْنَ وَاِلٰی لِقَاءِ رَبِّھِمْ یَشْتَاقُوْنَ ❊

غرضکہ یہ ہیں علم اور مذہب کے حدود جو مختصر میں نے بیان کئے - پس اگر علم جس کی رسائی عالم ارواح اور ملکوت تک نہیں ہے - اور جو انسان کی آیندہ زندگی کے حالات جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتا، ان باتوں میں دخل نہ دے، اور اپنے دوست مذہب کے حدود میں مداخلت نہ کرے - تو مذہب کبھی اُس سے مزاحم نہ ہوگا - بلکہ اُس کے قلمرو میں وہ اُسے ہوا اور روشنی کی طرح آزاد رہنے دیگا - اور جہاں تک وہ اپنے اصلی دشمن یعنی جہل سے مقابلہ کرے، اس کا معین و مددگار رہوگا، بلکہ اس پر فتح حاصل کرنے پر اُسے مبارکباد دیگا - البتہ اگر اُس نے اُس کی حدود میں مداخلت کی، اور الٰہیات کے مسائل اور مبدا و معاد کی باتوں میں دخل دیا، تو مذہب اُس کو اپنے اوپر حملہ کرنے والا سمجھیگا - اور اُس سے مقابلہ کریگا - اور اُسے سخت زنجیروں میں قید کر کے اپنے لوگوں کو اس سے ملنے کا مانع ہوگا ❊

---

[1] اور کوئی چیز نہیں ہے مگر تسبیح کرتی ہے اس کی تعریف میں مگر تم اُس کی تسبیح نہیں سمجھتے ❊

[2] اگر ایک انگشت بھر آگے بڑھو تو جل جاؤں ❊

[3] اُسی سے سنتے ہیں اُسی کو دیکھتے ہیں اُسی کی عظمت و جلال کو سوچتے ہیں اور اُسی کے فرشتوں سے مشابہ ہوتے ہیں اور اپنے پروردگار کے ملنے کا اشتیاق رکھتے ہیں ❊

پس اے میرے دوستو! مذہب اور علم کی مخالفت صرف غلط فہمی یا اپنے اپنے حدود سے تجاوز کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اور اسی لئے ایک دوسرے کے مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ اگلے زمانہ میں جب یونانیوں کا فلسفہ اسلام میں پھیلا۔ تو مخالفت کا خیال زیادہ تر اس لئے پیدا ہوا۔ کہ اُن کے فلسفہ نے اپنی حکومت کی کوئی حد نہ رکھی تھی۔ اور اُس نے مذہب کی ریاست میں اپنے احکام جاری کرنے چاہے تھے۔ بلکہ مذہب کے لئے ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ چھوڑا تھا۔ اُس نے اپنا کام اَلتَّشَبُّہُ بِالْاِلٰہِ بِحَسْبِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ قرار دیا تھا۔ اور جواہر روحانیہ، اور حالات نفسانیہ، اور مبدا و معاد کی تحقیق کو اپنے حدود میں داخل رکھا تھا، اُسے صرف موجودات عالم اور عالم شہادت ہی سے بحث نہ تھی، بلکہ عالم غیب اور ملکوت اور لاہوت کو بھی اپنے قلمرو میں سمجھتا تھا۔ ایسی حالت میں لامحالہ مذہب نے اُس کی مخالفت کا اشتہار دیا۔ اور اُس سے مقابلہ کیا۔ اور اپنے کمزور اور ضعیف لوگوں کو اُس سے ملنے کو منع کیا، مگر اب وہ صورت نہیں رہی۔ اس زمانہ کے علم نے اکثر اپنے حدود قایم کر دئیے ہیں۔ اور سوائے عالم شہادت کے وہ عالم غیب اور ملکوت اور لاہوت میں دخل نہیں دیتا۔ اور وہاں تک رسائی اپنی قدرت سے خارج سمجھتا ہے، اب جو کچھ مخالفت نظر آتی ہے، وہ اکثر غلط فہمی پر مبنی ہے اور مذہب کے حدود سے تجاوز کرنے پر ہے۔

اگر یہ غلط فہمیاں دور نہ کردی جائیں۔ اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کرنے پر نہ روکا جائے۔ تو بلا شبہ موجودہ حالت مذہب کی علم کے مقابلہ میں اطمینان بخش نہ ہوگی۔ اور نہ ہمارا خیال اسلام کی اشاعت کا اہل علم کے سامنے مناسب ہوگا۔ اور ضرور ہمیں اُن لوگوں کے سامنے جو فطرت کے خلاف کسی بات کو نہیں مانتے مشکل پیش آویگی۔ مگر ہمیں اس مشکل کو مشکل سمجھنا چاہئے۔ اور نہ اس سے اندیشہ کرنا۔ اس لئے کہ فرمان شاہی جس میں مذہب کے حدود اور اختیارات اور قانون اور ضابطے سب لکھے ہوئے ہیں، وہ ہمارے پاس بجنسہ اور بعینہ موجود ہے۔ اور جس طرح خدا نے بھیجا تھا۔ ویسا ہی بغیر کسی قسم کی تحریف اور تغیر کے وہ اب تک ہر ایک مسلمان کے ہاتھ میں ہے، وہ فرمان شاہی خود تمام غلطیوں کو دور کرتا اور اسلام کی حدود بتاتا اور بآواز بلند کہتا ہے کہ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اے میرے دوستو! اب وقت نہیں ہے کہ میں علم اور مذہب کی موافقت کی نسبت کچھ زیادہ کہوں بلکہ جو کچھ کہا گو وہ اس مضمون کے لحاظ سے نہایت کم ہے۔ مگر اس موقع کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے، اس لئے میں اُسے کسی آیندہ وقت کے لئے ملتوی کرتا ہوں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور موقع پر اسی مضمون پر مفصل بحث کرونگا، ابھی مجھے چند سوالات کا جواب دینا باقی ہے ✦

[illegible] قوم کی [illegible] حدیں [illegible] ان سے [illegible] اُس سے بڑھیگا وہ ظالموں ہی سے ہوگا ✦

ایک یہ کہ اسلام میں سینکڑوں فرقے ہیں، کس فرقے کا اسلام جاری کرنا منظور ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اُس اسلام کو جاری کرنا منظور ہے۔ جو قرآن میں ہے اور جس کے جاری کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے اور جس کو خدا کے رسول نے جاری کیا، اور جسے اُس کے بعد اُس کے اصحابؓ اہلبیتؑ جاری کرتے رہے اگر لوگوں نے اس اسلام میں کچھ ملا دیا ہے، اور ان کی تفریق سے اسلام کی حقیقت چھپ گئی ہے، اس سے اصلی اسلام کی حقیقت معلوم ہونے میں کچھ دشواری نہیں ہے۔ اول تو ہزاروں بندے خدا کے ایسے ہیں جو اُس سچے اسلام کے معتقد اور اُس کے پابند ہیں۔ خدا کی زمین ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے، اور اللہ نے ایسے مسلمانوں کو ابھی زمین کے پردے سے اُٹھا نہیں لیا ہے، اور اگر فرض کرو کہ کوئی ایسے اسلام کا جاننے والا صفحہ زمین پر باقی بھی نہ ہو، تو وہ کتاب تو باقی ہے جس میں اسلام کی سچی تصویر بنی ہوئی ہے، اور جو ہمیشہ باقی رہیگی اگر لوگوں نے غلط فہمی یا نادانی یا تعصب سے اسلام کی خوب صورت شکل کچھ بگاڑ دی ہے اور اختلاف مذاہب سے اسلام مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں نظر آرہا ہے، یہاں تک کہ اُس کی پیاری صورت کا بعض جگہ کفر و شرک کی بھونڈی اور کالی شکل سے تمیز کرنا بھی مشکل ہے، اس سے اسلام میں کچھ خلل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اسلام کی اصلی صورت چھپ سکتی ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی درحقیقت اصلی صورت وہ نہیں ہے، جس کو علم و حکمت کے دشمن دکھاتے پھرتے ہیں۔ بلکہ اصلی تصویر اُس کی اُس البم میں موجود ہے جو اس کے مصور نے نہایت احتیاط سے اپنے امین کے ہاتھوں اپنے رسول کے پاس بھیجی تھی، اور جس کو وہ پاک بندہ خدا کا خدا کے بندوں کو دکھا کر اُس کا گرویدہ کرتا تھا، اور جس کو اُس کے یار اور ہمراہی بغل میں لئے ہوئے تمام دنیا کو دکھاتے پھرتے تھے۔ اور جس کو دیکھ کر سارا جہان اس کا شیفتہ اور عاشق ہو گیا تھا۔ اور جس کی صدہا ہزارہا لکھی نقلیں بغیر کسی قسم کی تغیر و تبدیل کے ہر مسلمان کے پاس اس وقت موجود ہیں۔ جب وہ سچا اور صحیح نوٹو تم میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ہے، تو کس بات کا تم کو خوف ہے، اس اصلی تصویر کو بغل میں دبا کر جہاں چاہو جاؤ، اور اسلام کی شبیہ دنیا کو دکھلاؤ، پھر دیکھو کہ اس تصویر کے کتنے چاہنے والے پیدا ہوتے ہیں، اور کتنے لوگ اُس پر جان و دل قربان کرتے ہیں ؎

بنمائے رُخ کہ خلقے والہ شوند و حیران

بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید

اسلام کی دعوت قیامت تک جاری رہنے کے لئے بڑے اطمینان کی بات جو ہے وہ یہی ہے کہ اس کا اصلی دعوت نامہ ہمارے پاس موجود ہے، اور بغیر کسی قسم کی کمی و بیشی کے اُس کے اصول و احکام معلوم، اور مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْن محفوظ ہیں۔ نہ زمانہ کا ہاتھ اُسے بدل سکا، نہ بدل سکتا ہے، نہ انسان کی تحریف کا اثر اُس پر ہوا، نہ ہو سکتا ہے لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔[1]

---

[1] نہیں آتا ہے باطل اُس کے سامنے سے یا اُس کے پیچھے سے بھیجا ہوا ہے حکمت والے سراہے ہوئے کی طرف سے ✦

الہامی کتاب میں جو اسلام لکھا ہے وہی سچا اسلام ہے، اور اُسی کا پھیلانا ہمیں منظور ہے۔ اگر مذہب کو کئی لوگوں نے بگاڑ دیا ہے، اور اختلاف اور تفریق سے اس میں لوگوں کے خیالات اور رائیں اور باتیں داخل ہوگئی ہیں اُس کا اثر اسلام پر نہیں پہنچ سکتا، نہ پاک کتاب میں اُس سے کچھ فرق آسکتا ہے۔۔ وہ باتیں بمنزلہ نقاب کے ہیں، جو اس کے پیارے منہ پر پڑ گئی ہیں، یا مثل لباس کے ہیں جو اپنے مذاق اور طبیعت اور خواہش کے موافق انسانوں نے اُسے پہنا دئیے ہیں، جب وہ نقاب اُٹھا دئیے جائیں، اور وہ مختلف لباس الگ کرلئے جائیں، تو اسلام کی دلربا اور دلفریب صورت جیسی تھی ویسی ہی نظر آنے لگیگی ؎

دم بدم گر شود لباس بدل — مرد صاحب لباس را چہ خلل

رہا یہ امر کہ باہمی اختلاف کے سبب سے کوئی مسلمان اصل اسلام کی اشاعت کا حارج ہو، اور توحید اور رسالت کی منادی کرانے میں خلل ڈالے، اور قرآن کی دعوت دینے میں اختلاف کرے، اِسے میں نہیں مانتا، میرے نزدیک کوئی مسلمان کسی فرقہ کا ہو۔ اشاعت اسلام میں اپنے فروعی اختلاف سے خلل ڈالنے کی ہرگز جرأت نہ کریگا، اور منکرین اسلام کو اپنے جھگڑوں کے سبب سے اصل اسلام کی دعوت دینے میں حارج نہ ہوگا۔ کون کافر مسلمان ہوگا جو کفر کی کسی شاخ کو اصل اسلام پر مقدم سمجھے، یا کفر کے کسی فرقے کو اسلام کے کسی فرقہ پر ترجیح دے آپ مولوی عبدالقدوس سے پوچھیں یا میاں مدار بخش سے یا کسی اور سے، یقیناً سب یہی جواب دینگے کہ سب جھگڑے طاق پر رکھو، اور خدا کے نام کی منادی کرو لوگوں سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرالو۔ پھر اس کے بعد فروع میں لڑتے جھگڑتے رہو، جس فرقہ میں اسلام کے کوئی داخل ہوگا، مسلمان کہلائیگا، اور اسلام کا جلوہ ہر صورت میں نظر آئیگا، مسلمان مسلمان ہیں اور کافر سے ہزار درجہ بہتر۔ اشعری ہوں یا معتزلی، وہابی ہوں یا بدعتی، شیعہ ہوں یا سنی، اسلام کے وسیع دائرہ سے کوئی خارج نہیں ہے ؎

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل است — خم مُل ہر جا کہ جوشد ہم مُل است
گر ز مغرب بر زند خورشید سر — عین خورشید است نے چیزے دگر
گر ز بغداد و ہری یا از رے اند — بے مزاج آب و گل نسل وے اند

پس اول ہم کو فکر کرنی چاہئے، توحید کے پھیلانے اور خدا کے منکرین یا تین خداؤں پر اعتقاد رکھنے والوں کو موحد بنانے، اور آنحضرت کی رسالت پر ایمان لانے کی نسبت اور بات کی، اگر ہم اس میں کامیاب ہوئے اور ایک پھیرے ہوئے دل کو بھی اس کی طرف پھیر لیا، یعنی ایک منکر کو بھی مومن بنا لیا، یا ایک عیسائی کو بھی تثلیث کے گورکھ دھندے سے نکال دیا۔ ہماری سعی بلاشبہ مشکور ہوگی، اور ہم خدا کے سامنے بلا حجاب اور اس کے نام کی منادی کرنے والوں میں داخل ہوجائینگے ✦

اب رہا تیسرا شبہ کہ کیا یہ ذریعہ اطمینان حاصل کرنے کا ہے اس پر کہ یہود و بیدین مسلمانوں سے

وصول ہوگا، وہ ضائع نہ ہوگا۔ اور جس کام کے لئے وصول کیا جاتا ہے اُسی میں صرف ہوگا۔ شبہ ایسا ہے جس کی نسبت مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے کام عموماً اعتبار اور بھروسے پر چلتے ہیں۔ ہندسی دلیلوں کی طرح اُن پر کامل یقین اور پورے اطمینان حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا جب کہ ہم ایک دولتمند، نیک طینت، فیاض طبیعت، ہوشیار اور سمجھدار مسلمان کو جیسے کہ عبداللہ صاحب عرب ہیں۔ اس کام پر مستعد دیکھتے ہیں۔ اور ان کے حالات اور خیالات اور برتاؤ اور رویہ سے بخوبی واقف ہیں اور یہ بھی ہم کو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اُنہوں نے خود جا کر اُس خدا کے بندہ کی، جس نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے تمام حالات دریافت کر لئے ہیں۔ اور اُس کو اطمینان ہے کہ یہ عمدگی سے چلیگا۔ اور جس کام کے لئے روپیہ وصول کیا جاتا ہے، اُسی میں صرف ہوگا۔ تو ہم کو اس میں شبہ کرنے کا کوئی قوی سبب نہیں ہے، سوائے اس کے حاجی عبداللہ صاحب خود ایک رقم خطیر اپنے پاس سے صرف کرنے پر آمادہ ہیں۔ بلکہ بدرجہ مجبوری کل خرچ اپنے پاس سے دینے کو موجود، اور نیز ویب صاحب خود یہاں آنے پر مستعد اور آپ کے ملنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اور غالباً آدینگے بھی۔ تب خود آپ کو موقع اُن کے تمام حالات دریافت کرنے اور اپنے اطمینان حاصل کرنے کا ملیگا، ان حالات میں بظاہر کوئی وجہ بے اطمینانی کی، اور روپیہ کے تلف یا ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ رہا یہ امر کہ خود اُن کو اسلام اور شریعت سے کہاں تک واقفیت ہے، اور وہ خود اسلام کی حقیقت کیا جانتے ہیں۔ اور کس طور سے اُس کی منادی اپنے لوگوں میں کرینگے، اُس کی نسبت میں صرف اتنا کہتا ہوں۔ جب کہ ایک سمجھدار ذی علم، لائق اور صاحب استعداد یورپین نے اسلام کے اصول کو سچا جانا۔ اور خدا کو ایک۔ پیغمبر کو برحق، اور قرآن کو کلام الٰہی، مان لیا ہے۔ تو اس سے یہی امید ہے، کہ وہ اپنے اہل وطن کے خیالات اور مذاق کے موافق ایسے طور سے اسلامی اصول اُن کو سکھائیگا، جس کی تقلید کی مسلمانوں سے توقع نہیں ہو سکتی، اور اس کا اثر بھی اُن پر وہ ہوگا جو ہماری تحریروں اور تقریروں سے نہیں ہو سکتا۔ اگر اس میں کسی کو شبہ ہو تو یورپ کے اُن عالموں کی تحریروں کو دیکھے۔ جنہوں نے باوجود علانیہ مسلمان نہ ہونے کے اسلام کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ اور فقط قرآن مجید کے ترجمہ کو دیکھ کر اور آنحضرت کی سیرت پر مطلع ہو کر متعصب پادریوں اور نامنصف مورخوں کے غلط الزامات کو رد کیا ہے۔ اور قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی ایسی خوبیاں ظاہر کی ہیں، کہ میں تو اس وقت ساری اسلامی دنیا میں تھوڑے ہی سے مسلمان عالموں کی نسبت خیال کر سکتا ہوں، کہ وہ اسلام کے منکرین، اور قرآن کے معترضین، اور سرور کائنات کی ذات مبارک پر نکتہ چینی کرنے والوں، اور حکیموں اور فلسفیوں کے دلوں پر اپنی تحریروں سے ایسا اثر ڈال سکیں، اور ایسی مدلل اور عمدہ تحریریں، کر سکیں۔ بیشک ہزاروں مسلمان عالم ایسے موجود ہیں۔ جو مسلمانوں کے حلقے میں بیٹھ کر اسلام کا وعظ بیان کریں، کہ سننے والوں کو عرش بریں تک

زیارت کرادیں، اور اپنے مریدوں کو وہ داستانیں اور کہانیاں سُنائیں۔ کہ سامعین فَنَا فِی
الْاِسْلَام کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ انبیا کے معجزات اور اولیا کی کرامات کا ذکر اس فصاحت سے
فرمائیں، کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا غلغلہ ملاء اعلےٰ تک پہنچے۔ اور آسمان و زمین کے
عجائبات کی وہ تفسیر کریں کہ ساتوں طبق زمین کے اور ساتوں پردے آسمان کے سُننے والوں پر
کھل جائیں، مگر کہاں ہیں وہ عالم مسلمان، جو منکرین کے سامنے اسلام کی ایسی حقیقت بیان فرمائیں
کہ اُن کے دل سے شکوک اور شبہات نکل جائیں۔ اور علم و حکمت کے جاننے والے اُسے سُنکر
اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا پکارنے لگیں۔ کہاں ملینگے وہ محقق مسلمان، جو اسلام کی حقیقت، اُن لوگوں پر
ثابت کریں جو کسی بات کو بھی خلاف فطرت نہیں مانتے، اور کہاں پائینگے ہم اُن مسلمان واعظوں کو
جو خدا کے اقوال کو خدا کے افعال سے مطابق ہونا ثابت کر دکھائیں۔ اور علم کے حملے سے مذہب کو
بچائیں۔ اے میرے عزیزو، مسلمانوں کو وجد میں لانا، مومنین کو جوش دلانا، معتقدین کے دلوں کو
مسخر کرنا، مریدوں پر وجد اور محویت کی حالت طاری کردینی، بخدا آسان اور نہایت آسان ہے۔
مجنوں کے نالہ و فریاد کے لئے لیلیٰ کا نام بس ہے۔ اور فرہاد کے سر پیٹنے کے لئے شیریں کی یاد
دلانی کافی ہے، مگر منکرین کے دلوں میں اسلام کی سچائی بٹھانی، اور مذہب کے نہ ماننے والوں پر
اسلام کی حقیقت ثابت کرنی، اور معترضین کے اعتراضوں کی تردید، اور عیب نکالنے والوں پر اس
کی خوبیوں کا اثبات، اور حکیمانہ اور فلسفیانہ باتوں کا جواب، اور اسلامی مسائل اور مذہبی روایات کا
فطرت اور علم سے مطابق کر دکھانا مشکل اور نہایت مشکل ہے۔ قیس کے کہنے سے کہ لیلیٰ رواں چشم
مجنوں باید دید، کوئی لیلیٰ پر عاشق نہیں ہو سکتا۔ فرہاد کی فقط حالت دیکھ کر دیکھنے والا شیریں پر جان
نہیں دینے لگتا۔ مجنوں کے کہنے سے کہ یہ لیلیٰ کے کوچہ کا کتا ہے، دوسرے لوگ اُسے پیار نہیں کر سکتے
اور فرہاد کی شوریدگی دیکھ کر دیکھنے والے بے ستون سے جوئے شیر لانے پر آمادہ نہیں ہوتے، اسی طرح
صرف ہماری اعتقادی باتوں سے منکرین پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے تقلیدی خیالات سے
اسلام کی حقیقت دوسرے لوگوں پر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اُن کے دلوں پر اسلام کی سچائی بٹھانے
کے لئے تو ہمارا یہ کہنا کافی نہیں ہے، کہ ہمارے مذہب میں ایسا ہی آیا ہے، یا ہماری کتابوں میں
ایسا ہی لکھا ہے یا ہمارے مجتہدوں اور عالموں نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اور چونکہ ہمارے خیالات دوسرے
قسم کے ہیں، اس لئے ہم سے اس کی توقع کرنی فضول ہے کہ ہم یورپ کے لوگوں کے سامنے اسلام کے
وہ حقائق بیان کریں جن کو سُن کر وہ اسلام کی طرف رغبت کریں۔ اور تمام مذہبوں پر اُسے ترجیح دیں،
البتہ جو کوئی اُن تعلیم یافتہ لوگوں میں سے مسلمان ہو گیا ہے، یا آئندہ ہو، اور جس نے اسلام کی دعوت کا
کام اپنے ذمہ لیا ہو اور آئندہ لے، اُس سے بلاشبہ اس کی امید ہے۔ کیونکہ ایسے آدمی کا دماغ

دوسرے خیالات سے خالی اور تقلیدی باتوں سے پاک ہوگا اور اس پر سوائے قرآن اور احادیث صحیحہ کے دوسرے کسی کے کہنے کا اثر نہ ہوگا۔ اور نہ وہ تقلیداً ہر کتاب کو خدا کی کتاب اور ہر قول کو رسول کا قول سمجھیگا۔ اس لئے پوری اُمید ہے کہ وہ اپنی سعی میں کامیاب ہو، اور اسلام کی سچائی اور حقیقت اپنی قوم پر ثابت کر سکے ☆

صاحبو! جو کچھ مَیں نے کہا وہ کتنا ہی ناتمام اور ناقص ہے۔ اور گو اُس میں نکتہ چینی کی بہت گنجائش ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ غالباً بہت سے لوگ ایسے دین کے شائق اور اسلام کے شیدا ہیں کہ وہ اب کسی شبہ یا خیال سے اشاعت اسلام کے کام کو غیر ضروری نہ سمجھینگے۔ بلکہ اور تمام کاموں سے جو مسلمانوں پر فرض ہیں، اِسے مقدم جانینگے۔ اس لئے اب اُس کے جاری کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے اس کے لئے مَیں آپ کی توجہ مولوی حسن علی صاحب واعظ کی تقریر پر دلاتا ہوں، جو ابھی وہ فرما چکے ہیں اور جس میں اُنھوں نے مصارف و اخراجات کے لئے اسّی ہزار روپیہ کا تخمینہ بتایا ہے۔ اب اُس کے جمع اور وصول کی فکر ہونی چاہیئے۔ کہ یہی سب پر مقدم ہے اور سب سے مشکل ہے

گر جان طلبی مضائقہ نیست — زرمے طلبی سخن درین است

شاید اس جلسہ میں تو کوئی ایسا نہ ہوگا، مگر اِس سے اِنکار نہیں ہوسکتا کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ اسلام کے ساتھ روکھی سوکھی ہمدردی کرنے کو بہت مستعد اور سب سے آگے، مگر روپیہ سے مدد کرنے کے لئے نہایت ناکارہ۔ اور سب سے پیچھے۔ اسلام کی حالت اور مسلمانوں کی مصیبت پر اتنی آہیں بھریں کہ آسمان اُن کے دھوئیں سے سیاہ ہوجائے، اور اُن کے غم میں اتنے آنسو بہائیں کہ محرّم کے اُجرتی رونے والے بھی شرما جائیں۔ اپنے بزرگوں کی کہانیاں سن کر یالیتنی کنت معھم کا اتنا غل مچائیں کہ کروبیان ملاءِ اعلیٰ بھی چونک پڑیں۔ اسلام کے نام پر ایسی محبت اور ایسی شیفتگی ظاہر کریں کہ قیس اور فرہاد بھی شرما جائیں۔ مگر جب کام کا وقت آوے اور روپیہ کی مدد مانگی جاوے۔ تو فوراً بچ کر مجلس سے ایسے نکل جائیں جیسے تیر، اور اگر پھنس جائیں اور نکل نہ سکیں۔ تو چندہ کی فہرست لانے والے کی طرف ایسا گھوریں، جیسے کہ پھانسی کے وارنٹ لانے والے کو، اور اگر شرما شرمی سے نام اور رقم لکھنا پڑے، تو دینے کے نام دیں گالیاں۔ یہاں تک کہ اگر ملک الموت بھی تقاضا کے لئے آوے تو اُس کو بھی جان دے دیں، مگر نہ دیں چندہ کا روپیہ۔ ایسے نام کے مسلمانوں کا نام نہ لینا اور اُن کا ذکر نہ کرنا چاہیے۔ مگر بہت سے ایسے ہیں۔ جو خدا کے نام پر، مال کی کیا حقیقت ہے، جان دینے کے لئے مستعد اور گھر بار قربان کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ اور جن کو خدا نے استطاعت بھی دی ہے۔ ہمارا روئے سخن بھی اُنہیں لوگوں کی طرف ہے۔ اُن سے اب حاجی عبداللہ صاحب عرب کی طرف سے، مولوی حسن علی صاحب کی طرف سے، اس مجلس کے بانی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قبلہ کی طرف سے،

توبہ توبہ میں نے کیا غلطی کی، اور بھولے سے کن کن کے نام گنا دئے۔ حضرات معاف کرنا ان کی طرف سے نہیں، بلکہ خدا اور خدا کے رسول کی طرف سے سوال کیا جاتا ہے۔ کہ اس نیک کام میں جس کو تم نیک جانتے اور نیک مانتے ہو۔ اپنی ہمت اور استطاعت اور حالت کے مطابق کچھ دو۔ اور گول گول سفید سفید ابیض نورانی ہیں سے چند ٹکڑے خدا کی طرف سے مانگنے والوں کی تھیلی میں بھی ڈالدو۔ تاکہ ثابت ہو کہ تم مسلم ہو۔ اور اپنے اسلام کے دعوٰے اور اشاعت اسلام کی خواہش میں سچّے۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمنّ اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ○ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کہنا کہ ہم مسلمان ہیں کافی ہے اور امتحان کے بغیر یہ دعوے تمہارا قبول کر لیا جائیگا، ہرگز نہیں، خدا تمہاری اس سمجھ کی تکذیب کرتا اور فرماتا ہے کہ ہم بے امتحان کے نہ چھوڑینگے اور جو تم سے اول تھے اُن کو بھی امتحان لئے بغیر نہ چھوڑا۔ امتحان ہی سچ اور جھوٹ کی کسوٹی ہے، اور وہ امتحان کیا ہے، جان و مال، دولت و عزت، گھر بار، کا سب کو اُسکی محبت کے سامنے ہیچ سمجھنا۔ اور خدا کے نام پر سب کچھ قربان کر دینا۔ کما قال اللہ تعالیٰ قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین ○ اس امتحان میں کامل العیار نکلنا خدا کے خلیل ہی کا کام تھا، جو سچے مسلم تھے اور جو اپنے اسلام کے دعوے میں امتحان کے وقت سچّے اور پورے اُترے اُن کی ایک حکایت، کیسی حکایت، دل پر اثر کرنے والی، بلکہ دلوں کو ہلا دینے والی مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی سلسلۃ الذہب سے لیکر آپ کو سُناتا ہوں، فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞

حکایت

چوں خلیل اللہ آں امامِ انام — یافت از حق مواہبِ انعام
افسرِ دولتش نہاد بسر — خلعتِ خلتش فگند ببر
شد پئے رہروانِ صاحبِ دل — بر دلِ پاک او صحف نازل
کثرتِ مالش از عدد بگذشت — رمہ و گلہ اشش ز حد بگذشت
کوہ و صحرا مواشی و غنمش — شہر و دہ بر حواشی و خدمش
لیک با ایں ہمہ نے آسود — پے کسبِ رضائے حق مے بود
روز بودے بشغلِ مہمانی — شب در اندیشۂ خدا خوانی
در مقامِ مجاہدت قایم — در عبادت قدم زدے دایم

حال او را چو قدسیاں دیدند — جز بزیرِ لبِ تظلّم نشنیدند
مے زبیانہ گماں خوردند — ظن بحالِ وے آں چناں بردند
کاں ہمہ جد و جہد و مسندِ مش — نیست جز در مقابلِ نقش
عشق نعمت ز دست برد ز راہ — عشق منعم نساختش آگاہ
حق چو آں وہم و آں گماں دانست — چارۂ آں در امتحاں دانست
بہرِ نقدِ خلیل خواست محک — داد فرماں کہ فرقۂ ز ملک
خلعت از صورتِ بشر کردند — سبحہ گویاں برو گذر کردند
بانگ تسبیح و نعرۂ تہلیل — برگرفتند در جوارِ خلیل
تاں صدا و نوائے روح افزا — عقل و ہوشِ خلیل رفت از جا
نام جاناں شنید و جاں افشاند — آستیں بر ہمہ جہاں افشاند
اے خوش آں نغمہائے درد آمیز — کہ بود ذوق بخش و شور انگیز
برکند عقل را ز بیخ و زبن — فکنند درد و سوزِ عشقِ کہن
چوں شدند آں گروہ سبحہ سرا — خامش از سبحہائے ہوش ربا
باخود آمد خلیل و داد آواز — کیں نوا را ز تو کنید آغاز
جانِ من از سماع ناشدہ سیر — بر خموشی چرا شدید دلیر
حالتِ صوفیاں نگشتہ تمام — بر مغنّی بود سکوت حرام
نیست در مذہبِ مسلمانی — جز با تمامِ ذبحِ قربانی
مرغ را کز کفِ تو دانہ کش است — نیم بسمل رہا کنی نہ خوش است
یا مکن قصدِ ہیچ جاں دارے — یا چو کردی تمام کش بارے
نیم کشتہ نہ مردہ نے زندہ است — جانِ عاشق بایں نہ ارزندہ است
حالِ اہلِ ضلال در عقبیٰ — لا یموت آمدست ولا یحییٰ
قدسیاں گوہرِ ادب سفتند — در جوابِ خلیلِ حق گفتند
تا کے ایں ذکر رائیگاں گوئیم — کار کردیم مزد آں جوئیم
کارِ بے مزد ہیچ کس نہ کند — مزد دیدہ ز کار بس نہ کند
کار خواہی بمزد بکشا دست — گرہ از کارِ مزد بکشا دست
آنچہ دارم ز مال گنج و عقار — میکنم بر شما ہمہ انگہ نثار
بار دیگر کنید بہر خدا — ایں نوائے طرب فزائے ادا

به بیان بلیغ و لفظ فصیح ‎ ‎ برگرفتند قدسیان تسبیح
بانگ قدوس و نعره سبوح ‎ ‎ شد براهیم را تهییج روح
دل و جانش در اهتزاز آمد ‎ ‎ وجد و حال گذشته باز آمد
وجد و حالی چنان که هست محال ‎ ‎ درک آن پیش وهم و عقل و خیال
بلکه نارسته از خیال و گمان ‎ ‎ نیست ادراک آن ترا امکان
قدسیان باز لب فرو بستند ‎ ‎ زان نوا خموش بنشستند
بانگ برداشت آن ستوده سیر ‎ ‎ که خدا را کنم دو دانگ دگر
باز این ذکر را اعاده کنید ‎ ‎ شورش وجد من زیاده کنید
جان من ماهی است و ذکر حق آب ‎ ‎ صبر ماهی ز آب نیست صواب
ماهی از آب صبر نتواند ‎ ‎ در کند صبر زنده چون ماند
هرچه از آب برکنار بود ‎ ‎ آن نه ماهی که سوسمار بود
سوسمار است زیر ریگ روان ‎ ‎ ماهیش می‌برند خلق گمان
بهر خوانان که مزد جوی شدند ‎ ‎ مزد دیدند سبحه گوی شدند

های و هوی او فکند در ملکوت
ذکر ذو الکبریاء و الجبروت

شد خلیل از سماع آن بی‌خویش ‎ ‎ ساخت طی پردهٔ وجود از پیش
کرد بی‌خود لباس هستی شق ‎ ‎ سر برآورد از جیب هستی حق
تا ز شوق برگرفت خلیل ‎ ‎ کانچه دارم من از کثیر و قلیل
جمله را می‌کنم فدای شما ‎ ‎ تا ز هم بگسلد بنای شما
منشینید زین سرود خموش ‎ ‎ که شنیدم در سماع آن همه گوش
باز آغاز آن نوا کردند ‎ ‎ ورد و تسبیح خود ادا کردند
شد خلیل از نوای ایشان مست ‎ ‎ داد یکبارگی عنان از دست
وقت خوش یافت زان ترانه و خوش ‎ ‎ دست همت فشاند صوفی وش

هرچه بودش ز ملک و مال پسند
جمله در پای مطربان افکند

ز آتش امتحان چو ابراهیم ‎ ‎ خالص آمد چو زر ناب سلیم
قدسیان پیش او شدند عیان ‎ ‎ که رسولیم از خدای جهان

آدمی نیستیم ما کلیم | نقد پنہانئے ترا حکیم
آمدہ بہرِ امتحان تو ایم | ناقدِ مخزنِ نہان تو ایم

للہِ الحمد کامدے بشمار | چوں زرِ دہ دہی تمام عیار
تو خلیلی و در تو عشق خدائے | متحمل شدہ ز سرتا پائے
جزو و جزوِ تو از قدم تا فرق | گشتہ در نعمتِ محبت غرق
بندۂ منعمے نہ بندِ نعم | از فواتِ نعم ترا چہ الم
گر نعم فے المثل بلا نعم گردد | نسبت عشق تو آنکہ کم گردد
چوں دولت از خدائے نشکیبد | تاج خلت ہمیں ترا زیبد
ہر گمانے کہ داشتیم ترا | گشتت روشن کہ سہو بود و خطا
عشق تو ذاتی ست نہ عرضی | گشتہ صافی ز شوب ہر عرضی

عشق چوں بر جمال ذات بود
حاشا للہ کہ بے ثبات بود

اس حکایت کے خاتمہ کے ساتھ میری تقریر کا بھی خاتمہ ہے اس کے بعد نہ کسی اور بات کے کہنے کی ضرورت، نہ کسی تحریک کی حاجت، اگر اس کے سننے کے بعد بھی کوئی اپنے کیسے نہ کھولے اور خدا کے نام پر، خدا کے نام بلند کرنے کے کام میں، خدا کے نام کی منادی کرنے کے لئے کچھ حصہ اپنی آمدنی کا نہ دے۔ اور پھر بھی خدا کی اطاعت، خدا کی محبت اور اسلام کا دعوے کرے تو اُسے خود سوچنا چاہیئے، کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا۔ خدا کا کلام اگر سچا ہے تو ایسا دعوے کرنے والا بلاشبہ کاذب ہے۔ اور فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ کی تہدید میں داخل ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ +

نمبر ۷

اسپیچ

یہ افتتاحی اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۷- دسمبر ۱۸۹۳ء کو اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علیگڈھ میں بحیثیت پریذیڈنٹ ہونے کے فرمائی :-

بزرگان قوم و برادران! جو عزت اس وقت آپ نے اس معزز اور قومی جلسہ کے صدر انجمن ہونے کی مجھے بخشی ہے، وہ ایک ایسی عزت ہے کہ ہر ایک نامور مسلمان اُس پر فخر کر سکتا ہے، مجھ سا ناچیز آدمی جس قدر اُس پر فخر کرے اور آپ کا شکر، وہ کم اور درحقیقت بہت کم ہے۔ مگر جب کہ میں ایک طرف اس معزز خدمت کے مشکل فرائض کو دیکھتا ہوں، اور دوسری طرف اپنی ناقابلیت کو، تو چاہتا ہوں، کہ اُس بیچارے مومن کی طرح جسے نمازیوں نے زبردستی نماز پڑھانے کے لئے آگے کر دیا تھا، اور وہ نمازیوں کو سجدہ میں چھوڑ کر مسجد سے چل دیا، میں بھی موقع پا کر نکل جاؤں۔ لیکن چونکہ ایسے موقع کے ملنے کی مجھے اُمید نہیں ہے، اس لئے برا ہوں یا بھلا، آپ کے سامنے حاضر ہوں، اور بہ تعمیل آپ کے حکم کے اس کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اگر میں اپنی اس معزز خدمت کے فرائض ادا کرنے میں قاصر رہوں، تو اُمید ہے کہ مجھے آپ معاف فرماوینگے۔

صاحبو! بہ حیثیت صدر انجمن ہونے کے اس وقت میرا پہلا فرض یہ ہے کہ آپ کا خیر مقدم کہوں، اور آپ کی تشریف آوری کا شکر ادا کروں۔ مگر میں متردد ہوں کہ آیا آپ مجھے اس کی اجازت دینگے یا نہیں، اس لئے کہ آپ یہاں اُس فرض کے ادا کرنے کے لئے آئے ہیں، جو قوم کا آپ پر ہے، پس ہر ایک متنفس جو یہاں موجود ہے، خود میزبان ہے اور خود مہمان، خود داعی ہے خود مدعو، خود شاکر ہے اور خود مشکور، کوئی ان میں سے اپنی قومی خدمت کا صلہ نہیں چاہتا، نہ کوئی اپنے اس فرض کے ادا کرنے پر کسی سے شکر یا اجر کا طالب ہے، بلکہ ہر ایک مسلمان دل کی زبان سے کہ رہا ہے کہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا۔ مگر چونکہ اس وقت اس شہر کے ہر گوشہ سے آپ کے خیر مقدم کی صدا آرہی ہے، اور اس قومی گھر کے ہر در و دیوار سے مبارکباد کی آواز بلند ہے میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں اُن کا ہمصفیر نہ بنوں اور آپ کا خیر مقدم نہ کہوں۔

صاحبو! جس وقت میں اُن مجلسوں پر نظر کرتا ہوں، جو آئے دن ہمارے یہاں ہوا کرتی ہیں تو مجھے اس مجلس کے دیکھنے سے جرأت آمیز خوشی ہوتی ہے، کل کی بات ہے، کہ جب ہم مجلس کا نام سنتے، تو بجز تہنیت یا تعزیت کی تقریب کے، کسی اور طرف ذہن منتقل نہ ہوتا، نہ سوائے شخصی اغراض کے قومی مقاصد کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کا خیال دل میں آتا، چند سال پہلے کس نے سنا تھا، کہ لوگ کہیں اس لئے جمع ہوئے ہوں کہ قوم کا کچھ کام کریں، اُس کی تنزل یافتہ حالت پر متاسف ہوں، اور اُس کی ترقی کی تدبیر کریں۔ لیکن اب حالت دوسری ہے، بہت سے مسلمان ایسے پیدا ہو گئے ہیں، جو قوم کے لئے کام کرتے ہیں، اُس کا خیال رکھتے ہیں، اس کی دردناک حالت پر افسوس کرتے ہیں۔ اُس کی ترقی کے خواہشمند ہیں، اور بعض ایسے بھی نظر آتے ہیں، جو قوم کے اغراض کو اپنے ذاتی فوائد پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور کیا ۔۔۔ [illegible] قومی ۔۔۔ [illegible] ہیں۔

جس طرح اس انیسویں صدی میں بہت سی چیزیں بدل گئیں، اسی طرح ہمارے الفاظ غرض، اور دعوت، اور مجلس، کے معنی بھی بدل گئے۔ اور بجائے ذاتیات کے ان کا اطلاق قومی اغراض پر ہونے لگا۔ اب غرض سے مراد ہے، قوم کی بھلائی، جو ہر ایک مسلمان پر بقدر اپنی طاقت کے ضروری سمجھی جاتی ہے، دعوت کے معنی ہیں، کسی قومی کام کے لئے بلایا جانا۔ اور مجلس کا مقصود ہے، قوم کی بہبودی کے لئے لوگوں کا جمع ہونا۔ چنانچہ آج جو بہت سے نیک دل پاکیزہ خیال لوگ دور دراز مقامات سے سفر کی زحمت اٹھا کر، اور اپنے کام کا ہرج کر کے، یہاں آئے ہیں۔ اُس سے کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہیں، نہ کسی خاص شخص کی خوشی منظور ہے، بلکہ صرف قومی خیال اُن کو یہاں تک لایا ہے، اور فقط اس غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں، کہ قوم کی ترقی کی تدبیریں سوچیں، اور اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی تجویزیں کریں، اپنی متفرق اور منتشر قوموں کو ایک جگہ جمع کریں، خیالات کے تبادلے سے غلطیوں کی اصلاح کریں، اور باہمی صلاح و مشورہ سے قوم کی ترقی کا کوئی سیدھا راستہ نکالیں، اس لئے اس مجلس کے دیکھنے، اور اُس کے شریک ہونے سے میرے دل کو ایک عجیب تعجب انگیز خوشی ہے، اور یہ خوشی اس خیال سے اور بھی زیادہ ہوگئی ہے، کہ آج آپ وہاں جمع ہیں، جو قومی خیالات کا گھر ہے، اور جہاں یہ پیارے اور ہونہار بچے، ہمدردی، محبت قومی، تعلیم و تربیت کے پیدا ہوئے ہیں، اور کانفرنس کا یہاں ہونا وہی لطف دے رہا ہے، جو بچے کا ماں کی گود میں بیٹھنا۔ آپ جانتے ہیں یہ کانفرنس علیگڈھ کا پیارا بچہ ہے، اس شہر کو اُس سے مادری محبت ہے، اس کی بہت سی امیدیں اُس سے وابستہ ہیں، آج وہ نہایت خوش ہے، کہ اُس کا پیارا بیٹا، ادھر اُدھر کی ہوا کھا کر، تازہ و توانا، صحیح و تندرست، اس وقت اُس کی گود میں بیٹھا ہوا کھیل رہا ہے، اور اُس کی آٹھویں سالگرہ کے جشن میں اتنے دوست و احباب جمع ہیں۔*

صاحبو! میری یہ خوشی کچھ خیالی نہیں ہے، بلکہ اُس کا ایک خاص اور قوی سبب ہے، جیسے نزدیک جس طرح کہ کانفرنس قومی ترقی کے لئے نہایت مفید ہے ویسا ہی کانفرنس کا یہاں ہونا اُس کے اغراض و مقاصد کے لئے فائدہ بخش ہے۔ اس لئے کہ اُس کا اصلی مقصود ہے مسلمانوں کی ترقی، اور وہ منحصر ہے، اعلےٰ تعلیم پر، اور یہ وہ مسئلہ ہے جس کو ہم مسلمان نہایت مشکل اور لاینحل سمجھتے ہیں، اور جس کی مشکلات اور وقتیں ہماری ہمتوں کو توڑ دیتی ہے، اور جس کے اسباب جمع کرنے کا ہم ارادہ تک نہیں کر سکتے اور اس مسئلہ کا سمجھانا، اور اسی مشکل کو آسان کرنا، اور اسی کا شوق پیدا کرنا، اور اسی کی ہمت دلانا اس کا اصل مقصود ہے، اور یہ مقصود دوسری جگہ سینکڑوں ریزولیوشن کے پیش کرنے، اور ہزاروں مضامین لکھنے، اور سینکڑوں لکچر دینے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ یہاں ... اور طالب علموں کی حالت دیکھنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ قومی تعلیم کے مشکل مسئلہ کے معنی نہایت آسانی

یہاں مجتمع ہو سکتے ہیں۔ اُس کی مشکلات جن کا رفع ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے! یہاں حل شدہ دکھلائی دیتی ہیں اور قومی قوت، اور قومی عزت کا نمونہ! اور قومی ترقی کی تدبیر کی مجسم صورت! یہاں نظر آرہی ہے۔ یعنی وہ کالج جس میں دماغی تعلیم کے ساتھ مذہبی اور اخلاقی تعلیم بھی دیجاتی ہے، جہاں لڑکوں کی تربیت کا خیال، اور اُن کے اخلاق کی درستی کا لحاظ، اور اُن کے چال وچلن کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں انگریزی پڑھنے والوں میں! قومی دلولے! اور اسلامی جذبات، بھی پائے جاتے ہیں۔ اور جہاں قومی قوت کے اجتماع! اور سیلف ہیلپ! کا عمدہ نتیجہ دیکھنے میں آتا ہے۔ اور جہاں کا طالب علم ہونا پبلک اور گورنمنٹ دونوں کے نزدیک، عمدہ تعلیم، پاکیزہ خیالات، پسندیدہ اخلاق، قومی محبت اور گورنمنٹ کی وفاداری کی کافی سند سمجھی جاتی ہے۔ اس حیرت انگیز کارخانہ کو دیکھ کر ممکن نہیں ہے، کہ لوگوں کے دلوں میں جوش نہ آوے، اور آیندہ کے لئے ہمت پیدا نہ ہو۔ اور اپنی متفقہ کوششوں کو کام میں لانے کی رغبت نہ ہو۔ پس اے میرے دوستو، اِن خیالات سے میں آپ کا یہاں جمع ہونا، اور قومی ترقی کی تدبیریں یہاں بیٹھ کر کرنا، زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اور یہاں آنے پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں ؂

اے میرے دوستو! اگر آپ کا خیر مقدم، کہکر اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤں، تو میں اُس فرض کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو قاصر سمجھوں، جو بحیثیت صدر انجمن ہونے کے مجھ پر ہے۔ مجھے ضرور ہے، کہ میں اس کانفرنس کی اغراض ومقاصد کی نسبت جو غلط فہمیاں، اور اُس کی کارروائیوں پر نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں اُن کا کچھ تذکرہ کروں ؂

صاحبو! آپ کو معلوم ہے! کہ ہمارے اس کانفرنس کے اغراض کی نسبت غلط فہمیاں بھی ہوئی ہیں، اور اُس کی کارروائی پر نکتہ چینیاں بھی کی جاتی ہیں۔ نکتہ چینی کی نسبت ہم کو تعجب نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ جو لوگ کوئی بڑا کام کرتے ہیں، وہ معصوم نہیں ہوتے، نہ اُن کی کارروائی غلطی، خطا، اور نقص، سے خالی ہو سکتی ہے۔ اور گو کیسی ہی لیاقت، محنت، اور ایمانداری سے وہ اپنا کام کریں، نکتہ چینی کا موقع ضرور باقی رہتا ہے، علاوہ بریں نکتہ چینی فی نفسہ نہایت مفید بلکہ ایک قسم کی مدد ہے، بشرطیکہ نیک نیتی سے کی جاوے۔ ہمارا یہ مجمع خود نکتہ چینی کے لئے قایم ہے، اور نکتہ چینی ہی اُس کا اصل مقصود ہے، تاکہ جو غلطی ایک کے خیال میں ہو، وہ دوسرے کے خیال سے اصلاح پاوے، اور جو نقص ایک کی رائے میں ہو وہ دوسرے کی رائے سے رفع ہو۔ اے صاحبو پھر ہماری کارروائیاں، ہمارے مباحثے، اور ہماری تجویزیں، علیٰ الاعلان عام ہیں، اور ہر ایک شخص کو اُس پر بری بھلی رائے ظاہر کرنے کا حق ہے۔ ہم ہر ایک کی بات دل سے سننے کے لئے آمادہ ہیں، اور ہم ہر ایک نکتہ چینی پر خیر مقدم کہنے کو طیار ہیں، مگر ہاں اُس وقت ہم کو افسوس ہوتا ہے! کہ ہمارے

کانفرنس کے اغراض و مقاصد، دیدہ و دانستہ غلط بیان کئے جاتے ہیں، اور بے دردی سے اُس کی تضحیک کی جاتی ہے۔

صاحبو! بڑا اعتراض کانفرنس پر یہ ہے، کہ کوئی عملی فائدہ اُس سے قوم کو نہیں ہوا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کانفرنس پر یہ الزام عائد ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ تعمیل اُس کے مقصود اور اُس کی قدرت سے خارج ہے۔ جو لوگ کانفرنس پر یہ اعتراض کرتے ہیں، غالباً انہوں نے کانفرنس کے اشتہار اور پہلے سال کے پہلے رزولیوشن کو بھی ملاحظہ نہیں فرمایا۔ پہلا رزولیوشن جو ۱۸۸۶ء میں جناب سر سید احمد خاں بہادر نے پیش کیا، وہ یہ تھا، "کہ مسلمانوں کی ترقی تعلیم میں قومی اتفاق اور قومی امداد سے کوشش کی جاوے، اور ہر سال ان امور پر غور کرنے کے لئے، مختلف اضلاع کے لوگوں کا ایک جلسہ ہوا کرے،" اس رزولیوشن کے پیش کرتے وقت سر سید نے یہ فرمایا تھا "کہ گو ہم ایک قوم کے مسلمان کہلاتے ہیں، مگر ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ کے رہنے والوں سے ایسے ہی ناواقف ہیں، جیسے کہ کوئی اجنبی قوم ایک دوسرے کے حال سے ناواقف ہو۔ کوئی ذریعہ ہمارے پاس ایسا نہیں ہے کہ مختلف اضلاع کے لوگ کسی موقع پر آپس میں ایک جگہ جمع ہوں، ایک کے حال سے دوسرے کو آگہی ہو، ہم آپس میں مل کر اپنے خیالات جو قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت ہوں دوسروں پر ظاہر کر سکیں۔ اور جو غلطی ہمارے خیال میں ہو، وہ دوسروں کے خیال سے بخوبی اصلاح پاوے،" اس مقصود کو جو کہ کانفرنس کے قایم کرتے وقت ظاہر کیا گیا تھا، پھر سید صاحب نے اپنے پچھلے سال کی رپورٹ میں ان لفظوں میں بیان فرمایا کہ "اس کانفرنس کا یہ کام ہے، کہ آپس کی صلاح و مشورہ سے باتفاق جم غفیر مسلمانوں کے اس بات کو قرار دے، کہ کیا امر مسلمانوں کی بھلائی اور اُن کی قومی ترقی کے لئے مفید ہے، اور ان کے فوائد کو قوم کے دلنشین کرے، اُن کی تعمیل ہونی کانفرنس کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے۔ یہ خود قوم کا کام ہے کہ جس تجویز کو خود انہوں نے قوم کے لئے مفید قرار دیا ہے، اُس کے عملدرآمد میں کوشش کریں، پس جس قدر افسوس ہو وہ قوم کی حالت پر ہونا لازم ہے۔ کانفرنس تو مثل ایک دنیاوی واعظ کے قوم کی بھلائی باتوں کو بیان کرتی ہے، وہ قوم کو جتلاتی ہے: اُس کی خراب حالت سے اُس کو مطلع کرتی ہے، اُن پر عمل کرنا، اور اُس کی تکمیل کے لئے کوشش کرنا، قوم پر یا بزرگان قوم پر منحصر ہے۔ مگر کانفرنس جو کچھ کرتی ہے اُس سے زیادہ کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتی" یہ بیان سید صاحب کا کانفرنس کے اغراض و مقاصد اختیار کرنے کی نسبت ایسا صاف ہے، کہ اس سے ہر شخص خیال کر سکتا ہے، کہ صرف تجویز کرنا اور تدبیر بتانا، اس مجلس کا کام تھا، نہ کسی تجویز کا تعمیل کرانا۔ اس پر اگر کوئی کہے کہ مجلس نے کچھ کام نہیں کیا، وہ بعینہ ایسا ہے، جیسا کوئی قانون بنانے والی کونسل کی نسبت کہے، کہ اُس نے کوئی مفید فیصل نہیں کیا، یا عمارت کے نقشہ بنانے والے پر یہ الزام لگایا جاوے کہ اُس نے مکان نہیں بنایا۔ یا ڈاکٹر پر اعتراض کرے کہ اُس نے نسخہ لکھا مگر بیمار اچھا نہ ہوا۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ

مجلس کا قایم کرنا ہی بے سود اور لغو تھا تو یہ اور بات ہے۔ مگر میرے نزدیک ایسی مجلس کی نہایت ضرورت تھی، اُس کے اغراض اور مقاصد بہت عمدہ ہیں، اُس نے بہت عمدگی سے اپنا کام کیا، اور قوم بہت فائدہ پہنچایا، اُس میں نہایت مفید رزولیوشن پیش کئے گئے، بہت خوبی سے اس پر بحثیں ہوئیں، نہایت آزادی سے رائیں دی گئیں، اور بےنظیر لیاقت سے تقریریں کی گئیں، اور بہت سی مفید تجویزیں قوم کو بتائی گئیں۔ اگر قوم کی حالت پیش نظر رکھ کر کانفرنس کی کارروائی پر غور کیا جاوے، اور پچھلے سات برس کی روئدادیں انصاف سے دیکھی جاویں۔ تو میرے نزدیک کانفرنس کی کارروائی نہایت اطمینان کے لائق، اور اُس کی کامیابی مبارکباد کی مستحق ہے۔ ہمارے پاس کانفرنس کی بدولت اس وقت ایک ایسا اچھا رکارڈ اور دفتر موجود ہے جس کا جمع ہونا بغیر کانفرنس کے ممکن نہ تھا، اُس نے ہمارے لئے ایسا سامان اور مواد مہیا کر دیا ہے، کہ اگر ہم اُسے کام میں لاویں تو ہم بہت جلد ترقی کر سکتے ہیں حقیقت میں کانفرنس نے قوم کے لئے راہیں طیار کر دی ہیں، اور تمام مشکلات کو اُن کے سامنے سے دُور کر دیا ہے۔ اگر قوم اُس پر چلنا شروع کرے، تو آج وہ منزل مقصود کو پہنچ سکتی ہے، اور نہ صرف راہوں کے تیار کرنے ہی پر اُس نے قناعت کی، بلکہ قوم کو چلنے کی بھی رغبت دلائی، غفلت کے بُرے نتیجے اُسے بتائے، سُست پڑے رہنے سے جو مصیبتیں اُس پر گذریں، وہ ظاہر کیں، پیچھے رہجانے سے جن دردناک آفتوں میں وہ مبتلا ہونے والی ہے اُس کا ڈر دلایا، بزرگوں کی کہانیاں سُنا کر اُن کے دل بڑھائے، گذشتہ زمانہ کی ثروت اور عزت کے قصے کہکر جوش دلایا، تاریخی واقعات بیان کرکے قوموں کی ترقی و تنزل کے اسباب بتائے، اوہام اور تعصبات اور خیالات جو سیدھی راہ پر چلنے کے مانع تھے، دلوں سے نکالے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کونسی تدبیر ایسی ہے، جو قوم کے جگانے اور اُس کو ترقی کے رستہ پر چلانے کے لئے چاہئے تھی، کہ اُس نے نہیں کی، میرے نزدیک تو اُس نے اپنے فرائض کو بہت اچھی طرح انجام دیا، اور نہ صرف وہی کیا جو اُسے کرنا چاہئے تھا، بلکہ اُس سے بہت بڑھ کر کیا۔ اگر ہم اور باتوں سے قطع نظر کریں، اور صرف اُن نظموں اور لکچروں اور مضمونوں کو دیکھیں، جو کانفرنس میں پیش ہوئے، تو ہم کہ سکتے ہیں کہ کانفرنس کی کوششیں بیکار نہیں گئیں۔ اور لوگوں نے بیفائدہ محنت نہیں کی، میں اُن لوگوں کو نہایت بےدرد اور نامنصف سمجھتا ہوں، جو ان چیزوں کو صرف شاعرانہ نظر سے دیکھتے ہیں، اور اسے قوم کے حق میں مفید نہیں سمجھتے۔ میرے نزدیک وہ لکچر جو مولانا مولوی نذیر احمد صاحب نے کانفرنس میں دئے ہیں، آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں، اور قوم کے دل کے پتھروں پر نقش کرنے کے قابل۔ آپ یقین کیجئے، کہ اگر یہ لکچر یورپ یا امریکہ میں دئے جاتے، اور فرض کرو کہ وہ اُس زبان کو سمجھ سکتے، تو ہزاروں آدمی صرف اُن کے سُننے کے لئے جمع ہوتے، لاکھوں روپیہ اُن پر نثار کرتے، اور اُس سے اتنی آمدنی کہ ہمارے مسلمانان ملک کا ایک بڑا حصہ طیار ہو جاتا۔

صاحبو! یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ کانفرنس ایک مجمع ہے صرف نو تعلیم یافتہ، اور نئے خیالات رکھنے والوں کا، نہ اُس میں علما اور مشائخ شریک ہیں، نہ اُمرا اور بزرگانِ قوم اُس میں داخل ہیں، اور اُس کی تجویزیں صرف ایک محدود اور مختصر فرقہ کی رائے ہیں، نہ عام مسلمانوں کی۔ میں اس کے جواب میں نہایت ادب سے کہتا ہوں، کہ اگر کل قوم تعلیم یافتہ ہوتی، اور زمانہ کی ضرورتوں سے واقف، اور اپنی ترقی کے وسائل مہیا کرنے کے لائق۔ تو ایسی کانفرنس کی ضرورت ہی نہ ہوتی، اور جب خدا کی مہربانی سے قوم کا ایک بہت بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہو جاویگا، تو وہ وقت ہوگا کام کرنے کا نہ سوچنے کا، وہ زمانہ ہوگا ترقی کے نتیجوں کے دیکھنے کا، نہ اُس کے اسباب جمع کرنے اور رغبت دلانے کا، وہ دن ہونگے مبارکباد دینے کے، نہ رونے اور رولانے کے۔ وہ وقت ہوگا فصل کاٹنے اور پھل کھانے کا، نہ زمین جوتنے اور بیج بونے کا۔ ہم خود قبول کرتے ہیں کہ یہ مجمع ہے ایسے لوگوں کا جن کے خیالات نئے ہیں، جو تعلیم اور تربیت کے اصول سمجھتے ہیں، جو قومی، ترقی کی تدبیریں جانتے ہیں، جن کو اپنی موجودہ حالت میں بہت کچھ اصلاح اور درستی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ مگر کوئی مہربانی کر کے مجھے بتائے، کہ دنیا کی تاریخ میں کس قوم نے بغیر ایسے فرقہ کے ترقی کی ہے، اور جب تک کہ کوئی قوم ترقی نہ کرے ایسے خیال کے لوگ کہاں کثرت سے پائے گئے ہیں۔

صاحبو! قوم کی ترقی کا آغاز ہمیشہ اُسی طرح سے ہوتا ہے، کہ پہلے کوئی عالی دماغ مستقل مزاج، جس کا دل دماغ ایسے کام کے لئے بنایا گیا ہو، قوم کی اصلاح کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ اور ایک ایک دو دو آدمی اس کی باتیں سمجھنے، اور اُس کے کہنے پر چلنے، اور اُس کی تائید کرنے لگتے ہیں، اور پھر رفتہ رفتہ اُس کا ایک ایسا مختصر گروہ بنجاتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے خیالات پھیلانا، اور اپنی جماعت کو بڑھانا شروع کرتے ہیں، یہاں تک کہ اُن کا اثر ساری قوم پر ہو جاتا ہے، اور قوم ترقی کے درجہ پہنچ جاتی ہے، مگر صاحبو بغیر خیالات کے بدلنے، اور بغیر کسی شخص کے پیشوا ہونے، اور بغیر کسی ایک مضبوط اور مستعد لوگوں کی جماعت قایم ہونے کے، اگر کسی قوم کی کبھی اصلاح ہوئی ہو، تو مجھے اُس کی نظیر بتائیے۔ غرضکہ صاحبو جو چیز الزاماً ہماری نسبت کہی جاتی ہے ہم اُس پر فخر کرتے ہیں اور کہنے والوں کا شکر۔

رہا یہ امر کہ بزرگانِ قوم، اور علما اور مشائخ، اس میں شریک نہیں ہیں، اسے میں تسلیم نہیں کرتا، جو لوگ ایسا کہتے ہیں، اُن کو چاہیے، کہ ذرا تکلیف گوارا کریں، اور کانفرنس کی فہرست ملاحظہ فرمائیں، اور ایک لحظہ کے لئے اس ہال میں تشریف لائیں، اور مجھے بتائیں، کہ اس سے بہتر مجمع مسلمانوں کا اُنہوں نے کہاں دیکھا ہے، اور اس عزت اور درجہ کے مسلمان اور کسی قومی مجلس میں کہاں جمع ہوتے ہیں۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ یہ مجلس بے سود، اور صرف مجمع چند بگڑے خیالات کے لوگوں کا ہے، تو میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ براہ مہربانی، وہ مجلس مجھے بتائیے، جو مسلمانوں کے لئے مفید اور سود مند ہو اور

جہاں علما فضلا، مشائخ اور اولیا، امرا اور دولتمند، مسلمانوں کی بھلائی کے لئے جمع ہوتے اور اپنے وقت، عقل، اور دولت، کا کچھ حصہ اپنی قوم کے کام میں بھی لگاتے ہوں۔ اور اُس جگہ کا نام بتائیے، جہاں ہم جا کر قوم کی ہمت اور اسلامی محبت، اور قومی جوش، کا ثبوت، اور اُن کی عمدہ تدبیروں، اور مفید کاموں کا نمونہ دیکھیں، اور قوم کی ترقی کی امید کریں۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے، کہ آپ ہماری قوم کی توجہ دنیاوی ترقی کے کاموں میں دکھائیے، اس لئے کہ یہ نجس اور ناپاک چیز مسلمانوں کی توجہ کے قابل نہیں ہے۔ الدنیا جیفة وطالبها کلاب۔ یہ کام دنیا کے کتوں کا ہے، اور نیچری فرقہ کے دنیا طلب لوگوں کا۔ مسلمانوں کی شان اس سے ارفع و اعلےٰ ہے۔ بلکہ وہ تدبیریں بتلائیے، جو اُنہوں نے اپنے پاک اور پیارے دین کے لئے کیں ہوں؛ اور اُن کی اُس توجہ کا ثبوت دیجئے، جو انہوں نے دین کی حمایت اور اُس کی حفاظت؛ اور اُس کی اشاعت میں کی ہو۔ مغربی علوم پر خاک ڈالئے۔ انگریزی کو کفر سمجھئے۔ یورپ کی طرز کے کالج اور اسکولوں کو جانے دیجئے، کہ یہ سب وہ چیزیں ہیں، جو صرف چند روزہ دنیا کے کام آنے والی ہیں، اور مسلمانوں کے اعتقادات اور خیالات کی بگاڑنے والی۔ مگر وہ مقامات بتائیے جہاں دین اور اسلام کی حفاظت کا بندوبست کیا گیا ہو؛ اور وہ مدرسے دکھلائیے جہاں دینی علوم کی تعلیم دیجاتی ہو۔ اور اُن دار العلوم کا نشان دیجئے، جو بغداد اور قرطبہ کے نمونوں پر قایم کئے گئے ہوں، اور اُن علما کا نشان دیجئے، جن کو صرف قوم کی توجہ اور فیاضی نے بچایا؛ اور علمی مشاغل میں مشغول رکھا ہو، اور اُن طالب علموں کو دکھائیے؛ جو صرف قوم کی مدد سے پرورش پاتے، اور علم حاصل کرتے ہوں۔ مگر افسوس صد افسوس، کہ جہاں تک خیال کیا جاوے، اور جس حصہ کو ہندوستان کے دیکھا جاوے، دین اور دنیا دونوں کا یکساں حال ہے، اگر ہم دیکھیں کہ مسجدیں آباد ہیں، خانقاہیں گرم ہیں، علما اور فضلا کا گروہ بدستور موجود ہے: پرانے مدارس طلبا سے بھرے ہوئے ہیں؛ تو ہم سمجھیں، کہ صرف زہد اور تورع، دنیاوی علوم کی تحصیل، اور دنیاوی مدارس میں مدد دینے کی مانع ہے۔ اور فقط پابندی شریعت کی، مغربی تعلیم کی مزاحم ہے، اور دینی خیال دنیاوی ترقی کا سد راہ ہے۔۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں، کہ اُس کا حال اس سے ہزار درجہ زیادہ برا ہے دینی مدارس قوم کی بے توجہی سے برباد ہیں، علما فضلا بھوکوں مر رہے ہیں، دینی علوم کی تحصیل کرنیوالوں کو کوئی بھیک کے ٹکڑے تک نہیں دیتا اور اگر کہیں کچھ نیک دل بزرگوں نے کوئی مدرسہ کھڑا کر لیا ہے، اور چند غریب طالب علم کابل اور بخارا کے جمع ہو گئے ہیں، تو وہاں خاک اُڑ رہی ہے؛ اور قوم کی بیخبری کا توحہ ہو رہا ہے اور استاد و شاگرد دونوں بھوکوں مرتے ہیں، تو اسے ہم کیا سمجھیں، مانا کہ ہم نے مغربی علوم کا شوق دلا کر مسلمانوں کو خراب کیا، مانا کہ ہم نے انگریزی تعلیم و تربیت کے جاری کرنے سے الحاد پھیلایا، مانا کہ ہم نے کانفرنس قایم کر کے مسلمانوں کو بہکایا، مگر ہم پر طعنہ کرنے والے خدا کے لئے بتاویں؛ کہ اُنہوں نے اپنی قوم کے لئے کیا کیا، اور اس ڈوبتی ہوئی کشتی کے بچانے میں کونسی کوشش کی اگر

ہم نے مسلمانوں کے لئے دیر و کنشت بنایا، مانا کہ گناہ کیا، مگر یہ فرمائیے کہ اُن کا بنایا ہوُا بیت المقدس کہاں ہے، جہاں جا کر ہم سجدہ کریں اگر ہم نے اپنے بھائیوں کے واسطے قومی کانفرنس قایم کی، ہم قبول کرتے ہیں کہ ایک بے سود کام کیا، مگر ہمارے دوست براہ مہربانی یہ فرماویں، کہ اُنہوں نے قوم کے حال پر مرثیہ پڑھنے، قوم کی مصیبت پر ماتم کرنے، پر کونسی مجلس بنائی ہے، کہ ہم وہیں جا کر نوحہ کریں، اور سر پیٹیں۔ ہم اگر مضر یا بے سود کام کرنے کے گناہ گار ہیں۔ تو قوم کو مرتے دیکھتے اور کچھ نہ کرنے کا ذمہ دار کون ہے ؎

گر دسر نو گشتن و مردن گناہ من — دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گناہ کیست
گیرم کہ وقتِ ذبح طپیدن گناہ من — دالسنہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

غرضکہ اے میرے بھائیو۔ یہ الزام جو ہم پر لگایا جاتا ہے، اور وہ طعنے جو ہم پر کئے جاتے ہیں، نہ دینداری کے خیال سے ہیں، نہ مذہب کے لحاظ سے، بلکہ درحقیقت غفلت اور کاہلی کا نتیجہ ہے، کہ نہ پُرانے طریقوں پر قوم کے لئے کچھ کرتے ہیں، نہ دینی کاموں میں اپنی مستعدی کی نشانیاں دکھاتے ہیں، نہ نئی راہ پر چلنے کے لئے اُن کا قدم اُٹھتا ہے، نہ دوسروں کا چلنا پسند کرتے ہیں۔ غرضکہ نہ خود کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں، ایسے لوگوں کی باتیں سُنکر رنجیدہ ہونا، اور ایسے طعن و طنز سُن کر پریشان ہونا ہمت والوں کا کام نہیں ہے ❖

اے میرے بھائیو نہ آج تک کوئی بڑا کام بغیر طعنوں کے برداشت کرنے اور دلفگار باتوں کے سُننے کے کہیں دنیا میں ہوُا ہے ❖

صاحبو! قومی اصلاح اور قومی ترقی، کوئی آسان کام نہیں ہے، بلکہ اس دنیا کے تمام کاموں میں اور سب سے زیادہ مشکل، نازک، اور تکلیف دہ ہے۔ حقیقی اصلاح اور سچی ترقی تو دینی اور دنیوی اصلاح، اور معاش اور معاد کی فلاح، اور یہ کام صرف پیغمبروں کا ہے، مگر دنیاوی اصلاح اور دنیاوی ترقی بھی ایسی مشکل ہے، کہ اُس کے لئے بھی خدا تعالےٰ خاص لوگوں کو پیدا کرتا، اور اُس کے لائق اُن کے دل و دماغ بناتا ہے، مگر پیغمبر ہوں یا مصلحانِ قوم، خدا نے سب کے لئے یہ قاعدہ رکھا ہے، کہ اُن کی کوشش کو منزلِ مقصود تک پہنچنے میں بہت سے درجے طے کرنے پڑتے ہیں،۔ اول، اُن کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے، اور ایک ناممکن کام کے خیال سے وہ دیوانے ٹھیرائے جاتے ہیں۔ پھر اُن پر طعن و طنز ہوتے ہیں۔ پھر اُن پر تہمتیں کی جاتی ہیں، اور اُن کے ارادے بدنیتی پر محمول کئے جاتے ہیں، پھر اُن کے مقاصد میں غلط بیانیاں کی جاتی ہیں۔ پھر کچھ کچھ باتیں اُن کی سمجھ میں آنے لگتی ہیں اور اُن کے کاموں کی عظمت اور وقعت کا خیال ہونے لگتا ہے اور آخر مفید سمجھ کر لوگ مدد دینے، اور اُس کی کامیابی دیکھ کر تعجب کرنے، اور خود بھی کہنے لگتے ہیں، کہ پہلے کیوں ہم ایسا نہ سمجھے، اور کیوں اول ہی اس کام میں شریک

نہ ہوئے ✦

اے میرے بھائیو، یہ وہ واقعات ہیں جو ہر ایک اصلاح کرنے والے کو پیش آتے ہیں، اگر آپ کی مجلس کا مقصود، قومی اصلاح اور قومی ترقی ہے۔ تو آپ کو بھی ان تمام درجات کے طے کرنے، اور اُن تمام دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔ مگر آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ آپ کو ایسے سکرٹری ملے ہیں جو آپ کی طرف سے سب مصیبتیں اُٹھا چکے ہیں؛ اُن کا مضحکہ اُڑ چکا، اُن پر لعنے ہو لئے، وہ دیوانہ اور سودائی بن چکے، خود غرضی کا الزام اُن پر لگ چکا، تہمتیں جتنی ہونی چاہئیں، اُن پر ہو لیں، مسلمان ہو کر وہ کافر بھی ٹھیرچکے، اُن کے مقاصد میں غلط بیانیوں کی بھی کوئی حد نہیں رہی اب وہ اس درجہ پر ہیں، جہاں مصیبتوں کا خاتمہ ہوتا، اور اُس کے نتیجوں کے دیکھنے کا دور شروع ہوتا ہے، اب لوگ اُن کے کاموں کی قدر کرنے ہیں۔ اُن کی بات سنتے ہیں، اُن کی وقعت اور عزت کرتے ہیں، اُن کو اپنا رہنما جانتے ہیں، پس اے میرے دوستو! باوجود ان تمام مشکلات کے طے ہو جانے اور آپ کو ایک قدم ہیں ملجانے کے اگر آپ صرف چند طعن آمیز باتیں سُننے سے رنجیدہ ہونگے؛ اور اس مجلس کی کامیابی کی نسبت شک کرنے لگینگے، تو مجھے تعجب ہوگا۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ استقلال سے کام کریں، اپنی محنتوں کی کامیابی پر بھروسہ رکھیں، کیونکہ جس قدر آپ اپنے فرائض سے زیادہ واقف ہونگے؛ جس قدر آپ میں ہمدردی کا جوش زیادہ ہوگا جس قدر آپ انسانیت کا زیادہ خیال رکھینگے۔ جس قدر آپ قوم کی زیادہ فکر کرینگے اور جس قدر آپ کا علم زیادہ ہوتا جاویگا آپ اپنے آپ کو زیادہ تکلیف میں پاوینگے، اور آپ پر زیادہ مصیبتیں نازل ہونگی ✦

بھائیو! عقل، علم، اور انسانیت، یہ خود مصیبت کے اسباب ہیں، اور ہر شخص کو اس دنیا میں اُسی قدر تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے جس قدر اُس میں عقل اور علم ہے۔ کاش ہم انسان نہ ہوتے تو ان مصیبتوں میں سے ایک مصیبت بھی نہ اُٹھانی پڑتی۔ یہ وہ امانت خدا کی ہے جسے نہ آسمان اُٹھا سکا، نہ زمین، نہ پہاڑ، ہم نے نادانی سے اُٹھالیا، اور ظالم جاہل ٹھیرے۔ انا عرضنا الامانۃ ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

صاحبو! مجھے وہ دن یاد ہیں کہ، جب ہم لوگ غفلت کی بہشت میں رہا کرتے تھے، نہ اپنی خبر تھی نہ دوسرے کا خیال۔ نہ قوم سے مطلب تھا، نہ مدرسہ سے غرض، نہ مسلمانوں کی دردناک صورت ہم کو دکھا کر نہ کوئی ستاتا تھا، نہ اے قوم اور دادِ قوم کی آواز ہمارے کان تک پہنچتی تھی، نہ کوئی چندہ مانگنے والا تھا، نہ کانفرنس میں بلانے والا۔ بے خبری کے نشہ میں مست پڑے ہوئے گا یا کرتے تھے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

اور اپنے پیشواؤں کے مشکور تھے، جنہوں نے اوہام کا سنگین پہرا علم کے درخت پر کھڑا کر دیا تھا، اور ہم کو وہاں تک جانے نہ دیتے تھے کہ اس میں ہمارے سر سید سامنے آئے، اور یہ آواز دی۔ ھل ادلکم علی شجرۃ الخلد وملك لا یبلی۔ اُنہوں نے ہم کو علم کا درخت دکھایا اور اُس کے پھل کھانے کی رغبت دلائی۔ اُن کا یہ کہنا تھا، کہ ہمارے بزرگ چلّانے لگے کہ خبردار ان کے پاس نہ جانا، اور ان کی بات نہ سننا" انہ لکم عدو مبین"۔ اور چاروں طرف سے یہ آواز آنے لگی کہ "لا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین" مگر یہ بھی مزاج کے ایسے مستقل، اور اپنے ارادے کے ایسے مضبوط تھے۔ کہ ترغیب دیتے اور یہ کہتے رہے، کہ تم حقارت کرو یا ملامت، زجر کرو یا توبیخ، میں تو ضرور علم کا پھل اپنی قوم کو کھلاؤنگا، اور بغیر اس کے کھلائے نہ مانونگا۔ آخر اُنہوں نے اپنا کہا پورا کیا۔ اوہام کا پہرا علم کے درخت پر سے اُٹھا دیا اور لوگوں کو اُس کا پھل کھلایا۔" واخرجھما مما کانا فیہ"۔ جن لوگوں نے وہ پھل کھایا، نیکی و بدی کو پہچاننے لگے، اور اُس گناہ میں غفلت اور بیخبری کی بہشت سے نکالے گئے، وہ اپنے آپ کو ننگا دیکھ کر شرمندہ ہوئے، اور اپنی عریانی چھپانے کی فکر کرنے لگے، بھائیو، یہ مصیبتیں کیوں ہوئیں، اگر ہم نیکی و بدی کی تمیز کا درخت نہ دیکھتے، اور اپنے بزرگ سر سید کے کہنے سے اُس کا پھل نہ کھاتے، ایک اُن کی بات کے سننے سے یہ ساری مصیبتیں گلے پڑیں، اب ہم ہیں، اور طرح طرح کی تکلیفیں ؛ قومی ہمدردی، قومی محبت، قومی ترقی، قومی تعلیم، قومی تربیت، قومی اصلاح ؛ اور خدا جانے کتنے عذاب۔ گھر چھوڑنا، سفر کی مصیبت اُٹھانی، کانفرنس میں آنا چندہ دینا، اور پھر بُرا بھلا سننا ؎

من گریہ آتشیں نے دانستم — من آہ دل حزیں نے دانستم
نے نام بمن گذاشتی و نہ نشاں — اے عشق ترا چنیں نے دانستم

مگر جب کہ خود ہم نے ان مصائب کو قبول کیا، تو اُسے اب مردانہ وار برداشت کرنا چاہیئے تاکہ دائمی راحت، اور لازوال خوشی، ہم کو نصیب ہو جو نتیجہ ان تکلیفوں کا، اور ثمرہ اُن مصیبتوں کا ہے۔ مگر صاحبو اس کے لیئے بڑے وقت کا انتظار ضرور ہے، میں اُن لوگوں کو نتیجہ دیکھنے کی امید نہیں دلا سکتا جو صبر نہیں کرتے، اور نہ ان مایوس طبیعتوں کو پھل پانے کا متوقع کر سکتا ہوں، جو وقت کا انتظار نہیں کر سکتے، ایسے لوگ کامیابی کے مستحق نہیں ہوتے، زمانہ اُن کی خواہشوں سے اپنی رفتار بدل نہیں سکتا۔ قدرت کے قانون میں اُن کی بے صبری سے کچھ تبدیلی نہیں ہو سکتی، وقت سے پہلے کوئی بیج اپنا پھل نہیں لاتا، نہ کسی کی بے صبری سے کھیتی قبل از وقت طیار ہو سکتی ہے، پس اے بھائیو! جو لوگ

ہماری کانفرنس کے عملی نتائج کے ظاہر نہ ہونے سے مایوس ہوتے، اور اُسے غیر مفید سمجھتے ہیں، ان کو کسی کاشتکار سے جاکر سبق لینا چاہیئے، تاکہ معلوم ہو کہ صرف بیج ڈالنا پھل پانے کا مستحق نہیں کرتا۔ زمین میں بیج ڈالنے سے فصل کے طیار ہونے تک، کئی درجے طے کرنے پڑتے ہیں۔ پانی دینا، گھاس صاف کرنا، (کسانوں کی اصطلاح میں اس کو نلائی کہتے ہیں) پرندہ چرند سے بچانا ہوتا ہے، اور ان سب باتوں کے پورا کرنے کے لئے بہت بڑی محنت درکار ہے، اور بہت کچھ صرف کی ضرورت، اور سب سے بڑھ کر کھیتی کا آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رہنا، اور اُس کیلئے خدائے ذوالجلال سے دعا کرتے رہنا، پھر یہ محنت اور صرف اور انتظار اُتنا ہی زیادہ ہوگا، جتنی کہ جنس لطیف اور عمدہ ہوگی میں نے کسی کاشتکار کو نہیں دیکھا، کہ وہ ان چیزوں کے طیار کرنے میں جو اس جسم خاکی کی غذا ہے، صرف زمین میں دانے ڈالدینے پر قناعت کرتا، اور ان تمام ضروری باتوں سے جو کھیتی کے طیار ہونے تک مطلوب ہیں غافل ہوتا، اور پیش از وقت اپنی محنت کے نتیجے پانے کی امید رکھتا ہو، پس اے میرے بھائیو، جس شخص نے روح کی غذا طیار کرنے کا ارادہ کیا ہو، اور جیسے علم لطیف، پاکیزہ، اور نازک زراعت شروع کیا ہو، وہ بیج ڈالنے کے دوسرے دن اگر اُس کے پھل پانے کا متوقع ہو، تو سوائے بوالہوسی اور دیوانگی کے اُس کی امید کو آپ کیا کہینگے۔ یہی حال ہماری اس کانفرنس کا ہے کہ، چند آدمیوں نے ملک علم کی زراعت کا ارادہ کیا، اُنہوں نے ایک بڑے گھنے جنگل کو کاٹا اُسے خار دار درختوں سے صاف کیا، اُس کے ایک گوشہ کو کھیتی کے لائق بنایا، اور اب اُس میں بیج ڈالا ہے، فصل کے طیار ہونے کا وقت ابھی دُور ہے۔ تمام درجے محنت، صرف، اور نگرانی، اور حفاظت کے ابھی باقی ہیں، اس پر بعض لوگ ایسے ہیں، کہ زراعت کے طیار ہونے کے شاکی، اور اپنی محنت کے پھل نہ ملنے پر مایوس ہیں۔ میرے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جن کو اندرونے قانون قدرت کے بالضرور مایوس ہونا چاہیئے، اور جن کی کامیابی بموجب قواعد فطرت کے ناممکن ہے ؎

عمرہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل   شاہدے را حلہ بخشد یا شہیدے را کفن
روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش   زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

اے میرے بھائیو! ابھی ہم لوگ نہایت نازک حالت میں ہیں، اور ہمارا زمانہ نہایت خطرناک ہے، ہم امید اور یاس کے بیچ میں چل رہے ہیں، جب ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کے خیالات میں کچھ تغیر ہوگیا ہے، وہ اپنی حالت سے واقف اور اُس پر متاسف ہے، اور سب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے، کہ موجودہ حالت دردناک ہے، اور اُس کا بدلنا قوم کی زندگی کے لئے ضرور ہے، تو ہم کو بہت کچھ اُمید ہوتی ہے اور پھر جب ہم ایسے گروہ کو دیکھتے ہیں جو قوم کی ترقی کی تدبیروں میں

سرگرم ہے، اور اُس کی اصلاح اور بہبودی کی فکریں کر رہا ہے؛ اور اُن میں ایک جوشِ قوم کی بھلائی کا پیدا ہو گیا ہے، تو آیندہ کے لئے اور بھی دل خوش کن امیدیں نظر آتی ہیں؛ مگر جب اس بات پر نظر جاتی ہے کہ بمقابلہ قوم کے یہ فرقہ بہت قلیل ہے اور ابھی اُس میں بہی کچھ کرنا باقی ہے تو قوم کی ترقی سے نا اُمیدی ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی نہیں کہ سکتا ہے کہ ہماری قسمت میں آیندہ کیا لکھا ہے، ہم اپنے مقصود پر کامیاب ہونگے؛ یا ہماری کوششیں ضائع اور رائگاں جائینگی، مگر جس راستہ پر ہم نے چلنا شروع کیا ہے؛ وہ سیدھا راستہ ہے۔ اور سیدھی راہ پر چلنے والا اگر برابر چلتا رہے؛ بلاشبہ منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے، اس لئے ہم کو بھی امید ہے کہ ہم ضرور اپنے مقصد پر کامیاب ہونگے

ان اللہ لا یضیع اجر العاملین ٭

اے میرے دوستو! مَیں نے آپ کا بہت وقت صرف کیا اور مَیں نے اپنی پریشان تقریر سے آپ کو بہت پریشان کیا، مَیں اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوں - اور آٹھویں سال کی کانفرنس کے کھلنے کا اعلان کرتا ہوں ٭

نمبر ۸

اسپیچ

یہ مختصر سی اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۲۰- دسمبر ۱۸۹۳ء کو بحیثیت ہونے پریزیڈنٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس ہشتم مقام علیگڈھ میں مولانا مولوی محمد شبلی نعمانی کی دلفریب نظم کی نسبت بطور ریمارکس کے فرمائی :-

حضرات! مولانا شبلی صاحب نے جو نظم اس وقت سنائی وہ بلحاظ الفاظ کی عمدگی اور معانی کے، پاکیزگی کے اس قابل ہے کہ قوم ہمیشہ اُسے حرزِ جاں بنا دے اور اُس کا ورد رکھے اور اُس پر عمل کرے ٭

صاحبو! مولوی شبلی صاحب کی نظم بانثر اس کی محتاج نہیں ہے کہ کوئی اس کی تعریف کرے خصوصاً مجھ سا ناچیز، جاہل، جس کی تعریف درحقیقت تحسین ناشناس ہے - مگر وہ جوش جو اس نے دلوں میں پیدا کر دیا ہے، اور وہ حالت جو اُس کے دردناک شعروں نے طاری کر دی ہے، مجھے مجبور کرتی ہے کہ مَیں مجلس کی طرف سے اُن کا شکریہ ادا کروں اور شکریہ کے ووٹ پاس کرنے کا محرک بنوں، مجھے امید ہے کہ ہر ایک شخص جو اس وقت مجلس میں موجود ہے میرے ساتھ اتفاق کریگا

اور ایک ایسے عالی دماغ اور روشن خیال عالم کا جس نے اپنی بے نظیر تالیفات سے ایک نئی روشنی قوم کو دکھائی اور ایک نیا اور سیدھا راستہ تصنیف کا بتایا ہے، دل سے شکر ادا کریگا ✦

نمبر ۹

اسپیچ

یہ اسپیچ بھی ۲۷ - دسمبر ۱۸۹۳ء کو اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علیگڈھ میں نواب صاحب نے بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے کے، مختلف اصحاب کی رپورٹوں کے ختم ہونے کے بعد بطور ریمارکس کے فرمائی :-

بزرگان قوم و حاضرین! مَیں نے اپنے بزرگ دلسوز سکرٹری کی رپورٹ سنی، چونکہ وہ الفاظ دل سے نکلے تھے دل میں بیٹھے۔ اور درد سے بھرے ہوئے تھے درد سے سُنے گئے۔ حقیقت میں نہایت سچا ہے یہ مقولہ کہ، ہرچہ از دل خیزد بردل ریزد۔ جس دلی جوش سے یہ رپورٹ لکھی گئی تھی، سننے والوں کے دلوں پر بھی اُس نے ویسا ہی جوش پیدا کیا۔ اور جو لطیف اور پاکیزہ معنی محبّت کے اُس کے سخت اور درشت لفظوں میں چھپے ہوئے تھے، سامعین بھی اُسے بخوبی سمجھے ✦

صاحبو! انسان کی حالتیں اور دل کی کیفیّتیں مختلف ہوتی ہیں، اور اُن کی تاثیریں بھی جداگانہ ہوا کرتی ہیں۔ وہ ادھورے اور ناتمام جملے جو ایک معصوم بچّے کے مُنہ سے نکلتے ہیں، نہایت پیارے اور میٹھے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب ہم اُن کو ایک فالج زدہ پیر فرتوت کی زبان سے سنتے ہیں، تو اُن کے سُننے سے نہایت نفرت ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ بات جو ایک بیرحم، سنگدل دشمن، عداوت سے ہمارے عیبوں کے متعلق کہتا ہے، ہم کو نہایت غصّہ دلاتی اور رنج دیتی ہے۔ مگر جب اُس کو کوئی ہمارا دلسوز دوست، محبت اور ہمدردی سے کہتا ہے، اُس کا دوسرا ہی اثر ہمارے دل پر ہوتا ہے۔ وہ فقرے جو ہمارے سر سیّد کی زبان سے اس وقت نکلے، اگر ہم اپنے کسی مخالف کی زبان سے سنتے تو ضرور غصّہ آتا، مگر جب کہ اُس دردبھرے دل سے نکلے، جو ہماری محبت میں جل رہا ہے، تو اُس نے دوسری ہی کیفیّت ہمارے دل میں پیدا کی۔ اگرچہ مَیں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا، کہ قوم کی وہ حالت ہے جس کی تصویر ہمارے بزرگ سکرٹری نے دکھائی ہے، مگر مَیں اُن کے دل کے درد کی ہمدردی داد دیتا ہوں، اور اُس درد کا اثر اس وقت کچھ اپنے دل میں بھی پاتا ہوں۔ اے میرے بزرگو آپ جانتے ہیں، کہ وہ قومی ترقی کے طالب ہیں، اور اُس کے عاشق، اور اُس کی طلب میں

سرگرم اور سرگرداں، جس طرح طالب بغیر مطلوب کے ملنے کے سیر نہیں ہوتا، اور کوئی چیز سوا اُس کے دیکھنے کے اُسے تسلی نہیں دیتی، یہی حال ہمارے **سرسید** کا ہے ؎

دست از طلب ندارم تا کام او برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اُس کی طلب میں اُن کی عمر ضائع ہوئی، اُس کے انتظار میں اُن کی جوانی بلکہ بڑھاپا بھی گذر گیا، وہ اُس کے پیچھے بدنام ہوئے، ملامت کے تیروں کا نشانہ بنے، دیوانہ ٹھیرے، ذلتیں سہیں، مصیبتیں اُٹھائیں، رسوا ہوئے، دربدر مارے پھرے، گھر گھر کی خاک چھانی، رقیبوں کی منّت کی، اس پر بھی جب اپنے مطلوب کی صورت نہ دیکھی، تو درد سے چلانے، اور مایوس ہو کر نالہ و فغاں کرنے لگے ٭

صاحبو! ذرا اس جوش کو دیکھئے جو قوم کی محبّت کا اُن کے دل میں موج زن ہے، اور ذرا اُس آگ پر خیال کیجئے جو اُن کے سینہ میں بھڑک رہی ہے، اور ذرا اس حالت پر نظر ڈالئے جو قومی ترقی کی ہوس میں اُن کی ہو رہی ہے ؎

بخرام سوے کلبۂ احزان او شبے
تا بنگری کہ عشق تو با او چہ مے کند

کونسی صبح ہے کہ آپ کا خیال اُن کو نہیں ستاتا، اور کونسی شب ہے کہ اُس کے غم میں وہ نہیں روتے ؎

کدام روز کہ سر مشق انتظارش نیست
کدام شب کہ سرشک گریہ در کنارش نیست

اس حال پر بھی جب وہ قوم کو متوجہ نہیں پاتے، اور اپنے مطلوب کے ملنے کی صورت نہیں دیکھتے، تو اُن کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اور مایوس ہو کر جو دل میں آتا ہے کہہ گذرتے ہیں، مگر اے میرے عزیزو اُن کی محبّت کی آواز دل کے کانوں سے سنو، اور اُن کے زہر آمیز لفظوں میں محبت کی شیرینی دیکھو۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں، کہ اُن کا یہ کہنا کہ "قوم مردہ ہوگئی ہے۔" میرے نزدیک، قوم کے زندہ کرنے والی آواز ہے اور اُن کا جلے ہوئے دل سے "مرو اور سڑو" کہنا ہماری حیات ابدی کی دعا ہے، اے میرے بزرگ **سرسیّد** میں نہیں جانتا کہ آپ کی ان دردانگیز باتوں کا اوروں کے دل پر کیا اثر ہوا۔ مگر میں تو اپنے دل پر اُس کی عجب تاثیر دیکھتا ہوں۔ اگر کوئی میرے سامنے ہزار قصیدے تعریف کے پڑھتا، اور لاکھ دعائیں دیتا، لیکن اُس کا اتنا اثر نہ ہوتا جتنا کہ آپ کے ان سخت لفظوں کا ہوا ؎

ہیچ آدابے و ترتیبے مجو - ہرچہ میخواہد دل تنگت بگو
کفر تو دین ست و نیت عین جاں   ایمنے وز تو جہانے در اماں

اے میرے بزرگ **سرسیّد** میں سنتا ہوں، کہ فقیروں پر دو مختلف حالتیں طاری ہوا کرتی ہیں

ایک جذب کی، اور دوسری سلوک کی، پس جذب کی حالت میں جو کچھ آپ کو کہنا تھا کہہ لیا، اب تھوڑی دیر کیلئے اس سلوک کی راہ پر آئیے اور ہم بے دردوں کی بات بھی سنئے۔

جناب والا آپ کی مایوسی جس درجہ پر آپ نے ظاہر کی، میرے نزدیک واقعی حالت سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس کانفرنس کو قائم ہوئے ابھی صرف سات برس ہوئے ہیں، کیا آپ کے نزدیک کامیابی کے لئے یہ مدت کافی تھی، اور سوتی ہوئی قوم کا جگانا اتنی مدت میں ممکن تھا۔ قومی زندگی کے لئے آٹھ برس بمنزلہ آٹھ دن کے ہیں مشکل سے اتنے دنوں میں قوم کی ترقی کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے کہ تنزل جلد اور یکبارگی ہوتا ہے۔ لیکن ترقی کی رفتار ہمیشہ تدریجی ہوتی ہے۔ ایک لڑکا بھی سمجھ سکتا ہے کہ پہاڑ پر سے گرنا آسان ہے لیکن اُس پر چڑھنا اور چوٹی پر پہنچنا مشکل ہے۔ اگر آپ نے یہ اُمید کی تھی کہ کانفرنس سات برس میں قوم کو ہوشیار کر دیگی، تو آپ نے قوم کی غفلت، اور کانفرنس کی قوت، اور اپنی امید کا اندازہ غلط کیا تھا۔ بلکہ اگر آپ اُس کی مدت اور اُس کے نتائج کا مقابلہ کریں، تو بجائے مایوسی کے آیندہ کے لئے بہت کچھ دل خوش کن امیدیں نظر آتی ہیں۔ اس ہونہار بچے کی عمر پر ذرا خیال کیجئے کہ آج اُس کو آٹھواں سال شروع ہوتا ہے، اور پھر اُس کی ڈیل ڈول اور تر و تازگی کو دیکھئے، کہ اپنے ہم سن بچوں سے بہت بڑا معلوم ہوتا ہے، اُس کی خوش فعلیاں قوم کو گرویدہ کر رہی ہیں اُس کی پیاری پیاری باتوں نے قوم کو اُس کا عاشق بنا دیا ہے، اُس کے ادھورے مگر پیارے اور دل لبھانے والے لفظوں کے سننے کے لئے چاروں طرف سے لوگ چلے آ رہے ہیں، اگر کوئی آٹھ برس کے لڑکے سے اُن کاموں کی توقع رکھے جو بیس برس کا جوان کرتا ہے تو بیچارے لڑکے کا قصور نہیں ہے، نہ اُس کے ہونہار ہونے میں دوسروں کو شبہ ہو سکتا ہے، ہاں اُس چاہنے والے کی طرف یہ خیال ہوگا، کہ فرط محبت، یا اقتضاء ضرورت سے وہ اپنے ہونہار بیٹے کی جوانی کا پیش از وقت طالب ہے۔

جناب من! آپ خدا کے لئے اپنے جوش بھرے ہوئے دل کو ٹھنڈا کیجئے، اور کانفرنس کے نتائج پر منصفانہ نظر ڈالئے۔ میرے نزدیک اُس کے نتیجے نمایاں ہیں، اُس کی کامیابی کھلی ہوئی ہے، اس کے مفید کام عیاں ہیں، وہ غیر معلوم اثر جو اس نے قوموں پر ڈالا، اُس کے آثار دکھائی دیتے ہیں، مقامی اختلافات مٹانے میں اُس کی کامیابی کے آثار نظر آنے لگے ہیں متفرق اور منتشر قوتوں کے مختلف اور متناقض خیالات میں اتفاق اور اتحاد پیدا ہو رہا ہے، قوم کی ترقی کی خواہش نہایت گرمجوشی کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے، اور ایک دل خوش کن انقلاب قوم کی حالت اور لوگوں کے خیالات میں پیدا ہو رہا ہے۔ ہر جگہ قوم کی حالت پر مرثیہ خوانی ہو رہی ہے، اور اس کی اصلاح اور بہبودی کے لئے بھی تدبیریں عمل میں آ رہی ہیں جن چیزوں کو ہماری قوم اول بے اعتباری اور حقارت سے دیکھتی تھی، اب اُس کے اغراض و مقاصد کی تعریف کرتی ہے، جن تدبیروں کو ہمارے بھائی مضر جانتے تھے اب اُس کے فوائد اور نیکی سمجھنے لگے ہیں،

اب وہ ہمارے کاموں کی قدر کرتے ہیں، اور ہمارے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے ہیں، اور ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہو گیا ہے، جو کانفرنس کے کاموں پر خوب غور کرتے اور ہماری محنتوں کو شکرگزاری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ کوئی خیالی تصویر نہیں ہے، جو میں دکھا رہا ہوں، بلکہ آپ اس وقت اپنی آنکھوں سے اس ہال میں ہمدردی اور جوش اور اتفاق کی تصویریں دیکھ رہے ہیں۔ یہ مجمع خود پکار رہا ہے کہ گو مسلمانوں میں بہت کچھ اختلاف ہے، اور گو اُن کے خیال، رائیں اور طریقے اور مزاج مختلف ہیں۔ مگر قومی ترقی کے کام میں سب متفق ہونے پر آمادہ ہیں۔ اتفاق کا قوی اور مضبوط رشتہ سب میں پیدا ہو رہا ہے اور ہمارے مختلف خیالات، اور مختلف رایوں کے جدے جدے دریا، باہم ملتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ میں جہاں تک ان پاکیزہ صورتوں کو دیکھتا ہوں جو میرے سامنے ہیں، اُن کے دلوں کا جوش اُن کے چہروں سے ظاہر ہے، اور اُن کی پیشانی پر نور کے خط سے اتفاق اور ہمدردی کے مبارک الفاظ قدرت کے قلم سے لکھے ہوئے نظر آ رہے ہیں ٭

اے میرے بزرگ **سر سید**۔ کیا آپ سے بہتر کوئی اس بات کو سمجھ سکتا ہے، کہ عادت اور طبیعت اور پرانے خیالات کا بدلنا نہایت مشکل ہوتا ہے، اور ایک راہ سے ہٹا کر دوسرے راستہ پر چلانے میں بہت دقتیں پیش آتی ہیں۔ برسوں کے سوئے ہوئے ایک آواز میں نہیں اُٹھتے، پرانی بیماریاں جلد اچھی نہیں ہوتیں، بزرگوں کے خواب کی تعبیر مدتوں میں ظاہر ہوتی ہے اور زمانہ کی پوری پیشین گوئی کے پورے ہونے میں دیر لگتی ہے۔ اور دنیا کی تاریخ میں تنزل یافتہ قوم کی ترقی کی ایسی تیز رفتار جس کے آپ خواہاں ہیں، پائی نہیں جاتی ٭

اے میرے بزرگ **سر سید** اس پر مجھے تعجب نہیں ہے، کہ ہماری تدبیروں کے نتیجے ہماری مرضی کے موافق اب تک ظاہر نہیں ہوئے، بلکہ اس پر حیرت ہے کہ کیونکر اُن کے آثار ایسے جلد نظر آنے لگے۔ جہاں تک میں دیکھتا ہوں کوئی مقام ایسا معلوم نہیں ہوتا، جہاں قومی ترقی کے چرچے نہ ہوں، اور جہاں پرانے دریا کا رُخ بدلتا ہوا نظر نہ آتا ہو، کوئی جگہ ایسی نہیں ہے، جہاں کچھ مجاہد اپنے دشمنوں تعصب اور جہل سے نہ لڑ رہے ہوں، اور کوئی مقام ایسا نہیں رہا جہاں کچھ بت شکن مسلمان اپنے پرزور ہاتھوں سے رسم و رواج کے بدشکل اور مہیب بتوں کو نہ توڑ رہے ہوں۔ میں بہت سے نوجوانوں کو اسی مجلس میں دیکھتا ہوں جن کے ہاتھ میں قومی جھنڈا ہے، اور جن کے بازوؤں پر **الفرض** کا مبارک نشان ہے، اور جن کی پیشانی پر **الاخلاص** کا پاک طغرا بنا ہوا ہے! جہاں تک میں دیکھتا ہوں۔ قوم کے بیدار ہونے کی علامتیں ہر چہار طرف سے نمودار ہیں، اور ہمارے سامنے نہایت روشن زمانہ ہے۔ تاریک رات ڈھل چلی ہے، صبح کی نشانیاں اُفق پر نظر آ رہی ہیں، اے میرے بزرگ **سر سید** آپ اُسے صبح کاذب سمجھتے ہیں سمجھئے، مگر اُس کے بعد صبح صادق کا ہونا لازمی ہے۔ میں آئندہ کی پیشین گوئی نہ کروں گا، اور

: مجھے نہ آپ کو معلوم ہے کہ آئندہ ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے، اور ہمارا کیا انجام ہوگا، مگر یہ ضرور کہونگا، اور باصرار کہونگا، کہ ہم لوگ مشعل لئے ہوئے ایسے ٹھیک راستہ پر چل رہے ہیں، کہ جس سے ضرور ہم اُس مقام مقصود پر پہنچینگے، جہاں ہم کو آسائش اور طمانیت نصیب ہو۔ ہم کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے، آئندہ ذمہ داری قوم پر ہے، اور اُس کی قسمت کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا کام ہے کوشش کرنا، اور خدا کے ہاتھ میں ہے نتیجے دکھانا، اگر اپنی کوششوں کے نتیجے ہم نے اپنے سامنے دیکھ لئے، ہمارا دل خوش ہوگا، اپنے بوئے ہوئے درخت کے پھل کھائینگے، اگر ہماری زندگی نے وفا نہ کی، اور ہماری کوششیں ہمارے سامنے بارآور نہ ہوئیں، تب بھی ہمارے دل کو اس خیال سے خوشی اور تشفی ہوگی، کہ جو کام ہم نے کیا وہ فی نفسہ اچھا اور کرنے کے لائق تھا، اور ہم امید کرینگے کہ آئندہ آنے والی نسلیں اُس سے فائدہ اُٹھائینگی، اور ہمارے بوئے ہوئے درختوں کے پھل پھول ہماری اولاد کھائیگی۔ جب ہم مرجائینگے ہمارے لڑکے ہمیں یاد کرینگے، اور ہماری محنتوں کی داد دینگے اور ہمارے ناموں کو شکرگزاری کے ساتھ یاد کرینگے ۔

صاحبو! جو کچھ میں نے اس وقت اپنے بزرگ سر سید کی رپورٹ کے جواب میں عرض کیا اُس کی طرف میں آپ کی توجہ چاہتا ہوں۔ غالباً آپ میرے قول کی تصدیق، اور میرے خیال کی تائید فرمائینگے میں نہیں کہتا کہ ہم تمام مشکلات سے پار ہوگئے، یا ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے، یا ہم کو کامیابی نصیب ہوگئی، بلکہ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ ہماری ابتدائی مشکلات کم ہوگئی ہیں، اور ہم بڑی دشوار گزار پہاڑیوں سے نکل گئے ہیں، اور گو ابھی منزل مقصود بہت دُور ہے، مگر ہم کو اپنی پچھلی کامیابیاں دیکھ کر وہاں تک پہنچنے سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، اگر آپ چند سال گزشتہ سے اپنی موجودہ حالت کو ملائیے، اور شروع سے جو عملی کوششیں مسلمانوں کی تعلیم کے لئے کی گئی ہیں، اُن پر سرسری نظر کیجئے۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ اُس سے آپ کو حیرت انگیز خوشی نہ ہو۔ ذرا اُس زمانہ کو یاد کیجئے، جب انگریزی تعلیم کا نام لینا مسلمانوں کے افروختہ کرنے کے لئے بس تھا، اور انگریزی سوسائٹی میں شریک ہونا جہنم میں بھیجے جانے کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا۔ ہم مسلمانوں کے دماغوں میں غرور باطل کی ایسی ہوا بھری ہوئی تھی، کہ انگریزی علوم کو حقارت سے دیکھتے تھے، اور اپنے خیالی علوم پر ایسے نازاں تھے، کہ عقلی ترقی کے میدان میں دوسروں کے ساتھ دوڑنے کو اپنی ذلت سمجھتے تھے، اپنے بزرگوں کی شہرت اور نیکنامی پر ایسے مغرور تھے، کہ اپنی عزت اور ناموری کے لئے کسی اور چیز کے حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتے تھے۔ تعصبات کے طوق اور سلاسل میں ہم ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ نہ گردن اُٹھا سکتے تھے، نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکتے تھے، اور ہمارے پیشوا رحمہم اللہ تعصبات کی قیدوں کو اور مضبوط کرتے جاتے، اور مذہبی پیرایہ میں ہماری غفلت اور کاہلی کو اور ترقی دیتے تھے، کہ اس دردناک حالت کو جس میں تمام مسلمان

پھنسے ہوئے تھے، دیکھ کر ہمارے بزرگ سر سیدؒ کا دل جلا اور اُنھوں نے قوم کے خیالات کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا جس وقت یہ خیال اُن کے دماغ سے کاغذ پر آیا اور زبان سے نکلا اُس کی مخالفت شروع ہوئی، یہ مخالفت صرف اُنہیں لوگوں نے نہیں کی، جو کہ اُن کے خیالات کو بُرا جانتے تھے یا خود اُنہیں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اُن دوستوں نے بھی، جو کہ اُن کے ہم خیال تھے، اور جو کہ اُن کی کوششوں کو مفید سمجھتے تھے، پہلے فرقہ نے یہ کہکر مخالفت کی، کہ اُن کی تدبیریں مسلمانوں کے لئے مضر ہیں، اور مذہب کے خلاف، دوسرے گروہ نے یہ سمجھ کر، کہ وہ ایک ناممکن چیز کا ارادہ کرتے ہیں، اور دریا کو اُلٹا بہانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ اپنے ارادے میں ایسے مضبوط تھے، کہ نہ کسی مخالفت کی پرواہ کی، نہ کسی مشکل کا خیال کیا، دوستوں سے کہا کہ میرے پیچھے چلو اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو، مخالفوں سے کہا کہ آگے بڑھو، اور میرے دست و بازو کی قوت آزماؤ، غالباً بہت سے لوگ ابھی موجود ہیں، جنہوں نے یہ تماشا دیکھا ہے، بلکہ وہ بھی جو اس دنگل میں شریک تھے +

صاحبو! مَیں جب اُن دنوں کو یاد کرتا ہوں۔ تو ایک عجیب حالت مجھ پر طاری ہوتی ہے، اور اُس زمانہ کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے +

صاحبو! مجھ پر دونوں حالتیں گزر چکی ہیں، حضرت کی مخالفت اور موافقت دونوں کا مزہ مَیں چکھ چکا ہوں۔ مجھے دونوں فرقوں میں شریک رہنے کی عزت حاصل ہے۔ اول اُس مخالف فرقہ میں، جو مذہبی خیال سے آپ کو نہایت بُرا جانتا تھا۔ پھر اُس دوسرے فرقہ میں، جو آپ کے خیالات پر ہنستا تھا۔ بلکہ اگر مَیں یہ کہوں، کہ دونوں فرقوں میں میرا ہی نمبر اول تھا تو شاید مبالغہ نہ ہوگا، حضرت کی تکفیر کا فتوےٰ سب سے اول آپ ہی کے پریسیڈنٹ نے دیا اور توریت اور انجیل کی تفسیر لکھنے پر سب سے اول آپ ہی کے میر مجلس نے آپ کو چھپا پادری کہا، یہ وہی علیگڈھ ہے جہاں سب سے اول فقیر ہی نے حضرت کو تبیین الکلام کے لکھنے پر ملامت کا ایک بڑا لنبا خط بھیجا، پر یہی وہ مقام ہے جہاں یہ نادان دین و دل دونوں حضرت کی نذر کر گیا +

صاحبو! جب سر سیدؒ لندن کو تشریف لے گئے، وہاں کی ترقی یافتہ حالت دیکھنے اور ہمدردی اور اتفاق اور قومی جوش پر خیال کرنے سے اپنی قوم کی حالت پر اُن کو نہایت رنج ہوا اور اُس کی اصلاح اور ترقی کی خواہش جو ہمیشہ سے دل میں تھی بہت بڑھ گئی۔ میرے پاس آپ نے ایک بڑا پلندہ اُن اشتہارات کا بھیجا جس میں انگریزی تعلیم سے مسلمانوں کی نفرت کے اسباب لکھنے والوں کے لئے انعام تجویز کیا تھا، اور یہ تحریر فرمایا کہ اسے میرے آنے سے پہلے مسلمانوں میں تقسیم کر دو، مَیں نے اول تو جوش میں آکر کچھ دوستوں کے پاس چند اشتہار بھیجنے کا ارادہ کیا، مگر پھر اُس کی ہمت نہ پڑی، اور اُن اشتہاروں کو ردی کے ٹوکرے میں ڈال کر حضرت کو جواب لکھ دیا کہ تاللہ انک لفی ضلالک القدیم۔ آخر

جب آپ لندن سے واپس آئے تو وہ اشتہار خود جاری کئے، اور اپنے جوش بھرے دل، اور پرزور ہاتھوں سے قوم کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ گو قوم کی آنکھوں سے وہم کی پٹی کھول دی اُن کے دلوں سے خوف کے بھوت بھگا دئیے، اُن کے دماغ سے اوہام کی خوفناک صورتیں نکال ڈالیں۔ اُن کی رسم و رواج کے بُت توڑ دئیے، اور اُن کے دلوں کو تمام باطل خیالات سے پاک کردیا۔ علم سے نفرت دلانے والوں کے منبر خالی ہو گئے، تعصبات اور اوہام کے تخت اُلٹ گئے، اب نہ کہیں تعلیم کی مخالفت میں مہیب آوازیں سُنائی پڑتی ہیں۔ نہ کہیں علم سے رغبت دلانے والوں کے لئے کفر کے فتوے نظر آتے ہیں، اور بڑے بڑے پرانے خیالات کم ہو رہے ہیں۔ دن بدن پرانا جوش ٹھنڈا پڑ رہا ہے۔ مخالفت کی وہ تیزی جس نے شروع میں ایک طوفان برپا کردیا تھا، نظر نہیں آتی۔ اختلاف کی وہ آگ جس کے شعلے نہایت زور سے بھڑک رہے تھے، ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ اب جو کچھ باقی ہے، وہ یا شرمندگی ہے یا افسوس اور جیسا کہ زمانہ گزر رہا ہے رہی سہی مخالفتیں بھی کم ہو رہی ہیں اور علم اور مذہب کے دو دریا جن کے بیچ میں بہت ہی بڑا فاصلہ تھا بتدریج نزدیک ہو رہے ہیں، اور وہ زمانہ نزدیک ہے کہ دونوں مل کر ایک ساتھ بہنے لگیں، اور خدا کی زمین کو سرسبز و شاداب کریں۔ پس اے صاحبو۔ یہ مشکلات جو حقیقت میں اصلی مشکلات تھیں کم ہو گئیں اور یہ دشوار گزار گھاٹیاں جن سے نکلنا دشوار تھا، پیچھے رہ گئیں اب جو کچھ باقی ہے وہ صرف قوم کی توجہ اور ہمت ہے۔ پر کوئی وجہ نہیں کہ ہم پچھلی حالت دیکھ کر آیندہ کے لئے ناامید ہوں۔ مگر ہاں ثابت قدم رہنا اور سید کا ساتھ دینا شرط ہے ؞

نمبر ۱۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب نے ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۳ء کو مولوی رفعت علی صاحب کی دلچسپ نظم پڑھو رہ ریمارکس کے فرمائی :۔

حضرات! ابھی میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا تھا کہ وہ کوشش جو سر سید کر رہے ہیں اور وہ کام جو کانفرنس میں ہوتا ہے اُس کا پوشیدہ اور غیر معلوم اثر قوم پر ہو رہا ہے اُس کا ثبوت اس وقت آپ کو مولوی رفعت علی صاحب کی پاکیزہ اور بے مثل نظم سے مل گیا۔ یہ میں نہیں کہتا اور نہ کہہ سکتا ہوں کہ سر سید کی کوششوں اور کانفرنس کے کاموں نے اُن کو شاعر بنا دیا، اور وہ خداداد قوت جو اُن کی نظم میں ہے اُنھوں نے پیدا کردی، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ جس طرح وہ قوت کام میں لائی جاتی تھی، اور جس طرح ایسی پاکیزہ اور بلند طبیعتوں کے جوہر دکھائے جاتے تھے اُسے ضرور بدل دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ

وہ کام جو یورپ کے شعرا کرتے ہیں اور اب ہمارے شعرا کرنے لگے۔ اور نتیجے جو عمدہ نظم کے مغربی ملکوں میں ظاہر ہوتے ہیں، ہمارے ملک میں بھی ظاہر ہونے لگے۔ میں سمجھتا تھا کہ انوری، خاقانی مر گئے۔ مگر اس وقت معلوم ہو گیا کہ وہ ہنوز زندہ ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ فردوسی و عرفی موجود نہیں ہیں لیکن مولوی رفعت علی نے ثابت کر دیا کہ وہ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر اے صاحبو۔ میرا یہ کہنا صرف نظم کی ظاہری حالت اور شاعرانہ لیاقت کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ مولوی رفعت علی کو خاقانی و انوری کہنا گویا اُن کی ہجو کرنا ہے۔ اس لئے کہ اُن شعرا کی قابلیت گو وہ کیسی ہی بلند پایہ اور عالی رتبہ تھی، خود غرضی باتوں میں صرف ہوتی تھی۔ اور وہ اپنی طبیعت کے جوہر کمینہ اور رذیل چیزوں میں ضائع کرتے تھے۔ کوئی کسی بادشاہ کی تعریف میں اپنی لیاقت دکھاتا۔ کوئی کسی امیر کا بھاٹ بن کر اپنے دماغ کی قوت ضائع کرتا۔ انعام، طمع اور صلہ کی امید میں وہ اپنی ساری خداداد قوتیں برباد کرتے۔ اور الشعرا یتبعہم الغاوون کے مصداق ہوتے۔ مگر مولوی رفعت علی نے اُس عطیہ کو جو خدا نے اُن کو دیا ہے اُسی موقع پر صرف کیا جہاں صرف کرنا چاہئے تھا۔ اور اُس خدائی نعمت کا شکر اُنھوں نے اُسی طرح ادا کیا، جس طرح ادا کرنا چاہئے تھا۔ اُنھوں نے اپنے موتیوں کے ہار گلے میں نہیں ڈالے۔ وہ اپنے نفیس جواہر کی قیمت میں خزف ریزوں کے طالب نہیں ہوئے۔ انھوں نے جو نظم اس وقت پڑھی ہے وہ نہ کسی بادشاہ کی مدح ہے نہ کسی امیر کی تعریف۔ بلکہ وہ اپنے بزرگوں کی گزشتہ شان و شوکت کا قصیدہ اور اپنی موجودہ قوم کی موجودہ حالت کا مرثیہ ہے۔ اُس کے الفاظ کی پاکیزگی اور نظم کی خوبی بلاشبہ خاقانی اور انوری کی یاد دلاتی ہے مگر جو خیالات اُس میں ظاہر کئے گئے ہیں، اور جو مقصود اس کا ہے، اور جس اثر کے پیدا کرنے کے لئے وہ لکھی گئی ہے وہ خاقانی اور انوری کے خیال میں بھی نہ تھی۔ اُن کا زمانہ اور اُن کی سوسائٹی کی ایسی حالت ہی نہ تھی کہ ایسے پاکیزہ خیالات اُن کے دلوں میں آتے، اور وہ اپنی لیاقت اور استعداد قوم کے کاموں میں صرف کرتے، اور سوائے شخصی اغراض کے کوئی قومی غرض پیش نظر رکھتے۔ یہ نظم جو اس وقت مولوی رفعت علی صاحب نے پڑھی ہے وہ البتہ ایسی ہے جو قوم کو ایک سیدھے رستہ پر لانے والی، اور اُن کے مردہ دلوں کو جلانے والی ہے، اور یہ وہ شاعری ہے جس کی شان میں کہا گیا ہے کہ الشعراء تلامذۃ الرحمٰن، اگر اس قسم کی شاعری نے جس کے بانی ہمارے مولانا حالی صاحب ہیں اور جس کی ترقی دینے والے مولوی رفعت علی صاحب معلوم ہوتے ہیں رواج پایا۔ اور اس رستہ پر ہمارے نوجوان اور ذی استعداد لائق شعرا نے قدم رکھا تو درحقیقت قوم کے خیالات اور حالات کی اصلاح بہت جلد اور بابت استحکام سے ہوگی، اور جو کام یورپ کے شاعروں نے کئے وہی کام ہمارے شاعر اپنی قوم کے لئے کر سکینگے۔ اس لئے کہ جو دماغی قوتیں خدا نے اُن کو دی ہیں وہی ہماری قوم کے شاعروں کو عطا کی ہیں، اور وہ تاثیر جو اُن کی زبان میں خدا نے رکھی ہے۔ وہی ہمارے الفاظ میں بھی ہے، پھر کیا سبب ہے کہ جب ہمارے شاعر و...

طریقہ اختیار کریں، تو اُس سے وہی نتیجے نہ پیدا ہوں، جو یورپ میں ہوئے۔ اے حضرات میں اس موقع پر اب کچھ نہ کہونگا اور نہ اپنے مقصود کے دائرہ سے قدم باہر رکھونگا۔ میں صرف یہ کہکر اب اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوں کہ مولوی رفعت علی صاحب کا شکر ادا کیا جاوے اور مجلس اُن کی اس عمدہ نظم پر ووٹ آف تھینکس پاس کرے ؀

نمبر ۱۱

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الدولہ محسن الملک بہادر نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۳ء کو اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بمقام علیگڈھ میں رزولیوشن نمبر ۳ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی۔ لہٰذا مضمون رزولیوشن بھی ذیل میں بجنسہٖ درج کیا جاتا ہے ؀

رزولیوشن نمبر ۳

(اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ گورنمنٹ سکولوں اور کالجوں میں بسبب نہ ہونے مذہبی تعلیم کے جو ضرر مذہبی اور اخلاقی مسلمان طلباء کو پہنچتا ہے اُس کے انسداد کے واسطے اس طور پر کہ ہائی انگلش ایجوکیشن کو بجائے نقصان کے ایک اعلےٰ موید ہو۔ عربی زبان دانی کے رواج پر تدریجاً خاص توجہ کے ساتھ کوشش کی جاوے) ؀

حضرات!

تیسرا رزولیوشن جس کو محمد عبدالرزاق صاحب نے پیش کیا اور جس میں مولوی بشیرالدین صاحب نے ترمیم کی ہے، درحقیقت نہایت غور کے لائق ہے، اور جو گفتگوئیں اُس پر ہوئیں وہ نہ صرف دلچسپ ہیں، بلکہ اُن سے کانفرنس کے ممبروں کا جوش اور اس قسم کے معاملات میں اُن کا دلی تعلق معلوم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس قسم کی بحثیں اور ایسے معاملات پر رایوں اور خیالات کا اظہار نہایت مفید اور اصلی مقصود اس کانفرنس کا ہے۔ اس قسم کے مباحثوں سے ہم قوم کی اصلی رائیں دریافت کرسکتے ہیں اور ایسی ہی پرجوش تقریروں اور دلیلوں سے قوم اپنے لئے آیندہ سیدھا رستہ نکال سکتی ہے سر سید کی پرجوش گفتگو سے اگرچہ میں اتفاق نہیں کرتا، اور اُن کے اس فرمانے کو کہ عربی تعلیم کے لئے لوگ کتنے بہت کچھ ہیں، اور کتنے کچھ نہیں مناسب وقت نہیں سمجھتا۔ مگر اُسے بالکل غیر مفید اور غلط

بھی نہیں کر سکتا ٭

صاحبو! سید صاحب کا ارشاد ہمارے عمل اور قول کی نسبت کہ جو ہم کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ اگر عام ہوتا، تو میں تسلیم کرتا اور اُسے بے موقع اور بے محل نہ کہتا، مگر جب کہ اُن کا یہ فرمانا صرف مذہبی تعلیم کے متعلق ہے تو میں اُسے پسند نہیں کرتا۔ بہت سے رزولیوشن متعلق علم تعلیم کے لوگوں نے پیش کئے اور بہت بڑی بڑی بحثیں مسلمانوں کی تربیت اور ترقی کے لئے کی گئیں، اور بڑے زور و شور سے لوگوں نے اُس پر گفتگو میں کیں، مگر کیا سید صاحب یا اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُن رزولیوشن کے پیش کرنے والوں یا اُن پُرجوش مقرروں نے اُس پر اُسی زور و شور سے عمل کیا، جس زور و شور سے تقریر کی تھی۔ اگر دنیاوی تعلیم اور دنیاوی ترقی اور دیگر معاملات میں ہم دیکھتے کہ ہمارا عمل ہمارے قول کے مطابق ہے اور ہمارا جوش جو کانفرنس کی ہال کے اندر ہوتا ہے۔ اُس کے باہر بھی قائم رہتا ہے اور پھر مذہبی تعلیم میں اس کے خلاف پاتے، تو جو کچھ سر سید نے فرمایا وہ سب قابل تسلیم ہوتا، بلکہ ایسے ایسے کہنے والوں کو اُن سے بھی بڑھ کر ملامت کے قابل سمجھتا۔ مگر صاحبو۔ ہم کو اپنی موجودہ حالت دیکھنا اور انصاف اور اعتدال سے کام کرنا چاہئے۔ ہماری موجودہ حالت کیا ہے۔ نہ ہم میں مذہبی تعلیم کا اثر ہے نہ اخلاقی تعلیم کا، نہ ہم دنیوی علوم سے متمتع ہیں نہ مغربی فنون سے۔ نہ ہمارے اخلاق درست ہیں نہ ہمارے خیالات۔ ہم تو ایک مرنے والی قوم کے افراد ہیں، جس میں نہ جسمانی طاقت ہے، نہ دماغی قوت۔ پس اگر ہم سے بیماروں کے سے کام سرزد ہوں تو ہم معذور، اور مرفوع القلم ہیں۔ اگر ہمارے خیال ہمارے احوال کے، اور ہمارے اقوال ہمارے خیالات کے، اور ہمارے خیالات ہمارے مذہب کے، اور ہمارا مذہب ہماری آسمانی کتاب کے، موافق ہوتا تو پھر رونا کس بات کا تھا، اور اس مجمع اور اس کانفرنس کی ضرورت کیا تھی، مگر جب کہ سب جانتے ہیں کہ ہم بیمار ہیں، اور نہ ایک عارضہ بلکہ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہیں۔ اور اپنی بیماریوں کے علاج ہی کے واسطے ہم جمع ہوتے اور اُس کی فکریں کرتے ہیں۔ تو بیمار پر خفا ہونا ڈاکٹر کا کام نہیں ہے، بلکہ اُس کے علاج کی فکر کرنا اُس کا فرض ہے۔ اگر سر سید اُن لوگوں پر جو دنیاوی تعلیم کے متعلق تدبیریں بتاتے اور تقریریں کرتے ہیں مگر کچھ کرتے نہیں۔ اسی طرح غصہ کرتے، اور اسی جوش سے اُن کے عمل کو اُن کے قول کے مطابق نہ ہونے پر ملامت فرماتے تو اس موقع پر میں اُن کے ارشاد کو نامناسب نہ کہتا۔ مگر صرف مذہبی تعلیم پر ایسا فرمانا، لوگوں کو مختلف قسم کے شکوک اور بلکہ اشتعال طبع کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے میں اپنے بزرگ سر سید کی تقریر سے اختلاف کرتا ہوں۔ مگر اے صاحبو! اگر آپ غور کریں تو آپ سر سید کی تقریر سے ناراض اور خفا ہونے کی کوئی وجہ نہ بتا دیجئے، اس لئے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک ایسے آدمی ہیں، جن کا عمل ان کے قول کے مطابق ہے، اور جو وہ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں، اس لئے اُن کا ایسے موقع پر خفا ہونا اور غصہ ہے

نازک اور ضروری اور اہم معاملہ میں مسلمانوں کے قول اور فعل کو مطابق نہ دیکھنا اور اُس پر نہیں نصیحت کرنی اُن کو زیبا ہے۔ اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ اُن کا غصہ محبت آمیز ہے اُن کی خفگی ہرگز نہ بلکہ پدرانہ ہے اُن کا کہنا گویا ہمارے لئے نصیحت اور ایک قسم کی تعلیم ہے اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم اُن کی نیّت اور اورارادہ اور خیال کو دیکھیں نہ اُن کے لفظوں کو اور اُس شیرینی پر جو اُن کے الفاظ میں چھپی ہوئی ہے خیال کریں نہ اُس کی ظاہری تلخی کو ؛

صاحبو! اگر سرسیّد کے سوائے کوئی دوسرا آدمی ایسی گفتگو کرتا، تو میں بحیثیت صدر انجمن ہونے کے اُسے خاموش کرتا یا اُس کے جواب میں کچھ کہتا۔ مگر چونکہ سرسیّد اس کے کہنے والے تھے اس لئے مَیں نے کچھ نہیں کہا۔ اُن کا کہنا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی بزرگ کا اپنے چھوٹوں کی نصیحت کے لئے ہوتا ہے، اور اُن کا خفا ہونا ایسا ہے جیسا کہ کسی اُستاد کا اپنے شاگردوں پر ہُوا کرتا ہے ؛

صاحبو! مَیں نے سُنا ہے کہ بنارس میں کسی راجہ کے یہاں ایک تصویر ہے جس میں نواب شجاع الدولہ اُس خاندان کے بزرگ کو اپنے ہاتھ سے کوڑا مار رہے ہیں۔ کسی نے اُس تصویر کو دیکھ کر راجہ سے کہا کہ ایسی بے عزتی کی تصویر تم نے کیوں اپنے گھر میں لگا رکھی ہے۔ اُس نے کہا کہ اس عزت کے ثبوت میں ہمارے دادا نواب رس تھے۔ بالکل ایسی ہی مثال آپ کو یورپ میں ملیگی ؛

لوئی چہار دہم، بادشاہ فرانس نے اپنے ایک درباری کے خود لاتیں ماریں تھیں۔ وہ اس پر تمام عمر فخر کیا کرتا تھا اور اُس نے اپنے دیوان خانوں میں ایک تصویر اسی واقعہ کی آویزاں کرائی تھی۔ یہی حال ہمارے سرسیّد اور مولوی شمسُ الدین صاحب کا ہے کہ اگر کہیں سرسیّد کی چھڑی اُن پر پڑ جاتی اور اس بوڑھے باپ کی محبّت کی مار کا وہ مزہ چکھ لیتے، تو تمام عمر اُسے یاد کرتے اور خوش ہوتے ؛

صاحبو! اس نازک اور اہم مسئلے پر جو کچھ مختلف خیالات لوگوں نے ظاہر کئے یہ مسئلہ اُس کا مستحق تھا۔ در حقیقت اسکی عظمت اور رفعت کا بھی تقاضا ہے کہ بہت کچھ اُسکی نسبت کہا جاوے اور بہت کچھ جوش اُسکے متعلق ظاہر کیا جاوے۔ درحقیقت یہ نازک معاملہ ہے مسلمانوں کو اعلےٰ تعلیم کی بھی ضرورت ہے، اور مذہبی تعلیم کی بھی اگر اعلےٰ تعلیم حاصل نہ کریں تو دنیا نہیں ملتی، اگر مذہبی تعلیم سے متمتع نہ ہوں تو دین ہاتھ سے جاتا ہے۔ اس لئے دونوں قسم کی تعلیم کا اُن کے لئے انتظام ہونا چاہیئے۔ اگر مسلمان اعلےٰ تعلیم سے محروم رہے تو وہ دنیا میں ذلیل اور بے عزت سمجھے جاوینگے، اور ہر قسم کے درجے اور عزت سے محروم رہینگے، اور اگر مذہبی علوم سے بے خبر رہے تو رفتہ رفتہ مذہب سے اُن کا یقین اُٹھ جاویگا، اور بغیر مذہب کے اُن کا وجود و عدم یکساں ہے۔ مذہب اُن کی جان ہے، جس بدن میں جان نہ ہو وہ مٹی میں دبانے کے لائق ہے۔ اگر کوئی ہماری قوم کا طالب علم تمام مغربی علوم کا عالم ہو جاوے، اور تمام یورپ کے فنون میں ماہر ہو اور ہر قسم کی عزت اور ترقی حاصل کرے۔ مگر مذہب سے بے خبر ہو، اور اسلام پر ثابت قدم نہ رہے تو وہ قوم

کے لئے ننگ ہو گا نہ فخر، اور ایسے مسلمان سے جاہل رہنا اچھا سمجھا جاویگا۔ اور ایسی عزت پر ذلت کو ترجیح دیجاویگی۔ پس اے صاحبو۔ جس قدر مسلمان طالب علموں کے لئے دونوں قسم کی تعلیم کا بندوبست کیا جاوے اور جو مناسب تدبیریں اس مقصود کے حاصل ہونے کے لئے کی جاویں۔ وہ سب قابل غور اور توجہ اور مدد کے ہیں نہ لائق غصہ اور خفگی اور ملامت کے۔ اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ اس رزولیوشن کی نسبت جو زمیم پیش ہوئی ہے اُس کو سکرٹری پیش کرے اور اوّل اُس کی نسبت ووٹ لئے جاویں۔

نمبر ۱۲

اسپیچ

یہ مختصر سی اسپیچ نواب صاحب موصوف نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۳ء کو بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے مقام علیگڈھ میں مسٹر سید محمد محمود صاحب بیرسٹرایٹ لا کے لکچر شروع ہونے سے پہلے بطور خیر مقدم کے فرمائی:۔

حضرات!

وہ وقت آگیا جس کے آپ منتظر تھے اور وہ خوش بیان فصیح اللسان۔ خوشرو جوان اسٹیج پر موجود ہوا جس کی باتیں سُننے کے لئے آپ مدت سے مشتاق تھے۔ میرا عزیز پیارا بھائی محمود اس وقت آپ کے سامنے اُس لکچر کے سُنانے اور اُن چیزوں کے دکھانے کے لئے کھڑا ہوا ہے کہ لا اذن سمعت ولا عین رات۔ جسے نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔

نمبر ۱۳

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۳ء کو بعد نماز ظہر اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ میں مسٹر سید محمد محمود صاحب بیرسٹرایٹ لا کے بینظیر لکچر کے اختتام پر بحیثیت میر مجلس ہونے کے بطور ریمارکس کے فرمائی:۔

حضرات! میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس لکچر کے ختم ہونے پر اپنے خیالات لکچر اور لکچرار کی نسبت

ظاہر کروں، اور چونکہ میں نے لکچر اس سے پہلے دیکھ لیا تھا اس لئے میں نے اُس کی نسبت اپنے خیالات بھی قایم کر لئے تھے۔ مگر صاحبو جس طرز سے میرے بھائی نے اُسے ادا کیا اور جو کچھ اپنی تقریر میں اس وقت اُس پر اضافہ کیا اُس کا اثر میرے دل پر کچھ ایسا ہوا ہے کہ نہ مجھ میں کچھ سوچنے کی طاقت باقی ہے نہ کچھ لکھنے کی ؎

چناں افیون ساقی در مے افگند
حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

درحقیقت اس لکچر کی نسبت کچھ کہنا فضول ہے۔ ہم اس کی ترتیب کی تعریف کر سکتے ہیں۔ ہم اُس کے نقشوں اور ڈایگراموں کی خوبی بیان کر سکتے ہیں۔ مگر اُن کی تحریر، اور تقریر، اور الفاظ معانی، اور طرز ادا، اور جوش بیان نے جو اثر دلوں پر کیا ہے، اور جس ظرافت آمیز فصاحت سے اُنہوں نے تاریخانہ حالات بیان کئے ہیں، اور جس خوبی سے اُنہوں نے اپنی قوم کی تعلیم کی سچی تصویر کھینچی ہے، اور جن دردناک واقعات کا اُنہوں نے بیان کیا ہے، اُن سب باتوں نے من حیث المجموع، ایک ایسی حالت طاری کر دی ہے کہ اُس کی کیفیت سننے والوں کے دل جانتے ہیں۔ اُسے کوئی کس طرح بیان کر سکے۔ درحقیقت اس لکچر کی نسبت یہ کہنا کہ "عطر آنست کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید" ایک حکایت نفس الامری ہے، نہ شاعرانہ خیال۔ میں جانتا ہوں اور میں دیکھتا رہا ہوں کہ کیسی محنت اس لکچر کی تیاری میں لکچرار نے اُٹھائی ہے، اور کتنی کتابیں اور کئی ہزار صفحے اُس کے لئے اس بار عزیز نے پڑھے ہیں، اور کس قدر اُس کے مواد جمع کرنے کے لئے اُس کو زحمت اُٹھانی پڑی ہے۔ کن کن باغوں میں وہ گئے، اور کہاں کہاں سے پھول لائے، جس کا عطر کھینچکر اس وقت آپ کے سامنے پیش کیا۔ اور جس سے اس بات کا کہ سیّد عطر فروش ہوا کرتے ہیں اُنہوں نے ثبوت دیا۔ اس لکچر کی تیاری میں جو محنت انہوں نے اپنا اوپر گوارا کی اُس کا اندازہ آپ اس لکچر کے مضامین اور تاریخانہ واقعات اور ہندسوں اور نقشوں اور ڈایگراموں کر سکتے ہیں۔ درحقیقت جس خوبی سے ان مضامین کو اُنہوں نے ترتیب دیا، اور تاریخانہ واقعات کے بیان میں ظرافت کی چاشنی جس طور سے ملائی، اور ایک روکھے پھیکے مضمون کو جس طرح انہوں نے بامزہ کر دیا، یہ اُنہیں کا حصّہ تھا، اور ایک ایسے مضمون پر جس میں بہت کچھ کہا جا چکا ہو ایسا لکچر دینا، جو نہ صرف فی الوقت مؤثر ہو، بلکہ جو ہمیشہ بکار آمد اور ہر وقت غور کے لائق ہو، اور جس کو قوم اور گورنمنٹ تعلیم کے متعلق ایک ضروری اور اہم رکارڈ سمجھے۔ اُنہیں کے لئے رہ گیا تھا۔ اس لکچر کے فائدے اور اس کی خوبیاں اُسی قدر زیادہ معلوم ہوتی جائینگی جس قدر اُس پر زیادہ غور کیا جائیگا اور جس قدر زیادہ توجہ سے اُس پر نظر ڈالی جائیگی ؞

صاحبو! یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں کہ مسلمانوں کے لئے یہ ایک ایسا تحفہ ہے جو اُن کی نظر سے کبھی نہ

گورا تھا۔ اور اس میں وہ واقعات سچ ہیں۔ جو انہوں نے کبھی نہ سُنے تھے، وہ ایک تاریخ ہے اُس انقلاب کی جو مسلمانوں کی حالت میں سلطنت کی تبدیلی سے پیدا ہُوا، اور ایک سلسلہ ہے اُن واقعات کا جو اصول تعلیم کے تغیر سے مسلمانوں پر پیش آئے۔ اس سے وہ نتیجے ظاہر ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے تعصب اور غفلت نے اُن کو دکھائے، اور اس سے اُن کا وہ مقام معلوم ہوتا ہے، جو انہوں نے علم کے میدان میں حاصل کیا، اور پھر اُن واقعات کے بیان میں نہ مبالغہ ہے نہ رنگ آمیزی، نہ مضامین کو فصاحت کے سانچہ میں ڈھال کر اپنی مرضی کے موافق بنایا ہے، نہ دلوں پر اثر ڈالنے کے لئے استعاروں اور تشبیہوں سے کام لیا ہے، بلکہ تمام واقعات ہندسی دلائل پر مبنی ہیں اور ہر چیز کا ثبوت علم الاعداد سے دیا ہے*

میرے نزدیک ایسی سچی تصویر مسلمانوں کی حالت کی غالباً اب تک کسی نے نہ کھینچی تھی اور ایسا صاف آئینہ قوم کے سامنے اب تک کسی نے نہ رکھا تھا جس میں وہ اپنی گزشتہ اور موجودہ حالت کی صورت اچھی طرح دیکھ سکیں۔ اور اپنے عیب اور صواب کو بخوبی سمجھیں۔ درحقیقت ایک لحاظ سے میرے عزیز اور پیارے محمود نے نہایت دانشمندانہ کام کیا۔ اور مسلمانوں کی نصیحت اور قوم کو اپنی حالت پر مطلع کرنے کا نہایت عمدہ ڈھنگ نکالا۔ اُن کے باپ یا کسی اور نے جو کچھ مسلمانوں سے کہا اُس کے الفاظ سخت ہوا کرتے تھے اور مسلمانوں کی اصلی حالت کا بیان تلخ معلوم ہوتا تھا، مگر سید محمود نے ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جو ناگوار ہُوا ہو، اور ایک فقرہ بھی ایسا نہیں لکھا، جو کسی نے ناپسند کیا ہو، یا جسے سنکر کسی کو غصہ آیا ہو۔ اُن کا سارا لکچر پڑھ جایئے، اُس میں کچھ بھی نہیں۔ سوائے واقعات کے بیان، اور حالات کے اظہار، اور ہندسوں اور رقموں کے، لیکن جب غور سے دیکھئے، تو مسلمانوں کے تعصب اور جہالت اور اُن کی غفلت اور غرور کا ثبوت جیسا اُس سے ہوتا ہے، اور وہ ہندسے اور نقشے جیسا مسلمانوں کی پست اور ذلیل حالت کا بیان کر رہے ہیں، وہ نہ کبھی **سر سید احمد خاں** نے کیا، نہ کبھی مولوی نذیر احمد نے، نہ کسی مقرر اور نہ کسی لکچرار نے۔ انہوں نے جھگڑنے اور عیوب بیان کرنے اور غصہ دلانے سے پرہیز کیا۔ صرف ایک صاف آئینہ قوم کے ہاتھ میں دیدیا۔ کہ وہ اپنی اپنی صورت اُس میں دیکھ لیں*

حضرات! کیا میرا یہ کہنا مبالغہ ہے، کیا وہ پست حالت مسلمانوں کی جو اس لکچر نے دکھائی، اور کیا مسلمانوں کی اُس کمی کا، جو بمقابلہ ہندؤں کے تعلیم میں ان نقشوں نے ظاہر کی اُس کا صحیح اندازہ کبھی اول آپ نے کیا تھا اور کیا ایسی خوفناک صورت مسلمانوں کی حالت کی جو اس وقت آپ نے دیکھی آپ کے خیال میں تھی۔ بلاشبہ سب سمجھتے تھے کہ مسلمان ہندؤں سے تعلیم میں کم ہیں اور سب کو خیال تھا کہ انہوں نے سرکاری مدارس سے کم فائدہ اُٹھایا ہے، مگر کسی کے خیال میں یہ نہ تھا کہ وہ بمقابلہ ہندؤں کے اتنے کم ہونگے اور تعلیم میں اُن کی حالت ایسی خراب ہوگی۔ بہرحال ایک نئے ڈھنگ سے نہایت

خوش اسلوبی سے سید محمود صاحب نے مسلمانوں کی حالت دکھا دی اور چند لکیروں میں ساری قوم کی پچھلی اور موجودہ کیفیت ظاہر کر دی ؛

حضرات! اُن کا ہائی کورٹ سے جدا ہونا نہایت رنج دہ تھا۔ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے قوم کو اس کا نہایت صدمہ تھا۔ مگر آج ہمارا وہ رنج جاتا رہا۔ اور اُنہوں نے قومی خدمات کرنے سے ہم کو اُس کا نعم البدل دیدیا۔ بلا شبہ ہائی کورٹ کی ججی پر ایک مسلمان کا مقرر ہونا باعث فخر تھا مگر فائدہ اُس کا محدود اور فانی تھا۔ البتہ قومی تعلیم اور تربیت کی اشاعت ایک ایسا کام ہے جس کا نفع عام اور ہمیشہ باقی ہے۔ بسبب سرکاری ملازمت کے وہ قومی خدمت کرنے سے معذور تھے۔ اور نہ جیسی کہ چاہیئے ججی کی حالت میں وہ مرضی کے موافق کام کر سکتے تھے۔ مگر اب وہ آزاد ہیں اور تمام قیدوں سے بری۔ اب وہ قوم کو اپنے دل و دماغ سے وہ فائدے پہنچا سکتے ہیں۔ جو ججی کی حالت میں کبھی نہ پہنچا سکتے تھے۔ اُن کا علم وسیع ہے اور طبیعت سلیم، اُن کا دل پاک ہے اور دماغ بلند، خیالات اُن کے پاکیزہ ہیں۔ تعصب اور نفسانیت کا اُن میں نام نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اُن پر اعتماد ہے اور کل قوم اُن پر بھروسہ رکھتی ہے۔ نہ اُن پر کفر کے فتوے جاری ہوئے نہ کبھی مسلمانوں نے اُن پر طعنے کئے۔ اور نہ کبھی تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھے اور نہ مغرب الآفاق مشہور ہوئے۔ وہ ہمیشہ اُن جھگڑے قصوں سے علیحدہ رہے۔ آج پہلا دن ہے کہ اُنہوں نے اسٹیج پر قدم رکھا اور اپنے دل اور دماغ کے جوہر دکھلائے اُنہوں نے اپنی طلاقت لسان اور فصاحت بیان اور شیرینی زبان سے اُن امیدوں کو تازہ کر دیا جو اُن کی ذات سے قوم کو تھیں، اور اُنہوں نے اپنے اعتدال خیالات اور سلامت طبیعت دکھا کر اس بات کا یقین کرا دیا، کہ وہ نہ صرف لائق باپ کے لائق فرزند ہیں، بلکہ بعض باتوں میں اُن سے بھی فائق ہیں۔ آج انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ صرف قانون ہی میں اعلےٰ لیاقت نہیں رکھتے تھے اور ایک عمدہ جج ہی نہ تھے بلکہ اُن کا علم بھی ویسا ہی وسیع ہے اور قومی خدمت کے لئے بھی وہ ہر طرح سے موضوع ہیں اور جو صفات ایک آدمی میں مشکل سے جمع ہو سکتے ہیں وہ اُن کے جامع ہیں ؎

اینکہ مے گویند آں خوشتر ز حسن

یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

صاحبو اب میں زیادہ کہنا نہیں چاہتا اور کتنا ہی کہوں نہ لیکچرار کے ذاتی صفات کا نہ اُن کے عمدہ اور بینظیر لیکچر کی خوبیوں کا بیان کر سکتا ہوں، اس لئے میں مجلس کی اس خواہش کو ظاہر کر کے اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوں کہ سید محمود کی اس قومی خدمت کا جو ہمیشہ آیندہ آنے والی نسلوں تک یاد رہیگی۔ شکریہ ادا کیا جاوے اور اُن کی صحت اور سلامتی کی دعا مانگی جاوے۔ اللھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم ؛

نمبر ۱۴

اسپیچ

یا

مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۸۹۲ء کو اجلاس ہشتم محمڈن اینگلو اورینٹل کانفرنس منعقدہ علیگڈھ میں رزولیوشن نمبر ۵ (جو کیفیت ذیل میں درج ہے) کی تائید کرتے ہوئے فرمائی اور اس رزولیوشن کو مرحوم سر سید نے پیش کیا تھا۔

رزولیوشن نمبر ۵

(مضمون رزولیوشن، اِس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ درباب ترقی تعلیم و تربیت مسلمانان کے جو کچھ اب تک ہوا ہے وہ محض ناکافی ہے اور اگر یہی حالت رہی تو صدیوں کے گزرنے پر بھی تبدیل حالت کی توقع نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا اور اس سے بھی زیادہ تربیت کا جمہوری متفقہ کوشش سے انتظام نہ کیا جاوے۔ اگر اس طرح پر نہ کیا جاویگا، تو کانفرنس کی رائے میں ترقی تعلیم و ترقی حالات مسلمانان سے بالکل مایوس ہونا چاہیئے) ⁂

صاحبو!

جس رزولیوشن کو ہمارے بزرگ عالی جناب **سر سید احمد خاں صاحب بہادر** نے پیش کیا ہے، میں اُس کی تائید کرتا ہوں۔ اگر یہ رزولیوشن اِنہیں لفظوں سے لکھنؤ کے اجلاس میں پیش کیا گیا ہوتا، تو میں نہیں سمجھتا، کہ اس سے کوئی بھی اختلاف کرتا، اور اگر اس وقت یہ رزولیوشن اُن پرانے لفظوں میں پیش ہوتا، تو میں اُس کی تائید نہ کرتا۔ میرے نزدیک یہ دونوں رزولیوشن باعتبار معنی اور مطلب کے ویسے ہی مختلف ہیں، جیسے باعتبار عبارت اور الفاظ کے اور مجھے تعجب ہے کہ اُس رزولیوشن کا اِس موقع پر ذکر ہی کیوں کیا گیا ⁂

بہرحال چونکہ اس رزولیوشن کے الفاظ صاف ہیں، اور مطلب اس کا کھلا ہوا اور جو
وہ نہایت صحیح، اور منظوری کے لائق ہے۔ اس لئے میں اس کی تائید کے لئے کھڑا ہوا ہوں

قبل اس کے کہ مَیں رزولیوشن کی تائید میں کچھ کہوں، مجھے مجبوری یہ کہنا پڑتا ہے، کہ جناب ممدوح کے اُن خیالات سے مَیں متفق نہیں ہوں، جو اس رزولیوشن کے پیش کرتے وقت، اپنے دل کی مایوسی کی نسبت ظاہر فرمائے ہیں۔ اُن کا یہ فرمانا کہ "مجھ کو مسلمانوں کی ترقی اور مسلمانوں کی قوم کو دنیا میں ایک معزز قوم ہونے سے بالکل مایوسی ہے" اور اُس کے ثبوت میں یہ کہنا کہ" اِس امر میں کوشش کرتے کرتے تین قرن گزر گئے" اور کچھ نہیں ہوا، چھتیس ۳۶ برس سے اسی کوشش میں سرگردانی ہے اور پھر کولہو کے بیل کی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہیں ہیں جہاں تھے"، گو بلحاظ اُن کی دلی خواہش کے صحیح ہو، مگر مَیں اُسے تسلیم نہیں کرتا۔ مدرستہ العلوم کے قائم کرنے اور اس درجہ تک پہنچانے میں جو کچھ کامیابی اُن کو ہوئی ہے وہ دل شکن نہیں، بلکہ دل خوش کن ہے۔ اور نہ صرف یہ میرا ہی خیال ہے، بلکہ ہر ایک شخص جو اس مدرسہ کی تاریخ سے واقف ہے۔ اور جس نے اس کالج کو دیکھا ہے، اور فرمانروائے ہند سے لیکر ضلع کے حاکم تک، جس کو یہاں آنے کا اتفاق ہوا ہے سب نے **سید صاحب** کی کامیابی پر حیرت ظاہر کی ہے، اور قوم کو مبارکباد دی ہے۔ اور اس وقت اگر آپ کو **سید صاحب** کی کامیابی اور قوم کی مدد اور فیاضی، کی شہادت چاہیئے تو اس قومی گھر کو ملاحظہ کیجئے کہ اس کے ہر در و دیوار، اور اُس کی ہر سمت، اور ہر گوشہ سے، کامیابی کی آواز آرہی ہے۔ ذرا اس ہال کو آنکھ اُٹھا کر دیکھئے، کہ ہمارے سر پر کتنے بزرگ بیٹھے ہوئے فرمارہے ہیں، کہ ہم ہیں اس کے بنانے والے، اور **سر سیّد** کی مدد دینے والے۔ پھر لورڈ ٹنگ ہوس کی قطاروں کی طرف جائیے۔ اُس کے، ہر دروازہ پر کوئی نہ کوئی قومی خیرخواہ کھڑا ہوا کہ رہا ہے "کہ ہم ہیں اس کے بانی" اور **سر سیّد** کی اعانت کرنے والے۔ پھر اُن بڑے اور رفیع الشان کمروں کو جاکر دیکھئے، جہاں صبح کو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، اور کالج کلاس کی تعلیم ہوتی ہے، وہاں آپ **سر آسمان جاہ امیر کبیر حیدرآباد** کو یہ کہتا ہوا پاوینگے کہ ہم نے اتنے دور دراز فاصلہ سے **سر سیّد** کی آواز سُنی، اور اُن کی مدد کی۔ اُس کے بعد **وائنگ ہال** کی طرف قدم رنجہ فرمائیے، "وہاں آپ **گریٹ سر سالار جنگ** مرحوم کو کھڑا دیکھینگے" کہ وہ فرمارہے ہیں، "کہ مَیں ہوں اِس کا حامی، اور اپنے **سر سیّد** کی کوششوں کا قدر کرنے والا۔ جو نظام میوزیم کی طرف جائیے" تو اس کے ہر در و دیوار سے یہ آواز سُنئے گا، "کہ دکن کے **بادشاہ** اور مسلمانوں کے **سرتاج** نے **سر سیّد** کے درد کو سُنا۔ اور اس کا حامی اور مُربّی ہوا **سر سیّد** کی التجا کا سُننے والا، اور اس قومی گھر کا قائم رکھنے والا۔ پھر احاطہ کی دیوار کو دیکھئے، وہاں سینکڑوں مسلمان صف باندھے ہوئے کھڑے کہ رہے ہیں۔ کہ ہم ہیں اپنی قوم کے بہی خواہ" اور اس قومی کام میں **سر سیّد** کا ساتھ دینے والے، اور نہ صرف مسلمانوں کو ہی آپ ایسا کہتا اور مدد دینے والا پاوینگے، بلکہ بہت سے **نیک دل یورپین**

اور ہند وبھی آپ کو سید صاحب کی کامیابی کے شاہد، اور اپنی فیاضی کے ثابت کرنیوالے ملینگے۔ غرضکہ اس کالج کے باہر یا بھیتر، اوپر یا نیچے، جہاں دیکھئے، اور اس کی کسی چیز کو، خواہ وہ دیوار چھت ہو یا فرش، باغ ہو یا احاطہ، ملاحظہ فرمائیے، وہاں آپ کو اُن کی کامیابی کی ایسی مضبوط شہادتیں ملینگی، جن کو زمانہ کا ہاتھ بھی مٹا نہیں سکتا۔ باوجود ایسی شہادتوں کے میں نہیں سمجھتا، کہ ہمارے بزرگ سر سید کیوں قوم کی طرف سے ایسے نا امید ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک جو کام اُنھوں نے قوم سے لیا ہے، نہ ہماری پچھلی تاریخ میں اُس کی نظیر مل سکتی ہے، نہ اس زمانہ میں کسی جگہ ہم اُس کی مثال پاتے ہیں۔ بہت بڑا نمود کا کام جو اس صدی میں اور انگریزی عملداری کے شروع سے اب تک اس صوبہ میں ہوا، وہ میور کالج ہے۔ اور جس پر اس صوبہ کے حاکم اعلےٰ برسوں تک متوجہ رہے ہیں مگر اُس کے لئے دو لاکھ نو ہزار روپیہ سے زیادہ جمع نہ ہو سکا۔ اور اُس میں بھی ایک بہت بڑی رقم لاکھ روپیہ کی صرف مہاراجہ بجیانگر کی دی ہوئی ہے۔ اب بمقابلہ وقعت اور رعب اور درجہ کے سر ولیم میور صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر کے سید صاحب کی حالت کو دیکھئے، کہ باعتبار درجہ کے صرف ایک ماتحت جج۔ بلحاظ دولت کے محض مفلس۔ بنظر عقاید کے مشہور زمانہ۔ بوجہ مخالفت عام کے خارق اجماع۔ طرز معاشرت قوم کو نفرت دلانے والا۔ لباس آپ کا مسلمانوں کے نزدیک من تشبہ بقوم کا مصداق۔ پھر اُسی زمانہ میں تہذیب الاخلاق جاری۔ اور مذہبی خیالات کی اصلاح میں کمال سرگرم۔ اُس پر رقم مطلوبہ کی مقدار نہایت قلیل۔ اور مانگنے کا ڈھنگ نیا سے نرالا ع

اے کہ تو مجموعۂ خوبی زکدامت گویم

جس ادا کو آپ کی دیکھئے دل فریب، اور جس بات پر نظر کیجئے ہوش ربا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

اس سازو سامان سے آپ چندہ جمع کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اور وہ بھی ایسے کام کے لئے جو قوم کے نزدیک مذہب کا برباد کرنے والا، اور جس میں شرکت گناہ کبیرہ۔ اُس پر سات یا آٹھ لاکھ روپیہ مسلمانوں کی گرہ سے نکلوانا اور ایک ایسی شاندار عمارت جو اپنی طرز میں بے مثل ہو بنا لینی، اور ایک ایسے بڑے کالج کا جو کیمبرج اور اکسفورڈ کی برابری کرے قائم کر لینا، ایک ایسی چیز ہے جس کے خیال سے حیرت ہوتی ہے اور جس کے دیکھنے سے یہ سارا کارخانہ جادو اور طلسمات کا معلوم ہوتا ہے اور ہر شخص جس پر نظر کرنے سے ع

اینکہ مے بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب

کہنے لگتا ہے۔ باوجود اس کے جب ہمارے قبلہ و کعبہ اپنی ناکامیابی ظاہر فرماتے ہیں اور قوم کا شکوہ

پڑھتے ہیں تو کچھ کہا نہیں جاتا ہے ؎

اے دہانت لب و لب دہان شیریں تر
خندہ شیریں و سخن گفتن از آں شیریں تر

حقیقت میں اس کالج کی نسبت جیسی کوششیں سید صاحب کی منشاء سے ہوئی ہیں، اور جیسی کچھ قوم نے اُن کی مدد کی ہے، وہ نہایت عجیب اور بےمثل ہے، اور اس کا ثبوت، کہ ایک مستقل مزاج اِنسان اپنی نیّت کی سچائی - ارادہ کی مضبوطی - مزاج کی استقلالی - ہمّت کی بلندی - ذاتی لیاقت - اور طینت کی صفائی سے کیسی مشکلیں آسان کر سکتا ہے - اور باوجود سخت مزاحمتوں کے قوم کے دلوں کو کیسا کچھ مسخّر کر سکتا ہے - درحقیقت نہایت سچ ہے جو کچھ سر چارلس کراسویٹ صاحب بہادر نے اس کالج کو دیکھ کر فرمایا تھا - کہ "جس شخص کے پاس لاکھوں روپیہ موجود ہو، اُس کے نزدیک ایک بڑا انسٹیٹیوشن قائم کرنا آسان ہے، اور جو شخص ایک اعلےٰ منصب پر ممتاز ہو، اُس کو کسی کام کے پورا کرنے اور اُس کے واسطے روپیہ مہیّا کرنے کے لئے، دوسرے شخصوں پر رعب ڈالنا کچھ مشکل نہیں ہے - لیکن پرائیویٹ شخص یعنی ایک شخص کے واسطے، جس کو اس دنیا کی دولت کا ایک بڑا حصّہ نصیب نہ ہو، ایک ایسا کام اپنے ذمّہ لینا، جیسا کہ ایک بڑے مدرسہ کا قائم کرنا ہے، اور پچیس ۲۵ تیس ۳۰ برس کے عرصہ میں اس مقصد کو قریب قریب پورا کرنا، جیسا کہ یہ انسٹیٹیوشن پورا ہوا ہے - ایک نہایت دشوار اور اعلےٰ درجہ کا کام ہے، جس پر ہر ایک شخص نازاں ہو سکتا ہے" ٭

صاحبو! مَیں نہیں سمجھتا کہ کسی شخص کو اس کام کے دیکھنے سے آیندہ کے لئے مایوسی ہوگی، بلکہ اسے دیکھ کر اور پچھلے حالات پر خیال کر کے، آیندہ کے لئے ضرور نئی ہمّت پیدا ہوگی ٭

صاحبو! میرے نزدیک جتنا کام ہوگیا، وہ جس قدر مشکل تھا، باقیماندہ کام کا پورا کرنا اُتنا مشکل نہیں ہے - وہ ترقی جو قوم کے خیالات میں ہو رہی ہے، اور وہ نتائج جو یہ کالج دکھلا رہا ہے، خود اُس کی تکمیل کے ضامن ہیں ٭

صاحبو! آپ مجھے معاف فرمائیے، کہ مَیں نے آپ کا اتنا قیمتی وقت ضایع کیا - اور قبل شروع کرنے نفس مطلب کے مَیں نے یہ لمبی گفتگو کی - چونکہ ہمارے بزرگ سر سید اپنی ناکامیابی پر ہمیشہ نالاں رہتے ہیں، اور رات دن اُس کا رونا رویا کرتے ہیں - آخر کہاں تک انسان برداشت کرے، اور کب تک ہائے قوم، وائے قوم، سُنا کرے - ایک دن دو دن - کہاں تک تو ہی کچھ انصاف کر ؎

یہ تو جلنا روز کا اے سوز ہجراں ہو گیا

اِس لئے اے میرے بزرگو، مجھ سے رہا نہ گیا اور مَیں نے بھی اپنے دل کا درد نکال دیا - اب مَیں اصل رزولیوشن کی نسبت گفتگو کرتا ہوں ٭

صاحبو! جو رزولیوشن اُنھوں نے اِس وقت پیش کیا ہے، اُس کے الفاظ صاف ہیں، اور اُس کے مطلب میں کچھ پیچیدگی نہیں ہے۔ سید صاحب نے اُس میں دو امر پیش کئے ہیں:۔

"ایک یہ کہ جو کچھ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی ترقی کی نسبت اب تک ہُوا ہے، وہ ناکافی ہے۔" "دوسرے یہ کہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم و تربیت کے لئے متفقہ کوشش سے انتظام کا ہونا ضروری ہے ورنہ مسلمانوں کی ترقی سے مایوس ہو جانا چاہئے" اور اس کا اصل مقصود ہے مدرسۃ العلوم کا پورا کرنا۔ اِس لئے مجھے ضرور ہے کہ شرح و بسط سے اِس کی نسبت گفتگو کروں اور اپنے خیالات پورے طور پر ظاہر کروں۔ اس لئے کہ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے، اور نہایت مشکل، اور قوم کی نہایت توجہ کے لائق۔ اِس لئے اگر آپ کا قیمتی وقت کچھ اس کے سننے میں ضائع ہو، تو آپ مجھے معاف فرماوینگے ✣

صاحبو! اس رزولیوشن کے متعلق چند باتیں تصفیہ طلب ہیں:۔

اوّل یہ کہ ہم صرف قوم کے نام قایم رہنے اور اُس کی تعداد کم نہ ہونے پر قانع ہیں، یا ہم یہ چاہتے ہیں، کہ وہ بھی دنیا کی اور معزز قوموں کی طرح ایک معزز قوم ہو۔ اور اُس وقت وہ معزز سمجھی جا سکتی ہے یا نہیں ✣

دوسرے یہ کہ ترقی سے کیا مراد ہے، اور کس حالت پر پُہنچنے سے اُس کی ترقی سمجھی جا سکتی ہے ✣

تیسرے یہ کہ اعلےٰ تعلیم اور تربیت سے کیا مراد ہے، اور بغیر اُس کے آیا مسلمان اُس حالت پر جس سے قومی ترقی کی امید ہو، پُہنچ سکتے ہیں یا نہیں ✣

چوتھے یہ کہ مدرسۃ العلوم مسلمانوں کی اعلےٰ تعلیم و تربیت کا مسلّم ذریعہ، اور دیگر مسلمانی کالجوں کے عمدہ نمونہ ہے، یا نہیں ✣

پانچویں یہ کہ اس کی تکمیل پر قوم کو متوجہ ہونا، اور متفقہ کوششوں سے انتظام کرنا قومی بقا کے لئے لازم ہے، یا نہیں ✣

پہلے امر کی نسبت میری یہ رائے ہے۔ کہ قوم کا نام قایم رہنا، اور برائے نام اُس کا ہونا اُس کے نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر اسی پر ہم قانع ہیں تو ہمیں کچھ فکر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اِس لئے کہ مسلمان خدا کی مہربانی سے گنتی میں اب بھی کم نہیں ہیں، اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ چین، روس، اور افریقہ، میں اُن کا شمار لاکھوں سے متجاوز ہے۔ مگر ہم صرف اُن کی تعداد پر قانع نہیں ہیں۔ بلکہ ہم اُن کو دنیا کی اور معزز قوموں کے موافق معزز قوم ہونا چاہتے ہیں۔ اور اس ہندوستان میں اپنی قوم کو کم سے کم، ملک کی اور معزز قوموں کے برابر، دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ جس طرح اور قوموں کا حال ہے، ہماری قوم بھی شامل ہے، مختلف قسم کے حالات کے لوگوں سے

کوئی امیر ہے کوئی غریب، کوئی دولتمند ہے کوئی مفلس، کوئی جاہل ہے کوئی عالم، مگر بہت بڑا حصہ ہماری قوم کا بخلاف دوسری معزز قوموں کے جو ہمارے ہموطن ہیں، مفلس اور ذلیل حالت میں ہے، اور سوائے ایک فرقۂ قلیل کے عموماً مسلمانوں کی حالت نہایت تباہ اور خراب ہے۔ لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جن کو نہ کھانے کے لئے روٹی ملتی ہے۔ نہ پہننے کو کپڑا۔ نہ کسی مجلس میں جانے کے لائق۔ نہ کسی حاکم سے ملنے کے قابل، اسلام کے بدنام کرنے والے، اور مسلمانوں کی ذلت کا نمونہ، اور وہ فرقۂ قلیل جو کسی قدر خوشحال ہے، اوّل تو کُل مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے اُس کی نسبت نہایت کم ہے۔ دوسرے بہ نسبت اپنی اور ہموطن قوموں کے، وہ بھی گویا ذلیل اور مفلس ہیں اور اُن کا افلاس بمقابلہ اُن کے نہ صرف مال و دولت میں ہے، بلکہ ہر چیز میں، خصوصاً اعلےٰ درجہ کی تعلیم میں۔ اگر آپ ہندوستان کے مختلف حصّوں کا سفر کریں، اور اضلاع اور شہروں اور قصبوں میں پھریں، اور مسلمانوں کی حالت کو دوسری قوموں کی حالت سے مقابلہ کریں، تو آپ کو ہر جگہ دونوں کی حالت میں فرق عظیم معلوم ہوگا۔ بنگال میں جا کر نامآور قوم بنگالیوں کو دیکھیئے۔ بمبئی میں جا کر فیاض اور بلند ہمت پارسیوں کو ملاحظہ کیجئے۔ دکن میں جا کر اُلوالعزم مرہٹوں سے ملئے۔ مدراس میں ذکی الطبع ہندوؤں کی کیفیت دیکھئے اور پھر ہر جگہ اپنے بدنصیب بھائیوں کا اُن سے مقابلہ کیجئے، تو ہر جگہ وہ فرق نظر آویگا، جو روزِ روشن اور شبِ تاریک میں ہوتا ہے۔ ہر جگہ کیا بنگالی اور کیا پارسی، کیا مرہٹے اور کیا مدراسی، سب میں آپ ایک جوش مستعدی اور اُلوالعزمی کا پاوینگے، اور ہر ایک کو زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلتا اور ترقی کرتا ہوا دیکھینگے۔ کالج اُن سے بھرے ہوئے ملینگے۔ کچہریوں میں وہی دکھائی دینگے۔ حکومت کی کرسیوں پر آپ اُنہیں کو بیٹھا ہوا دیکھینگے۔ ہائی کورٹ میں یورپین ججوں کی برابر وہی بیٹھے ملینگے۔ کونسل میں وائسرائے اور گورنر کے ساتھ ملکی معاملات میں آپ اُنہیں کو صلاح و مشورہ دیتے ہوئے پائیے گا۔ بڑے بڑے تجارت کے کارخانوں میں اُنہیں کی صورتیں دکھائی دینگی۔ گورنمنٹ ہوس اور معزز مقاموں میں وہی نظر آوینگے غرضکہ کوئی جگہ عزت کی ایسی نہ ہوگی جہاں وہ نہ ملیں۔ اور کوئی ذریعہ ترقی کا ایسا نہ ہوگا، جس کے حاصل کرنے میں وہ ساعی اور سرگرم نہ ہوں۔ بمقابلہ اُن کے مسلمانوں کو آپ ہر عزت کے مقام سے خارج، اور ہر قسم کی ترقی کے ذریعہ سے محروم، دیکھینگے۔ نہ کالجوں میں اُن کو دیکھئے گا، نہ حکومت کی کرسی پر اُن کی صورت نظر آویگی۔ نہ ملکی انتظام میں اُن کی آواز سنائی دیگی۔ نہ علمی مجالس میں وہ ملینگے۔ نہ اُن کی ترقی کی کوئی علامت نظر پڑیگی۔ اور اگر کہیں اُن کی شکل آپ دیکھینگے بھی تو اتنی کم کہ اُن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے *

صاحبو! جو میں کہ رہا ہوں، اُس کا تعلق جہاں تک تعلیم سے تھا وہ میرے بھائی اور عزیز

سید محمود صاحب آپ پر ثابت کر چکے، بلکہ اس کی سچی تصویر انھوں نے آپ کو دکھادی۔ اور جہاں تک سرکاری ملازمت سے تعلق ہے اس کی حالت مجھ سے سُنئے ۔

میرے ہاتھ میں جو کاغذات آپ دیکھتے ہیں، یہ انتخاب تمام ہندوستان کے صوبوں کی سول لسٹ کا ہے، اور وہ بھی بابت اکتوبر ۱۹۰۳ء کے، جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر صوبہ کے ہر ڈپارٹمنٹ میں، کتنے ہندو ملازم ہیں، اور کتنے مسلمان۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان جو ہندوستان کے بادشاہ تھے، اور جو بعد زوال سلطنت کے اسی انگریزی حکومت میں تمام معزز عہدوں پر مقرر تھے، اور جن کی تعداد بموجب اُس زمانہ کی سرکاری فہرستوں کے لارڈ کارنوالس کے عہد میں سرکاری ملازمت میں فیصدی ۷۵ تھی اب کس قدر کم ہے ۔

ہر صوبہ کی صیغہ وار تفصیل سنانا تو آپ کو تکلیف دینا ہے۔ مگر اس وقت کچھ مختصراً اس کا حال بیان کرتا ہوں :-

اول صوبۂ بنگال کو لیجئے وہاں کل عہدہ ہائے مندرجہ گزٹ میں ایک ہزار ایک سو نوے ہندو ہیں، اور ۱۲۷ مسلمان ۔ اُن میں بھی یہ دیکھنے کے لائق ہے کہ ۱۶ ہندو، کلکٹر اور مجسٹریٹ ہیں اور مسلمان صرف ۲ - ۲۲۳ ہندو، ڈپٹی کلکٹر ہیں اور مسلمان ایک - ۲۵۳ ہندو، مجسٹریٹ ہیں اور ۳۵ مسلمان - ۲۸۴ ہندو، منصف ہیں اور ۸ مسلمان - پبلک ورکس میں ۱۱ ہندو، ہیں اور مسلمان ندارد - ۱۳ ہندو، پوسٹ ماسٹر ہیں اور ایک مسلمان - ۵۵ ہندو، سب جج ہیں اور ۷ مسلمان - ۱۵۵ ہندو، اسسٹنٹ سرجن ہیں اور مسلمان ۶ - ۱۱ ہندو، انجینئر ہیں اور مسلمان کوئی نہیں۔ صیغۂ تعمیرات میں ۱۴۷ ہندو ہیں اور مسلمان ۱۲ ۔

بمبئی پریسیڈنسی کا حال اُس سے بدتر ہے - ۹۳۸ ہندو عہدہ ہائے مندرجہ گزٹ پر ہیں، اور صرف ۴۲ مسلمان - اُس میں بھی یہ کیفیت ہے کہ ۱۹۴ ہندو تحصیلدار ہیں اور ۴ مسلمان - ۵۹ ہندو ڈپٹی کلکٹر ہیں، اور ۱ مسلمان - ۹ ہندو اسسٹنٹ کلکٹر ہیں اور ایک مسلمان - کمشنر کے دفتر میں ۶ ہندو ہیں، مسلمان کوئی نہیں - پوسٹ آفس کے علاقہ میں ۲۵ ہندو ہیں اور ۲ مسلمان علاقۂ عدالت میں ۱۷۳ ہندو ہیں اور ۴ مسلمان - اس میں ذرا اس امر کو غور سے ملاحظہ فرمائیے کہ ۱۱۵ سب آرڈینیٹ جج ہندو ہیں، اور مسلمان صرف ایک - علاقہ طبابت میں ۸ ہندو سول سرجن ہیں، مسلمان کوئی نہیں - اور ۳۴ ہندو اسسٹنٹ سرجن ہیں اور مسلمان ایک - ۱۰۶ ہندو اسپتال اسسٹنٹ ہیں، اور مسلمان ۱ - پولیٹکل ڈپارٹمنٹ میں ۲۴ ہندو ہیں، اور ایک مسلمان ۔

اب مدراس کا حال سُنئے کہ وہاں کل عہدہ ہائے مندرجہ گزٹ [illegible] ہندو اور [illegible] مسلمان - اب اُن کی ذرا تفصیل پر لحاظ کیجئے - ۱۱۰ ہندو منصف ہیں اور ایک مسلمان [illegible]

سب آرڈینیٹ جج ہیں اور ایک مسلمان۔ ۱۴۳ ہندو تحصیلدار اور ۹ مسلمان۔ ۷۰ ہندو ڈپٹی کلکٹر ہیں اور ۵ مسلمان۔ علاقہ تعلیمات میں ۹۰ ہندو پروفیسر اور انسپکٹر ہیں اور مسلمان صرف ۴ اِس سے بڑھ کر یہ امر قابل لحاظ کے ہے کہ علاقہ بندوبست، پیمائش، پرمٹ، ڈاکخانہ، فنانشل عدالتہائے خفیفہ، جیل، اور رجسٹریشن، سے مسلمان بالکل خارج ہیں۔ حالانکہ اِن صیغوں میں ۸۲ ہندو ہیں ✦

آسام اور برہما کا ذکر کرنا ہی فضول ہے، وہاں سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمان باوجودیکہ تعداد میں زیادہ ہیں مگر ملازمت سرکاری سے بالکل خارج۔ آسام میں ۱۹۸ ہندو ملازم ہیں اور صرف ۱۶ مسلمان۔ حالانکہ مسلمان بمقابلہ ہندوؤں کے فیصدی ۳۰ ہیں۔ برہما کا بھی یہی حال ہے کہ ہندو ۲۵۴ ملازم ہیں اور مسلمان صرف ۱۸۔ حالانکہ بمقابلہ ہندوؤں کے ازروئے مردم شماری کے مسلمانوں کی نسبت فیصدی ۶۵ ہے ✦

سندھ میں ۲۰۶ ہندو ہیں اور ۱۱۴ مسلمان۔ غالباً آپ اس کو سُن کر البتہ خوش ہوئے ہونگے، مگر اول تو مسلمان وہاں ہندوؤں سے بہت زیادہ ہیں، دوسرے یہ کہ یہ ترقی صرف ذلیل ملازمت میں ہے۔ اس لئے کہ وہاں کی سول لسٹ میں چیف کانسٹبل بھی داخل ہیں، اور یہی اُن کی ترقی ظاہر کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ چیف کانسٹبلی کے عہدہ پر ہندو صرف ۱۲ ہیں اور مسلمان ۶۱۔ اگر یہ ۶۱، ایک سو چودہ میں سے خارج کر دئے جاویں، تو باقی عہدوں پر مسلمان صرف ۵۳ رہتے ہیں۔ باقی عہدوں کا یہ حال ہے کہ جوڈیشل علاقہ میں ۱۶ ہندو ججی وغیرہ کے عہدوں پر ہیں اور مسلمان صرف ایک۔ مالگذاری کے علاقہ میں ۱۱۸ ہندو ہیں اور ۲۵ مسلمان۔ سنٹرل پراونس کا حال البتہ اچھا ہے کہ وہاں ۴۹۶ ہندو ہیں اور ۲۶۵ مسلمان، جس میں سے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے عہدہ پر، ۵۸ ہندو ہیں اور ۹ مسلمان۔ تحصیلداری پر ۲۸ ہندو ہیں اور ۱۵ مسلمان ✦

اب پنجاب کا حال سُنئے، کہ وہاں ۳۱۲ ہندو عہدہ دار ہیں اور ۱۶۲ مسلمان، جس میں ۹۸ ہندو منصف ہیں اور ۵۱ مسلمان۔ اور ۲ ہندو عدالت خفیفہ کے جج ہیں اور ایک مسلمان۔ ۴۳ ہندو، ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں اور ۳۱ مسلمان۔ اور ۷۶ ہندو تحصیلدار ہیں اور ۴۹ مسلمان۔ ۱۹ ہندو، پوسٹ ماسٹر ہیں اور ۳ مسلمان۔ ۷ ہندو سپرنٹنڈنٹ جیل ہیں لیکن مسلمان کوئی نہیں۔ اور علاقہ تعلیمات میں ۱۴ ہندو ہیں اور ایک مسلمان۔ البتہ اسسٹنٹ کمشنری ایک ہندو ہے اور ۳ مسلمان۔ اور ۹ ہندو اکسٹرا اسسٹنٹ ہیں اور ۵ مسلمان۔ مگر بلحاظ تعداد مردم شماری کے مسلمان بہ نسبت ہندوؤں کے ۹۵ فیصدی ہیں۔ اس لئے چاہیے تھا کہ ہندوؤں

سے اُن کی تعداد زیادہ ہوتی۔ حالانکہ اُن کی تعداد بمقابلہ ہندوؤں کے صرف ایک تہائی ہے ✤
اب ممالک مغربی و شمالی و اودھ کا حال سُنیئے۔ ۶۶۰ ہندو عہدہ دار ہیں اور ۲۳۹ مسلمان جن میں سے ۹۵ ہندو منصف ہیں اور ۲۸ مسلمان۔ اور ۱۷ ہندو سب آرڈینیٹ جج ہیں اور ۱۴ مسلمان۔ ۳ ہندو عدالت خفیفہ کے جج اور ایک مسلمان ۳ ہندو ڈسٹرکٹ سشن جج ہیں اور ایک مسلمان۔ مگر جائنٹ مجسٹریٹ ہندو ۳ ہیں اور ۵ مسلمان۔ ۱۰۵ ہندو ڈپٹی کلکٹر ہیں اور ۴۸ مسلمان۔ اور ۱۰۶ ہندو تحصیلدار ہیں اور ۱۴۹ مسلمان۔ ۵۳ ہندو سپرنٹنڈنٹ اور انسپکٹر ڈاک خانوں کے ہیں اور ۸ مسلمان۔ اور ۳۶ ہندو پوسٹ ماسٹر ہیں اور ۲ مسلمان صیغہ تعلیمات میں ۳۶ ہندو ہیں اور ۵ مسلمان۔ ۲ ہندو سول سرجن ہیں مسلمان کوئی نہیں۔ ۹۵ ہندو اسسٹنٹ سرجن ہیں اور ۶ مسلمان۔ اور پبلک ورکس میں ۳۵ ہندو ہیں۔ اور ۸ مسلمان۔ اگرچہ بمقابلہ ہندوؤں کے ۳۹ فیصدی مسلمان اِس پراونس میں نوکر ہیں۔ مگر جب کہ یہ دیکھا جاوے۔ کہ ملازم پیشہ شریف خاندان کے مسلمان ۳۶ برس پہلے کتنے زیادہ ملازم تھے۔ اور دیوانی عہدوں پر وہی مامور تھے اور ہندو کاشتکاری پیشہ کس قدر زیادہ ہیں۔ تو یہ نسبت باوجود اس عمدگی کے مسلمانوں کی ترقی کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ کم سے کم ہندوؤں کے برابر مسلمانوں کا ملازم ہونا چاہئے۔ چنانچہ سر اکلینڈ کالون صاحب نے اپنی اُس اسپیچ میں جو ۱۸۹۲ء میں مدرسۃ العلوم میں دی تھی، یہ فرمایا تھا کہ منجملہ اور نکتہ چینیوں کے جو گزشتہ ۵ برس کے انتظام کی نسبت کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو ناواجب ترجیح دی ہے اور پچھلے ۵ برس کے ۲۶ ڈپٹی کلکٹر مقرر کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ۱۶ ہندو تھے اور ۱۰ مسلمان۔ ۱۵ شخص تحصیلدار مقرر کئے گئے، جن میں سے ۹ مسلمان تھے اور ۶ ہندو۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اِن اضلاع میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس تعداد کے لحاظ سے ترجیح باعث بیجا ہوے۔ لیکن اگر ہم کاشتکاروں کے گروہ کو نظرانداز کریں، اور صرف اُن قوموں کا لحاظ کریں جن کا اِن معاملات میں پاس کیا جاتا ہے تو یہ سب نامناسبت فوراً دُور ہو جاتی ہے ✤

صاحبو! اب اس وقت صیغۂ ملازمت میں جو حالت مسلمانوں کی ہے اُس کی پوری اور سچی صورت آپ کے سامنے ہے، اور اپنی آنکھوں سے آپ اُن کو دیکھ رہے ہیں ۱۵۰۵ ہندو عہدہ ہائے مندرجہ گزٹ پر مامور ہیں، اور ۱۲۱۴ مسلمان۔ اور جو تفصیل صوبہ وار میں نے بیان کی اُس سے غالباً آپ یہ سمجھ گئے ہونگے، کہ جن صوبوں اور جن عہدوں میں مقابلہ کا امتحان ہوتا ہے، یا جن میں قانونی اور انگریزی کی لیاقت زیادہ ضروری ہے، انہیں عہدوں پر مسلمان کم اور نہایت کم ہیں اور جو عہدے گورنمنٹ کے اختیار میں ہیں وہاں ان بدنصیب مسلمانوں کو بہت

پکھل جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت جوڈیشل ڈپارٹمنٹ سے بخوبی ہوتا ہے کہ ان عہدوں میں قانونی لیاقت اور امتحان شرط ہے اُسی میں ہمارے بھائی بہت کم نظر آتے ہیں۔ چنانچہ کل ہندوستان میں عدالت کے عہدوں پر ۵۷۰ ہندو مقرر ہیں اور ۱۰۵ مسلمان۔ ان میں سے اگر ممالک مغربی کے ۵۵ اور پنجاب اور سنٹرل پراونس کے ۱۵ نکال دئے جاویں۔ تو باقی صوبوں میں مسلمانوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کیا اس سے زیادہ کوئی شرمناک، اور دل کو صدمہ دینے والی کوئی چیز ہوگی، کہ بنگال میں ۳۳۹ ہندو اس صیغہ میں ہیں اور صرف ۱۵ مسلمان۔ اور بمبئی میں ۱۷۳ ہندو اور صرف ۴ مسلمان۔ اور مدراس میں ۱۳۲ ہندو اور صرف ۲ مسلمان۔ غرضکہ مسلمانوں کی معاش کا بڑا ذریعہ یعنی ملازمت سرکاری باقی نہ رہا اور اُس میں اُن کی تعداد اس قدر کم ہے کہ اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ باقی رہی تجارت، اُس سے شریف مسلمانوں کو پہلے بھی عار تھا، اور اب بھی، اِس کوچہ میں نہ اول اُن کا گذر ہوا تھا، نہ اب کہیں نظر آتے ہیں۔ اور بجز ہندی الاصل مسلمانوں کے کسی شہر یا کسی منڈی یا کسی گاؤں میں مسلمان تاجر نہ دکھائی دینگے۔ ملازمت اور تجارت کے بعد اگر زمینداری پر نظر کیجئے، تو اُس کا حال یہ ہے، کہ بمبئی اور مدراس میں رعیّت داری بندوبست ہے، وہاں سوائے لنگوٹ بند کاشتکاروں کے کوئی زمیندار نظر ہی نہیں پڑتا، اِلّا وہ لوگ جو جاگیردار اور سمنتان والے کہلاتے ہیں، اور کچھ حصّہ میں مدراس کے زمیندار بھی۔ مگر قریبًا وہ کُل کے ہندو ہیں۔ بنگال کے صوبہ میں مسلمان بلحاظ زمینداری کے ہندوؤں کے مقابلہ میں کچھ نسبت نہیں رکھتے، باقی رہا یہ صوبہ، اور پنجاب، اگر ۳۶ برس پہلے کی حالت پر نظر کی جاوے تو بلاشبہ وہی تنزل پایئے گا جو اور صیغوں میں ہوا ہے۔ سینکڑوں مسلمان ایسے ہیں، کہ صاحب جائدادتھے، اور زمینداریاں رکھتے تھے، مگر فضول خرچی اور غفلت سے قرضدار ہوئے، اور اپنی جائدادیں مہاجنوں کے قبضہ میں دیدیں۔ غرضکہ ہر صورت سے مسلمان ایسی ذلیل حالت میں ہیں کہ اگر چندروز اُن کی خبر نہ لی گئی تو آیندہ اُن کی بیماری لاعلاج ہو جاویگی، غرضکہ پہلے امر تصفیہ طلب کا مَیں یہ فیصلہ کرتا ہوں، کہ ہم صرف قوم کے قائم رہنے پر قانع نہیں ہیں، بلکہ ہم اُس کا معزز قوم ہونا چاہتے ہیں، اور اس وقت اُس کا نام معزز قوموں کی فہرست سے خارج ہے ٭

اب رہا دوسرا امر کہ ترقی سے کیا مراد ہے، اور کس حالت پر پہنچنے سے اُس کی ترقی سمجھی جاسکتی ہے، اُس کی نسبت میں یہ کہتا ہوں، کہ ترقی سے ہماری مراد اس وقت ترقی حقیقی نہیں ہے، یعنی اُس درجہ پر پہنچنا جو یورپ کے لوگوں اور عیسائی قوموں کو حاصل ہے، اس کا تو وہی خیال کرے، جسے قوم کی محبت نے مجنون بنا دیا ہو، اِس لئے مَیں اپنے بزرگ سر سید قبلہ کی طرح یہ نہیں کہتا، کہ مَیں اپنی قوم کو آسمان کی مانند کرنا چاہتا ہوں اور اُن ستاروں کو دیکھنا چاہتا

ہوں، جو ان میں چمک رہے ہیں، اور مشتاقانہ ادا کی چمک سے ہم کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ بلکہ میں اسی پر قانع ہوں کہ وہ زمین ہی پر رہیں، مگر وہ تاریکی جس نے اُسے گھیر لیا ہے دُور ہو جاوے، اور اُس کی صورت نظر آنے لگے، اور اپنی موجودہ حالت سے نکلکر اُسی حالت پر پہنچ جاوے، جو ہندوستان کی اور معزز قوموں کی ہے۔ تاکہ آبادی کی مناسبت سے وہ ہر عزّت میں اپنا واجبی حصّہ حاصل کر سکے، اور اعلےٰ درجوں پر جہاں ہندو، پارسی، بنگالی۔ مدراسی پہنچ گئے ہیں وہ بھی پہنچ جاوے ✣

اَب رہا تیسرا امر کہ اعلےٰ تعلیم و تربیت سے کیا مراد ہے، اور بغیر اُس کے وہ حالت جس کو ترقی کہا جاوے حاصل ہو سکتی ہے یا نہیں :-

صاحبو! اعلےٰ تعلیم سے مراد یہ ہے، کہ وہ نہ صرف اُن اعلےٰ درجہ کی ڈگریوں کو حاصل کر سکیں جو ہندوستان کی یونیورسٹیوں نے مقرر کی ہیں، بلکہ وہ علم کی حقیقت سے واقف اور اُس کے عمدہ نتائج سے متمتّع ہوں۔ جو لوگ صرف ڈگری حاصل کرنے پر قناعت کرتے اور فقط کتابی تعلیم پاتے ہیں، وہ کتاب کے کیڑے ہوتے ہیں نہ عالم، وہ کتابوں کے لادنیوالے ہوتے ہیں نہ تعلیم یافتہ انسان۔ اصل اعلےٰ تعلیم یہ ہے کہ انسان اُن قوتوں کو اچھّی طرح کام میں لا سکے، جو خداوند تعالےٰ نے اُسے ادراک حقائق اور معرفت اشیا کے لئے دی ہیں۔ تاکہ وہ قادر مطلق کے عجیب اور حیرت انگیز قدرت کے کارخانوں کو دیکھ سکے، اور صانع حقیقی کی عجیب و غریب صنعتوں کو بقدر انسانی طاقت کے سمجھ سکے، وہ حقائق اشیا کے جاننے کا شائق ہو، اور قادر مطلق کی معرفت کا جویا۔ اعلیٰ تعلیم کا مقصود طلب مال نہیں ہے، بلکہ شوق حق اور ذوق علم ہے، تاکہ انسان اپنا وقت اور اپنی عقل اور اپنے علم کو کائنات عالم کے حالات دریافت کرلے، اور بنی نوع انسان کے فائدہ پہنچانے میں صرف کرے، اور جو علم کے خزانے زمانہ کے دانشمند جمع کر گئے ہیں، اور جو بیش بہا ترکہ اُن کے بزرگ چھوڑ گئے ہیں اُن کو کام میں لاوے تاکہ اِس دنیا میں اُسے وہ خوشی اور فراغ خاطر نصیب ہو، کہ جسے کوئی چھین نہ سکے، اور عاقبت میں خدا کی خوشنودی اور دوامی راحت حاصل ہو۔ اور یہی وہ تعلیم ہے، جو تمہارے بزرگوں نے حاصل کی تھی، اور جس کے حاصل کرنے سے وہ دنیا کے اعلےٰ اور معزز ترین لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے، اور جن کے نام اب تک عزت اور نیکی سے ساری دنیا میں لئے جاتے ہیں۔ اور جس کے سبب سے آج یورپ کے لوگ تمام دنیا کے انسانوں کے خیالات کی رہنمائی کر رہے ہیں اور جس کے ادنےٰ نتیجوں میں سے وہ فائدے ہیں جو بنی نوع انسان کو اُن کی عجیب و غریب ایجادوں اور صنعتوں سے پہنچ رہے ہیں۔ اور یہی وہ تعلیم ہے جس سے انسان نہ صرف بلحاظ خیالات کی عمدگی اور اخلاقی خوبیوں کے علمی زندگی اور فلسفیانہ طرز اختیار کرتا ہے، بلکہ معاشرت اور دنیادارانہ زندگی بسر کرتے ہیں بھی اس سے بڑی مدد ملتی ہے، اُسی سے ہمتیں بڑھتی

ہے۔ اولوالعزمی پیدا ہوتی ہے، ناموری کا شوق ہوتا ہے، دولت اور عزت کے حاصل کرنے میں تمام مشکلیں آسان معلوم ہوتی ہیں۔ انسان محنت کا عادی، اور مصیبت کے اٹھانے میں مشاق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اُس کی لغت کی کتاب میں ناممکن کا لفظ نظر ہی نہیں پڑتا۔ یہی وہ تعلیم ہے، جس کے نتیجے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ وہ اپنی ہمت اور اولوالعزمی سے کسی چیز کو مشکل نہیں سمجھتے، نہ کسی خاص چیز کے پابند رہتے ہیں۔ اگر ایک چیز میں ناکامیاب ہوئے۔ تو فوراً دوسری چیز پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اگر ایک پیشہ میں گزر کی صورت نہ دیکھی، تو دوسرا کام کرنے لگتے ہیں۔ نہ کسی خاص ملازمت کے پابند ہیں، نہ کسی خاص پیشہ اور حرفہ کے، اُن کی ہنرمندی اور مستعدی اور چالاکی اعلےٰ تعلیم کے سبب سے ایسی بڑھ گئی ہے، کہ وہ ناکامیابی کا نام تک نہیں جانتے۔ اور بقول آنریبل ارتھر ولسن وائس چانسلر یونیورسٹی کلکتہ کے اُن کی تعلیم نے تمام سختیوں کو دور نہیں کیا تاہم اتنا خفیف کر دیا ہے کہ وہ سختی قابل برداشت ہو گئی ہے، اور اُن کو اس بات پر قانع نہیں رکھا کہ صرف اُن پیشوں کے پابند رہیں جو اُن کے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے وہ نئی شاخیں تجارت اور حرفہ کی اختیار کیں جن کو اُن کے بزرگ پسند نہ کرتے۔ اگر اُن کو خشکی میں جگہ نہ ملی، انہوں نے سمندر کی نوکری اختیار کی۔ اگر اُن کو گھر میں کام نہ ملا، قطب شمالی اور جنوبی اکتشافات کی تلاش میں چلے گئے۔ ہزاروں نوجوان عالی خاندان پہاڑوں پر چار اور قہوہ کی زراعت کرتے ہیں۔ کنیڈا کے جنگل صاف کر رہے ہیں۔ آسٹریلیا میں بکریاں اور مغربی امریکہ کے میدانوں میں مویشی چرا رہے ہیں چین کے کارخانہائے تجارت میں کام کرتے ہیں اور آسام کے باغوں میں کاشتکاری سے معاش پیدا کر رہے ہیں ؛

صاحبو! مگر ہم کو اس قسم کی اعلےٰ تعلیم کا خیال نہ کرنا، اور اپنی قوم کی موجودہ حالت سے اُس کی امید رکھنی نادانی ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے یورپ کے ہندوستان کی اور قوموں نے بھی ابھی یہ تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ بڑی سے بڑی خواہش اس وقت ہماری یہ ہے، کہ وہ اُس قسم کی اعلےٰ تعلیم حاصل کر لیں جس سے وہ مثل اور اپنی ہموطن قوموں کے، اُن عزتوں کے مستحق ہوں جو انہوں نے حاصل کر لی ہیں۔ وہ انگریزی کے لٹریچر میں ایسے ماہر ہو جاویں، کہ اپنے خیالات عمدگی سے اُس زبان میں ادا کر سکیں، فصاحت اور بلاغت سے تقریر کرنے لگیں۔ عمدہ اخبار کے لائق اڈیٹر ہو سکیں۔ قانون میں اعلےٰ درجہ کی لیاقت حاصل کر لیں، معزز عہدوں کے قابل ہو جاویں۔ گورنمنٹ کو ملکی معاملوں میں صلاح دے سکیں، اپنی قومی حاجتیں گورنمنٹ کے سامنے عمدگی سے پیش کر سکیں، زمانہ کے حالات اور ملکی انقلابات سمجھنے کے لائق ہو جاویں، اور وہ حقوق جو دوسری قوموں کو حاصل ہیں اُن کو بھی حاصل ہوں۔ وہ بھی علمی جلسوں میں شریک ہو سکیں

وہ بھی عزت کے مقامات میں دکھائی دیں، وہ بھی حکومت کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے نظر آویں۔

اِس کے سوا سوائے بحیثیت مسلمان ہونے کے اُن کو ایسی تربیت ہو، کہ اپنے مذہب پر ثابت قدم ہوں۔ اپنی قوم کے ساتھ محبت رکھیں۔ اپنے خاندان اور وطن کی آنکھوں میں معزز ہوں، قومی ہمدردی اور قومی ترقی کا خیال ہو، اپنے بھائیوں کے فائدہ پہنچانے کے شائق، اور اپنی قوم کی عزت بڑھانے میں سرگرم ہوں؛ غرضکہ اعلےٰ تعلیم اور تربیت پانے کا خلاصہ یہ ہے، کہ ایسے لوگ ہم مسلمانوں میں پیدا ہوجاویں کہ وہ انسان بھی ہوں اور مسلمان بھی۔ اُن کے دماغ میں علمی خیالات ہوں، اُن کے دل میں عمدہ اخلاق، اور پسندیدہ عادتوں کے عادی ہوں، تحمل، بردباری، متانت، سنجیدگی، ممدوح خودداری، شریفانہ آزادی، اور بہادرانہ مستقل مزاجی کی صفتیں اُن میں موجود ہوں۔ تاکہ جب وہ دنیا کے سامنے آویں، اور اپنی ذات اور اپنے خاندان اور اپنی گورنمنٹ کے کام کرنے کے لائق ہوں، تو وہ اُس کی لیاقت رکھتے ہوں اور وہ اپنے نامور بزرگوں کی لائق اولاد، اور اپنی مشہور قوم کے معزز ممبر، اور اپنی آزاد گورنمنٹ کے معتمد مشیر ہوں۔ اگر مسلمانوں کو اس قسم کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو صرف یونیورسٹی کی ڈگری پالینا، اور بی۔ اے اور ایم۔ اے ہوجانا کافی نہیں ہے، نہ وہ مقصود جو اعلےٰ تعلیم و تربیت سے ہے، حاصل ہوسکتا ہے۔ کیا آپ ایسے سینکڑوں اور ہزاروں آدمی نہیں دیکھتے، جو یونیورسٹی کے اعلےٰ درجہ کے تمغے سینہ پر لگائے پھرتے ہیں، اور جو کالج کی تعلیم کے سب درجے طے کرچکے ہیں۔ مگر کوئی اثر تعلیم کا اُن کے دل و دماغ پر معلوم نہیں ہوتا اُس کا سبب صرف یہ ہے کہ ہندوستان میں سوائے کتابوں کے پڑھا دینے، اور طالب علم کے حافظہ میں واقعات کا ایک کافی ذخیرہ امتحان پاس کرنے کے لئے جمع کردینے کے، کوئی دوسرا ایسا انتظام نہیں ہے، جس سے علم کا اثر اُن کے دل پر ہو، اور جس سے طالب علموں کے خیالات اور خصلتوں اور خواہشوں اور ارادوں اور کاموں سے کچھ بھی نشانی اُس تعلیم کی پائی جاوے، جو ان کو انسان بنانے کے لئے دی جاتی ہے۔ بلکہ ایسی کتابی تعلیم اخلاق، مذہب، اور عمدہ خصلتوں کو اور خراب کردیتی ہے آپ ذرا اُن تقریروں کو دیکھئے جو سال بسال یونیورسٹی کے چانسلر سالانہ جلسوں میں کہا کرتے ہیں، اور بہ اختلاف الفاظ، اس ناقص تعلیم کی بُرائیاں اور تکمیل علم کی نصیحت، اور اس بات پر افسوس کرتے رہتے ہیں، کہ یونیورسٹی کی تعلیم نے ملک میں صرف ایک کثیر تعداد ایسی نیم تعلیم یافتہ جوانوں کی پھیلادی ہے، جن کا علم پالائی ہے، جن کی خود بینی بیحد ہے، جو تقریر میں لسان ہیں، لیکن اُن کو ان الفاظ کے معنی جنکو وہ استعمال کرتے ہیں جن فقرات کو وہ دُہراتے ہیں، اُنکا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے اور جو تعلیم سے سوائے معاش حاصل کرنے کے کوئی دوسرا فائدہ نہیں سمجھتے، اور معاش کو بجز سرکاری ملازمت کے اور کسی جگہ تلاش نہیں کرتے، اور ایسی علم کی تکمیل کی نسبت کے ساتھ، اس نالائقی

کرتے ہیں، کہ کالج اور سرکاری یونیورسٹیاں ایسی کامل تعلیم دینے میں قاصر ہیں۔ چنانچہ ایک سالانہ جلسہ میں یونیورسٹی کے ہز اکسلنسی ڈیسرائے و گورنر جنرل ہند نے اوّل اصلی تعلیم کا مقصد بیان فرمایا، اور یہ کہا کہ میرے نزدیک اصلی تعلیم کا مقصد صرف یہی نہیں ہے، کہ طالب علم کے دماغ میں بہت سی باتیں جمع ہو جاویں، اور وہ مختلف علوم کی نسبت آسانی کے ساتھ گفتگو کرنے کے لائق ہو جاوے، یا یہ کہ وہ اپنی یونیورسٹی کے تمام امتحانات کو بھی پاس کرے۔ بلکہ اُس کا مقصد اُن مختلف قوتوں کو ترقی اور استحکام دینا ہے جو اُس کو عطا کی گئی ہیں۔ اگر اس بات میں میری رائے صحیح ہے، تو جس چیز کی سب سے پہلے تعلیم میں ضرورت ہے، وہ علم کا کامل ہونا ہے، اور اسی موقع پر ہز اکسلینسی نے یہ بھی صاف فرما دیا، کہ کامل تعلیم کے وسیلوں کے مہیا کرنے میں گورنمنٹ قاصر ہے، اور اُس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بغیر مذہبی تعلیم کے کوئی تعلیم کامل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر گورنمنٹ ہند پر یہ بات واجب اور لازم ہے، کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ہندوستان کے باشندوں کے مذہب یا مذہبی خیالات میں، علانیہ یا در پردہ دست اندازی کا ہونا متصور ہو، لیکن جو قید اس طرح پر ہماری تعلیم کے مقاصد کی نسبت قرار دی گئی ہے، اُس کے نقص ظاہر کرنے سے میں باز نہیں رہ سکتا، کیونکہ یہ ایک میرے دلی اعتقادات میں سے ہے۔ کہ جس انتظام تعلیم، میں مذہبی تعلیم اور تربیت کا کچھ بندوبست نہ ہو، وہ یقیناً ناقص اور غیر مکمل ہے۔ اور پھر یہ فرمایا کہ جس چیز کو آج کل کے زمانہ میں خالص دنیوی تعلیم کہتے ہیں، وہ اِس لفظ کے سب سے بڑے اور عمدہ ترین معنوں میں کامل ترین نہیں ہے ✤

صاحبو! جو کچھ **ہز اکسلینسی** نے فرمایا ہے تمام اعلےٰ درجہ کے لوگوں کا وہی خیال ہے، اور نہ صرف یورپین لوگوں کا، بلکہ ہماری قوم کے آدمیوں کا بھی جنہوں نے تعلیم کے مسئلہ پر بہت غور کیا ہے، اور جنہوں نے ولایت کی تعلیم کو دیکھا ہے، اگر آپ انگلستان جاویں، اور وہاں کی تعلیم دیکھیں، اور اُس کے اصول اور نتائج پر غور کریں، تو آپ کو اس امر کے خیال کرنے میں ذرا تامل نہ ہوگا کہ جو تعلیم ہندوستان میں دی جاتی ہے، وہ تعلیم نہیں ہے، بلکہ انسان کو کتابوں کا لادنے والا بنایا جاتا ہے۔ اور اُس کا سبب جیسا **سر چارلس کراسوییٹ صاحب** نے فرمایا ہے یہ ہے، کہ پورانے ملکوں میں جہاں کہ سوسائٹی نے، قدرتی بالیدگی کے ساتھ ترقی کی ہے، اور جس پر خارجی اثروں کا زور نہیں ڈالا گیا ہے، ایسے انسٹیٹیوشن اس ضرورت کے پورا کرنے کے لئے قایم کئے گئے ہیں، کہ اُن کو صرف سرکاری ملازمت کے واسطے نہیں، بلکہ عالمانہ پیشوں میں پبلک کی خدمت کرنے کے لئے تعلیم یافتہ آدمی بہم پہنچ جاویں، علاوہ بریں بہت سے شخصوں نے صرف علم کی خاطر اس کی جستجو کی ہے، اور بہت شخصوں نے عمدہ تعلیم کے حصول کی کوشش بطور جزو ایک ایسے سامان کے کی ہے، جو ہر ایک شخص کو گو اُس کا پیشہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اپنے سفر زندگی میں اپنے

پاس مہیا کرنا لازم ہے، لیکن اس ملک میں جہاں کہ تحریک خاص کر خارجی ذریعہ سے ہوتی ہے، جہاں کہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم لوگوں کو قریباً مفت دیجاتی ہے، جہاں کہ روزگار کا میدان لوگوں کی پست حالت کی وجہ سے نہایت محدود ہے، اور جہاں کہ علم اپنے خاص فائدہ کی غرض سے تلاش بھی کیا جاتا ہے، تو وہ اس قسم کا علم نہیں ہے، جس کے سکھانے کا ہمارے کالج نے ذمہ لیا ہے، اس قسم کے محتاج طالبعلموں کی جماعت کے پیدا کرنے میں صاف صاف بڑا خطرہ ہے جن کی تعداد باوجود اس کے کہ وہ دنیا میں اپنی وجہ معاش پیدا کرنے کے واسطے کافی تعلیم یافتہ نہیں ہیں ٭

پس اے صاحبو، اعلےٰ تعلیم سے مراد ہے کہ ہم کتابوں کے بوجھ اُٹھانے والے نہ بنیں بلکہ انسان بنیں اور اُسی کے ساتھ مسلمان رہیں، اور علم کو علم کے لئے حاصل کریں، اور اس کے عمدہ نتیجوں سے متمتع ہوں، اور اے میرے بزرگو بغیر ایسی تعلیم کے قوم کی ترقی کی امید کرنا خیال باطل ہے ٭

صاحبو! اب رہا چوتھا امر تصفیہ طلب کہ مدرسۃ العلوم اعلےٰ تعلیم و تربیت کے حاصل کرنے کا مسلم ذریعہ، اور دیگر مسلمانی کالجوں کے لئے عمدہ نمونہ ہے یا نہیں ٭

اس کی نسبت میری یہ رائے ہے کہ مدرسۃ العلوم اعلےٰ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ایسا مسلم ذریعہ ہے کہ جس سے بڑھ کر ہندوستان میں ہونا درحقیقت ناممکن ہے، اور دوسرے اسلامی کالجوں کے لئے ایسا عمدہ نمونہ ہے جس سے بہتر ہونا قیاس میں نہیں آسکتا۔ اگر قوم کی ترقی سے مراد یہ ہے کہ اُسے اعلےٰ درجہ کی تعلیم کا شوق ہو، اعلےٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرے۔ اُس کے لڑکے یونیورسٹی کی اعلےٰ ڈگریاں پاویں، اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ولایت جا کر اپنی تعلیم کی تکمیل کریں، وہاں کی یونیورسٹیوں کے درجے حاصل کریں، وہاں جا کر قانون سیکھیں، اور بعد کامیابی کے گورنمنٹ کی نظر میں معزز سمجھے جاویں، سرکار کو اُن کی وفاداری پر بھروسہ ہو، اور اس کے ساتھ مذہب اور قومیت کا خیال بھی اُن میں پایا جاوے، تو میں کہہ سکتا ہوں کہ، ہمارا یہ کالج بلاشک قومی ترقی کا مسلم ذریعہ ہے اور نیز اگر قومی ترقی سے یہ مقصود ہے، کہ خاص قوم کا کوئی ایسا انسٹیٹیوشن موجود ہو جو اُن اصول پر قایم کیا گیا ہو، جن پر انگلستان کے انسٹیٹیوشن قائم ہیں، اور نیز وہ اُن خیالات پر مبنی ہو جن پر ویسے بڑے انسٹیٹیوشن انگلینڈ میں بنائے جاتے ہیں، اور نیز اُس کا قائم کرنا فی نفسہ قوم کی عزت اور شہرت کا سبب ہو، اور اُس سے قوم کی عالی دماغی، فیاضی، علم کا شوق، اور شائستگی پھیلانے کی رغبت ظاہر ہو۔ اور نیز اس سے اُن نتائج کے حاصل ہونے کی امید ہو، جن سے اُن کے تعلیم پانے والے اپنی سوسائٹی کے عمدہ ممبر، اور اپنی گورنمنٹ کے معتمد مشیر، اور اپنی سرکار کے پورے وفادار ہوں۔ تو میں بآواز بلند کہتا ہوں کہ ان تمام باتوں کے لحاظ سے یہ کالج قومی ترقی کا ذریعہ ہے، ا

روئیت، اور شہادت، دونوں سے اس کا کامل ثبوت ہے، اور پبلک اور گورنمنٹ دونوں اس بات کے مقر ہیں حقیقت میں اس کالج نے ان باتوں کے لحاظ سے وہ وقعت پبلک اور گورنمنٹ کے دلوں میں پیدا کی ہے کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ پبلک کا بھروسہ اور اعتماد اس وقت آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور یہ بولتی ہوئی سندیں پبلک کے اعتماد کی آپ کے سامنے ہیں اور وہ بھی نوشتہ نہیں، بلکہ سیکڑوں، اور وہ بھی نہ فقط ایک ضلع یا قسمت یا ایک صوبہ کی بلکہ تمام ہندوستان کے صوبوں کے طالب علم، اس وقت آپ کے سامنے ہیں۔ اور گورنمنٹ کا بھروسہ جو کچھ اس کالج پر ہے، اس کا اظہار مختلف وائسرائوں اور متعدد لفٹنٹ گورنروں نے اس طور پر ظاہر کیا ہے کہ جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اس کالج کے احاطہ میں آکر تھوڑی دیر کے لئے ایشیائی شاعر بن گئے تھے۔ اس لئے کہ جو خیالات معمولی یورپین جنٹلمین کے مسلمانوں اور ان کے کاموں کی نسبت ہیں، اور جن کو دوسرے موقع پر انہوں نے ظاہر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کام کو مسلمانوں کے برا نہ کہنا گویا بہت بڑی تعریف ہے، نہ یہ کہ ایسی تعریف کرنی، جس کے دیکھنے سے ظہوری اور انوری یاد آتے ہیں ✤

صاحبو! اس کالج کا جو نتیجہ اب تک ظاہر ہوا، اور جس سے اس بات کا ثبوت ہو کہ اس نے کہاں تک ترقی کی۔ اس میں کتنے طالب علم داخل ہوئے، اس میں کتنے طالب علموں نے ڈگریاں پائیں، اور کتنے ولایت گئے۔ علاوہ اسکے اس کالج کے مسلمان طالب علموں کو دوسرے کالجوں کے ساتھ جو اس صوبہ میں ہیں کیا نسبت ہے۔ ایک ایسا امر ہے جس کے لئے ہمیں اٹھارہ برس پیچھے جانا، اور وہاں سے پھر چلنا پڑیگا تاکہ معلوم ہو، کہ ۱۸۷۵ء سے اب تک اس کالج نے کیا نتیجے دکھلائے اس کا مختصر حال یہ ہے ✤

۲۴- مئی ۱۸۷۵ء کو کالج کھولا گیا۔ اور یکم جون ۱۸۷۵ء سے اسکول کی پڑھائی شروع ہوئی اور یکم جنوری ۱۸۷۸ء سے کالج کلاس قائم ہوئی۔ اور یکم جنوری ۱۸۷۸ء سے فرسٹ آرٹس کے امتحان تک اور یکم جنوری ۱۸۸۱ء سے بی۔ اے کلاس کے امتحان تک اور یکم جنوری ۱۸۸۳ء سے قانونی امتحان میں افلیٹ ہو گیا اور ۱۸۸۹ء میں لا کلاس کی ایل ایل بی ڈگری کے امتحان تک الہ آباد یونیورسٹی سے متعلق ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں ۶۵ مسلمان اسکول کلاس میں داخل تھے اور آخر مارچ ۱۸۹۳ء میں کل تعداد طالب علموں کی ۳۵۹ تھی جس میں سے ۳۰۰ مسلمان تعلیم پاتے تھے ✤

۱۹۹ اسکول کلاس میں ۱۰۱ کالج کلاس میں۔ منجملہ ان طالب علموں کے ۲۱۸ ممالک مغربی و شمالی کے رہنے والے ہیں جو ۴۲ مختلف اضلاع سے آئے ہیں۔ ان میں سے ۶۰ کالج کلاس میں پڑھتے ہیں، ۱۵۸ اسکول کلاس میں اور ۷۰ پنجاب کے رہنے والے ہیں جو بیس ضلعوں

سے آئے ہیں ان میں ۴۵ کالج کلاس میں پڑھتے ہیں، ۲۳ اسکول میں اور آفرد اسکول کے طالب علم بنگال کے رہنے والے ہیں۔ اور ۸ راجپوتانہ کے اور ۶ حیدرآباد اور اندور کے اور ۵ سنٹرل پراونس کے اور ۲ بمبئی ۲ برہما اور بلوچستان کے اور لا کلاس میں ۶۹ طالب علم داخل تھے۔ ۲۱۴ مسلمان اور ۳۷ ہندو۔ منجملہ ان طالب علموں کے ۲۲۸ مسلمان اور ۳ ہندو بورڈر تھے۔ باقی ڈے اسکالر اس کالج کے طالب علموں میں سے ۱۳ طالب علم ہیں جنہوں نے انگلینڈ میں تعلیم ختم کر لی ہے اور ۹ طالب علم ہیں جو لندن میں تعلیم پاتے ہیں ۞

جس طرح طالب علموں کی تعداد قابل اطمینان ہے، ویسے ہی امتحانات کا نتیجہ بھی تشفی بخش ہے ۱۸۷۸ء سے ۱۹۰۳ء تک، ۲۳۶ لڑکوں نے انٹرنس پاس کیا جس میں سے ۴۷ ہندو ہیں اور ۱۵۴ مسلمان ہیں۔ اور ایف۔ اے کلاس میں ۱۳۰ طالب علم اب تک پاس ہوئے جن میں ۳۸ ہندو اور ۹۹ مسلمان ہیں۔ اور بی۔ اے میں ۵۱ پاس ہوئے، اُن میں ۱۷ ہندو اور ۳۴ مسلمان ہیں۔ ایم۔ اے کی ڈگری ۵ طالب علموں نے حاصل کی۔ جن میں سے ایک ہندو اور ۴ مسلمان ہیں،۔ البتہ لا کلاس میں ابھی مسلمان لا ہیں۔ ایل۔ ایل کی ڈگری میں صرف ۲ ہندو اور ہائی کورٹ کی وکالت میں صرف ایک ہندو نے ڈگری پائی، اور بعد النہائے ضلع کی وکالت میں ۵ نے ڈپلوما پایا، جس میں مسلمان صرف ایک ہے ۞

اگر مدرستہ العلوم کے کالج کلاس طالب علموں کا دوسرے کالج کے طالب علموں سے مقابلہ کیا جاوے۔ تو اس کالج کی کامیابی اور زیادہ صاف نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ جتنے مسلمان کل کالجوں میں ممالک مغربی وشمالی کے پڑھتے ہیں، اگر وہ سب ملا کر مدرستہ العلوم سے مقابلہ کئے جاویں تو حیرت انگیز کامیابی مدرستہ العلوم کی معلوم ہوتی ہے۔ اسی سال میں ۱۷۱ طالب علم مسلمان دوسرے کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ کیننگ کالج لکھنؤ میں ۶۱۔ اور میور کالج الہ آباد میں ۵۰۔ اور آگرہ کالج میں ۲۲۔ اور بنارس کالج میں ۲۴۔ اور بریلی کالج میں ۱۱۔ اور میرٹھ کالج میں ۳۔ اور صرف مدرستہ العلوم میں کالج کلاس میں مسلمان طالب علموں کی تعداد ۱۰۱ ہے ۞

اب اگر خیال کیا جاوے کہ کیننگ کالج لکھنؤ کتنے دنوں سے قائم ہے اور لکھنؤ کتنا بڑا شہر ہے اور اودھ کے اضلاع کے رہنے والوں کو وہاں جانا کس قدر قریب اور باعث آسائش ہے اور ڈگری اسکالر ہونے سے کس قدر اُن کو آرام مل سکتا ہے، اور نیز بلحاظ اور بوجہ کفایت اخراجات کے کس قدر فائدہ ہے۔ مگر مسلمان طالب علموں کی تعداد اُس میں صرف ۶۱ ہے یعنی پورے نصف ہمارے کالج کے طالب علموں کی [illegible] اور الہ آباد جو کہ گورنمنٹ کا مستقر ہے، اور جہاں میور کالج سامنے [illegible] ہے اور جہاں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے طالب علموں کا زیادہ داخل ہونا چاہئے مگر وہاں [illegible]

۵۰ مسلمان ہیں یعنی ہمارے کالج کے طالب علموں سے ایک ثلث اور پھر جب یہ خیال کیا جاوے، کہ خود ان شہروں کے رہنے والے جہاں کالج قایم ہے اپنے گھر چھوڑ کر یہاں آئے تو اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے اس کالج کی تعلیم اور تربیت کی نسبت عام خیالات کیسے عمدہ ہیں اور اُس کی وقعت اور عظمت نے کس قدر لوگوں کے دلوں پر اثر کیا ہے، چنانچہ میں دیکھتا ہوں کہ ۸ طالب علم خود الہ آباد کے اور ۲ لکھنؤ کے اور ۱۶ میرٹھ کے اور ۷ بریلی کے اور ۱۹ دہلی کے یہاں تعلیم پا رہے ہیں اور یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم و تربیت جو اس کالج کا عمدہ مقصود ہے - بلکہ جس کے لئے یہ کالج قائم کیا گیا ہے روز افزوں ترقی پر ہے - چنانچہ ۱۸۷۸ء میں ۲ مسلمان کالج کلاس میں تھے اور اس سال ۱۰۱ - اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ بجائے ایک کے ۵۰ ہو گئے - اور یہ ترقی اگر سال وار دیکھی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کی رفتار کالج کلاس میں نہایت تیز ہے - اس لئے کہ ۱۸۷۸ء سے کالج کلاس قائم ہوا، جس کو اب تک ۱۵ برس ہوئے - اگر پانچ پانچ برس کی اوسط پر خیال کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۲ء تک اوسط سالانہ حاضری طالب علموں کا کالج کلاس میں ۸ تھا - دوسرے پنج سالہ میں یعنی ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۸ء تک اوسط سالانہ ۲۳ء۲ تھا - اور تیسرے پنج سالہ میں یعنی ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۳ء تک ۶۳ء۴ تھا یعنی پہلے ۵ برس کی نسبت دوسرے ۵ برس میں بجائے ۸ کے ۲۳ء۲، اور تیسرے ۵ میں ۶۳ء۴ ہو گئے - اس ترقی کی نسبت مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے - یہ ہندسے اُس کی خود شہادت دے رہے ہیں اور وہ نقشہ (ڈائگرام) جو اس وقت آپ کے سامنے ہے خود ترقی کی اصلی تصویر ہے - جسے آپ اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ؎ ۔

اَب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اصول جن پر انگلستان میں ایسے انسٹیٹیوشن قایم ہوئے ہیں، کیا ہیں، اور ان پر یہ کالج قائم کیا گیا ہے یا نہیں - اور کیوں اُس اصول پر قائم کرنے کی ضرورت ہوئی - اُس کا حال یہ ہے کہ بڑا اصول ایسے انسٹیٹیوشن کے قائم کرنے کا سیلف ہیلپ ہے یعنی اپنے خرچ سے آپ کام کرنا، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک شخص بلکہ وہ ملک یا قوم جس کو اس سے اپنا فائدہ حاصل کرنا ہو اُس کام کے کرنے میں اس طور پر متفق ہو گویا وہ ایک شخص واحد ہے - کیونکہ جس طرح انسان باعتبار روح و جسم کے ایک ہے - مگر اُس کے اعضا مختلف ہیں، اور گو ہر ایک کا کام جداگانہ ہے، اور اگر فرداً فرداً نظر کی جاوے تو ہر ایک کی بناوٹ، اُس کی صورت، اُس کی غرض، جداگانہ ہے - پھر اُن میں کوئی نازک ہے، کوئی سخت، کوئی اعلےٰ ہے، کوئی ادنےٰ، کوئی بمنزلہ بادشاہ کے ہے، کوئی بجائے پیادہ کے، کوئی بطور آقا کے ہے، اور کوئی مثل خدمت گزار کے،

؎ ۔ ڈائگرام جس کا ذکر اس اسپیچ میں ہے علحدہ کاغذ پر چھپا ہوا یہاں لگا دیا ہے ۔

نگران سب کا مجموعہ انسان ہے، اور انسان کی زندگی اعلیٰ درجہ کی اچھی نہایت تندرستی اور صحت کے ساتھ اُسی وقت ہو سکتی ہے، کہ ہر ایک عضو اپنی اپنی خدمت کو اچھی طرح بجالاوے۔ یہی حال قوم کا ہے کہ اُس کے افراد کے مجموعہ کا نام قوم ہے، اور اُس میں مختلف اقسام، مختلف درجہ، مختلف آلات مختلف درجات، مختلف خیالات، مختلف خواہشوں، مختلف ارادوں، اور مختلف طبیعتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر سب ملکر ایک دوسرے کے شریک اور اپنی اپنی حالت کے موافق قومی معاملہ میں مدد کرتے ہیں، قوم کی زندگی اور اسکی صحت قائم رہتی ہے، اگر ان میں اتفاق نہ ہوا، اور ایک نے دوسرے کی مدد نہ کی، اور اس غلطی میں پڑ گئے کہ ہر ایک کو اپنا کام کرنا چاہئے، تو قوم کی زندگی میں ویسا ہی خلل آجاتا ہے جیسا کہ انسان کی صحت میں اُس وقت فرق آجاتا ہے، جبکہ بیماری وغیرہ سے بعض اعضا بیکار اور اپنے کام کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں۔ پھر جس طرح کہ اعضائے رئیسہ کے بیکار ہو جانے اور اُن کے کام نہ کرنے سے زندگی تمام ہو جاتی ہے، اسی طرح جب قوم کے رئیس اور امیر اور دولتمند اور عالم اور وہ لوگ جن کا لوگوں پر رُعب و داب ہوتا ہے، نکمے ہو جاتے ہیں اور اپنے قومی فرض کو ادا نہیں کرتے، اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اپنا کام کرنا چاہئے نہ دوسرونکا، اور اس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ قوم کا کام درحقیقت اپنا ہی کام ہے، تو قوم ضعیف ہو جاتی ہے، اُس کی قوت، دولت، عزت، میں خلل آجاتا ہے اور مرنے کے قریب ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی نے خبر نہ لی اور علاج نہ کیا تو مرجاتی ہے۔ پس یہ وہ قانون قدرت ہے، جس کے اُصول کو جاہل سے لیکر حکیم تک ہر شخص سمجھتا ہے، مگر خوش نصیب ہیں وہ جو اُس پر عمل کرتے ہیں، جیسا کہ کسی زمانہ میں ہماری قوم اس پر کاربند تھی، اور اب یورپ اس پر عمل ہو رہا ہے، اور اُسی کے سبب سے شفاخانوں اور یتیم خانوں اور محتاج خانوں اور کالج اور مدرسوں کا تمام یورپ میں جال بچھا ہوا ہے۔ اور ہر ہر قدم پر قوم کی زندگی اور پوری صحت کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ چونکہ اس وقت میری غرض صرف تعلیم سے ہے اس لئے میں اُس کی کیفیت عرض کرتا ہوں کہ وہاں کیونکر تعلیم کا ایسا بڑا کارخانہ قائم ہے۔ اور اپنے قومی کام کو قوم کس طرح انجام دیتی ہے*

صاحبو، تعلیم تین قسم کی ہے، ایک ادنیٰ درجہ کی، جیسے ہمارے یہاں کے دیہاتی مدارس، دوسری اوسط درجہ کی، جیسے ہمارے یہاں کے تحصیل اور ضلع کے سکول، تیسرے اعلیٰ درجہ کی، جیسے ہمارے یہاں کے کالج۔ ابتدائی تعلیم کی امداد میں گورنمنٹ بہت کچھ دیتی ہے، لیکن اعلیٰ درجہ اور اوسط درجہ کی تعلیم کے واسطے وہ کچھ نہیں دیتی۔ بڑی بڑی یونیورسٹیاں جیسے اوکسفورڈ اور کیمبرج وہاں قائم ہیں، وہ صرف پرائیوٹ شخصوں کی فیاضی سے قائم کی گئی ہیں، اور یہی حال کل یونیورسٹیوں کا ہے وہی حال انگلستان کے کالجوں اور پبلک اسکولوں کا ہے اپنی پرائیویٹ شخصوں کے قائم کئے ہوئے ہیں اور وہ اس زمانہ سے چلے آتے ہیں۔ جب کہ انگلستان [illegible]

مُلک نہ تھا جیسا کہ وہ آج کل ہے، اور جب کہ انگلستان کے نہایت بڑے بڑے سردار ہندوستان کے زمانہ حال کے بڑے بڑے سرداروں اور زمینداروں کے مقابلہ میں نہایت غریب آدمی ہوتے تھے ٭

اے میرے بھائیو! یہ وہ بڑا اصول ہے جس پر وہاں کالج اور مدرسے ہوتے ہیں اور جن میں سوائے چندہ کے، اور بجز پرائیویٹ شخصوں کی مدد کے گورنمنٹ کچھ نہیں دیتی، اور پھر جیسے کچھ اُس کے مصارف ہیں اور جیسے وہ سنجھکم بنیاد پر قایم ہیں، آپ میں سے ہر ایک شخص اُس کو جانتا ہے۔ کروڑوں اور لاکھوں روپیہ کے سوا ہزاروں سے تو وہاں کچھ کام نہیں چلتا۔ پھر اتنی بڑی رقمیں کہاں سے آئیں۔ نہ سرکار، نہ صرف امیروں سے، بلکہ ہر درجہ اور ہر حالت کے آدمیوں سے، ڈیوک سے لیکر گھاس کھودنے والے کے چندہ سے، اور دس لاکھ روپیہ سے ایک آنہ تک۔ اور اُس ملک میں اس قسم کے کاموں کی اب ایسی عادت ہوگئی ہے، کہ ہر ایک آدمی امیر ہو یا فقیر، بادشاہ ہو یا سپاہی، اپنی عزت اور اپنی انسانیت اس میں سمجھتا ہے کہ وہ قوم کا کچھ کام کرے ٭

اے میرے بھائیو! اس طرح پر کام کرنے کو سیلف ہیلپ، کہتے ہیں۔ یعنی اپنی آپ مدد کرنا اور یہ وہ اصول ہے جس پر یہ کالج قائم ہے اور یہ وہ تحفہ ہے جو ہمارے سرسید ہمارے لئے لندن سے لائے۔ جب ہمارے حضرت لندن کے حج کو گئے تھے ٭

آپ جانتے ہیں کہ جو شخص یورپ کو جاتا ہے اور انگلستان کو دیکھتا ہے اور بڑے بڑے شاپ اور کارخانوں میں جاتا ہے تو وہاں لطیف اور خوشنما اور خوبصورت اور چمکدار اور خوش رنگ دل لبھانے والی چیزیں دیکھ کر آدمی کا دل للچانے لگتا ہے اور بقدر اپنی استطاعت کے بلکہ اُس سے بڑھ کر قرض لیکر اُن چیزوں میں سے کچھ اپنے لئے، کچھ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے لیتا ہے۔ ہمارے قبلہ و کعبہ جب ولایت گئے، حضرت کے ہاتھ میں نہ روپیہ تھا نہ دماغ میں جوانانہ خیال۔ صرف ایک دل تھا قومی محبت کی دولت سے بھرا ہوا۔ اُس سے نہ فرنیچر نہ خرید سکتے تھے نہ شیشہ آلات، دل کی دولت دیکر سیلف ہیلپ خرید کر کے لائے اور یہاں آکر اُسے اپنے عزیزوں اور دوستوں میں تقسیم کیا ؎

دریغ آمدش زاں ہمہ بوستاں تہی دست رفتن سوے دوستاں
بدل گفت از مصر قند آورند بر دوستاں ارمغانے برند
مرا گر تہی بود زاں قند دست سخنہاے شیریں تر از قند ہست
نہ قندے کہ مردم بصورت خورند کہ ارباب معنی بکاغذ برند

پس اے میرے بھائیو! اس کالج کی بڑی خوبی اور بڑی عمدگی یہ ہے کہ وہ سیلف ہیلپ کے اُصول پر قائم کیا گیا ہے اور اُس کی ضرورت قطع نظر اُن باتوں کے جو میں نے اوپر بیان کیں ہندوستان

کے مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ قوی تھی۔ اسلئے کہ گورنمنٹ سے مسلمانوں کو ایسے کاموں میں مدد مانگنی ویسی ہی شرمناک ہے، جیسے کہ کوئی شخص اپنے بچّوں کی امیرانہ خوراک اور شاہانہ لباس کا خواہشمند ہو مگر بھیک مانگ کر اپنی خواہش پوری کرنی چاہتا ہو ٭

لیکن صاحبو! بھیک لولے، لنگڑے، اپاہج، بیماروں کو مل سکتی ہے، نہ کہ ہٹے کٹے، مسٹنڈوں کو، ایسے مانگنے والوں کو بھیک کے بدلے گالی اور جوتی ملا کرتی ہے۔ چنانچہ جب کہ ہمارے بھائیوں نے مجبوری یا حسب عادت سرکار سے ایسی بھیک مانگی ایسا ہی سخت جواب پایا، اور انصاف کیجئے کہ جب وہ قوم جس کی حکومت ہندوستان پر ہے اپنے ملک میں ایسے کاموں کے لئے روپیہ خرچ نہیں کرتی اور نہ خرچ کرسکتی ہے تو کیا سبب ہے کہ وہ ہندوستان میں ایسا کرے اور تمام تندرست صحیح الجسم موٹے تازے جوانوں کو بھیک کے ٹکڑے دیا کرے اور پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں سے لا کر دے، گورنمنٹ کا خزانہ پبلک ٹریزری ہوتا ہے اور وہ ملک کے لوگوں سے ملک کے کام کے لئے روپیہ وصول کرتے اور انہیں کاموں میں لگاتے ہیں۔ بہت بڑی رقم جو سرکار کو وصول ہوئی ہے وہ اُن زراعت پیشہ لوگوں سے جو مشکل سے اپنی گذر کرسکتے ہیں اور جن کا بڑا حصّہ قومیت اور مذہب میں بالکل ہم سے جدا ہیں۔ پس کیا سبب ہے کہ غریبوں کا روپیہ امیروں کے کام میں صرف کیا جاوے اور ہندو کاشتکاروں سے ٹیکس لے کر مسلمانوں کے لئے مدرسے خانقاہیں اور مسجدیں بنائی جاویں ٭

آخر انصاف کرنا چاہیئے کہ ایسا مسلمانوں کا کیا حق ہے جس سے گورنمنٹ سے ایسی خواہش کریں۔ بہرحال اس قسم کی شرمناک خواہش کو **سرسیّد** نے بھیک مانگنے سے بدتر خیال کیا اور اپنی قوم کی عزّت اور شان اور اپنے مقصود اور غرض کے بھی خلاف پایا اور بے شرم اور بے حیا ہونے پر بھی اُس کے ملنے کی امید نہ دیکھی۔ اس لئے وہ التجا جو لوگ گورنمنٹ سے کرتے تھے وہ اُس نے قوم سے کی۔ وہ بھیک جو لوگ گورنمنٹ سے مانگا کرتے تھے، اُس نے اپنی قوم سے مانگی۔ وہ استحقاق جو لوگ گورنمنٹ پر جتاتے تھے اُس نے قوم پر جتایا، وہ دعوے جو لوگ گورنمنٹ پر کرتے تھے اُس نے قوم سے کئے، وہ گالیاں جو لوگ گورنمنٹ کو دیتے تھے اُس نے قوم کو دیں۔ بہرحال مردانہ وار قوم کا کام قوم سے لینے پر ہمت کی کمر باندھی اور اپنے ارادہ میں مضبوط ہو کر قوم کے سامنے آیا ٭

قوم نے اگرچہ اس بات کو اپنی عادت اور مذاق اور رسم کے خلاف سمجھ کر تعجب کیا اور کچھ توجہ نہ کی۔ بلکہ مخالفت۔ مگر چونکہ آخر قوم مر نہ گئی تھی، حیا اور شرم رکھتی تھی، نیک اور بد کو پہچانتی تھی اور اُس میں بہت لوگ ہمت والے بھی تھے اور سخاوت اور فیاضی کے عادی، اور علم کے قدردان اور قومی تربیت کے خواہاں۔ اُنہوں نے اُس کی بات سُنی اور اُس کی مدد کی جس کا نتیجہ آپ اِس وقت دیکھ

ہے اِن اور اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ اِس کالج کی بنیاد سیلف ہیلپ پر ہے ؁

صاحبو! اِس اصول پر قائم ہونے سے نہ صرف یہ کالج اس درجہ تک پہنچ گیا، بلکہ جو عزت قوم کو حاصل ہوئی اور جس عظمت کی نگاہ سے گورنمنٹ نے مسلمانوں کے اس کام کو دیکھا وہ خود ایک ایسی چیز ہے کہ جس قدر مسلمان اُس پر فخر کریں اور خوش ہوں وہ کم ہے ؁

صاحبو! ذرا اُن اسپیچوں کو ملاحظہ کرو، جو ویسرایوں، اور گورنروں نے اسی مقام پر دی ہیں اور جن میں اسی اُصول پر عمل کرنے کی آپ کو مبارکباد دی ہے اور جس پر عمل کرنے سے اتنی بڑی مدد کالج کی ہے۔ ہز اکسلینسی لارڈ لٹن نے کالج کے فونڈیشن کے جلسہ میں فرمایا تھا۔

اے صاحبو! میں آپ کو اُس شخص کے پُرانے قصہ کا یاد دلانا فضول سمجھتا ہوں، جس نے ہرقلوس دیوتا سے یہ دعا مانگی تھی کہ وہ اُس کی گاڑی کی لیک میں دھسے ہوئے پہیہ کو نکالدے۔ مگر اُس کی دعا اُس وقت تک قبول نہیں ہوئی جب تک کہ اُس نے خود اپنا کندھا پہیہ کو نہ لگایا ؁

اے صاحبو! میں آپ کو اس مستعدی پر مبارکباد دیتا ہوں جس سے آپ اپنا کندھا پہیہ کو لگ رہے ہیں۔ آنریبل ڈبلیو ہنٹر پریسیڈنٹ ایجوکیشن کمیشن جب اگست ۱۸۸۲ء میں یہاں آئے تو اُنہوں نے یہ کہا اگر سیلف ہیلپ کی اُس قسم کی مثالیں اور موجود ہوں تو ہندوستان میں ایجوکیشن کمیشن کی کچھ ضرورت نہ ہوگی، اور اگر یہ کالج تمام ہندوستان کے واسطے نہ صرف سیلف ہیلپ کے، بلکہ اُس اثر کی بھی ایک عمدہ نظیر ہے جو ایک عمدہ کام پر مستحکم اعتقاد رکھنے سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور ہز اکسلینسی لارڈ لٹن نے یہ فرمایا تھا کہ میں اس کامیابی کو ایک ثبوت اُس کام کا سمجھتا ہوں۔ جو اس ملک میں تعلیم کے معاملہ میں پرائیویٹ شخصوں کی اولوالعزمی اور ذاتی رعب و داب کی قوت سے ہو سکتا ہے کیونکہ مجھ کو یقین واثق ہے کہ ہندوستان میں تعلیم کے دقیق اور اہم مسئلہ کے کامل طور پر حل کرنے کی توقع صرف اُسی حالت میں ہو سکتی ہے جب کہ پرائیویٹ شخصوں کی فیاضی اور پرائیویٹ شخصوں کے انتظام سے گورنمنٹ کوششوں کو مدد ملے ؁

اے صاحبو! آپ نے ایڈریس میں بیان کیا ہے کہ سیلف ہیلپ اب تک آپ کی قوم میں زندہ ہے۔ پس اِس سے بڑھ کر اور کوئی عمدہ دلیل اُس کامیابی کی نہیں ہو سکتی ہے جو غالباً آپ کو اپنی کوششوں میں حاصل ہوگی۔ سر ایلفرڈ لائل نے اس کالج کو دیکھ کر یہ کہا کہ یہ کالج جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے سب سے پہلا ہی کالج ہے۔ جس میں وہ اصول شامل ہیں جس کا ذکر آپ کے ایڈریس میں کیا گیا ہے یعنی تعلیم کے معاملہ میں سیلف ہیلپ کا اُصول یعنی وہ سیلف ہیلپ جس کی تقویت گورنمنٹ کی فیاضانہ امانت اور علانیہ امداد سے ہوتی ہے۔ مجھ کو بخوبی یقین ہے کہ یہی وہ اصول ہیں۔ جس کی بنا پر گورنمنٹ ہندوستان کے تمام حصوں میں ملک کے اعلیٰ درجہ کے

تعلیم کو مدد دینا اور اُس کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ ان اضلاع میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علیگڈھ سب سے پہلا کالج ہے جس نے اس باب میں پیش قدمی کی ہے اور بتایا ہے کہ ان اصولوں کا کس طرح پر کامیابی کے ساتھ عملدرآمد ہو سکتا ہے۔ اس نظیر کے قائم کرنے سے اس کالج کے بانیوں نے گورنمنٹ اور رعایا اور علی العموم ہندوستان کی تعلیم کے حق میں ایک عمدہ خدمت کی ہے۔ کیونکہ ہم کو وہ ایک ایسے مسئلہ کے حل کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔ جو اب تک شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں خاطرخواہ طور پر حل ہؤا ہے یعنی سلطنت اور اُس کی رعایا کی تربیت یافتہ قوموں کے باہمی اتفاق کے ذریعہ سے ایک ایسے طریقہ میں تعلیم کے سرانجام دینے کا مسئلہ جو لوگوں کے میلان طبع کے موافق ہو، اور جس سے ضرورتیں تعلیم کے باب میں رفع ہوں، اور تعلیم رعایا کے خیالات کے موافق ہو جاوے۔ جو مقصد کہ ہم سب کو مدنظر ہے، وہ بالکل عیاں اور بغیر کسی شبہ کے ہے یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام فرقہ کے لوگوں کو اُن کی حیثیت اور لیاقت اور ضرورتوں اور جو موقع اُن کی تعلیم و تربیت سے نفع اُٹھانے کے واسطے حاصل ہو اُن کے موافق تعلیم دیجاوے ٭

پھر اے صاحبو! اِس سے زیادہ ثبوت اُس اصول کی عمدگی اور خوبی کا کیا ہو سکتا ہے جو اُن بزرگوں سے نکلا جو ہندوستان کی سلطنت کے فرمانروا، اور تعلیم کے دیوتا، اور رعایا کی بہبودی کے خواہاں ہیں۔ اب بمقابلہ اس کے اُن خواہشوں کی نسبت جو سرکار سے خاص مدد ملنے کے واسطے مسلمانوں نے کیں۔ کیا جواب مِلا۔ اور اُس کی نسبت کیا رائے ظاہر کی گئی ٭

۱۸۸۲ء میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن نے ایک عرضداشت لارڈ رپن کے حضور میں پیش کی اور اُس میں یہ درخواست کی کہ مسلمانوں کے ساتھ خاص رعایت کی جاوے اور نوکری دینے کے وقت صرف یونیورسٹی کی ڈگریوں پر ہی لحاظ نہ ہو، اور جوڈیشل عہدوں کے واسطے بجز اس کے کہ امیدواروں سے یونیورسٹی کلکتہ کے امتحان بیچلر آف آرٹس کے پاس کرنے کی ابتدائی شرط کی تعمیل کرائی جاوے، علحدہ امتحانات مقرر کئے جاویں، اور بی۔ ایل کا نہ ہونا مانع تقرر نہ ہو۔ پھر یہ درخواست بھی اُس میں کی گئی تھی کہ مسلمان لڑکوں کے والدین زیادہ تعلیم دینے کا مقدور نہیں رکھتے ہیں اور تنگدستی ان کی ضروریات اور زندگی کی روزانہ حاجتوں کے مہیا کرنے کے سبب سے اکثر طالب علم ابتدائے عمر میں اپنی تحصیل علم کے چھوڑنے پر مجبور رہتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے کوئی خاص بندوبست کیا جاوے ٭

صاحبو! میں نہیں جانتا کہ گورنمنٹ نے اس کا کیا جواب دیا۔ مگر ایک انگریزی اخبار میں اُس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ہمارے نزدیک جو علاج مسلمانوں نے اپنی عرضی میں بیان کیا ہے نہ وہ واجب ہے، نہ مناسب، نہ قابل عملدرآمد۔ گورنمنٹ نے ایک جداگانہ اور نیک ارادے سے تمام

میں تمام فرقوں اور قوموں کے لوگوں کے واسطے مدرسے قائم کئے ہیں۔ اور گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور نہیں ہے کہ لوگوں کا ایک فرقہ تعلیم کی جانب زیادہ تر التفات کرے اور اس کے ذریعہ سے اپنے تئیں سرکاری نوکری کے واسطے دوسرے فرقہ کی بہ نسبت زیادہ تر لائق بنائیں۔ گورنمنٹ نے ہندوؤں کو کوئی ایسا فائدہ نہیں پہنچایا ہے، جو اس نے مسلمانوں کو نہ پہنچایا ہو۔ اگر سرکاری عہدوں پر بیشتر ہندو مامور ہیں تو اس کی کچھ یہ وجہ نہیں ہے کہ گورنمنٹ نے اُن کی کوئی طرف داری کی ہو، بلکہ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے تئیں مسلمان ہم وطنوں کی نسبت اُن عہدوں کے واسطے زیادہ تر لائق بنایا ہے۔ ایک شائستہ گورنمنٹ کے تحت میں سرکاری نوکری کی قابلیت کی خاص شرط ہمیشہ تعلیم ہونی چاہئے، اور چونکہ یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کی بہ نسبت کوئی اور زیادہ تر عمدہ کفالت اُس تعلیم کی نہیں ہے۔ اس لئے گورنمنٹ اس باب میں صرف اپنا فرض ادا کرتی ہے کہ وہ سرکاری عہدوں پر لوگوں کے مامور کرنے میں اُن شخصوں کو ترجیح دیتی ہے، جنہوں نے یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کی ہو۔ ہم **لارڈ مکالے** کے ساتھ اس یقین میں متفق ہیں کہ ذاتی مادّہ اور جوہر بھی وہ صفتیں ہیں جن کا امتحان یونیورسٹی کے امتحانات کے ذریعہ سے بہ نسبت کسی اور طریقہ امتحان کے جو علی العموم قابل عملدرآمد ہو، زیادہ تر عمدہ طور سے ہو سکتا ہے، جس نوجوان آدمی نے ایک یونیورسٹی کے تمام امتحانات کو ڈگری امتحانات تک کامیابی کے ساتھ پاس کر لیا ہو، اُس کی نسبت واجباً یہ گمان کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ دوسرے شخص کی نسبت جس نے اِس قسم کا امتحان پاس نہ کیا ہو، زیادہ مادّہ اور جوہر رکھتا ہے ٭

صاحبو! غالباً قریب قریب اُسی کے گورنمنٹ نے جواب دیا ہوگا، کیونکہ دوسرے انگریزی اخبار نے ایسی رعایتوں کی خواہش پر نہایت تیج اور واجب یہ رائے دی تھی کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ خاص حقوق کے واسطے ہرگز درخواست نہ کریں، بلکہ اُن کو ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو کر رعایا کے قومی حقوق کی درخواست کرنی چاہیئے۔ سرکاری نوکری کے معاملہ کی نسبت ہم کو نہایت افسوس ہے کہ سرکاری نوکری میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، لیکن اُن کو چاہیئے کہ جو نفرت وہ مغربی علم اور شائستگی سے رکھتے ہیں اُس کو وہ ترک کر دیں، جیسے کہ ہندوؤں نے ترک کر دی ہے۔ اور پھر یہ بات بہت جلد جاتی رہیگی کہ سرکاری نوکری خاص ہندوؤں کی ہی ملکیت معلوم ہو ٭

صاحبو! اسی طرح سندھ کے مسلمان بھی **لارڈ ہیرس** گورنمنٹ بمبئی کے سامنے اپنا رونا روئے تھے، اور ایڈریس میں جو گورنر ممدوح کی خدمت میں پیش کیا تھا اسی قسم کی بھیک مانگی تھی۔ اور مسلمانوں کو نوکری کم ملنا گورنمنٹ کی کم توجہی کا نتیجہ بیان کیا تھا اور اپنی غفلت اور کاہلی کا۔ اُس میں کہا تھا کہ سرکار انگریزی انصاف کے واسطے مشہور ہے اور تمام رعایا کی طرف سے خصوصاً مساوات

کا بڑا ذکھتی ہے۔ اس لئے ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ خاص لحاظ فرماویں تاکہ ہمارے لئے ملازمت کا دروازہ جو ہندوؤں نے بند کر دیا ہے کُھل جاوے۔ پھر مدرسہ کے لئے یہ درخواست کی گئی کہ ہماری قوم بوجہ نہ پڑھنے انگریزی کے ۔ پس ماندہ قوم کے لقب سے بدنام ہے اس ذلت آمیز لقب کے دُور کرنے کے لئے ہم نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے حضور ہماری کمزور کوششوں میں مدد کریں اور اُس درخواست پر جو خاص عطیہ کے واسطے ہم پیش کرنے والے ہیں لحاظ فرماویں ❊

اِس کے جواب میں گورنر صاحب نے فرمایا کہ آپ کی یہ شکایت کہ زبان انگریزی کے اجراء سے مسلمانوں پر سختی ہوتی ہے اور یہ کہ نوجوان ہندو جنہوں نے مشنری اسکولوں میں تعلیم پائی تھی، اُن پر بازی لے گئے ہیں۔ البتہ یہ ایک سختی ہوتی، اگر حکمران قوم کی زبان دنیا میں علی العموم استعمال نہ کی جاتی ہوتی اور سرکاری ملازمت کے امیدواروں پر زبردستی قائم کر دی گئی ہوتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی کا جاننا معنی رکھتا ہے، تجارتی زبان کے جاننے کے۔ اور نیز ایک ایسی زبان کے جاننے کے، جو تمام اقوام میں تبدیل خیالات کے لئے سب سے زیادہ مروّج زبان ہوتی جاتی ہے تو مَیں قبول کرتا ہوں کہ مَیں شکایت کی کوئی وجہ معقول نہیں پاتا۔ زبان انگریزی کے جاننے کی پابندی اس ملک کے تمام اقوام کے امیدواروں کے لئے مشترک ہے اور مَیں نہیں خیال کرتا ہوں۔ کہ اوائل میں چاہے جو کچھ حالت ہو، اب کوئی شکایت اس معاملہ کے متعلق باقی ہے۔ پھر گورنر ممدوح نے اس شکایت پر کہ مقابلہ کا امتحان نہ لیا جاوے اور اس طور پر سرکاری عہدوں کے لئے انتخاب نہ ہوا کرے، یہ فرمایا کہ اُس اصول کے متعلق جس پر گورنمنٹ سرکاری نوکری کے لئے ملازموں کا انتخاب کرتی ہے ❊

یہ واضح ہو کہ اگرچہ گورنمنٹ تمام قوموں کے ساتھ بغیر کسی جانبداری کے سلوک کرنے کی خواہش رکھتی ہے، تاہم اُس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ملازم سب سے زیادہ لائق شخصوں کو مقرر کرے اور اگر ہم ایسے لوگوں کو مامور کریں جو امتحانوں میں کامیاب ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں۔ جو ہم امیدواروں کی لیاقت کے جانچ کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں، تو ہم پر الزام جانبداری کا لگایا جا سکے گا۔ ایسا ہی حال تمام دنیا میں ہے کہ جیسے جیسے تعلیم نے ترقی کی ہے امتحانات کمپیٹیٹو ہوتے ہیں۔ اور گو یہ امتحان اُن لوگوں کو جو سرکاری نوکری کی خواہش رکھتے ہیں بلاشبہ ناگوار ہے، مگر مجھے کوئی اور اُصول نظر نہیں آتا ہے جس پر گورنمنٹ عمل کرے۔ جیسا کہ میں سورت یا اسی پریسیڈنسی کے دیگر مقامات میں کہ آیا ہوں یہ ضرور ہے کہ سرکار حتے الامکان عمدہ سے عمدہ نوکروں کو حاصل کرے اور سرکاری خدمات کی اُسی مناسبت کے حاصل کرنے کا جس کا آپ کو حق ہے، یہی ایک طریق ہے کہ آپ تعلیم کی دل سے سرپرستی کریں۔ اور اپنے نوجوانوں کو اس کی طرف ایسی رغبت دیں کہ آپ کے

حسبِ خواہش نوکریوں کے حاصل کرنے کی وہ قابلیت پیدا کریں۔ اس کے بعد گورنر ممدوح نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ اِن نوجوان آدمیوں کو اگر وہ اعلیٰ درجہ کی نوکریوں کی تمنا کرتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنی ضرور ہوگی۔ مسلمان طالب علموں کی تعداد فی الحال عجیب ہے، ان طالب علموں کا کُل تعداد جن میں سے جو مدارس میں بشمول مدارس مساجد و مدارس لوکل بورڈ تعلیم پاتے ہیں۔ ابتدائی طالب علموں کی تعداد ۹۵ فیصدی ہے۔ سکنڈری درجوں میں پڑھنے والوں کی تعداد صرف ۹ فیصدی ہے اور جو کالج میں تعلیم پاتے ہیں، اُن کی تعداد صرف ایک فیصدی ہے ٭

پھر گورنر ممدوح نے اپنی مجبوری کا اظہار اور اس اعانت کا بیان کیا جو گورنمنٹ بمبئی نے مسلمانوں کے ساتھ کی ہے اور اُسے ان لفظوں میں فرمایا کہ:۔

اے صاحبو! آپ کی قوم کے ساتھ منصفانہ سلوک کرنے کی ہر خواہش کے ساتھ ہی یہ خیال کرتا ہوں کہ آپ خود غور فرمادینگے کہ جب تک اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی طرف بہ نسبت حال کے زیادہ نہیں توجہ کی جاتی ہے، بہت مشکل ہے کہ آپ کے نوجوان اونچی نوکریوں پر پہنچ سکیں۔ اُن کو بہ نسبت حال کے کہیں زیادہ تعلیم پانا چاہیئے۔ آپکو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تک گورنمنٹ کی اسکالرشپوں سے تعلق ہے مسلمانوں کے لڑکوں کو بارہ سال کی عمر تک اسکالرشپ حاصل کرنے کی اجازت ہے جب کہ ہندؤں کے لڑکوں کو صرف دس سال کی عمر تک مِل سکتی ہے، اس لئے آپ کو اپنے لڑکوں کو ہندؤں کے لڑکوں پر دو سال کا فائدہ حاصل ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اُسے بہت ذرا سی فیصدی جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے بڑھانے کی کوشش کرینگے۔ گو ہم کو پریذیڈنسی کے تمام حصّوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا فرض ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ بحیثیت مجموعی پریذیڈنسی کے دوسرے حصّوں کی نسبت سندھ کے ساتھ زیادہ رعایت کی گئی ہے ٭

صاحبو! اِس سے آپ کو گورنمنٹ کی رائے اور گورنر صاحب کا جواب، مسلمانوں کی ایسی درخواستوں پر معلوم ہوگیا، اب بطور نمونہ کے میں پریس کی رائے بیان کرتا ہوں کہ اُنہوں نے ایسی خواہشوں کی نسبت کیا رائے ظاہر کی ٭

صاحبو! بمبئی گزٹ نے بنگالے اور سندھ کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اور اُن کی اِس قسم کی درخواستوں پر نہایت افسوس کیا اور اُن کی خواہشوں کی تحقیر کر کے یہ لکھا کہ سندھ کے مسلمانوں کی تعلیم کی کوششیں ویسی ہی پورے طور سے ضعیف ہیں اور نتائج اُس کے ویسے ہی حقیر ہیں جیسے کہ بنگالے میں . . . . . . کمپٹیشن کے نقصانات پر مسلمانوں نے اپنے اڈریس میں جو شکایت کی ہے وہ کچھ کم بدنصیبی کی بات نہیں ہے۔ یہ بہت زیادہ سخت لفظ ہوگا اگر ہم ان شکایتوں کو پُر از حماقت کہیں ٭

کراچی کے عرضی گزاروں نے اپنے اڈریس کے اُس حصہ کے خاتمہ پر لارڈ ہیرلیس کو یہ یاد دلائی ہے کہ انگریزی حکومت کا انصاف قوموں و ذاتوں و مذاہب میں کسی حسد انگیز تمیزوں کو روا نہیں رکھتا ہے۔ ہم کو تعجب ہوتا ہے کہ آیا لکھنے والوں کو اُن الفاظ کے معنی نہیں معلوم تھے جو وہ دیکھ رہے تھے ❊

اِس قسم کے اڈریسوں کا سارا منشا و مدعا سرکار کو اس بات پر راغب کرنے کا ہوتا ہے کہ یہ ایسی حسد انگیز تمیز قائم کرے، جس کو وہ اپنے اڈریس میں ناپسند کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس ملک کی گورنمنٹ نے ایسے فرق اور اس قسم کی قومی تمیز کو روا رکھا ہے۔ مثلاً لارڈ ہیرلیس کراچی کے مسلمانوں کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ جہاں تک۔ سرکاری اسکالرشپوں سے تعلق ہے مسلمانوں کے لڑکوں کو بارہ سال کی عمر تک اُن کے حاصل کرنے کی اجازت ہے، جب کہ ہندوؤں کے لڑکوں کو صرف دس سال تک ملتی ہے، اسی طرح اور بھی تمیزیں ہیں، مگر اُن سے مسلمانوں کے ہی لئے آسانی ہوتی ہے۔ اگر کہیں حسد انگیز تمیز موجود ہے تو اُس کی نسبت مسلمانوں کو سب سے آخر میں اعتراض کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ تمیز انہیں کے حق میں اس سچے عقیدہ سے روا رکھی گئی ہے کہ اُن کے ساتھ رعایت واجبی ہے لیکن اب اور زیادہ رعایتوں کے لئے زمانہ نہیں رہا ہے ❊

اے میرے بزرگو! یہ جو کچھ میں نے عرض کیا نہایت کم ہے اور صرف بطور نمونہ کے بیان کیا ہے، اگر میں اس کی تفصیل کروں تو غالباً کانفرنس کے سب دن اسی کے بیان کرنے میں گزر جاویں۔ اب آپ اپنی حالت کا بنگالے اور سندھ سے مقابلہ کیجئے، اور جو جواب اُن کو دیئے گئے اور جو کچھ آپ کی کارروائی کی نسبت کہا گیا، دونوں کو ملائیے۔ کیا آپ کا دِل اتنی کارروائیوں کو دیکھ کر فخر اور خوشی سے نہ پھولیگا۔ اور کیا آپ اپنے کام کی نسبت عمدہ خیالات ظاہر ہونے اور عمدہ جوابات کے پانے اور عمدہ نتائج کے دیکھنے سے نازاں نہ ہونگے ❊

اے صاحبو! اگر قومی عزت کوئی چیز ہے، اور اگر فرمانروایان ہند اور گورنروں کا تعریف کرنا اور مبارکباد دینا کوئی خوشی اور فخر کی بات ہے، اور اگر عمدہ کاموں کی کامیابی محنت اور خرچ اور تکلیف کا کافی صلہ ہے، اور اگر اُن اصول کا جو آپ نے اختیار کئے اُن سے مطابق ہونا ثابت ہو، جس پر انگلستان کی یونیورسٹیاں اور کالج قائم ہیں۔ تو میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر آج تک کوئی بات مسلمانوں کے فخر اور خوشی کی ابتدا عملداری سرکاری سے اب تک ہوئی ہے اور کبھی کوئی موقع ہماری قوم کا اپنی کارروائی پر نازاں ہونے کا ملا ہے ❊

صاحبو! اب میں دوسرا اصول بیان کرتا ہوں۔ جو اِس کالج کے قائم کرنے میں مد نظر رکھا گیا ہے، وہ کیا ہے۔ مذہبی تعلیم۔ بقول سر جان اسٹریچی کے۔ ہمارے اس کالج میں ایک

زبردست مذہبی عنصر موجود ہے۔ اور ہمارے موجودہ حالات اور علم اور خیالات کے لحاظ سے نہایت ضروری اور معقول ہے۔ اور یہ اس کالج کی خاص صفتوں میں سے ایک بڑی صفت ہے۔ اس مذہبی تعلیم کو انگریزی تعلیم کے ملانے سے نہ صرف اپنے مذہب کی حفاظت، اور نہ فقط انگریزی پڑھنے والوں کے دلوں میں مذہبی اعتقادات کے قائم رہنے کا، اور اُن کو مذہب اسلام پر ثابت قدم رکھنے کا بندوبست کیا ہے، بلکہ جیسا کہ سر جان اسٹریچی صاحب نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس قاعدے کے مقرر کرنے سے گویا اپنے اعتقادات کا اعلان کر دیا، کہ اب بھی یہ بات ایسی ہی سچ ہے جیسی کہ اُس زمانہ میں تھی جب کہ مسلمانوں کو دہلی، قرطبہ، یا غرناطہ، میں عروج تھا کہ مذہب اسلام جس نے دنیا پر ایک بڑا اثر کیا ہے زمانہ حال میں بھی جب کہ اُس کی تعمیر صحیح صحیح طور پر کرنی باقی ہے۔ انسان کی ترقی اور روشن ضمیری کا دوست ہے، اور ایک عمدہ مسلمان جو اُسی کے ساتھ ایک اعلےٰ درجہ کا تعلیم یافتہ شخص ہو۔ گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہ رعیت ہونے میں خطا نہیں کر سکتا۔

صاحبو! ذرا آنکھ کھول کر ہندوستان کے چہار طرف دیکھئے۔ اور جو مسلمان دوسرے کالجوں میں پڑھتے ہیں، اُن کی مذہبی حالت کو یہاں کے طالب علموں سے مقابلہ کیجئے۔ اگر بدنصیبی سے پادریوں کے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں، تو وہاں وہ تمام رسمیں ادا کرنی پڑتی ہیں، جن کو کوئی مسلمان حقیقت میں گوارا نہیں کر سکتا۔ اور اگر سرکاری مدرسوں میں پڑھتے ہیں، تو وہاں نہ مذہبی تعلیم کا کچھ انتظام ہے، نہ مذہبی فرائض کے ادا کرنے کا بندوبست، اور نہ اُس کی فرصت، اور نہ غالباً اجازت۔ کیا کوئی لڑکا اسکول میں قرآن شریف پڑھ سکتا ہے۔ کسی مذہبی کتاب کو کھول سکتا ہے۔ کیا جانماز بچھا سکتا ہے۔ یا اذان سُن کر مسجد میں جا سکتا ہے۔ اب بمقابلہ اُن کے ذرا یہاں کی حالت دیکھئے کہ صبح کو کالج کلاس کے کمرے قرآن مجید کی تلاوت سے گونج رہے ہیں۔ پانچ وقت اللہ اکبر کی آواز سے کالج دہل جاتا ہے۔ مسجد ہمیشہ طالب علموں سے آباد رہتی ہے۔ موذن، خطیب، اور واعظ سب سامان موجود ہے، جسے دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ کالج مصر یا روم کی زمین پر بنا ہے اور خدیو یا سلطان اُس کے حامی اور سرپرست ہیں۔ آپ جمعہ کے روز مسجد میں تشریف لائیے اور مولوی عبد اللہ صاحب کا وعظ فرمانا اور لڑکوں کا اُس میں حاضر رہنا بچشم خود دیکھئے، تاکہ آپ کو تعجب ہو کہ انگریزی پڑھنے کے ساتھ اس قسم کی اخلاقی تعلیم اور اس طرح کا وعظ کیونکر ملایا گیا۔ اور مغربی علوم کے ساتھ مشرقی تہذیب کا کیونکر پیوند لگ سکا۔

میں نے جناب مولوی عبد اللہ صاحب ناظم امور دینیہ سے مذہبی تعلیم و تلقین کی نسبت دریافت کیا تھا کہ موجودہ حالت اُس کی کیا ہے اور عملاً کیا ہوتا ہے اُنہوں نے میرے جواب میں جو کچھ لکھا ہے وہ میں آپ کو سناتا ہوں:۔

جن اوقات میں کہ حاضری حضر صاحب لیتے ہیں اُن نمازوں کی جماعت میں اکثر طلبا حاضر ہوتے ہیں ٭

تخمیناً قریب بیس طلبا کے ایسے ہیں جو جماعتِ صلوٰۃ خمسہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ دو جماعتوں کو ترجمہ قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، جو کالج کے طلبا ہیں اُن کو ربطِ آیات تفسیر حقانی سے اور تحقیقات بیضاوی شریف سے اور نکات برکت نقش بروری اساتذہ کاملین مکملین سے بتائے جاتے ہیں، اور چھوٹے طلبہ کی جماعت کو صرف خالی ترجمہ ہی تلقین کیا جاتا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح و جلالین شریف و مشارق الانوار و ترجمہ کلام اللہ شریف کے اسباق ہوتے ہیں۔ چار پانچ طلبہ کو فضائل تہجد سنکر نماز تہجد کا بفضلہ تعالےٰ شوق ہوگیا ہے۔ بعض طلبہ نے نماز قضا کی وعید سُن کر قضاء عمری کا التزام کیا چند طلبہ فضائل صلوٰۃ الاوابین و صلوٰۃ التسبیح سے مستفید ہو کر صلوٰۃ الاوابین و صلوٰۃ التسبیح کے حریص ہوگئے ٭

طلبہ نے جو احقر کو چند اعمال سے وظیفہ پڑھتے دیکھا اور اُس کی شستہ نشستی بعض نے اس کو سیکھا جب کہ طلبہ کو یہ معلوم ہوا کہ احقر کو دلائل الخیرات و حزب الاعظم کی شیخ الدلائل کی سے سند حاصل ہے ایک طالب علم کالج کے بغرض تحصیل سند سنا رہے ہیں اور حزب الاعظم اور حزب البحر کی بھی انشاء اللہ سند حاصل کرینگے۔ الحمد للہ فی زمانہ پانچوں وقت کی نماز اول وقت ہوتی ہے۔ اس سے آپ اُن فائدوں کا اندازہ کر سکتے ہیں جو بلحاظ مذہبی تعلیم اور مذہبی تربیت کے مسلمان طالب علم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ اس وقت کسی اور جگہ ایسی نظیر نہ ملیگی، کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں کسی دوسری جگہ انگریزی کی اعلےٰ تعلیم کے ساتھ اس قسم کے مذہبی اُمور کا ملانا کوئی چاہے تو اگر ناممکن نہیں تو بھی نہایت مشکل ہوگا یہ اسی کالج کی خصوصیات سے ہے اور یہ عزت اِس مدرسہ کے قایم کرنے والوں کی قسمت میں لکھی تھی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ٭

تیسرا اصول جو اُن دو اصولوں سے جن کا میں ذکر کر چکا کچھ کم نہیں ہے وہ اعلےٰ تربیت ہے جس کے لئے یہ کالج مشہور ہے اور جس کی نظیر ہندوستان کے کسی مقام پر مِل نہیں سکتی ٭

صاحبو! ذرا بورڈنگ ہوس کی طرف تشریف لیجائیے، اور طالب علموں کے رہنے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملنے جلنے کو ملاحظہ کیجئے وہاں آپ گویا ایک نئی خلقت دیکھینگے جن کی دنیا ہی دوسری ہے اپنی چھوٹی سی دنیا میں باہم اس طرح رہتے ہیں، جیسے ایک خاندان میں چند رشتہ دار۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ ہمدردی ہے اور ایک کو دوسرے کا خیال، ان کا برتاؤ آپس میں برادرانہ ہے اور ان کا طرز مخلصانہ۔ باوجود اختلاف عقاید و خیالات کے باہم متفق ہیں۔ اور بکمال آزادی کے اپنے اپنے فرائض مذہبی سب ایک دوسرے کے شریک وہ مذہبی اختلافات جو تعصب اور جہالت کے سبب سے

دوستوں کو دشمن اور یگانوں کو بیگانہ کر دیتے ہیں اور جن سے آئے دن جھگڑے قضیے پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور جن سے ملک کے امن و امان میں خلل آجاتا ہے، اور جن سے گورنمنٹ کو سخت کارروائی کرنی پڑتی ہے، یہاں اُس کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا، نہ اس وجہ سے کہ لامذہبی نے اُن خیالات کو دل سے نکال دیا ہو یا وہ مذہبی اعتقادات باقی نہ رہے ہوں، بلکہ صرف عمدہ تعلیم اور عمدہ تربیت نے اُن کے دلوں کو ایسا روشن کر دیا ہے، اور تہذیب اور اخلاق نے تعصّب اور جہالت کو اُن کے دل سے ایسا نکال دیا ہے، کہ وہ اگرچہ اپنے عقاید پر ثابت قدم ہیں، مگر اپنے اپنے مذہبی فرائض اپنے اپنے طور پر ادا کرتے ہیں۔ سُنّی، شیعوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ مقلّد اور غیر مقلّد ایک جگہ نماز پڑھتے ہیں۔ ایک ہی صف میں مقتدی اپنے اپنے خیال کے موافق خاموشی یا بآواز آمین کہتے ہیں۔ یہ اتفاق باوجود عقاید کے اختلاف کے دیکھنے والے کو نہایت متحیّر کرتا ہے، اور وہ غیر ممکن چیز پر یہاں کے طالب علموں کو عمل کرتا ہوا پاتا ہے ❊

ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اِس اتفاق کو دیکھ کر حیرت کی اور کہنے لگے کہ "کالج کے گرو بھرنے میں شیعہ اور سُنّیوں کی نماز پڑھنے کی جگہ کو پاس پاس دیکھنے سے میں نہایت متحیر ہوا، ہندوستان کی تواریخ میں، اوّل ہی مرتبہ حیدر آباد دکن سے شیعہ مسلمان اور دہلی اور بنگالہ کے دراز مقامات سے سُنّی مسلمان تعلیم کے عام مقصد کے واسطے آتے ہیں، ایک جگہ رہتے ہیں، ایک جگہ پڑھتے ہیں، ایک جگہ کھیلتے ہیں اور ایک دوسرے سے کسی قدر فاصلہ پر چُپ چاپ اپنی نماز پڑھتے ہیں" ❊

صاحبو! حقیقت میں اس طور پر مسلمان لڑکوں کا رہنا کہ وہ اپنے مذہبی اعتقادات سے باخبر ہوں اور مغربی تعلیم کے زیر اثر۔ اُن کی اخلاقی تعلیم کے نگراں، مسلمان عالم اور مسلمان واعظ ہوں اور اُن کی علمی تعلیم اور معاشرت کے خبر گیراں یورپین پرنسپل اور یورپین ماسٹر، گویا دین اور دنیا دونوں نعمتوں کا اُن کے لئے مہیّا کرنا ہے ❊

صاحبو! ہمارے کالج کی عمدہ تربیت کا صرف یہ ہی ایک فائدہ نہیں ہے کہ اختلاف عقاید کے زہریلے اثر جاتے رہے ہیں اور باوجود مذہبی خیالات میں ثابت قدم رہنے کے طالب علموں میں دوستی اور محبّت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ بلکہ تربیت کے لئے جو ضروری انتظامات چاہیں وہ سب اُن کے مہیّا کئے گئے ہیں۔ اُن کے رہنے کا طریقہ اُن کی جسمانی ورزش کے قاعدے اور دماغی قوت کے ساتھ جسمانی صحت کے قائم رہنے کا بندوبست، اور باوجود پڑھنے کی سخت محنت کے اُن کی طبیعت کے افسردہ نہ ہو جانے اور اُن کی زندہ دلی قائم رکھنے کے لئے جو تدبیریں کی گئی ہیں اُن کو جن عمدہ لفظوں میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بیان کیا ہے، مَیں بیان نہیں کر سکتا اور نہ جیسی قدر اُن کی رائے

کی ہو سکتی ہے میں اپنی رائے کی نسبت اُس کا خیال کر سکتا ہوں۔ اُن کی رائے ایسے معاملات میں گویا ایک سند ہے، جس میں کوئی شک نہیں کر سکتا، اور اُن کا کہنا تعلیم و تربیت کے معاملہ میں ایک ایسا قول ہے، جس کی نسبت نہ گورنمنٹ نہ پبلک کو کسی قسم کا شبہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہاں کی تربیت کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ ”اس کالج کے بانیوں کی طبیعت کی فیاضی صرف اُس کے قاعدوں اور اُس کی تعلیم میں ہی نہیں پائی جاتی ہے، بلکہ اس مقام کے تمام انتظام سے پائی جاتی ہے۔ ہر ایک لڑکے کے پاس چند کمرے ہوتے ہیں جن میں ایک برآمدہ اور ایک پڑھنے کا کمرا اور ایک سونے کا کمرا اور ایک غسل خانہ ہوتا ہے پس اس طرح پر اُس کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ جب اپنے مکان سے باہر ہو تو وہ اپنے ہمجنسوں کے ساتھ بات چیت کر سکتا ہے اور یہ فائدہ کچھ کم نہیں ہے کہ وہ اپنے پرائیویٹ اوقات میں اطمینان اور تنہائی میں مطالعہ کر سکتا ہے۔ لڑکوں کے اسکول لئیف اور کمیل انگلش پبلک اسکولوں کے عمدہ نمونوں پر قائم کئے گئے ہیں، اور وہ نوجوان آدمیوں کا ایک ایسا فرقہ پیدا کرتے ہیں۔ جو میں یقین کرتا ہوں کہ بہت سی باتوں میں اپنے تئیں اُن اصلی مدرسوں کے جن کے نمونوں کی پیروی کی گئی ہے ناقابل ثابت نہ کرینگے“، یہ جو کچھ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے کہا وہ ایک امید تھی جو یہاں کے انتظامات نے اُن کے دل میں پیدا کی تھی، اُس کے دس برس کے بعد جب سر آکلینڈ کالون صاحب نے اس کالج کے نتائج کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی وہ اس وقت میں آپ کو سناتا ہوں۔ تاکہ آپ خود میری بات کا اندازہ کر سکیں، کہ وہ امید کہاں تک پوری ہوئی۔ اور یہاں کے تعلیم و تربیت یافتہ طالب علموں نے گورنمنٹ کے دل پر کیا اثر پیدا کیا۔ سر آکلینڈ کالون صاحب نے اسی مقام پر ایک دفعہ یہ فرمایا کہ مجھ کو بار بار یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ علیگڈھ کا باشندہ ہونا، انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں کے درمیان عزت اور اعتبار کا ذریعہ ہے وہ اپنے ساتھ وہاں کی تعلیم و تربیت کی مُہر اور اُس شخص کی عقل و دماغ کا نقش بن جاتے ہیں۔ جس کی نگرانی میں اُن کی تعلیم و تربیت کی تکمیل ہوئی ہے۔ پھر دوسری دفعہ جناب ممدوح نے یہ کہا کہ جو شخص ان نوجوان آدمیوں سے واقف ہے، جو اس کالج سے پاس ہو کر نکلے ہیں وہ غالباً اس امر میں مجھ سے اتفاق کرینگے کہ وہ اپنی تعلیم و تربیت کی علامتیں ایسے ہی صاف صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے کہ انگلستان میں ہمارے پبلک اسکولوں اور ہماری یونیورسٹی کے گریجویٹ ظاہر کرتے ہیں۔ علیگڈھ کالج کا ایک طالب علم فیاضانہ خیالات اور ترقی یافتہ تعلیم و تربیت اور آزادانہ خصلت رکھنے والا شخص خیال کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر وہ ہندوستانیوں کے اُس فرقہ کا ایک نمونہ ہو گیا ہے۔ جو انگریزوں کی خواہش کی بخوبی داد دینے کے واسطے کوشش کرتا ہے لیکن وہ بھی یہ توقع رکھتا ہے کہ ہم اُن کی خواہشوں کی اسی طرح پر داد دیں ؂

پھر اے صاحبو! یہ بات بھی خیال کرنے کے لائق ہے کہ باوجودیکہ یہاں کی تعلیم انگلستان کے

مدارس کی تعلیم کے موافق ہے اور یہاں تربیت بھی اُنہیں اصول پر ہوتی ہے باوجودیکہ اس کے خرچ میں بہت تخفیف ہے۔ اسے سُن کر آپ تعجب کرینگے اور غالباً میرے اس کہنے کو مبالغہ سمجھینگے۔ اور ایسا سمجھنا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم تعلیم پر خرچ کرنے کے عادی نہیں ہیں اور نہ صرف پانچ روپیہ مہینے سے زیادہ اپنے بچوں کی تعلیم پر صرف کرنے کے عادی ہیں اس لئے ہمارے نزدیک بلا شبہ بیس پچیس روپیہ مہینے کا خرچ ایسے کام میں بجا فضولی اور اسراف میں داخل ہے، مگر اے میرے بھائیو! اگر آپ عمدہ چیز کے طالب ہیں تو پوری قیمت دینے کے لئے آمادہ رہیئے۔ قیمتی چیز بغیر پوری قیمت ادا کرنے کے نہیں ملسکتی اور اگر کسی سبب سے سستی مل جاوے تو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھنا چاہیئے۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب یہاں کے اخراجات کا ولایت کے مصارف سے مقابلہ کرنے وقت بکمال حیرت یہ کہتے ہیں "یہ عمدہ تعلیم اور درحقیقت عمدہ طریقے زندگی کے ایک خرچ پر سکھائے جاتے ہیں جو ہمارے انگلش پبلک اسکولوں کے اخراجات کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ جو خرچ بورڈ اور لاجنگ کی نسبت ادا کرنا پڑتا ہے۔ اُس کی مقدار ایک سو پچیس روپیہ سالانہ سے لیکر دوسو اٹھائیس روپیہ تک اور کل اخراجات بورڈ اور لاجنگ اور تعلیم اور میڈیکل فیس اور کرکٹ کلب کی بابت ایک سو نوے روپیہ سالانہ سے لیکر تین سو آٹھ روپیہ تک یعنی ۱۶ سولہ پونڈ سے لیکر ۲۵ پچیس پونڈ سالانہ تک ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک ثبوت اس بات کا ہے کہ ہندوستانی منتظم ایک بڑے پبلک اسکول کا بکفایت بندوبست کرنے میں کیا کر سکتے ہیں، علیگڈھ کالج کو ایک انگریزی پرنسپل اور کم سے کم ایک انگریزی پروفیسر ولایت سے طلب کرنا اور اُن کو یورپین لیبر کی اُس بڑی شرح پر تنخواہ دینی پڑتی ہے۔ جو اس ملک میں جاری ہے۔ تاہم وہ ایک انگریزی تعلیم اور اسکول لئیف کے طریقے کو انگلش پبلک اسکولوں کے نمونہ پر اُس خرچ کے قریب ایک دسویں حصّے پر سکھاتا ہے جو ایک انگلش اسکول میں دینے کے لئے درحقیقت ایک انگریزی لڑکے کو ادا کرنا پڑتا ہے"۔

پس اے صاحبو! یہ وہ اصول ہیں جن پر آپ کا مدرسۃ العلوم قایم کیا گیا ہے اور جس کی خوبی اور عمدگی کی یہ تعریفیں ہوتی ہیں اور جس کی کامیابی پر ہز اکسلینسی لارڈ لٹن نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ کل شاہنشاہی کو مبارکباد دی ہے اور اسے تمام ہندوستان کی تعلیم و تربیت کے لئے عمدہ نمونہ خیال کیا ہے، جیسا کہ اُن کے اُن الفاظ سے ظاہر ہے، جو اُنھوں نے اس کالج کی بنا رکھتے وقت اپنی زبان مبارک سے فرمائے تھے کہ جب میں اُن مشکلات کے تسلیم کرنے میں جو آپ نے جھیلیں اور ایسی اعلےٰ کامیابی سے اُن پر غالب آئے، نہایت سرگرمی سے آپ کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں، اور جب کہ میں ویسی اُس کامیابی پر جس سے آپ اُن مشکلات پر غالب

ہوئے، دل سے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ آپ کی کامیابی اور جگہ بھی اس قسم کے ارادوں کی تحریک کا، نہ صرف عقلی تربیت کی اشاعت کے لئے بلکہ اُس چیز کے لئے جو اس سے بھی زیادہ اہم یعنی اخلاقی تربیت کی قدردانی کے لئے ذریعہ ہوگی۔ کیا بعد غور کرنے ان تمام باتوں کے اور بعد اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے آپ میرے ساتھ اس بات میں متفق نہ ہونگے، کہ مدرسۃ العلوم اعلےٰ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا مسلم ذریعہ اور دیگر مسلمانی کالجوں کے لئے عمدہ نمونہ ہے ✤

اب مجھے صرف پانچویں امر پر بحث کرنا باقی ہے کہ آیا مدرسۃ العلوم کی تکمیل پر قوم کو متوجہ ہونا اور متفقہ کوششوں سے انتظام کرنا قومی مقاصد کے لئے لازم ہے یا نہیں ✤

صاحبو! میں نہیں سمجھتا کہ بعد ان تمام حالات پر غور کرنے اور اس کالج کے عمدہ نتائج ملاحظہ کرنے کے کوئی شخص جس کو ذرا بھی قومی ترقی کا خیال ہو، اُس کی تکمیل اپنے اوپر فرض اور واجب نہ سمجھے گا اور ترقی کے ایسے ذریعہ کو جس میں اپنی کامیابی کا ایسا کھلا اور صاف ثبوت دیا ہو ناقص اور ناتمام چھوڑ کر مسلمانوں کو اعلےٰ تعلیم و تربیت سے محروم کرنا چاہیگا ✤

صاحبو! اب ہماری قوم کے لئے وقت بہت کم باقی ہے اور قسمت کے فیصلے میں کچھ دیر نہیں ہے اور اُس کا فیصلہ بھی آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ نے اپنی تنزل اور خوفناک حالت پر خیال نہ کیا اور اُس کا علاج اعلےٰ تعلیم دلانے سے نہ فرمایا۔ اور ایک گروہ کثیر ناقص تعلیم یافتوں کے تیار کرنے پر کفایت کی اور ناقص تعلیم کے ذریعے مہیا کرنے سے آپ نے اپنے آپ کو قومی فرض سے سبکدوش سمجھ لیا۔ یا اُس سے اپنی قوم کی ترقی اور عزت کی امید کی تو آپ بڑا دھوکا کھاوینگے۔ اور زمانہ بہت جلد آپ کو آپ کی غلطی پر مطلع کردیگا۔ اور نہ صرف وہ لوگ جو ذلیل، اور مفلس، اور جاہل ہیں بلکہ وہ لوگ جو کہ اس وقت تک خدا کی مہربانی سے صاحب عزت، اور صاحب دولت ہیں۔ اور جن کی گورنمنٹ اب تک عزت کرتی ہے، یا وہ لوگ جو اپنے خاندان کی بزرگی، اور اپنے باپ دادا کی علم و فضیلت، کی بدولت ابھی تک قوم کی نظر میں کچھ عزت رکھتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو اب تک سرکاری ملازمت میں اعلےٰ درجہ کے عہدوں پر مامور ہیں۔ ان سب کی اولاد کا بغیر اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے ایک ہی نتیجہ ہونے والا ہے، اور سب کے سب اُسی تاریک اور گہرے غار میں ذلت اور گمنامی کے ساتھ گرنے والے ہیں، جس میں اب تک سینکڑوں خاندان اور ہزاروں مسلمان گر گئے اور جن کا کچھ نشان اور پتہ تک باقی نہیں رہا۔ جو وقعت اور رسوخ اب تک دولتمند اور معزز مسلمانوں کو کچھ باقی ہے اور جو تھوڑے تعلق انتظامات ملکی میں اُن کو حاصل ہیں اور وہ ذرا سا اعتبار جو گورنمنٹ کو ملکی معاملات میں صلاح اور مشورہ دینے سے موجود ہے باقی نہ رہیگا، اس لئے کہ اُن کو زمانہ حال کے مطابق خود اپنے فوائد سمجھنے کی قابلیت نہ رہیگی اور نہ اپنے فوائد کو وہ اُن دلائل اور ان [illegible]

سے ثابت کر سکینگے جن کی اس زمانہ میں ضرورت ہے اور درحقیقت جس طرح کہ اب تک بہت سے معزز خاندانوں کی دولت لوگوں نے چھین لی ہے اسی طرح اُن کی رہی سہی عزت بھی وہ لوگ لے لینگے جو تعلیم میں اعلےٰ درجہ کی لیاقت اور گورنمنٹ پر اپنے مقاصد کے اظہار پر قادر ہی نہیں ہیں بلکہ جو گورنمنٹ کو قائل اور مجبور کر کے حاصل کرتے ہیں ۔

جن مسلمانوں کے کان بہرے نہ ہوں، اور جن کی آنکھیں اندھی نہ ہوں، اور جن کے دماغ سے سمجھنے کی قوت جاتی نہ رہی ہو، وہ ان باتوں کو سنیں جو اُن کی قوم کی غفلت اور نااہلیت کی نسبت ہو رہی ہیں۔ اور اُن چیزوں کو دیکھیں جو اُن کی ہمسایہ قومیں کر رہی ہیں اور اُن نتیجوں کو سمجھیں جو آیندہ پیدا ہونے والے ہیں۔ ابھی تک دنیا کی مہذب قومیں اور ہمارے ملک کے حاکم ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، وہ ہمارے روزافزوں تنزل پر متاسف ہیں یا برٹش گورنمنٹ ہماری دستگیری ہی کرنے کے لئے طیار نہیں ہے بلکہ انتظام مملکت میں بھی ہم سے مشورہ اور صلاح لینے کے لئے اور اُس میں شریک کرنے کے لئے بڑی خواہشمند ہے، اور مثل ایک ناصح مشفق اور خیراندیش مربی کے ہم کو اعلےٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کی طرح طرح سے رغبت اور شوق دلاتی ہے اور نہ صرف زبانی بلکہ روپیہ سے بھی ہماری مدد کر رہی ہے، مگر ہماری غفلت اُس کو بھی مایوس کرتی جاتی ہے ۔

صاحبو! دوسری قومیں جہاں تک پہنچ گئیں، اور جو ترقی تعلیم میں اُنہوں نے حاصل کی اُس کا اندازہ اور غیر متناسب بیشی سے نہیں ہو سکتا جو ہمارے ہموطن ہندوستانیوں نے کی ہے اور جس کو میرے عزیز دوست سید محمود صاحب نے ابھی اپنے لکچر میں بیان کیا ہے اور نہ صرف اُس نقشہ سے معلوم ہو سکتا ہے جس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں دوسری قوموں کا بہت اوپر چڑھ جانا آنکھوں سے نظر آرہا ہے، بلکہ اُن کارروائیوں کے دیکھنے سے ہو سکتا ہے جو اس وقت ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر قسمت اور ہر ضلع اور ہر شہر بلکہ ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں دوسری قومیں اپنی ترقی حاصل کرنے کے لئے کر رہی ہیں۔ ذرا آنکھ کھول کر ایک نیشنل کانگرس کی کارروائی کو دیکھئے اور اُس کے نتیجوں پر خیال فرمائیے۔ کیا وہ جوش جو ہمارے دوسرے ہموطن دکھلا رہے ہیں اور جس استقلال اور گرمجوشی سے وہ کام کر رہے ہیں، اور جو اخلاص اور اتحاد باہم اُن کے ہے اور وہ ہمدردی جو قلم سے زبان سے مال سے جان سے وہ ظاہر کر رہے ہیں، اِس قابل ہیں کہ آپ اُسے عبرت کی نظر سے نہ دیکھیں اور آپ کی حمیت اور غیرت کا خون جوش نہ کرے اور اپنی قوم کے لئے اُن کے مقابلے میں کچھ نہ کریں ۔

بھائیو! یہ نتیجہ کس چیز کا ہے صرف اعلےٰ تعلیم کا۔ وہ تعلیم کی بدولت اِس لائق ہو گئے ہیں کہ اپنی

اغراض پبلک کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ وہ اپنا استحقاق گورنمنٹ پر ثابت کر سکتے ہیں، وہ اُس چیز کے پانے کی لیاقت رکھنے کے مدعی ہیں، جس چیز کو وہ مانگتے ہیں۔ اور باوجود اس بات کے کہ اُن کی کوششیں کچھ ناجائز ہیں، اور کچھ ناواجب، اور کچھ پیش از وقت، اور باوجود اس بات کے کہ اُن کی کارروائیاں حیرت انگیز ہیں، اور باوجود اس بات کے کہ بہت زبردست مزاحمت اُن کے سامنے ہے، مگر صرف تعلیم میں اعلےٰ لیاقت پیدا کرنے، اور انگریزی میں پوری مہارت رکھنے اور فصاحت و بلاغت سے تقریر کرنے، اور اپنی پرجوش تقریروں اور زبردست تحریروں سے اپنے مطلب کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور ایک حیرت انگیز رسوخ اور وقعت انگلستان کے پبلک کے دلوں میں پیدا کر رہے ہیں، اور بتدریج پارلیمنٹ کے ممبروں کی توجہ اور ہمدردی حاصل کر رہے ہیں۔ کیا پارلیمنٹ میں سیمل ٹیمپل اگزیمینیشن والا ایکٹ اور ہندو دونوں جگہ ایک وقت مقابلے کے امتحان حاصل کرنا، اور کیا گورنر جنرل کی کونسل میں انتخاب کا قاعدہ جاری ہونا ایسے بڑے واقعے نہیں ہیں، جن کو غیرت کی نظر سے مسلمان دیکھیں اور جس پر اپنی آیندہ افسوسناک حالت پر توجہ نہ کریں، کیا بغیر اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے آپ وہ درجہ حاصل کر سکتے ہیں، جو ان لوگوں نے حاصل کر لیا ہے اور کیا صرف اسکول کی تعلیم بلکہ کالج کی معمولی تعلیم آپ کو ان کی برابر کر سکتی ہے۔ آپ ذرا انصاف کیجیے کہ کتنے آدمی آپ کی قوم میں ایسے ہیں، جن کو آپ لال موہن گھوش اور با بو سریندر ناتھ بنرجی اور آنریبل دادا بھائی نوروزجی کی برابر کھڑا کر سکتے ہیں۔ اور آپ پھر نیچے والے اسکولوں کے قائم کرنے سے کیا ایسے لوگ پیدا کر سکتے ہیں؟ *

اس وقت جس رفتار سے آپ چل رہے ہیں اُن کی برابر پہنچنا یک طرف اُن کی گرد کو بھی آپ نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کا اور اُن کا مقابلہ پیادہ اور سوار کی چال کا نہیں ہے بلکہ ایک لنگڑے اور اپاہج کی چال کا ریل پر جانے والے سے مقابلہ ہے۔ اگر اس رفتار کو آپ نے نہ بدلا اور سینکڑوں اور ہزاروں مسلمان اعلےٰ درجے کی تعلیم پر نہ پہنچے تو کچھ شبہ نہیں ہے۔ کہ بجز کوئلے کی کانوں میں کوئلا نکالنے اور اسٹیشنوں میں بورے لادنے یا مال گودام میں تھیلوں پر انگریزی نمبر لکھنے کے سوائے دوسری عزت کی جگہ نظر نہ آئینگے۔ بھائیو یہی سہی عزت بھی آپ کے ہاتھ سے نکل جاویگی۔ یہ میرا کہنا ایشیائی شاعری نہیں ہے۔ نہ صرف میرے وہم نے کوئی ہولناک تصویر آیندہ زمانہ کی کھینچی ہے۔ بلکہ آپ یقین کیجیے کہ جوئیں کہہ رہا ہوں یہ بات پولیٹکل نجوموں کی پیشین گوئی ہے جو کبھی اُنچہ کے دیکھنے میں غلطی نہیں کرتے اور جن کا کہنا کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔

صاحبو! سر آکلینڈ کالون صاحب جو مسلمانوں کے حقیقی محسن اور مربی تھے آپ کی قسمت کا لکھا آپ کو بتا گئے ہیں، اور نہ صرف نوجوانوں کو اور نہ فقط اوسط درجہ کے مسلمانوں کو بلکہ

اُن لوگوں کو جو اب تک باعتبار دولت اور عزت کے بہت کچھ وقعت اور بزرگی رکھتے ہیں۔ کیا آپ نے اُن کی وہ اسپیچ نہیں دیکھی جو اُنہوں نے کیننگ کالج میں دی تھی، اور تعلقہ داران اودھ کو اپنی اولاد کی تعلیم نہ دلانے پر مشفقانہ ملامت فرمائی تھی، اور یہ کہکر ڈرایا تھا کہ، اگر آپ اِس زمانہ کی روش کے مطابق جس میں آپ موجود ہیں چلنا اختیار نہ کرینگے تو اور لوگ جو دولت اور عزت میں آپ سے کم ہیں اُس سے مستفیض ہونے میں سُستی اور تغافل نہ کریں اور اِس سے آپ کو بہت نقصان پُہنچیگا، اور جو رتبہ اور عزت سرکار نے آپ کو عطا کی ہے وہ فوراً آپ کی غفلت اور کوشش نہ کرنے کی وجہ سے جاتی رہیگی۔ اور گورنمنٹ کو اُن معاملات مُلکی میں جن سے آپ کو تعلق خاص ہے اور جو بالخصوص آپ ہی سے متعلق ہونا چاہئیں آپ مشورہ نہ دے سکینگے، اور آپ کا امتیاز اور رسُوخ اس وجہ سے جاتا رہیگا کہ اور لوگ جو رائے دینے کی لیاقت رکھتے ہونگے، وہ آپ کے نفع یا آپ کی خواہش کی طرف توجہ نہ کرینگے۔ اور پھر لفٹنٹ گورنر ممدوح نے جو مسلمانوں کی نبض کو خوب پہچانتے تھے یہ خیال فرماکر کہ یہ لوگ علم کے لئے باعزت کے واسطے کچھ کوشش کرنے والے نہیں ہیں، البتہ انگریزی گورنمنٹ کے بڑے خیر خواہ ہیں اور اپنی خیر خواہی پر قائم رہنا چاہتے ہیں، نہایت خوبی سے اُن کو سمجھایا کہ گورنمنٹ کی خیر خواہی بغیر تعلیم کے ایک دعوٰے ہے بغیر دلیل کے اور ایک بات ہے صرف مُنہ سے کہنے کی اور بعد ایک بہت بڑی لمبی تمہید کے فرمایا کہ میں تمہاری خیر خواہی کو عملی خیر خواہی اُس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ گورنمنٹ کی اس خواہش کے پورا ہونے میں سعی بلیغ نہ کرو، کہ تمہارے لڑکے تعلیم سے متمتع ہوں"۔

بلنٹ صاحب نے جو مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ بلکہ اپنی قوم میں مسلمانوں کی محبت میں بدنام ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالتِ تعلیم و تربیت خراب دیکھ کر اور دوسری قوموں سے اُن کو ذلیل پاکر اور آیندہ کی حالت پر نظر فرماکر ایک بڑے مجمع میں مسلمانوں کے یہ کہا کہ میں ہندوستان کی آیندہ حالت کو خیال کرتا ہوں، تو میری رائے میں تم کو بہت کوشش کرنی ہوگی، اگر تم اور گروہوں کی برابر اپنا مرتبہ قائم رکھنا چاہو گے، اِس لئے ہر سال بمقابلہ انگریزوں کے ہندوستانیوں کو زیادہ اختیار ملینگے۔ اور وہ دن بہت قریب ہے کہ تمام سول ایڈمنسٹریشن اُنہیں کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایک نیا زمانہ شروع ہونے والا ہے اور میں تمہاری حالت بہت ہی نازک پاتا ہوں۔ اگر تم وقت پر متنبہ اور مستعد نہ ہوا اور وہ تدبیریں اختیار نہ کرو جو تمہارے ساتھی اصلاح حال کے واسطے اختیار کرتے ہیں اگر تم اور وں کے ساتھ لینے تئیں طیار نہ کرو گے تو تم پیچھے رہجاؤ گے اور پھر ایام گزشتہ پر پچھتاؤ گے، مگر وہ پچھتانا ایسا ہی بیکار ہوگا، جیسے کہ پولیٹیکل بدبختوں پر پچھتانا بیکار ہُوا ہے اُن پیشین گوئیوں سے جو پولیٹیکل مبصروں نے تمہاری آیندہ حالت کی نسبت کی ہیں اور اُن لوگوں کے صاف صاف کہدینے سے

جن کے ہاتھ میں تمہاری قسمت ہے ، اس بات کا پورا فیصلہ ہو چکا کہ اب آیندہ کی تمہاری عزت یا ذلت ، ترقی یا تنزل ، اقبال یا ادبار ، شکست یا فتح ، رونا یا ہنسنا ، تمہارا مرنا یا جینا ، خود تمہارے ہاتھ میں ہے اور وہ صرف اعلےٰ درجہ کی تعلیم و تربیت پر منحصر ہے ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ پھر ترقی کرو ، اور اُس قومی مقابلے میں جو اعلےٰ چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے اس زمانہ میں ہر ایک فرقہ میں ہو رہا ہے تم بھی شریک ہو ۔ اور اس دوڑ میں جو عزت کے میدان میں تمام قومیں کر رہی ہیں تم کسی کے پیچھے نہ رہو ، تو تم کو چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کرنے میں کوشش کرو ، اور اُن ذریعوں کو پورا کرو جو اُس کے لئے اس وقت تک خود تمہاری کوششوں سے طیار ہو گئے ہیں ◆

صاحبو ! زمانہ کا تجربہ ہم کو ہو چکا ، غفلت کے نتیجے ہم دیکھ چکے ، اپنے ہاتھوں ہم نے اپنی یہ حالت کر لی ، کہ جو ہمارے دست نگر تھے ہم اُن کے محتاج ہیں ، جن پر ہم حکومت کرتے تھے وہ ہمارے حاکم ہیں ، جن کو ہم حقارت سے دیکھتے تھے وہ ہمیں ذلیل سمجھتے ہیں ، جن کو ہم ناتربیت یافتہ کہتے تھے وہ ہمیں جاہل جانتے ہیں ، ساری دنیا میں ہم بیک درد قوم مشہور ہیں ، ہند سے لیکر لندن تک ہماری جہالت کا شہرہ ہے ، تعلیم سے نفرت میں ہم ضرب المثل ہیں ۔ غرضکہ اے صاحبو ! جہاں تک ہم اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو تباہ کر سکتے تھے کر چکے ، اور جہاں تک ہم سے ہو سکتا تھا ذلیل اور رُسوا ہو لئے ہم نے بزرگوں کی کمائی لٹا دی ، ہاشمی عزت کو ہم نے خاک میں ملا دیا ، اب نہ ہم میں عصبیت رہی نہ قومیت ، نہ قریشی دبدبہ نہ عربی جوش ، نہ فاروقی ہیبت رہی نہ حیدری شجاعت ، مگر ہاں ابھی جان باقی ہے اور کچھ وقت بھی ، اگر ہمت کریں اور تکلیف اُٹھاویں اور غیرت کو کام میں لاویں ، تو ابھی کچھ کر سکتے ہیں ، اگرچہ اور قومیں بہت دُور نکل گئیں اور ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں ، اب بھی اگر چلنا شروع کریں تو شاید اُن کی برابر ہو سکیں بشرطیکہ سیدھی راہ پر چلیں ، اور جلد چلیں ، اور تیز چلیں ۔ اور سیدھی راہ صرف اعلےٰ درجہ کی تعلیم و تربیت ہے جو ہم کو اُن کی برابر پہنچا سکتی ہے ◆

بھائیو ! ہندوستان کی اصلاح اور ترقی کی ہر ایک امید آج کل انگریزی زبان کی تعلیم اور انگریزی زبان کے ذریعے سے مغربی خیالات کے شائع ہونے پر منحصر ہے ۔ اور آج کل صرف انگریزی زبان اور اُس کے لٹریچر کا ایک کامل علم ہی ترجیح اور عزت کے خاص ذریعے ہیں ۔ اور اعلےٰ درجہ کی تعلیم و تربیت ہی ہندوستان کے باشندوں کو اپنے ملک کی گورنمنٹ میں شریک ہونے کے لائق بنا سکتی ہے ۔ اور انگریزی زبان میں اعلےٰ درجہ کی لیاقت ہی تمہاری آواز کو وہ قوت دیتی ہے جو سمندر پار پہنچ سکے ، اور جس کو سات ہزار میل کے رہنے والے سُن سکیں ، اس چیز کو دوسری قوموں نے حاصل کیا ۔ اور اس کے نتیجے بھی پائے ، مسلمانوں نے اس سے غفلت کی اور محروم رہے ۔ جو قوتیں خدا نے ہندوؤں کو دی تھیں وہی ہم کو بھی دی ہیں مگر وہ اُنہیں کام میں لائے ، اور ہم نے اُنہیں بیکار کر دیا ۔ جس زمانہ میں وہ زندگی بسر کرتے تھے اُنہوں نے اُس کے

زمانہ کو پہچانا، جو تغیر ملکی حالت میں ہوا تھا انہوں نے اپنے آپ کو اُس کے موافق بنایا، جس چیز کی بازار میں خواہش تھی انہوں نے اُس کو حاصل کیا، اُس سے فائدہ اُٹھایا۔ اور جس بات کے قدردان تھے اُسی بات کے حاصل کرنے میں کوشش کی، اور عزّت پائی۔ برخلاف اِس کے مسلمانوں نے نہ زمانہ کی چال کو دیکھا، نہ ہوا کا رُخ پہچانا، نہ اپنی طرز کو بدلا، نہ ضرورت اور حاجت پر خیال کیا، کاہلی اور غفلت کی زنجیروں میں جکڑے رہے، اور غرور کے نشہ میں مست رہکر تعصّب اور نخوت سے، ہر چیز کو حقارت اور نفرت سے دیکھتے اور تمام بُرائیوں کے لئے خیالی زہد اور خیالی مذہب کا حیلہ کرتے رہے۔ حتّٰی اتاھم ھادم اللذات ومفرّق الجماعات فسبحان حی الّذی لا یموت وبیدہ الملک والملکوت ۔

صاحبو! اگرچہ تنزّل اور ترقّی اور ذلّت اور عزّت کا ہمیشہ دورہ رہا کرتا ہے اور مثل دولاب کے ڈول کبھی بھرا اور کبھی خالی ہوتا ہے، مگر تجربہ اور کوشش دو ایسی چیزیں ہیں کہ وہ پھر گرے ہوئے آدمیوں کو اُٹھا سکتی ہیں۔ مگر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اکثر اُن میں سے اب تک نہ تجربہ سے کام لیتے ہیں اور نہ کوشش کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ دوسری قومیں کیا کر رہی ہیں اور خود کچھ نہیں کرتے، وہ دیکھ رہے ہیں کہ دوسری قومیں کس تیزی سے چل رہی ہیں اور خود نہیں چلتے، اور اگر چلتے ہیں تو سیدھی راہ چھوڑ کر اُلٹے رستہ پر۔ وہ دیکھتے ہیں کہ صرف اعلےٰ تعلیم اور اعلےٰ درجہ کی انگریزی لیاقت میں ہندؤں کو اُن حقوق کا مستحق بنایا جو گورنمنٹ اپنی سب رعایا کو دینا چاہتی ہے لیکن مسلمانوں کو اب تک اُس کا خیال نہیں ہوتا، نہ اُس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ اُس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اُن کی ہمتیں کچھ ایسی ٹوٹ گئیں ہیں کہ وہ وہاں تک پہنچنے کی اپنے آپ میں طاقت ہی نہیں پاتے، اور کچھ ایسے سُست ہو گئے ہیں کہ اس راستے پر چلنے کا ارادہ تک نہیں کرتے مگر باوجود اس کے وہ اُنہیں حقوق کے طالب ہیں جن کو ہندو حاصل کر رہے ہیں، مگر کس طرح، ہندو اپنی لیاقت اور استحقاق جتا کر، اور مسلمان اپنی عاجزی اور نالائقی کا اظہار کر کے، وہ اپنا حق مانگتے ہیں اور ہم بھیک، وہ اپنا قرضہ چاہتے ہیں اور ہم خیرات، وہ یہ کہکر مانگتے ہیں کہ ہم نے تعلیم پائی، ہم نے علوم سیکھے، ہم نے انگریزوں کی برابر امتحان دیا اور مقابلے کے امتحان کے لئے طیار ہیں، ہمارا حق ہم کو دو۔ ہم اپنی نالائقی اور اپنی بے علمی دکھا کر عاجزی سے کہتے ہیں کہ ہم بے علم ہیں، انگریزی علوم سے ناواقف ہیں۔ ہم امتحان نہیں دے سکتے ہمارے بزرگوں پر خیال کر کے رحم کرو، اور بھیک کا ٹکڑا دو۔ ہندو مستعد ہیں کہ جدھر حکومت چلے اور جس چیز کی سلطنت ضرورت سمجھے اُس کا ساتھ دیں، اور مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ سلطنت اُن کی ضرورت مقدّم سمجھے اور جس طرف وہ چلنا چاہیں گورنمنٹ اُسی طرف چلے۔ ہندو خوش ہیں کہ سلطنت کے انقلاب نے اُن کو فائدہ پہنچایا۔ اور مسلمان روتے ہیں کہ سلطنت کے بدلنے سے اُن کی قسمت بدل گئی۔ مگر کیوں، اِس لئے کہ ہندوؤں نے اپنی حالت کو سلطنت کے بدلنے سے بدل دیا، اور مسلمانوں نے اپنی حالت کے بدلنے کا ارادہ

تک نہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ فرمانا ہے کہ انگریزی سلطنت نے اُن کو تباہ کر دیا۔ مگر میرا کہنا یہ ہے کہ نہیں انگریزی سلطنت نے کچھ تباہ نہیں کیا، بلکہ علم کی سلطنت اُن کی تباہی کا باعث ہوئی۔ یہ ایک مسلم بات ہے کہ سلطنت کے انقلاب سے وہی ملک خراب ہوتا ہے جو آباد ہو۔ اور وہی لوگ بگڑتے ہیں جن کی حالت اچھی ہو، اور خدا بھی یہی فرماتا ہے کہ ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة وكذلك يفعلون ٭

مگر ہندوستان کے مسلمانوں کو جس سلطنت نے تباہ کیا اور جس نے اُن کی عزت لی، اور جس نے ان کے معزز لوگوں کو ذلیل کیا، وہ علم کی سلطنت ہے، نہ یہ انگریزی حکومت، جس قدر وہ اس سلطنت کا مقابلہ کرتے گئے ذلیل ہوئے، اور جس قدر اُس کی اطاعت نہ کی سزا پائی۔ اگر وہ ہندوؤں کی طرح علم کی سلطنت کے مطیع ہوتے، اور اُس کی مرضی پر چلتے، بلاشبہ وہ اس کی معزز رعیّت ہوتے۔ مگر اُنہوں نے علم کی سلطنت کا مقابلہ کیا، اُس سے بغاوت کی، اُس کے حکم کو نہ مانا، اِس لئے وہ خراب ہوئے۔ مصیبتیں اُٹھائیں اور ذلیل ہوئے ٭

مگر صاحبو! علم کی سلطنت جیسی اپنے سرکشوں کو سزا دینے میں سخت ہے، ویسی ہی ہر وقت اپنے باغیوں کے قصور معاف کرنے پر بھی آمادہ ہے۔ اُس کے عفو کا اشتہار ہر وقت جاری ہے۔ اور رُوٹھے نافرمانوں کو پھر اپنی سلطنت میں شریک کرنے کے لئے آمادہ ٭

پس اے میرے بھائیو، اور اے علم کی سلطنت سے بغاوت کرنے والو، اپنے حال پر رحم کرو اور علم کی وسیع سلطنت میں جو درجہ اور جو منزلت چاہتے ہو، اُسی کے لائق اپنے آپ کو بناؤ، اگر ادنےٰ رعیّت بن کر رہنا پسند کرتے ہو، اور قلیوں، اور مزدوروں میں شریک ہونے پر قانع ہو بہتر۔ اور اگر بڑے درجہ کے طالب ہو، اور اُس کے معزز فرقہ میں شریک ہونے کی آرزو ہے، اور اُس کے مشیر بننے کی تمنا، تو کوشش کرو، اور وہ ذریعہ حاصل کرو جو تم کو اُس درجہ پر پہنچنے کے لائق کردے ٭

صاحبو! کون شخص ہے جو اعلےٰ درجہ پر پہنچنے کا آرزومند نہ ہوگا، اور بغیر ایک ایسے گروہ کے طیار کرنے کے جو درحقیقت اعلےٰ درجہ کا تعلیم و تربیت یافتہ نہ ہو، کون اپنی قوم کی ترقی کی اُمید کر سکیگا، اس لئے اگر آپ میری رائے سے متفق ہیں تو میں بکمال ادب دو باتیں عرض کرتا ہوں، ایک یہ کہ آپ اُس رزولیوشن کو منظور فرماویں جو سر سیّد نے پیش کیا ہے، دوسری یہ کہ اُس کی تکمیل کی طرف توجہ کریں ٭

پہلے امر کے متعلق مجھے اس شبہ کے دُور کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا اثر چھوٹے اسکولوں پر بڑا ہوگا۔ اس لئے کہ میرے نزدیک اس کی منظوری اور اُس کی تعمیل سے اسکولوں میں مسلمانوں کے زیادہ داخل کرنے کا اور شوق پیدا ہوگا۔ اور جہاں اسکول نہیں ہیں وہاں نئے اسکول قائم کرنے کی ضرورت

ہوگی، اس لئے کہ جب تک ہزاروں مسلمان لڑکے اسکول میں نہ پڑھینگے، تو کالج کلاس میں داخل ہونے کیلئے طالب علم کہاں سے آوینگے، اور مدرستہ العلوم کے قائم کرنے کا مقصود بھی یہی ہے کہ وہ ایک ایسا مرکز ہو، جس کا دائرہ جہاں تک وسیع ہوسکے وسیع کیا جاوے۔ مدرستہ العلوم کے بانی اپنے ایڈریس میں جو **والسرائے گورنر جنرل ہند** کی خدمت میں پیش کیا تھا اپنی خواہش اسکولوں کی ترقی کے متعلق ظاہر کر چکے ہیں۔ اور جیسا کہ **سید** صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے اُن کا بھی یہ مقصود نہ تھا کہ اسکول قائم نہ ہوں، البتہ اُن کی یہ رائے ہے کہ اسکولوں میں اسٹاف اعلےٰ درجہ کا ہو، مگر میں اس سے اتفاق نہیں کرتا، مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ ایسی قیدوں کے پابند کئے جاویں، اور کوئی اسکول بغیر بارہ سو روپیہ مہینے کے خرچ کے قائم نہ ہو۔ مگر اس موقع پر اس بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس وقت کے پیش کئے ہوئے رزولیوشن میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے اس قسم کا شبہ ہوسکے، اس لئے اسکولوں کا قائم کرنا، اس رزولیوشن کی منظوری یا اُس کی تعمیل کا خارج نہیں ہے، بلکہ اُس کا مقدمہ ہے، لاکھوں لڑکے جب ابتدائی کلاس میں ہوتے ہیں تب اسکول کی اعلےٰ کلاس میں اُن کا شمار ہزاروں پر رہجاتا ہے، اور جب اسکول کی اعلےٰ کلاس میں ہزاروں کا تمیز ہوتا ہے، تب کالج کلاس میں اُن کا شمار سینکڑوں پر رہجاتا ہے۔

صاحبو! جتنے بیج ڈالے جاتے ہیں وہ سب نہیں اُگتے، اور جتنے اُگتے ہیں وہ سب پھل نہیں لاتے یہی حال تعلیم کا ہے کہ جتنے ادنےٰ درجے میں داخل ہوتے ہیں وہ سب اعلےٰ درجے تک نہیں پہنچتے اور جو اعلےٰ درجے پر پہنچتے ہیں وہ سب کامیاب نہیں ہوتے اس لئے جتنی کوششیں مسلمان طالب علموں کے اسکول میں زیادہ داخل ہونے کے لئے کیجاویگی، وہ گویا زینہ ہے اعلےٰ درجے کی تعلیم دلانے کا، اور یہ امر کہ مسلمانوں کو سرکاری اسکولوں میں پڑھانے کی رغبت دلائی جاوے یا اُن کے لئے علیحدہ اسکول قائم ہوں یہ ایک امر ہے مختص المقام۔ ہر جگہ کے مسلمان خود اس کا فیصلہ کر چکے ہیں اسلئے میرے نزدیک وہ غلط فہمی جو لکھنؤ میں ہوئی تھی اس رزولیوشن سے نہیں ہوسکتی، لہذا مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے منظور فرماوینگے۔

دوسرے امر یعنی بعد منظوری کے اس کی تعمیل کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اگرچہ **سید** صاحب کو اس کام میں بہت کامیابی ہوئی اور نہایت حیرت انگیز بد توقع ہونے کی اور بہت کچھ کام ہوگیا لیکن پورا ہونا اُس کا باقی ہے۔ عمارت کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ ناتمام ہے، کمرے ادھورے پڑے ہیں، بہت سے بورڈنگ ہوس بننے باقی ہیں، مسجد پر صرف چھپر پڑا ہے، معمولی اخراجات کے لئے بھی کوئی ایسا سرمایہ نہیں ہے، جس پر بھروسہ ہوسکے، نہ تنخواہوں کے لئے کوئی فنڈ ہے، جس کی آمدنی پر اطمینان ہو۔ نہ وظیفوں کے لئے کوئی مستقل سرمایہ ہے، جس میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ بلکہ کیا بلحاظ تعمیر مکانات کے اور کیا بلحاظ اخراجات معمولی کے یہ کالج گویا ایک ایسی عمارت ہے جو لوگوں کے چندہ

پر رکھی ہوئی ہے، جو کوئی اپنا ہاتھ الگ کرلے اتنا ہی حصہ گر پڑے، بہت بڑے زبردست صرف دو وقف ہیں ایک گورنمنٹ کا دوسرے سرکار نظام کا جن پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ باقی کوئی آمدنی اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے حقیقت میں اگر آپ مدرسۃ العلوم کو کچھ مفید سمجھتے ہیں اور اُس کو قوم کی ترقی کا ذریعہ۔ تو اُس کی تکمیل پر توجہ فرمائیے، اور توجہ بھی نہ معمولی بلکہ دلی۔ میں آپ کے خیالات کا رہنما بننا نہیں چاہتا، اور نہ آپ کو اُس کی تکمیل کی راہیں بتانے کی جرأت کر سکتا ہوں، بلکہ صرف میں اُن لفظوں کو نقل کرتا ہوں، جو نہ ایسے شخص کے مُنہ سے نکلے ہیں جو مسلمان تھا، نہ مسلمانی ملک کا رہنے والا، اور نہ جس کو اس مدرسہ کی تکمیل سے فائدہ، نہ اُس کے برباد ہو جانے سے نقصان۔ بلکہ صرف انسانی ہمدردی اور اس مدرسہ کی خوبی اور عمدگی نے اُسے اس بات پر آمادہ کیا تھا، کہ اُس نے خود بھی اُس میں چندہ دیا، اور ایک بورڈنگ ہوس بنوایا، اور مسلمانوں کو ایسے لفظوں میں اس کی تکمیل کی ترغیب دی، کہ جس کو سُن کر نہایت ہی سخت دل ہو جو نہ پسیجے۔ وہ نیک دل ترغیب دینے والا ڈاکٹر ھنٹر ہے، جس نے اپنی اسپیچ میں اس کام کے پورا کرنے کے لئے یہ کہا تھا کہ "خاص مکان جب وہ پورا ہو جاوے گا دنیا کی ہر ایک تعلیم گاہ کے ساتھ مقابلہ کر سکیگا اور اپنے حصّوں کی وسعت اور عظمت کے لحاظ سے کیمبرج یا اکسفورڈ کی قابل تعظیم عمارتوں سے سبقت لیجاویگا۔ لیکن اے صاحبو! اگرچہ اس کام کو بڑی ترقی ہوئی ہے، لیکن اب بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے، میں دل سے امید کرتا ہوں کہ بہت سے شخصوں کے دلوں میں اس عمدہ کام میں شریک ہونے کا ولولہ پیدا ہوگا، ہم میں سے ہر ایک شخص کی زندگی میں ایسے زمانے گزرتے ہیں کہ ہماری طبیعتوں کو کسی عزیز دوست یا رشتہ دار کی موت کے سبب سے بڑی رقت ہوتی ہے، اور ہم اُن شخصوں کی ایک یادگار رہنا چاہتے ہیں جن کے ساتھ ہم محبت کرتے تھے، اور جو رحلت کر گئے ہیں۔ لیکن جس حالت میں کہ ایک ایسا کام ناتمام پڑا ہوا ہے، جیسا کہ یہ ہے، تو مسلمانوں کو اس واسطے اپنے مردوں کے اوپر خالی حجرے بنانا یا عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں میں بقاعدہ یادگاریں بنانا واجب ہے۔ روپیہ کا ہر سینکڑہ جو اس مکان کے واسطے چندہ میں دیا جاتا ہے، گویا بنی نوع انسان کی بہبودی کے واسطے دیا جاتا ہے، دو ہزار روپیہ سے کم میں ہر ایک فیاض شخص ایک خوبصورت مکان اُس وسیع مربع میں بنوا سکتا ہے جس پر اُس شخص کا نام یا جس شخص کا نام وہ چاہے کندہ کیا جائیگا۔ لوگ بہت سے طریقوں میں بقائے نام کے خواستگار ہوتے ہیں، بعض تو کتابیں تصنیف کرتے ہیں، بعض اعلےٰ درجہ کے سرکاری منصب پر ترقی پاتے ہیں، بعض توپ کے منہ پر شہرت حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن میں نے ہمیشہ یہ خیال کیا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ قابل رشک شہرت ایک بڑے دارالعلم کے قائم کرنے والے کی شہرت ہے ❖

مگر اے صاحبو! جیسا کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے فرمایا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نیک دلی کے خیال سے

مسلمان اس میں مدد کریں۔ اپنا اپنی یادگار رہنا میں یا ثواب کی اُمید پر یہ کام کریں۔ اسلئے کہ اب مسلمانوں کی حالت اس سے گزر گئی ہے۔ اور ایسے کام میں شریک ہونا یا نہ ہونا نیکنامی اور ثواب کا معاملہ نہیں رہا۔ بلکہ ایک مسئلہ ہوگیا ہے، قوم کی زندگی اور موت کا۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ قوم زندہ رہے یعنی اس کی اَور قوموں میں عزت ہو، وہ بھی دوسری قوموں کی برابر درجے حاصل کرے، وہ لوگ ضرور دل و جان سے مدد کرینگے اور اس ادھورے کام میں ساعی ہونگے۔ اور جو صاحب قوم کی زندگی نہیں چاہتے یا اسے اس کی حیات کا ذریعہ نہیں سمجھتے، نہ وہ توجہ کرینگے نہ ہمارا روئے سخن اُن کی طرف ہے۔ مگر وہ یاد رکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ وہ دن قریب ہے کہ وہ اسے سمجھینگے۔ مگر اُن کا سمجھنا کام نہ آویگا۔ اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون ✦

صاحبو! اس دنیا میں ہر چیز جو مخلوق ہے، جاندار ہو یا بیجان، وہ اپنی زندگی کے لئے کوشش کرتی۔ اور اس کی لڑائی دوسروں سے جاری رہتی ہے۔ اسے علم الحیات میں تنازع للبقا کہتے ہیں۔ نباتات سے لیکر حیوانات تک، سب میں اس کوشش اور جنگ کا اثر پائیگا۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ خود قائم رہے، اور اپنی نسل کو پھیلا دے، اور دوسرے کی جگہ خود لیکر اُسے فنا کرے۔ اس لڑائی میں جو قوی ہوتا ہے، وہ ضعیف کو ہٹا کر خود اس کی جگہ پر قبضہ کرلیتا اور اپنی نسل کو بڑھاتا ہے ✦

بھائیو! یہی حال انسان کا ہے، کہ ہر ایک قوم اپنے لئے جگہ تلاش کرتی اور اپنے بڑھنے اور دوسرے کو فنا کرنے کے لئے لڑتی ہے، اور جو قوی ہے وہ ضعیف کو مار کر خود اس کی جگہ پر قابض ہو جاتی ہے، اور اس کا فیصلہ ہمیشہ قوت کیا کرتی ہے، اور اس زمانہ میں قوت علم ہے اور یہ مقولہ کہ العلم قوۃ جیسا کہ اس وقت پر صادق ہے۔ کبھی ایسا نہ تھا۔ آپ اب دیکھئے ہر ایک قوم اپنی اپنی قوت کو ترقی دے رہی ہے اور تنازع للبقاء کے مسئلہ پر آج کل نہایت شور سے عمل جاری ہے۔ اگر آپ نے اس قوت کو پورے طور پر حاصل نہ کیا اور اپنے اس ضعف کا علاج نہ فرمایا تو یاد رکھو، اور خوب یاد رکھو، کہ تمہارا دنیا میں رہنا ناممکن ہوگا۔ میری یہ غرض یہ نہیں ہے کہ تم نام کے لئے باقی نہ رہوگے، بلکہ ایسی حالت پر نہ رہوگے جو تم کو کوئی معزز قوم کا آدمی سمجھے ✦

صاحبو! ذرا اپنی مصیبتوں پر خیال کرو۔ اور جن آفتوں میں تم مبتلا ہو اور جیسے کہ اب تک بے خبر ہو اس پر غور کرو۔ آگ لگی ہوئی ہے، اور تم تاپ رہے ہو۔ موت کا بازار گرم ہے اور تم بے فکر ہو۔ قافلہ چلدیا اور تم سو رہے ہو۔ گھر میں ماتم ہو رہا ہے اور تم ہنس رہے ہو۔ قیامت آگئی اور تم بے خبر ہو ✦

اے میرے بھائیو! کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ علم کا آفتاب مغرب سے نکلا، مغرب سے

آفتاب کا نِکلنا قیامت کی نشانی ہے، اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ نشانی ظاہر ہو گئی، علم کا آفتاب جو ہمیشہ مشرق سے نکلا کرتا تھا مغرب سے نکل چکا، اور مسلمانوں کے حق میں جو قیامت آنے والی تھی وہ آ گئی اور اُن کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ❖

بھائیو! توبہ کا دروازہ بند ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی توبہ کرے اور خدا قبول نہ فرماوے اُس کے رحم و کرم سے یہ بعید نہیں ہے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ وقت ایسا ہو گا کہ بسبب غفلت کے کسی کو اپنی حالت کی خبر نہ ہو گی، نہ کوئی توبہ کرنے کا خیال کریگا، کیا یہ حالت آپ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتے کہ قیامت آ گئی، اور عذاب شدید میں مبتلا ہونے کا وقت آ گیا۔ مگر کوئی خیال نہیں کرتا، آنکھ رکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے، کان رکھتے ہیں مگر نہیں سُنتے، دل رکھتے ہیں مگر نہیں سمجھتے، یہ پردہ غفلت کا کیوں آنکھ اور کان اور دل پر پڑا ہے، اور کس نے اُن کو ایسا غافل کر دیا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، مگر میں یہی کہونگا، کہ اُس نے جو ہمیشہ ایک قوم کو اُٹھاتا اور دوسری کو گراتا، وہی جو ایک کو پیدا کرتا، اور دوسری کو مارتا رہتا ہے۔ ورنہ آنکھ ہو اور نہ دیکھیں، کان ہوں اور نہ سُنیں، دل ہو اور نہ سمجھیں ؎

چشم باز و گوش باز و این ذکا
خیرہ ام در چشم بندے خدا

اے بھائیو! علم طبعیات کا یہ مسئلہ ہے کہ جو چیز اوپر سے گرتی ہے جس قدر نیچے آتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے گرنے اور زمین پر پہنچنے کی رفتار تیز ہوتی جاتی ہے، اور تیزی بھی اضعافاً مضاعفۃً یہی حال ہماری قوم کا ہے، کہ اُس کے زوال کی چال بہت تیز ہوتی جاتی ہے، اور اُس کے تیز کرنے کے اسباب بہت جمع ہو رہے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ ادھر ہماری حالت بُری ہوتی جاتی ہے، اُدھر امتحان کی سختیاں ترقی پر ہیں، اِدھر ہمارا افلاس زیادہ ہوتا جاتا ہے، اُدھر تعلیم کے خرچ بڑھتے جاتے ہیں، ادھر ہم کو اعلےٰ تعلیم کی ضرورت ہے، اُدھر سرکار اعلےٰ تعلیم میں مدد کرنے سے دست کش ہونا چاہتی ہے کل کی بات ہے کہ اگر سَو لڑکے امتحان کو جاتے، تو اسّی یا نوّے پاس ہوتے، اب مشکل سے چالیس یا پچاس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں، بلکہ بعض امتحانوں میں ساٹھ فیصدی تک ناکامیوں کا اوسط پایا جاتا ہے۔ کل تک گورنمنٹ اعلےٰ تعلیم میں مدد کرتی تھی، میونسپلٹی مدرسوں کو اعانت پہنچتی تھی، اب روز بروز اُن میں کمی ہوتی جاتی ہے ؎

آں درخت بد جواں تر می شود | وین کنندہ پیر مضطر می شود
ہاں تبر بر گیر مردانہ بزن | تو علی وار این درِ خیبر بکن

صاحبو! اب ایک لحظہ کے لئے اُن اسباب پر بھی خیال کر لیجیے جو اس کی تکمیل کے باعث ہیں۔ میرے نزدیک کچھ اسباب پُرانے ہیں اور کچھ نئے، پُرانے اسباب میں سب سے بڑا سبب

افلاس ہے اگر کیا آپ اسے قبول کر سکتے ہیں جب کہ آپ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس افلاس کے مسلمان شادیاں کرتے ہیں اور بیاہ رچاتے ہیں، بیٹوں کا ختنہ کرتے ہیں، صاحبزادے کی بسم اللہ، اور آئے دن سینکڑوں طرح کے خرچ رہا کرتے ہیں، کوئی بند نہیں ہوتا۔ بلکہ فیاضی اور وضعداری کا ہمارے بھائیوں کو یہاں تک خیال ہے کہ بیوی کا زیور رہن کریں، گھر کا سامان فروخت کریں، زمینداری اور گھر تک بیچیں، مگر کسی خاندانی رسم میں فرق نہ آوے، اور کوئی تقریب نہ رہ جاوے، کیا ایسے لوگ جو عزت اور نام کا اس قدر خیال رکھتے ہوں، اور خاندان اور بزرگوں کی ناموری کے اس قدر خواہاں ہوں، اور اُن کی فیاضی اور سخاوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہو، تعلیم کو عزت کی سمجھتے، یا اپنے بزرگوں کی ناموری اِس میں دیکھتے، یا اپنی اولاد کا اُس میں فائدہ سمجھتے، تو وہ مدد کرنے سے دریغ کرتے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ اُس کو کوئی نام یا فائدہ کی چیز ہی نہیں جانتے، اگر مفید سمجھتے تو اے میرے عزیزو! دولتمند مسلمانوں کو جانے دو، کوئی غریب مسلمان ایسا نہ ہوتا جو اس کام میں شریک نہ ہوتا۔ اگر دو روٹیاں اُس کو ملتیں، تو ایک ٹکڑا اُسی میں سے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے دیتا۔ کیا یورپ کے لوگ سب امیر ہیں اور کیا وہاں کوئی غریب نہیں ہے*

صاحبو! جیسے وہاں دولتمند زیادہ ہیں، ویسے ہی مفلس اور غریب بھی کثرت سے ہیں۔ مگر وہ بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں، خود فاقہ کرتے ہیں، اور اپنی مزدوری کے چار پیسوں میں سے ایک پیسہ اُس میں لگاتے ہیں سینکڑوں آدمی وہاں ایسے ہیں، جو چاء میں شکر نہیں ڈالتے، اس لئے کہ وہ کارِ خیر میں مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، اس لئے شکر کی قیمت ہی اُس میں دیدیا کرتے ہیں۔ سر رچارڈ گارتھ چیف جسٹس کلکتہ نے ایک مرتبہ تعلیم و تربیت کے متعلق تقریر کرتے وقت انگلستان کے غریبوں کی نسبت یہ کہا تھا کہ "عمدہ تعلیم و تربیت ہمیشہ قومی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔ اور نہ صرف امراء اور دولتمند، بلکہ غریب اور بے مقدور لوگوں نے صرف اپنی محنت اور کوشش سے یہ درجہ حاصل کیا ہے سینکڑوں آدمی جو بلحاظ خاندان کے دولتمند نہ تھے، اور تعلیم و تربیت پائے ہوئے خاندان میں بھی نہ تھے، صرف اپنی خاص مستعدی اور محنت کی بدولت اعلےٰ درجہ پر تعلیم و تربیت کے پہنچے اور دولت و ثروت و عزت سب کچھ پیدا کی۔ اور انگلستان میں ہزاروں آدمی اس وقت ایسے ہیں جنہوں نے بجز ایک عمدہ تعلیم و تربیت کے اور کسی ذریعہ سے روپیہ اور عزت حاصل نہیں کی۔ انگلستان میں والدین اپنی اولاد کو عمدہ تعلیم و تربیت دینے کی غرض سے ہمیشہ صرف لذائذ دنیوی ہی نہیں، بلکہ زندگی کی معمولی آسائش بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اور وہ کیوں ایسا کرتے ہیں اس لئے کہ وہ تعلیم کو سب سے زیادہ عمدہ ارث جو وہ اپنی اولاد کو دے سکتے ہیں خیال کرتے ہیں۔ نہایت غریب نسل کے آدمی اعلےٰ درجہ کی عزتوں کے اُس مُلک کے واسطے اپنی اولوالعزمی سے سعی کرتے ہیں۔ اور امراء کے لڑکے تجارت اور کاروبار کے کرنے میں اپنی کسرِ شان نہیں سمجھتے"*

بھائیو! نئے اسباب جو مدد کے راہ میں ہیں، اُن میں سے دو سبب ایسے ہیں جن کا ذکر اس موقع پر ضروری ہے۔ ایک یہ کہ بعض لوگوں کو مفید کاموں کے کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہر جگہ کوئی نہ کوئی کام قوم کے لئے خواہ بامید ثواب خواہ بغرض نیکنامی کے کریں۔ اس لئے کوئی یتیم خانہ بناتا ہے، کوئی محتاج خانہ، کوئی اسکول۔ مَیں نہیں کہتا کہ یہ کام نہ کرو، مگر ترتیب کا خیال رکھو، جو زیادہ ضروری ہو اُسے پہلے کرو، جو اُس سے کم ہو اُسے پیچھے رکھو۔ یا دونوں کام کرو، اور ایک کے خیال سے دوسرے کو نہ چھوڑو۔ اگر کسی گھر میں چار بیمار ہوتے ہیں، تو بلاشبہ چاروں کا علاج کرنا پڑتا ہے۔ مگر جو بزرگ خاندان ہوتا ہے اور جس پر خاندان کی عزت اور نام کا قیام منحصر، اُس کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، اس لئے کہ اُس کی زندگی گویا سب گھر کی زندگی ہے۔ اس لئے اے میرے بھائیو اپنی اپنی خواہش کے موافق کارِ خیر جاری رکھو، مگر مدرسۃ العلوم کی تکمیل کو بھی ایک ضروری کام سمجھو۔

دوسرا سبب نئے کالجوں کے قائم کرنے کا شوق۔ مَیں نہیں کہتا کہ یہ ایک کالج تمام ہندوستان کے لئے کافی ہے۔ مَیں یہ نہیں سمجھتا کہ سارے ہندوستان کے مسلمان یہاں آ سکتے ہیں، مَیں یہ نہیں کہتا کہ سوائے اس کے دوسرا کالج قائم نہ کرو، بلکہ مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ خدا وہ دن لائے کہ ہر شہر میں ایک مدرسۃ العلوم قائم ہو، اور ہر شہر میں ایک ایک سیّد دکھائی دے، مگر چونکہ یہ کالج قوم کی مدد سے قائم ہوا ہے، اور کل ہندوستان کے مسلمانوں کی توجہ اور مدد سے اس درجہ تک پہنچا ہے، اور اُس کے مقصود اور اصول اور نتائج کی تعریف ہو چکی ہے، اس لئے اسے ناقص رکھنا، اور ادھورا چھوڑنا غالباً خود آپ کے نزدیک مناسب نہ ہوگا۔

صاحبو! کالج کی مثال جہاز سے دیگئی ہے۔ ایک کالج کا کھولنا ایسا ہے، جیسا کہ جہاز کا سمندر میں چلانا۔ جہاز کا بندرگاہ میں سے روانہ کرنا آسان ہے، لیکن اس بات کا دیکھنا کہ وہ مضبوط ہے اور سمندر کے تلاطم کا تحمل کر سکتا ہے، اور اُس کے کیل اور کانٹے درست ہیں بہت مشکل ہے۔ کیونکہ جس قدر جہاز آگے بڑھتا جاویگا، ایک وسیع اور بے تحقیق سمندر اُس کو ملیگا، اور چھپی ہوئی چٹانوں اور پہاڑیوں پر اُسے جانا پڑیگا۔ اور جو شخص اُس کے چلانے کے ذمہ وار ہیں۔ اُن کو اس بات کا سوچنا لازم ہے کہ وہ اُسے کہاں لئے جاتے ہیں اور اُس کی حفاظت کا اُنھوں نے کیا انتظام کیا ہے۔ اور جو لوگ کہ اُس پر سوار ہوتے ہیں، اُن کو بھی سوار ہونے سے پہلے دیکھ لینا ضرور ہے، کہ جن کے ہاتھوں میں وہ اپنی جان سپرد کرتے ہیں، وہ نیک دل اور شفیق ہونے کے علاوہ جہاز کی ناخدائی کی قابلیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔

اے میرے بزرگو! مجھے امید ہے کہ کوئی شخص مجھ پر مدرسۃ العلوم کی بیجا تائید کا الزام [illegible] اور میری نسبت کسی قسم کا شبہ نہ کریگا۔ مَیں بذاتِ خود مدرسۃ العلوم سے ویسا ہی تعلق رکھتا ہوں جیسا کہ آپ لوگ۔ ہاں وہ نیاز جو مجھے اپنے بزرگ سر سیّد کی خدمت میں [illegible] سال سے بعض [illegible]

مسلمانوں کو بہت پیارا گرشتہ مدرسہ کی تائید اُن کے ذاتی خیال سے کی گئی ہے، اسے میں قبول کرتا اور
باآواز بلند کہتا ہوں، کہ میرے نزدیک سر سیّد کی تائید قوم کی تائید، مسلمانوں کی تائید، اور اپنی تائید
ہے، میرے نزدیک اُن کی محویت قوم کے کاموں میں اب ایسی نہیں رہی، کہ اُن کا مدد کرنا اور قوم کا مدد
کرنا، دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہوں، بلکہ دونوں حقیقت میں اب ایک چیز ہیں۔ جب کہ میرے دل کو اس کا
پورا یقین ہے، کہ اس وقت سر سیّد کے موافق نہ کوئی قوم کا خیرخواہ ہے، نہ اُس خیرخواہی کی راہوں
کو جاننے والا، نہ کوئی اُن کی برابر قوم کا آرزومند ہے، نہ اُن کی تدبیروں کا سمجھنے والا۔ نہ کسی نے
مثل اُن کے مسلمانوں کی ترقی کے اسباب پر غور کیا، نہ مثل اُن کے کسی نے قوم کی ترقی کے وسائل
مہیا کرنے میں کوشش کی، نہ مثل اُن کے کسی شخص نے اپنی ساری عمر اس خبط میں ضائع کی، نہ اُن کے
موافق کسی شخص نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ پر غور کیا، نہ اُن کے موافق کسی شخص نے اس مسئلہ کی
مشکلات کو سلجھایا، نہ مثل اُن کے کسی کی کوششوں کے ایسے عمدہ نتیجے ظاہر ہوئے، اس پر بھی اگر میں
اُن کی تائید کو قوم کی تائید نہ سمجھوں، تو میں باآواز بلند کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو قوم کا بدخواہ، اور قوم
کا دشمن اور قوم کے زوال پر خوش ہونے والا سمجھونگا، نہ قوم کا خادم، نہ قوم کا خیرخواہ، اگر کوئی نیک دل
یہ خیال کرے کہ اس کالج کی تکمیل گویا سر سیّد کی ناموری کی تکمیل ہے تو اسے اختیار ہے ایسا خیال
کرے۔ مگر اے صاحبو۔ اب اُن کی شان اس سے ارفع اور اعلےٰ ہے۔ اور اُن کا مقام اس سے بڑھ گیا
ہے، جو عزت ذلت اُن کی قسمت میں لکھی تھی اُن کو مل گئی، اور جس ادنےٰ یا اعلےٰ درجہ پر وہ پہنچنے والے
تھے وہ پہنچ گئے، اب زمانہ کا ہاتھ بھی اُن کی عزت اور نام کو مٹا نہیں سکتا۔ مدرسہ کی تکمیل سیّد کی
عزت کی تکمیل نہیں ہے، بلکہ قوم کی عزت کا پورا کرنا ہے، ورنہ دنیا یہی کہیگی کہ تمام مسلمانوں میں صرف ایک
آدمی تھا، جس نے قوم کے لئے اپنی جان و مال کو وقف کیا، جس نے قوم کی عظمت اور شان کو بڑھانا چاہا،
جس نے قوم کی ترقی کا ایک عمدہ ذریعہ پیدا کیا۔ مگر افسوس کہ قوم نے اُسے پورا نہ کیا اور اُسے تکمیل پر
نہ پہنچایا۔

پس اے صاحبو! اس کا ناقص رہجانا گویا قوم کی عزت اور ناموری کا ناقص رہنا ہے، نہ
سر سیّد کا۔ اگر قوم توجہ کرے اور اس کام کو دل پر رکھے تو اس کی تکمیل کچھ مشکل نہیں ہے اگر ایک ایک
آنہ جمع کرنے پر لوگ متوجہ ہوں تو لاکھوں روپے جمع ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ قوم توجہ کرے، اور اس کام
کے پورا کرنے پر آمادہ ہو، اور اُسے اپنا کام سمجھے۔

صاحبو! یہ امید کرنا کہ بغیر اس کے کہ کوئی خاص جماعت اس کام کے پورا کرنے کا ارادہ کرے،
اور اُن مختلف طریقوں سے جو وقتاً فوقتاً تجویز کئے گئے ہیں روپیہ کا جمع کرنا اپنے ذمہ لے۔ اس
کام کا پورا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ اس وسیع اور پُراثر مجمع میں، ایجوکیشن کمیٹی

اور محبت قومی اور دور اندیشی اور اسلامی جوش کی نظر آتی ہیں، اور جو مسلمان تعلیم و تربیت کی اشاعت کے خواہاں، اور مسلمانوں کی بہبودی کے متمنی، اور اپنی قوم کی ترقی کے آرزومند، اور قومی خدمت کے لئے چہ آمادہ ہیں، وہ اس کام کو اپنے ذمہ لینگے، اور ایک ایسی کمیٹی قائم کرینگے، جس کا عملاً اس کام کی تکمیل کا عہدہ اور مشترکاً مجسم واحد کام کرنے کا ارادہ ہو، ذرا وہ اپنے وقت کا کچھ حصہ اس کام میں لگا دیں، اور قومی تقریبیں اور قوم سے قوم کے لئے بھیک مانگیں ❊

اے میرے عزیزو! جو لوگ ایسا کرینگے وہ قوم کے لئے برکت ہونگے، وہ مرنے والی قوم کے جان ڈالنے والے سمجھے جاوینگے، وہ ڈوبتے ہوئے جہاز کے بچانے والے خیال کئے جاوینگے، اُن کے نام عزت سے لئے جاوینگے، اُن کی کوششوں کی قدر ہوگی، قوم کے دلوں میں اُن کی ایسی یادگاریں بنینگی جن کو زمانہ کا ہاتھ بھی نہ مٹا سکیگا۔ اگرچہ کوئی کہ نہیں سکتا، کہ تقدیر نے قوم کی قسمت کا کیا فیصلہ کیا ہے۔ اور کوئی پیشینگوئی نہیں کر سکتا کہ ہماری قسمت میں کامیابی ہے یا نہیں، اور جو لوگ قوم کے لئے سعی کرینگے وہ کامیاب ہونگے یا نہیں۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو برکتیں ایسی جماعت پر نازل ہوتی ہیں، جن کے ارادے نیک اور جن کی نیتیں پاک، اور جن کی غرض قومی بھلائی ہوتی ہے، وہ ضرور اُن لوگوں کی کوششوں پر بھی نازل ہوگی، جو اپنی قوم کی بہبودی کے سامان جمع کرنے پر مستعد ہونگے اور جو ایسے مبارک کام میں دل سے سعی کرینگے ❊

نمبر ۱۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۸۹۳ء کو بوقت شب قبل از لکچر شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کے، پریزیڈنٹ ہونے کی حیثیت سے بطور خیر مقدم فرمائی۔

حضرات!

مجھے مولانا مولوی نذیر احمد صاحب سے ملاقات کی عزت بیس برس سے حاصل ہے اور میرا اُن کا بہت برسوں تک ساتھ رہا ہے اور اُن کی قابلیت اور لیاقت اور عالی دماغی اور علم و کمال کا ثبوت مجھ بہت سے مواقع پر ملا ہے۔ غالباً ہندوستان میں اس دل و دماغ کے مسلمان بہت کم ہونگے۔ میں نے تو اس قابلیت کا شخص اپنی قوم میں نہیں دیکھا۔ مرحوم سر سالار جنگ اول ہمارے مولانا کی تقریر اور تحریر کے عاشق تھے اور اُن کو ایک معمولی لیاقت کا آدمی نہ جانتے تھے۔ چونکہ میرا و مولانا کا ساتھ بہت دنوں کا

رہا۔ اور مختلف مواقع پر مختلف معاملات میں مَیں نے اُن کی تقریریں سُنیں اور اُن کی تحریریں دیکھیں ہیں۔ مگر دل میں ایک حسرت باقی تھی کہ اُن کو اب تک اسٹیج پر نہ دیکھا تھا اور نہ اُن کو لیکچر دیتے سنا تھا۔ الحمد للہ کہ آج یہ دیرینہ تمنا بھی پوری ہوتی ہے۔ مَیں سُنتا ہوں کہ مولانا کے لیکچر سُننے والے ہنسنے اور رونے دونوں حالتوں کے لئے اول سے تیار ہو کر آتے ہیں۔ مَیں بھی دیدہ و دل اُن کی نذر کیلئے لایا ہوں

دیدہ اُس کا ہے دل اُس کا ہے جگر اُس کا ہے

تیر بیداد جدھر رُخ کرے گھر اُس کا ہے

صاحبو! یہ بھی مَیں نے سنا تھا کہ مولانا کے لکچر سُننے کا لوگوں کو ایسا اشتیاق ہوتا ہے کہ وقت مقررہ سے اول لوگ جمع ہو جاتے ہیں، اور وقت پر آنے والوں کو بہت تکلیف سے جگہ ملتی ہے اور اول صف تک پہنچنا تو ناممکن ہوتا ہے، آج لوگ دو دن کے تھکے ہوئے تھے، پانی بھی برستا تھا، رات کا وقت تھا۔ اندھیری خوب چھائی ہوئی تھی۔ مَیں اپنے دل میں سوچتا تھا، کہ آج سب سے اول، مجلس میں پہنچنے والوں میں غالباً مَیں ہی ہونگا۔ مگر صاحبو یقین جانئے کہ اس ہال کے دروازہ پر پہنچتے ہی مَیں حیران رہ گیا اور وہ حالت دیکھی کہ کبھی میرے دیکھنے میں نہ آئی تھی یعنی سننے کے شوق میں لوگوں کا ایسا ہجوم دیکھا کہ اگر مَیں پریسیڈنٹ نہ ہوتا، تو غالباً مجھے ہال کے اندر آنے اور بیٹھنے کو بھی جگہ نہ ملتی، کرسیوں اور بنچوں اور گیلری کا تو ذکر کیا ہے کسی مقام پر آدمی کے کھڑے ہونے کی، بلکہ یوں کہئے کہ تل دھرنے کیلئے بھی جگہ نہ تھی۔ لیکچر سننے کا شوق اسے کہتے ہیں، اور لیکچرار ایسے ہوتے ہیں۔ اور خداداد قابلیت اس طور سے لوگوں کے دل اپنی طرف بجبر اکراہ کھینچ لیتی ہے یہ حالت ہے جو ہم یورپ کے مشہور اور نامور لیکچراروں کی نسبت سُنا کرتے تھے۔ مگر الحمد للہ کہ آج ہم نے اپنی قوم میں بھی یہ حالت دیکھ لی، اور وہ حسرت کہ مسلمانوں میں کوئی ہیریسن فریڈرک۔ فروڈ اور میکس ملر نہیں باقی نہ رہی ❊

صاحبو! مَیں اب اپنی بکواس سے آپ لوگوں کے اشتیاق میں جو مولانا کی تقریر سُننے کا ہے زیادہ خلل ڈالنا نہیں چاہتا، اس لئے مولانا کو تکلیف دیتا ہوں کہ جناب ممدوح جو ہمارے کانفرنس کے ہیرو ہیں، اپنی کُرسی پر سے اُٹھیں اور مجلس میں گیے باب دگیے بآتش کی حالت پیدا کریں۔ جب چاہیں رولادیں اور جب چاہیں ہنسا دیں۔ جس کو چاہیں ماریں اور جس کو چاہیں جلادیں ❊

نمبر ۱۶

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹- دسمبر ۱۸۹۳ء کو علیگڈھ میں وقت شب بعد اختتام لکچر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کے بطور ریمارکس کے فرمائی :-

حضرات!

مَیں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا تھا کہ اگر کانفرنس میں سوائے مولانا مولوی نذیر احمد صاحب کے لکچر کے اور کچھ نہ ہوتا تب بھی کانفرنس کو کامیاب سمجھتا تھا۔ اُسی کو اب اس بے نظیر اور قابل قدر لکچر کے سننے کے بعد نہایت بلند آواز سے اور نہایت سچے دل سے اور زیادہ زور سے کہتا ہوں۔ یہ لکچر درحقیقت آب زر سے لکھنے کے لائق ہے اور قوم کے دل کے پنڑوں پر نقش کرنے کے قابل، آپ یقین کیجئے کہ اگر یہ لکچر یورپ یا امریکہ میں دیا جاتا تو اُس سے اتنی آمدنی ہوتی کہ ہمارے محمدن کالج کا ایک بڑا حصہ تیار ہو جاتا ؞

صاحبو! مَیں بہت سی مجلسوں میں گیا ہوں بہت سے لکچر سُنے ہیں، بڑے بڑے فصیح و بلیغ مقرروں کی تقریریں سنی ہیں مَیں خود بھی اس بیماری میں مُبتلا ہوں، مگر سچ جانئے کہ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب کی سی طلاقت کسی زبان میں، اور اُن کی سی فصاحت کسی بیان میں، اور اُن کی سی شوخی کسی تحریر میں، اور اُن کی سی ظرافت کسی تقریر میں، مَیں نے آج تک نہیں دیکھی۔ تقریر ہے یا جادو، بیان ہے یا سحر، کہ کوئی اپنے قابو ہی میں نہیں رہتا۔ کسی کو اپنی جان اور دل ہی کی خبر نہیں رہتی۔ ساری مجلس پر محویت کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور تمام سننے والے بیخود اور دیوانے نظر آتے ہیں ؞

مولانا، مَیں خوش کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ نہ مجلس کے فرض ادا کرنے کے لئے آپ کی تعریف نہیں کرتا۔ بلکہ آپ یقین کیجئے کہ جو کچھ مَیں کہتا ہوں وہ میرے دل سے نکل رہا ہے، بلکہ جو کچھ میرا دل کہنا چاہتا ہے وہ میں کہہ نہیں سکتا۔ آپ نے جو کیفیت اس وقت ہمارے دلوں میں اپنی پرزور تقریر سے پیدا کر دی اور اپنی جادو بیانی سے جو سحرِ حلال آپ نے اس وقت ہم پر کیا، اور جس طور پر آپ نے ہماری دینی اور دنیوی حالتوں کی تصویر کھینچی اور جس خوبی سے آپ نے دنیا اور دین کے تعلقات کو ظاہر کیا اور جس صفائی سے آپ نے تعلیم اور تربیت کی حقیقت اور اُس کی ضرورت بتائی اور جس درد سے آپ نے بزرگانہ اور دانشمندانہ نصیحت ہمارے بچوں کو کی اُس کا شکر کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ آنے والی نسلیں اس کا شکر ادا کرینگی اور وہ نتیجے جو ان تقریروں اور نصیحتوں سے پیدا ہونگے وہ آپ کی محنت کے کافی معاوضے ہونگے

ہم آپ کو کیا صلہ دے سکتے ہیں اور آپ کا کیا شکر ادا کر سکتے ہیں۔ مولانا آپ کو بھی اپنی جادوگری پر خیال آتا ہوگا اور اپنی سحر بیانی پر مزہ آتا ہوگا۔ ذرا گھڑی اٹھا کر ملاحظہ کیجئے کہ از شب چہ قدر گذشتہ باشد اس کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ زلفش بکمر رسیدہ باشد۔ شام سے آپ نے اپنا لکچر شروع کیا آدھی رات ہوگئی۔ آپ کو تقریر کرتے پانچ گھنٹے گذر گئے، مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ کی تقریر کا جوش۔ بیان میں قوت۔ زبان میں طلاقت ویسی ہی ہے جیسی کہ کھڑے ہونے کے وقت تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اے یار عزیز ؎

مانند تو آدمی در آفاق — ممکن نبود پری ندیدم
وین بوالعجبی و چشم بندی — در صنعتِ سامری ندیدم
وین پردہ راز پارسایان — چندانکہ تو میدری ندیدم
جورے کہ تو کردۂ براسلام — در ملت کافری ندیدم

نمبر ۱۷

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۳۰ دسمبر ۱۸۹۳ء کو علیگڈھ میں بحیثیت پریذیڈنٹ ہونے اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۹۳ء کے اختتام کانفرنس پر بطور آخری اسپیچ کے فرمائی:۔

صاحبو!

جس درد آمیز خوشی سے میں نے اس جلسہ کو کھولا تھا آج مسرت آمیز رنج کے ساتھ اس کے بند کرنے کا اعلان کرتا ہوں، جس طرح اس قومی جلسہ کو کھولنا فرحت بخش تھا مگر بلحاظ اس کے کہ بعض دوست جو اس کے معزز ممبر تھے اور لائق رکن، جن کے دیکھنے سے خوشی ہوتی اور جن کی مدد سے کانفرنس کو قوت اس میں شریک نہ تھے، وہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے اور وہاں پہنچ گئے، جہاں کہ اصلی راحت و اصلی آرام نصیب ہوتا ہے، درد آمیز تھا۔ اسی طرح آج چار دن کی دھوم دھام کے بعد جلسہ کا اختتام، یاروں کی مفارقت، دوستوں کی رخصت، گو درد انگیز ہے۔ مگر وہ نتائج جو اس سے حاصل ہوئے، اور وہ امیدیں جو آئندہ کے لئے پیدا ہوئیں ہمارے دل کو اطمینان و تسکین دینے والی ہیں۔

صاحبو! ہماری یہ مجلس درحقیقت قومی برات ہے۔ ہمارے یار دوست، دور دراز مقامات سے

اس قومی شادی کی رونق اور عزت بڑھانے کے لئے آئے تھے ۔ الحمدللہ ! کہ یہ برات نہایت عمدگی سے رخصت ہوئی ، اور یہ جلسہ اول سے آخر تک نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے گذرا ۔ ساقی و مطرب ، ندیم و مغنی ، قاضی و مفتی ، سب نے اپنے اپنے کمال اچھی طرح دکھائے ، مجلس کے پُرلطف کرنے میں کسی نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا ، مولوی شبلی صاحب نے خوب گیت سُنائے ، مولوی نذیر احمد کی چھیڑ نے اہل مجلس کو عجیب لطف دکھایا ۔ سیّد محمود سا ساقی کہاں تھا کہ جس نے یاروں کو ایسا مست کر دیا کہ نہ تن کی کسی کو خبر رہی نہ جان کی ؎

چناں ایں فسون ساقی در مے افگند
حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

صاحبو ! آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی وقت ایسا دل پر صدمہ دینے والا نہیں ہوتا ، جیسا رخصت کا ، اور کوئی حالت ایسی تکلیف دینے والی نہیں ہوتی جیسی کہ جدائی کی ، دوستوں کو رخصت کرتے اور یاروں کو الوداع کہتے وقت کونسا دل ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا ، اور کونسی آنکھ ہے ، جو دریا نہیں بہاتی ؞

اے صاحبو ! اگر ہماری یہ برات جسمانی ہوتی ، اور جدا ہونا ظاہری حالت پر محدود ہوتا تو اس وقت مجلس ویران نظر آتی ۔ مطرب و ساقی کا پتہ نہ تھا ، قلقل مینا کی صدا نہ آتی ، اور ندیم و مغنی نظر نہ پڑتے ۔ سوائے حسرت و افسوس کے کوئی چیز باقی نہ رہتی ، مگر اے صاحبو ! ہماری برات روحانی تھی ، اس شادی میں مذہب کا علم سے ، اسلام کا حکمت سے ، مشرقی خیالات کا مغربی علوم سے ، عقد ہونے والا تھا ۔ الحمدللہ ! کہ وہ بخیر و خوبی ہو گیا ، اور یہ مبارک روحانی شادی اچھی طرح ختم ہوئی ۔ یہ وہ شادی ہے جہاں غم کا گذر نہیں ہو سکتا ، اور یہ وہ عقد ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا ، نہ اس برات کا خاتمہ ہے ، نہ ان براتیوں کو فنا ہے ۔ بلاشبہ ہمارے پیکر عنصری مر جائینگے ۔ ہمارے اجسام فانی کی ترکیب باقی نہ رہیگی اور یہ تشخصات شخصی احمد و مہدی ، حالی و شبلی ، کے باقی نہ رہینگے لیکن جب تک قوم زندہ ہے یہ قومی برات باقی رہیگی جب تک علم و مذہب دنیا میں باقی ہیں ہزاروں احمد و محمود شریک ہوتے رہینگے ، اور آیندہ آنے والی نسلیں علم و مذہب کے عقد کی اس مجلس کو جس کے قاضی ہمارے سر سیّد اور مشعل دکھانے والے نذیر احمد مطرب شبلی اور مغنی حالی اور ساقی محمود تھے اور خوان اُٹھانے والے زین العابدین [1] اور مہدی تھے ۔ ہمیشہ یاد کرتی رہینگی ؞

---

[1] یعنی خان بہادر مولوی سید زین العابدین صاحب ؞

نمبر ۱۸

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۲۹- دسمبر ۱۸۹۴ء کو اجلاس نہم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علیگڈھ میں رزولیوشن در باب تائید **ندوۃ العلما** کانپور پیش کرتے وقت فرمائی- دلچسپی عام کے لئے رزولیوشن مذکور بھی اسپیچ سے پہلے ذیل میں درج کیا جاتا ہے- اور وہ رزولیوشن یہ ہے :-

رزولیوشن

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ جلسہ ندوۃ العلما جو بمقام کانپور منعقد ہوا تھا اور جس میں علما اور اکابر دین جمع ہوئے تھے تمام مسلمانوں کی توجہ کے لائق ہے اور اس کے مقاصد یعنی اصلاح طریقۂ تعلیم اور رفع نزاع باہمی نہایت عمدہ اور مفید ہیں تمام مسلمانوں کو ایسی عمدہ اور مفید مجلس کی جس سے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی بہبودی متصوّر ہے بدل وجان قلم سے، قدم سے، اور درم سے مدد کرنی چاہئے ٭

صاحبو!

جو رزولیوشن اس وقت میں نے پیش کیا ہے، مجھے امید ہے کہ اُس کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کیا جاویگا- اور ہر ایک کے دل سے بے اختیار ذٰلك ما كنا نبغ کا نعرہ نکلیگا- اس لئے کہ آپ لوگ چند سال سے جس ضروری اور مفید کام کے لئے سعی کر رہے ہیں- اُس کے پورا ہونے کی اب امید ہوتی ہے- اور ہمارے اقبال کا ستارہ جو ڈوب رہا تھا وہ پھر اُٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے ٭

حضرات! ہمارے اس جلسہ کا مقصود اپنی قوم میں تعلیم پھیلانا، اور اُن علوم و فنون کا جاری کرنا ہی جس سے ہمارے دین اور دنیا دونوں کی فلاح اور ترقی ہو- مگر اس مقصود کے حاصل ہونے کی اُسی وقت اچھی طرح امید ہوسکتی تھی، جب کہ وہ مقدس لوگ جو اپنے علم و فضیلت اور زہد و پرہیزگاری سے مسلمانوں کے دلوں پر قبضہ رکھتے ہیں، اور شریعت اور حکمت کی مشعل لیکر ہم کو سیدھی راہ بتا سکتے ہیں، اس میں شریک ہوتے- مگر ہم اس مجلس کو ایسے بزرگوں سے خالی پاکر کبھی حسرت، کبھی حیرت کرتے تھے، اور مسلمانوں کو علم کے میدان میں دوسری قوموں کے سامنے آنے سے ہم کو ناامیدی ہوتی تھی- بارے خدا کا شکر ہے، کہ ہمارے دل کی کوشش نے اپنی تاثیر دکھائی، ہماری محنت نے کچھ کچھ اثر قوم پر کیا- ہمارے

بھائیوں نے ہماری دردانگیز صدائیں سُنیں، ہمارے بزرگوں نے اپنی قوم کی بیماری تسلیم کی، وہ اُس کے علاج پر آمادہ ہوئے، اور قومی مجلس نے ایک دوسری نہایت پاکیزہ اور دلربا شکل میں ظہور کیا یعنی ہندوستان کے مشہور اور نامور عالموں کا ایک بڑا جلسہ کانپور میں قائم ہوا۔ میں قوم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ حضرات علما نے زمانہ کی ضرورت کو دیکھا، اور ہماری اصلاح اور ترقی پر متوجہ ہوئے۔ یہی ہماری خواہش تھی اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ خواہ وہ ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے ہو، یا ندوۃ العلما کے مبارک لقب سے۔ اور اس کے لئے ہم علیگڈھ میں جمع ہوں یا کانپور میں ؎

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل است | خم مل ہر جا کہ جوشد ہم مل است
گر زمغرب بر زند خورشید سر | عین خورشید است نے چیزے دگر

صاحبو! مجھے اس بات کا اندیشہ ہے، کہ بعض لوگ میرے اس رزولیوشن کے پیش کرنے اور ندوۃ العلما کی تائید پر تعجب کرینگے، اور مجھے مغربی علوم و فنون کی اشاعت کرنے والے فرقہ کا نقیب، اور نئے خیالات پھیلانے والے لشکر کا علم بردار سمجھ کر ندوۃ العلما کی حمایت کرنے پر حیرت کی نگاہ سے دیکھینگے۔ مگر میں ابھی اُس حیرت اور تعجب کو دور، اور اپنی اس رزولیوشن کے پیش کرنے سے، قومی ترقی کی خواہش اور تائید کا ایک تازہ ثبوت پیش کرونگا۔

حضرات! یہ حیرت غالباً اس وجہ سے لوگوں کو ہوگی، کہ وہ اس فرقہ کی اغراض کو جو نئے علوم، نئے خیالات، اور نئی تہذیب کا حامی کہا جاتا ہے۔ اُس گروہ کے مقاصد سے جدا سمجھتے ہیں، جو کہ پُرانے علوم، پُرانے خیالات، اور پُرانی تہذیب، کا محافظ اور قائم رکھنے والا ہے۔ اُن کے نزدیک دونوں کی موافقت ناممکن ہے، اور دونوں کا ایک سمت پر چلنا محال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں فرقے گویا دو ایسے وسیع ملک ہیں، جن میں بہت بڑا اور خطرناک دریا حائل ہے۔ جس پر پل بندھ سکتا ہے، نہ کسی بندہ کی قدرت اور کوشش اُن کو ملا سکتی ہے۔ مجھے بھی پہلے کبھی کبھی یہ شبہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب ندوۃ العلما کے قائم ہونے کی خبر ہوئی، تو میں بہت شوق سے اُس کی کارروائی دیکھنے کا منتظر رہا۔ مگر اب کہ میں نے اُس کی کارروائی دیکھی، اور اپنے علما کے خیالات سے جس طور پر مجھے اس روئداد نے واقف کیا۔ اُس سے مجھے اس بات کا یقین ہوتا ہے، کہ دونوں فرقوں کی غرض مشترک ہے، دونوں فرقوں کی منزل مقصود ایک ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ جو کوئی اُس پر غور کریگا اور ہمارے علما کے خیالات اور تقریروں کو اچھی طرح سمجھیگا، وہ بھی مجھ سے اتفاق کریگا۔

صاحبو! اوّل آپ کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ قوم کے وہ غمگسار اور بہی خواہ، جو برسوں سے اپنی قوم کی حالت پر نالہ و شیون کر رہے ہیں، اور جو اپنی قوم کی ترقی کی فکر میں رات دن مصروف ہیں، وہ کیا کرتے اور کیا چاہتے ہیں۔ پھر آپ کو اس بات پر نظر کرنی چاہئے، کہ ہمارے بزرگان دین جو قوم کی اصلاح پر

متوجہ ہوے ہیں، اُن کا کیا خیال، اور کیا خواہش، اور کیا ارادہ ہے۔ تاکہ آپ فیصلہ کر سکیں، کہ ان دونوں فریق کے جو ظاہر بینوں کے نزدیک دو مختلف راستوں پر چلتے ہیں منزلِ مقصود ایک ہے یا جُدا جُدا۔ اور اس بات کا فیصلہ نہ صرف خیال اور گمان سے کرنا چاہیئے، بلکہ واقعات سے۔ جب تک کہ واقعات کے بیان میں صحت، اور نکتہ چینی کرنے میں انصاف، اور مقاصد کے سمجھنے میں غور نہ کیا جاوے، اور قومی ترقی کی تجویزوں میں اُس کی موجودہ حالت پیشِ نظر نہ رہے، تو امید نہیں ہو سکتی کہ ہم نتائج کے نکالنے اور صحیح رائے قائم کرنے میں کامیاب ہونگے ٭

صاحبو! آپ جانتے ہیں، کہ پہلا فرقہ جو قوم کی ترقی کے غم میں گھلا جاتا ہے، وہ کیا کہتا، کیا کرتا، اور کیا چاہتا ہے۔ اگر مختصر لفظوں میں بیان کیا جاوے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ قوم غافل اور کاہل ہے، باہم اُن کے بات بات پر جھگڑے اور قضیے ہیں، اُن کی موجودہ تعلیم ناکافی ہے، اُن کا طرزِ تعلیم غیر مفید ہے، اور تربیت قطعاً مفقود۔ اس لئے وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کا باہمی اختلاف دُور ہو، تعلیم کے نقصوں کی اصلاح کی جاوے، طرزِ تعلیم مفید بنایا جاوے، تربیت کی تدبیریں کی جائیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی علوم و فنون جو اس زمانہ میں دولت، عزت، علم، اور خیالات کی ترقی، کے لئے شرط لازمی ہیں سکھائے جاویں۔ اسی کے لئے وہ مجلسیں کرتے ہیں، انجمنیں بناتے ہیں، کانفرنس قایم کرتے ہیں، آرٹیکل لکھتے ہیں، اسپیچیں دیتے ہیں، لکچر سُناتے ہیں، رزولیوشن پاس کرتے ہیں۔ بزرگوں کے قصے سُنا کر قوم کو جوش دلاتے ہیں، اُن کی موجودہ حالت کے دردانگیز مرثئے پڑھ کر روتے اور رُلاتے ہیں، اسکول قایم کرتے ہیں، کالج بناتے ہیں، اور قوم کے لئے قوم سے بھیک مانگتے ہیں۔ پس اے میرے بزرگو، اور عزیزو! اُس فرقہ کا جو دنیاوی ترقی کا خواہاں کہا جاتا ہے یہ کہنا یہ چاہنا اور یہ کرنا ہے، جو ان چند لفظوں میں مَیں نے بیان کیا۔ مگر اُس کے ساتھ وہ دین کو بھی نہیں بھولتے، مسلمانوں کو اسلام پر قایم رہنے کی تدبیروں سے بھی غفلت نہیں کرتے، وہ نئی تعلیم کی مضر اور خوفناک بلائیوں سے بھی اپنی قوم کو بچانا چاہتے ہیں، اور الحاد و دہریت کی عالمگیر بلا سے اپنے نوجوان بچوں کی حفاظت کی فکر کرتے ہیں۔ اُن کو بڑا خوف اس بات کا ہے، کہ کہیں الحاد کی وبا جو یورپ میں پھیلی ہوئی ہے ہم تک نہ پہنچے، اور ہمارے نوجوان طالب علم مذہب کے مضبوط اور مستحکم جہاز کو چھوڑ کر، سائنس کے وسیع اور عمیق سمندر میں نہ جا پڑیں، جس سے اُن کی کمزور دماغی کشتیاں شبہ اور مایوسی کے چٹانوں سے ٹکریں کھا کر غارت ہو جائیں، اور موذی اور خونخوار نہنگ، الحاد اور دہریت کے اُن کے دلوں کا شکار کر لیں۔ غرضکہ یہ حال ہے ایک فرقہ کا۔ اب دوسرے فرقہ کو دیکھئے، جو علما اور دیندار وں کا ہے۔ جو اپنی مسجد اور خانقاہ سے نکل کر قوم کے سامنے آیا ہے، اور قوم کی ڈوبتی کشتی کے بچانے کو اُس نے اپنا ہاتھ بڑھایا ہے۔ اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ حضرات کیا فرماتے، کیا چاہتے،

اور کیا کرتے ہیں، تو اس کتاب کو دیکھئے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس روئداد کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا، کہ اس مقدس فرقہ کو بھی اپنی قوم کی غفلت اور کاہلی کی شکایت ہے۔ اور نہ صرف عوام بلکہ خود علما کے باہمی اختلاف اور مخالفت پر افسوس ہے۔ وہ بھی موجودہ تعلیم کو غیر کافی اور قابل اصلاح، اور رائج تعلیم کو غیر مفید اور لائق تبدیل سمجھتا ہے۔ یہ اکابر دین بھی مغربی علوم و فنون کے سیکھنے کی ضرورت بتلاتے ہیں، بلکہ اب تک جو غفلت اس سے کی گئی اُسے بدنصیبی سمجھتے ہیں۔ اب اُنہوں نے اس امر کی ضرورت سمجھی ہے، کہ شخصی کارروائی چھوڑی جائے، جمہوری قوت سے کام لیا جائے۔ مسجدوں میں وعظ فرمانے ہی پر قناعت نہ ہو، اور خانقاہ میں بیٹھ کر توجہ دینا ہی ضروری نہ سمجھا جائے۔ بلکہ مجلسیں قایم کی جائیں، مسلمانوں کے ہر فرقہ کے عالم ایک جگہ جمع ہوں، قوم کی ترقی کی تجویزیں سوچیں، آزادی سے ہر ایک مسئلہ پر بحث ہو، اور تمام کارروائی میں زمانہ حال کے مطابق قواعد و ضوابط کی پابندی کی جائے۔ مجلس کا کوئی نام رکھا جائے، اُس کے ارکان خاص طور پر مقرر ہوں، رائے دینے کے لئے خاص خاص استحقاق سمجھے جائیں۔ پھر مجلس کا کوئی صدر، انجمن ہو اور سیکرٹری، تجویزوں کے پیش کرنے کے لئے کوئی محرّک اور کوئی مؤید۔ پھر اُس پر رائے لی جاوے، اور غلبہ رائے سے پیش شدہ تجویز منظور سمجھی جائے۔ غرضکہ حضرات یہ وہ چیزیں ہیں، جو ہم کو اس ندوۃ العلما کی پہلی ہی مجلس سے معلوم ہوئیں، اور یہ اُس کا وہ آغاز ہے، جس میں تعصب، خود پسندی، اور رسم کی پیروی کی بو بھی نہیں پائی جاتی ❊

آپ ذرا اُن درد انگیز تقریروں کو سنئے، جو قوم کی غفلت اور باہمی مخالفت کی نسبت ہمارے علما نے اُس مجلس میں کی ہیں۔ میں اس بات کی ضرورت سمجھتا ہوں، کہ وہ درد انگیز الفاظ جیسے اُن کی زبان سے نکلے، ویسے ہی آپ کو سناؤں۔ مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب دہلوی اپنی فصیح و بلیغ تقریر یوں شروع فرماتے ہیں:-

"الحمدللہ کہ مدت مدید کے بعد ہماری قوم بھی خواب غفلت سے بیدار ہوئی۔ جو دنیا میں بڑے بڑے کارنمایاں کرکے تھکی ماندی ہوکر سو گئی تھی، اور ایسی سوئی تھی کہ اس عرصہ میں وہ قومیں جو میدان ترقی میں صدہا کوس پیچھے تھیں، بہت آگے نکل گئیں اور نکلی چلی جا رہی ہیں" ❊

صاحبو! اس بات پر تو کیا میں افسوس کروں کہ ہم میں خوبیوں کی جگہ بڑی بڑی برائیاں پیدا ہوگئیں۔ اتفاق کے بدلے نفاق۔ ہمت و چستی کے بدلے سستی۔ ہمدردی کے بدلے خود غرضی۔ صداقت و دیانت کے بدلے کذب و مکاری آگئی، دولت و اقبال کے بدلے افلاس و بدبختی نے آگھیرا۔ عزت و شوکت کے بدلے ذلّت و خواری نے منہ دکھایا۔ افسوس تو اس پر ہے، کہ ہمیں اچھی طرح اس کی خبر بھی نہیں، اور جو ہے بھی، تو اُس کے تدارک کی جیسی چاہیئے تھی ویسی فکر نہیں، اور جو کچھ فکر ہے تو اُس کے موافق تدبیر نہیں۔ اور جو کچھ تدبیر ہے۔ تو شخصی، جمہوری نہیں" ❊

صاحبو! ہمارے مولانا صاحب نے اِن چند مگر نہایت جامع اور پُر زور لفظوں میں جو قوم کی وہ ایک تصویر کھینچی ہے، اور اُن افسوسناک بُرائیوں کا جو ہم میں پیدا ہو گئی ہیں، جس طرح بیان کیا ہے۔ درحقیقت وہی باتیں ہیں جسے بعض بہی خواہان قوم برسوں سے کہہ رہے ہیں۔ مگر قوم اُن پر خفا ہوتی تھی، اُن کو اپنا دشمن سمجھتی تھی، اُن کو نکتہ چین اور عیب جو کہتے، اُن سے نفرت کرتے تھے،۔ لیکن اب کہ اُن کے پیشواؤں نے اُنہیں آئینہ دکھایا۔ اس لئے امید ہے کہ وہ اپنی صورت اُس میں دیکھینگے، اور جو داغ اُن کے خوبصورت چہرے پر لگ گئے ہیں، اُسے دیکھ کر افسوس کرینگے، اور بالضرور اُس کے مٹانے پر متوجہ ہونگے۔

حضرات! غفلت اور نا اہلیت سے بڑھ کر قوم کی خرابی کا بڑا سبب اختلاف ہے، اور اختلاف بھی ایسا، جو مخالفت اور عداوت کے درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ جس سے ایک بھائی دوسرے کی تجہیل اور تکفیر کرتا، اور اُسے دینداری سمجھتا ہے۔ اِس کی بُرائی اس مجلس نے اِس طور پر ظاہر کی، جس سے ہمارے علما کی عالی دماغی، بلند خیالی، اور پاک دلی ظاہر ہوتی ہے، اور جو کافی شہادت اس بات کی ہے، کہ وہ ہر کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھتے، اور قومی اغراض کے حاصل کرنے میں سب کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا غور سے سنو، وہ پاک الفاظ، جو مولوی حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی کی زبان سے نکلے۔ اور جو اس قابل ہیں، کہ ہر ایک مسلمان صفحۂ دل پر لکھے، اور اس پر عمل کرے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”اوّل برکت اس مجلس کی یہ ہے، کہ اس نے شیعہ اور سُنّی، مقلدین اور اہل حدیث، مختلف اذواق کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ امید ہے کہ جیسا قوائے مختلفہ کے اکٹھا ہونے سے ایک کیفیت متشابہ پیدا ہوتی ہے، جس کو مزاج کہتے ہیں۔ اِن طبائع مختلفہ کے اجتماع سے ایک دوسری حالت پیدا ہو، جو قریب قریب اعتدال حقیقی کے ہو جائے“۔

صاحبو! مولانا صاحب کے الفاظ کو ذرا غور سے دیکھو۔ کہ اُنہوں نے اس اتفاق پر صرف خوشی کا لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ برکت کا۔ اور اسی واسطے شیعہ سُنّی، مقلدین اور اہل حدیث، مختلف خیال اور مختلف مذاق کے لوگوں کو جمع دیکھ کر فرمایا، کہ یہ اول برکت اس جلسہ کی ہے اور درحقیقت اُن کا فرمانا سچ ہے، قومی کام میں مذہبی تفرقہ کا مٹانا، اور فروعی اختلاف کو خانگی مجلس ہی میں محدود رکھنا، اور ایک خدا ایک رسول اور ایک قرآن کے ماننے والوں کا، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے کاموں میں ایک دل ہونا، درحقیقت کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کی محبت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا دعوٰے کرے، اور اس زینہ پر قدم نہ رکھے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ دوسری قوموں کو دیکھئے، کہ وہ مقامی اختلافات کے مٹانے میں کیسے گرم ہیں، غرض مشترک کے حاصل کرنے کی خواہش کس گرمجوشی سے اُن میں بڑھتی جاتی ہے، کس طرح

وہ ایک دوسرے سے برادرانہ محبت اور اتفاق پیدا کرتی جاتی ہیں، اور عقائد باہمی کی تحقیق اور تفصیل میں کیسی مستعد ہیں۔ مگر ہم جن کا ایک خدا، ایک رسول، اور ایک دین ہے، صرف فروعی مسائل کے اختلاف سے ایک دوسرے کے دشمن، ایک دوسرے سے متنفر، اور ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ اور افسوس تو اس پر ہے، کہ یہ دشمنی اور نفرت اور جدائی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ندوۃ العلما زیادہ تر قوم کی شکر گزاری کی اس لئے مستحق ہے، کہ اُس نے قوم کے تنزل ذلت اور خرابی کے اصلی سبب کو پہچانا، اور اُس کے دور کرنے کو اپنا اصلی مقصود قرار دیا۔ مبارک ہوگا وہ دن جب کہ قوم میں ایک نئی روح بے تعصبی، روشن دماغی، علمی جوش، قومی ہمدردی، اور اسلامی محبت کی پیدا ہوگی، اور ہم مسلمانوں کے جسم بے جان میں پھر نئی جان پڑیگی *

صاحبو! اس باہمی اتفاق اور بدگمانی کی نسبت جو کچھ روداد کی تمہید میں لکھا گیا ہے، اور جسے تمام علما موجودہ ندوۃ العلما کی آواز سمجھنا چاہئے۔ وہ اس قابل ہے، کہ ہر مسلمان ہر وقت اُسے دیکھتا اور روتا رہے، اور وہ یہ ہے کہ "آج کل ایک اور سخت بلا ہم میں مثل وبا کے پھیلی ہوئی ہے اور روز بروز اُسے ترقی ہوتی جاتی ہے۔ وہ بلا ایسی ہے جس نے ہماری شوکت وعظمت کو عزت اور آبرو کو خاک میں ملا دیا ہے، ان کی تمام خوبیوں پر اُس نے پانی پھیر دیا ہے۔ مال کو تباہ کرتے ہیں، جانوں کو ہلاک کرتے ہیں، مگر غور وفکر کرکے اُس سے کنارہ کشی نہیں کرتے، مصلحت وقت پر نظر نہیں ڈالتے۔ سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے مکرم اپنے آپ ہی کو ذلیل وخوار اور تباہ وبرباد نہیں کرتے، بلکہ اپنے سچے اور پاک مذہب اسلام کو مخالفین کی نگاہوں میں ان عیبوں کا مخزن ٹھیراتے ہیں، کیونکہ ان کی نظروں سے اس مقدس مذہب کی اصلی پیاری صورت تو پوشیدہ ہے، وہ اُس کے ماننے والوں کی حالت دیکھ کر قیاس کرتے ہیں۔ وہ بلا کیا ہے؟ نفاق باہمی۔ بدگمانی خصوصاً علما میں۔ اب خیال کیجئے مقلدین اور غیر مقلدین میں کیسی کیسی شرمناک لڑائیاں ہوتی ہیں، ایک بھائی دوسرے بھائی کی جان کا۔ مال کا۔ آبرو کا کس طرح خواہاں ہوتا ہے اخلاف مذہب کے اجلاس میں مقدمات جاتے ہیں۔ ہمارے محترم علما مجرموں کی طرح سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث اُن کے جوتوں کے پاس اُن کے نیچے ڈھیر ہوتے ہیں، اور آمین ورفع یدین کی تحقیق۔ جناب جوبے گھنتا مدراس صاحب بہادر اور کرنول صاحب بہادر کے روبرو پیش ہوتی ہے، اور اس کو دین خیال کیا جاتا ہے، افسوس صد افسوس ایسے فہم وخیال پر۔ ہمارے علما کا اجلاس میں اس طرح کھڑے ہونا، کیا شان علما کے خلاف نہیں ہے؟ کیا ہمارے دین کی کتابیں، ہمارے ہادی برحق کے ارشادوں کا یوں بیحرمتی سے رکھا جانا دین کی ہتک نہیں ہے؟ مذہبی اختلافات کا جھگڑا مخالفین مذہب کے روبرو پیش کرنا سخت بیدینی نہیں ہے؟ فریقین

مگر ہم خیال نہیں کرتے۔

اے میرے بزرگو! اے میرے عزیزو! ذرا خیال کرو اور اپنے سچے مذہب کی بیحرمتی اپنے ہاتھ سے نہ کرو یہ بیہودہ نزاعیں اس حد تک پہنچی ہیں، کہ ہمارے مخالفین ہنستے ہنستے اب رونے لگے۔ مگر آپ کو کچھ بھی خبر نہیں۔ اب ان دردناک معاملوں کا فیصلہ کون کرے بجز علما کے"۔

مولوی منصور علیخاں صاحب شاگرد رشید مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا احمد علی صاحب اسی کے متعلق فرماتے ہیں کہ "دوسری اقوام کے اختلافات کی بنا طمع دنیاوی اور حُبِّ جاہ پر ہے، اور اہل اسلام کے اختلافات کی بنا محض دینداری پر ہے۔ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی شخص ذرّہ برابر خلاف سُنّت کرے، اگر اُس کو اپنے ذہن میں مخالف ذرا بھی پاتے ہیں، تو فوراً اُس سے بیزار ہو جاتے ہیں، اور اُس سے کنارہ کشی کو عین سنت سمجھتے ہیں۔ صرف خیالی سنّت اور خیالی تقوے پر ان کا دار و مدار ہے، الا ماشاء اللہ حالانکہ کسی سنّت کا ترک ایسا بُرا نہیں ہے، جیسا آپس میں عداوت پیدا کرنا بُرا ہے۔ کوئی تقلید کو شرک اور مقلد کو مشرک بتلاتا ہے، کوئی غیر مقلد کو وہابی اور دشمن رسُول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جانتا ہے کوئی اپنے مرشد کے مخالف کو گمراہ اور عدو سمجھتا ہے۔ غرض جو جس خیال میں ہے، دوسرے کو بھی اُسی خیال پر مجبور کرنا چاہتا ہے۔ خدا و رسول نے، جن امور میں انسان کو مطلق کیا ہے یہ شخص اُس کو مقید کرتا ہے۔ جب تک ایک دوسرے کا من جمیع الوجوہ موافق نہ ہو، ہرگز اُس سے اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ذرا اُس کو کسی بات میں اپنے مخالف پایا فوراً اُس سے کنارہ کش ہوا۔ بھلا یہ سنّت کونسی اور کونسا اسلام ہے، قرآن و حدیث میں کہیں اُس کا پتہ نہیں، ادنےٰ امور کا اخذ اور اعلےٰ کا ترک اسی زمانہ میں شائع ہے۔

صاحبو! جس طرح ہمارے علما نے مذہبی جھگڑوں کی بُرائیاں بیان فرما کر اُس سے باز رہنے کی نصیحت فرمائی، اُس سے کچھ کم تعلیم اور طرز تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی، بلکہ اس ضروری مسئلہ پر جو دنیا کی ترقی اور تنزل کا اصلی ذریعہ ہے، نہایت غور فرمایا، اور اُس کے متعلق نہایت عمدہ خیالات ظاہر فرمائے۔ چنانچہ جہاں مقاصد ندوۃ العلما کا بیان کیا گیا ہے، وہاں صاف اس بات کا اقرار ہے۔ کہ تمام خرابیوں کا باعث نقصان طرز تعلیم اور نا اتفاقی ہے۔ اور اُس کے بعد پھر صاف صاف یہ کہا ہے کہ "اصلاح طریقہ تعلیم کا مطلب یہ نہ خیال کیا جائے، کہ اس انجمن کا مقصد صرف اس قدر ہے، کہ موجودہ کتب درسیہ میں بیشی و کمی یا رد و بدل کر دیا جائے نہیں، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی مد نظر ہے، کہ کیا طرز تعلیم اختیار کیا جاوے، اور کون سے اسباب مہیا کئے جائیں۔ جن سے ہمارے مدارس کے منتہی طلبا کو قابلیت تامہ اور مذاق صحیح حاصل ہو۔ اور تحقیقات علمیہ کا شوق اور کمال حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا ہو، اور مخالفین دین کے مقابلے میں بھی بند نہ ہوں، بلکہ شائستہ اسلوب سے جواب دے سکیں۔

اس مضمون کی تشریح مولوی حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے بہت اچھی طرح اپنی نہایت فصیح اور بلیغ تقریر میں کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "یہ علوم مروجہ دنیاوی منافع کے حاصل کرنے کو نہیں پہلے بھی وہ لوگ جو محض خدا کے لئے تحصیل علوم کرتے ہوں، بہت قلیل تھے۔ سلاطین سے علما کو مناصب جلیلہ قضا و افتا وغیرہ کے ملنے کی اُمید ہوتی۔ جو اپنے طور پر درس دیتے۔ اُن کے لئے وظائف مقرر ہوتے، عوام اہل علم کی بڑی قدر و منزلت کرتے۔ اب یہ ساری اُمیدیں منقطع ہو گئیں تو پھر ہمتیں کیونکر قاصر نہ ہوں۔ اس صورت میں تعلیم کی ایسی ترمیم کرنا چاہئے کہ وقت کم صرف ہو اور ضروری علوم آجاویں" اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے اُس طریقۂ تعلیم کو جو اب مروّج ہے اور سلسلۂ نظامیہ سے مشہور ہے۔ ناکافی اور قابل ترمیم سمجھ کر اس کی نسبت اس طرح فرمایا کہ "اس طریقہ سے پیشتر جو تعلیم کا طریقہ تھا اُس میں زمانہ کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ترمیم کی گئی۔ اب طریقہ مروّجہ میں ضرورت کے موافق کیوں ترمیم نہ کی جاوے"۔ پھر آگے چلکر مولوی صاحب ممدوح نے موجودہ تعلیم کے چند نقص اور بیان کئے، ایک یہ کہ "اس تعلیم سے عربیّت نہیں آتی، اور باوجود علوم عربیہ کی تکمیل کے نثر اور نظم کا لکھنا تو درکنار سمجھنے کی قدرت بھی نہیں ہوتی، ۔ نہ عربی کو سمجھ سکتے ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں، کوئی شعر عرب العربا پیش کیجئے، قطع نظر موزوں ناموزوں پڑھنے کے اچھی طرح ترجمہ کرنا دشوار، کوئی مضمون اردو میں دیجئے عربی میں ترجمہ کرنا مشکل۔ دوسرے یہ کہ اس تعلیم میں کتاب اللہ کے سمجھنے اور اُس کے نکات اور دقائق کے دریافت کا لحاظ کم کیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس تعلیم میں ایسی کوئی کتاب نہیں رکھی گئی جس میں تہذیب نفس کے قواعد بیان کئے گئے ہوں، اور محض کتاب اللہ اور کتاب الرسول کا ہونا جس طرح فقہ اور کلام کے مسائل سے۔ اذہان قاصرہ کے لئے مغنی تھیں۔ ویسا ہی مسائل اخلاقی سے بھی مغنی نہیں ✤

جناب مولوی حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی موجودہ تعلیم کے نقصانات میں سے ایک نقصان یہ بتاتے ہیں، کہ "سابق کا علم کلام جو فلاسفہ اور معتزلہ کی رو سے مملو ہے، اب وہ نہ معتزلہ رہے نہ وہ فلاسفہ، اُن کے خیال بدل گئے۔ مگر اب علم کلام میں ابطال فلاسفہ حال اور رد نصاریٰ کے داخل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نیز ایسی کوئی کتاب اس تعلیم میں (یعنی موجودہ تعلیم میں) نہیں رکھی گئی۔ جس سے احکام دین کے اسرار اور اُن کی خوبیاں معلوم ہوں، حالانکہ زمانہ حال کے موافق اس کی بڑی ضرورت ہے" ✤

صاحبو! یہ وہی خیال ہے جو ہمارے بزرگ سر سید کی پیش نظر ہے، اور یہ وہی نقص ہے جو ہماری موجودہ تعلیم میں نہایت بڑا اور بہت بڑا اور قابل اصلاح ہے ✤

مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب دہلوی نے جو کچھ اپنی تقریر میں فرمایا، اُس کا بھی بعض حصہ نا

کے لائق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت سے ترقی خواہان اسلام کا یہ خیال ہو رہا ہے، کہ علوم جدیدہ جو نئی قوم کی حشمت و شوکت کا باعث ہیں پڑھنا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں ضرور پڑھنا چاہیئے۔ مذہب اسلام مانع نہیں۔ مذہب اسلام ایسے ریتے کا گھر نہیں، جس پر نئی فلسفہ کا ریلہ کچھ اثر کرے، اور نہ کبھی پہلی صدیوں میں کچھ اثر کیا ہے۔ فلسفہ بدلتا رہا ہے اور بدلتا رہیگا۔ پر آسمانی مذہب کبھی نہ بدلیگا۔ اسلام کا کوئی دنیاوی فلسفہ نہیں نہ کوئی ہیئت و ریاضی ہے۔ وہ تو صرف انسان کی اخلاقی و روحانی تعلیم کرنے والا ہے اس کے ضمن میں بطور اثبات قدرت آسمان و زمین اور دیگر کائنات کا مخلوق الٰہی ہونا بیان فرمایا ہے، جس سے اس قادر مطلق کی بے انتہا قدرتوں کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی طرح تاریخ کا بھی بطرز مورخانہ ذمہ نہیں لیا ہے، بلکہ انہیں واقعات کا ذکر کیا ہے، جو انساں کے لئے عبرت و حیرت پیدا کریں اگر بطلیموس کی ہیئت ثابت ہو جائے تو کیا، اور فیثاغورث کی قائم ہو جائے تو کیا، جزو لایتجزیٰ باطل ہوا تو کیا، اور ثابت ہو گیا تو کیا۔ خلا کا بطلان ہوا تو کیا، اور اثبات ہوا تو کیا۔ ہمارے بزرگوں نے یونانی فلسفہ کے حملے رد کرنے کے لئے ایسے ایسے مسائل علم کلام میں داخل کئے تھے، جن کو آج کل محض جودت طبع کے لئے ہم لوگ پڑھتے ہیں، نہ وہ ہمارا مذہب تھا، نہ کتاب و سنت اور مشکوٰۃ نبوت کا فرمودہ تھا۔ سب کچھ بگڑ جائے تو ہماری بلا سے"۔

صاحبو! ان دو بزرگ عالموں کی تقریر سے آپ خیال کرینگے، کہ ایک رائے تو یہ ہے، کہ فلسفہ حال کے ابطال کے لئے نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ اور دوسری رائے یہ ہے، کہ اسلام میں نہ کوئی دنیاوی فلسفہ ہے، نہ قرآن میں ہیئات ریاضی اور طبیعیات کے مسائل کا بیان ہے، اور نہ اس میں واقعات کا ذکر بطور تاریخ کے مورخانہ طرز پر کیا گیا ہے۔ بلکہ اسلام صرف انسان کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کے لئے ہے۔ اس کے ضمن میں بطور اثبات قدرت، آسمان و زمین اور دیگر کائنات کا مخلوق ہونا بیان کیا گیا ہے۔ وہ کوئی ہیئت اور طبیعیات کی کتاب نہیں ہے، جس سے ہم یہ رائے قائم کر سکیں، کہ پرانی ہیئت صحیح تھی یا حال کی، اور نسبت موجودات اور کائنات عالم کے اسلام پرانی تحقیقات کے مطابق ہے، یا اس زمانہ کے۔ اس لئے کہ مطابقت اور مخالفت تو اسی وقت خیال کی جا سکتی ہے، جب کہ دونوں میں ایک ہی چیز کا بیان ہو، تو ہم کر سکتے ہیں، کہ پرانی ہیئت حال کی تحقیقات کے خلاف ہے، یا عیسائی مذہب کے عقاید قرآن کے مخالف ہیں۔ اس لئے کہ دونوں کا موضوع اور مقصود ایک ہے، مگر جب کہ یہ بات مان لی گئی، کہ قرآن کوئی کتاب علم ہیئت اور طبیعیات کی نہیں ہے، نہ اس میں واقعات کا ذکر مورخانہ طور پر کیا گیا ہے۔ تو پھر کوئی دقت ہی باقی نہیں رہتی، اور نہ مسائل جدیدہ کے ابطال یا تطبیق کی ضرورت پائی جاتی ہے۔ بلکہ اس بڑی بحث کا جو متعلق مذہب اور علوم جدیدہ کے ہے۔ خاتمہ ہو جاتا ہے

مثلاً آپ لوگوں میں بہت سے ایسے ہونگے، جن کو وہ بحث[1] آسمان کی نسبت ایک مدت تک ہوتی رہی خوب یاد ہوگی، جو ثبوت آسمانوں کے وجود کا قرآن مجید سے پیش کیا گیا، جن دلائل سے اُن کا ماننا بطلیموسی ہیئت کے موافق لازم سمجھا گیا، اور جس شد و مد سے اُس کے نہ ماننے والوں پر کفر کے فتوے جاری ہوئے، غالباً وہ سب آپ کے پیش نظر ہونگے۔ ان تمام مباحثوں کی بنیاد صرف اس بات پر تھی، کہ جو کچھ بیان آسمانوں کا قرآن میں ہے، وہ گویا اُسی طور پر ہے جیسا کہ علم ہیئت میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر اُس وقت یہ خیال ہوتا، کہ قرآن علم ہیئت کی کتاب نہیں ہے، بلکہ اس میں آسمان و زمین کا ذکر بطور اثبات قدرت کے کیا گیا ہے۔ تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا، بہت سی مسلمانوں پر کفر کے فتوے کیوں جاری ہوتے، اور یہ دونوں خیال کہ آیا آسمان ایک ایسا جسم ہے جو نہایت مضبوط اور سخت ہے، اور وہ ایک مکان کو گھیرے ہوئے ہے، اور مثل کرہ کے گول اور اندر سے خالی ہے، یا آسمان وہ چیز ہے جو اونچی اور نیلی ہم کو دکھائی دیتی ہے، جس میں ہوا چلتی ہے، بادل اُٹھتے ہیں، اور اُس کی وسعت میں پرندے اُڑتے ہیں۔ کیوں ایسے جدا جدا سمجھے جاتے، کہ ایک تو قرآن کے مطابق کہا جاتا، اور دوسرا قرآن کے خلاف۔ پہلے کا ماننے والا تو مسلمان کہا جاتا، اور دوسرے خیال کا رکھنے والا منکر قرآن ۔

لیکن گو یہ خیال کہ قرآن علم ہیئت و طبیعیات کی کتاب نہیں ہے، اور اسلام میں علمی مسائل کا بیان

---

[1] (فٹ نوٹ) بیس برس ہوئے جب سر سید احمد خاں بہادر نے تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون بنام تفسیر السموات لکھا تھا اور جس پر بڑا شور و غل ہوا تھا وہ دیکھنے کے لائق ہے اور وہ عجیب جواب علما کے خیالات میں ہوئی ہے غور کے قابل ہے اگر وہ خیالات جو اب علما ظاہر کرتے ہیں اُس وقت ہوتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا اور بیچارے سر سید کی تکفیر کی نوبت کیوں آتی۔ وہی بات جو بیس برس قبل اُنہوں نے کہی تھی اب ہمارے علما فرماتے ہیں۔ سر سید اپنے مضمون تفسیر السموات کو یوں شروع کرتے ہیں، ہم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ علمائے اسلام نے کوئی خاص علم ہیئت ایسا مقرر کیا ہے جس کی بنا قرآن یا حدیث پر ہو، جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ یہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیموں نے اختیار کیا تھا وہی بعینہ بذریعہ ترجموں کے جو یونانی زبان سے عربی میں ہوئے ہم مسلمانوں میں پھیل گیا۔ جب قرآن مجید کی تفسیریں لکھی گئیں اور قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی ایسا مضمون آیا جو علم ہیئت سے علاقہ رکھتا تھا تو انہوں نے اُس کی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے اُصول پر کی یہاں تک کہ قرآن مجید میں سات آسمانوں کا ذکر تھا اور یونانی نو آسمان مانتے تھے تو علمائے اسلام نے اُن سات آسمانوں میں عرش اور کرسی کو ملا کر پورے نو کر دیئے پس ہم سمجھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے یونانی علم ہیئت کو تسلیم کیا اور اُسی کے اصول کو مذہبی کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں داخل کر دیا رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھ اور مسائل مذہبی میں ایسا مل جل گیا کہ یونانی علم ہیئت سے انکار کرنا گویا مسائل ضروریہ مذہب سے انکار کرنا خیال ہونے لگا پس جس قدر کہ ہم کو انکار ہے اُن ہی مسائل علم ہیئت یونانیہ سے ہے جن کو علمائے اسلام نے مسائل مذہبی و تفسیر قرآن مجید میں شامل کیا ہے۔

یا تاریخی واقعات کا ذکر مورخانہ طور پر نہیں کیا گیا، صحیح ہو۔ اور گو اس سے بہت سی مشکلات دور ہو گئی ہوں، مگر اس میں شبہ نہیں ہے، کہ جب جزئیات پر نظر کی جاوے، اور مسائل مذہبی سے تفصیلی بحث ہو، تو یہ اجمالی خیال اُس تناقض کے دُور کرنے کے لئے کافی نہ ہو گا جو اسلام اور حال کے علم میں پایا جاتا ہے، بلکہ اس کے لئے جیسا کہ مولوی شاہ محمد حسین صاحب نے فرمایا، بالضرور نئے علم کلام کی ضرورت ہوگی۔ مگر اس کے لئے لازم ہے کہ علوم جدیدہ سے بخوبی واقفیت ہو، اور علمی مسائل کا علم کامل طور پر ہو۔ اور ایسی واقفیت ہو نہیں سکتی، جب تک کہ وہ کتابیں نہ دیکھی جاویں، جو ان علوم میں تصنیف کی گئی ہیں، اور اُس کے لئے ضرور ہو گا کہ یورپ کی زبانیں سیکھی جاویں۔ اس لئے کہ جس طرح خلفاے عباسیہ کے زمانہ میں یونان اور فارس کی علمی کتابیں ہماری زبان میں ترجمہ ہو گئی تھیں، اُس طرح آپ ترجمہ کی ہوئی کتابیں تو مل نہیں سکتیں، اور اگر کسی نے اردو یا عربی میں کوئی ایک آدھ کتاب کا غلط سلط ترجمہ کر لیا، اُس سے آدمی اصل علم سے واقف نہیں ہو سکتا۔ سواے اس کے اب علوم کی اس قدر ترقی ہے، اور اُس کی اس قدر شاخیں ہو گئی ہیں، اور اس کثرت سے کتابیں روزانہ تصنیف ہوتی جاتی ہیں۔ کہ بغیر اصل زبان کے جاننے کے ترجمہ سے کبھی کام نکل ہی نہیں سکتا۔ مگر میں اس بات کے دیکھنے سے خوش ہوں، کہ ندوۃ العلما اس سے بے خبر نہیں ہے، اور وہ اصل زبان میں علوم کے حاصل کرنے کی ضرورت سے واقف ہے۔ مولوی منصور علی خاں صاحب لکھتے ہیں کہ "چند علماے اہل اسلام جو معقول و منقول اچھی جانتے ہوں، اور استدلالی قوت عمدہ رکھتے ہوں، اگر زبان انگریزی میں بھی مہارت پیدا کر کے جوابات مخالفین لکھا کریں۔ اور انگریزی اخبار تائید اسلام میں جاری کریں، تو اہل اسلام کو بڑی ترقی اور کامیابی حاصل ہوگی"۔ اس تحریر کو دیکھ کر اُن لوگوں کو تعجب ہو گا، جو کہ مسلمان عالموں پر عموماً تعصب کا الزام لگایا کرتے ہیں، بلکہ اس سے زیادہ اُن کو مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب دہلوی کی تقریر کے بعض مقامات پر حیرت ہوگی، کہ وہ نہ صرف علوم و فنون جدیدہ کے حاصل کرنے کی ضرورت بتاتے ہیں، بلکہ اب تک جو غفلت مسلمانوں نے کی اُس پر اس طرح افسوس کرتے ہیں کہ "تخمیناً پچاس برس سے نئے علوم اور جدید فنون جو فاتح اور حکمران قوم کے ساتھ آئے اُن سے بھی ہماری بدنصیبی نے حصہ نہ لینے دیا، ایک تو افلاس تھا ہی، اُس پر نفاق اور جہل نے، اور بھی رہی سہی عزت اور دولت کو برباد کر دیا"۔

اے حضرات! اگر ہم کو یہ بدنصیبی دامنگیر نہ ہوتی، اور گذشتہ پچاس برس میں بقول مولوی عبد الحق صاحب کے، ہم نئے علوم اور جدید فنون سے ناواقف نہ رہتے۔ تو قطع نظر اس کے کہ ہماری دنیاوی عزت ہاتھ سے نہ جاتی۔ ہم اب تک بہت سے عالم اپنی قوم میں ایسے دیکھتے، جو علوم دینی تفسیر اور حدیث کو بھی محققانہ طور پر جانتے ہوتے، اور علوم و فنون جدیدہ سے بھی بخوبی ماہر ہوتے۔ عربی

زبان میں بھی اُستادی کا عزاز اُن کو حاصل ہوتا، اور یورپ کی زبانوں میں بھی کامل ہوتے۔ اور اُس علم میں جس کی اب ضرورت بیان کی جاتی ہے، اب تک ہم بہت سی کتابیں موجود پاتے۔ کیا خوب فرمایا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے، کہ "کسی مذہب کی تردید کرنا قبل اس کے کہ اُس کو سمجھیں اور اُس کی حقیقت سے مطلع ہوں اندھیرے میں تیر چلانے ہیں، اور بے سمجھے بوجھے محققہ مسائل کو غلط کہدینا، اور جو باتیں علم کی دلائل ہندسیہ کی طرح مستحکم دلیلوں سے ثابت ہوچکی ہیں، اُن کو نہ ماننا مذہب کی حمایت نہیں ہے"، بلکہ ایسی حمایت کرنے والوں کو، وہ اسلام کا جاہل دوست سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ایک کتاب میں فرماتے ہیں کہ "[1] ریاضیات میں ایک آفت اسلام کے دوستوں سے پیدا ہوئی ہے، جن کا یہ خیال ہے کہ دین کی فتحیابی یہ ہے، کہ جو علم فلاسفہ کی طرف منسوب ہو، اُس سے انکار واجب ہے۔ اس لئے انہوں نے جملہ علوم فلاسفہ سے انکار کیا ہے۔ اور اُن کی جہالت نے اُن کو یہاں تک آمادہ کیا ہے، کہ جو کچھ فلسفیوں نے کسوف وخسوف کے باب میں لکھا ہے اُس سے بھی انکار کیا، اور یہ کہا کہ اُن کے یہ اقوال بھی خلاف شرع ہیں، جب یہ بات ایسے شخص کے کان میں پڑتی ہے جس کو یہ امور دلیل قطعی سے معلوم ہو چکے ہیں، تو اُس کو اپنی دلیل میں تو کچھ شک پیدا نہیں ہوتا، لیکن اُس کو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ اسلام اس دلیل قطعی کے انکار اور جہل پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ فلسفہ کی محبت اور اسلام کی طرف سے بغض روز بروز ترقی پاتا ہے۔ پس جس شخص نے یہ گمان کیا، کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی نصرت ہوگی، اُس نے حقیقت میں دین اسلام پر سخت ظلم کیا"۔ دوسرے مقام پر وہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص یہ گمان کرتا ہے، کہ ان مسائل محققہ علم ہیئت پر ہندسہ وحساب کی رو سے ایسے دلائل قطعی قائم ہو چکے ہیں کہ اُن میں شک کی مجال نہیں ہے، جو شخص ان دلائل سے واقف ہو، اور اُس نے اُن کی خوب تحقیق کرلی ہو، اور وہ حساب کی رُو سے کسوف وخسوف کی پہلے سے خبر دیدی، اور یہ بھی بتادی کہ کس قدر اور کتنی دیر تک کسوف وخسوف رہیگا، اُس کو اگر یہ کہا جاے، کہ تمہارا قول خلاف شرع ہے تو اُس کو اپنے قول کے یقینی ہونے میں تو شک ہونے سے رہا ہی، ہو نہ ہو شرع کی صداقت میں ہی اُس کو شبہ پیدا ہوگا، پس بقول شخصے کہ "جاہل دوست سے عاقل دشمن بہتر ہے، جو لوگ شرع پر معقول طریقہ سے طعن کرتے ہیں، اُن سے مذہب اسلام کو اس قدر ضرر نہیں پہنچتا، جس قدر اُن لوگوں سے پہنچتا ہے، جو بیڈھنگے طور پر شرع کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ پھر اس کے آگے امام صاحب نے ایک حدیث کا ذکر کرکے فرمایا ہے کہ "اگر کوئی یہ کہے کہ کسوف وخسوف کا اس طور پر بتانا اُس حدیث کے الفاظ کے خلاف ہے، جس کے یہ الفاظ ہیں کہ جب کسی شے پر اللہ تعالے کی تجلی ہوتی ہے، تو وہ شے اُس کے آگے سرنگوں ہوجاتی ہے۔ تو اُس کا یہ جواب ہے کہ اول تو ان زائد الفاظ کی صحت مشتبہ ہے انتہی

[1] دیکھو تہافتہ الفلاسفہ اور منقذ من الضلال ❊

راوی کی تکذیب اجب ہے، اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہو، تو امور قطعیہ کے انکار کی بنسبت ایسی روایت کی تاویل کرنا سہل تر ہے۔ بُتیری جگہ بعض ایسے دلائل قطعیہ کی وجہ سے جو وضوح میں اس حد تک نہیں پہنچتے تھے جس قدر دلائل دربارہ کسوف و خسوف پہنچتے ہیں، ظاہر آیات کی تاویل کرنی پڑی"۔ غرضکہ یہ امر کہ حال کے علمی مسائل پر غور کیا جاوے اور اُس کی تردید یا تطبیق مذہبی مسائل سے کیجاوے، بلاشبہ نہایت ضروری امر ہے۔ اور اُس کے لئے اُن علوم کا سیکھنا لازم ہے، اور ہمارے تمام عالموں پر یہ فرض کفایہ ہے ؀

مگر حضرات! مَیں اس بات سے انکار نہیں کرتا، کہ ہمارے بعض یا اکثر علما کو مغربی علوم و فنون سے نفرت نہیں ہے، یا وہ انگریزی تعلیم کو حرمت اور کراہت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ بلاشبہ اکثر اُس سے نفرت کرتے، اور اُسے بُرا جانتے ہیں۔ لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ ان علوم کو اب تک وہ علوم ہی نہیں سمجھتے، اُن کا تو یہ خیال ہے کہ جس طرح نقلی علوم قرآن اور حدیث میں جمع ہیں، اور اُس کی تفسیر و تفصیل پچھلے علما پر ختم ہو گئی، اسی طرح فلسفہ اور معقولات کا علم ارسطو پر ختم ہو گیا، اور فارابی اور بوعلی اُس کی تشریح کر چکے۔ اُن کے اقوال اور خیالات کے جمع کرنے سے پچھلے مصنفوں نے ہم کو فارغ کر دیا۔ جس طرح علم دین میں کوئی اب نئی بات نہیں نکال سکتا، اور نہ نئی شریعت کوئی لا سکتا ہے۔ اسی طرح فلسفہ اور حکمت میں اب کوئی نئی بات نہیں کہہ سکتا، نہ کسی علم و حکمت سے کوئی نئی بات معلوم ہو سکتی ہے۔ جو نئی باتیں بیان کی جاتی ہیں، وہ چند سودائیوں کے مہمل خیالات ہیں، جو دوربینوں اور نئے آلات سے غلطیوں میں پڑے ہیں" ؀

مگر حضرات! یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اور نہ صرف ہماری ہی یہ حالت ہے۔ بلکہ ہم اگر یورپ کی گذشتہ حالات کو دیکھیں، اور اُس زمانہ کی جو ڈارک ایجز (یہ زمانہ چوتھی صدی عیسوی سے چودھویں صدی تک سمجھا جاتا ہے) کے نام سے پکارا جاتا ہے، تاریخ پڑھیں، تو ہم کو معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ میں یورپ کی حالت ہمارے بدتر سے بدتر زمانہ سے بھی زیادہ ابتر اور خراب تھی، اور جن افسوسناک غلطیوں میں ہم پڑے ہوئے ہیں، اُس سے ہزار درجہ بڑھ کر یورپ کے عالم پڑے ہوئے تھے۔ اُس وقت اُن میں بھی دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جو صرف منقولی تھے، اور علم کی جانچ مذہبی روایت سے کرتے تھے۔ جس بات کو وہ اپنے مانے ہوئے مسائل کے خلاف پاتے، اُسے صرف اسی بنیاد پر کہ وہ مذہب کے خلاف ہے باطل سمجھتے، اور اُس کے ماننے والے کو کافر ٹھیراتے۔ دوسرے وہ جو معقولی تھے، مگر فلسفہ اور علم میں بھی کسی جدید بات کو نہ مانتے، بلکہ ہر علمی مسئلہ کے لئے بھی کسی اگلے حکیم یا عالم کی رائے کی سند چاہتے، ایک نامی مورخ یورپ کا لکھتا ہے "کہ تیسری صدی عیسوی کے ختم پر جب کہ عیسائیت کا تسلط ہونے لگا یونانی فلسفہ کا زوال برابر ہوتا چلا گیا۔ ایجاد اور تحقیق کی

قوت دماغوں سے جاتی رہی، بجائے موجد اور محقق عالموں کے صرف اُن کے اقوال کی شرح کرنے والے رہ گئے، اور بجائے اس کے کہ خود حق کی تحقیق کریں اور اپنی دماغی قوت کو کام میں لاویں۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو بڑا معقولی اور فلسفی سمجھتے، اپنی رائے کی تائید قدما کے اقوال اور آرا سے کرتے، اور افلاطون یا ارسطو کی اصلی یا منسوب الیہم آرا کو حق کا معیار سمجھنے لگے۔ اس زمانہ میں علما اس طرح عمل کرتے تھے گویا نسل انسانی میں اصلی تحقیقات اور دریافت کرنے کا کبھی رواج ہی نہیں ہوا۔ اور گویا وہ حقائق جو دنیا کو معلوم ہیں، غور اور فکر اور تحقیق و تجسس کے نتیجے نہیں ہیں، بلکہ قدیم زمانہ میں بطور وحی کے آسمان سے نازل ہوئے ہیں۔ یہ خیال جو اس زمانہ کے لوگوں میں پیدا ہوا، اور یہ طرز جو انہوں نے علم میں اختیار کیا، وہ نتیجہ تحقیق کے چھوڑنے اور تقلید کے اختیار کرنے کا تھا۔ جب یورپ مذہبی باتوں میں تقلید پر مجبور کیا گیا، وہ بحث اور تحقیق کی راہ سے روک دیا گیا۔ تو اس کا اثر لازمی یہ تھا، کہ آہستہ آہستہ دماغوں سے ایجاد کی قوت اور تحقیق کا خیال جاتا رہے، اور اُن لوگوں کی رایوں اور خیالوں کا جاننا ہی علم سمجھا جائے، جو لوگ کہ موجد اور محقق تھے۔ جب آزادی کے ممتاز خیالات حکومت یا مذہب کے حکم سے بند کر دیئے جاتے ہیں، تو بتدریج تحقیق کی قوت ہی زائل یا ضائع ہو جاتی ہے، اور علوم اپنی جگہ پر قائم اور سُست ہو کر پیچھے کی طرف جانے لگتے ہیں۔ جب آدمی صرف علمی اصطلاحات کو بغیر اُس کے کہ علم کی اصلی حقیقت کا خیال رکھے یاد کرنے پر قناعت کرتے ہیں۔ اور جب کہ علمی اصول اور فلسفی مسائل اس طرح مانے جاتے ہیں گویا وہ بھی ایک قسم کی روایتیں ہیں، نہ امور یقینی۔ اور جب کہ بجائے دیکھنے کے صرف کہنے پر ایمان رہجاتا ہے۔ اور جب کہ علم سمجھا جاتا ہے، کہ وہ پچھلے دانشمند لوگوں کی محض رایوں کا ایک مجموعہ ہے، نہ یہ کہ علم اُن زندہ قوانین کا بیان ہے جو ہمارے دنیا پر حکمراں ہیں۔ تب لامحالہ یہ صورت پیدا ہوگی، کہ آدمیوں کے ہاتھ سے علم کی گرفت نکل جائیگی، اور وہ علم جس کو زمانہ سلف کے بڑے بڑے محققین نے تاریکی سے روشنی کی طرف نکالا تھا، پھر تاریکی کی طرف جانے لگیگا۔ ایسی حالت میں یہ قابلیت باقی نہیں رہتی، کہ اُن علمی حقائق اور فلسفی مسائل کو جس کو پُرزور دماغوں نے نکالا تھا۔ یہ بودے اور کمزور ہاتھ آگے بڑھائیں، اور ترقی دیں۔ بلکہ اُس میں اتنی قوت بھی باقی نہیں رہتی، کہ جس تاریکی سے علم نکل کر آیا تھا، پھر اُس تاریکی میں واپس جانے سے اُسے روکیں۔ اِسی وجہ سے یورپ کی اُس زمانہ میں یہ حالت ہوگئی، کہ بجائے نئی باتوں کے ایجاد کرنے کے، پُرانے حکیموں کی رایوں کا جمع کرنا ہی لٹریچر میں ایک باوقعت جگہ پانے لگا۔ اور بجائے خود دلیل لانے کے ارسطو اور افلاطون وغیرہ حکیموں کے اقوال کو سند پیش کرنے لگے۔ اور جس طرح یہ کہنا کہ بائبل میں یہ لکھا ہوا ہے، ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کا حوالہ دینے لگے۔ اُس زمانہ کے عالم حکیموں کے اقوال کو اس طرح جمع کرتے، جس طرح محدّث روایتوں کو جمع کرتے ہیں۔ نہ اپنی عقل کو کام میں لاتے [illegible]

اُس کی تنقید کرتے۔ مگر ایسے اقوال کو اس طرح پر بیان کرنا، کہ گویا یہ قول مسائل طبیعیات کے ثبوت کے لئے بڑے مستحکم دلائل ہیں، اس بات کی شہادت ہے، کہ وہ علم کو بہت سرسری نظر سے دیکھتے تھے، اور بہت سطحی طور پر سمجھتے تھے۔ نہ وہ اُن مسائل کی اصلی حقیقت سمجھتے تھے، نہ اُس کے سمجھنے کی فکر کرتے، اور نہ اُس کی قوت رکھتے۔ فقط کسی بڑے کی رائے سمجھ کر اُسے مان لیتے، مگر علمی مسائل میں فقط سند کافی نہیں ہوتی ہے۔ ایسی سندیں اور بڑے بڑے آدمیوں کی رایوں کے حوالے، مذہبی باتوں میں بلاشبہ قابل وقعت ہیں، مگر علم میں اُس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ علمی کتابیں جو اس زمانہ میں تصنیف ہوئیں، اس بات پر شاہد ہیں کہ فلسفیانہ دماغ باقی نہ رہے تھے، اور سوا رایوں اور قولوں کے خلاصوں کے، فلسفہ کی جان کسی کتاب میں پائی نہیں جاتی۔ درحقیقت ایسی کتابوں کی غذا علم کا خون چوس ہوتی ہے۔ اور اُن کی مثال اُن کیڑوں کی سی ہے جو کسی جاندار کی لاش کے سڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

حضرات! یہ نہ سمجھنا کہ علم و فلسفہ کے تنزل اور مصیبت کا خاتمہ اسی پر ہو گیا، کہ بجائے تحقیق کرنے والوں کے تخریج کرنے والے پیدا ہوئے، اور تصنیف کی قوت جاتی رہنے سے فقط شرح لکھنا رہ گیا بلکہ یہ حالت بھی غنیمت تھی۔ اس لئے کہ یہ شارحین اگرچہ غلامانہ اطاعت ارسطو اور افلاطون کی کرتے تھے، مگر اُن میں جودت اور ذہانت کی جھلک پائی جاتی تھی، وہ حکمائے سلف کے خیالات ثابت کرنے کے لئے اپنی ذکاوت اور تیزیٔ طبیعت سے کوئی نہ کوئی وجہ نکال لیتے تھے، اور اگرچہ حقائق کے ادراک اور نئی چیزوں کی ایجاد کی قوت نہ رکھتے تھے، تاہم وہ کسی حکیم یا فلسفہ کی رائے اور قول سے مخالفت کو اگر کر سکتے بُرا نہ جانتے تھے۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد اس حالت میں بھی تبدیلی ہو گئی، اور جن غلاموں نے اپنے تئیں پرائے جوئے میں لگا دیا تھا، وہ یہ جُوا زبردستی اوروں کے گلے میں ڈالنے لگے۔ ذہن کی جس تیزی نے بعض مسلّم تصانیف میں جو کچھ حقائق دریافت اور درج کئے تھے، چاہا کہ کسی آدمی کو اِن حقائق کے سوائے اور کچھ نہ ملے، اور ان تصنیفات کے باہر کسی چیز کو وہ نہ دیکھ سکیں۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ علما اور حکما بغیر اس کے کہ خود اپنے آپ کو غلامی سے آزاد کریں، مطلق العنان اور جابر بادشاہ ہو گئے۔ اور شارحین کی حیثیت میں اُنہوں نے مذہبی حاکم کی حیثیت اور زیادہ کی۔ جب حکومت نے آزادی کو معدوم کر دیا، اور قومی عزت اور عظمت جو ہمیشہ آزادی سے پیدا ہوتی ہے جاتی رہی، اور بجائے شگفتگی اور جوش کے لوگوں پر افسردگی چھا گئی۔ اُس نے اس دماغی ضعف کو جو مذہب کے غلبہ سے پیدا ہونے لگا تھا اور بڑھا دیا۔ اور رفتہ رفتہ اُسے ایسا منجمد کر دیا، کہ تحریک کی قوت بالکل جاتی رہی۔ آدمی نیچر سے مشورہ کرنے بھول گئے، نئے حقائق کے دریافت کرنے سے جی چرانے لگے۔ اور نہ صرف جی چرانے لگے۔ بلکہ اُسے ممنوع اور مکروہ اور ناجائز سمجھنے لگے۔ اس لئے کہ جب منطق اور فلسفہ مذہب

میں داخل ہوگیا، اور استدلال کا طریقہ مذہبی علما میں شائع ہوا اور تردید آلحق کے لئے حکمت اور منطق کے اصول اور مسائل، دینی کتابوں میں داخل ہو گئے اور ان میں ایسا خلط ملط ہوگیا۔ کہ ایک کا دوسرے سے پہچاننا اور تمیز کرنا مشکل ہوتا۔ ایسی حالت میں یہ لازمی نتیجہ تھا، کہ یہ علمی مسائل بھی مذہبی مسائل سمجھے جانے اور پھر آیندہ اُس میں بھی تحقیق بدعت اور اس کا انکار کفر خیال کیا جاتا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مذہب نے اپنی حکومت نہ صرف مذہبی مسائل پر محدود رکھی، بلکہ تمام علوم کو اپنا ماتحت اور تمام حقائق کو مذہب کا جزو قرار دیا۔ جس طرح کہ مذہب نے اپنے دائرہ کے اندر نہایت زبردست اور اعلےٰ حاکم کی طرف سے سند حاصل کی تھی، اور تمام چیزوں کو احکم الحاکمین کی طرف سے سمجھتے تھے۔ اسی طرح فلسفہ کو بھی مذہب کی شاہنشاہانہ قوت میں شریک کرلیا۔ اور اُس کے مسائل سے انحراف کرنا بھی ناجائز اور قابل الزام قرار دیا گیا۔ غلطی کا خیال نشان خیانت، اور تحقیق کا ارادہ بدعت سمجھا گیا۔ مسلّم شدہ انسانی اصول سے انحراف اور بدعقیدگی ویسی معیوب ہوگئی، جیسے قول ربانی سے انحراف، غرضکہ جس علم کو معقولات سمجھتے وہ بھی منقولات میں داخل ہوگیا ؞

الحاصل اُس فرقے کے جو اپنے آپ کو معقول سمجھتا معقولات میں یہ کیفیت تھی۔ اس سے اندازہ کرنا چاہیئے، کہ وہ فرقہ جو اپنے آپ کو منقولی اور مذہبی سمجھتا اُس کی کیا حالت ہوگی ؞

صاحبو! نہ اَب اِتنا وقت ہے اور نہ اس کا موقع کہ میں اس کا کچھ مفصل حال بیان کروں۔ مگر مختصراً اتنا کہنا چاہتا ہوں، کہ یہ فرقہ پہلے فرقہ کا بھی دشمن اور اُس کا مخالف۔ اور سوائے مذہبی روایت کے عقل اور علم کے نام سے متنفر تھا۔ اُنھوں نے صرف اخلاقی باتوں میں بلکہ تمام چیزوں میں مذہب کو معیار صدق ٹھیرایا، اور اس بات کا دعوےٰ کیا۔ کہ جو کچھ خدا اپنے بندوں کو سکھانا چاہتا تھا وہ بذریعہ وحی کے سکھا چکا، اور جتنا علم انسان کو حاصل ہونا ممکن تھا، وہ بذریعہ ربانی الہام کے اُن کو بتا دیا گیا۔ اُنھوں نے اشتہار دیا کہ اُن کی مقدس کتابیں گویا علم کی حدود ہیں، اور اس علمی اجارہ میں اُن کے پادری سلطنت کی حمایت سے کسی حریف کی رقابت گوارا نہ کرینگے۔ پس اس طور پر علم مکروہ اور حرام اور ممنوع قرار دیا۔ اور بحکم مذہب حکمت اور فلسفہ کی تعلیم بند کردیگئی۔ چنانچہ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مذہب جو آج اپنے آپ کو علم کا حامی کہتا ہے، ہزار برس تک علم کا مخالف اور اُس کا دشمن اور اُن کی ترقیوں کا مانع اور مزاحم رہا۔ اور ظلمت کو ترقی ہوتی رہی۔ اور جو آفتیں اُس کے سبب سے علم پر آئیں، اور جو ہولناک سزائیں عالموں اور حکیموں اور فلسفیوں اور اُن لوگوں کو جو نئی تحقیقات کرتے یا کچھ بھی اُن کے اعتقادات کے خلاف زبان سے نکالتے، دیجائیں۔ اس وقت اُن کے خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ علم کے ساتھ اس مذہب کو ایسی عداوت ہوگئی، کہ اُس نے نہ صرف آیندہ کے لئے علم کی ترقی روکی، بلکہ پُرانی علمی یادگاروں کا باقی رہنا بھی گوارا نہ کیا، اور جب تک

سارے علمی خزانے برباد کر لئے اور تمام علمی یادگاروں کو مٹا نہ دیا، تب تک چین نہ آیا۔ چنانچہ اسکندریہ کے بشپ نے اسکندریہ کو اس مضمون کا فرمان شاہی بھجوایا۔ کہ سریپین جو مشہور کتب خانہ تھا منہدم کر دیا جاوے، اور اس عظیم اور قدیم کتب خانہ کو جس کو بطلیموس کے خاندان نے جمع کیا تھا، اور سیزر کی آگ سے بچ رہا تھا، اِس جاہل متعصّب پادری نے نیست و نابود کر دیا۔ اس مذہبی جوش نے جہل کو علم پر اور تعصّب کو عقل پر اتنا غالب کر دیا تھا، کہ جو درد ناک واقعات اُس وقت اُس سے پیدا ہوئے آج اُس پر یقین کرنا کیسا، کوئی اُسے حکایت اور افسانہ سے بڑھ کر تاریخی واقعات بھی نہیں مان سکتا چنانچہ سینٹ سرل (St Cyril) جس نے حضرت مریم کی پرستش کو رواج دیا، ایک عورت ہیپاشیا (Hypatia) نامی کو جو حکمت کی عالمِ متبحرہ تھی، اور جو علمی مضامین پر لکچر دیتی، اور کتابیں تصنیف کرتی تھی، اور جس کے سبب سے اس متعصّب پادری کو صدمہ پہنچتا تھا۔ ایک دِن جب کہ وہ مدرسہ کو جا رہی تھی اپنے پادریوں سے پکڑوایا۔ جنہوں نے اُس کو بیچ بازار میں مادر زاد ننگا کیا، اور گرجے میں لیجا کر پیٹر کے لٹھ سے اُس کا سر تڑوایا، اور اُس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُس کے گوشت و پوست کو چھیلکر، اُس کی ہڈیوں کو آگ میں جھونک دیا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی یونانی فلسفہ کا اسکندریہ سے چرچا اُٹھ گیا، اور اُس علم کا جس کی اشاعت کے لئے بطلیموس اور اُس کے خاندان نے کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا، اس طور پر خاتمہ ہوا۔ سریپین (Serapion) کا کتب خانہ تو برباد ہی ہو چکا تھا، جو کچھ اُمنگیں فلسفہ اور حکمت کی تحصیل کی باقی تھیں اُن کو ہیپاشیا (Hypatia) کے عبرت انگیز واقعہ نے ٹھنڈا کر دیا؛ اور انسانی خیال کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا، اتھنس (Athens) پر یہی آفت آئی اور فلسفہ کا بھی یہی حال ہوا۔ اُس شہر کے بھی تمام مدارس توڑ دیئے گئے، اور فلسفہ کی تعلیم کی قطعی ممانعت کی گئی۔ اور تمام علم حکمت کا مدار مقدس کتابوں پر رکھا گیا، اور وہی تمام فلسفہ اور علوم کی کسوٹی قرار دی گئیں، اور تمام علوم یہاں تک کہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، طبقاتِ ارض، اور دیگر علوم کی تنائیں اُس میں چسپاں کر دی گئیں، اور دلائل کا نیا ڈھنگ نکالا گیا۔ یعنی بجائے اس کے کہ عقلی دلیل پیش کی جاوے، علم کو مذہبی دلیل سے باطل کرنے لگے۔ میں صرف نمونہ کے طور پر آپ کو ایک دلیل سناتا ہوں، جس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ کیسی عمدہ اور قوی دلیلیں، علم کے مقابلہ میں یہ بزرگوار پیش کیا کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں زمین کے گول ہونے کی بحث پیش ہوئی اُس کی کرویت کے بطلان پر یہ دلیل پیش کی گئی، کہ "کیا یہ ممکن ہے کہ انسان ایسا بڑا بیوقوف ہو کہ یہ بات باور کرے کہ درخت اور پودے زمین کے دوسری طرف نیچے کو لٹک رہے ہیں، یا وہاں کے باشندوں کے پاؤں اوپر ہیں، اور سر نیچے۔ اگر ان لوگوں سے پوچھو، کہ ان بیہودگیوں کا کیا جواب دیتے ہو، اور کیوں یہ چیزیں زمین پر سے گر نہیں جاتیں، تو وہ کہتے ہیں کہ اشیاء کی

بالطبع یہ خاصیت ہے، کہ بھاری چیزیں مرکز کی طرف اور ہلکی چیزیں مثلاً بادل دُھواں اور آگ اوپر کی طرف رجوع ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کو کیا کہوں۔ جب ایک بار غلطی کرتے ہیں تو اُس پر اس قدر قائم ہو جاتے ہیں، کہ ایک احمقانہ رائے کی دوسری احمقانہ رائے سے تائید کرتے ہیں۔ اسی مسئلہ پر مشہور پیشوائے دین عیسوی کے سینٹ آگسٹس بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ زمین کی اُس طرف آبادی کا ہونا محال ہے، اس واسطے کہ کتاب مقدس میں حضرت آدم کی اولاد میں کوئی قوم اس قسم کی بیان ہی نہیں کی گئی۔ مگر اس مسئلہ کے خلاف میں کہ زمین کی شکل کروی ہے، سب سے اہم اور لاجواب دلیل یہ سمجھی جاتی ہے، کہ "اُس طرف کے باشندوں کو حشر کے دن ہمارے خداوند کا آسمان سے زمین پر اُترنا کیونکر نظر آویگا" اس لئے کہ جب زمین گول ہے تو اس کے ایک ہی طرف لوگ دیکھ سکینگے۔ حالانکہ ہمارا خداوند مسیح جب آسمان سے اُتریگا۔ تو وہ تمام لوگوں کو اُترتا ہوا دکھائی دیگا۔ اس زمانہ میں جب کہ تمام علوم کا دارومدار مذہب پر تھا، اور حقائق اشیاء کا بیان بھی مذہب کرتا تھا اور ہیئت جغرافیہ، اور طبقات ارض، غرضکہ کل عالم کی حقیقت کا بتانا بھی مذہب کے ذمہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک کتاب تصنیف ہوئی، جس کا مختصر بیان سُنانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اور آپ کو تعجب ہوگا کہ وہ عیسائی جو آج ہم پر ہنستے، اور ہم کو علم کا دشمن سمجھتے، اور جو اس وقت حقیقت میں علم کے بڑے حامی اور مربی ہیں، وہ کیسے خیالات رکھتے تھے، اور اُن کے مذہبی عالم کیسی عجیب تصنیفیں کیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اصول جغرافیہ کا یہ ہے کہ زمین ایک سطح ہے جس میں چار گوشے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک چار سو دن کی مسافت ہے اور شمال سے جنوب تک اس سے ڈیوڑھی۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں جن پر آسمان قائم ہے۔ شمال کی جانب میں ایک بہت بڑا پہاڑ ہے۔ اس کے پیچھے جب آفتاب جاتا ہے تو دنیا پر تاریکی چھا جاتی ہے، جسے رات کہتے ہیں۔ زمین کچھ جنوب کی جانب جھکی ہوئی ہے، اس وجہ سے دریائے فرات وغیرہ جن کا بہاؤ جنوب کی جانب ہے، بہت تیزی سے بہتے ہیں" ایک دوسرے صاحب علم ہیئت کے متعلق فرماتے ہیں کہ "آسمان آتشی اور رقیق ہے اور برف کی ٹھنڈک سے اُس کی حرارت بڑھنے نہیں پاتی ورنہ ساری دنیا جلجاوے"

غرضکہ یہ حقیقت تھی اُس علم کی، جس کی نسبت کہا جاتا تھا، کہ یہ ربانی الہام کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے، اور جس پر بزرگان دین نے انسانی علم کو حصر کر دیا تھا، کتاب مقدس کو جس کی اصلی غرض یہ تھی، کہ لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرے۔ اس غرض سے نکالکر انسانی علوم کا معیار بنا دیا۔ اور لوگوں کے قول عقلی پر جابرانہ حکومت قائم کر دی۔ تخیل تو موجود ہی تھی، پیرو بہت سے پیدا ہو گئے، یونان کی اعلیٰ اور بڑی تصنیفات فلسفہ پر گمراہی کا فتوے صادر کیا گیا، اسکندریہ کے عجائب خانے کے بے بہا اور نادر کتابوں پر جہل اور اغلاق کا پردہ ڈال دیا گیا، اور عقل میں عقل کو دخل دینے اور مذہب کو علم

...تے سے وہ وظیفہ یا منتر اختیار کی گئی جسے نہ کوئی سمجھ سکتا تھا نہ اُس سے کچھ فائدہ تھا۔ بہرحال اُس زمانہ میں اُنہیں علوم کی تعلیم ہوتی، جن کو پادریوں نے اپنے تعصب یا ناواقفی یا فائدہ کی غرض سے جاری کر رکھا تھا، اور اُس میں تغیر یا تبدل یا ترقی نہ فضول سمجھی جاتی، بلکہ بے ادبی، اور الہام ربانی کی مخالفت خیال کی جاتی، اور صاف صاف کہا جاتا کہ ؎

وکل العلم فی البیبل ولکن
تقاصر عنه افهام الرجال

جو کچھ خدا کو بتانا تھا، وہ بذریعہ کتب مقدسہ کے بتا دیا گیا، اُن کے سوائے اور کسی قسم کے دریافت کی کوشش، گویا خدا کی کنہ اور ماہیت کی تلاش کرنی ہے +

صاحبو! ان خیالات پر جس کی اصلی بنیاد سینٹ آگسٹس (St. Augastnus) نے ڈالی، اور جو اُس کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں، اور جس کو اہل مذہب پندرہ سو برس سے مستند مانتے چلے آتے ہیں، غور کرنے سے کبھی یہ امید نہیں ہوسکتی کہ اُن میں تبدیلی ہوسکیگی، اور نہ یہ یقین آسکتا ہے کہ وہ زنجیریں جن میں ہزار برس تک تمام یورپ قید رہا کبھی ٹوٹ سکیگی۔ مگر آخر وہ زمانہ آیا جس میں ان قیدوں سے لوگوں نے نکلنا شروع کیا۔ اور وہ پادریوں کے ڈالے ہوئے طوق اور سلاسل کو توڑنے لگے۔ چونکہ پادریوں نے اس کا نام مذہبی قید رکھ دیا تھا، اس لئے آغاز اُس کا اُسی کے توڑنے سے ہوا مگر تقلید کی قید سے رہائی آسان نہ تھی، اس لئے بہت بڑی جنگ کرنی پڑی، بہت سے عزیز اور قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، اور بہت دن اس کام میں لگے۔ مگر آخر وہ آزادی حاصل ہوئی، اور اچھی طرح حاصل ہوئی جب ایک مرتبہ تحقیق کا پھر شوق تازہ ہوا، اور لوگوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اس آزادی نے مذہب ہی کو آمیزش سے پاک نہیں کیا، اور نہ انسانی کتابیں چھوڑ کر لوگ خدائی کتابوں پر غور کرنے لگے، بلکہ اُس کا اثر تمام عقلی علوم پر بھی ہونے لگا۔ دماغوں میں تحریک پیدا ہوئی۔ خیالات روشن ہونے لگے۔ اور حقائق کے دریافت کرنے پر لوگ متوجہ ہوئے۔ اور جب اس طور سے ایک دفعہ وہ بند توڑ دیا گیا، جو علم کے صاف اور پاک چشمہ پر بنا دیا گیا تھا تو حکمت اور فلسفہ کا چشمہ بہنے، اور خدا کی زمین کو جو صدیوں سے بنجر پڑی ہوئی تھی، تر و تازہ کرنے لگا۔ علم میں غلامانہ اطاعت کے بدلے صداقت کی تحقیق ہونے لگی۔ لوگ رایوں کے اوپر منازعہ اور مناظرہ چھوڑنے لگے۔ اور بجائے اس کے کہ پچھلوں نے کیا کیا کہا ہے، خود دیکھنا شروع کیا۔ شرح اور اقوال کے بیان کا عمل ختم ہوا، اور سائنس یعنی علم کا آفتاب اُفق میں نظر آنے لگا۔ لوگوں نے جب خود سوچنا اور غور کرنا شروع کیا۔ تو بہت جلد پادریوں کی اُس حکومت سے جو علم پر قائم کی گئی تھی بغاوت کرنے اور یہ کہنے لگے، کہ دوسروں کو کیا حق ہے کہ زبردستی اپنی رائیں ہم سے منوائیں، اور ہم کیوں اندھوں کی طرح دوسروں کے پیچھے چلیں، آخر انہوں نے پرانے فلسفی

خیالات اور قدیم نظاموں کے پرانے لباس اُتار کر پھینک دئے، اور مسائل متبرا و کتب مسیحی کے عقائد کے ماننے سے بھی منکر ہو گئے۔ جب ایک دفعہ اُن کو یہ بات معلوم ہو گئی، کہ ہم خود حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں، تو حق کی طرف اُن کا میلان بڑھنے لگا، روز بروز انھوں نے حقائق اشیاء کی تحقیق آزادانہ ظاہر کی۔ تقلید کی اس بغاوت، اور خیالات کی اس صفائی اور امتیاز نے سب سے اول علم ہیئت میں اپنا ظہور دکھایا، اور یہ صفائی اور صحت خیال، کوپرنیکس کے نظام میں متشکل ہوئی، اور ایک صدی کے سخت جنگ و معاوضہ کے بعد گیلیلیو اور اُس کے پیرووں نے اُن مسائل کو ثابت کیا، اس کے بعد تدریج نہ صرف اسی علم میں ترقی ہوئی، بلکہ تمام علوم میں، خیال کے بدلے مشاہدہ سے کام لینا شروع ہوا، اور ہر علم میں روزانہ ترقی ہونے لگی۔ اور نہ فقط پرانے علوم میں غلطیوں کی اصلاح ہوئی، بلکہ بہت سے نئے علوم ایجاد ہوئے۔ نئی نئی باتیں دریافت کی گئیں۔ اور وہ حیرت انگیز نتیجے ظاہر ہوئے جن کو نہ ہم فقط اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، بلکہ اُس سے ہم مستفید اور متمتع ہو رہے ہیں۔

حضرات! میں نے جو شبیہ یورپ کے علمی حالت کی چھوٹے اسکیل میں اس وقت آپ کو دکھائی وہ کوئی خیالی تصویر نہیں ہے، بلکہ اصلی اور سچی صورت یورپ کے تنزل اور ترقی کی ہے، یہ کوئی افسانہ نہیں ہے جو میں نے آپ کو سنایا ہو۔ بلکہ یہ وہ واقعات ہیں جو یورپ پر گزرے، اور جس پر ہم کو نہایت غور کرنا چاہئے، تاکہ ہم اپنی تعلیم کی موجودہ حالت کو ابتر اور غیر مفید دیکھ کر مایوس نہ ہوں اور اپنی قوم میں خیالات کی تبدیلی اور اُس سے ترقی حاصل کرنے سے شکستہ دل نہ ہوں۔

صاحبو! جو چیز دنیا میں ایک مرتبہ کسی قوم یا کسی ملک میں ہوئی ہے۔ کیا سبب ہے کہ دوسری قوم اور دوسرے ملک میں وہ نہ ہو سکے۔ اور جو نظیر ایک قوم کی ہمارے سامنے ہے، اُسے دیکھ کر ہماری ہمتیں کیوں نہ بڑھیں، اور ہمارے دلوں میں جوش کیوں نہ پیدا ہو۔ اور ہم اپنے علماء سے جن میں خدا کی مہربانی سے بہت سے عالی دماغ اور روشن خیال اب تک موجود ہیں، اپنی حالت کی اصلاح کی توقع کیوں نہ کریں۔

خصوصًا ایسی حالت میں کہ نہ یورپ کے اُس زمانہ کی طرح جس کا ذکر میں نے ابھی کیا، ہم باطل خیالات اور غلط اوہام میں گرفتار ہوں، نہ ہماری تعلیم کی حالت اُس درجہ ابتر اور خراب ہو، نہ ہمارے علماء اُس زمانہ کے پادریوں کی طرح حکمت و فلسفہ کے دشمن ہوں، کیا وجہ ہے کہ ہم ترقی سے ناامید ہوں۔ اور جب کہ خود ہمارے علما نے تعلیم کی اصلاح پر توجہ شروع کی ہو، ہم کیوں بیہودہ خیالات دل میں پکاتے رہیں۔ سوائے اس کے یہ بات بھی غور کے لائق ہے، کہ ہم کو وہ مشکلات بھی درپیش نہیں ہیں، جو یورپ کو اپنی حالت کی اصلاح میں پیش تھیں، اس لئے کہ وہاں پوپ یعنی پادریوں کا فرقہ دینی اور دنیاوی دونوں حکومت رکھتا تھا۔ کوئی شخص اُن کے مقابلے میں اصل

اور تو عداوا خلام او اُن کے بتائے اور بنائے ہوئے مسائل سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا تھا، اور اُن میں تعصب اور خیالات کا وہ زور تھا، کہ اختلاف اور آزادی کو گو نہایت ہی خفیف ہوتی جائز نہ رکھتے تھے، اور ذرا سی مخالفت پر جلا وطن اور قتل کی سزا دیتے تھے۔ اس لئے۔ ہاں اس مذہبی بغاوت کی ضرورت ہوئی، جس کا کچھ مختصر بیان میں نے کیا۔ مگر ہماری حالت دوسری ہے، نہ ہمارے علما کو وہ حکومت کلی دینی اور دنیوی حاصل ہے، نہ وہ اپنی عصمت اور بیگناہی کے مدعی ہیں۔ نہ اُن کا کوئی ایک فرقہ ہے جو سب پر اقتدار اور اختیار رکھتا ہو، نہ اُن میں وہ تعصب اور جہالت ہے کہ اصلاح کو کفر سمجھتے ہوں۔ ہاں اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ بعض لوگ جو فلسفہ و حکمت کے ذائقہ سے آگاہ نہیں ہیں۔ اور وہ فقیہ اور مُلّا جن کو تحقیق کے وسیع میدان میں سیر کرنے کی عادت نہیں ہے۔

اور وہ حضرات جو زمانہ کی ضرورت اور حالت سے واقف نہیں ہیں، البتہ کسی قسم کی تبدیلی اور اصلاح کو پسند نہ کرینگے۔ مگر جب کہ خود ایک بڑا گروہ علما کا اصلاح پر آمادہ ہوا ہے، اُس نے زمانہ کی ضرورت پر نظر کی ہے، وہ غیر مفید تعلیم کو تضیع اوقات سمجھ رہا ہے اور اسی گروہ میں مَیں دیکھتا ہوں، کہ وہ نامور عالم داخل ہیں جن کو لوگ مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں، اور جو اپنے علم و فضیلت کے سبب سے اُس کے اہل بھی ہیں، تو چند متعصب اور بے خبر لوگوں کے اختلاف سے کیا خلل ہو سکتا ہے، اور اصلاح کا ارادہ ہمارے علما نے کیا ہے وہ کیوں رُک سکتی ہے۔ اور یہ اصلاح بھی تو ایسی نہیں ہے، جس میں کوئی مذہبی اعتراض ہو سکے۔ یا یورپ کی طرح اُس کے لئے مذہبی بغاوت اور مذہبی مسائل میں تبدیلی کی ضرورت ہو۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں دو قسم کی تعلیم ہے۔ مذہبی اور دنیاوی، جسے منقول اور معقول کہتے ہیں۔ مذہبی تعلیم میں کسی بڑی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے، نہ ہم اُس میں کسی اہم تبدیلی کی ضرورت دیکھتے ہیں، اور اس حصہ میں تعلیم کی، ہم سوائے علما کے دوسرے کی مداخلت پسند کرتے یا جائز رکھتے ہیں۔ سُنی اور شیعہ مقلد اور اہل حدیث سب مختار اور آزاد ہیں، اور آزاد رہنے چاہئیں، کہ جن مذہبی کتابوں کو اپنے معتقدات کے موافق سمجھیں اُسے درس میں داخل رکھیں۔ کسی دوسرے کو نہ حق ہے نہ اجازت، کہ اُس میں مداخلت کرے۔ اب جو کچھ اصلاح کی ضرورت ہے، وہ دنیاوی تعلیم میں ہے۔ اور اُس میں دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ موجودہ تعلیم جو غیر مفید اور فضول ہے وہ ترک کی جائے۔ دوسرے مغربی علوم و فنون کے سکھانے کی کوشش ہو۔ اور یہی دو باتیں ہیں۔ جس پر اب تک ہمارے علما کو توجہ نہ تھی، اور اگر تھی تو اُس کا ہمیں علم نہ تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اب وہ اس طرف متوجہ ہوئے ہیں وہ معقول کی تعلیم کو بھی محتاج اصلاح سمجھتے ہیں، اور مغربی علوم کی تعلیم کی بھی ضرورت بتاتے ہیں وھذا ما کنا نبغی۔

حضرات! میں نے تعلیم کے مسئلہ پر جو کچھ اس وقت کہا، اگرچہ اس سے آپ کا قیمتی وقت ضائع کیا

اور غالباً کسی قدر میری گفتگو طویل بھی ہو گئی۔ مگر مجھے اس بات کا دکھانا منظور تھا، کہ ترقی اور تنزل کا دور ہوتا رہتا ہے۔ اور دولت ہو یا حکومت، مذہب ہو یا علم۔ غرضکہ ہر چیز مختلف ملکوں میں ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، کوئی قوم ایک ہی حالت پر کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اِسی لئے کسی مصیبت زدہ قوم کو اپنی ذلت اور ادبار کو دیکھ کر دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہئے، نہ کسی قوم کو اپنے اقبال کے آفتاب کو نصف النہار پر چمکتا دیکھ کر مطمئن۔ جس طرح یورپ کی جہالت اوہام اور تعصبات کو دیکھ کر مشکل خیال ہو سکتا تھا۔ کہ پھر علم کی روشنی وہاں پھیلیگی یا تہذیب و شائستگی کی ایسی ترقی ہوگی۔ اسی طرح ہم کو اپنی موجودہ حالت دیکھنے سے کسی قدر مایوسی ہوتی ہوتی تھی۔ قوم کو خوابِ غفلت میں پڑا ہوا دیکھ کر اُس کے چونکنے کا خیال بھی ہمیں نہ ہوتا تھا۔ مگر اب ہم اُس کی بیداری کی نشانیاں دیکھتے ہیں اُس کے جگانے والے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ کل کی بات ہے کہ ہماری قوم اپنی حالت پر ایسی مطمئن، اور اپنے علم و عمل پر ایسی نازاں تھی، کہ اُس میں کسی اصلاح اور ترمیم کی گویا گنجائش ہی نہیں ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سمت سے نکتہ چینی کی صدائیں بلند ہیں۔ ہر فرقہ اپنے عیوب و نقصانات کو دیکھ رہا ہے، اُس کی درستی اور اپنی ترقی کی تدبیریں کر رہا ہے، اور وہ بڑا تغیر و تبدل جو خیالات میں ہوا ہے، اُس کا ثبوت ندوۃ العلما، ہے۔ جہاں کوئی تعلیم کو ناقص بتاتا ہے، کوئی اُسے غیر مفید کہتا ہے، کوئی اُس میں اصلاح چاہتا ہے۔ کیا آپ کو یہ امید تھی، کہ ہمارے علماے کبار اس طرح جمع ہونگے، اپنی منتشر قوتوں کو اس طرح جمع کرینگے، زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنا چاہینگے، اور مغربی علوم کی تعلیم کی جسے اب تک لوگ بدعت اور ضلالت سمجھتے تھے، نہ صرف اجازت دینگے، بلکہ اُس کا شوق دلا دینگے، اور درسی کتابوں اور پرانے علموں کے سوائے کسی اور چیز کے سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت تسلیم کرینگے، مگر اول ہی اجلاس میں اُنہوں نے دنیا کو متعجب کر دیا، اپنے عمدہ پاکیزہ خیالات سے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور اپنی مفید اور ضروری تجویزوں سے اس بات کو ثابت کر دیا، کہ یہی وہ فرقہ ہے جو قوم کی رہنمائی کر سکتا، اور قوم کو منزل مقصود پر پہنچا سکتا ہے۔ آپ لوگ جو مغربی تعلیم کا بڑا غل مچاتے تھے، اور اپنے علما کو اُس کا مانع اور مزاحم سمجھتے تھے کیسی غلطی میں تھے۔ اور کیسی غلط بدگمانیاں کرتے تھے۔ اب آپ نے دیکھ لیا کہ جب وہ لوگ قوم کی حالت پر ملتفت ہوئے۔ اور زمانہ کو دیکھا۔ تو انہوں نے کیا طریقہ اختیار کیا، اور کس راہ پر قوم کو چلانے لگے۔ خود ہی گروہ کو کیا نصیحتیں کیں، اور اپنے پیروؤں کو کیا سمجھایا۔ ذرا مولوی حبیب الرحمان صاحب کی تقریر ملاحظہ فرمائیے۔ وہ علما کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ "وارثِ انبیا کون سے علما ہیں؟ کیا وہ عالم جن کی ہدایت اور تبلیغ صرف فروعی اور اختلافی مسائل کے دو دو ورقی رسالوں اور چند مسئلوں میں ختم ہے؟ اگر مسلمانوں میں فسق و فجور کی وبا پھیلی ہوئی ہے تو اُن کو پروا نہیں، اگر مخالفین اہل اسلام کے

ترجمہ جاننے میں جان لڑا رہے ہیں تو اُن کو اُس سے بحث نہیں، اور اگر غیر مذہب والے اُن کو بالحاح تبلیغ احکامِ اسلام کے واسطے بلاتے ہیں تو اُس سے اُن کو کچھ سروکار نہیں۔ بلکہ وہ اپنی ہی کسر و انکسار میں مصروف ہیں، اور اُن کو اپنے بھائیوں کے خبر لینے سے فرصت نہیں۔" پھر وہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ "حاشا ثم حاشا"۔

حضرات! انبیا نے کوئی جائداد نہیں چھوڑی۔ کوئی ریاست اُن کے ترکے میں نہ تھی۔ اُنھوں نے صرف کچھ صفات چھوڑے جو اُن صفات سے متصف ہے وہی اُن کا وارث ہے۔ صرف کتابوں پر عبور کر جانا، اُن کا وارث نہیں بنا سکتا "فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيهٍ"۔ پھر وہ یہ تجویز کرتے ہیں۔ کہ نصابِ تعلیم میں ایسی ترمیم ہو۔ جس میں مذہبی علوم سے طلبا کو کما حقہ لگاؤ حاصل ہو، اور پھر اُن کو اتنا وقت ملے، کہ فنونِ جدیدہ میں توغل اور زمانے کے رنگ ڈھنگ نشیب و فراز۔ آثار و علوم سے شناسائی پیدا کر سکیں۔ بالفعل کم سے کم اتنا تو ضرور ہے کہ عربی اخبارات جو مصر وغیرہ میں شائع ہوتے ہیں وہ مدارس میں منگوائے جائیں اور فنونِ جدیدہ کے تراجم وہاں چھپے ہیں وہ طلب ہوں اور طلبہ بطور خود اُن کو مطالعہ کریں۔ اس سے بھی اُن کی نظر بہت کچھ وسیع ہو سکتی ہے۔ اگر رافعِ ضرورت یہ بھی نہیں ہے تو ایک عمدہ مشغلہ حال کے طلبا کے واسطے یہ ہو سکتا ہے، کہ جو متقدمین کی عزیز الوجود کتابیں مصر وغیرہ سے طبع ہو کر آ رہی ہیں۔ اُن کو دیکھیں۔ اور اس سے التقاط کر کے رسالے شائع کریں یا اُن کے ضروری مقامات کے ترجمے رفاہِ قوم کے واسطے عام لوگوں میں پیش کریں۔ اس سے خود اُن کو اور عامۂ مسلمین کو بہت کچھ فوائد نصیب ہو سکتے ہیں۔

جناب مولوی عبداللہ صاحب انصاری نے اپنی قوم کی حالت کی جو تصویر کھینچی ہے۔ وہ دیکھنے کے لائق ہے۔ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے قوم کی حالت پر اس بزرگ دیندار سے زیادہ توجہ کی ہو۔ یا اس پیر ہنر کا ماحصل سے بڑھ کر مسلمانوں کی ڈراونی تصویر کھینچی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اس وقت جو ہم اپنی تعلیمی اور اخلاقی حالت دیکھتے ہیں تو اس میں انتہا درجہ کی ابتری پاتے ہیں، اور اس پر آفت تو یہ ہے، کہ ہماری تقدیر نے ایسا قضیہ منعکس کر دیا، کہ ہم لوگ بلا کو بھی بلا نہیں سمجھتے، بلکہ بلا کو عطا۔ درد کو دوا۔ زحمت کو رحمت۔ نقمت کو نعمت۔ تلون کو استقامت۔ ذلت کو عزت۔ قساوت کو اخوت۔ نفسانیت و تعصب کو حمایتِ دین و ملت سمجھنے لگے۔ بھلا وہ مریض کیونکر صحت پا سکتا ہے، کہ اپنے آپ کو مریض ہی نہ سمجھے۔ سب سے بڑھ کر انسان کے پیچھے یہ روگ ہے کہ باوجود بیمار ہونے کے اپنے آپ کو تندرست سمجھے۔ جس قوم پر شامتِ اعمال کا وبال اور انقلاب کی بلا، اور عام تباہی کی وبا، آنے والی ہوتی ہے تو پہلے ہی سے اُس قوم کی اُلٹی عقل ہو جاتی ہے شناعت پسند و نحوست پذیر طبیعتیں ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ فی زماننا نعوذ باللہ یہی حال ہے۔" اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ مغربی تعلیم سے

اتفاقی کاموں میں بھی نفسانیت کو دخل دیا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ تھوڑی سی مسافت کے درمیان میں بہت سے مدارس جاری کر رکھے ہیں۔ یہ نہیں کہ باتفاق رائے انہیں مدارس کو جہات اربعہ میں ایک مناسب مسافت پر مقرر کرتے کہ جس سے عظیم الشان نفع پہنچتا۔ سب سے بڑھ کر بد اثری یہ ہے کہ بعض بعض شہر بلکہ بعض بعض قصبے میں بلاضرورت کئی کئی مدرسے ہیں، اور ہر مدرسے کے مدرس و مہتمم اپنے ہی مدرسے کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حضرات اس درجہ اپنے مدرسے کی خیر خواہی میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ کہ دوسرے مدارس کے تنزل بلکہ تخریب کے درپے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ یہ امر آج کل مشاہدہ ہو رہا ہے"۔

صاحبو! اگر آپ لوگ ان باتوں پر غور کریں اور اس تغیر کو جو خیالات میں بزرگانِ قوم کے پیدا ہوا ہے، سوچیں۔ تو آپ کے دلوں میں بہت خوش کن امیدیں پیدا ہونگی۔ اور آپ اپنی قوم کی ترقی کی نشانیاں دیکھنے سے بہت خوش ہونگے۔

حضرات! اس میں شبہ نہیں کہ اُس بڑی غفلت کے سبب سے جو اب تک قوم نے کی ا بہت بڑی تاریکی اُس پر چھا گئی تھی۔ مگر اب دور ہوتی جاتی ہے صبح ہو گئی ہے، روشنی کی شعاعیں نظر آنے لگی ہیں۔ قوم اس نئی روشنی پر آنکھیں لگائے ہوئے ہے اور دیکھ رہی ہے، کہ کس طرف اور کس طرح وہ بڑھتی ہے۔ اور صاف صاف معلوم ہو رہا ہے، کہ تعلیم کے دریا کی دھار پرانا راستہ چھوڑتی جاتی، اور نئی راہ ڈھونڈ رہی ہے۔

حضرات! ندوۃ العلما کے فوائد کے متعلق جو کچھ میں نے کہا، گو اُسے جیسا کہ چاہیئے، میں بیان نہ کرسکا۔ مگر غالباً میں اپنے پیش کئے ہوئے رزولیوشن کے ثابت کرنے میں ضرور کامیاب ہوا، اور تمام شبہات اور شکوک میں نے اپنے نزدیک دور کر دئیے۔ ہاں ایک خیال جو بعض لوگوں کو ہو رہا ہے اُس کو بھی دور کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے، کہ بعض سمجھتے ہیں کہ شاید شخصی خیالِ عظمت اور تقدس کا ہمارے علما کو ایسے مجمع عام میں ہمیشہ شریک ہونے اور اپنے خیالات کے مخالف باتیں سُنی اور اتحاد و اتفاق سے کام کرنے پر ثابت قدم نہ رکھے، اور بعض بزرگوں کا مذہبی جوش اسے بھی بدعت اور احداث فی الدین نہ کہنے لگے۔ مگر میرے نزدیک یہ خیال غلط ہے، بلکہ خود اُن کا علم اور تقدس اس بات کا ضامن ہے، کہ جو کام انہوں نے شروع کیا ہے اُسے وہ پورا کر دکھائینگے، اور سید القوم خادمہم پر خیال فرما کر وہ قوم کی اس مبارک خدمت کو ہرگز نہ چھوڑینگے۔ لیکن اگر بالفرض بعض طبیعتیں اُس کی متحمل نہ ہوں، نہ سہی۔ عموماً اس راہ پر ثابت قدم نہ رہنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، اور بعض افراد کی مخالفت سے اصل مقصود کے فوت ہونے کا خوف ہے۔ پھر یہ بات بھی خیال کرنے کے لائق ہے کہ دوسری کونسی ایسی انجمن ہم مسلمانوں کی ہے، جہاں مخالفت نہیں ہوتی یا ایک خیال

ایک ہی خواہش اور ایک ہی ارادہ کے لوگوں میں باہم پھوٹ نہیں پڑتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی مجلس میں ایک بھی عالی دماغ مستقل مزاج، اور بردبار لائق شخص ہوتا ہے، تو اُس کی قوت تمام مزاحمتوں کو دور کر دیتی ہے۔ اور اس قسم کے اختلافات کے برباد کن نتیجوں سے وہ اپنی انجمن کو اس طرح سے محفوظ رکھتا ہے، جیسے ایک ہوشیار اور تجربہ کار کپتان اپنے جہاز کو چٹانوں، پہاڑیوں، طوفان، اور تلاطم سے بچاتا ہے۔ اگر ہمارے علما کے فرقہ میں ایک بھی ایسا خیال نہیں کیا جاتا، تو سوائے مایوسی اور اسلام پر فاتحہ پڑھنے کے کوئی امید مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی حفاظت کی نہیں ہے +

مگر اے صاحبو! اسے یاد رکھو، اور خوب یاد رکھو، کہ بغیر اُس بزرگ اور باعظمت اور باوقعت گروہ کے جو علما کا ہے، ہم کبھی اپنے ارادہ میں اچھی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے، اور نہ صرف ہماری کوشش قوم کو اپنے کمزور ہاتھوں سے پار لگا سکتی ہے۔ ہم جو کچھ اس حال میں کر رہے ہیں، اور جس کو کرتے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا۔ اُس نے صرف ایک قلیل گروہ پر اثر کیا ہے۔ فقط چند لوگ ہمارے ہم خیال اور ہم داستان ہوئے ہیں۔ ہماری آواز اسی کمرے میں گونجتی رہتی ہے، اور ہمارے خیالات کی مشعل اسی حال میں روشن ہو کر بجھ جاتی ہے۔ نہ قوم کا بڑا حصہ ہماری آواز سنتا ہے، نہ ہم اپنے بھائیوں کے گروہ کثیر کو یہ روشنی دکھا سکتے ہیں، مگر وہ آواز جو اُس مجلس سے نکلیگی، جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کے دل ہیں، اُسے ہر مسلمان پشاور سے لیکر برہما تک، کشمیر سے لیکر مدراس تک سُنے گا، اور وہ مشعل جسے وہ لوگ دکھائینگے جو ہادیان طریقت اور پیشوایان شریعت سمجھے جاتے ہیں، تو وہ ایسی بلند ہوگی کہ اُس کی نورانی شعاعیں ہر مسلمان کے گھر میں نظر آوینگی +

صاحبو! مسلمان جاہل ہوں یا کاہل، بداقبال ہوں یا بدعقل۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ کہ وہ دل رکھتے ہیں اسلام کی محبت سے بھرا ہوا، اور طبیعت رکھتے ہیں مذہبی آگ سے بھڑکنے والی۔ جس چیز کو وہ اسلام کے خلاف سمجھینگے، اُسے نہ کرینگے پر نہ کرینگے۔ اور جس راہ کو وہ دین کے خلاف سمجھتے ہیں، اُس پر نہ چلینگے اور ہرگز نہ چلینگے۔ اور اسلام اُن کے نزدیک وہی ہے جو علما بتا دیں +

پس اے حضرات! اگر ہم درحقیقت قومی ترقی چاہتے ہیں، تو پہلا فرض ہمارا یہ ہے، کہ ہم اُن کو اپنا شریک کریں، اور اُن کو اپنے آگے رکھیں۔ اگر وہ ایک انچ ہماری طرف چلیں، تو ہم کو چاہئے، کہ ایک گز آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کریں۔ اور وہ ایک قدم اپنے مقرر کئے ہوئے نقطہ سے آگے بڑھیں، تو ہم کو لازم ہے کہ ہم دوڑ کر اُن کا خیر مقدم کہیں، اور مرحبا مرحبا تعال تعال، کہتے ہوئے اُن کے لئے راہ صاف کریں۔ اور ہم کو اُن سے بھی اُمید ہے، کہ وہ خدا کی رضامندی اور رسول کی خوشنودی صرف مسجد میں روزہ و نماز کے معمولی وعظ کرنے کو نہ سمجھینگے، اور فقط مدرسہ میں بیٹھ کر چند پرانی کتابوں کے

پڑھا دینے سے اپنے آپ کو خدا اور قوم کے فرض سے سبکدوش نہ جانینگے، بلکہ علم کا نورانی جھنڈا اُٹھا لیکر قوم کو جہاد اکبر پر آمادہ کرینگے۔ تاکہ جہل، تعصب، اور اوہام، جو قوم کے حقیقی اور زبردست دشمن ہیں مغلوب کئے جائیں، اور فلسفہ، اور حکمت، عزت اور دولت، کی سلطنت پر پھر ہمارا قبضہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ یہ مبارک جھنڈا مذہبی اور مغربی تعلیم کا، جو ہمارے علما نے اپنے ہاتھ میں لیلیا ہے، اور جس کے پرچم پر، بے تعصبی اور قومی ہمدردی کے مبارک الفاظ لکھے ہیں، اُسے آپ اپنے ہاتھ سے نہ گرنے دینگے۔ اور آزادی کا پھریرا اُڑا کر، پھر ایک مرتبہ قرطبہ اور بغداد کی یاد دلا دینگے۔ وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز ۞

نمبر ۱۹

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب نے اجلاس ہم محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ شاہجہان پور میں بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے کے افتتاح اجلاس کے وقت ۲۰ - دسمبر ۱۹۱۸ء کو فرمائی۔

بزرگان قوم!

جو عزت آپ نے اس معزز مجلس کے صدر نشین ہونے کی مجھے بخشی ہے، اُس کا میں دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور اس بات کا افسوس کہ میرے معزز دوست جناب سر (؟) محمد حیات خاں صاحب جو اس مجلس کی صدر نشینی کے لئے منتخب ہوئے تھے، بوجہ ایک ناگہانی اور دردناک صدمہ کے تشریف نہ لاسکے اور یہ مجلس ایک ایسے پریزیڈنٹ کے صدر نشین دیکھنے کی خوشی سے اور عزت سے محروم ہوگئی جس نے اپنی قوم کے لئے بہت ہی نمایاں کام کئے ہیں، اور جو اپنی وجاہت اور لیاقت اور استحقاق سے تمام مسلمانوں میں معزز اور سربلند ہے۔ اور جس نے کئی مرتبہ اس مجلس کی پریزیڈنٹی کے فرائض اس لیاقت اور خوبی سے ادا کئے ہیں کہ وہ ایک عمدہ نمونہ صدر نشین ہونے کا تسلیم ہو چکے ہیں۔ اُن کے عذر پر جو نہایت مجبوری اور افسوس سے قبول کیا گیا، جب آپ نے اپنی مہربانی سے مجھے اس خدمت کے لئے منتخب فرمایا، تو میں نے کچھ تو اپنی نااہلیت اور کچھ بیماری کی وجہ سے کئی مرتبہ اس ذمہ داری کی خدمت سے معاف کئے جانے کی خواہش کی، مگر جب میرا عذر قبول نہ ہوا۔ اور آپ کے سکریٹری صاحب کا آخری فرمان پہنچا (یعنی آپ کے معزز سکریٹری کا آخری فرمان پایا) تب ہی جس طرح بن پڑا تھا

اُس کا اظہار ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ میری جسمانی صحت مجھے اپنے فرائض ادا کرنے سے کسی قدر مانع ہوگی اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اگر بیماری اس خدمت کے فرائض ادا کرنے میں مخل انداز ہو تو آپ مجھے معذور سمجھینگے اور معاف فرمائینگے ٭

حضرات! قبل کسی اور کام شروع کرنے کے مجھ پر فرض ہے کہ میں اپنے معزز دوست جناب خان بہادر برکت علیخاں صاحب اور دیگر رئیسان و عمائد شاہجہان پور کا شکر ادا کروں کہ اُن کے بلانے اور خواہش سے ہم لوگ یہاں آئے اور علے الخصوص جناب محمد عثمان خاں صاحب کا احسان ہے کہ اُنہوں نے فرط مہمان نوازی اور حُبّ قومی سے اپنا عالیشان اور پُر آرام مکان ہم لوگوں کے لئے خالی کر دیا اور اُس کے وسیع صحن میں وہ رفیع الشان ہال کانفرنس کا عارضی طور پر بنایا گیا ہے۔ کہ جس سے بہتر میں نے اس قسم کے پبلک مجمعوں کے لئے بمبئی اور پونا میں بھی ہال بنا ہوا نہیں دیکھا۔ اور میں جناب مولوی رفعت علی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے میری نسبت ایسے عنایت آمیز الفاظ فرمائے ہیں جن کا میں مستحق نہیں تھا ٭

صاحبو! ربع صدی سے کچھ زیادہ عرصہ ہوتا ہے کہ جناب خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب کی ملاقات کی عزت مجھے حاصل ہے اُس دوستی اور محبت کی وجہ سے جو ذاتی خیال میرا اُن کی نسبت ہے، اُسے میں اس وقت بیان نہیں کرتا۔ مگر جو حقوق اُن کے قوم پر ہیں، اور جس اسلامی حمیت اور قومی ہمدردی سے اُنہوں نے قوم کی خدمت کی ہے۔ اُن کی نسبت میں صرف اس قدر کہنے کی اجازت چاہتا ہوں، کہ اگر مثل اُن کے چند مسلمان قوم کی فلاح اور بہبودی چاہنے والے اور ہوتے، تو آج مسلمانوں کی حالت ہی کچھ دوسری ہوتی۔ اور بجائے نالہ و فغاں کے قوم کی حالت پر خوشیوں کے نعرے چاروں طرف سے سنائی دیتے ٭

اے صاحبو! آپ جانتے ہیں کہ پچھلے سال کی کانفرنس میں ہماری قومی مجلس کا بمقام بمبئی منعقد ہونا قرار پا چکا تھا، اور بمبئی کے معزز مسلمان نہایت مشتاق اور منتظر تھے۔ مگر سید صاحب قبلہ کی بیماری سے جب وہاں کا جانا ملتوی ہوا اور اسی نواح میں کسی جگہ کانفرنس کا ہونا مناسب معلوم ہوا تو ممالک مغربی و شمالی و اودھ پر ہماری نظر تھی۔ مگر افسوس ہے کہ کسی گوشہ سے کوئی آواز ہمارے بلانے کی نہ آئی، نہ کسی شہر سے ہم کو دعوت دی گئی۔ مگر میرے معزز دوست ہی کا یہ کام تھا، کہ اُنہوں نے رؤسائے شاہجہان پور کو قومی ہمدردی اور اسلامی محبت کا جوش دلایا، اور اُن کی تحریک پر اس شہر کے رئیسوں نے اپنی مردانہ ہمت اور فیاضانہ طبیعت سے یہاں کانفرنس کے منعقد کرنے کا عزم کیا اور ہر طرح سے اس کی شان و شوکت سے انجام پانے کے لئے کوششیں کی تھیں۔ جو کچھ ہم نے رئیسان شاہجہان پور کی کوششوں کی کیفیت اخباروں میں دیکھی ہے اُس سے معلوم ہوتا

ہے کہ اسی شہر کے رئیس ہیں، جنہوں نے کانفرنس کے لئے ہر طرح کی محنت اور کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا، یہی حضرات ہیں جنہوں نے قوم کے لئے سفر کیا، محنت اُٹھائی، تکلیف گوارا کی، لوگوں کو سمجھایا، کانفرنس کے فوائد بتلائے، اور اپنے بھائیوں کے آرام و آسائش کے لئے ہر طرح کا انتظام کیا۔ اور اُسی کا نتیجہ ہے کہ آج میں اس عالی شان اور امیرانہ ہال میں ایسا معزز اور پُر رعب مجمع دیکھتا ہوں، جن کے چہروں سے قومی حمیّت کا جوش نظر آ رہا ہے۔ فَلِلّٰہِ دَرُّھُمْ وَعَلَی اللّٰہِ اَجْرُھُمْ ٭

میرے حضرات! اس کانفرنس کا یہ دسواں اجلاس ہے۔ پہلے اجلاس مختلف مقامات میں ملک پنجاب و شمال مغربی اضلاع و اودھ میں ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ پہلی دفعہ ہے کہ قدیم اور مشہور ملک روہیلکھنڈ میں اس کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا ہو، اِس لئے آپ مجھ کو اجازت دیجئے کہ چند الفاظ تمہیدی بیان کروں ٭

اے حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ اس کانفرنس کا مقصد کیا ہے؟ اور اُس کے بانیوں اور حامیوں کی کوششیں کس لئے ہیں؟ صاحبو اُس کا مقصود قومی ترقی ہے، اور مسلمانوں کی فلاح اور بہبودی۔ اور چونکہ زمانہ نے بتا دیا ہے کہ یہ مقصد صرف اعلےٰ تعلیم اور عمدہ تربیت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اعلےٰ تعلیم اور عمدہ تربیت کے اصول و قواعد کا بغیر قوم کی صلاح و مشورے کے قرار دینا اگر ناممکن نہیں تاہم غیر مؤثر اور غیر مفید ہے۔ اس لئے ہمارے معزز سیّد نے جس کی عمر مسلمانوں کی ترقی کی فکر اور تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے میں صرف ہو گئی ہے۔ اس مجلس کو قایم کیا۔ اور ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو اس میں شریک ہونے، اور اپنی اپنی رایوں کے ظاہر کرنے کا موقع دیا۔ تاکہ باتفاق قوم، مسلمانوں کی ترقی و تعلیم کے اصول و فروع طے ہوں۔ اور کسی ایک شخص کی رائے پر عمل کرنے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں۔ وہ نہ ہونے پائیں۔ یہ دسواں سال ہے کہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور اپنی اپنی رائیں ظاہر کرتے ہیں۔ اور جو کچھ باتفاق آرا قرار پاتا ہے، وہ رزولیوشن کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کو دوسرے لفظوں میں تمثیلاً اس طور پر سمجھنا چاہئے، کہ کانفرنس ایک مجمع ہے، قومی بیماریوں کی تشخیص، اور اُس کے لئے دوا تجویز کرنے والوں کا، اور رزولیوشن وہ نسخہ ہے، جو باتفاق اطبا لکھا جاتا ہے۔ مگر حضرات افسوس ہے کہ اس نیک کام پر کبھی بیدردی سے ہم پر ملامت کی جاتی ہے، کبھی ہماری کانفرنس کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، کوئی ہمیں بوالہوس کہتا ہے کوئی ہماری کارروائیوں کو فضول اور لغو بتلاتا ہے۔ ہماری اسپیچیں بیہودہ بکواس سمجھی جاتی ہیں۔ اور ہمارے لکچروں کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اور عملی نتائج نہ ظاہر ہونے کا تو عموماً ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے ٭

صاحبو! ہم خود جانتے ہیں، اور اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اب تک ہمارے کاموں کا کوئی نمایاں عملی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔ اور ہماری کوششیں تقریر و تحریر کی حد سے باہر نہیں نکلیں۔ مگر صاحبو! اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم منادی کرنے، اور جوش دلانے، اور سمجھانے، اور تدبیریں بتانے کے سوائے قوم سے کام لینے کا کیا ذریعہ رکھتے ہیں۔ ہم فرمانروا نہیں کہ قوم کو تعمیل پر مجبور کریں۔ دولت ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ اپنے خرچ سے درسگاہیں بنا دیں۔ ہم مقلب القلوب نہیں کہ قوم کے دل پھیر دیں۔ ہم کو ایسا منتر یاد نہیں کہ ایک چھڑی ہلانے سے طلسم کا نیا کارخانہ کھڑا کر دیں۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ ہمارے نسخوں کے لکھنے سے قوم کی بیماری دُور نہیں ہوئی، اور جس مرض میں وہ گرفتار تھی اُس میں اب تک وہ مُبتلا ہے۔ ہم نے قوم کو اُن کے بزرگوں کی شان و شوکت یاد دلائی اُن کی شان میں قصیدے پڑھے۔ اُن کی موجودہ حالت پر مرثیے سُنائے۔ کبھی دل خوش کن قصے سُنا کر اُنہیں جوش دلایا۔ اور کبھی پُر درد داستانیں سُنا کر اُن کو رلایا۔ غرضکہ جس طرح سے ہم سے بن پڑا، ہم نے اُن میں تحریک پیدا کرنی چاہی۔ مگر افسوس کہ عملی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔ اور کانفرنس کے حلقہ سے باہر نکلکر کسی نے اُس کا خیال نہ رکھا، ہم کو اس پر مایوسی بھی ہوئی۔ مگر کیا کیجئے، اس پر بھی اپنے کام سے باز نہیں آتے، اور باوجود مایوسی کے طبیبوں کے بلانے، اور نسخوں کے لکھنے کا خیال نہیں چھوڑتے۔ محبت کی ایک آگ سینہ میں بھڑک رہی ہے کہ وہ کسی طرح نہیں بجھتی۔ اور قومی محبت کا درد دل میں سما گیا ہے کہ وہ کسی طرح نہیں جاتا، ملامتیں سُنتے ہیں، طعنے سہتے ہیں، ناامیدیاں دیکھتے ہیں، مگر جو سودا سر میں سما گیا ہے وہ نہیں جاتا ؎

چوں محبت شعلہ در خرمن زند — شوقِ خاکستر شدن دامن زند

پاک سوزد ہیچ خس صبر و قرار — سخت تر از موت باشد انتظار

فالِ بے تابی چو بسمل می زند — دست در دامانِ قاتل می زند

لیکن یہ خیال کسی قدر تسلی بخش ہے کہ اگر ہماری دل خراش آوازوں سے چند مسلمانوں نے بھی وہ نظارہ دیکھ لئے، جس میں وہ گرتے جاتے ہیں، تو ہماری محنت وصول ہوئی۔ اور اپنی خدمتوں اور کوششوں کا ہم نے صلہ پا لیا۔ اور اس کہنے میں شائد مبالغہ نہ ہوگا، کہ گو کانفرنس کی کوششیں کیسی ہی ضعیف اور خفیف ہوں۔ مگر قوم کے دلوں میں کچھ تحریک ضرور پیدا ہو گئی ہے۔ اسی کو ہم اس مجلس کی کوششوں کا نتیجہ، اور قومی زندگی کے نمو کا پہلا درجہ سمجھتے ہیں۔

حضرات! کانفرنس کے عملی نتائج ظاہر نہ ہونے پر اعتراض کرنے والوں کے علاوہ، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سرے سے کانفرنس کے قائم ہونے، اور مغربی تعلیم ہی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ہماری ساری تدبیریں مسلمانوں کے لئے نہ صرف غیر مفید ہیں بلکہ ضرر رساں ہیں

وہ کہتے ہیں ہم مسلمانوں کو صرف انگریزی پڑھانا چاہتے ہیں، تاکہ وہ سرکاری ملازمت کے قابل ہو جائیں گو وہ دین سے واقف ہوں یا بے خبر رہیں، اُن کے دین و مذہب قائم رکھنے کی ہمیں کچھ پروا نہیں، اِن اعتراض کرنے والوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں، کہ انگریزی تعلیم ہی کو مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس لئے کانفرنس کے استحکام اور تعلیم کی اشاعت اور اس مجلس کے مقاصد کی کامیابی کے لئے اس بات کی نہایت ضرورت ہے، کہ یہ غلط فہمیاں دور کی جائیں۔ اور تعلیم جیسی ہم چاہتے ہیں اُس کی حقیقت ظاہر کر دی جائے، اور یہ بات بخوبی بتا دی جاوے کہ ہم اندھوں کی طرح سے انگریزوں کی تقلید نہیں کرتے۔ بلکہ فی الحقیقت اپنے بزرگوں کے طریقے پر چلتے ہیں، اور اُن کے خیالات زندہ کرتے ہیں، تاکہ اُس معزز گروہ کو جو اپنے علم و تقدس کی وجہ سے قوم کا پیشوا اور راہنما ہے معلوم ہو جائے، کہ ہمارے اور اُن کے مقاصد ایک ہیں۔ اور ہمارا اُن کا اختلاف صرف چند غلط فہمیوں پر مبنی ہے ✤

صاحبو! ہمارا ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ ہم انگریزوں کی کورانہ تقلید کریں۔ اور اپنے بچوں کو صرف وہ تعلیم دلائیں جو فقط دنیا کے لئے مفید ہو۔ اور جس سے وہ صرف گورنمنٹ کی ملازمت کے لائق ہو جائیں۔ بلکہ ہمارا مقصد اس سے ارفع اور اعلیٰ ہے۔ ہم اس قسم کی تعلیم کو ہرگز تعلیم ہی نہیں کہتے ہمارے نزدیک تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اُس سے صرف چند پیشوں کے کام کرنے کی لیاقت حاصل ہو، بلکہ تعلیم کا مقصود یہ ہے کہ تمام قوتیں جو خدا نے انسان میں رکھی ہیں وہ نشو و نما پاویں۔ اور نہ صرف اُنہیں قوتوں کو نمو دیا جائے، جو ہماری جسمانی آسائش کے کام آویں، بلکہ روحانی قوتوں کا کام میں لانا، اور دماغ کو غذا پہنچانا، تعلیم کا اصلی مقصود ہے بلاشبہ اُس قسم کی تعلیم جس سے ہم معاش پیدا کرنے کے لائق ہوں ضروری ہے۔ اور ہماری دنیاوی لذت دور ہونے کے لئے اُس کا سیکھنا بھی لازم ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ہم وہ تعلیم بھی چاہتے ہیں کہ جس سے اُن کے دل و دماغ روشن ہو جائیں اور علم کو علم کے لئے حاصل کریں۔ اور علاوہ جسمانی آسائش کے، جو فنا ہونے والی ہے، اُن چیزوں کو حاصل کریں، جو اُن کی روحانی راحت کے لئے، جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، کام آوے، اُن میں سچی ہمدردی اور کامل انسانیت پیدا ہو، اُن کی زندگی کا مقصد زیادہ اعلیٰ، اور زیادہ پاک ہو، اور جس طرح ہمارے بزرگوں نے علم کو علم کے لئے حاصل کیا، اور ہمارے لئے وہ اپنے دل و دماغ کا ترکہ چھوڑ گئے، اسی طرح ہم بھی علم کو علم کے لئے حاصل کریں، اور اپنے بزرگوں کے ترکہ میں کچھ بڑھا کر آیندہ آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ جائیں، اس کے لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے دینی علوم بھی سیکھیں، اور عقلی علوم کی بھی تحصیل کریں۔ اور وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ عقلی علوم جس کا بڑا سرمایہ اس وقت انگریزی زبان میں ہے شریعت کے خلاف ہیں، ہمارے

بزرگوں نے ایسے علوم کو شریعت کے مخالف سمجھنے کے بجائے عین شریعت بتایا ہے۔ اور اس کے سیکھنے کو نہ صرف مباح اور جائز، بلکہ واجب اور فرض قرار دیا ہے۔ اور غیر قوموں سے علوم سیکھنے میں ننگ و عار کرنے کے بدلے اُس کے حاصل کرنے میں جان و مال کو قربان کیا ہے۔ کیا خوب کہا ہے ہمارے یہاں کے ایک بڑے عالم نے کہ شرع نے موجودات و مخلوقات کی معرفت اور اُس کا علم ہم پر واجب کر دیا ہے۔ اور بہت سی آیتوں میں ہم پر اُس کی تاکید فرمائی ہے۔ آیہ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نص صریح ہے، اس پر کہ ہم موجودات کی حقیقت دریافت کریں، اور اُس کے، ملکوت سماوات و ارض، پر غور کریں۔ یعنی جو کچھ کائنات عالم میں خدا نے پیدا کیا ہے اُس کا علم حاصل کریں۔ اور چونکہ یہ کام ایک انسان، یا ایک گروہ، یا ایک زمانہ کے آدمیوں کا نہیں ہے۔ اس لئے ہم پر شرعاً واجب ہے کہ ہم اُن متقدمین کی تحقیقاتوں سے مستفید ہوں جو ہم سے اول گذرے ہوں، اور اُن کتابوں کو دیکھیں جو اس میں تالیف ہوئی ہوں۔ اگرچہ وہ ہمارے مذہب و ملت پر بھی نہ ہوں۔ چنانچہ اس عالم کے الفاظ یہ ہیں، فَقَدْ تَبَیَّنَ مِنْ ھٰذَا اَنَّ النَّظَرَ فِیْ کُتُبِ الْقُدَمَاءِ وَاجِبٌ بِالشَّرْعِ وَاَنَّ مَنْ نَّھٰی عَنِ النَّظَرِ فِیْھَا فَقَدْ سَدَّ النَّاسَ عَنِ الْبَابِ الَّذِیْ دَعَا الشَّرْعُ مِنْهُ النَّاسَ اِلٰی مَعْرِفَةِ اللّٰهِ وَھُوَ بَابُ النَّظَرِ مُؤَدِّیْ اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ حَقَّ الْمَعْرِفَةِ وَذٰلِكَ غَایَةُ الْبُعْدِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

اور جبکہ ہم مسلمانوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہمارا دین اکمل الادیان ہے، اور ہمارا رسول مبعوث ہوا ہے اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ تو ضرور ہے کہ وہ مذہب کسی خاص گروہ، یا کسی خاص وقت یا کسی خاص ملک کی حالت ہی کے مناسب نہ ہو۔ بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے طبائع اور حالات کے موافق، اور ہر زمانہ کے مناسب ہو۔ اور چونکہ ظاہر ہے کہ زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے، نئے نئے علوم ایجاد ہوتے جاتے ہیں، نئی نئی تحقیقاتیں ہو رہی ہیں، دماغی قوتوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، اور ہو گی، تو ضرور ہے کہ اسلام ہر ترقی یافتہ حالت کے موافق، اور ہر علم، اور ہر تحقیق کے مطابق ہو۔ اس لئے وہی مسلمان سچے اسلام کے دوست ہیں، اور اسلام کے حامی، جو اپنے دعوے کو اپنے عمل سے ثابت کریں۔ اور دنیا کی کسی زبان اور کسی علم کے سیکھنے سے پرہیز نہ کریں، بلکہ اُن کے سیکھنے کو اپنا فرض، اور اپنے مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ضروری سمجھیں۔ کیا اسلام صرف عوام اور جاہلوں کے لئے ہے؟ اور کیا وہ کسی خاص زبان یا کسی ایک قوم کے لئے محدود ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ وہ ہے کَافَّةً لِّلنَّاسِ جیسا عوام اور جاہلوں کے لئے، ویسا ہی عالم اور فلسفیوں کے واسطے، پس اگر ہم انگریزی سے ڈریں، اور مغربی علوم سیکھنے سے پرہیز کریں۔ تو حقیقت میں ہم اپنے مذہب کو جاہلوں اور عوام کا مذہب سمجھتے۔

کیا وہ پاک رسول جس نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں، اور کیا وہ خدا کا پیغمبر جو علم و حکمت کی تعلیم اور اخلاق کی تکمیل کے لئے دنیا میں آیا، وہ صرف عوام اور جاہلوں کے لئے آیا تھا؟ اور کیا اس کی دعوت صرف عرب کے وحشیوں اور حجاز کے شتربانوں کے لئے محدود تھی؟ کیا وہ اس لئے آیا تھا کہ ایک گروہ جاہلوں اور بے علموں کا قایم کرے، اور علم و حکمت کی روشنی دنیا میں نہ پھیلنے دے؟ اور اپنے گروہ میں کسی کو عالم، حکیم، اور فلسفی کا خطاب نہ پانے دے؟ اگر کسی کو ایسا خیال ہو، تو میں پکار کر کہتا ہوں، اور خدا کو اس پر شاہد کرتا ہوں۔ کہ اسلام اس سے بری ہے، پیغمبر اس سے بیزار، خدا اس کی تکذیب کرتا ہے، لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔

صاحبو! اسلام نے جہل کو تقویت نہیں دی، بلکہ علم کو، اسلام نے حماقت کی تعریف نہیں کی، بلکہ عقل کی، اسلام نے جاہلوں کا گروہ تیار نہیں کیا، بلکہ عالموں اور فاضلوں اور حکیموں اور فلسفیوں کا، جنہوں نے خدا کی زمین کو حکمت و فلسفہ کی روشنی سے روشن کر دیا، اور جہل کی تاریکی دنیا سے مٹا دی۔

صاحبو! ہم اُس قوم کے آدمی ہیں جنہوں نے یونان کے علوم زندہ کئے۔ اور ہم اس سلف کے خلف ہیں جنہوں نے علم و حکمت کا یورپ کو سبق دیا، ہمارے ہی آبا و اجداد تھے، جو صدیوں تک فرنگستان کی اُستادی کرتے رہے، اور ہماری ہی وہ کتابیں تھیں جو عیسائی درسگاہوں میں پانچ سو برس تک جاری رہیں، حکمت و فلسفہ سے روشنی پھیلانے کی عزت جو ہمارے بزرگوں نے پائی وہ صرف غیر قوم و غیر مذہب والوں کی زبان اور علوم سیکھنے سے، اگر وہ غیر قوم و غیر مذہب کی زبان اور علم سیکھنے کو بُرا سمجھتے، اور خود یونانیوں کی شاگردی اختیار نہ کرتے، تو یورپ کی استادی کا درجہ کیونکر اُنہیں نصیب ہوتا۔ یونان خدا کا گھر نہ تھا، جس کو علم نے بیت الحکمت بنایا، ارسطو و فلاطون پیغمبر نہ تھے جن کو ہم نے فلسفہ اور حکمت کا اُستاد مانا، مجسطی اور اقلیدس آسمان سے نازل نہ ہوئی تھیں، جن کو ہم نے دل کا تعویذ بنایا، وہ کن کے علوم تھے؟ اور کن سے ہم نے سیکھے تھے؟ جن کے جاننے اور سیکھنے سے ہمارے بزرگ حکیم اور فلسفی ہوئے، اور امام اور علامہ ٹھیرے، آخر یہ سب علوم غیروں ہی سے ہم نے سیکھے تھے، اور یونان اور فارس سے ہی ہم کو پہنچے تھے، اب کہ اُن علوم نے یونانی جامہ اُتار کر انگریزی لباس پہنا ہے، تو صرف لباس کی تبدیل سے اُن میں خلل آیا؟ اور صرف زبان کے بدلنے سے اُن علوم کا سیکھنا کیوں حرام ہوا؟

اے میرے دوستو اور عزیزو! مجھے نہایت حیرت ہوتی ہے اور ہنسی آتی ہے جب کہ یہ

کہا جاتا ہے کہ مغربی علوم کی تعلیم عیسائیوں اور انگریزوں کی تقلید ہے، اور اسلام کے خلاف، اس لئے کہ وہ تین صدیوں کے پہلے ہم علوم کے حامی اور مربی تھے، اور عیسائی اُس کے مخالف۔ تحقیق اور آزادی ہمارا حصہ تھا، اور تقلید اور اوہام پرستی اُن کا ترکہ، یہ صرف زمانہ کا انقلاب ہے کہ ہمارے بزرگوں کا حصہ اُنہوں نے پایا، اور اُن کے اسلاف کا ترکہ ہم نے لیا، ؎

پسرانِ وزیر ناقص عقل ... بگدائی بروستا رفتند
روستازادگانِ دانشمند ... بوزیرے پادشہ رفتند

جن چیزوں پر آج یورپ کو ناز ہے، تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی اور جاری کرنے والے ہم تھے۔ اور جن باتوں سے ہم جاہل اور ذلیل ہو رہے ہیں یہ عیسائیوں سے مخصوص تھیں۔ اگر ہم اپنے دانشمند بزرگوں کا طریقہ نہ چھوڑتے، تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی، افسوس تو یہی ہے کہ ہم اپنی اور یورپ کی تاریخی حالت سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور اصول چھوڑ کر رسموں کے پابند ہو گئے ہیں، تحقیق کا اصول جس پر اسلام کا مدار ہے، وہ ہم نے چھوڑ دیا، خیال کی آزادی جو اسلام کا پہلا سبق تھا، وہ ہم سے جاتا رہا، علم و حکمت جو ہمارا گم شدہ مال سمجھا جاتا تھا، اُسے ہم چھوڑ بیٹھے۔ تعصب جس کے دور کرنے کے لئے اسلام دنیا میں آیا وہ ہمارے دلوں کا نقش ہو رہا ہے۔ چھوت اور پرہیز جس کا نام ہم نہ جانتے تھے، وہ ہندوؤں سے بڑھ کر ہم میں داخل ہے، کیا وہ مسلمان ہمارے ہی سے تعصبات رکھتے تھے جنہوں نے ریگستان عرب سے نکل کر کسریٰ اور قیصر کے ایوان کو ہلا دیا؟ اور کیا ہماری طرح کا چھوت اور پرہیز اُن مجاہدین کا شعار تھا جو حجاز کی پہاڑیوں سے نکل کر اندلس اور روم تک پہنچ گئے تھے؟ کیا اسلام کے منادی کرنے والوں کو علم و حکمت کے نام سے لرزہ آتا تھا؟ کیا ہمارے آبا و اجداد ہاتھ پاؤں نہ ہلانے کو توکل سمجھتے، اور من و سلویٰ کے طالب رہتے تھے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں! سچ تو یہ ہے کہ صرف غفلت اور کاہلی نے ہمارا یہ حال کر دیا ہے، کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہم اُسی قوم کے آدمی ہیں، جن کی عزت و اقبال کے پھریرے ایشیا اور یورپ کے میدانوں اور پہاڑوں پر اُڑتے تھے، اور جن کے نام سے سلاطین روئے زمین کے کلیجے دہل جاتے تھے، سچ تو یہ ہے کہ نہ اب ہم کو اُن سے صورت میں مشابہت ہے، نہ سیرت میں مناسبت، کہاں ہے وہ چہروں کی سُرخی و سفیدی! کہاں ہے وہ بدنوں کی تنومندی اور پھرتی؟ کہاں ہے وہ طبیعتوں کی آزادی؟ کہاں ہے وہ اسلام کا جوش؟ کہاں ہے وہ قریشی دبدبہ؟ کہاں ہے وہ ہاشمی شوکت؟ کہاں ہے وہ محمدی خُلق؟ کہاں ہے وہ اسلامی درد؟ کہاں ہے وہ علوم کی محبت؟ کہاں ہے وہ تعلیم کا چرچا؟ ایک چیز بھی تو ان میں سے ہم میں سے باقی نہ رہی! ہماری حالتوں میں تغیر آ گیا، اور ہماری تمام چیزیں بدل گئیں اور وہ خون جو ابراہیم کی رگوں کا ہم

میں تھا مل گیا، وہ ہڈی جو اسمٰعیل کے خون سے بنی تھی بدل گئی، الغرض چہرہ بدل گیا، رنگت بدلی، صورت بدل گئی، سیرت بدل گئی، یہاں تک کہ سچ پوچھو تو اصلی مذہب بھی بدل گیا، تمام وہ جوش جو اُٹھے تھے اُس ریتیلے جنگل سے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کر دیا تھا، ہندوستان میں آکر گنگا اور جمنا میں ڈوب گئے ؛

صاحبو! ایسی حالت میں جو اس وقت مسلمانوں کی ہے مغربی تعلیم سے باز رکھنا، اور زمانہ کی ضرورت اور حالت کے موافق ترقی کرنے سے روکنا، درحقیقت قوم کے ساتھ محبت نہیں ہے! بلکہ ہر شخص کا جسے خدا نے سمجھ دی ہو یہ فرض ہے کہ وہ قوم کو اس بات کا یقین دلانے میں کوشش کرے کہ تمدنی اور مُلکی ترقی کی توقع صرف مغربی خیالات اور مغربی علوم سے ہو سکتی ہے، اور انہیں خیالات کے پیدا کرنے، اور انہیں علوم کے سیکھنے سے پھر وہ اپنی گئی ہوئی عزت حاصل کر سکتے ہیں، اور اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو زمانہ کے مناسب، مفید کاموں میں ظاہر کرنے سے وہ ترقی کے میدان میں فتحیاب ہو سکتے ہیں، اور مغربی علوم کے ساتھ اپنے مذہبی علوم کی اشاعت، اور عربی تعلیم کی ترقی دینے سے وہی درجہ حاصل کر سکتے ہیں جو اُن کے بزرگوں کو حاصل تھا ؛

بنی نوع انسان میں صرف یورپ ہی نہیں ہے کہ تمام عمدہ صفتیں اور نیکیاں اور علوم و فنون انہیں پر ختم ہوں، اور وطن کی محبت، قومی ہمدردی، اور اپنی عزت، اور شہرت، اور ثواب کا خیال اُنہیں کو ہو، ہمارے بزرگ بھی یہ چیزیں رکھتے تھے، اور اس گئی گذری حالت میں اب تک ہم بھی کچھ کچھ رکھتے ہیں، مذہب رکھتے ہیں، سب سے پاک اور سچا! ! ہدایت نامہ رکھتے ہیں، دین و دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کے درجہ پر پہنچانے والا! دل رکھتے ہیں! اسلامی جوش سے بھرا ہوا۔ دماغ رکھتے ہیں ہر قسم کی قابلیت حاصل کرنے والی! طبیعتوں میں فیاضی۔ اور دماغوں میں اولوالعزمی بھی کچھ کچھ باقی ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہماری کانفرنس کی تجویزوں پر عمل ہو تو کیا وجہ ہے کہ پھر ہم ترقی نہ کریں۔ اور کیا سبب ہے کہ ہماری ان کوششوں کا جلد یا دیر میں کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو، مگر یہ ضرور ہے کہ کوشش سچے دل سے ہو، اور برابر جاری رہے۔ اور کسی قسم کی مخالفت، اور کسی طرح کی دشواری سے ہمت پست نہ ہونے پائے ؛

اے حضرات! ہم جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری کوششوں میں کامیابی نہیں ہوتی، غلط ہے! بلکہ اصل یہ ہے کہ درحقیقت ہم کچھ کوشش ہی نہیں کرتے، جس کو ہم کوشش سمجھتے ہیں وہ فی الحقیقت بوالہوسی ہے، اوّل تو کاہلی ہم کو کام ہی نہیں کرنے دیتی۔ اور اگر کرتے ہیں تو اس پر ثابت قدم نہیں رہتے، اگر کاہلی اور بوالہوسی ہم سے جاتی رہے تو ہمارے کاموں کے نتیجے ضرور ظاہر ہوں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کے دلوں میں کبھی کبھی اچھے کاموں کا جوش اُٹھتا ہے

اور لوگوں کو بڑے بڑے کام کرتے دیکھ کر وہ بھی کچھ کرنا چاہتے ہیں، اگر کام کرنے سے پہلے اُس کی کامیابی کے متوقع ہوتے ہیں۔ اگر لوگوں نے اُن کی تعریف کی، اُن کے کام کو اچھا کہا، تو اُن کا شوق بڑھتا ہے۔ لیکن اگر اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی، اور رسم و رواج کی مخالفت سے اُن پر طعنے کئے جانے لگے، یا کسی اور قسم کی مشکلات پیش آئیں اور مزاحمتیں ہونے لگیں، تو اُن کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے، اُن کا ولولہ سرد ہو جاتا ہے، ایسے لوگوں کو اپنے نفس پر اتنا بھی اعتماد نہیں ہوتا، کہ وہ کسی قسم کی مخالفت اور دشواری کی برداشت کریں۔ اور جس کام کو شروع کیا ہے اُس پر ثابت قدم رہیں *

پھر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنے ارادوں میں ثابت قدم اور اپنی کوششوں میں مستقل نہیں رہتے اور یہی بیماری ہے، جو ہم مسلمانوں میں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے، اور جس کا نام کاہلی ہے۔ یہ کمبخت کاہلی ہم کو وہ کام بھی نہیں کرنے دیتی، جو ہم کر سکتے ہیں۔ کسی دانا نے خوب کہا ہے کہ "ہر متحرک کل جو چلتی رہتی ہے جس پر قوت متحرکہ کام نہیں کرتی اس ساکن نقطہ پر سے گذر جانا نہایت مشکل ہوتا ہے"۔ یہی حال ہماری طبیعتوں کا ہے کہ ہمارے سب عضو اور کل تحریک دینے والے اسباب بیکار ہو جاتے ہیں، اور ہم کام کرنا شروع نہیں کرتے، یا کرتے ہیں تو اُس پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ اگر ہم اس ایک نقطۂ سکون سے گذر جائیں تو سب کچھ کر سکتے ہیں، اور اس کاہلی پر بوالہوسی اور خیال کی بلند پروازی مزاجوں میں اس قدر ہے کہ جو کام ہم کر سکتے ہیں اُسے تو کرتے نہیں، بلکہ ہمیشہ کسی بڑی چیز کا خیال قائم کرتے، اور اپنے ذہن میں بڑا بلند منصوبہ ٹھیرا لیتے ہیں، ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کو ہتھائی خیال بنا رکھا ہے، اور زمین پر دو قدم چلنے کا ارادہ تک نہیں کرتے، حالانکہ اگر ہم اپنے آپ کو بکار آمد بنانا چاہتے ہیں، تو سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم سے ہو سکے اُسے کریں۔ بڑے کاموں کے انتظار میں بیٹھے نہ رہیں۔ اور بڑے کاموں کی ہوس میں چھوٹے کام کرنے سے بھی باز نہ رہیں، اس لئے کہ ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ بڑے بڑے کام کریں، بلکہ جو کچھ ہم سے بن پڑے اُسے کرنا چاہیئے تاکہ ہمارا جوش بیکار نہ جائے *

اے صاحبو! ہماری زندگی میں کیسا کچھ انقلاب ہو جائے اگر اس بات کا مصمم ارادہ کر لیں کہ جو ہم سے بن پڑے اُسے ہر روز کریں۔ چھوٹے چھوٹے کام ملکر بڑا کام ہو جاتا ہے، اور کچھ کچھ کرنے سے بشرطیکہ استقلال کے ساتھ اور ہمیشہ ضبط کے ساتھ ہوتا رہے، ہم بڑے کام کر سکتے ہیں۔ دیکھو جب ہم چلتے ہیں یا کسی پہاڑ پر چڑھنا چاہتے ہیں اور ایک قدم اُٹھاتے ہیں دوسرا آپ سے آپ اُٹھ جاتا ہے، اور آہستہ آہستہ چلنے سے ہم ایک روز اپنی جائے مقصود پر پہنچ جاتے ہیں *

ہماری اس کانفرنس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے کچھ عملی کام نہیں کیا، اور ہم بھی اُسے تسلیم کرتے ہیں، مگر اس کا سبب یہی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک سر سیّد بننا چاہتا ہے، اور ان کے علم

کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو انہوں نے کیا۔ مگر چھوٹے چھوٹے کام جو معمولی پڑھا لکھا بھی کر سکتا ہے اُس کے کرنے پر توجہ نہیں کرتے، مثلاً اسی کانفرنس میں مسٹر بیک صاحب کی تجویز پر یہ امر قرار پایا تھا، کہ مسلمانوں کی ترقی تعلیم کا حال، اور جو مسلمان لڑکے اسکول اور کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں، اور جو نہیں پاتے اُن کی تعداد دریافت کی جائے، ایسے لوگوں نے صرف پسند ہی نہیں کیا، بلکہ اُس کی نسبت کہا گیا کہ یہ وہ تجویز ہے، جس نے مردہ کانفرنس کو زندہ کر دیا۔ اس کام کے لئے کمیٹیاں مقرر ہوئیں کارسپانڈنٹ تجویز کئے گئے، نقشوں کے نمونے بنائے گئے، بہت سے لوگوں نے اس کام کو اپنے ذمہ بھی لیا، مگر نتیجہ اُس کا بقول ہمارے معزز سیکرٹری کے "ہیچ نہ شد" اور اس کا سبب یہی ہے کہ بعض نے کاہلی سے، اور بعض نے اس خیال سے کہ یہ کام خفیف ہے، اُس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ کیا۔ اور اس کاہلی اور بوالہوسی کے ساتھ ایک اور بیماری ہم کو گھیرے ہوئے ہے، جس کا نام ہے "خود غرضی" کہ جس کام میں کوئی ذاتی منفعت نہ ہو، اور جس کام کے کرنے میں ہم کو شہرت اور عزت پیدا کرنے کی توقع نہ ہو۔ اُس کے کرنے کا خیال بھی ہمارے دل میں نہیں آتا، اور دوسروں کے لئے کام کرنے کی طرف حسبۃً لِلّٰہ، یا حسبۃً لِلقوم ہماری طبیعت ہی نہیں آتی، اور اسی وجہ سے ہم وہ کام بھی جس کو نہایت آسانی سے کر سکتے ہیں، اور جس کے کرنے میں ہمیں کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی، نہیں کرتے، ہماری زندگی ختم ہو جاتی ہے اور دوسروں کی طرف سے بیفکری اور خود غرضی کوئی قومی کام نہیں کرنے دیتے۔ ورنہ بہت سے آدمی ہماری قوم میں ایسے موجود ہیں جن کو خدا نے سب طرح وسائل دئے ہیں اور ہر طرح کے موقعے اُن کو حاصل ہیں۔ کہ اگر وہ چاہیں تو ہر روز دوسروں کے لئے رحمت کا فرشتہ ہو سکتے ہیں۔ اور اس میں اُنہیں زیادہ زحمت نہیں ہو سکتی جتنی انسان کو مٹھی کھولنے میں ہوتی ہے لیکن اُنہوں نے اپنے آپ کو ایک مستحکم قلعے میں بیفکری کے بند کر رکھا ہے، اور خود غرضی اور نفس پروری کا ایسا مضبوط پہرا بیٹھا رکھا ہے کہ کہ کوئی مدد کا طالب اُس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور اُن سے مدد طلب کر سکے ٭

پھر ان سب مصیبتوں سے بڑھ کر وقت کا ضائع کرنا، اور آج کے کام کو کل پر چھوڑنا ہے، حالانکہ انسان کی زبان میں کوئی لفظ گناہ، اور حماقت، اور عہد شکنی، اور برباد شدہ امیدوں، اور فرائض کے ترک کا ذمہ دار نہیں ہے، جیسا کہ یہ لفظ کل کا ہے۔ دن گذرتے چلے جاتے ہیں! عمر ختم ہو جاتی ہے! مگر ہماری کل کبھی ختم نہیں ہوتی ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
بازچوں فردا شود امروز را فردا کنم

پس اے میرے عزیزو اور دوستو! ہم جو اپنے کسی کام کا نتیجہ نہیں دیکھتے اُس کا سبب یہ نہیں ہے

کر ہم کام کرتے ہیں، اور قانون قدرت کے خلاف ہم کو کامیابی نہیں ہوتی، بلکہ درحقیقت ہم کچھ کام ہی نہیں کرتے، اور نہ کچھ کوشش! بلکہ بغیر بونے کے ہم پھل پانے کی ہوس رکھتے ہیں اور نہ دیکھیے کہ تمہاری ہی قوم میں ایسے آدمی بھی موجود ہیں جنہوں نے کوشش کی۔ اور کام کیا۔ اور اس کے نتیجے دیکھے۔ تمہارے سامنے یہ بزرگ سید بیٹھا ہوا ہے۔ جس نے اپنے نفس پر اعتماد کیا۔ اور صدق دل سے کوشش کی۔ اُس نے اپنے کاموں کا نتیجہ پایا، اور ایک ایسی چیز کو جس کا ہونا سان و گمان میں نہ تھا، اور جو ہمارے قیاس اور گمان سے باہر تھا کر دکھایا۔ اُس نے ایک ایسا بیج بویا جس کی نسبت کسی کو توقع نہ تھی، کہ اُگے گا، مگر وہ اُگا، اور بڑھا، اور پھل لایا، جس کے پھل پھول اس وقت ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور امید ہے کہ وہ روز بروز بڑھتا جائیگا اور اُس کے پھل پھول سارے ہندوستان میں جب تک اسلامی نام قائم ہے نظر آتے رہینگے +

یہ کانفرنس بھی درحقیقت اُسی کی کوشش سے قائم ہوئی ہے، اور وہی اس کو چلا رہا ہے، اور اگر ہم زندہ ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اُس کے بھی ایک دن عمدہ نتیجے دیکھینگے، اگر تم سے اور کوشش نہیں ہو سکتی تو اس کو ذرا سہارا دیتے رہو، اور اُس کی عمر کی درازی کی دعا کرتے رہو، اگر خدا تمہاری دعا قبول کرے۔ اور امید ہے کہ وہ قبول کریگا اور چند سال اُس کا سایہ ہم پر قائم رہے تو یہ بوڑھا سید تم کو دکھا دیگا کہ اُس کا یہ بیج بھی ضائع نہیں ہوا۔ اور وہ بھی بڑھا اور پھل پھول لایا +

قدر سر سید شناسید اے خردمندانِ قوم ۔۔۔ ذات او شد در حق ما رحمتِ پروردگار

ناخن تدبیر او ہر عقدۂ مشکل کشاد ۔۔۔ شاہبازِ عقل او او ہام را کردہ شکار

از طفیلِ اوست ایں جلوہ کہ می آید نظر ۔۔۔ اے خداوند انتزال تا دیر او را زندہ دار

نمبر ۲۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۷ - دسمبر ۱۸۹۹ء کو بحیثیت میر مجلس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ شاہجہان پور کے مولوی رضی الدین صاحب بسمل کی نظم و تقریب کی نسبت بطور ریمارکس کے فرمائی ۔

حضرات!

اگرچہ ہر موقع پر ہر ایک کی تقریر اور نظم پر ایسی پبلک انجمنوں میں داد دینے کا دستور نہیں ہے

لیکن بعض تحریریں اور نظمیں بے انتہا رسد۔ انجمن کو مجبور کرتی ہیں کہ قاعدہ عام کے برخلاف اُس پر پسندیدگی
میں ریمارک کرے ؎

حقیقت یہ ہے کہ حضرت نے اپنا تخلص تو بسمل رکھا ہے۔ مگر نظم ایسی پڑھی کہ دوسروں کو بسمل کر دیا
میں اگر صرف آپ کی نظم سننے کے لئے شاہ جہان پور آتا، تو میری ساری کوفت اور پورے اخراجات
کا کفارہ تھا ؎

نمبر ۲۱

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰- دسمبر ۱۸۹۵ء کو بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے محمڈن
ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ شاہ جہان پور کے بعد پڑھے جانے رپورٹ تعلیمی مردم شماری کے
(جو مسٹر تھیوڈور بیک صاحب پرنسپل مدرسۃ العلوم نے پڑھ کر سنائی تھی) بطور ریمارکس
کے فرمائی :-

حضرات! جو رپورٹ مردم شماری کی مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل نے اس وقت پڑھی آپ سب صاحبان نے
اُس کو سنا ہوگا۔ کل میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ کانفرنس کے عملی نتائج کے ظاہر نہ ہونے
کا اکثر لوگوں کو اعتراض ہے۔ لیکن کیا اس رپورٹ کے پیش ہونے کے بعد بھی آپ میں کوئی صاحب
اُس اعتراض کو جائز خیال کر سکیں گے۔ بیشک ہماری کانفرنس میں بعض تجاویز ایسی بھی پیش ہوئی
تھیں۔ جن کا عملی نتیجہ اب تک ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن فی الحقیقت بعض ایسی تجویزیں تھیں جن کی تعمیل
ممکن نہ تھی۔ مگر اُسی کے ساتھ ہمارے کالج کے پرنسپل مسٹر تھیوڈور بیک نے جو انگریز ہیں اور جن کی فطرت میں
داخل ہے کہ جب تک کسی نتیجہ پر غور نہ کر لیا جاوے اپنی زبان سے کسی بات کو نہیں نکالتے ایسی تجویز پیش
کی جس کے نتائج کی امید تھی۔ اُنہوں نے سب سے بہتر اور مفید طریقہ ہماری حالت دریافت کرنے کا یہ تھا
کہ معلوم کریں کہ مسلمانوں کے خاندان کتنے ایسے ہیں۔ جو اپنی اولاد کو تعلیم دینے کی استطاعت رکھتے
ہیں۔ اور اُن میں سے کتنے تعلیم پاتے ہیں اور کتنے نہیں پاتے، اور جو تعلیم نہیں پاتے، اُن کے
تعلیم نہ پانے کی کیا وجہ ہے، آیا بوجہ بے استطاعتی کے تعلیم پانے سے محروم ہیں۔ یا غفلت و
بے پروائی کی وجہ سے تعلیم کی طرف مائل نہیں ہیں۔ بیک صاحب کی کوششوں سے اکثر صاحبوں
نے بعض خاندانوں کے حالات تحقیق کر کے دریافت کئے۔ اُس کے نتیجے سے معلوم ہوا کہ کتنے

افلاس مانع تعلیم ہے بلکہ غفلت، کاہلی، بے پروائی، پست ہمتی اور خدا جانے کیا کیا۔ اگر ہم میں سے کوئی یہ کہے کہ ہماری انگریزی تعلیم کو مسلمان دنیوی تعلیم کو سمجھ کر یا خلاف مذہب جان کر تعلیم نہیں دیتے تو کاش بجائے اُس کے عربی و فارسی کی تعلیم ہوتی، عربی و فارسی کے مدرسے جاری ہوتے مسجدوں اور خانقاہوں میں مسلمان بچے تعلیم پاتے نظر آتے اور اگر دین کا سچا خیال مسلمانوں کے دل میں ہوتا۔ تو ہم کو خوشی ہوتی۔ اور ہم یہی سمجھتے کہ خیر دنیوی تعلیم نہ سہی دینی اور مذہبی تعلیم تو قائم ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ "ازیں سو ماندہ وزاں سو راندہ" نہ ہماری قوم میں مذہبی تعلیم جاری ہے، نہ دنیوی تعلیم کی طرف مائل ہیں افسوس ہے کہ ہماری قوم فی زماننا علم دین سے بے بہرہ ہے اور انگریزی تعلیم کو حرام سمجھتی ہے، اور طرح طرح کے عذر اور حیلے پیش کرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کا جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے اور خاندان کے لوگ ہنسی کر رہے ہیں۔ شرفا۔ امرا۔ علما۔ سب کی حالت عبرت انگیز ہے۔ ہزاروں گھر برباد ہو چکے ہیں۔ ہزاروں خاندان تباہ ہو چکے ہیں، اور افسوس ہے کہ اُن کے بچے بھوکوں مرتے ہیں۔ بعض ان میں سے سر برآوردہ بھی ہوئے اور نوکری کر کے روپیہ بھی پیدا کر لیا، تو اُن کے پیچھے خاندانی جونکیں اس قدر لگی ہوئی ہیں کہ وہ یک انار و صد بیمار کا مصداق ہیں۔ مَیں خود نوکر رہ چکا ہوں اور بہت کچھ کما چکا ہوں لیکن باوجود اس کے کہ میری تنخواہ تین ہزار روپیہ تھی۔ جب کبھی مَیں حیدر آباد سے اپنے وطن اٹاوہ کو آتا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ باہر مرد اور اندر رشتہ دار عورتیں ملنے کو آتی تھیں جن کو دیکھ کر افسوس آتا تھا اور روتا تھا کہ خدایا ان کی مصیبت دُور کر یا ہمارا حال بھی انہیں کا سا کر دے۔ ہمارے قریبی رشتہ داروں میں بعض سیدانیاں ایسی تھیں کہ جن کے بدن پر ثابت کپڑا تک نہ تھا۔ باوجود اس کے تعلیم سے نفرت، کم سے جی بھاگی، فقر و فاقہ میں مست اور اپنی تباہ حالت پر قانع ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ علم کا نام باقی نہیں رہا۔ اور اب تو ایسی افسوسناک حالت ہے کہ اگر اُن کو تعلیم کی فہمائش کی جاوے۔ تو ہزاروں عذر ہزاروں حیلے پیش کئے جاتے ہیں۔ ابھی بیگ صاحب نے علم الاعداد سے آپ کو بتلایا کہ ۱۸۸۶ء سے اب تک جب سے کہ کانفرنس قائم ہوئی ہے مسلمانوں کی تعلیمی حالت میں کیا ترقی ہوئی ہے اور اب مسلمانوں کی تعلیم کی کیا صورت ہے ؁

کسی نے ایک ظریف سے پوچھا کہ تم کو خدا تعالےٰ سے کیا شکایت ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ مجھے ایک شکایت ہے وہ یہ کہ یا تو ہمیں چند صدی پیشتر پیدا کیا ہوتا یا چند صدی بعد۔ اگر چند صدی پہلے پیدا ہوتے، تو مسلمانوں کی سلطنت، حکومت کا تماشا دیکھتے، اور اگر بعد کو پیدا ہوتے، تو ادنےٰ درجہ کی ذاتوں میں شامل ہو جاتے۔ نہ کچھ اپنی قوم کی حالت کا خیال ہوتا، اور نہ اُن کی ذلت کا درد ناک ہوتا۔ اپنی آنکھوں سے اسلامی سلطنت جاتی دیکھی۔ اپنی آنکھ سے دیکھا کہ دہلی لکھنؤ میں، جو حکومت و ثروت موجود تھی وہ تباہ ہوئی۔ اب تک پُرانی عمارات اور مقامات سے اسلامی سلطنت

کی ثروت شوکت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ آج کچھ قطب صاحب کو دیکھو۔ جہاں اب تک عزت و ثروت کی نشانیاں موجود ہیں جن کے روز بروز آثار مٹتے جاتے ہیں۔ ذلت و رسوائی بڑھتی جاتی ہے۔ آج سنتے ہیں کہ شہنشاہ روم کی سرحد پر جہازوں کا بیڑا چلا گیا ہے۔ کل سنتے ہیں کہ فلاں ملک میں ہوا روں کی نااتفاقی سے ابتری اور خرابی پھیل رہی ہے۔ غرضکہ جہاں جہاں مسلمان ہیں، جہاں جہاں مسلمانوں کی آبادی یا عملداری ہے، سب جگہ باہمی عداوت اور تفرقہ اور خانہ جنگی ہے۔ مشکل سے آپ دیکھیں گے کہ کسی ایک بات پر دو مسلمان متفق ہوں لیکن اس نہ پڑھنے پر سب متفق ہیں۔ وہ چیزیں جو زمانہ حال کے لئے ضروری ہیں اُنہی پر اتفاق نہیں۔ روم شام جہاں جائیے اسی کا رونا ہے۔ خدا نے آپ کو ایسی سلطنت کے سایہ میں پیدا کیا، جس سے زیادہ آپ کو اور کہیں امن نہیں ہے۔ آپ کابل میں جا کر پوچھئے کہ امیر کی حکومت کیسی ہے۔ ٹرکی میں جائیے، اور سلطان کے ملک پر عبرت کی نظر ڈالئے۔ ایران کو دیکھئے اور تحقیق کیجئے کہ شاہ کی رعایا کو شاہ سے کیسی محبت ہے۔ غرضکہ کوئی حکومت، کوئی سلطنت، کوئی ملک، جہاں اقوام غیر کی عملداری ہو، یا خود ہماری قوم کی۔ امن اور انصاف اور آزادی میں انگریزی ملک اور انگریزی حکومت کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ باوجود اس کے ہماری قوم کی یہ حالت ہے کہ اُن کو ایسے مبارک اور بےخطر زمانہ میں، ایسی آزاد اور مہذب حکومت میں بھی تعلیم کی طرف کوئی ترغیب و تحریک نہیں ہوتی۔ بلکہ وہی غفلت اور کاہلی کا مرض دور کرنے کی فکر کی جاوے اور اُن کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا جاوے، تو اُلٹے لڑنے کو موجود ہیں۔ بجز اس کے کہ خاندانی مسلمان اپنے ہاتھوں میں لمبے لمبے شجرے لئے ہوئے پھرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں حسنی حسینی۔ فاروقی۔ اور صدیقی ظاہر کرتے ہیں اور کچھ نہیں۔ اگر یہی صورت ہے تو ترقی درکنار، اُن کا باقی رہنا بھی نظر نہیں آتا۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ مسلمان اکثر عالی خاندان ہیں، بلند نسب ہیں۔ ان کی رگوں میں عرب کا خون ہے، مگر افسردہ۔ ان کی طبیعتوں میں شرافت کا جوہر ہے مگر زنگ آلودہ۔ اور جب تک غیرت و حمیت سے کام نہ لیں، وہ خون جوش میں نہیں آسکتا۔ نہ وہ جوہر چمک سکتا ہے۔ میرے ایک انگریز دوست نے مجھ سے ولایت میں کہا تھا کہ مسلمانی قوم شیر ہے اور شیر مرا نہیں بلکہ سوتا ہے۔ جس وقت جگایا جاویگا اپنا کام کریگا۔

میں اپنے دوست بیگ صاحب کا نہایت شکرادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے درحقیقت کانفرنس کا نقشہ میں جان ڈالدی اور اُس اعتراض کو دور کردیا کہ اب تک کانفرنس نے کوئی عملی نتیجہ نہیں دکھایا اور ہندوستان سے بتا کر آپ لوگوں کی آنکھیں کھول دیں کہ باوجود اس شور و شغب کے مسلمانوں نے کچھ ترقی نہیں کی۔ اب اے حضرات یا ترقی کی فکر کرو یا قوم پر مرنے سے پہلے فاتحہ پڑھ دو۔

نمبر ۲۲

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸ - دسمبر ۱۸۹۵ء کو بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس دہم مقام شاہجہان پور میں - مولوی نذیر احمد صاحب کے لکچر کے اختتام پر فرمائی :-

حضرات !

جس طرح سر سیّد نے مولانا نذیر احمد کی نسبت فرمایا تھا کہ اُن کے لکچر کی تعریف کرنا بے ادبی ہے - اسی طرح آپ کے لکچر کی نسبت کچھ کہنا گستاخی ہے - مگر قطع نظر فصاحت و بلاغت کے وہ نصیحتیں اور مفید اور کار آمد باتیں جو اُنہوں نے آیندہ قوم کی بہبودی اور مسلمانوں کی تعلیم کے لئے اس لکچر میں بیان فرمائی ہیں اس قابل ہیں کہ اُن پر عمل کیا جاوے - اُن کا یہی ایک گیت ہے اور یہی ایک سودا اور خیال ہے جو ہمیشہ سے اُن کے دل میں ہے اور تادم واپسیں اُن کے دل میں رہیگا - اس لکچر کو یہ نہ سمجھو کہ معمولی نظم تھی جو تھوڑی دیر دل خوش کرنے کے لئے سُنائی گئی - بلکہ اس کو حرز جان بناؤ - یہ اِس قابل نہیں کہ اس کو ردّی کاغذ سمجھ کر پھینک دیا جاوے ، بلکہ اس کو دل پر منقش کرو - اگر خدا کی مہربانی ہے اور اُس کو کچھ کرنا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے جانے کے بعد آپ اس کو دیکھتے رہینگے اور اُس پر عمل کرینگے اور امید ہے کہ خدا ہماری اس دعا کو قبول کریگا ٭

نمبر ۲۳

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸ - دسمبر ۱۸۹۵ء کو بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے کانفرنس کے رزولیوشن نمبر ۴ (جسکی نقل ذیل میں درج ہے) تائید کرتے ہوئے فرمائی - مضمون رزولیوشن حسب ذیل ہے :-

رزولیوشن نمبر ۴

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ بنظر اس امر کے کہ انگریزی تعلیم کی کتنی ہی اشاعت ہو جائے

تاہم سب سے بڑا حصہ مسلمانوں کا اس زبان سے لازمی طور پر ناواقف رہیگا اس لئے ہر ایک انگریزی دان مسلمان کا جو کافی قابلیت رکھتا ہو یہ فرض اخلاقی و قومی ہے کہ کم سے کم ایک کتاب اپنے مذاق کے موافق انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرے یا ایسی کتاب تالیف کرے کہ جس میں وہ مفید علمی مضامین ہوں جو انگریزی کتابوں سے ماخوذ کئے گئے ہوں اور مسلمانوں میں یورپین علوم کی آگاہی پھیلانے کے لئے مفید ہوں ✦

حضرات!

یہ رزولیوشن جو اس وقت سید محمود نے پیش کیا اور جس کی بابت عمدگی سے تائید کی گئی، اُس کا منشا، آپ سمجھ گئے ہونگے۔ رزولیوشن کا مطلب یہ ہے کہ انگریزی کتابوں کا ترجمہ یا خلاصہ اس طور پر کیا جاوے جس سے وہ لوگ جو اُن کتابوں سے بالکل ناواقف ہیں واقف ہو جائیں ان کے اس رزولیوشن سے بعض لوگ خیال کرینگے کہ انگریزی زبان کی اردو میں تقلید کرنا چاہتے ہیں جو بالکل ایک نئی بات ہے۔ لیکن یہ کسی کی تقلید نہیں ہے۔ مجھ کو اس رزولیوشن نے دولت عباسیہ کا زمانہ اور اُس زمانہ کے تاریخی واقعات یاد دلا دئیے (نعوذ باللہ) اس رزولیوشن کا منشا انگریزی تقلید نہیں ہے۔ بلکہ اُس نے ہمارے اسلاف کا طریقہ یاد دلایا ہے، جو علم و ہنر پر دل و جان سے فدا تھے۔ انہوں نے نہایت فیاضی اور نہایت دلیری سے غیر قوموں سے علم سیکھا، غیر ملکوں کی زبانوں کو حاصل کیا، اور مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کی کتابوں کو مطالعہ کیا اور بیدریغ اپنی زبان میں اُن کے ترجمے کر ڈالے۔ آپ لوگوں میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو تاریخی واقعات سے واقف ہونگے۔ لیکن جن کو معلوم ہے وہ جانتے ہونگے کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں سے علوم حاصل کئے اور جب معلوم ہوا کہ ایک انبار عظیم فلسفہ اور حکمت کا یونان اور فارس میں ہے تو بے محابا اُس کے حاصل کرنے پر جھکے۔ اُن کی توجہ جیسی ملکوں کے فتح کرنے پر تھی اور دنیا کا بہت سا حصہ فتح کر کے اپنے قبضہ میں لا چکے تھے ارادہ کیا کہ علوم کو بھی فتح کر کے قبضہ میں لا دیں۔ اور جس طرح زمین دوسروں کے قبضہ سے نکال کر اپنے قبضہ میں لائے تھے، اسی طرح جو علم دوسری زبان میں تھا اور دوسری قوم اُن پر قابض تھی اُس قوم سے لیکر اپنے قبضہ میں لے آئے۔ جس نے المامون کو پڑھا ہے۔ اُس کو معلوم ہوگا کہ مامون رشید نے سیم و زر کی یا جواہرات کی اتنی قدر نہیں کی جتنی کہ علم و فضل کی۔ اُس نے اتنا روپیہ ترجمہ کرنے پر صرف کیا کہ غالباً ملک کے فتح کرنے پر اُس نے صرف نہ کیا ہوگا۔ عزیزی سید محمود نے اس رزولیوشن کو پیش کر کے عباسیوں کے زمانے کو یاد دلایا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے نوجوان طالب علم جس کو ترغیب دلائی ہے اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچا کر اور عباسیوں کے علمی عہد کو زندہ کرینگے۔ میں اس بات کو دیکھتا ہوں کہ اس رزولیوشن کے پاس کرنے

میں کسی کو عذر نہیں ہے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا ۰

نمبر ۲۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے بحیثیت پریذیڈنٹ ہونے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ شاہجہانپور واقعہ ۲۹ - دسمبر ۱۹۰۰ء کو رزولیوشن نمبر ۶ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے تائید کرتے ہوئے فرمائی مضمون رزولیوشن حسب ذیل ہے ۰ -

رزولیوشن نمبر ۶

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ بنظر زیادہ ہوجانے کار کانفرنس اور اس کے استقلال و استحکام کے اور عمدگی سے کام ہونے کے آنریبل سید محمود بیرسٹرایٹ لا جو بمقام علیگڈھ مستقل طور پر سکونت گزین ہیں اور مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے لائف آنریری جنٹ سکرٹری ہیں اس کانفرنس کے بھی جنٹ سکرٹری قرار دئے جاویں کہ وہ بمعیت سر سید احمد خاں بہادر سکرٹری کانفرنس کے کام جنٹ سکرٹری کا اُسی طور پر انجام دیں جس طرح پر وہ جنٹ سیکرٹری مدرسۃ العلوم علیگڈھ کا کام انجام دے رہے ہیں اور اُن کو اجازت دیجاوے کہ بغرض بہتری انتظام کے ایک جداگانہ دفتر کانفرنس کا مرتب کریں اور اس دفتر کی کارروائی کے لئے واسطے مشاہرہ کلرک دیگر اہلکاران ضروری کے پچہتّر روپیہ ماہواری منجملہ اُس آمدنی کے جو کانفرنس کی ہوتی ہے صرف کرنے کی اجازت ہو اور واسطے خرید سامان دفتر و اسٹیشنری وغیرہ کے اول سال کے لئے یکمشت تین سو روپیہ تک خرچ کرنے کی سید محمود کو اجازت دیجاوے ۰

حضرات !

مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ ایسی بات جو کئی سال پہلے ہونی چاہئے تھی اُس پر آج مولوی نذیر احمد صاحب نے اپنی فصیح و بلیغ اور طولانی تقریر کی اور سیکرٹری اور پریسیڈنٹ کو ذلیل کیا، اور اُن کو عضو معطل بتایا ۔ اس کی وہی مثال ہے کہ ایک نادان آدمی کو جو ذرا شان دار اور متین بھی تھا کئی شخصوں نے ملکر اپنا مرشد بنایا اور جگہ لیجا کر جا بٹھایا اور لگے اُس کی خدمت و اطاعت کرنے یہاں تک کہ اُس کی بزرگی اور خدارسی کا شہرہ بادشاہ کے کان تک پہنچا اور اُس کو شاہ صاحب کی قدمبوسی کا اشتیاق

پیدا ہوا۔ جب ان مریدوں کو معلوم ہوا، تو اُنہوں نے اپنے سادہ لوح پیر کو سمجھانا شروع کیا کہ جب بادشاہ آئیں تو خبردار اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے مت ہو جانا جیسی کچھ ہوگی ہم سب دیکھ لینگے۔ بعت تم خاموش بیٹھے رہنا اور قل کہدینا۔ غرضکہ اُس کو سمجھا بجھا کر بادشاہ کی آمد کا انتظار کرنے لگے، جب بادشاہ سلامت تشریف لائے تو سطوت وجلال شاہی سے درویش کا بدن کانپنے لگا۔ بادشاہ نے کہا اللہ اکبر شاہ صاحب تو بڑے بزرگ اور خدا رسیدہ ہیں۔ جب درویش کو کسی قدر افاقہ ہوا تو قل کہنا بھی بھول گئے، بجائے اُس کے بُل بول اُٹھے، بادشاہ نے مریدوں سے دریافت کیا کہ شاہ صاحب کیا فرماتے ہیں، اُنہوں نے جواب دیا، کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں بول علی الدنیا یعنی پیشاب کردنیا پر۔ ہمارے مولانا نے جو ہماسا پُتلا بنکر یہاں بیٹھنا بیان فرمایا اُس پر ہمکو فخر ہے، کیونکہ اُس پُتلے کے بنانے والے اور چلانے والے موجود ہیں، پریسیڈنٹ کو کیا پُتلا کہا جاتا ہے۔ یہ مجلس ہی بجائے خود پُتلا ہے، پہلے زمانہ میں جو اسلامی مجلسیں ہوتی تھیں، اُن میں کچھ نہ کچھ عملی کام بھی ضرور ہوتے تھے۔ اب بجائے اس کے صرف نقل ہے۔ اور نقل بھی انگریزی مجلسوں کی ہے، جن کی عملی قوت اور مستعدی اور سرگرمی دنیا میں مشہور ہے۔ میں ایک ادنیٰ سی بات آپ کو سُناتا ہوں، کہ ولایت میں ایک ہوٹل کے سامنے جس میں میں ٹھیرا ہوا تھا ایک کمپنی باغ تھا۔ ایک روز تیسرے پہر کو کیا دیکھتا ہوں کہ ہزاروں آدمی باجے بجاتے، رنگین جھنڈے لئے جاتے ہیں۔ میں سمجھا کہ یا تو کوئین کی سواری نکلی ہے یا کوئی اور شاہی تقریب ہے۔ لیکن جب میں نے وہاں کے منیجر سے دریافت کیا تو اُسے تعجب ہوا، اور کہا کہ کیا آپ نے اخبار نہیں پڑھا اور کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آج قلیوں کا جلسہ ہے۔ قلیوں اور مزدوروں کا ایک مسودہ قانون پارلیمنٹ میں پیش ہوا ہے، جس میں لکھا ہے کہ اتوار کے دن شراب خانے بند ہو جایا کریں۔ اس پر چالیس ہزار مزدور اور اسی ہزار قلیوں نے مل کر چھ لاکھ روپیہ اس مسودہ قانون کی تردید کے لئے جمع کیا ہے اور یہ تمام ہنگامہ اور جوش وخروش جو آپ دیکھتے ہیں، اِس قانون مجوزہ کی مخالفت میں ہے۔ مجھے یہ سُن کر نہایت افسوس ہوا، اور شرم آئی کہ جہاں قلیوں کی یہ حالت ہو وہاں کے اعلےٰ طبقہ کے لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ افسوس کہ ہم قلیوں سے بھی گئے گزرے ہوئے ہیں اور اگر کسی بات کا ارادہ بھی ہو تو ہم میں اتفاق نہیں ہے۔ بہرحال ہماری قوم میں انگریزوں کی تقلید کی جاتی ہے، مگر اُن کی سی مستعدی، اُن کا سا اتفاق، اُن کا سا جوش ہم میں نام کو نہیں ہے۔ یہ کانفرنس جس کے دفتر سکرٹری میں اسٹاف قائم کرنے کے لئے بہتر روپیہ ماہوار کے اخراجات پر آج شدومد سے بحث ہوئی ہے اور اس کی منظوری حاصل کی جاتی ہے۔ اگر غور سے دیکھو تو نیشنل کانگرس کے سامنے اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے بڑے شرم کی بات ہے کہ جو قوم کل تمہاری ماتحت اور محکوم تھی اور تمہاری مجلسوں میں فرش تک آتے

ہونے اُس کے بدن پر لرزہ آتا تھا، وہ اِس زور شور سے کارروائی کرے۔ نہایت غیرت اور شرم کا مقام ہے، کہ نیشنل کانگرس کے دفتر سکرٹری میں اسّی ہزار روپیہ کا خرچ ہے جو باہمی چندوں سے پورا ہوتا ہے مگر ہماری کانفرنس کا خرچ اس کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر اس رزولیوشن کو مجموعی طور پر آپ نے منظور کر لیا تاہم خرچ کی مقدار بالکل بے حقیقت ہے۔ پھر نیشنل کانگرس کی وسعت اور شہرت کی کیفیت یہ ہے کہ مہینوں پہلے گاؤں گاؤں آدمی بھیجے جاتے ہیں۔ ہزاروں اشتہار طبع ہوتے ہیں، جابجا مجلسیں قائم ہوتی ہیں، جن میں برابر تقریریں کی جاتی ہیں اور کانگرس کے اغراض و مطالب پر پُر جوش تقریریں کی جاتی ہیں۔ برخلاف اس کے ہماری کانفرنس کے لئے نہ جابجا ابتدائی کمیٹیاں ہوتی ہیں، نہ اس کے اغراض و مقاصد کو وسعت کے ساتھ لوگوں میں پھیلایا جاتا ہے۔ نہ کثرت سے اشتہار چھپ کر شائع ہوتے ہیں اور نہ اس کے لئے کوئی اسٹاف ہے جس کی عملی قوت پر قوم کو اطمینان ہو۔ ہم بیچارے جمع بھی ہوئے تو قوم کی طرف سے کسی کو کافر کسی کو مرتد کا خطاب ملا۔

حضرات! میں نہایت دل سوزی سے کہتا ہوں کہ یہ تمام باتیں جو کہی جاتی ہیں، یہ تمام شور و غل جو کیا جاتا ہے، تمہاری بھلائی کے لئے ہے۔ اور بقول بزرگ سرسید کے جب تم ایک ڈھیر اور ہمارے مسجد میں کام لیتے ہو تو خیر ہم ملحد سہی، کافر سہی، مرتد سہی، لیکن جب دل سے تمہاری خدمت کرتے ہیں، اور زبان سے تمہاری بھلائی کی بات نکالتے ہیں، تو اس خدمت کو قبول کرنے اور اس بھلائی کی بات ماننے میں تم کو ذرا عذر نہ ہونا چاہئے۔

حضرات! سچ تو یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی تقدیر رسیدہ ہی ہوتی تو ہر ایک شخص قومی بھلائی کے کام میں دل و جان سے شریک ہوتا، اور ایک کانفرنس نہیں بلکہ ہزار ہا علمی و اخلاقی کانفرنسیں قائم ہوتیں اور ایک سرسید نہیں بلکہ ہزار سرسید قوم میں پیدا ہوتے۔ آپ اسی کانفرنس کو خیال کریں کہ تنہا سرسید کیا کر سکتے ہیں اُن کی حالت تو یہ ہے کہ ساری دنیا کے کام اپنے سر پر لے رکھے ہیں اور کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔ سرسید سے لوگ کیسے ہی مخالف ہوں اُن کو کتنا ہی بُرا کیوں نہ سمجھتے ہوں لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن کے دل میں قومی محبت کی آگ بھڑک رہی ہے ؎

یک سینہ و صد ہزار شعلہ ۔۔ یک دیدہ و صد ہزار باراں

مگر اے حضرات! کیا اس محبت کا جس سر سالار جنگ کو قوم کے ساتھ ہے یہی صلہ ہے کہ ضعف پیری کی حالت میں بھی آپ اُن کو اپنی خدمت سے طرف سے منع نہ کریں۔ یا اُن کی محنت میں تخفیف گوارا نہ کریں۔ یہ رزولیوشن جو پیش کیا گیا ہے اور جس پر مباحثہ ہوا ہے اسی غرض سے ہے کہ سرسید کی محنت میں تخفیف ہو، اور اُن کو اس بڑھاپے اور ضعف کی حالت میں آرام دیا جائے اور وہ صرف آنریری طور پر کانفرنس کے سکرٹری رہیں اور سید محمود ان کی جگہ لائف آنریری جائنٹ سکرٹری مقرر ہوں

جن سے امید ہے کہ کانفرنس کو عمدہ طور پر چلائینگے، اور اسٹاف سے جو ان کے ماتحت کام کرے گا نہایت عمدگی سے کام لینگے ✤

نمبر ۲۵

اسپیچ

یہ مختصر اسپیچ نواب صاحب بہادر نے بحیثیت میر مجلس ہونے اجلاس دہم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ شاہجہان پور ۲۹ - دسمبر ۱۹۰۸ء کو نسبت نظم منشی امجد علی صاحب اشہری کے بطور ریمارکس کے فرمائی :-

حضرات !

ہمارے اشہری صاحب کو آپ جانتے ہونگے۔ نہایت لائق اور بے نظیر شاعر ہیں، اور ان کی شاعری کا شہرہ دور دور ہے اور اکثر اخباروں میں اُن کی نظمیں چھپتی رہتی ہیں رنگین نثر لکھنے میں بھی اُن کو قدرت ہے اور مذاقِ انشا نہایت صحیح ہے۔ بہت دنوں تک ہمارے گروہ کے برخلاف رہے اب الحمد للہ کہ ہماری برادری میں داخل ہوئے۔ جس کے لئے میں کہتا ہوں کا تثریب علیکم الیوم جو نظم و نثر انہوں نے سنائی اُس کے لئے میں اپنی طرف سے اور کانفرنس کی طرف سے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں ✤

نمبر ۲۶

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۹۰۸ء کو انگریزوں کی تقلید ... بحیثیت میر مجلس ہوتے ہوئے کانفرنس کے بابت رزولیوشن نمبر ۷ جس کی نقل ذیل میں درج ہے۔ ریمارکس دیتے ہوئے فرمائی ✤

رزولیوشن نمبر ۷

یہ کانفرنس مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کا از طرف مسلمانان کے شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے

اپنی قومی محبت اور حقیقی خواہش ترقی تعلیم مسلمانان کے علاوہ اُن عطیات کثیر التعداد کے جو سابق میں وقتاً فوقتاً مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ کو دے چکے ہیں، انہوں نے فی الحال بر لحاظ دریافت خاص موجودہ ضروریات مدرسۃ العلوم مسلمانان کے یکمشت ایک ہزار روپیہ کی رقم بطور چندہ کے مدرستہ العلوم علیگڈھ کو دیدی ہے ✦

حضرات!

اس رزولیوشن کی نسبت جو کچھ میرے عزیز سید محمود نے تقریر کی اُس کی نسبت یہ خیال ہوگا کہ اُنہوں نے ایک ہزار روپیہ دینے کی وجہ سے اپنے خیالات کو مختصر لفظوں میں ادا کیا۔ بلکہ اُس کی مثال کوہستان جبیل کی ہے کہ پانی برابر بڑھتا رہا اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ لیکن جب حد سے زیادہ گذر گیا تو ایک دم سے اپنے سیلاب میں جو کچھ اُس کے سامنے آیا۔ اُس کو بہالے گیا۔ اسی طرح اس موقع پر اُس احسانات کا شکریہ جو نہ آحمد۔ محمود۔ مہدی پر بلکہ اُنہوں نے قوم پر کئے تھے ادا کیا۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ مولانا کی جیب سے ایک ہزار کا چندہ ایسا تعجب انگیز نہ تھا جس کا اس طریقہ پر شکریہ ادا کیا جاتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب سے زیادہ مدرستہ العلوم میں نہ کسی چندہ دینے والے کی رقم ہے اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے امداد دینے والے کی مدد ان سے زیادہ ہے۔ اُنہوں نے بارہا دو دو اور تین تین ہزار روپیہ مدرسہ کی امداد کے لئے اپنی جیب خاص سے دیئے اور اپنے لکچروں کے ذریعہ سے ہزارہا روپیہ کا فائدہ مدرسہ کو پہنچا۔ آخر قوم کہاں تک ضبط کرتی، جب اُن کے احسانات حد سے زیادہ گذر گئے اور کوہستان جبیل کی طرح اُن کا سیلاب آگیا۔ قوم کے دل جو اُن کی محبت اور تعظیم سے بھرے تھے یکایک پھوٹ پڑے، اور اُن کا شکریہ نہایت جوش و خروش سے ادا کیا گیا ✦

یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ جو کچھ اُنہوں نے دیا وہ کس غرض سے، مولوی صاحب طالب شہرت نہیں کیونکہ باوجود اس لیاقت و عظمت و قابلیت کے کہ غالباً میرے نزدیک ان کا سا لائق ہندوستان میں دوسرا نہ ہوگا۔ اُن کی گوشہ نشینی کی یہ حالت ہے کہ جب آپ حیدرآباد کی گورنمنٹ میں تھے سر سالار جنگ نے جو آپ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ رئیس کے لئے آپ سے کتابوں کے تصنیف کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں اُس زمانہ میں سر سالار جنگ کی خدمت میں سکرٹریٹ کا کام انجام دیتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو آپ کی طرف سے مولوی صاحب کو ایک خط شکریہ کا لکھ دیا جاوے فرمایا کہ اُن کی تصنیف اور اُن کے کام محتاج شکریہ کے نہیں ہیں۔ اُس کے بعد آپ کو حضور پُر نور نے تعلقہ تجویز کیا۔ مگر باوجود اس معزز عہدہ پر مقرر ہونے کے اگر کبھی سر سالار جنگ کے پاس جاتے تھے۔ تو کرایہ کی گاڑی پر وضع میں جاتے تھے جو ہمیشہ اُن کی عادت

میں داخل ہے +

حضرات! اگر وہ ایک ہزار روپیہ اپنی شہرت کے واسطے دیتے تو ایسے نادان نہیں تھے کیونکہ
وہ جانتے ہیں کہ جہاں شیطان کی آنت سے زیادہ لمبی لمبی فہرستوں میں دس دس اور پچاس پچاس
ہزار کے چندے اور نظام سے عالی پایہ مدد کرنے والوں کے نام نادرج ہیں وہاں ایک ہزار روپیہ
کو کیا نسبت ہے۔ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ اُنہوں نے پہلے کبھی چندہ نہیں دیا، اور اب اپنے
نام و نمود کے لئے چندہ دیا ہے، کیونکہ خود اُنہوں نے تین تین ہزار کی رقمیں اس سے پہلے دی ہیں
اور کیوں جس شخص کی تصانیف ایسی ہوں، جن کے ذریعہ سے اُس کی استادی کا ڈنکا چاروں طرف
ہندوستان میں بج گیا اُسے اپنی شہرت کے لئے دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
غرضکہ یہ چندہ نہ اُنہوں نے شہرت کی غرض سے دیا ہے نہ نام کی وجہ سے بلکہ اپنی قوم کا ادبار
اور بدنصیبی کا تصور کر کے دیا ہے، جو کہ ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور حقیقت میں ہمارے
اعمال و افعال ایسے خراب ہیں اور اس قابل ہیں کہ ہم بنی اسرائیل سے زیادہ خوار اور ذلیل ہوں کیونکہ
بنی اسرائیل نے اگر کچھ قصور کئے تھے، تو اُن سے ہمارے گناہ بڑھے ہوئے ہیں۔ حال میں آپ کو
معلوم ہوگا کہ ایک تازہ بدنصیبی سے ہمارے کالج کو سامنا پڑا ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے کالج کی
زرِ امانت میں ایک بڑا غبن ہو گیا ہے اور ہماری قوم خصوصاً سکرٹری پر اس کا بڑا صدمہ ہوا ہے۔ مگر امید
ہے کہ اُس کی تلافی ہو جاویگی اور رقم ماری نہ جاویگی۔ ہمارے مولانا جو ہمیشہ سے نازک اور تنگ وقت
میں زبان سے۔ قلم سے۔ روپیہ سے مدد دینے کے عادی ہیں ایسے نازک وقت کا خیال کر کے
مقدمۃ الجیش بنے اور اس رقم کی تلافی کی غرض سے ایک ہزار کا چندہ دیکر باقی لوگوں کے لئے
ایک مثال قائم کر دی، تاکہ اور لوگوں کو خیال ہو کہ جس نیک کام کی اُنہوں نے پیش قدمی کی ہے اور
لوگ بھی اُن کے پیچھے چلے آویں۔ اور اس نیک کام کی تقلید کریں۔ مولانا نے اس خیال سے نہیں
کہ شہرت ہو بلکہ اُنہوں نے یہ امداد حسبۃً للہ اور حسبۃً للقوم کی ہے، اے سیدا حمد، اے مہدی علی، اے سید محمود
کیا آپ کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں؟ جو خدا کے بندے اُس کے حبیب کی امت کی مدد کرتے ہیں، اور
مدد بھی کن کی۔ اُن بچوں کی جن کے اوپر سایہ نہیں، اور جو ایسے غریب ہیں کہ نہ اپنی گذر کر سکتے ہیں
نہ مدرسہ کی فیس دے سکتے ہیں، اور بہت سے ایسے نکلینگے کہ شاید اسلام پر قایم بھی نہ رہ سکیں اور جن کو
ہمارے ہاں سے اسکالرشپ اور وظیفے دئے جاتے ہیں۔ اُن کے لئے ایک تجویز ہے کہ اگر ایسے
علما کے پیش کرنے کے وقت ان پر پھول برسائیں تو زیبا ہے، اگر وہ پھول تھوڑی دیر میں مرجھا
جاوینگے۔ ہمارے مولانا پر اُن یتیم بچوں کی والدین کی پاک روحیں اور رحمت کے فرشتے ایسے
پھول برساتے ہیں جو کبھی نہ کملاوینگے اور اپنی خوشبو سے فردوس بریں تک کو معطر رکھینگے +

اسی طرح سے ان کے لئے دوسری تجویز ہے کہ ایڈریس پیش کئے جاویں، مگر میں ایسے کاغذ پر جس کو کیڑے کھا جاتے ہیں ایسے عطیہ دینے والوں کو ایڈریس دینا پسند نہیں کرتا، لیکن جو جستہ للہ اور خدا کی خوشنودی اور اُس کے رسول کی امت کے لئے عطیہ دیتا ہے، رحمت کے فرشتے، اُس کو ایسے ایڈریس پیش کرتے ہیں جس پر خدا کی خوشنودی کی مُہر لگی ہوئی ہے اور جو نہ کبھی خراب ہونگے اور نہ خاک میں ملینگے ؛

اے حضرات! جو کچھ میں نے کہا اُس کو آپ نے سُنا ہوگا اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ سب صاحب دل سے متفق ہو کر اس عطیہ کی بابت مولوی صاحب کا شکرادا کرینگے ؛

رزولیوشن نمبر ۲ نہایت جوش سے بالاتفاق پاس ہؤا ؛

نمبر ۲۷

اسپیچ

یہ اسپیچ بھی نواب صاحب بہادر نے ۲۰ دسمبر ۱۸۹۸ء کو اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ شاہجہانپور میں بحیثیت میر مجلس ہونے کے منشی محمود حسن خاں صاحب کی تقریر کے جواب میں فرمائی :-

حضرات!

جناب محمود حسن خاں صاحب نے جو اس وقت آپ کے سامنے تشریف فرما ہیں، جو ارشاد فرمایا اُس کے شروع میں وہ فرماتے ہیں کہ ان تین روز کے لکچروں کا جو بزرگان دین یا بزرگان نیچر نے دئے ہیں یہ اثر ہوا ہے کہ جوش اخوت اسلامی لوگوں میں پایا جاتا ہے، میں اس کے خلاف ہوں۔ یہ اس کا اثر نہیں ہے۔ بلکہ آپ سمجھ لیجئے کہ ہر مسلمان جو فطرت سے مسلمان پیدا ہوا۔ اسلام کا دودھ پیا۔ اسلام کی گود میں پرورش پائی۔ اور پیدا ہوتے ہی پاک آواز لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی اس کے کان میں ڈالی گئی اس کا قدرت سے دل ہمیشہ صاف اور آمادہ رہتا ہے نیک اور اچھی بات قبول کرنے کے لئے۔ جس طرح ہم کلی کو دیکھتے ہیں کہ پھول ہونے کا مادہ اُس میں موجود ہے۔ اور وہ خود گلاب کا پھول بن جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مسلمانوں کے دل میں فطرتی قابلیت موجود ہے۔ لیکن بعضوں کی فطرتی قابلیت پر خارجی خیالات اور بعض اسباب کا جو عارضی چیزیں ہیں پردہ پڑجاتا ہے۔ ہم جو خادم ہیں ہمارا کام یہ ہے کہ اس پردہ کو اٹھا دیں اور اُن کے فطرتی جوہر کو جلی

اور یہی خوبصورت تصویر دکھادیں ۔

مسلمانوں کی عادت میں زمانہ کی رفتار نے ہندوؤں کے ساتھ رہنے سے یہ بات پیدا کردی ہے کہ ان کو ایک خدمتگار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُن کی اس خواہش اور ضرورت کے موافق خدا نے ان کے خادم بھی پیدا کئے ۔

حضرات! کیا مسلمان، مسلمان ہوکر تعلیم کی مخالفت کرینگے، جب کہ وہ جانتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطوط بھیجنے کے لئے صحابیوں کو حکم دیا کہ اطرافِ عالم میں خطوط لکھ کر بھیجو۔ وہ خطوط اتقریب دعوت عام تھے جو نہ ایک بان پر نہ ایک ملک پر محدود تھے بلکہ جہاں خدا کے بندے موجود تھے اسلامی دعوت کے خطوط بھیجے گئے۔ اگر یورپ والوں کو دعوت کی جائے اور اُن سے یہ کہا جائے کہ تم پہلے عربی بولو، پھر ہم دعوت اسلام کرینگے، تو یہ کیسی نادانی کی بات ہے۔ اسلام کیا ہوا ہندوؤں کا چوکا، جہاں کوئی گیا اور رکھانا حرام۔ خدا کا کوئی خاص لباس نہیں، اُس نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ کہ ایسا کوٹ ہو، ایسی پتلون ہو، اور مسلمان فلاں زبان میں گفتگو کریں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا نے عربی زبان کو اشرف اللسان بنایا ہے۔ اور اُس کی کرامت کی وجہ یہ ہے کہ خدا کا محبوب اُس زبان کو بولتا تھا۔ اُس کی عزت وشرافت اسی بات سے پائی جاتی ہے کہ کم سے کم ہر ایک شخص عربی زبان میں کلمہ پڑھتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ توقع کرنی کہ بغیر اُس کے کہ اہل یورپ عربی زبان سیکھیں دعوتِ اسلام اُن کو نہیں کی جاسکتی محض خیال خام ہے۔ اس لئے اگر ہم مذہب اسلام کی دعوت یورپ کو کرنا چاہتے ہیں۔ تو دعوت کرنے سے پہلے انگلش وغیرہ زبانوں میں کافی مہارت پیدا کرنی چاہئے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ پادریوں نے اپنے مدارس میں ایک سیکشن قائم کردی ہے جس میں طالب علموں پر واجب کردیا ہے کہ عربی پڑھیں اور اُن کو وظیفہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ کس لئے؟ اس لئے کہ مسلمانوں کی مذہبی کتابیں دیکھ کر انگریزی میں اپنے مذہب کے مطابق تردیدانہ مضامین لکھ سکیں اُن کے مذہب سے واقف ہوں اور اپنے مذہب کی تائید کریں۔ وائے بر حال مسلمانوں کے جن کی ایسی حالت ہے کہ باہم دو فریق لڑتے ہوں اور ایک شخص آکر کہے اپنے فریق سے کہ تجھ پر مصیبت آنے والی ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ اُس مصیبت سے خبردار ہوکر اُس کا انتظام کرے اور اُس شخص کو شرمندہ احسان ہو اپنے ہاتھ سے اُس کی گردن اُڑا دیتا ہے ۔

آپ خیال کیجئے کہ ہم لوگ قطع نظر دنیوی فوائد کے جو انگریزی تعلیم سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس بات پر بھی غور نہیں کرتے کہ آج اسلام پر کیا کیا حملے ہو رہے ہیں اور دنیا کے ہادی کی نسبت مخالف کیا کیا لکھ رہے ہیں۔ ہر شخص اپنی حالت پر خوش ہے۔ اگر کسی کو کھانا مل گیا خواہ وہ بھیک ہی کے ذریعے

کیوں نہ ہو، تو اُسے دنیا و مافیہا کی کچھ بھی خبر نہیں۔ وہ مطلق اس بات کی پروا نہیں کرتے، اسلام اور بانیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو حملے ہوتے ہیں اُن کے جواب دینے اور اُن کی تردید کرنے کے لئے اپنے بچوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دیں۔ اور کوشش کریں کہ غیر ملکوں میں اسلام پھیلجاوے۔ آپ ہم کو کافر اور ملحد سمجھتے ہیں، اور خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، اگر ہم خدانخواستہ اسلام کو چھوڑنا چاہیں تو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اختیار سے خارج ہے کہ ہم خدا کو اور اپنے رسول کو بھول جاویں۔ مگر آپ لوگوں کی آنکھوں پر جو پردہ پڑا ہے اُس کو اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ دوسرے فرقے اسلام کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں، اور عربی زبان پڑھ کر اور تمہاری کتابوں کو دیکھ دیکھ کر کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے روز بروز اسلام میں ضعف آتا جاتا ہے، اور اسلام کی حکومت بہت سے بے خبر۔ غافل۔ اور نادان لوگوں کے دل سے اُٹھتی جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم پکار پکار کر کہتے ہیں۔ اے مسلمانو، خدا کے لئے رسول کے لئے خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ غیر قوموں کی زبانیں سیکھو اور مذہب پر جو حملے ہو رہے ہیں، اُن کو دفع کرو اور فلاح و بہبودیِ اسلام کی تدبیر کرو، اور اپنی قوم کو تباہی کی زد سے بچاؤ۔ ہم بیشک قصور وار ہیں، کہ جو غفلت کا پردہ تمہاری آنکھوں پر ہے اُس کے اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ع

نیست یاران طریقت غیر ازیں تقصیرہا

ہمارے دلوں میں اسی طرح اسلام کی محبت ہے جس طرح تمہارے دلوں میں ہے اور ہم بھی تمہاری طرح رسول اللہ کے نام پر اپنی جان قربان کرنے کو موجود ہیں +

ہمارے ان لکچروں اور نصیحتوں کا دل پر اثر ہونے کا ذکر جو آپ نے اپنے مضمون کیا ہے اس سے ہم کو کچھ امید ہوتی ہے کہ میاں شاہجہان پور اپنی قوم کی بہبودی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھئے +

نمبر ۲۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰ دسمبر ۱۸۹۵ء کو شاہجہان پور کے اجلاس کانفرنس میں بحیثیت میرمجلس ہونے کے منشی عطاء اللہ خان صاحب کے ایک سو روپیہ عطیہ پر جو انہوں نے علیگڈھ کالج کو عطا فرمایا تھا بطور شکریہ کے فرمائی +

حضرات! مولوی حافظ نذیر احمد صاحب نے فرمایا تھا کہ پریسیڈنٹ کیا ہوں ایک گڑیا ہوں۔ مگر کیا کیجئے

کوئی اِس گڑیا کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اب مجھے پھر کھڑا ہونا پڑا ✦

درحقیقت جو کچھ منشی عطاء اللہ خاں صاحب نے تقریر کی وہ ایک قول تھا اور جو کچھ اُنہوں نے عمل کیا وہ ایک فعل۔ اور ایسے ہی مسلمان ہونے چاہئیں جن کا قول فعل کے مطابق ہو۔ اور ایسے ہی بزرگوں سے کچھ بہبودی کی امید ہوسکتی ہے ✦

مدرستہ العلوم مسلمانوں کا قومی مدرسہ ہے اور بدقسمتی سے جو نقصان زرِ امانت میں تغلب ہونے سے اُس کو پہنچا ہے وہ بھی مسلمانوں کو پورا کرنا چاہئے۔ پس کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوگا جو مدرستہ العلوم کے ساتھ ہمدردی نہ رکھتا ہو۔ اور جو مالی صدمہ اُس کو پہنچا ہے اُس سے متاثر نہ ہوا ہو۔ سب سے پہلی نظیر مولانا حافظ نذیر احمد صاحب نے قائم کی جن کے دل میں بے اختیار مدرستہ العلوم کے ساتھ ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ اب ہم کو اپنی قوم کے اُن بزرگوں پر فخر کرنا چاہئے جو اس عمدہ نظیر کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور جن کا دل اسلامی محبت اور قومی ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔ ہمارے مخدوم منشی عطاء اللہ خاں صاحب اُنہیں بزرگوں میں سے ہیں جو اپنی قوم کے ساتھ اور اپنے قومی مدرسہ کے ساتھ دلی محبت اور دلی ہمدردی رکھتے ہیں، جن کا دل اس قومی صدمہ سے پاش پاش ہوگیا۔ اور جنہوں نے بے اختیار اپنی بساط اور حوصلہ کے موافق اپنی قوم کو مدد دینے پر کمر باندھی۔ اور یہ گوارا نہیں کیا کہ مدرستہ العلوم کو ایسا نازک وقت پیش آئے اور وہ خاموش بیٹھے رہیں۔ میں اپنی طرف سے اور کانفرنس کی طرف سے منشی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں ✦

نمبر ۲۹

اسپیچ

یہ اسپیچ بھی ۲۹ - دسمبر ۱۸۹۸ء کو نواب صاحب بہادر نے اجلاس کانفرنس شاہجہان پور میں میر مجلس ہونے کی حیثیت سے مسٹر محمد محمود بیرسٹرایٹ لا و جناب مولوی نذیر احمد صاحب کی نظم اور لکچروں کی بابت فرمائی:-

حضرات!

اس وقت عزیزی محمود نے جو لکچر آپ کو مختصر طور پر سنایا وہ درحقیقت اُن کے لکچر کے چند صفحے ہیں جن کو آپ نے چپ چاپ سنا اور مزا نہ آیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اُن کا لکچر عالمانہ اور فلسفانہ ہے جو دماغ کے لیے تصنیف کیا گیا ہے اور دماغ کی غذا ہے۔ جب وہ چھپ کر تیار ہوگا اور آپ کے

پاس پہنچیگا تو اُمید ہے کہ آپ اُس کو غور سے پڑھینگے۔ اور اُس کو سمجھ کر اول دل پر نقش کرینگے۔ پھر اُس پر عمل کرینگے اور اپنی قوم کی فلاح کی طرف متوجہ ہونگے۔ اُنہوں نے شاہجہانپور کی کانفرنس کے واسطے ایک محققانہ لکچر تیار کر کے چند صفحے اُس کے سُنا دیے جن میں اُنہوں نے علم الاعداد کی رُو سے قوم کی تعلیمی حالت کا نقشہ پورا پورا کھینچا اور آپ کے پیش نظر کر دیا ہے۔ اس لکچر کو دیکھ کر آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی قوم کی بہبودی اور ترقی کی فکر کریں۔ اس وقت اُنہوں نے جس نظم پر اپنے لکچر کو ختم کیا ہے اِس نظم کے پڑھنے کی مصنف سے درخواست کی جنہوں نے نہایت مہربانی سے اِس نظم کو خود سُنا دینا منظور کیا۔ اور آپ نے دیکھا کہ وہ نظم اُنہوں نے کس قدر عمدہ لہجہ اور پُرجوش آواز سے پڑھی جس کا اثر مجھ پر ہی نہیں ہوا بلکہ آپ کے دل پر بھی ہوا ہوگا ۔

حضرات! عزیزی سید محمود جو انگریزی ادب کے عالم متبحر ہیں اور جو بہت سے ایسے علمی سے آگاہ ہیں جن سے یورپ میں بھی لوگ واقف نہ ہونگے۔ اِس بات کے محتاج نہیں ہیں کہ اُن کی یا اُن کے لکچر کی تعریف کی جائے۔ عزیزی سید محمود کے لکچر کے بعد آج آپ نے مولانا حافظ نذیر احمد کی نظم اُنہی کی زبان سے سُنی ہے جو نہایت مؤثر اور پُرجوش تھی۔ کل آٹھ بجے صبح کو اُن کا لکچر ایک نہایت عمدہ اور دینی مضمون پر ہوگا۔ وہ لکچر نہیں ہے بلکہ وعظ ہے معاش اور معاد دونوں پر۔ مولانا کا لکچر جس قدر عمدہ اور فصیح و بلیغ ہوگا اُس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اُن کے لکچر میں ایسی تسخیر کی قوت ہے کہ وہ خواہ مخواہ ہمارے دل کو اپنی طرف اس طرح کھینچ لیتا ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو۔ میں خود بھی لکچر دینے کے مرض میں مبتلا ہوں اور بہت دفعہ اپنا نامۂ اعمال بغل میں لے کر یہ کہتا ہوا پہنچتا ہوں کہ ؎

من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

لیکن جو خوبی آپ کے کلام میں ہے اور جو جوش آپ کے لکچر میں ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے ۔

حضرات! اِس کی دلیل یہ ہے کہ بحیثیت پریسیڈنٹ آپ کو معلوم ہے کہ جو لکچر پریسیڈنٹ نے اُس کو سُننا ضرور ہے۔ جناب مولانا نذیر احمد صاحب کا لکچر پروگرام میں کل ہونا قرار پایا ہے لیکن اس کو بتا کر میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو اُس کے سُننے سے منع کیا جائے تو کیا آپ لوگ مانینگے (آوازیں آئیں نہیں نہیں کبھی نہیں) ۔

حضرات! چونکہ کانفرنس کل ہی ختم ہو جائیگی۔ اس لئے امید ہے کہ آپ سب صاحب آٹھ بجے صبح کے تشریف لے آئینگے۔ اور جو وقت آپ کا اس لکچر کے سُننے میں صرف ہوگا اُس کو چار پانچ منٹ سے زیادہ نہ سمجھینگے ۔

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۱۹-۲۰ دسمبر ۱۸۹۵ء کو شاہجہان پور کے اجلاس کانفرنس میں بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے کے منشی تصدق حسین صاحب کی تقریر کے جواب میں (جو اُنہوں نے مولانا نذیر احمد اور دیگر حضرات کی نظموں کے موثر ہونے کے نسبت فرمائی تھی) کی :-

حضرات!

آپ نے فرمایا ہے کہ بعد سُننے مولانا کی نظم کے میرے دل میں قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے اُنہوں نے تکمیل مسجد کے لئے ایک چندہ دیا۔ لیکن یہ تو فقط آپ کا ارشاد تھا۔ اگر ان کے دل میں قومی محبّت نہ ہوتی تو ایک لکچر کیا، ایک نظم کیا، اگر ایسے ایسے بہت سے لکچر اور بہت سی نظمیں سُنتے، تاہم ایسا نمونہ جیسا کہ اُنہوں نے اِس وقت قائم کیا ہے کبھی قائم نہ کر سکتے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اس چندے کے حصّے کئے جاویں۔ اور اُن کا ثواب خدا تعالیٰ ہم لوگوں کو دے، لیکن ابھی ہم زندہ ہیں اس کو بعد مرنے کے منحصر رکھئے۔ خدا چندہ مسجد کے ثواب میں حصّہ تقسیم نہ کریگا۔ اگر آپ کسی اور کام میں چندہ دیتے تو شاید اُس کا ثواب ملتا بھی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کا چندہ مسجد میں لگیگا اور خدا کی عنایت سے اُس کا ثواب بھی آپ ہی کو ملیگا۔

حضرات! منشی تصدّق حسین صاحب نے جس نظم کا اثر اپنے دل پر بیان کیا ہے وہ مولانا حافظ نذیر احمد صاحب نے اُس وقت تیار کی تھی، جب کہ ہمارا ڈیپوٹیشن مدرسۃ العلوم کے لئے چندہ جمع کرنے کو پنجاب گیا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ ہمارے مولانا کی اسی نظم کا یہ نتیجہ اور اثر تھا کہ ڈیپوٹیشن کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ آج جس وقت مولانا اپنی نظم پڑھ رہے تھے اُس وقت مجھے کچھ اشعار یاد آ گئے جو ہم پر اور ہمارے حال پر صادق آتے ہیں ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو — شیئاً للہ از جمال سوئے تو

ہاں بدہ نقدے بدرویشان خود — کہ ہمیشہ الطاف و رحمت خوئے تو

یہ اشعار حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہیں لیکن چونکہ سرورِ پاک ہمیشہ [illegible] موجود ہیں، اِس لئے ہم یقین کرتے ہیں، کہ خدا کی رحمت ہم گدایانِ بے نوا کے شامل حال ہوگی

سر سید کہتے ہیں ؎

دستِ بکشا جانبِ زنبیلِ ما　　آفریں بر دست بر بازوے تو

اُسی اثر سے جو اسلامی حمیت نے آپ کے دلوں پر ڈالا، آپ نے دستِ ہمت بڑھایا اور اپنی قوم کی مدد کی۔ درحقیقت مدد کرنے والے بھی آپ ہیں، اور شکرگزار بھی آپ ہیں۔ کیونکہ آپ نے ایک جیب سے اور دوسری جیب میں ڈالا۔ یہاں شاکر بھی آپ ہیں اور مشکور بھی آپ ہیں۔ داعی بھی آپ ہیں مدعو بھی آپ ہیں ۔

نمبر ۳۱

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۸ء کو شاہجہان پور میں بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے منشی فضل علی صاحب کی تحریری تقریر کی نسبت فرمائی ۔

حضرات!

آپ نے اس مضمون کو اس دعا پر ختم کیا ہے کہ خدا سرسیدؒ کی عمر دراز کرے تاکہ جو درخت اُنہوں نے لگایا، اس کو پھل پھول لاتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوں مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ دعا قبول ہوئی۔ کیونکہ یہ وہی پھل پھول ہیں، جن کے سرسیدؒ متلاشی ہیں، خواہ آپ ہوں یا ایسے دوسرے تعلیم یافتہ نوجوان ہوں جو اپنی قوم کے لئے عزت اور افتخار کا باعث ہوں۔ جو کچھ انہوں نے پڑھا اُس کو سُن کر وہ مثال جو افریقہ کے ریگستان کی ہماری قوم سے دیجاتی ہے، یاد آگئی۔ ریگستان میں کچھ نظر نہ آتا ہو کسی پھل پھول کا نام و نشان نہ ہو، اور دفعۃً ایک اُس میں سے ریت ہٹا کر چمن لگا ہوا دکھائی دے تو اس مسافر کے دل سے جس نے منزلوں کا سفر آفتاب کی تمازت میں کیا ہو، کوئی پوچھے کہ اس چمن کو دیکھ کر اُس کے دل کو کیا خوشی ہوگی۔ ہماری قوم ریت کا سمندر ہے اور جو ترقی کی جھلک ذرا ظہور اُس میں نظر آتی ہے۔ وہ بمنزلہ چمن کے ہے۔ جب بادِ سموم کے جھونکوں اور گرم ریت کے طوفان میں ہم اس چمن کو دیکھتے ہیں تو اُس کے کملا جانے کا خوف آتا ہے اور دعا کرتے ہیں کہ کوئی اُس کی شادابی کی غرض سے پانی دینے والا میسر ہو۔ چونکہ ہم لوگ اپنی سی کوشش کر کے تھک گئے۔ اور ہمارا وقت آخر ہو گیا۔ اگر کچھ امید ہو سکتی ہے تو ایسے نوجوانوں سے جیسے کہ منشی فضل علی صاحب ہیں۔ پس میں اُمید کرتا ہوں کہ جو خیال انہوں نے اپنے لکچر میں ظاہر کیا ہے اُس کو وہ عملی طور پر بھی کر دکھائینگے اور اگر ہماری قوم کے بہت سے نوجوانوں میں جو مدارس سے تعلیم یافتہ ہو کر نکلتے ہیں یہی جوش اور یہی حوصلہ پیدا ہو گیا تو بہت جلد ہماری قوم کی حالت سنبھل جائیگی، اور وہ باعزت

کسلا ئیکی

نمبر ۳۲

اسپیچ

یہ اسپیچ بھی نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۹۱۸ء کو بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اہل شاہ جہاں پور کے شکریہ میں فرمائی :-

حضرات !

اس وقت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جو شاہ جہان پور کی تاریخ سنائی اُس کا احسان ہم لوگوں پر جو دُور دراز کر کے یہاں جمع ہوئے ہیں اس قدر ہے کہ اُس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اس تاریخ کے سُننے سے معلوم ہوا کہ ہماری قوم میں ایسے لائق فائق تاریخ لکھنے والے موجود ہیں۔ جیسے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہیں۔ اُنہوں نے جس اختصار اور خوبی اور تسلسل سے واقعات کو بیان کیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ایسے خشک مضمون کو ایسا تر و تازہ اور شاداب کر دیا، کہ حاضرین میں سے کوئی شخص نہیں گھبرایا۔ بلکہ معلوم ہوا کہ آپ کوئی نظم پڑھ رہے ہیں۔ سب نے اُس کو شوق سے سُنا۔ ہم لوگ جانتے تھے کہ شاہ جہان پور ایک شہر ہے، مگر یہ اچھی طرح نہیں جانتے تھے، کہ شاہجہان بیگم کا آباد کیا ہوا ہے یا شاہ جہاں بادشاہ کا۔ شاہ جہاں پور کے افغان مسلمانوں میں اس قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی شجاعت اور دلیری سے اسلام کا سکّہ جمایا۔ جنہوں نے ہندوستان میں سب سے اول اسلام کا ڈنکا بجایا اور اُنہی کے سبب سے اسلام ہندوستان میں آیا۔ اس تاریخ کے سُننے سے معلوم ہوا، کہ شاہ جہاں پور ہندوستان میں افغانوں کا ایک خطّہ ہے، جہاں ایسے شجاع وفادار موجود تھے، جنہوں نے گورنمنٹ کی وفاداری کے مقابلہ میں اپنے باپ کا خیال نہ کیا اور میں دیکھتا ہوں کہ افغانوں کی بہادر قوم میں اب تک وفاداری کا یہ جوہر موجود ہے۔ مجھے امید ہے کہ آج کے شاہ جہاں پور کی اِس نصیحت کو جو اُس نے مرتے وقت اپنے بیٹے کو کی تھی، شاہ جہاں پور کے افغان اپنے دل پر نقش کرینگے۔ اور چونکہ اب شجاعت کا وقت نہیں رہا، اور اُن میں شجاعت کا جوہر موجود ہے، اِس لئے مجھ کو امید ہے کہ جوانانِ شاہ جہاں پور اُس بزرگ کی نصیحت پر عمل کرینگے اور اگرچہ جوہر شجاعت دکھانے کا وقت نہیں رہا، اگر وہ تعلیم کے جوہر قابلیت دکھلا دینگے اور تلوار کی جگہ اب قلم سے اپنی دلیری اور بہادری کا اظہار کرینگے۔ اس تاریخ کے سُننے سے مجھے معلوم ہوا کہ جہاں -

افغانو! علاوہ مردانگی اور دلیری کے وفادار اور ثابت قدم بھی تھے۔ لیکن اب بھی اُسی وفاداری اور ثابت قدمی کا اثر بزرگان شاہجہان پور میں دیکھتا ہوں۔ مجھے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگ میزبان نے جن کے عالیشان گھر میں ہم آرام پا رہے ہیں۔ جب سُنا کہ یہاں کے بعض لوگ کانفرنس سے مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس مخالفت کے اثر سے کانفرنس کے بعض منتظم بیدل ہوتے جاتے ہیں، تو اُنہوں نے بلا کر اُن کو کہا کہ تم مخالفت کی پروا نہ کرو۔ میں خرچ دونگا۔ اور تم مخالفوں کا چندہ واپس کردو شکستہ دل ہونے اور مایوس ہوجانے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ علاوہ اس کے اُنہوں نے جب کہ مخالفت کی صدا اُن کے کان میں پڑی اعلےٰ الاعلان کہا کہ یہ لوگ مجھ پر لعنت کرتے ہیں اور اغوا کرتے ہیں کہ میں کانفرنس کا اجلاس اپنے مکان میں نہ ہونے دوں۔ اور کانفرنس کے ممبروں کو اپنے مکان میں نہ ٹھیراؤں۔ لیکن جب تک مجھ میں دم باقی ہے میں اپنے اس ارادہ سے باز نہ آؤنگا۔ ہمارے مخدوم اور بزرگ میزبان اُس وقت بیمار تھے اُنہوں نے کہا کہ میں اپنی اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ کانفرنس میرے گھر میں ہو ✦

شاہجہان پور کے بہادر افغانو! جب تم میں دلیری اور مردانگی وفاداری اور ثابت قدمی کا یہ جوہر موجود ہے، تو مجھ کو یقین ہے کہ جس طرح تم نے اس سے پہلے شجاعت کا جوہر دکھایا ہے اور بزور شمشیر ملکوں پر فتح حاصل کی ہے اسی طرح تم جہالت کے دشمن پر فتح حاصل کروگے اور علم کے معرکہ میں ناموری اور شہرت پیدا کروگے ✦

نمبر ۳۳

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب ممدوح نے ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جلاس یازدہم منعقدہ میرٹھ میں نواب عماد نواز جنگ کے پریذیڈنٹ منتخب کیے جانے کی نسبت فرمائی:-

حضرات! ہمیشہ اس کانفرنس کی بہت سی قدمات انجام دینی پڑی ہیں۔ اور وہ قدمات کبھی رنج آمیز اور کبھی

مسرت انگیز ہوتی تھیں، مگر آج مجلس انتظامیہ کی طرف سے جو خدمت مجھے سپرد ہوئی ہے، وہ دونوں طرح کی ہے۔ رنج آمیز تو اس لئے کہ میں اعلان کرتا ہوں اور آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ اس مجلس نے اوّل اپنی قوم کے معزز اور ہمدرد بزرگ جناب سردار محمدؐ حیات خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی کو پریسیڈنٹ تجویز کیا تھا۔ اگرچہ اُس وقت جناب ممدوح نے نہایت عذر کیا تھا اور خود مجھے لکھا تھا کہ میں نہایت خوشی سے تمام کام انجام دونگا اور کانفرنس میں بھی آؤنگا، لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے اس بارِ گراں یعنی صدر انجمن کی خدمت سے مجھ کو معاف کیا جاوے۔ سیّد صاحب نے اپنی کرسی پر سے اُٹھ کر کہا کہ سردار صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ مولوی مہدی علی صدر انجمن کئے جائیں۔ لیکن آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ایسے شخص کا عذر جیسے کہ سردار محمد حیات خاں بہادر ہیں، کون قبول کرتا۔ اور اس درخواست کو منظور کر کے اس بارِ گراں کو دوسرے کے سر پر ڈالا جاتا۔ اور کون شخص اُن سے بہتر اس جلسہ کے لئے منتخب ہو سکتا تھا، کیا بلحاظ تجربہ اور لیاقت کے، اور کیا بخیال جوش ہمدردی کے، اُن سے بہتر انتخاب مشکل تھا۔ لیکن بعد اس کے ایک نہایت دردناک واقعہ پیش آیا، اور ایک ناگوار سانحہ گزرا جو آپ جانتے ہیں۔ جب اس دلخراش واقعہ کی اطلاع کمیٹی انتظامیہ میرٹھ کو ہوئی تو کمیٹی انتظامیہ نے خیال کیا کہ سردار صاحب کا جو خیال اس بارِ گراں صدر انجمن سے سبکدوش ہونے کا ہے اب پورا کیا جاوے، چنانچہ اُس نے ایسے اخیر وقت میں کہ نئے پریسیڈنٹ کا تجویز کرنا مشکل تھا چار تار بھیجے ایک سیّد امیر حسن خاں بہادر کو، دوسرا نواب محمد اسحٰق خاں بہادر وزیر اعظم ریاست رامپور کو، تیسرا آنریبل مہر علی عبد اللہ دھرمسی ممبر لیجسلیٹو کونسل بمبئی کو، ان تینوں جگہ سے انکار ہوا، لیکن چوتھے شخص نواب عماد الملک نے جن کا پیارا نام مولوی سیّد حسین بلگرامی ہے، اور جن کی منظوری کی نسبت بسبب فاصلہ دراز کے نہایت اندیشہ تھا کہ شاید وہ بھی تشریف نہ لاویں اور خواہش پوری نہ ہو، مگر اُنہوں نے باوجود عدیم الفرصتی اور کثرت کاروبار کے اس اجلاس کا پریسیڈنٹ ہونا منظور کیا، اور سیّد صاحب کو تار دیا کہ وہ آنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن چونکہ نواب صاحب ممدوح کے آنے کے لئے پیشگاہ حضور نظام سے اجازت ہونی ضرور تھی اس لئے جب تک نواب صاحب کا دوسرا تار آئے۔ وہ زمانہ عجیب کشمکش میں گزرا، خصوصاً سر سیّد کو نہایت فکر تھی۔ آخر بعد انتظار شدید کے دوسرا تار آیا کہ ہز ہائنس حضور پرنور دام اقبالہ نے اُن کی رخصت کو منظور کر لیا ہے اور وہ آنے والے ہیں۔ چنانچہ یہ امر قرار پا گیا کہ اس سال کے لئے پریسیڈنٹ نواب عماد الملک تجویز ہوئے اس کی اطلاع جناب سردار محمد حیات خاں بہادر کو دی گئی، سردار صاحب نے نہایت خوشی سے اُن کے تقرر کو پسند کیا اور لکھا کہ اُن سے زیادہ لائق اور قومی کاموں کا بوجھ اُٹھانے والا اور کانفرنس کا اعلیٰ درجہ کا ممد و معاون دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب جو خدمت کمیٹی انتظامیہ کی طرف سے مجھ کو سپرد ہوئی ہے مسرت خیز اس لئے ہے کہ میں اعلان کرتا ہوں کہ کمیٹی انتظامیہ کی طرف سے آ

کانفرنس کے صدر منتخب مقرر ہوئے۔ اور جو خوشی اور عزت اور فخر اس گیارھویں اجلاس کانفرنس کو ان کی ذات سے حاصل ہوا ہے، وہ ہمیشہ یادگار رہیگا۔ اور جو لیاقت اور محنت اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ وہ حاضرین اجلاس کے سامنے پیش کرینگے، وہ ہماری کانفرنس کی تاریخ میں سُنہری حرفوں سے لکھنے کے قابل ہوگا، اور وہ نصائح اور خیالات جو جناب ممدوح آپ پر ظاہر کرینگے، اُن سے ہماری اس کانفرنس کے ممبران موجودہ اور آیندہ کو بلکہ تمام مسلمانوں اور اُن کی آیندہ نسلوں کو فائدہ پہنچیگا۔ اب میں کمیٹی انتظامیہ کی طرف سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوں۔ اور کانفرنس کو عزت بخشیں +

نمبر ۳

اسپیچ

یہ مختصر اسپیچ بھی نواب صاحب بہادر نے اجلاس میرٹھ سنہ ۱۸۹۶ء میں [illegible] دسمبر کو سالانہ رپورٹ کانفرنس کی نسبت فرمائی:-

حضرات!

آپ کے معزز سکرٹری چاہتے ہیں کہ جو رپورٹ سالانہ کانفرنس کے پچھلے اجلاس کی اُنھوں نے تیار کی ہے، وہ اپنی زبان مبارک سے آپ کو سُنائیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اُن کی صحت قابل اطمینان نہیں ہے، اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کے سامنے دیر تک کھڑے ہو کر اپنی رپورٹ پڑھ سکیں۔ اِس لئے میں یقین کرتا ہوں، کہ آپ اس امر کی اجازت دینگے، کہ کوئی دوسرا شخص اس رپورٹ کو پڑھ کر سُنائے۔ جس کی آواز بلند ہو، اور دُور پہنچ سکے۔ اور وہ سیّد صاحب کے دوست مولوی وحید الدین صاحب سلیم ہیں، جو آپ کو بآواز بلند یہ رپورٹ پڑھ کر سنائینگے +

نمبر ۳۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸ - دسمبر ۱۸۹۶ء کو اجلاس یازدہم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ میرٹھ میں نسبت رپورٹ سیکرٹری کے بطور ریمارکس کے فرمائی۔

میں حسب حکم جناب پریسیڈنٹ کے اپنے معزز اور محترم سیکرٹری کی رپورٹ پر ریمارک کرتا ہوں اگرچہ میرے ضمیمہ سے دورہ کی کیفیت اور میرے خیالات آپ پر ظاہر ہو گئے ہیں۔ مگر خاص سیکرٹری کی رپورٹ پر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں شاید وہ شروع میں مخالفانہ معلوم ہو، مگر واصل مخالفانہ نہیں ہے جس طرح کسی نسخہ میں کوئی حکیم گرم دوا لکھ دے۔ اور دوسرا حکیم اُس کے معتدل بنانے کے لئے سرد دوا ملائے تاکہ اُس کی حدت کو کم کرے۔ اسی طرح میں نے اس نسخہ میں گرم دواؤں کے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی ہے۔ سر سید نے اس موقع پر کہا کہ حضرت کہیں معاملہ سرد نہ ہو جائے، (قہقہہ چیرز) آپ لوگوں نے اس رپورٹ کو غور سے سُنا، اور میں نے بھی اس پر تامل کیا، مگر جو عجیب منطق اُس میں استعمال کی گئی ہے، اُس کو میں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس اعتراض کی تردید میں کہ کانفرنس کچھ نہیں کرتی، آپ نے عجیب منطق استعمال کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ کانفرنس سب کچھ کرتی ہے، مگر ممبران کانفرنس کچھ نہیں کرتے۔ اگر کانفرنس ایک جدا مفہوم ہے اور ممبران کانفرنس جدا، تو کانفرنس اس الزام سے بری، اور ممبران کانفرنس اس الزام کے مستوجب۔ میں نہیں جانتا کہ آپ نے کانفرنس اور ممبران کانفرنس میں جو تفرقہ اور امتیاز پیدا کیا ہے، اُس کا کیا سبب ہے، غالباً کانفرنس سے مراد سیکرٹری کی ذات مبارک ہوگی (سر سید نے تبسم کیا) اگر اس لفظ سے سر سید احمد خاں کی ذات مراد ہے تو بلاشبہ میں اُن کو اس الزام سے بری کرتا ہوں۔ میرے خیال میں بھی یہی معنی شاید صحیح ہے اور چونکہ سر سید ہی کانفرنس کی روح رواں ہیں اس لئے یہ کہنا حق بجانب ہے کہ کانفرنس نے سب کچھ کیا اور میری طرح اس الزام سے غالباً سب اُن کو بری کرینگے۔ کیونکہ جو عملی کارروائی اُنہوں نے خود کی ہے اور جس کارروائی کے نتائج نمایاں اور ظاہر ہیں اُس کے بعد کوئی اُن پر الزام نہیں لگا سکتا کہ وہ عملی کارروائی نہیں کرتے۔ مگر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں اُن کی مراد یہ ہے کہ آپ نے جس قدر کیا وہ کم ہے۔ اس اعتراض کی تردید میں آپ دو نظیریں پیش کرتے ہیں۔ یعنی اول ایجوکیشنل سیلیکٹ۔ دوم ایجوکیشنل پارلیمنٹ اور فرماتے ہیں کہ ان عمدہ و مفید تجویزوں کی امداد مسلمانوں کی کانفرنس

اور قوم نے نہیں کی۔ حالانکہ قوم سے اس کے لئے بار بار درخواست کی گئی۔ نقشے تجویز کر کے بھیجے گئے، التماس نامے بھیجے گئے، لیکن کسی نے توجہ نہیں کی۔ میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ قوم کی حالت یہ ہے کہ اُس کو ایک دفعہ کی تحریک کافی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں جو قوم کی ہے، اُس کی اصلاح کا کام آسان نہیں ہے۔ مصلحِ قوم کا یہ کام نہیں کہ ایک مرتبہ درخواست کرے، یا ایک مرتبہ التماس نامہ بھیجے، بلکہ اُس قوم کو جگانے اور اُکسانے کے لئے شب و روز معروف رہنا چاہیئے میرا اعتراض یہ ہے کہ کانفرنس سوائے ان چار دنوں کے (۳۶۵) دنوں میں کچھ نہیں کرتی۔ آپ نے جو یہ فرمایا ہے، کہ ہم قوم کی پرسی کرنے کو جمع ہوتے ہیں۔ اور مردہ قوم کی فاتحہ پڑھتے ہیں۔ یہ سچ ہے۔ مگر نتیجہ بھی ساتھ کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ آپ چار دن قوم کو اکساتے ہیں، اور وہ بھی چار دن اپنا جوش اور ولولہ ظاہر کرتی ہے۔ اس کے بعد وہی مثل صادق آتی ہے کہ، چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔ آپ کا بار بار قوم کو مردہ کہنا باوجود اس کامیابی کے جو آپ کو ہوئی ہے، بجا نہیں ہے۔ آپ خیال کیجئے کہ باوجود آپ کے مذہبی خیالات کی مخالفت کے قوم نے آپ کو وہ مدد دی جو غالباً مذہبی پیشواؤں کو بھی نہ دی ہوگی۔ اور یہی قوم کی زندگی کا عملی ثبوت ہے۔ یہ بات نہایت تعجب انگیز ہے کہ آپ ایسے بدیہی امر سے انکار کرتے ہیں۔ آپ کیونکر اس بات سے انکار کر سکتے ہیں۔ کہ وہ عظیم الشان کارخانہ جو علی گڈھ میں قائم ہے اور جس کو دیکھ کر سیاح دنگ ہو جاتے ہیں۔ اگر تمام ہندوستان میں پھر کر دیکھیئے، تو کوئی عمارت، پارسیوں، ہندوؤں، مرہٹوں، اور بنگالیوں، کی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی حالانکہ یہ اقوام دولتمند اور آسودہ ہیں۔ دیگر اقوام کو جانے دیجئے۔ وہ کام جو گورنمنٹ کی کوشش سے ہوئے ہیں۔ اُن کی مقدار چندہ اور مدد کو مدرستہ العلوم کے چندہ اور مدد سے مقابلہ کیجئے، باوجود اس کے کہ فرمانروایان ملک اور دولتمندوں اور رئیسوں نے خطاب یا تمغہ پانے کی امید پر بیدریغ روپیہ دیا، اور حقیقت میں ایک تجارت کی، مگر جب آپ اُن کاموں پر خیال کرینگے، اور اُن کی مقدار چندہ کا مقابلہ ہمارے چندہ سے کرینگے، تو آپ کو حیرت ہوگی، کہ یہ عظیم الشان کارخانہ کیونکر قائم ہو گیا۔ اگر قوم نے مدد نہیں کی تو کیا یہ کارخانہ آپ کی دعا سے قائم ہے۔ حالانکہ آپ دعا کے منکر ہیں (قہقہہ اور چیرز) یا کسی بزرگ کی کرامت سے قائم ہوا ہے حالانکہ آپ کو اس سے بھی انکار ہے (قہقہہ) کیا یہ کارخانہ عظیم الشان کوئی وجود حقیقی رکھتا ہے؟ یا طلسم و جادو اور محض نظربندی ہے۔ حالانکہ آپ نہ طلسم و جادو کے قائل ہیں نہ نظربندی کے (قہقہہ) جس وقت یہ خیال کیا جائے کہ جو کام آپ نے قوم سے لیا، قوم کی عادت، قوم کی رسم و رواج، اور قوم کے مذاق سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا تھا، بلکہ شدید تعصب، شدید جہالت اُس کی مانع اور مزاحم تھی تو آپ نے جو تصرف مسلمانوں کے دلوں پر کیا اور جو فیاضی اور سخاوت ہماری قوم کے اعلیٰ درجہ

کے رئیسوں اور مسند نشین حاکموں سے لے کر ایک ادنیٰ مزدور نے دکھائی اور مدرسۃ العلوم کو وہ پہنچائی، اُس پر خیال کرنے سے حیرت پر حیرت ہوتی ہے ◆

حضرات! کیا یہ خیال کر کے بھی آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قوم زندہ نہ تھی، کیا اس کو معلوم کر کے بھی آپ مثل سر سیّد کے قوم کو مردہ کہہ سکتے ہیں۔ حاشا وکلا قوم مردہ نہ تھی اور نہ ہے، بلکہ قوم ایک جسم رکھتی ہے، جس میں جان ہے۔ اور ایک دل رکھتی ہے، جس میں سخاوت و ہمدردی کے خیالات ہیں اور ایک دماغ رکھتی ہے جس میں نیک و بد سمجھنے کی طاقت ہے کیا آپ بھی سر سیّد کے کہنے سے قوم کو مردہ کہہ سکتے ہیں، اور کیا سر سیّد قوم کو مردہ کہنے کے لئے کوئی دلیل لا سکتے ہیں ◆

حضرات! جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا اور جس کا اعادہ ضرور نہیں ہے۔ اس کانفرنس کے عملی نتائج ظاہر ہونے میں شبہ نہیں مگر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں اُن کو یہ سمجھنا کہ ہمارے مخالف ہیں اور وہ نرے حسد یا رشک یا حقارت سے اعتراض کرتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ مخالفین کے اعتراضوں کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے، بلکہ منصفانہ طور پر قبول کرنا چاہیئے۔ میں سر سیّد کی ذات کو ان اعتراضوں سے بری کرتا ہوں۔ اُن کے سر پر جتنا بار ڈالا گیا ہے اور وہ جس قدر اُس بار کا تحمل کرتے ہیں، حقیقت میں نہایت حیرت انگیز ہے۔ میں جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، پھر کہتا ہوں کہ سال کے (۳۶۵) دن میں کچھ نہ کچھ کام کرنے سے ضرور بہت سا کام ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف چار دن جلسہ کر لیا اور پھر خبر نہ لی۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اُس میں کامیاب ہوں گے یا نہیں، مگر ایک مستقل اور دائمی کوشش کرنا لازم ہے۔ اگرچہ میں نے نہایت سچائی اور صفائی سے اس اعتراض کو کانفرنس پر قبول کیا اور خصوصاً میں اپنے آپ کو زیادہ گنہگار سمجھتا ہوں۔ مگر یہ کہ کانفرنس نے کوئی فائدہ قوم کو نہیں پہنچایا اور اُس کو قومی ناکامی ہوئی ایک لحظہ کے لئے بھی قبول نہیں کرتا۔ نہ میں اُن بےچین طبیعتوں سے اتفاق کرتا ہوں، جو ایسے بڑے کاموں کے نتائج کے لئے وقت کا انتظار نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ قوم کس درجہ اور کس حالت پر ہے، یہ سچ ہے کہ میں اس بات کی پیشین گوئی نہیں کر سکتا ہوں کہ پورے طور پر کامیابی ہو گی یا نہیں اور اس لئے جس منزل پر ہم پہنچے ہیں وہ بین الرجاء والخوف ہے اور ایک تذبذب کی حالت ہے، مگر ہم اس وقت ایک تغیر اور انقلاب کی حالت میں ہیں۔ قوم اپنے ادبار اور نکبت کی حالت کو سمجھ چکی ہے اور قوم کے ریفارمر اُس کی فلاح اور اصلاح کے لئے تدبیریں ڈھونڈ رہے ہیں اُن کو قومی ترقی کے لئے ایسی وادیوں میں رستہ نکالنا ہے، جن میں نہایت عمیق خندق ہیں اور سخت چٹانیں پڑی ہوئی ہیں اُن کا ہموار کرنا آسان کام نہیں ہے۔ قوم کے مصلح اُن کو صاف کر رہے ہیں۔ اگرچہ ناکافی مزدور ہیں، نہ کافی آلات ہیں۔ اور جو مزدور موجود ہیں اُن کی خود یہ حالت ہے کہ کام کی طرف توجہ نہیں کرتے، مگر ہماری قوم کے ریفارمر ہیں کہ ہر گروہ جب کبھی مزدوروں سے

گروہ کو دیکھتا ہے خوش ہوجاتا ہے، یہ سچ ہے کہ جب وہ اُن آلات میں جو اُن چٹانوں کے توڑنے اور اُن کو ہموار کرنے کے لئے درکار ہیں کسی قسم کا نقص پاتا ہے تو اُس کو ضرور ایک افسردگی ہوتی ہے لیکن جب قوم کے مصلح نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے رستہ بنا رہے ہیں، گو نہایت تیزی سے نہیں اور اُن کے کاموں کو کچھ کچھ مدد اور اعانت بھی پہنچتی جاتی ہے اور ہماری امید کچھ کچھ برآتی جاتی ہے۔ تو ایسی حالت میں بجائے اس کے کہ ہمارا قومی پیشوا ہمارے دلوں کو ایک تازہ قوت پہنچائے اور ہمارے دلوں کو بڑھائے، جب ہم اُس کی زبان سے لفظ مایوسی سنتے ہیں۔ تو ہماری اُمنگیں خود بخود دل میں رہجاتی ہیں اُس وقت ہم کو حیرت ہوتی ہے اور ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ اس خیال سے کہ جب ہمارا مصلح خود مایوس ہے، تو وائے برحال ہمارے ہم کیونکر مردہ قوم میں جان ڈال سکینگے اصلاح کا کام آسان نہیں ہے، نہایت مشکل ہے، جن مصلحان قوم نے قوم کی فلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے اُن کو طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ جس کے لئے ہماری تاریخی روایتیں موجود ہیں، ہم اپنے بزرگوں کے طریقوں کو زندہ کر رہے ہیں، اور اُس جوہر کو جلا دے رہے ہیں جو ہماری طبیعتوں میں موجود ہے۔ مگر زنگ آلود ہے، لیکن امتداد زمانہ نے یہ حال کر دیا ہے کہ ہم اپنی تاریخی روایتوں کو ایسا بھول گئے ہیں کہ بجائے اس کے کہ اُن کاموں میں ہمارے ساتھ پیروی کریں یا ہمارا شکریہ ادا کریں، لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ اور ہمارے کاموں کو غیر کاموں کی تقلید سمجھ کر ہم کو کاذب اور کافر بتاتے ہیں علاوہ اس کے ایک مشکل اور ہے کہ جو درجہ ہماری اصلاح کا ہے وہ ابتدائی ہے، اور ابتدائی درجہ کے لئے تغیر اور انقلاب ایک امر ضروری ہے۔ قوم اُس انقلاب اور تغیر کو دیکھ کر حیران اور پریشان ہوتی ہے، اُس کا یقین نہیں کرتی، اور نہیں مانتی، اور نہیں سمجھتی کہ اس وقت جو چیز ناگوار اور انوکھی اور وحشت دلانے والی ہے وہی آیندہ مفید ثابت ہوگی، اصلاح جب اپنے درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو وہ بجائے وحشت اور ناگواری کے اطمینان اور تسلّی دیتی ہے اور لوگ اُن نتائج کو دیکھ کر مصلحوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ابتدائی حالت میں وہ انقلاب جس کی وجہ عام لوگوں کو نہیں معلوم ہوتی، اُن کے دلوں میں پریشانی پیدا کرتا ہے، اور پریشانی اصلاح کو ترقی نہیں۔ اور ہم لوگوں کو جو کام کر رہے ہیں اُس میں کافی مدد نہیں ملتی۔ ہم کو اپنی قوم سے کوئی عداوت نہیں ہے، ہم قوم کے دشمن نہیں ہیں، ہم کبھی نہیں چاہتے کہ لوگ ہم سے متنفر ہوں۔ لیکن مصلحان قوم بمنزلہ طبیب اور ڈاکٹر کے ہیں۔ طبیب کیسا ہی مریض کو عزیز سمجھتا ہو اور اُس سے ناراض نہ ہو۔ لیکن اُس کی صحت اور ازالہ مرض کی خواہش مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ نشتر لئے موجود ہے اور چاہتا ہے کہ دنبل کو کاٹ دے تاکہ مواد نکلجائے ایسی حالت میں مریض کی دہشت اور پریشانی ڈاکٹر کو مریض کی نگاہ میں دشمن ثابت کرتی ہے۔ قوم کی حالت بھی بمنزلہ اُس مریض کے ہے، ایک دن وہ آئیگا کہ نفرت کی جگہ قوم مصلحان قوم سے محبت کریگی

جس کی کچھ علامت اب بھی موجود ہے کیونکہ پیشتر کی نسبت قوم کے مرض میں کچھ افاقہ ہو گیا ہے، اور اب وہ تندرست ہو چلی ہے اور کچھ لوگ اُس کی حالت کو دیکھ کر ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اور امید ہے کہ جتنا اثر علاج کا ہوتا جاویگا۔ ہماری جماعت بھی بڑھتی جاویگی، اور قوم ہمارے ڈاکٹر کو عزیز سمجھتی جاویگی۔ ایک مشکل قوم کی یہ ہے کہ وہ زمانہ کے رجحان اور رفتار سے ناواقف ہے، وہ نہیں سمجھتی کہ کون چیزوں کا حاصل کرنا ضرور ہے۔ زمانہ کی رفتار کیسی ہے، اور قومی زندگی اور قومی عزت قائم کرنے کے لئے کس کس چیز کی ضرورت ہے، اس وقت قومی زندگی اس بات پر منحصر ہے کہ نیا طرز معاشرت اختیار کیا جائے۔ آپ غور کریں کہ آج کل ہماری علمی حالت کیا ہے، ہمارا قدیم علم بیکار ہے، ہماری پرانی تحقیقاتیں صحیح ثابت نہیں ہوئیں۔ جو لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ اس وقت زمانہ کیا کر رہا ہے، وہ جانتے ہیں کہ سائنس جس کو مولوی نذیر احمد، موذی کہا کرتے ہیں۔ اُس نے ہمارے خیالات کی جڑوں میں سُرنگیں لگا دی ہیں، ہمارے تمام پرانے خیالات کے حقائق اور دقائق کو ہوا میں اڑا دیا ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہم اعلےٰ تعلیم کی نصیحت نہ کریں، اور وہ تمام کوششیں جو غیر قومیں کر رہی ہیں اُن کی جانب قوم کو رجوع اور متوجہ نہ کریں۔ تو ہماری خواہش قومی زندگی کی ایک تمنائے غلط ہوگی۔ یہ خیال کہ اعلےٰ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے پرانے عقیدے فاسد اور باطل ہو جائینگے۔ یا ہمارا اپنا طرز معاشرت بگڑ جاویگا غلط ہے۔ اگر عقیدوں سے مراد اسلامی عقائد ہیں اور طرز معاشرت سے وہ معاشرت مراد ہے جو ہمارے ہادی نے سکھائی ہے تو یہ خیال محض غلط ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ہماری کوششوں سے ناپاک خیالات باطل ہو جائینگے۔ مگر اعلےٰ تعلیم کی مدد سے اسلامی عقائد کو اور استحکام ہو جاویگا۔ اور جس قدر فطرت کے اسرار اور قدرت کے قاعدے منکشف ہونگے، اُسی قدر عقائد اسلام کا باطل ٹھیرانا ناممکن ہو جاویگا۔

اے حضرات! آخر کو میں اتنی بات پھر عرض کرتا ہوں اور اسی بحث پر پھر توجہ دلاتا ہوں کہ قوم کو مردہ کہنا بیجا نہیں ہے جس کی میں ترمیم کرتا ہوں اور میں اس کے متعلق ایک دوسری مثال دیتا ہوں قوم کی حالت خزاں رسیدہ باغ کی سی ہے جس میں موسم بہار گزر گیا ہے خزاں آگئی ہے پت جھڑ ہوتا ہے رنگ کچھ زرد ہیں کچھ سوکھ گئے ہیں کچھ گر رہے ہیں جو پانی مالی دیتا ہے۔ اُس سے خشک ہونے والے درختوں کی رونق قائم رکھنی ناممکن ہے، لیکن وہ پانی رائیگاں نہیں جاتا کیونکہ جو درخت نہیں مرتا اُس میں ایک طبعی قوت موجود ہے اُس کے بیج اگر منتشر تب بھی جب موسم بہار آئیگا اور خزاں گزر جائیگی تو اُس میں نئی کونپلیں نکلینگی نئے پتے اور نئے پھول اور نئے پھل آ جائینگے۔ اور پھر باغ سرسبز و شاداب ہو جاویگا۔ قوم ایک سوکھا درخت ہے مگر وہ خزاں رسیدہ ہے۔ اور اس لئے بجائے مایوس ہونے کے ہم کو امید کرنی چاہئے کہ خزاں کی حالت ایک دن کافور ہوگی اور ہم پھر موسم بہار دیکھینگے اور پھر اُسی طرح خوش ہونگے۔ اگر سچ پوچھئے تو سید صاحب کو بھی ناامیدی نہیں ہے بلکہ اُن کا یہ کہنا کہ قوم مردہ ہے ایک قومی ترغیب ہے تاکہ ہم قومی کاموں میں زیادہ

توجہ کریں اور ایک زبردست تحریک ہے تاکہ ہم اس منزل پر تیزی سے قدم بڑھائیں ورنہ وہ شخص جس کی علمی سرگرمی اظہر من الشمس ہو، اور جو تغیر اور انقلاب ہو رہا ہے وہ اس سے کما حقہٗ واقف ہو، اور جس کی امید بھی نہایت مستحکم ہو جو لم یزل اور لا یزال ہے، اور جس کو ہر وقت قوم کی بہبودی اور ترقی اور اصلاح کا خیال ہو، اور جس کا دل ہر وقت قومی زندگی اور قومی عزت حاصل کرنے کی امید میں تلملا رہا ہو بلکہ مچل رہا ہو اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ حقیقت میں دل سے سمجھتا ہے کہ قوم مردہ ہے اور اس میں زندہ ہونے کی قابلیت نہیں ہے، محض غلط ہے۔ اس کی زبان کہ رہی ہے کہ قوم مردہ ہے مگر اس کا دل چلاتا ہے کہ خون گردش میں ہے اور اعضا جنبش میں ہیں گو کہ وہ گردش سست ہو، اور وہ جنبش عام لوگوں کو محسوس نہ ہوتی ہو۔ اسی شہادت پر ہم یقین کرتے ہیں کہ ہماری قوم زندہ ہے اور اس میں کام کرنے کی قابلیت ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمارا فرض ہے کہ ہم ایک دم سے بجلی کے تار اس کے اعضا سے ملا دیں اور اس کے خون کو تیز گردش میں لائیں تاکہ وہ اٹھے اور اپنے ہاتھ پاؤں سے حرکت کرے اور دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ ترقی کے میدان میں دوڑنے لگے ❖

نمبر ۳۶

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۳۰ دسمبر ۱۸۹۶ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ میرٹھ میں رزولیوشن نمبر ۲ کی نسبت فرمائی۔ رزولیوشن کی نقل بھی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج ہے :-

رزولیوشن نمبر ۲

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ چونکہ سال حال وہ مبارک سال ہے جس میں ہماری عادل اور مہربان **قیصرۂ ہند امپرس وکٹوریا** دام اقبالہا کا زمانۂ سلطنت تمام گذشتہ شاہان انگلستان سے بڑھ گیا ہے مسلمانان ہندوستان کو بلحاظ اس امن و آسائش اور آزادی اور ایک قسم کی بیشمار برکتوں کے جو ان کو اس عہد معدلت مہد میں حاصل رہی ہیں واسطے اظہار اپنی سچی خوشی اور صادق مسرت کے جو ان کو اس مبارک وقت کے دیکھنے سے ہوئی ہے ایک دائمی یادگار اس مبارک سال کی قائم کرنی چاہیے ❖

نیز اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ اس مبارک یادگار کو قائم کرنے کے واسطے اسٹریچی ہال

کے چندہ ہونا چاہئے اور جو اصحاب سو روپیہ یا سو روپیہ سے زائد چندہ دیں اُن کے نام مدرستہ العلوم مسلمانان علیگڈھ میں اسٹریچی ہال میں کندہ کر کے نصب کرنے چاہئیں اور جو سرمایہ اس طرح سے جمع ہو اُس کی آمدنی سالانہ سے اِس مبارک سال کی ایسی یادگار قائم کی جاوے جس سے مسلمانوں کی اعلےٰ تعلیم کو فائدہ پُہنچے اور اس مبارک یادگار کے فیض سے مسلمانوں کے دلوں میں پُرمسرت ناک یادگار ہمیشہ تازہ رہے یعنی اس روپیہ سے ایسے مسلمان طلبا کو وظائف اور میڈل طلائی دئے جاویں، جو یونیورسٹی کے اعلےٰ امتحانات میں عربی زبان کو بطور سیکنڈ لینگویج کے لیکر تعریف سے کامیاب ہوں اور ٹرسٹیان مدرستہ العلوم علیگڈھ سے استدعا کی جاوے کہ بعد جمع ہو جانے ایسے سرمایہ کے وظائف کے نام ایسے مقرر کریں اور میڈل پر ایسا مضمون کندہ کرائیں جس سے اس مبارک یادگار کے قائم کئے جانیکا مقصد پورا ہو *

جناب صدر انجمن و ممبران کانفرنس! گیارہ سال کی کارروائی میں جو ہماری کانفرنس نے کی ہے اِس وقت کا رزولیوشن، جس کو سردار **محمد حیات خاں** بہادر نے پیش کیا ہے نہایت ضروری اور مہتم بالشان ہے، اور آج جس امر پر بحث ہو چکی ہے یعنی ہماری کانفرنس کو عملی کارروائی پر زور دینا چاہئے۔ اُس کے ثابت کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسری تجویز نہیں ہو سکتی تھی۔ (چیرز)

جناب سردار صاحب آپ نے جو رزولیوشن پیش کیا ہے اُس سے درحقیقت آپ نے ہر طبقہ کے مسلمانوں کی دلی خواہش کو ظاہر کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہر صوبہ کے مسلمان خواہ وہ اسلام کی حقیقت سے واقف ہوں یا برائے نام مسلمان ہوں، آپ کی اس مبارک تجویز سے دلی اتفاق کرینگے جو شرطیں رزولیوشن میں درج کی گئی ہیں اُن سے آپ کی روشن ضمیری، عالی دماغی اور اسلامی ہمدردی معلوم ہو سکتی ہے۔ مَیں نے جب اس رزولیوشن کو دیکھا اور آپ نے مجھے اُس کی تائید کرنے کا حکم دیا تو مَیں نے اُس کو فوراً منظور کر لیا، اور اس کی تائید کرنے کو اپنا قومی فرض سمجھا۔ اس رزولیوشن سے پہلا مقصد یہ ہے کہ ۲۰۔ جون ۱۸۹۷ء کو جو شصت سالہ حکومت ہماری عادل فرمانروا حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند کی پوری ہونے والی ہے اُس کی خوشی کے اظہار کرنے کے لئے ایک یادگار ہم مسلمانوں کو قائم کرنی چاہئے کیونکہ حضور پُرنور کے عہد معدلت مہد میں ہم نے اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کرنے کا موقع پایا ہے اور ہم کو ہر قسم کی بہبودی اور ترقی کرنے کے وسائل حاصل ہوئے ہیں، اس لئے بحیثیت ایک وفادار رعایا ہونے کے ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس خوشی میں دل سے شریک ہوں، اور اُس کی یادگار قائم کرنے میں بیدریغ کوشش کریں (چیرز)

دوسرا مقصد جس نے اس مسرت کو دوبالا کر دیا ہے اس رزولیوشن سے یہ ہے کہ اس فنڈ سے جو یادگار کے لئے جمع کیا جاوے اُس طالب علم کو جس نے انگریزی زبان کی اعلےٰ تعلیم حاصل کی ہو، اور

ایں ایلو بسٹینڈ لنگ کمیٹی کے اختیار کی ہو تعداد یا جائے اور اس سے مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی مذہبی اور دینی بات کی قدر قیمت سے واقف ہوں اور اس کو مستحکم کرنے اور ترقی دینے کا ذریعہ ہم پہنچائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جو ہمدردانِ قوم اس ہال میں موجود ہیں، وہ نہ صرف اس رزولیوشن سے زبانی طور پر اتفاق کرینگے، بلکہ اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس یادگار میں چندہ دیکر اس رزولیوشن کی عملی تائید کرینگے۔ اگرچہ کانفرنس کے اجلاس میں چندہ کی ممانعت ہے اور ہم نے اس کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ کوئی رقم چندہ کی نہ مانگی جائے، لیکن یہ صورت مستثنےٰ ہے۔ ہمارے معزز پروپوزر نے اس یادگار کی مدد میں ایکہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور ۲۰۔ جون ۱۸۹۷ء کو یہ رقم سکرٹری کے پاس پہنچ جائیگی۔ چونکہ تحریک سے تائید کا درجہ کمتر ہے اس لئے میں بھی تاریخ مذکور پر پانسو روپیہ کا چندہ پیش کرونگا (چیرز۔ دیر تک)۔

نمبر ۳۷

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس یازدہم منعقدہ میرٹھ میں رزولیوشن نمبر ۳ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی۔ رزولیوشن حسب ذیل ہے:۔

رزولیوشن نمبر ۳

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ جس جس ضلع میں لوکل اسٹینڈنگ کمیٹیاں قایم ہوتی جاویں اُن سے درخواست کی جاوے کہ اپنے ضلع سے دس روپیہ ماہواری کا چندہ جس طرح ہو سکے ایک مسلمان طالب علم کی اسکالرشپ کے لئے جو کسی کالج کی کالج کلاسوں میں پڑھتا ہو یا پڑھنا چاہے اور ذہین اور لائق اور قابل اعلےٰ معلوم ہو وصول کریں اور جس کالج میں وہ پڑھتا ہے پڑھے اور لوکل اسٹینڈنگ کمیٹی اس بات پر غور کرتی رہے کہ وہ بہ محنت اور بہ کامیابی اُس تعلیم میں مصروف ہے یا نہیں۔

جناب صدر انجمن و حاضرین!

یہ رزولیوشن جو پیش کیا گیا ہے، حقیقت میں ایک مقدمہ اُس اعتراض کے دفع کرنے کا ہے جو کانفرنس پر بس گیارہ سال سے ہوتا رہا ہے۔ اور جس کا ذکر معزز سکرٹری نے اپنی رپورٹ میں کیا تھا اور جس کی میں نے مخالفت کی تھی (چیرز) گو بحیثیت سکرٹری ہونے کے اُن کا یہ فرمانا کسی حد تک صحیح ہو

کہ قوم نے کچھ نہیں کیا، مگر میں بلحاظ اُس تجربہ کے جو مجھ کو اس دفعہ کے دورہ میں ہوا اُس کو کسی قدر صحیح نہیں سمجھتا (چیئرز) میں یہ بات یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ ہر ضلع میں میرا استقبال اور خاطرداری نہایت شان و شوکت کے ساتھ کی گئی اور بالخصوص مرادآباد میں جس شان و شوکت سے میرے پہنچنے پر استقبال کیا گیا اُس کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس شہر میں لفٹنٹ گورنر آئے ہیں (چیئرز) اسی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں میں قومی کاموں کی قدر کرنے کا مادّہ موجود ہے۔ اگر ضرورت ہے تو اس مادّہ سے کام لینے کی اور اُس قابلیت کو اُکسانے اور حرکت میں لانے کی جو اُن میں پہلے سے موجود ہے ❊

رزولیوشن پیش شدہ کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے وہ نہایت واضح ہے اور اس کے عملدرآمد سے قوم کی اعلےٰ تعلیم کو نہایت فائدہ پہنچیگا۔ اور بہت سے شخص تھوڑے عرصہ میں ایسے پیدا ہو جاوینگے، جن سے وہ عہدے جو اس وقت گورنمنٹ میں خالی ہیں معمور کئے جا سکینگے۔ اگر ہر ضلع میں ایک شخص بھی اس رزولیوشن کے مطابق کوشش کرے تو ادنےٰ سے ادنےٰ ضلع سے دس روپیہ ماہواری چندہ کر سکتا ہے اور اس صورت میں (۳۶) ضلع ممالک شمال مغرب سے (۳۶) مفلس طالب علم تعلیم پا سکتے ہیں۔ اور اگر پنجاب اور اودھ کو جس کو میں نے چھوڑ دیا ہے شمار کیا جاوے تو ایسی ہی تعداد وہاں بھی مہیا ہو سکتی ہے۔ اور ہر سال ایک نہایت معقول تعداد کے طالب علم اعلےٰ تعلیم کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے سرسید کا وہ لفظ کہ "قوم مردہ ہو گئی ہے اور سڑ گئی ہے" قوم کے پرجوش اور باہمت مسلمان جو ہر جگہ موجود ہیں، اس رزولیوشن کے عملدرآمد میں کوشش کر کے دور کر دینگے (چیئرز) سال کے ۲۶۲ دن باقی ہیں آپ صاحب کوشش فرمائیں تاکہ یہ داغ قوم کے دامن سے دھویا جائے اور یہ الزام رفع ہو، کیونکہ اگر ایسے مفید کام کے لئے قوم دس روپیہ ماہوار بھی بہم پہنچا نہیں سکے، تو حقیقت میں قوم مردہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ سڑ رہی ہے جس کو کوئی کھا بھی نہیں سکتا۔ قوم مری ہوئی ہے اور اُس کا جنازہ رکھا ہے، مسلمانوں میں نماز جنازہ فرض ہے۔ اگر خدا نیکی دے تو کم سے کم نماز جنازہ تو پڑھ دیں کیونکہ وہ دس روپیہ بھی اپنی قوم کے مردہ کو کفنانے اور دفنانے کے لئے نہیں دیسکتے اب چاہے تجہیز ہو تکفین ہو، بلکہ پارسیوں کے مردہ کی طرح گدھ کھا جاویں تو بھی ذرا پروا نہیں کرینگے ❊

میں اُمید کرتا ہوں کہ اس مفید رزولیوشن کے پاس ہونے میں کسی کو اختلاف نہ ہوگا اور سب صاحب بالاتفاق منظور فرماوینگے ❊

نمبر ۲۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸ - دسمبر ۱۸۹۶ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس یازدہم منعقدہ میرٹھ میں رزولیوشن نمبر ۴ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی۔ رزولیوشن حسب ذیل ہے :-

رزولیوشن نمبر ۴

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ جو سیکشنیں واسطے عملی کارروائی کانفرنس کے تجویز کی گئی ہیں اور اجلاس سے منظور ہو چکی ہیں اُن کے مقاصد کے لئے اگر کچھ روپیہ کے خرچ کی ضرورت ہو تو سیکرٹری کانفرنس کو جائز ہوگا کہ بمنظوری سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے بشرطیکہ کانفرنس فنڈ میں جو سیکرٹری کے ہاتھ میں بعد اخراجات ضروری کے باقی رہے گنجائش ہو اُس کو خرچ کرے ٭

حضرات!

یہ ایک ضابطہ کا رزولیوشن ہے جس کے منظور ہونے پر اُس عملی کارروائی کا ہونا منحصر ہے جس کا طریقہ اس سال سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نے تجویز کیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ سنٹرل کمیٹی نے کانفرنس کو چار سیکشنوں پر تقسیم کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں :-

اول۔ سیکشن تعلیمی مردم شماری مسلماناں۔

دوم۔ سیکشن مدارس ماتحت۔

سوم۔ سیکشن تعلیم نسواں۔

چہارم۔ سیکشن معاملات عام۔

یہ ظاہر ہے کہ کوئی سیکشن اپنا کام جاری نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اُس کے پاس کوئی نقد سرمایہ نہ ہو جس کو وہ اپنی ضروریات میں آزادی سے صرف کر سکے۔ شاید کانفرنس کے فنڈ میں بعد ضروری اخراجات کے بہت کم گنجائش رہیگی کہ ایسے مفید کاموں میں روپیہ صرف کر سکے۔ لیکن تاہم جس قدر مدد ملنی ممکن ہوگی اُسی قدر ہر سیکشن کو اپنی عملی کارروائی کے جاری کرنے میں آسانی ہوگی۔ چونکہ یہ رزولیوشن ضابطہ کا ہے اس لئے اس پر زیادہ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ مَیں تحریک کرتا ہوں کہ وہ بلا کسی اختلاف اور رد و بدل کے حضر ی تائید کے بعد پاس کیا جاوے ٭

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰- دسمبر ۱۸۹۶ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس یازدہم منعقدہ میرٹھ میں رزولیوشن نمبر ۱۲ کی تحریک کرتے ہوئے فرمائی۔ رزولیوشن حسب ذیل ہے :-

رزولیوشن نمبر ۱۲

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ جو رزولیوشن گورنمنٹ ممالک مغربی وشمالی نے واسطے اجازت مذہبی تعلیم کے بشرائط خاص جاری کیا ہے۔ اس کے لئے گورنمنٹ موصوف کا شکریہ ادا کیا جاوے ۔

حضرات!

غالباً آپ میں سے بہت سے صاحبوں کو اخبارات کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ مذہبی تعلیم کا مسئلہ ایک عرصہ سے پیش تھا اور نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب نے اس میں بہت کچھ پریشانی اُٹھائی۔ وہ ایک عرصہ تک ٹال مٹول پر رہے - غرضکہ بعد بہت سی بحث مباحثہ کے وہ اس بات میں کامیاب ہوئے اور گورنمنٹ نے مذہبی تعلیم کا ہونا ایک خاص شرط سے ہر اسکول میں منظور فرمایا۔ جس سے ہماری قوم کے بچّوں کو نہایت فائدہ پُہنچیگا۔ چونکہ گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب نے ہم مسلمانوں کے ساتھ ایسی مہربانی فرمائی جس کا شکریہ ادا کرنا ہم پر فرض ہے۔ اس لئے یہ رزولیوشن پیش کیا اور امید ہے کہ سب صاحب اس کو منظور کرینگے ۔

نمبر ۴۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰- دسمبر ۱۸۹۶ء کو اجلاس میرٹھ میں رزولیوشن نمبر ۱۱ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی - رزولیوشن حسب ذیل ہے :-

رزولیوشن نمبر ۱۱

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ اجلاس دہم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۸۹۷ء بمقام [illegible]

یہ رزولیوشن جب کہ پاس ہوا تھا کہ کم عمر بچوں کی تعلیم کا کوئی دستورالعمل تجویز ہو کر شتہر کیا جاوے تاکہ بچوں کے مربّی اُس پر غور کریں اور بچوں کی تعلیم کا یکساں اور عمدہ طریقہ اختیار کریں جو اُن کی آیندہ عمر میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ چونکہ اس رزولیوشن پر کچھ عملدرآمد نہیں ہوا۔ لہذا ایک خاص کمیٹی اس رزولیوشن کی تعمیل کے واسطے منعقد کیجاوے۔

حضرات!

میرے دوست منشی سراج الدین نے جو تقریر رزولیوشن کی تائید میں کی، اُس سے نہ صرف زبانی تائید ہوتی ہے بلکہ عملی تائید ہوتی ہے۔ کنڈرگارٹن کا طریقہ جو ابتدائی تعلیم کے لئے تمام یورپ میں جاری ہے ملک جرمن میں ایجاد ہوا تھا۔ اس طریقہ سے بچوں کو ہر مضمون اور ہر علم اور ہر فن کی تعلیم تصویروں اور کھلونوں کے ذریعہ سے دیجاتی ہے۔ یہ طریقہ نہایت مفید ہے۔ اور اس سے بہت جلد بچوں کی عام واقفیت اور معلومات میں ترقی ہوتی ہے۔ جو اسکیم کہ موجب اس رزولیوشن کے مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے تیار کی جائیگی معلوم نہیں وہ کیا ہو اور کیسی ہو، مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اس اسکیم میں ایسے علوم اور فنون کا داخل کرنا ہی ضروری ہے جن کو کنڈرگارٹن کے طریقہ سے سکھایا جاوے۔ میں بھی اس رزولیوشن کی دل سے تائید کرتا ہوں۔

نمبر ۱۳

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو اجلاس میرٹھ میں نوابزادہ نصراللہ خاں صاحب کے انگریزی لکچر کے شکریہ میں فرمائی:۔

حضرات!

ہماری کانفرنس کے جو ممبر انگریزی جانتے ہیں انھوں نے بالخصوص نوابزادہ نصراللہ خاں کے لکچر سے لطف اُٹھایا ہوگا، مگر جو انگریزی تعلیم نہیں جانتے اُن کو بھی نوابزادہ کے لب و لہجہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ لکچر نہایت فصیح و بلیغ اور اعلےٰ درجہ کا تھا اور لکچرار کی ڈالیوری بھی نہایت عمدہ تھی۔ نوابزادہ ممدوح نے جو لکچر دیا اُس سے ہمارے طالب علموں پر نہایت عمدہ اثر ہوا ہوگا۔ اور وہ ضرور خیال کرتے ہونگے کہ سرسید جس اعلےٰ تعلیم کی تمنا رکھتے ہیں اور بار بار اُس کا راگ گایا کرتے ہیں۔ نوابزادہ ممدوح اُسی اعلےٰ تعلیم کا نمونہ ہیں۔ اُن کو نوابزادہ ممدوح کے لکچر سے سبق

لینا چاہیئے کہ اعلےٰ تعلیم کس کو کہتے ہیں ؟ اور انگلش زبان کی آریٹری اور فصاحت و بلاغت کیا چیز ہے ؞

حضرات ! ہمارے عزیز دوست نواب زادہ نصراللہ خاں، محمد امین روغی، کے عزیز ہیں - جنہوں نے ہمارے کالج کے لئے اول پانچ ہزار روپیہ دیا تھا - جس کی آمدنی سے آج تک اسکالرشپ دیا جاتا ہے ؞

میرے عزیز سید محمودؔ نے جو نواب زادہ ممدوح کی اعلےٰ درجہ کی انگریزی تقریر کیلئے ووٹ آف تھینکس پروپوز کیا ہے، مَیں اُس کی تائید کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تمام جلسہ اس کو منظور کریگا ؞

نمبر ۲۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۸۹۶ء کو اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ میرٹھ میں اخبار ابزرور، کی نسبت فرمائی :-

حضرات !

جس بات کی قوم کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت ہے اور جس کے بدون گورنمنٹ تک کوئی التجا نہیں پُہنچ سکتی، وہ ایک انگریزی اخبار کی ضرورت ہے (چیرز) اگرچہ اردو میں متعدد اسلامی اخبارات ہیں جن میں بعض کی اشاعت بہت زیادہ ہوگئی اور ہوتی جاتی ہے اور ان میں سے میں بہت خوشی کے ساتھ پیسہ اخبار کا نام لیتا ہوں (چیرز) مگر انگریزی اخبار کی ضرورت نہایت زیادہ ہے مدراس و بمبئی میں مسلمانوں کے چند انگریزی اخبار ہیں لیکن صوبہ غرب و شمال اور پنجاب میں کوئی انگریزی اخبار نہ تھا زندہ دل پنجاب نے جس کو سر سید نے خوب سوچ اور سمجھ کر زندہ دل کہا ہے، اس میں بھی سبقت کی اور پنجاب ابزرور جاری کر دیا (چیرز) اُس کے مالک اور سب اڈیٹر کو مَیں پیش کرتا ہوں - چنانچہ مالک اخبار پنجاب ابزرور و شیخ عبدالقادر صاحب سب اڈیٹر اجلاس کے سامنے پیش کئے گئے جس پر چیرز کے نعرے بلند ہوئے ؞

حضرات ! اس اخبار کے مالک نے بلا ذاتی غرض کے تیس ہزار روپیہ اس کام میں لگا دیا ہے مگر اے حضرات اخبار کے برابر جاری رہنے کے لئے اور روپیہ کی ضرورت ہو اسلئے انگریزی جاننے والے

کہ اس اخبار کی خریداری میں مدد دینی چاہئے ۔ اور شنت نہیں بلکہ اس کے عوض میں سال بھر تک اخبار ان کی خدمتگزاری کریگا (چیرز) +

نمبر ۴۳

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹- دسمبر ۱۸۹۶ء کو منتظمان کانفرنس میرٹھ کے شکریہ میں کی :-

حضرات !

مجھے کانفرنس کی طرف سے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے کہ میں منتظمانِ اجلاس کانفرنس کا شکریہ ادا کروں ۔ میرٹھ میں اس مجلس کا قائم ہونا زیادہ تر ہمارے دوست سید محمد میر صاحب کی کوششوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہے اور جو بے انتہا اعانت اور امداد اُن کو شہر میرٹھ کے رؤسا سے پہنچی اور جو ہمدردی اور جوش یہاں کے رئیسوں نے ظاہر فرمایا ، وہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے +

پچھلے گیارہ برس میں کانفرنس مختلف مقامات پر ہوئی ، لیکن یہ اجلاس بہ نسبت دیگر اجلاسوں کے زیادہ خوش نصیب ہے ۔ سب سے زیادہ دل خوش کن اور عزت بخشنے والی بات جو اس کی پہلی خوش نصیبی ہے ، ایک ایسے عالم و فاضل پریسیڈنٹ کا انتخاب ہے جیسے کہ ہمارے نواب عماد الملک ہیں ۔ (چیرز) دوسری خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کا اجلاس میرٹھ میں اور میرٹھ کے مسلمانوں کی مہمان نوازی کے درمیان ہوا (چیرز) +

ہمارے سر سید اور نواب عماد الملک کا جس سچے جوش اور شان و شوکت کے ساتھ پلیٹ فارم پر استقبال کیا گیا ، اس سے میرٹھ کے رئیسوں کی بے انتہا ہمدردی اور زندہ دلی ظاہر ہوتی ہے (چیرز) اس کے علاوہ منتظمانِ اجلاس نے ممبران کانفرنس کی مہمانداری اور اُن کے آرام و آسائش کے لئے جو لگاتار محنت اور تکلیف اُٹھائی ہے اور مقام اجلاس کو منتظم اور مزین کرنے میں جو مستعدی اور جانفشانی اور سرگرمی دکھائی ہے ، اُس کا بیان الفاظ میں ہونا مشکل ہے ۔ ہم نے یہاں ہر شخص کو داعی اور مدعو پایا اور شاکر و مشکور دیکھا (چیرز) بہرحال کانفرنس اور کانفرنس کا ہر ممبر تمام منتظمانِ اجلاس کا احسان مند ہے +

نواب اسد اللہ خاں صاحب ❖
خان بہادر حافظ عبدالکریم صاحب سی - ایس - آئی ❖
شیخ بشیر الدین صاحب رئیس لال کرتی ❖
قاضی محمد طیب صاحب انسپکٹر پولیس ❖
منشی نظیر علی صاحب تحصیلدار میرٹھ ❖
حافظ محمد حسین عرف حاجی حسین خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ❖
حافظ محمد اکبر صاحب ❖
سید قاسم علی صاحب آنریری مجسٹریٹ ❖
محمد عبداللہ خاں صاحب ❖
منشی نادر علی صاحب وکیل ❖
حکیم فخر الدین صاحب ❖
حکیم رضی الدین صاحب ❖
شیخ محمد ولایت علی صاحب وکیل ❖

سید محمد میر صاحب ❖
شیخ وحید الدین صاحب رئیس لال کرتی ❖
مولوی محمد فاضل صاحب ڈپٹی کلکٹر ❖
مولوی محمد یعقوب علی صاحب بی - اے سکرٹری انجمن نوجوان مسلمانان میرٹھ ❖
منشی صدیق احمد صاحب مینجر کورٹ آف وارڈس ❖
منشی نور الحسن صاحب ❖
حاجی محمد انعام اللہ خاں صاحب ❖
مفتی محمد صدیق صاحب وکیل ❖
خواجہ غلام نصیر الدین صاحب ❖
حکیم ظہیر الدین احمد صاحب ❖
حکیم محمد مقرب حسین خاں صاحب اڈیٹر اخبار عالم ❖
منشی برکت علیخاں صاحب اڈیٹر اخبار ہمدرد ❖

مولوی بشیر الدین صاحب اڈیٹر نجم الاخبار اٹاوہ۔ کا نہایت شکر ادا کرتا ہے، جنہوں نے شبانہ روز نہایت محنت اور گرمجوشی کے ساتھ کانفرنس کے ہر انتظام میں مدد دی اور اعانت فرمائی (چیرز پر چیرز)۔ مجھ کو یقین ہے کہ کانفرنس کا ہر ممبر جو اجلاس میں شریک تھا، آپ کی مہربانیوں، مہمان نوازیوں، فیاضیوں اور ہمدردیوں کا گہرا نقش دل پر لیجائیگا اور میرٹھ کے اجلاس کو کبھی نہیں بھولیگا ❖

نمبر ۴۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بہادر نے دوبارہ قائم کرنے یادگار سر سید احمد خاں بہادر کے - سی - ایس - آئی - ایل - ایل - ڈی مرحوم مغفور کے جو انہوں نے بمقام لاہور ۲۵ - جون ۹۸ء کو اُس اجلاس میں کی جو سر سید میموریل فنڈ کے ڈیپوٹیشن جلسے پر منعقد ہوا تھا۔

بعد ایک تمہیدی تقریر کے جو نواب محسن الملک بہادر نے مرحوم سر سید کی وفات کی

نسبت کی یاد جس سے ایک عجیب حالت رنج اور غم کی حاضرین پر طاری ہوئی، اُنھوں نے مجلس سے یہ خطاب کیا :-

بزرگان قوم!

جس شخص کی یادگار قائم کرنے کے لئے آج ہم جمع ہوئے ہیں، وہ منجملہ اُن مخصوص اور ممتاز لوگوں کے تھا جن کو خدا تعالیٰ کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا کرتا ہے۔ ایسے شخص کا دل و دماغ تعلیم و تربیت سے پرورش نہیں پاتا، بلکہ فطرۃً اُس میں وہ قوت ہوتی ہے جو مجاہدہ و ریاضت اور تعلیم و تربیت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ سر سید احمد خاں کو خدا نے ہم مسلمانوں میں ایک خاص قسم کی قومی ہمدردی اور قومی ریفارم اور اصلاح کی قابلیت دی تھی۔ اور اسی کام کے لئے اُن کو پیدا کیا تھا۔ وہ علوم مشرقیہ کے لحاظ سے نہ عالم و فاضل تھے، اور نہ یورپین سائنس کے اعتبار سے پروفیسر یا ڈاکٹر۔ مگر وہ اس بات کا ثبوت تھے، کہ جس شخص کو فطرت سے دماغ صحیح اور ذہن سلیم اور کسی قسم کی خاص قوت عطا ہوئی ہو۔ دنیا کو اُس کے طبعزاد، خداداد، اور غور رو خیالات کس قدر فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

اُن کی زندگی کے تفصیلی حالات بیان کرنا اُس شخص کا کام ہے جو اُن کی لائف لکھنے میں سرگرم ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ وہ عنقریب ایک صحیح نقشہ اُن کی سچی زندگی کا آپ کے سامنے پیش کریگا۔ مگر اُن کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالنے والا بھی یہ بات جانتا ہے، کہ شروع سے اُن کی طبیعت کا میلان تحقیق کی طرف تھا، اور قومی ترقی اور تنزل کے خیالات عنفوان شباب ہی سے اُن کے دل میں پیدا ہو گئے تھے۔ مگر اس قوت کا ظہور اُس وقت سے شروع ہوا، جب کہ اُنھوں نے دہلی کے کھنڈروں اور اپنی دار السلطنت کے شکستہ در و دیواروں کے آثار جمع کرنے کا ارادہ کیا، اور آثار الصنادید کا لکھنا شروع کی۔ اُسی وقت سے وہ اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ مسلمان کس طرح اعلیٰ علیین ترقی پر پہنچکر اسفل السافلین نکبت میں گر گئے، اور گرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر تو اُنھوں نے اسی مضمون کو اپنی زیست کا مشغلہ ٹھہرا لیا اور سوتے، جاگتے، اُٹھتے، بیٹھتے، ہر وقت یہی خیال اُن کے پیش نظر رہنے لگا۔

۱۸۵۷ء کے ہولناک زمانہ۔ نے اُن کی طبیعت میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا کیا، اور اس انقلاب عظیم سے جو ہندوستان کے مسلمانوں پر واقع ہوا اُن کی طبیعت میں بھی ایک حیرت انگیز انقلاب شروع ہوا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ مسلمان تباہ و برباد ہو رہے ہیں، اور افلاس اور جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی مصیبت اُن کو معدوم و بے نشان کر رہی ہے، اور بحیثیت قوم و مذہب کے وہ برٹش گورنمنٹ کے بدخواہ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ قومی مصیبت دیکھ کر اُن کی غیرت اور اسلامی حمیت جوش میں آئی، اور اسی زمانہ میں جب کہ فتنہ و فساد کے شعلے چاروں طرف مشتعل ہو رہے تھے اُنھوں نے

اسباب غدر پر ایک رسالہ لکھا، اور ابھی غدر رفع نہ ہونے پایا تھا کہ اُس کو ہندوستان اور ولایت میں مشتہر کر دیا، وہ غدر اور ہندوستان سے لیکر ولایت تک کے حکام کی برافروختگی، اور مارشل لا کا زور شور، اُس پر ایسے رسالہ کا لکھنا اور مشتہر کرنا ایک جانبازی کا کام تھا۔ مگر اُس خدا کے بندہ نے جب قومی جوش میں اپنی جان کی کچھ پروا نہ کی، اور باوجودیکہ اُس وقت وہ نہ انگریزی جانتے تھے اور نہ انگریزوں سے اختلاط رکھتے تھے، صرف اپنی سچائی اور انگریزوں کے انصاف کے بھروسہ پر ایسے خطرناک رسالہ کے پیش کرنے میں کچھ بھی باک نہ کیا۔ اور چونکہ سچی نیت اور سچے دل سے حسبۃً للہ وہ رسالہ لکھا تھا، اس کا اثر بھی پورا ہوا اور لارڈ کیننگ نے امن عام کی منادی کر دی ❊

۱۸۵۷ء کے غدر میں مرحوم نے جس قومی خیر خواہی کے ارگن کو کوکا، دم واپسیں تک اُس کی آواز منقطع نہ ہوئی، اور ایک سے ایک بڑھ کر نغمۂ دلکش اس سے نکلتا چلا آیا، جہاں جہاں وہ سرکاری خدمات کے تعلق سے رہے، اُن کے آثار حمیدہ مدرسے اور سوسائیٹیاں وغیرہ وہاں موجود ہیں، اور ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قومی خیر خواہ اور ایک قومی ریفارمر نے اُن کی بنیاد ڈالی ہے۔ اگر اُن وہ کام جو اپنے ہموطنوں اور ہم قوموں کی بہبودی کے لئے اُنہوں نے کئے ہیں بالاستیعاب بیان کئے جاویں تو ایک بڑی مبسوط کتاب بنجاوے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ مگر سب میں بڑا اور بہت بڑا احسان جو اُنہوں نے قوم پر کیا، مُلک پر کیا، سرکار پر کیا، اُن پر کیا جو اب موجود ہیں، اور اُن پر کیا جو آگے کو پیدا ہونگے، وہ علیگڈھ کالج کا جاری کرنا تھا۔ انہی کا فکر تھا صحیح و صائب کہ اُس نے ایسے کالج کی ضرورت کو سمجھا، اور اُنہی کی ہمت تھی بلند و وسیع، کہ اُس کے بنانے اور جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اُنہی کا استقلال تھا متین و مستحکم، کہ جو سوچا تھا اور جس کا ارادہ کیا تھا، اُس کو کر دکھایا ❊

مگر افسوس ہے کہ جس طرح پر وہ اس کالج کو قائم کرنا چاہتے تھے وہ خیال اُن کا پورا نہ ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسا کالج تیار ہو جو مسلمانوں میں یورپین سائنس اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روے مذہب کے مسلمان، اور از روے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں مگر باعتبار مذاق اور راے اور فہم کے انگریز ہوں۔ اور اس سے اُن کا مقصد تھا اپنی ایک علٰحدہ خود مختار مسلمانی یونیورسٹی قائم کرنا۔ اور یہی وہ آرزو تھی جس کی کوشش میں اُنہوں نے اپنی زندگی تمام کر دی۔ اور اس آرزو کا پورا کرنا ہم پر چھوڑ گئے ❊

اے زندہ دلان پنجاب! سرسیّد جن کی یہ آرزو تھی کہ محمڈن یونیورسٹی بنائیں، وہ تو دنیا سے چل بسے اگر تم زندہ ہو۔ اور زندہ دلی کا طغرا تمہاری پیشانیوں پر اُس مبارک ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اگر درحقیقت تم زندہ دل ہو، اور مجھے یقین ہے کہ تم ہو، تو آؤ، اور یہ قول ادھورا نہ چھوڑو۔

پیٹنے اور نوحے بند کرو، تعزیت کی مجلسوں پر فاتحہ پڑھو۔ بلکہ اپنی محبت کا عملی ثبوت دکھاؤ اور اپنے محبوب اور مقتدا کے ناتمام کام کے پورا کرنے کی کوشش کرو ۔

حضرات! جب کوئی بڑا شخص دنیا سے گذرتا ہے تو اس کو استحسان کی نظر سے دیکھنے والے اپنی شکرگذاری اور دلدادگی کے ثبوت میں کوئی نہ کوئی ایسا کام کرتے ہیں جو اُن کے محبوب اور مقتدا کی شان کے لائق ہو۔ اُن کے لئے عالیشان مقبرے بنواتے ہیں، سنہری گنبد تعمیر کرتے ہیں، ان کے نام کے لنگرخانے جاری کرتے ہیں، سالانہ عرس کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اور اُن کے پسماندوں کے لئے بڑے بڑے مال و دولت کے جمع کرتے ہیں۔ تم جس کو چاہتے تھے اور جس کو اپنا مصلح اور پیشوا سمجھتے تھے، وہ نہ زندگی میں اپنے لئے نذر و نیاز کا طالب ہوا، نہ اپنی ذات کے واسطے جیتے جی یا مرتے تم سے کسی چیز کا خواہاں ہوا۔ بلکہ خود اپنا مال تم پر قربان کیا، اور اپنی کمائی تمہارے کاموں میں لگائی یہاں تک کہ نہ اپنے رہنے کے لئے ایک جھونپڑا چھوڑا، اور نہ اپنے کفن کے واسطے ایک گز کپڑا۔ جو کچھ تم سے لیا تمہیں پر خرچ کیا اور تمہارے ہی کاموں میں لگا دیا۔ مرنے کے بعد بھی اُس کی یہ تمنا نہ تھی کہ اُس کی یادگار میں مقبرہ بنایا جائے، یا اُس کی قبر پر لنگر جاری ہو، یا اُس کے نام کی کوئی خانقاہ بنائی جائے۔ بلکہ یہی آرزو تھی، کہ مرنے کے بعد بھی جو کام تمہاری بھلائی کا اُس نے شروع کیا تھا وہ پورا ہو، اور قومی ترقی کے اصلی وسائل یعنی تعلیم و تربیت کے سامان پورے پورے جمع کئے جاویں۔ یعنی محمڈن کالج ۔ محمڈن یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچایا جائے ۔

زندہ دلان پنجاب! ہمارا بھی یہی مقصود ہے اور اسی غرض کے لئے ہم یہاں آئے ہیں، اور اسی کام کے لئے تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے ہم نے اپیل کی ہے۔ ہم چند خادمانِ قوم نے، جن کو مرحوم کے ساتھ ارادت اور محبت تھی ایک مجلس جمع کی، اور اس بات کا ارادہ کیا۔ کہ اُن قومی خدمات کی شکرگذاری میں جو اُس شیدائی قوم نے چالیس برس تک کی ہیں، ایک ایسی یادگار قائم ہو جو اُس کی شان و خواہش کے موافق، اور زمانہ کی ضرورت کے مناسب، اور سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے مفید ہو۔ اور ہماری سمجھ میں کوئی دوسری تجویز اس سے زیادہ بہتر معلوم نہ ہوئی کہ مدرسۃ العلوم علیگڈھ یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچایا جائے ۔

حضرات! چونکہ یہ بہت بڑا مشکل اور محنت طلب کام ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے جو مرحوم اور اُن کے کاموں کو استحسان کی نظر سے دیکھنے والے تھے، مدد لینے پر مستعد ہوئے ہیں، اور اس کام کو اپنی قوم کی بہبودی اور ترقی کے لئے ایک ضروری ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہم صاف صاف اس امر کو بتائیں کہ علیگڈھ کالج کو محمڈن یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانے کا خیال کیونکر ہمارے دل میں آیا۔ پھر لوگوں کو بتا دیں کہ یونیورسٹی کیا چیز ہے۔ اور کیا ہی ہیں

مجوزہ یونیورسٹی کو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں سے کیا نسبت ہوگی۔ کس قسم کی تعلیم اس میں دیجاویگی۔ اخلاقی اور مذہبی تعلیم کس طرح پر اور کس درجہ تک ہوگی۔ عربی، فارسی کی تعلیم کا کیا انتظام ہوگا۔ غرضکہ یہ تمام باتیں صاف صاف قوم کو بتائی جاویں۔ پھر یہ بھی اُن کو بتایا جائے کہ جو روپیہ جمع ہوگا وہ کس کی حفاظت میں رہیگا۔ اور اُس کی حفاظت کا انتظام کس طرح پر کیا جاویگا۔ اور کیونکر اور کس کے اختیار سے وہ روپیہ خرچ ہوگا۔ اور جب تک پورا روپیہ جمع نہ ہو سرمایہ جمع شدہ سے کیا کیا جاویگا۔ یہ وہ سوالات ہیں جو بالطبع ہر ایک ایسے شخص کے دل میں گذرتے ہیں اور گذرینگے جو اس کام میں شریک ہونا چاہیگا، اس لئے ضرور ہے کہ یہ تمام باتیں صاف صاف ظاہر کی جاویں اور تمام مسلمانوں کو اپنے اپنے خیالات ظاہر کرنے اور مفید صلاح دینے کا موقع دیا جائے ؎

حضرات! علی گڈھ کالج کو محمڈن یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانے کا خیال کیونکر [illegible] اس کے متعلق مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ اس عظیم الشان کام کا خیال ہمارے ضعیف دماغوں سے پیدا نہیں ہوا بلکہ درحقیقت یہ اسی عالی دماغ کا خیال ہے جس نے ساری عمر تعلیم و تربیت کے اصول و فروع کے غور کرنے پر صرف کردی تھی، اور یہ سارا نقشہ اُسی شیدائے قوم کا اُسی زمانہ کا کھینچا ہوا ہے، جب کہ اُس نے مسلمانوں میں تعلیم پھیلانے، اور مغربی علوم و فنون کی طرف رغبت دلانے، کا ارادہ کیا تھا۔ وہ تمام کارروائیاں جو ۱۸۵۸ء سے ۱۸۹۸ء تک مرحوم نے کیں، ان سب میں ہمیشہ یہی امر پیش نظر رہا، اور ہر ضروری موقع پر وہ اپنے اس ارادہ اور اس خیال کو ظاہر کرتے رہے ؎

۱۸۸۹ء کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں سرسید مرحوم نے کالج کے تاریخانہ حالات پر ایک مفصل لکچر دیا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ " اول میرے خیالات یہ تھے کہ بذریعہ ترجموں کے جو اردو زبان میں ہوں اپنی قوم کو اعلیٰ درجہ کے یوروپین علوم و فنون سے بہرہ یاب کرسکتا ہوں، اور اُسی کی کوشش کی۔ مگر بالآخر مجھ کو یقین ہوگیا کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت جس کی ضرورت قوم کو ہے، اور سوشیل حالت کی ترقی اور حاکم و محکوم کا میل جول جو میرے اصولوں کا منشا ہے، بغیر انگریزی پڑھنے اور یوروپین سائنس اور لٹریچر میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کے ناممکن ہے۔ میں ہر ایک بات سوچتا تھا اور نہیں سمجھتا تھا کہ کیا کروں، مگر جب میں لنڈن گیا اور وہاں کے تعلیم و تربیت کے طریقوں سے واقفیت حاصل کی، تو وہیں یعنی لنڈن ہی میں میں نے اس مدرسہ کے قائم کرنے اور تعلیم کی تمام تجویزوں کو پورا کیا اور وہیں سید محمود نے اپنی واقفیت اور اپنے نہایت لائق دوستوں سے صلاح و گفتگو کرنے کے بعد وہ تمام طریقے تعلیم کے تجویز کئے جس پر اس وقت مدرسہ چل رہا ہے اور جس پر آیندہ چلیگا۔ سید محمود کا خیال تھا کہ کالج ایسا اعلیٰ درجہ کا قائم ہو جس میں تمام یوروپین علوم و فنون مع اُن ایشیائی علوم کے جو ہمارے بزرگوں کے لئے مایہ فخر تھے اعلیٰ درجہ پر تعلیم ہوں۔ اور وہ کالج محمڈن یونیورسٹی کے نام

موسوم ہو، اور عربی فارسی لٹریچر جو مسلمانوں کا قومی تمغہ ہے ہرگز نہ چھوڑا جائے"۔

لندن سے آنے کے بعد ۱۸۷۰ء کے اخیر میں مرحوم نے ایک مجلس قائم کی جس کا نام تھا "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانانِ ہندوستان" اس کمیٹی کا مقصد اُن موانع اور اُن کے علاج کی تحقیق کرنا تھا۔ جن کے سبب مسلمان سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں نہایت کم پڑھتے ہیں اور جن کے سبب اُن میں مغربی علوم و فنون نے رواج نہیں پایا۔ اس کمیٹی نے اس مضمون پر رسالے لکھنے کا اشتہار دیا اور تین انعام مقرر کئے۔ اور ٣٢ ذی علم اور معزز مسلمانوں نے رسالے لکھ کر کمیٹی میں بھیجے۔ ان کے دیکھنے اور اُس پر غور کرنے کے لئے ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر ہوئی جس کا اخیر اجلاس ۱۵- اپریل ۱۸۷۲ء کو ختم ہوا۔ اور آخر کمیٹی نے اُن موانع کے علاج کے طور پر ایک خاص کالج مقرر کرنا تجویز کیا۔

اس رپورٹ میں سلیکٹ کمیٹی کی جو تقریر بنسبت قائم کرنے مدرسۃ العلوم کے سر سید مرحوم نے کی تھی اُس میں اُنہوں نے اپنے اصلی خیالات نسبت تعلیم مسلمانوں کے نہایت صراحت سے ظاہر کر دیئے تھے اور اپنا یہ مقصد کہ ایک محمڈن یونیورسٹی بنائی جائے، نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کر دیا تھا چنانچہ اس رپورٹ کے حصہ سوم کا دفعہ ۲۰ میں آپ کو سناتا ہوں اور وہ یہ ہے:۔

"سید احمد خاں نے ممبروں سے یہ بات کہی کہ اس امر سے جس کی نسبت ہم رپورٹ تحریر کرتے ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم لوگ صرف وہی بات کہیں جو زمانہ حال کے مناسب ہو، اور جو اس وقت انجام بھی ہو سکے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ قطع نظر حالات اور حیثیات موجودہ سے ہم کو وہ تجویز کرنی چاہئے، جو پوری پوری اور ٹھیک ٹھیک اعلیٰ درجہ پر مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو، تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ ہم کو درحقیقت کیا کرنا ہے اور بالفعل ہم کس قدر کر سکتے ہیں"۔

"پھر انہوں نے ممبروں سے کہا کہ تجویز اور عمل، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تجویز ہمیشہ ہم کو پوری اور کامل کرنی چاہئے اور اُس تجویز پر عمل اُس قدر رکھنا کہ ہم وقتاً فوقتاً کر سکتے ہیں۔ فرض کرو، کہ ہم کو ایک بہت بڑا عالیشان مکان بنانا ہے۔ جب ہم اُس کا نقشہ تجویز کریں گے، تو اُس تمام مکان کا کامل نقشہ تجویز کریں گے، اور جب اُس کی تعمیر شروع کریں گے تو اُسی قدر کونہ کی تعمیر شروع کریں گے۔ جس قدر کی تعمیر کا بالفعل ہم کو مقدور ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ وہ مکان عالیشان مطابق نقشہ مجوزہ کے تیار ہو جاوے گا۔ اور اگر ہم بلا پورا اور کامل نقشہ سوچے تعمیر شروع کر دیں گے تو ہم نے اُس مکان میں سے کچھ نہ بنایا ہوگا بلکہ اُس مکان کے بنانے کے لئے پھر کر اُس عمارت کا ڈھانا پڑے گا۔ جو بے نقشہ سوچے تعمیر کی تھی۔ میرا مقصد اس تقریر یا درتمثیل سے یہ ہے کہ اس وقت ذریعہ تعلیم مسلمانوں کا پورا اور کافی تجویز کیا جائے اور اس بات کا خیال نہ ہو کہ آیا اس وقت ہم اُس کو کر بھی سکتے ہیں

یا نہیں"۔

"پھر انہوں نے کہا کہ اس وقت میں دو ایک باتیں اور عرض کرنی چاہتا ہوں کہ آپ صاحب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیم ہمیشہ کسی ایک خاص مقصد کے لئے نہیں ہوتی اور نہ کسی ایک گروہ کثیر کا ہمیشہ ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ بلکہ ایک گروہ کثیر میں سے مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں۔ ہم جس طریقہ تعلیم کے قرار دینے کی فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے گروہ سے علاقہ رکھتا ہے۔ اور یقینی مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد تعلیم سے ہیں۔ پس اس وقت ہم کو ایسا طریقہ تعلیم تجویز کرنا چاہئے جو مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد کے پورا کرنے کو کافی ہو"۔

"پھر انہوں نے اس مطلب کو دوبارہ زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا اور یہ بات کہی، کہ مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو گورنمنٹ کے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں کے حاصل کرنے اور انتظام گورنمنٹ میں شامل ہو کر دنیوی عزت حاصل کرنے اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچانے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اس کو گورنمنٹ کے عہدوں کے حاصل کرنے کا کچھ خیال نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی قوت بازو سے بذریعہ تجارت یا اجرائے کارخانجات کے اپنی معاش پیدا کرنے کی خواہشمند ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ صرف اپنی جائداد اور اپنے علاقہ جات کی درستی اور اپنی زندگی کے روزمرہ امورات کو خوش اسلوبی انجام دینے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ علوم فنون کو حاصل کرنا اور ان میں واقفیت کامل حاصل کرنا پسند کرتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اس کو تمام چیزوں سے چنداں تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ بلحاظ اپنی معاد کے علوم دین میں دستگاہ کامل حاصل کرنا اور اسی میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ اور ایک جماعت عوام الناس کی ہے جس کے لئے کسی قدر عام تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ با ایں ہمہ ہر ایک کو اپنی اولاد کی نسبت یہ خواہش ہے کہ اس کے عقائد مذہبی بھی درست رہیں اور وہ ادائے فرائض مذہبی سے بھی غافل نہ ہو جاوے۔ پس جبکہ ہم تمام مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہم کو ایسی تجویز کرنی چاہئے، جس سے تمام مقاصد مذکورہ اور دیگر مقاصد اور نیز دیگر مقاصد جو تعلیم سے متعلق ہیں حاصل ہوں"۔

"انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب آپ سب صاحب ان مقاصد پر غور فرما دینگے جن میں سے امور معظمہ کو میں نے ابھی بیان کیا تو آپ یقین کرینگے کہ کسی قوم کو یہ سب مقاصد جب تک کہ وہ خود ان مقاصد کے حاصل کرنے پر مستعد نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتے۔ پس ہم کو اپنی تمام مقاصد کے انجام کو صرف گورنمنٹ ہی پر منحصر رکھنا نہ چاہئے بلکہ یقین کرنا چاہئے کہ ان تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا غیر ممکن اور ممتنع بالذات کے ہے۔ پس اس وقت ہم کو دو قسم کی تجویزیں کرنی چاہئیں۔ ایک کامل اور پوری ادنےٰ سے اعلےٰ درجے کی تعلیم تک کی جو ہمارے تمام مقاصد کو پورا کر سکیں اور جن میں

ہم گورنمنٹ سے اُس کی تعمیل کرانے کی خواہش نہ ہو بلکہ ہم کو خود اپنی سعی اور کوشش سے آپ اُس کا انجام کرنا مد نظر ہو۔

"دوسری تجویز ہم کو اس بات کی کرنی چاہیئے کہ جب تک ہم اُس اول تجویز کو انجام دیں یا اُس کے انجام دینے کے لائق ہوں اُس وقت تک اُن اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لئے مقرر کئے ہیں کیونکر فائدہ اُٹھائیں اور ہمارے متعدد مقاصدوں میں سے جون جونسا مقصد تعلیم بعینہٖ گورنمنٹ سے حاصل ہوسکتا ہے اُس کو ہم کیونکر حاصل کریں"۔

۱۸۷۷ء میں ہزاکسلینسی لارڈ لٹن وائسرائے و گورنر جنرل کشور ہند کو جب کہ وہ مدرسہ کی بنیاد قائم کرنے کے واسطے علیگڈھ تشریف لائے تھے، سرسیّد مرحوم نے کمیٹی کے نام سے ایک ایڈریس دیا تھا، اُس میں بھی اُنہوں نے اپنے اس خیال کو نہایت پاکیزہ اور عمدہ لفظوں میں اس طور پر ظاہر کیا۔ "جب کہ ہم اُن مشکلات پر نظر کرتے ہیں جو ہم کو اپنے کام میں پیش آئیں، اور اُس کامیابی کا بھی خیال کرتے ہیں جو اب تک ہم کو حاصل ہوئی ہے، تو ہم کو اس باب میں شبہ نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ انگریزی اور ہمارے خاص ہموطن دونوں اسی فیاضانہ طریقہ میں ہماری اس سے بھی زیادہ مدد کرتے رہینگے جس کی بدولت ہمارے ارادوں کو وسعت حاصل ہوئی ہے۔ تاکہ جو بیج ہم آج بوتے ہیں اُس سے ایک ایسا زبردست درخت پیدا ہو جس کی شاخیں اس مُلک کے بڑے درخت کی مانند پھر زمین میں مضبوط جڑ پکڑ جاویں اور اُن سے نئے قوت دار پودے پیدا ہوں اور یہ کالج پھیلکر ایک یونیورسٹی ہو جاوے جس کے طالب علم اس ملک کے ہر چہار طرف آزادانہ تحقیقات اور فراخ حوصلہ، بے تعصبی، اور عمدہ اخلاق، کی بشارت دیتے پھرینگے۔

جو ایڈریس ۱۱- دسمبر ۱۸۸۰ء کو آنریبل سر جان اسٹریچی لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و ممبر کونسل گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اُس میں بھی مرحوم نے اس کا اشارہ کیا اور یہ کہا تھا کہ "جو ترقی اب تک ہمارے کالج نے کی ہے اُس سے ہم کو اس بات کی طمانیت ہوتی ہے کہ ہماری بڑی بڑی اُمیدیں کسی نہ کسی روز پوری ہو جاوینگی۔ ہم آیندہ زمانہ کو اطمینان کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہم کو یہ اُمید ہوسکتی ہے کہ جس قدر زمانہ گذرتا جائیگا ماغی مستعدی کے وہ بیج جو ہم بو رہے ہیں اُگتے جاوینگے اور ہم اس اُمید سے اپنا دل خوش کر رہے ہیں کہ وہ زمانہ بہت دور نہ ہوگا جب کہ یہ کالج ہماری محنتوں اور جانفشانیوں کا ثمرہ ہے ایک بہت بڑا مرکز تعلیم کا ہو جائیگا اور ہمارے ہم مذہبوں میں علم و شائستگی پھیلانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوگا۔

۰۰- نومبر ۱۸۸۴ء کو جو ایڈریس منجانب محمڈن اینگلو اورینٹل کالج ہزاکسلنسی مارکوئس آف رپن وائسرائے و گورنر جنرل آف انڈیا کو دیا گیا تھا اُس میں سرسیّد نے اپنی خواہش اور ارادہ جو محمڈن

یونیورسٹی بنانے کا ان لفظوں میں ظاہر کیا تھا کہ "اس کالج کے بانیوں کو یہ امر مدنظر ہے کہ اپنی تجویز کو سوائے علیگڈھ کے اور مقامات تک وسعت دیں۔ اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے مقاصد کے واسطے یہ کالج مسلمانوں کی خاص حاجتوں کو رفع کرتا رہیگا۔ مگر ابتدائی تعلیم کے کالج کے دوست اور معاون اپنے ہم مذہبوں کو جو ہندوستان کے مختلف مقامات میں رہتے ہیں اس بات پر مائل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس کالج کے اعلےٰ درجوں کے واسطے کم عمر طالب علموں کے طیار کرنے کے لئے مدرسے قائم کریں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ کسی دن جب کہ ہماری آمدنیاں زیادہ بڑھ جاوینگی اور ہماری تجویزیں کمل ہو جاوینگی تو ہم حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند دام سلطنتہا کے جلیل القدر نائب السلطنت ہند سے اس بات کی درخواست کر سکینگے کہ قانونی طور پر ایک خودمختار یونیورسٹی کا رتبہ ہم کو عنایت فرمایا جائے"۔

۱۹ برس کے بعد جب کہ یہ الفاظ کہے گئے تھے ہز ایکسلنسی سر انٹنی پیٹرک مکڈانل صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و اودھ، مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں تشریف لائے اور ۲۴۔ جنوری ۱۸۹۶ء کو جناب ممدوح کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا گیا۔ اُس میں بھی یہ کہکر کہ "کالج کی عمارت کا بنیادی پتھر جب ہز ایکسلنسی ارل آف لٹن مرحوم نے رکھا۔ اُس زمانہ میں کالج کا آغاز تھا اور ہم نے اُس موقع کو اس بات کے لئے نہایت مناسب خیال کیا تھا کہ حضور ملکہ معظمہ کے نائب السلطنت کے روبرو اُن خیالات اور مقاصد اور اغراض کو جو کالج کے بانیوں اور حامیوں کو اس انسٹیٹیوشن کے قائم کرنے سے مدنظر تھے برسر عام ظاہر کریں" انہیں الفاظ کا جو اوپر بیان کئے گئے پھر اعادہ کیا اور اپنے اس ارادہ کو کہ اصلی مقصد ہمارا کالج کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانا ہے صاف صاف ظاہر کیا۔ اور جناب ہز آنر سر انٹنی پیٹرک مکڈانل صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر نے اُن کے اس مقصد کو بخوبی سمجھے اور اُسے پسند کیا۔

سنہ ۱۸۸۴ء میں جب کہ مرحوم نے پنجاب کا سفر کیا تھا اُس ایڈریس کے جواب میں جو اُن کو بمقام جالندھر ۲۰۔ اپریل ۱۸۸۴ء کو دیا گیا تھا۔ مرحوم نے اپنے اُسی دیرینہ خیال کو ان لفظوں میں ظاہر کیا۔ کہ "اے دوستو جب کہ میں نے علوم انگریزی کی اس قدر تشریح کی ہے تو اُن سے میری مراد علوم جدیدہ ہے۔ انگریزی زبان صرف اُن علوم کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور تعلیم یافتہ ہونے کا درجہ اُس سے اور اوپر ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ ہمارے مسلمان اور ہندو بھائی جو انگریزی پڑھتے ہیں اس سے ناراض نہ ہونگے کہ جس بات کو میں سچ سمجھتا ہوں اُس کو بیان کروں۔ جو تعلیم کہ انگریزی میں ہم کو ملتی ہے وہ کافی نہیں ہے، وہ اس تعلیم سے بہت پیچھے ہے جو میں چاہتا ہوں۔ یونیورسٹی کی ڈگریاں ہم تعلیم یافتہ بنانے کے لئے کافی نہیں۔ یونیورسٹیوں کی مثال اور ہمارے کالج کے لڑکوں کی مثال آقا اور غلام کی مثال ہے۔ ہم یونیورسٹیوں کے تابع ہیں۔ اُس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں جو ٹکڑا علم کا وہ دیتی ہے

اُسی کو کھا کر پیٹ بھرتے ہیں اور اُسی پر قناعت کرتے ہیں ”۔

”اے دوستو! ہماری پوری تعلیم اُس وقت ہوگی جب کہ ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ یونیورسٹیوں کی غلامی سے ہم کو آزادی ہوگی۔ ہم آپ اپنی تعلیم کے مالک ہونگے اور بغیر یونیورسٹیوں کی غلامی کے ہم آپ اپنی قوم میں علوم پھیلاوینگے۔ فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں، اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر۔ یونیورسٹی کی تعلیم ہم کو فخر نہیں بناتی ہے۔ اے دوستو میں خود بھی اُنہیں میں ہوں۔ کیونکہ مجھ کو بھی ایک یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری دی ہے۔ ہم آدمی جب ہی بنینگے جب ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہوگی“۔

سنہ ۱۸۹۶ء میں متعلق مسلمانوں کی اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے پنجاب ابزرور میں ایک چٹھی چھپی تھی اُس پر مرحوم نے ایک آرٹیکل لکھا، اور اُس میں پھر اپنے اُس پرانے خیال کو ظاہر کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”ہم بار بار بدلائل معقول و نیز بلحاظ ضروریات زمانہ حال کے اس بات کو ظاہر کر چکے ہیں کہ جو ابتر حالت اس وقت ہماری قوم کی خواہ بلحاظ تمدن یا بلحاظ تمول کے ہے اُس کی کامل اصلاح بغیر اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے ہرگز ممکن نہیں ہے۔ اور ہمارا اصلی خیال اور ہماری خاص غرض محمدن اینگلو اورنیٹل کالج علیگڈھ کے قائم کرنے سے اُسی کے وسائل کا مہیا کرنا اور اپنی قوم کی متفقہ کوششوں سے کالج کو مثل اکسفورڈ یا کیمبرج کی یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچانا تھا۔ جو کامیابی ہم کو اس وقت تک اپنے ہموطنوں اور اپنے ہمدرد حکمران انگریزی قوم کی اعانت و توجہ سے حاصل ہوئی ہے، اگرچہ وہ ہماری ابتدائی امیدوں سے بہت کچھ بڑھ کر ہے، مگر پوری کامیابی ہم کو اُسی وقت حاصل ہوسکیگی جب کہ ہماری قوم کی امداد اور سعی اور کوشش سے ہمارے پاس اس قدر سرمایہ فراہم ہو جاوے کہ ہم محمدن اینگلو اورنیٹل کالج علی گڈھ کو اُس تجویز کے مطابق جو اس وقت سے جب کہ محمدن اینگلو اورنیٹل کالج کو قائم کرنے کا ہم کو خیال ہوا تھا۔ ہمارے ذہن نشین ہے، یونیورسٹی کے درجہ تک ترقی دے سکیں۔ اور ہم نہایت تمنا اور آرزو کے ساتھ اس مبارک وقت کے آنے کی دعا مانگتے ہیں“۔

مرحوم کے انتقال سے تھوڑے ہی دن پیشتر سترھویں نومبر ۱۸۹۷ء میں جب ہز اکسلنسی لارڈ الجن ویسرائے و گورنر جنرل ہند علی گڈھ کالج کے ملاحظہ کے لئے تشریف لائے اُس وقت جو ایڈریس جناب ممدوح کو دیا گیا اُس میں بھی سر سید نے اپنا اصلی خیال ان لفظوں میں ظاہر کر دیا تھا“ کالج نے اپنے وجود کے بیس سال کے عرصہ میں تعداد طلباء میں، عمارات میں، اور شہرت میں اس قدر ترقی کی ہے کہ ہم کو اس کی توقع نہ تھی، مگر پھر بھی آخری مقصود ابھی بہت دور ہے اور ہم کو توقع نہیں ہے کہ ہماری زندگی میں وہ کامل ہو، اور وہ مقصد ہندوستان میں کیمبرج و اکسفورڈ یونیورسٹیوں کے نمونے پر ہندوستان کے مسلمانوں کے واسطے اسلامی یونیورسٹی قائم ہو جانا ہے“۔

حضرات! انتخابات متذکرہ بالا سے میں نے آپ کو بتا دیا کہ محمدن یونیورسٹی کا قائم کرنا کوئی نئی تجویز نہیں ہے بلکہ ابتدائی اور اصلی تجویز مرحوم کی ہے اور اسی کے لئے وہ عمر بھر کوشش اور اس کے قایم کرنے کے منتظر رہے ◆

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یونیورسٹی کیا چیز ہے، صاحبو - یونیورسٹی عالموں کی اُس جماعت کو کہتے ہیں جو تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہے اور اُس کے اصول قرار دیتی، اور اُس کے قاعدے بناتی، اور تعلیم حاصل کرنے والوں کو ڈگریاں عطا کرتی ہے - اور یہ جماعت جس کو یونیورسٹی کہتے ہیں - دو قسم کی ہوتی ہے - ایک یہ کہ وہ صرف امتحان لے - اور دوسری وہ جو علاوہ اس کے تعلیم بھی دے اور تربیت کا انتظام بھی کرے - انگلستان میں دونوں قسم کی یونیورسٹیاں ہیں - خاص لنڈن میں ایک یونیورسٹی ہے، جس کے ساتھ ایک کالج ہے اور ڈے اسکالر اُس میں تعلیم کے لئے آتے ہیں - مگر اُس یونیورسٹی کو تربیت سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے - اور اُس کے ساتھ کوئی بورڈنگ ہوس نہیں ہے - اور اس لئے باوجودیکہ اُس کے پروفیسر بھی کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹی سے لیاقت میں کم نہیں ہوتے - مگر چونکہ سوسائٹی یعنی عمدہ صحبت کے فائدے اس یونیورسٹی کے طالب علموں کو نصیب نہیں ہوتے، اور سوائے پڑھا دینے کے اخلاقی اور مذہبی تعلیم سے یونیورسٹی کو کچھ تعلق نہیں ہے - اس لئے لنڈن یونیورسٹی کی ڈگری پائے ہوئے بمقابلہ کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹی کے ڈگری یافتوں کے کم تر جاتے ہیں - اور اسی واسطے لنڈن یونیورسٹی بمقابلہ کیمبرج اور اکسفورڈ کے ایک غیر مفید چیز سمجھی جاتی ہے - اس لئے کہ اصل چیز جس سے انسان انسانیت سیکھے اور جنٹلمین بنے اور اخلاقی حالت میں ترقی کرے اور قومی ہمدردی کے خیالات جو صرف سوسائٹی میں رہنے اور تربیت پانے سے حاصل ہوتے ہیں اُن میں پیدا ہوں یہ بات لنڈن یونیورسٹی کے ڈگری یافتوں کو نصیب نہیں ہوتی ◆

دوسری قسم کی یونیورسٹی وہ ہے جو تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کرے، اور امتحان بھی لے، ایسی یونیورسٹیاں انگلستان میں زیادہ معزز زیادہ مفید، اور زیادہ کامیاب ہیں اور اُن میں کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹی زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں - اُن کو گورنمنٹ سے صرف چارٹر یعنی سند ڈگریوں کے دینے کی ملا ہے - مگر گورنمنٹ کو نہ اُن کے اندرونی انتظام تعلیم و تربیت سے کچھ تعلق ہے، نہ گورنمنٹ اُن کو ایک حبہ دیتی ہے - ہر یونیورسٹی کے متعلق بہت سے کالج ہیں اور اُن میں نہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں طالب علم پڑھتے ہیں - مثلاً کیمبرج یونیورسٹی میں ۱۹ کالج ہیں اور اُن میں ۳ ہزار کے قریب طالب علم پڑھتے ہیں - اُس کی اتنی آمدنی ہے کہ جس سے تمام کالجوں اور یونیورسٹی کا سب خرچ چلتا، اور پروفیسروں اور معلموں کی تنخواہ دیجاتی ہے - اور طلبا کو وظیفے ملتے ہیں - جو کالج اس یونیورسٹی سے متعلق ہیں اُن کے انتظام کی صورت یہ ہے کہ ایک عہدہ دار جس کو کالج کا ماسٹر کہتے ہیں اور جس کو قریباً ایک ہزار تنخواہ

ٹی ہے کہ جو کالج کا مسلّم بلکہ حاکم ہوتا ہے۔ اس عہدہ دار کا کام پڑھانا نہیں ہے بلکہ مدرسہ کا انتظام اور اُس کی جائداد وغیرہ آمدنی کی نگرانی اُس کے متعلق ہے۔ اُن میں مختلف علوم و فنون کے متعدد پروفیسر اور اُستاد ہوتے ہیں، تعلیم دینا اور پڑھانا اُن کے ذمہ ہوتا ہے۔ کالج میں داخل ہونے کے وقت ہر طالب علم سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس علم کو تحصیل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر طالب علم کو گو وہ کوئی علم اختیار کرے لیٹن اور گریک کی ایک مقررہ کتاب اور ان زبانوں کے قواعد اور حساب اور جبر و مقابلہ اور تحریر اقلیدس میں ایک ابتدائی امتحان دینا پڑتا ہے، اور چاروں انجیلوں میں سے ایک اصلی زبان گریک کی انجیل اور ایک کتاب جس میں عیسائی مذہب کے دلائل بیان ہوں وہ بھی امتحان میں داخل ہیں۔ یعنی علمی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی شامل اور ضروری ہے۔ ہر طالب علم کا کالج کے احاطہ کے اندر رہنا بھی لازمی ہے۔ کالج کی یہ صورت ہے کہ ہر کالج کا ایک پھاٹک ہوتا ہے۔ جس پر ایک دربان متعین رہتا ہے اور نو بجے شام کے پھاٹک بند ہو جاتا ہے اُس کے بعد کالج میں کوئی شخص نہیں آسکتا۔ ہر طالب علم کے پاس دو کمرے ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک بطور بیڈ روم کے ہوتا ہے جس میں پلنگ اور مُنہ دھونے کی میز اور کپڑوں کی الماری وغیرہ ہوتی ہے، اور دوسرا سٹنگ روم جس میں میز اور کتابوں کی الماری اور کرسیاں اور ایک کوچ ہوتی ہے اور یہ کمرہ پڑھنے لکھنے اور دوستوں سے ملنے کے لیے ہوتا ہے۔ صبح کا کھانا اور دوپہر کی چاء وغیرہ طالب علم اپنے کمرے میں کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن شام کا کھانا ہال میں کھانا ضرور ہے پھر ہر کالج کے ساتھ ایک کتبخانہ ہوتا ہے جس میں سے طالب علم کتابیں مستعار لا سکتے ہیں اور ہر ایک سے ایک چھوٹا سا گرجا متعلق ہوتا ہے جس میں سب طالب علم جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں صبح اور شام کی عبادت میں شریک ہوتے ہیں۔ طالب علموں کی قائم کی ہوئی چند سوسائٹیاں اور کلب بھی کالج میں ہوتے ہیں۔ ایک ضروری سوسائٹی اس لئے ہوتی ہے کہ جلسوں میں اسپیچ کرنے کی مہارت پیدا ہو۔ یہ سوسائٹی بالکل پارلیمنٹ کے نمونہ پر ہوتی ہے اور اس میں ہر ممبر گفتگو کرنے کا حق رکھتا ہے ایسی سوسائٹی میں اکثر وہ لوگ جو کہ پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی تمنا رکھتے ہیں یا بیرسٹر ہونا چاہتے ہیں گفتگو کی مشق کرتے ہیں۔ اسی طرح جسمانی مشق کے لئے کلب ہوتے ہیں، جس میں طالب علم اپنی فرصت کے گھنٹوں میں کرکٹ کھیلتے اور کشتی کھیلتے ہیں۔

پھر ہر ایک کالج میں متعدد فیلو ہوتے ہیں جن کا وسط قریباً فی کالج ۱۵ ہوتا ہے۔ یہ سب فیلو ملکر کالج کا بندوبست کرتے ہیں، اُن کی ایک کونسل ہوتی ہے جس کا پریسیڈنٹ کالج کا ماسٹر ہوتا ہے۔ فیلوشپ کا وظیفہ قریباً تین ہزار روپیہ سال کے ہوتا ہے اور کالج میں رہنے کے لئے اُن کو مکان ملتا ہے اُن میں سے بعض مدرسہ کی مختلف جماعتوں کو پڑھاتے ہیں مگر اُس کی تنخواہ اُن کو الگ ملتی ہے۔ اور وہ ٹیوٹر یعنی اُستاد کہلائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ نہایت عالم ہوتے ہیں اور بلا کسی خاص کام کے اُن کو یہ تنخواہ ملی جاتی ہے۔ مگر جب شادی کرتے ہیں تو بند ہو جاتی ہے اور وہ فیلو نہیں رہتے۔

اُن کو بلا کسی خاص کام کے تنخواہ دینے سے یہ غرض ہے کہ وہ علم کی ترقی کریں اور عمدہ کتابیں عام فائدہ کے لئے لکھیں، اور جوان شخصوں کو قیلو ہو انچے اور علم تحصیل کرنے کی ترغیب ہو ٭

صاحبو! یہی یونیورسٹیاں انگلستان کے نیشنل لائف کی سرچشمہ ہیں اور یہی وہ انسانی معدن ہیں، جہاں سے سیکڑوں ہیرے اور جواہر ایسے نکلے ہیں جن کی چمک دمک سے انگلستان آج منور ہے ٭

چونکہ میں یونیورسٹی کی حقیقت اور نوعیّت آپ کو بتا چکا۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ ہماری مجوزہ یونیورسٹی کو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں سے کیا خصوصیّت ہوگی۔ صاحبو۔ جتنی یونیورسٹیاں اُس وقت ہندوستان میں موجود ہیں وہ سب گورنمنٹ کی طرف سے قائم ہوئی ہیں اور گورنمنٹ ہی اُن کی منتظم ہے اور وہ صرف امتحان لینے والی جماعت ہے، نہ کہ تعلیم دینے والی اور تربیت کرنے والی، اور یہ یونیورسٹیاں لندن کی یونیورسٹی کے نمونہ پر ہیں، نہ کہ کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹیوں کے نمونہ پر ٭

حضرات! ان یونیورسٹیوں کے قائم ہونے سے اگرچہ تعلیم کو ترقی ہوئی اور مغربی علوم زیادہ پھیلے اور ایک بڑی جماعت ڈگری یافتہ طالب علموں کی ہندوستان میں پیدا ہوگئی اور بہت سے کالج بھی قائم ہوئے لیکن اس سے اعلےٰ درجہ کے ہندوستانیوں کی عموماً اور شریف خاندان مسلمانوں کی خصوصاً نہ تو حاجت پوری ہوئی اور نہ خواہش۔ اس سے صرف یہ ہوا کہ نوجوان لوگوں کی ایسی جماعت پیدا ہوگئی جو بہت جلد اپنے تکبّر میں بدنام اور مذہبی خیالات، اور قومی مراسم اور آبائی تہذیب، اور شائستگی کے چھوڑنے میں مشہور ہوگئی، اور چونکہ اُن کی تعلیم اُن کے قومی لٹریچر میں نہیں ہوئی اور وہ اس سے بے خبر رہے اس لئے انھوں نے اپنے قومی رواج اور مذہبی روایتوں اور خاندانی طریقوں سے نفرت کرنا سیکھا اور اُن کو وہ اوصاف حاصل نہ ہوئے جس سے ایک اہل یورپ اور اہل ایشیا میں تمیز ہوتی ہے۔ پس ایک قوم کا ذہن و عقل جو پیشتر سے مشرقی علوم کے بحال اور قائم رکھنے میں مشغول رہتا تھا اب مغربی لٹریچر اور علوم کے حاصل کرنے کی کوشش میں ضائع ہونے لگا۔ قومی اور مذہبی علمیت تو ہر روز کم ہوتی گئی لیکن اُس کے عوض میں کوئی ایسی جماعت پیدا نہ ہوئی جو اُس سے بہتر ہو۔ جہاں تک کہ یونیورسٹی کے نتائج پر غور کیا جاتا ہے، اور کالجوں کی حالت دیکھی جاتی ہے، یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ نہ تو یونیورسٹی کی تعلیم کے نتائج قومی تمدّن اور قومی ترقی کے موافق ہیں، نہ کوئی سرکاری کالج ایسا ہے جس میں تعلیم اُن اصولوں پر ہوتی ہے۔ جن سے اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کی حاجت پوری ہو اور قومی ترقی کی توقع کی جائے۔ بہ استثنائے چند شخصوں کے عموماً کالج کا سند یافتہ طالب علم انگریزی زبان کو بطور آلہ کے ویسے ہی استعمال کرتا ہے جیسے ایک انگریزی

چاقو سے کام لیتا ہے۔ وہ اپنے ملک میں کوئی منصب یا کوئی درجہ بہ تقاضائے تحصیل کے نہیں رکھتا اور نہ اُس کے ہم وطنوں پر اُس کا کچھ اثر ہوتا ہے۔ اُس کی بڑی تعریف اسی قدر ہے کہ اُس نے چند امتحان کامیابی سے دیئے۔ لیکن یہ تعریف بحالت عدم موجودگی مذہبی اور تمدنی اور قومی اوصاف کے ملک کی نگاہ میں کچھ وقار نہیں رکھتی ۔

اس میں ذرا بھی کلام نہیں ہے کہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں سے جو صرف امتحان کے بورڈ کا کام کرتی ہیں جو تعلیم دی جاتی ہے، وہ ایسی ہے کہ جس سے پختہ استعداد کسی خاص علم کی حاصل نہیں ہوتی بلکہ نہایت خراب طور پر علوم مختلفہ نہایت خامی کے ساتھ حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ قول کہ "ہر شے کا کچھ کچھ اور کسی شے کی ہر ایک بات" نہایت عمدہ اصول عام تعلیم کے لئے ہے۔ لیکن ہندوستان کی یونیورسٹیاں ہر شے کا کچھ کچھ تو سکھلا دیتے ہیں لیکن کسی شے کی ہر ایک بات کو نہیں سکھلاتے اور اسی سبب سے کہ ہر سال صدہا نوجوان یونیورسٹی کا امتحان دیتے ہیں، لیکن اُن میں سے ایک بھی بڑا مصنف یا صاحب علم نہیں ہوتا۔ اور یہ بات تو مسلمات میں سے ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیوی تعلیم کے ساتھ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے نہ دیئے جانے اور سوائے کتابی تعلیم کے تربیت کے وسائل مہیا نہ ہونے سے یونیورسٹی کی تعلیم کا اثر دل پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور اس سے اکثر ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کی نسبت خود منتظمان تعلیم نے کہا ہے کہ "یونیورسٹی کی تعلیم نے ملک میں صرف ایک کثیر تعداد ایسے نیم تعلیم یافتہ نوجوانوں کی پیدا کر دی ہے جن کا علم بالائی ہے، جن کی خود بینی بے حد ہے، جو تقریریں تو کرتے ہیں لیکن اُن کو اُن الفاظ کے معنی جن کو وہ استعمال کرتے ہیں یا جن فقرات کو وہ دُہراتے ہیں، اُن کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ اور جو تعلیم سے سوائے معاش حاصل کرنے کے کوئی دوسرا فائدہ نہیں سمجھتے اور معاش کو بھی سوائے سرکاری ملازمت کے اور کسی جگہ تلاش نہیں کرتے ۔

صاحبو! ۱۵۔ مئی ۱۸۹۶ء کے پائینیر میں ایک آرٹیکل چھپا تھا جس کا عنوان تھا " اضلاع شمال مغربی و اودھ میں یونیورسٹی کی تعلیم" اُس آرٹیکل کے لکھنے والے نے ایک معلم پر ہندوستان کے کالجوں کی تعلیم کی نسبت ناپسندیدگی ظاہر کی تھی اور تحریر کیا تھا کہ " اُن میں بعوض اصلی تعلیم دینے کے طوطے کی طرح باتیں یاد کرا دینے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔" اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ کالج ایسے ہونے چاہئیں جن میں تعلیم دینے والی جماعتیں ہوں۔ اور جہاں طلبا کی اخلاقی اور جسمانی تربیت کا لحاظ رکھا جائے۔ نہ صرف زبانی رٹا دینے والا کارخانہ ہو۔ جس کا اصلی مقصد یہ ہوتا ہے کہ امتحانات یونیورسٹی میں زیادہ فیصدی طالب علم پاس ہوں۔ اور کالج کی اس باب میں شہرت ہو کہ وہ بہت اچھا کارخانہ ہے۔ اسے مجموعہ نے کہا ہے " اس آرٹیکل پر مرحوم نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ " ہم اس رائے

کو دل سے پسند کرتے ہیں، مگر یہ بات کہتے ہیں کہ اس کا الزام بہ نسبت کالجوں کے زیادہ تر یونیورسٹی پر ہے۔ یونیورسٹی اپنے امتحانوں میں طالب علموں کی اصلی استعداد اُن کی اخلاقی تعلیم و تربیت سے کچھ غرض نہیں رکھتی۔ صرف اپنے سوالات کے جوابوں سے غرض رکھتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ممتحن اُن جوابوں کے نمبر دینے میں کہاں تک غور کرتے ہیں۔ پس اس صورت میں کالج بجز اس کے کہ اپنے طالب علموں کو طوطے کی طرح یاد کرا کے امتحان کے لئے طیار کریں، اور کیا کر سکتے ہیں۔ یونیورسٹی تمام ملک کی تعلیم پر پورا اقتدار رکھتی ہے اور وہی تعلیم کو اچھا یا بُرا کر سکتی ہے، کالجوں کو جو اُس کے ماتحت ہیں کچھ اختیار نہیں ہے یا بہت ہی کم اختیار ہے۔"

غرضکہ سرسیدؒ کبھی موجودہ یونیورسٹیوں کو مفید نہیں سمجھے اور نہ اُن یونیورسٹیوں کی تعلیم سے اس قسم کے مسلمان تعلیم یافتہ پیدا ہونے کی اُن کو توقع تھی، جس قسم کے تعلیم یافتہ مسلمان وہ پیدا کرنا چاہتے تھے کیا آپ لوگوں کو یاد نہیں ہے کہ اُنھوں نے ۱۸۹۳ء کی کانفرنس میں اپنی اُس اسپیچ میں جس کا نام "مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ" کیا گیا تھا: اُنھوں نے کہا تھا کہ "جس درجہ میں مَیں اپنی قوم کو لیجانا چاہتا ہوں وہ میرا مقصد صحیح ہو یا غلط، ممکن ہو یا نا ممکن، اس طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مَیں اپنی قوم کو آسمان کی مانند کیا چاہتا ہوں جو رات کے وقت ہم کو دکھائی دیتا ہے۔ جب میں رات کے وقت آسمان کو دیکھتا ہوں تو مَیں اُس کے اس حصّہ کی جو نیلا نیلا سیاہ رنگ دراوتا دکھائی دیتا ہے کچھ بھی پروا نہیں کرتا، مگر اُن ستاروں کو دیکھنا چاہتا ہوں جو اُس میں چمک رہے ہیں اور معشوقانہ انداز کی چمک سے ہم کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور جن کے سبب سے اس تمام سیاہ رو آسمان کو بھی عجیب قسم کی خوبصورتی حاصل ہوتی ہے۔

اے صاحبو! کیا تم اپنی قوم میں اس قسم کے لوگ پیدا کئے بغیر جو تمہاری قوم میں ایسے ہی چمکتے ہوں جیسے آسمان پر تارے اپنی قوم کو معزز اور دوسری قوم کی آنکھ میں با عزت بنا سکتے ہو۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔"

صاحبو! سرسیدؒ کا یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم مسلمان اپنی اغراض اور مقاصد کے مطابق تعلیم کے ساتھ تربیت کا انتظام نہ کریں اور مثل کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور اپنی خاص یونیورسٹی انہی اصول کے مطابق قائم نہ کریں جو مرحوم نے قائم کئے ہیں۔ گورنمنٹ سے یہ توقع کرنی غلطی ہے کہ ہماری مذہبی اور اخلاقی تعلیم بھی اپنے ہاتھ میں لے اور ہماری تربیت کا بھی انتظام کرے۔ اوّل تو گورنمنٹ ایسے ملک میں جہاں مختلف قسم کے مذہب اور مختلف قسم کی زبانیں جاری ہوں اور ایک فرقہ کے خیالات اور مذاق دوسرے فرقہ سے متباین کلی ہوں ایسی یونیورسٹی قائم نہیں کر سکتی جو تعلیم و تربیت کی تمام ضرورتوں کو ہر فرقہ کے

موافق پورا کرے اور گورنمنٹ اس قسم کے سامان مہیا کرنا بھی چاہے اور تعلیم و تربیت کا کام پورے طور پر اپنے ذمہ لے تو عموماً لوگوں کو بدگمانی پیدا ہو۔ اور وہ اس کو اپنے تئیں مذہب عیسوی میں شامل کرنے کے واسطے ایک نفرت آمیز تدبیر سے تعبیر کریں، اور یہی سبب ہے کہ گورنمنٹ نے مجبور ہو کر عقلی تعلیم اپنے ذمہ لی اور مذہبی اور اخلاقی تعلیم اور تربیت اُن کے والدین پر چھوڑ دی، اور اسی وجہ سے اب تک یہ مشکل مسئلہ تعلیم و تربیت کا حل نہ ہوا، اور نہ کبھی گورنمنٹ سے حل ہو سکتا ہے۔ یہ مسئلہ تو ایک قومی مسئلہ ہے جس کو ہر قوم اپنے اپنے خیالات اور خواہشات کے موافق حل کر سکتی ہے۔ اور چند اصول کی پابندی کے ساتھ گورنمنٹ نہایت خوشی سے بلکہ شکرگذاری کے ساتھ ہر قوم کو مدد دے سکتی ہے ؛؛

پس حضرات! ہماری مجوزہ یونیورسٹی کو ہندوستان کی دیگر یونیورسٹیوں سے اسی امر میں خصوصیت ہوگی کہ ہم اپنے تمام ضروری مقاصد اور قومی اغراض کا خیال رکھینگے اور اپنی خواہش اور اپنی مرضی مطابق تعلیم و تربیت کرینگے، بلحاظ تعلیم کے ہم موجودہ یونیورسٹیوں کی قیود و سلاسل سے آزاد ہو جاوینگے۔ اور دنیوی اور انگریزی تعلیم کے ہم اپنی عربی اور مذہبی تعلیم بھی جاری کرینگے، اور تعلیم کے ساتھ اپنے بچوں کی تربیت کا بھی انتظام کرینگے۔ اور ہم اپنی قوم میں اسی قسم کے طالب علم پیدا کر سکینگے جیسے کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹی میں ہوتے ہیں۔ ہماری مجوزہ یونیورسٹی صرف امتحانی بورڈ نہ ہوگی بلکہ تعلیم و تربیت کے لئے انجمن ہوگی، وہ خود اپنا نصاب تعلیمی تجویز کریگی، اور خود امتحان لیگی اور ڈگریاں دیگی۔ وہ طالب علموں کا مسکن ہوگی۔ جہاں طالب علم رہینگے اور سوسائٹی کے فوائد حاصل کرینگے۔ ہمارے بچے اپنے مذہبی طریقہ پر مذہبی فرائض و مراسم کے ادا کرنے کے پابند اور اپنے غیر متعصب اور روشن ضمیر مذہبی عالموں کی تعلیم و صحبت کے برکات سے متمتع اور مستفید ہونگے۔ اور جو کوئی دینی اور مذہبی علوم میں کمال حاصل کرنا چاہیگا اُس کو اپنی خواہش کے مطابق ایسے کمال حاصل کرنے کا موقع ملیگا۔ اور علم کو ترقی دینے اور اُسی میں مصروف رہنے کے لئے خاص خاص لائق اور شائق طالب علموں کو وظیفے دئے جاوینگے اور وہ یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہونگے۔ اُن کو اپنے لائق اور عالم پروفیسروں کی پاک صحبت نصیب ہوگی۔ اُن کے ساتھ رات دن اُن کا میل جول رہیگا۔ اُن کی سوسائٹی کی برکتوں سے اُن میں انسانیت اور تہذیب اور قومی ہمدردی پیدا ہوگی۔ تعصبات کے بیہودہ خیالات اُن کے دماغوں میں سمانے نہ پاوینگے۔ وہ انگریزوں کے ساتھ ارتباط و اتحاد رکھینگے۔ مردانہ کھیل کھیلینگے اور جس سے اُن کے دلوں میں ایک تازگی اور شگفتگی پیدا ہوگی وہ رات دن چیزیں دیکھینگے۔ وہ باتیں سنینگے جس سے انگریزی گورنمنٹ کی برکتوں اور فائدوں کی قدر کرینگے، اور برٹش سلطنت کے قیام اور استحکام کو اپنی قوم کا قیام اور استحکام سمجھینگے۔ غرضکہ اس یونیورسٹی سے وہ تمام دینی اور دنیوی برکتوں کو حاصل کر سکینگے۔ اور اگر آپ مختصر لفظوں میں سمجھنا چاہتے ہیں تو یہ سمجھ لیجئے کہ ہماری محمدن یونیورسٹی کو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں سے وہ خصوصیت ہوگی جو ہمارے کالج کو ہندوستان کے دوسرے [illegible]

سے خصوصیت ہے۔ ہمارا موجودہ محمدن کالج علی گڈھ مجوزہ یونیورسٹی کی ابتدا دراصل اُس کا نمونہ ہے۔ وہ ابھی ایک بچہ ہے جو نہایت خبر گیری اور قومی مدد سے نشوونما پاکر یونیورسٹی کے درجہ کو پہنچ جاویگا۔

حضرات! جو خصوصیت ہماری یونیورسٹی کو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں سے ہوگی، اُس کا ایک سرسری نقشہ میں نے آپ کے سامنے پیش کردیا۔ اب میں یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ کس قسم کی تعلیم اس میں دیجاویگی اور مذہبی اور اخلاق اور مشرقی یعنی عربی و فارسی وغیرہ کی تعلیم کا کیا انتظام ہوگا۔

حضرات! مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم اور غور طلب ہے، اور اس بات کا تحقیق طور پر بتانا کہ کس قسم کی تعلیم مجوزہ یونیورسٹی میں دیجاویگی، نہایت مشکل ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر مسلمان کو اپنی قطعی رائے ظاہر کرنے کا نہ صرف استحقاق حاصل ہے بلکہ میرے خیال میں فرض ہے۔ اور قبل اس کے کہ وہ وقت آوے کہ ہمارا ارادہ عملاً ظاہر ہو اور یونیورسٹی قائم۔ ایک تفصیلی تجویز تعلیم کی پیش کرنی ناممکن ہے۔ خدا جب وہ وقت لاویگا تو ایک بڑے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی جماعت کی صلاح سے تعلیم کا تصفیہ ہوگا۔ مگر یہ بات میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جب سر سید نے ابتدا میں یونیورسٹی قائم کرنے ارادہ کیا، تو اُس وقت یعنی ۱۸۷۲ء میں آنریبل سید محمود صاحب نے ایک نہایت عمدہ اسکیم تعلیم کے متعلق لکھی تھی اور سر سید مرحوم نے اُسے کسی قدر اصلاح کے بعد کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کی منظوری سے شائع کیا تھا۔ چنانچہ وہ تہذیب الاخلاق ۱۵۔ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۹ھ میں چھپی ہوئی ہے اُس اسکیم کے دیکھنے سے آپ کو بہ تفصیل معلوم ہوسکیگا کہ مجوزہ یونیورسٹی میں اُس وقت کس قسم کی تعلیم دینے کا ارادہ کیا گیا تھا۔ اور تعلیم کے کتنے درجے مقرر کئے گئے تھے اور اُس کے لئے کیا انتظام سوچا گیا تھا۔ میں خلاصہ اُس کا آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں:-

اُس میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ اس دار العلوم کے دو ڈپارٹمنٹ ہونے چاہئیں۔ اول اسکول ڈپارٹمنٹ۔ دوم کالج ڈپارٹمنٹ۔

کالج ڈپارٹمنٹ، کی نسبت تجویز کیا گیا تھا کہ اُس کے دو درجے ہونگے۔ ایک ادنے، دوسرا اعلےٰ۔ درجہ ادنے کا مقصد علم کی عام شاخوں میں تعلیم دینا ہوگا اور درجہ اعلےٰ کا مقصد کسی خاص علم میں جس کو طالبعلم پسند کرے نہایت کامل اور انتہائی تعلیم دینا ہوگا۔

کالج کے درجہ ادنے کی پڑھائی چار برس ہوگی اور اُس میں عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، لیٹن، گریک زبانوں میں سے دو زبانیں سکھائی جاوینگی۔ اور علوم میں ریاضی، علم الحرکت، علم ثقل المائ، علم مناظرہ بالہندسہ، علم آواز، علم مناظر طبعی، علم منطق، علم بیان، فلسفہ ذہنی و اخلاقی، اصول علم سیاست مدن، تاریخ عام قدیم و جدید۔ اور علوم طبعیات یعنی نیچرل سائنس پڑھائے جائینگے۔

کالج کے درجہ ادنے کی دینیات کی شاخ میں فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ علوم جو مذہب

اہل سنت و جماعت میں اور مذہب شیعہ اثنا عشریہ میں پڑھائے جاتے ہیں پڑھائے جاوینگے ❖

کالج کے درجہ اعلےٰ میں ورجہ اونے کے امتحان یافتہ داخل ہونگے اور اس میں دو برس تک پڑھائی ہوگی اور طالب علم کو اختیار ہوگا کہ مفصلہ ذیل زبانوں اور علوم میں سے کسی زبان اور کسی علم کو پسند کرے۔ زبانوں میں سے عربی مع عبری و سُریانی۔ انگریزی مع انیگلو سیکسن سنسکرت مع ژند و فارسی سنسکرت مع پراکرت و پالی۔ کوئی ایک قسم کی زبان پسند کیجا سکیگی ❖

اور علوم منطق مع علم بیان و فلسفہ ذہنی و اخلاقی۔ علم انتظام سیاست مدن مع فلسفہ متعلق سیاست و فن تاریخ۔ علوم ریاضی۔ علوم طبعیات جس سے کوئی ایک علم ❖

دینیات میں فقہ، حدیث، تفسیر، وغیرہ اعلےٰ درجہ کی سنی اور شیعہ ہر فرقہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ ہوگی ❖

جو لوگ اعلےٰ درجہ کے امتحان میں کامیاب ہونگے ان میں سے جو کوئی فیلوشپ یعنی وظیفہ رفاقت مدرستہ العلوم کی خواہش کریگا، اُس کا پھر امتحان مضمونوں کے لکھنے کے ذریعہ سے لیا جائیگا اور فیلوشپ کے لئے ۳۰ وظیفے مقرر ہونگے اور ہر وظیفہ چھ سو روپیہ سالانہ کا اور ہر فیلو کو حدود مدرستہ العلوم میں رہنا پڑیگا۔ منجملہ ان ۳۰ وظیفوں کے ۵ وظیفے دینیات کے لئے ہونگے ❖

یہ ایک سرسری خلاصہ اور نقشہ اُس نقشہ کا ہے جو یونیورسٹی قائم ہونے اور کالج کے پورے اور مکمل ہونے کے لئے تجویز کیا گیا تھا ❖

مگر جب مدرسہ قائم ہوا تو کالج میں دو ڈپارٹمنٹ کھولے گئے۔ اول انگلش ڈپارٹمنٹ جس میں تمام علوم انگریزی زبان میں پڑھائے جاتے اور عربی یا فارسی یا سنسکرت بطور سیکنڈ لینگوج کے پڑھائے جاتے۔ دوم اورینٹل ڈپارٹمنٹ جس میں علم ادب عربی یا فارسی زبان میں اور تاریخ جغرافیہ اور ریاضی وغیرہ علوم فنون اردو زبان میں پڑھائے جاتے، اور انگریزی بطور سیکنڈ لینگوج کے سکھائی جاتی۔ مگر اورینٹل ڈپارٹمنٹ نے کچھ ترقی نہیں کی اور آخر وہ توڑ دیا گیا ❖

بعد وفات سرسید کے جب کہ اُن کی یادگار میں مدرستہ العلوم کو محمدن یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچانے کی تجویز کی گئی تو ایک کمیٹی خاص سلسلہ تعلیم کے تجویز کرنے کے لئے مقرر کی گئی مگر ابھی وہ پورے طور پر قائم نہیں ہوئی، اور نہ سلسلہ تعلیم پورے طور پر قرار دیا گیا۔ اس لئے کہ یہ نہایت مشکل کام ہے اور نہایت لائق اور عالم لوگوں کی صلاح و مشورہ کا محتاج ہے۔ مگر یقیناً اُس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم ہوگی اور اُس کے ساتھ تربیت کا کامل انتظام کیا جائیگا۔ اُس یونیورسٹی میں غالباً تین فیکلٹیز ہونگی (۱) مغربی علوم کے واسطے (۲) مشرقی علوم کے لئے (۳) سائنس کیلئے، اور ہر ایک فیکلٹی کے لئے متنوع پروفیسر مقرر کئے جاوینگے ❖

مغربی علوم کی تعلیم میں یہ چیزیں ہونگی :-

(۱) انگریزی لٹریچر (۲) زبان انگریزی (۳) فلسفہ (۴) سائنس (۵) ریاضی علم (۶) تاریخ (۷) پولیٹیکل اکونمی (۸) پولیٹیکل سائنس (۹) قانون (۱۰) ماڈرن فرنچ اور جرمن زبانیں (۱۱) کلاسیکل یونانی اور لیٹن زبانیں *

مشرقی فیکلٹی میں یہ زبانیں پڑھائی جاوینگی :-

(۱) علم ادب عربی (۲) تاریخ (۳) فارسی (۴) سنسکرت (۵) دینیات مذہب اہل سنت جماعت و مذہب شیعہ اثنا عشریہ، جس میں فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ وہ علوم مذہبی پڑھائے جاوینگے۔ اور وہ کتابیں درس میں داخل ہونگی جن کو ہر فرقہ کے مستند علما اور دینداروں کی کمیٹی تجویز کریگی *

فیکلٹی آف سائنس، اس قدر غیر محدود ہے کہ اس وقت اور اس موقع پر اُس کی تشریح کی ضرورت نہیں *

یہ امر کہ مغربی اور مشرقی تعلیم علیحدہ علیحدہ رکھی جائے یا ملائی جائے ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر لوگوں کی رائیں مختلف ہونگی۔ اور یہ بات کہ دینی اور دنیوی تعلیم کیونکر ملائی جائے اور مسلمانوں کی تعلیم کا ایسا نصاب کیونکر مقرر کیا جائے کہ جس سے ڈگری ہر دلعزیز ہو جائے اور علمی لیاقت بھی اچھی پیدا ہو نہایت غور طلب ہے۔ اور جب تک کہ نہایت اعلےٰ درجہ کے لوگوں سے جو مشرقی اور مغربی علوم میں کامل یا دونوں سے واقف ہوں رائے نہ لیجاوے، اور اُس پر بڑی بحث نہ ہو، اُس کا تصفیہ اس وقت نہیں ہو سکتا۔ مگر اس اصول کو یقینی اور لازمی سمجھ لینا چاہئے کہ دنیوی تعلیم کے ساتھ دینیات کی تعلیم ہر شخص پر لازم ہوگی۔ اور مشرقی علوم کی تعلیم کی بھی ایک شاخ قائم کی جاویگی *

تعلیم کے علاوہ تربیت بھی ایک نہایت ضروری چیز ہے جس کے بغیر تعلیم بیکار اور بے سود ہے اور اُس کے لئے بھی یہ امر تصفیہ طلب ہے۔ کہ کالج میں طالب علموں کا رہنا لازمی قرار دیا جائے یا نہیں جو لوگ اس زمانہ کی مغربی تعلیم و تربیت کے اصول و فوائد سے واقف ہیں وہ بالضرور یہ رائے دینگے کہ سکونت ہر طالب علم کی کالج کے احاطہ کے اندر لازمی قرار دیجائے۔ تاکہ محمڈن یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ کے معنی صرف یہ نہ ہوں کہ وہ دنیوی اور دینی علوم میں ایک خاص قابلیت رکھتا ہے۔ بلکہ اُس سے یہ بھی ظاہر ہو کہ وہ ایک قابل تربیت یافتہ قوم کا رکن ہے۔ بعض لوگ غالباً اس سکونت کے لازمی قرار دئے جانے سے اختلاف کرینگے۔ اور اس لئے اس امر کا فیصلہ بھی بعد غور اور بحث کے ہوگا۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے اور یہی رہیگی۔ کہ یہ امر لازمی قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ تربیت صرف عمدہ نصیحتوں اور اچھے وعظوں سے نہیں ہو سکتی بلکہ اعلےٰ قسم کی تربیت اُسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ تمام لڑکے لائق پروفیسروں کی زیر نگرانی ایک جگہ رکھے جاویں، اُن کے لئے ورزش کا سامان مہیا کیا جائے اور اُن کی فرصت کا

وقت علمی جلسوں اور اعلیٰ درجہ کی اخلاقی سوسائٹی میں صرف ہو، طالب علموں اور پروفیسروں کے باہمی میل جول سے ایک خاص قسم کے عمدہ خیالات پیدا ہوتے ہیں، جن کا اثر عالمانہ لکچروں اور پُرزور تقریروں اور پاکیزہ وعظوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ جو طالب علم علحدہ ایک مکان میں رہتے ہیں اُن کی فرصت کا وقت یا تو شہر کی بُری سوسائٹی اور بازار کی سیر میں صرف ہوتا ہے، جس کا اثر اُن کے چال چلن پر بہت بُرا پڑتا ہے یا سُستی اور پڑے رہنے میں بالکل ضائع ہوتا ہے جس سے آیندہ زندگی میں کسی کام کے کرنے کا جوش اُن میں باقی نہیں رہتا ۔

حضرات! متعلق تعلیم و تربیت مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کے مَیں ضروری باتیں عرض کر چکا۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ جو روپیہ جمع ہوگا، وہ کس کی حفاظت میں رہیگا، اور کس کے اختیار سے خرچ ہوگا۔ اور جب تک پورا روپیہ نہ ہو سرمایہ جمع شدہ سے کیا کیا جائیگا ۔

صاحبو! جو اجلاس میموریل فنڈ کمیٹی کے اب تک ہوئے ہیں، اُن میں یہ امور قرار دئے گئے ہیں ۔

اوّل۔ جو روپیہ جمع ہوگا وہ اگر گورنمنٹ منظور کرے تو صاحب کلکٹر علی گڈھ کی حفاظت میں علی گڈھ کے خزانہ میں رکھا جائیگا۔ ورنہ بنک آف بنگال میں امانت رہیگا۔ کسی ممبر یا سکرٹری یا پریسیڈنٹ میموریل فنڈ کمیٹی کے قبضہ میں یا کسی اور جگہ نہ رہیگا ۔

دوم۔ ہر شخص کو جو روپیہ دے ضابطہ کی رسید دیجائیگی ۔

سوم۔ جو روپیہ جمع کیا جائیگا وہ اُسی چیز میں صرف ہوگا جسکے لیئے وہ جمع کیا گیا ہے ۔

چہارم۔ بدنصیبی سے جو روپیہ کالج کا غبن ہوگیا ہے اور جو قرضہ بنک وغیرہ کالج کے ذمہ سرسیّد کے زمانہ تک کا ہے وہ میموریل فنڈ سے ادا کیا جائیگا ۔

پنجم۔ کالج کے معمولی اخراجات میں سے کسی قسم کا خرچ میموریل فنڈ کے اصل سرمایہ کیپیٹل فنڈ سے نہ ہوگا ۔

ششم۔ جو روپیہ بعد ادائے قرضہ غبن کے باقی رہیگا۔ وہ میموریل کیپٹل فنڈ میں جمع ہوگا، اور اس سے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ یا ٹرسٹ انوسٹمنٹ خریدے جاوینگے۔ اور جو روپیہ اِس شرط پر دیا جاویگا کہ سود میں نہ لگایا جاوے وہ بذریعہ دوامی یا اراضی معافی دوامی یا حقوق زمینداری کی خرید میں لگایا جاویگا اور جب تک ایسی جائداد خریدی جاوے روپیہ امانت رہیگا ۔

ہفتم۔ جو مسلمان چندہ دینے کے وقت یہ شرط کریگا کہ اُس کا خطبہ تعلیم مذہبی شیعہ یا سنّی میں خرچ ہو تو وہ اُسی طرح خرچ ہوگا ۔

ہشتم۔ واسطے تجویز اور منظور کرنے خرچ کے جو اس میموریل فنڈ یا اُس کے منافع سے ۔

ایک بورڈ آف ڈائرکٹرز مقرر ہوا ہے۔ جس میں علاوہ میرے یہ لوگ شامل ہیں۔

نواب انتصار الملک مولوی محمد مشتاق حسین صاحب ✣

حاجی محمد اسمٰعیل صاحب ✣

صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب ✣

سردار محمد حیات خاں بہادر سی۔ایس۔آئی ✣

مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین خاں بہادر ✣

خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب ✣

آنریبل سید محمود ✣

ممتاز الدولہ نواب محمد فیاض علی خاں بہادر ✣

نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی ✣

محمد فضل اللہ خاں صاحب ✣

مسٹر تھیوڈور بیک ✣

اور اس لوکل کمیٹی کا پریسیڈنٹ جس نے دو ہزار روپیہ سے زیادہ اس فنڈ کے لئے روپیہ جمع کیا ہو۔ اور بذریعہ خط کے بورڈ آف ڈائرکٹرز میں شریک ہونا پسند کرے اور اس کے سکرٹری بالفعل تھیوڈور بیک صاحب مقرر ہوئے ہیں ✣

نہم۔ کالج کے ٹرسٹیوں کو اس روپیہ سے کچھ تعلق یا اس پر کچھ اختیار نہ ہوگا۔ بلکہ میموریل فنڈ کے مقرر کردہ بورڈ آف ڈائرکٹرز کے اختیار میں ہوگا کہ بپابندی ضوابط مقرر کردہ میموریل فنڈ کمیٹی کے وقتاً فوقتاً جس قدر مناسب اور ضروری خیال کریں اس فنڈ میں سے کالج کے ٹرسٹیوں کو رقم مجوزہ حوالہ کریں ✣

دہم۔ بعد ادائے قرضہ بنک وغیرہ کے جو ذمہ کالج کے سرسید کے زمانہ کا ہے جب تک دو لاکھ روپے جمع نہ ہو جاوینگے کیپٹل فنڈ میں سے کسی کام میں کچھ خرچ نہ ہوگا۔ صرف اس کے منافع کی آمدنی ضروری اخراجات کالج میں لگائی جاویگی ✣

یازدہم۔ آمدنی اور خرچ کا ایک تفصیلی نقشہ ہر مہینہ بذریعہ اخبارات کے پبلک کی اطلاع کیلئے شائع ہوا کریگا اور ہر ششماہی پر ایک سرٹیفکٹ بنک آف بنگال یا کلکٹری کے خزانہ کا جہاں اس فنڈ کا روپیہ نقد یا پرامیسری نوٹ وغیرہ کے ذریعہ سے جمع ہو عام کی اطلاع کے لئے چھاپ دیا جایا کریگا۔ جس میں یہ درج ہوگا کہ اس قدر روپیہ نقد یا اس کے پرامیسری نوٹ وغیرہ امانت میں جمع ہیں۔ اور اس پر اس ایمن کے خواہ وہ کلکٹر ضلع ہو یا بنک آف بنگال کا مینجر باضابطہ دستخط ہونگے۔ تاکہ پبلک کو یقیناً معلوم ہو سکے۔ کہ فلاں فلاں خزانہ میں اس قدر روپیہ اس مد کا موجود ہے ✣

دوازدہم۔ جو رقم بذریعہ چک کے خرچ کے لئے منگائی جاوے اگر وہ ایک ہزار یا ایک ہزار سے کم ہو۔ تو اس پر سکرٹری بورڈ آف ڈائرکٹرز کے دستخط کافی ہونگے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہو تو علاوہ سکرٹری کے اس کمیٹی کے پریسیڈنٹ اور وائس پریسیڈنٹ کے بھی دستخط لازمی ہونگے ✣

حضرات! متعلق مجوزہ یونیورسٹی کے جتنی ضروری باتیں تھیں میں بیان کر چکا اور جو فنڈ اُس کے لئے جمع ہو تو اس کی حفاظت اور خرچ کے لئے جو قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے وہ بھی میں آپ کو سنا چکا۔ اب مجھے چند ضروری باتیں عرض کرنی باقی ہیں :-

اول یہ کہ محمدن کالج کیونکر یونیورسٹی بنایا جائیگا ❊

دوم یہ کہ گورنمنٹ سے یونیورسٹی کے چارٹر یعنی سند ملنے کی کیا امید ہے ❊

سوم یہ کہ دس لاکھ کی مجوزہ رقم کیونکر جمع ہو سکیگی ❊

چہارم یہ کہ صوبۂ پنجاب ہی اس کام میں مالی مدد دینے کے لئے کیوں مقدم سمجھا گیا ❊

حضرات! پہلے امر کے متعلق مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ محمدن یونیورسٹی کوئی علٰحدہ چیز نہ ہوگی بلکہ جس طرح کہ اسکول سے کالج بنگیا۔ کالج ترقی پاتے پاتے یونیورسٹی بنجاویگا۔ اور وہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ ہم مغربی علوم کے ساتھ مشرقی علوم کی تعلیم کا انتظام کریں۔ دینیات کی تعلیم کو ترقی دیں جو علوم کالج میں اب نہیں پڑھائے جاتے اُن کے پڑھائے جانے کا بندوبست کریں۔ طلبہ کے لئے زیادہ وظیفے مقرر کریں۔ اُن کی تعداد بڑھائیں بلحاظ ضرورت لائق پروفیسر جمع کریں۔ اور جب کالج میں طلباء اور پروفیسروں کی تعداد اس قدر ہو جاوے جتنی کہ تین یا چار کالجوں میں ملکر ہوتی ہے ۔ تب ہم اپنی مرضی کے مطابق نصاب تعلیم مقرر کرنے کی تجویز اور گورنمنٹ سے ڈگری دینے کے لئے چارٹر لینے کی درخواست کریں ❊

صاحبو! یونیورسٹی کوئی بنی بنائی چیز نہیں ہے جو بازار میں بکتی ہو کہ ہم اُسے جاکر خرید لائیں ہمارے پاس ایکدم سے اتنا روپیہ ہو سکتا ہے کہ ہم اُس کی قیمت ادا کر سکیں۔ یونیورسٹی بحقیقت چند لائق پروفیسروں۔ فیلوز۔ اور طالب علموں کی بڑی تعداد کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ایکدم حاصل ہو سکے۔ اُس کی تو یہی صورت ہے کہ جیسے جیسے ہماری آمدنی بڑھتی جائے اُسی نسبت سے کالج کو ترقی دیتے جائیں تاکہ رفتہ رفتہ جس طرح ایک پودا نشو نما پاکر درخت بن جاتا ہے۔ ہمارا کالج بھی ایک عالیشان اور بزرگ انسٹیٹیوشن ہو جائے اور اس طرح پر جس یونیورسٹی کی ہم کو خواہش ہے اُس کی سی وسعت حاصل کرے اور محمدن کالج کے بجائے محمدن یونیورسٹی ہو جائے ❊

رہا یہ امر کہ ہم کو گورنمنٹ سے یونیورسٹی کے چارٹر یعنی سند ملنے کی کیا امید ہے۔ اس کی نسبت بعض ناواقف لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سر سیّد مرحوم نے جو اول ارادہ یونیورسٹی قائم کرنے کا کیا تھا اُسے اس لئے ترک کر دیا کہ گورنمنٹ سے اُس کی منظوری حاصل کرنے میں مشکلات معلوم ہوئیں سو یہ غلط ہے۔ ان کا ارادہ یونیورسٹی قائم کرنے کا اخیر وقت تک قائم رہا جیسا کہ میں

خود اُن کی تحریروں سے اور ثابت کر چکا ہوں اگر بوجہ نہ ہونے کافی سرمایہ کے جو یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے ضرور تھا اُن کا ارادہ پورا نہ ہوسکا۔ یونیورسٹی تو اُسی وقت قائم ہوسکتی تھی، جب کہ محمدن کالج میں طالب علموں اور پروفیسروں کی تعداد تین یا چار کالجوں کے برابر ہوتی۔ یا اس ملک میں چند اور مسلمانی کالج ایسے ہوتے جو یونیورسٹی میں شامل کئے جاسکتے۔ کیمبرج میں ۱۹ کالج ہیں اور تین ہزار طالب علم اُن میں پڑھتے ہیں۔ تب اُس کے لئے ایک یونیورسٹی قائم ہے۔ ہمارے یہاں جب تک کم سے کم ایک کالج یا متعدد کالجوں میں ایک ہزار طالب علم بھی نہ ہوں کیونکر یونیورسٹی قائم ہوسکتی تھی اور یہ بھی تو خیال فرمائیے کہ یونیورسٹی قائم کرنا تعلیمی کوششوں کا آخری درجہ ہے۔

پہلا درجہ تعلیم کا اسکول کا قائم کرنا ہے۔ پھر کالج کا۔ پھر یونیورسٹی کا۔ سید صاحب مرحوم کو بہشت اُن کی مرضی کے موافق کہاں اتنا روپیہ ملا کہ وہ سب درجے ایک ہی مرتبہ قائم کردیتے۔ جیسے جیسے روپیہ اُن کو ملتا گیا اُسی کے مطابق وہ تعلیمی درجے قائم کرتے گئے۔ یکم جون ۱۸۷۵ء میں اسکول کی جماعتیں قائم کیں۔ یکم جنوری ۱۸۷۸ء سے ایف۔ اے، کی پڑھائی شروع کی۔ اور یکم جنوری ۱۸۸۱ء سے بی۔اے، کی اور ۱۸۸۲ء میں آخری درجہ ایم۔اے کا قائم کیا۔ اگر اُن کو اُن کی خواہش کے مطابق کافی سرمایہ ملتا، تو وہ بالضرور یونیورسٹی کے قائم کرنے میں کامیاب ہوتے اور مجھے پورا یقین ہے کہ گورنمنٹ خوشی سے اُن کی درخواست منظور کرتی۔

اب جو ہم نے مرحوم کی یادگار میں اُن کی اُس خواہش کے پورا کرنے کا ارادہ کیا ہے اس میں بلاشبہ لوگوں کو یہ خیال ہوگا کہ گورنمنٹ ایسی اجازت نہیں دیگی۔ مگر نہ صرف میرے خیال میں بلکہ اکثر اہل الرائے انگریزوں کے نزدیک گورنمنٹ کی نسبت ایسا خیال کرنا غلطی ہے۔ اور گو ہم کو اس بات کے کہنے کا استحقاق نہیں ہے مگر ہم بہت سی ایسی وجوہ رکھتے ہیں جن سے گورنمنٹ کی منظوری کی اُمید ہوسکتی ہے۔

اول یہ کہ۔ گورنمنٹ کی ہم کو عام پالیسی معلوم ہے کہ اُس نے اعلیٰ تعلیم کی ذمہ داری اپنا فرض سمجھ کر اپنے ذمہ نہیں لی ہے بلکہ مجبوری۔ اگر اعلیٰ تعلیم کا انتظام کوئی قوم اپنی خواہشوں اور حاجتوں اور گورنمنٹ کے اطمینان کے لائق کرے، تو ضرور مدبّران سلطنت کبھی اعلیٰ تعلیم کو اپنے ذمہ نہ لیں۔

دوم یہ کہ۔ بہت سے مدبّران سلطنت اور اکثر صاحب الرائے انگریزوں کی یہ خواہش ہے کہ اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہندوستان کے باشندوں کو خود کرنا چاہئے۔ پس اگر کوئی قوم اپنی تعلیم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا چاہے اور گورنمنٹ کو اُس پر پورا اطمینان ہو تو گورنمنٹ بجائے اس کے کہ اس میں حائل ہو اُس میں مدد کرنے سے خوش ہوگی اور جو کام مجبوری سے اُس نے اپنے ذمہ لیا ہے یعنی

اعلیٰ تعلیم کا دینا اس سے سبکدوش ہو کر اپنا اصلی فرض یعنی ادنیٰ تعلیم کا دینا اپنے ذمہ رکھیگی۔ اور یہ خیال میرا اُن تحریروں اور تقریروں پر مبنی ہے جو اُن مدبران سلطنت نے کی ہیں جن کے ہاتھ میں اس ملک کی حکومت کی عنان ہے +

ہز اکسیلنسی لارڈ لٹن کو جب کہ وہ کالج کے فونڈیشن کی رسم ادا کرنے کے لئے علیگڈھ میں تشریف لائے تھے جو ایڈریس دیا گیا تھا اُس میں سر سید نے بانیان کالج کا یہ ارادہ صاف ظاہر کر دیا تھا کہ "آئندہ یہ کالج یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچایا جائیگا" اور گورنمنٹ سے مدد ملنے کی امید بھی ان لفظوں میں ظاہر کی تھی "ہم کو اس باب میں کچھ شبہ نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ انگریزی اور ہمارے خاص ہموطن دونوں ایسے فیاضانہ طریقہ میں ہماری اس سے بھی زیادہ مدد کرتے رہینگے جس کی بدولت ہمارے ارادوں کو وسعت حاصل ہوئی ہے تاکہ جو بیج ہم آج بوتے ہیں اُس سے ایک ایسا زبردست درخت پیدا ہو جس کی شاخیں اس ملک کے بڑ کے درخت کی مانند پھر زمین میں مضبوط جڑ پکڑ جاوینگی اور اُن سے نئے قوت دار پودے پیدا ہونگے اور یہ کالج پھیلکر ایک یونیورسٹی ہو جائیگا" اس کے جواب میں ہز اکسیلنسی نے جو کچھ فرمایا وہ اس خواہش کے پورا ہونے کے لئے نہایت امید دلانے والا تھا۔ پہلے لارڈ ممدوح نے یہ فرمایا کہ "جس تقریب کے لئے ہم اس وقت جمع ہوئے ہیں وہ تقریب ہندوستان کی حالت معاشرت کی اُس ترقی میں جو زمانہ حکومت انگریزی میں ہوئی ہے ایک نیا دور قائم کرتی ہے" پھر فرمایا کہ "گورنمنٹ ہند کو کوئی بات اس سے زیادہ تہ دل منظور نہیں ہے کہ اُس کی تمام رعایا اعلیٰ سے لیکر ادنے تک اُس کی حکومت کے سیدھے سادہ اصول کو کامل طور سے سمجھ لیں۔ مگر میرے نزدیک یہ مقصد اُس وقت تک پورا پورا حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ انگریزی طرز حکومت کے بڑے بڑے مسائل صرف ہندوستانی زبان ہی میں نہ ہو جاویں بلکہ ہندوستانیوں کے خیالات میں بھی پڑ جاویں یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے کام کے لئے تربیت یافتہ ہندوستانیوں کا ایک گروہ دو چند انگریز عہدہ داروں یا بہت سے یورپین عالموں سے زیادہ لائق ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ اس کام میں کامیاب ہونگے وہ صرف گورنمنٹ ہی کے حق میں نہیں بلکہ اپنے تمام ہموطنوں کے حق میں ایک ایسی خدمت کرینگے جو اس کی جس قدر قدر کیجاوے تھوڑی ہے اور جبکہ میں دل سے اُس کامیابی پر جس سے آپ اُن مشکلات پر غالب ہوئے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، تو میں صرف آپ ہی کو اس کامیابی پر مبارکباد نہیں دیتا، بلکہ ہندوستان کی تمام شاہنشاہی کو اس امید سے مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ آپ کی کامیابی اور جگہ بھی اسی قسم کے ارادوں کی تحریک کا نہ صرف عقلی تربیت کی اشاعت کے لئے بلکہ اس چیز کے لئے جو اُس سے بھی زیادہ اہم یعنی عقلی تربیت کی قدر دانی کے لئے ذریعہ ہو گی" +

آنریبل [illegible] ایم گرانٹ ڈف نے اپنی ۱۰ - اگست ۱۸۸۲ع کی اسپیچ میں [illegible]

میں دی تھی یہ فرمایا کہ "ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے آئندہ کے لوگ سیلف ہیلپ یعنی اپنے آپ کسی کام کرنے کی اس عمدہ نظیر کی نسبت ہمارے پسند کی ایک عام نشانی تصور کرینگے۔ اگر سیلف ہیلپ کی اس قسم کی چند مثالیں اور موجود ہوں تو ہندوستان میں ایجوکیشن کمیشنوں کی کچھ ضرورت نہ ہوگی"۔

انڈین ایجوکیشن کمیشن جو ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی تھی اُس نے اپنی رائے اس کالج کی نسبت یہ ظاہر کی کہ "علی گڈھ سوسائٹی نے بلاشبہ ایک ایسی نظیر قائم کی ہے کہ اگر اُس کی پیروی کسی بڑے درجہ تک کی جاوے تو وہ قومی تعلیم کے مسئلہ کو حل کردیگی اور جن شخصوں نے ایسی سرگرمی اور جانفشانی کے ساتھ کوششیں کی ہیں اُن کی نسبت نہایت اعلےٰ درجہ کے ستائش آمیز الفاظ میں ذکر کرنا یا اُس رفیق و مددگار کی قدر و منزلت کا مناسب سے زیادہ اندازہ کرنا مشکل ہے جو گورنمنٹ کو تعلیم رعایا کے باب میں مل گیا ہے"۔

ہزآنر سر الفرڈ لائل لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی نے بجواب ایڈریس کے اس کالج کی نسبت یہ کہا تھا کہ "اس نظیر کے قائم کرنے سے اس کالج کے بانیوں نے گورنمنٹ اور رعایا اور علی العموم ہندوستان کی تعلیم کے حق میں ایک عمدہ خدمت کی ہے کیونکہ وہ ہم کو ایک ایسے مسئلہ کے حل کرنے میں مدد دے رہے ہیں جو شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں خاطر خواہ طور پر حل ہوا ہے یعنی سلطنت اور اُس کی رعایا کی تربیت یافتہ قوموں کے باہمی اتفاق کے ذریعہ سے ایک ایسے طریقہ میں تعلیم کے سرانجام دینے کا مسئلہ جو لوگوں کی میلان طبع کے موافق ہو اور جس سے تعلیمی ضرورتیں رفع ہوں اور تعلیم رعایا کے اصلی خیالات کے موافق ہوجاوے، جو مقصد کہ ہم سب کو مدنظر ہے وہ بالکل عیاں اور بغیر کسی شبہ کے ہے۔ یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام فرقہ کے لوگوں کو اُن کی حیثیت اور لیاقت اور ضرورتوں اور جو موقع اُن کی تعلیم و تربیت سے نفع اُٹھانے کے واسطے حاصل ہو اُن کے موافق تعلیم دیجاوے"۔

سر چارلس کراسٹھویٹ نے ۱۸۹۳ء میں بجواب ایڈریس کے محمڈن کالج کی نسبت فرمایا تھا۔ کہ اُس سے بہتر کوئی کام نہ صرف ان اضلاع اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کے مسلمانوں کے نیز بہت سی اور قوموں کے واسطے جو اس بڑے ملک میں آباد ہیں بلکہ نیز اُس گورنمنٹ کے واسطے بھی نہیں کیا جاسکتا ہے جس کے ذمہ اُس کے انتظام کی بڑی ذمہ داری ہے۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ ایک انسٹیٹیوشن جو مثل اس کے اُن لوگوں کی کوششوں سے قائم ہوا ہو جن کے واسطے وہ مقصود ہو، گورنمنٹ یا کسی دوسری خارجی قوت کے کام کی بہ نسبت قابلیتاً زیادہ تر کامیاب ہوگا۔

ہزآنر سر انٹنی پیٹرک مکڈانل لفٹنٹ گورنر اس ممالک نے جو جواب ٹرسٹیان کالج کے ایڈریس کا ۲۴- جنوری ۱۸۹۵ء کو دیا تھا اُس میں فرمایا تھا کہ "میں صاف دلی کے ساتھ یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ

میں اس انسٹیٹیوشن کو نہایت عزت کے لائق سمجھتا ہوں جس طرح پر کہ میں ایک شخص کو پسند کرتا ہوں
اُسی طرح پر میں اُس انسٹیٹیوشن کو پسند کرتا ہوں جو اپنے آپ پر بھروسہ رکھتا ہو اور فخر یہ طور پر آزاد ہو
اور اُسی ساتھ گورنمنٹ کی فیاضانہ مدد کی بھی بطور قدر کرتا ہوں ایک ایسی کالج کی قدر کرتا ہوں جیسا کہ یہ ہے جو اس حالت
میں جب کہ وہ خاص اپنے عقیدہ کی تلقین کرتا ہے دوسرے شخصوں کے اعتقادات کی نسبت تحملانہ
برتاؤ کرتا ہے۔ آپ کے ایڈریس میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کالج میں "مذہبی تعلیم دنیوی تعلیم کے ساتھ
دیجاتی ہے" یہی وہ طریقہ تعلیم ہے کہ جب کبھی مجھ کو موقع ملا ہے تو میں نے اس لحاظ سے کہ وہ سچا طریقہ
ہے ہمیشہ اُس کی نسبت سفارش کرنے کے لئے کوشش کی ہے۔ اخلاق کے بڑے بڑے اصول کسی
خاص قوم یا فرقہ کا حصہ نہیں ہے مسلمانوں اور ہندؤں اور نیز عیسائیوں کے کالج میں یہ اصول وہ تلقین
کئے جاسکتے ہیں اور اس بات کے معلوم ہونے سے مجھ کو نہایت رضامندی حاصل ہوئی ہے کہ اس
کالج کے ڈائرکٹر اس قاعدہ کو تسلیم اور اس پر عمل کرتے ہیں کہ (مطابق اُن الفاظ کے جو اس امر کی نسبت
ایڈریس میں بیان کئے گئے ہیں) دنیوی تعلیم بغیر مذہبی تعلیم و تربیت کے ایک بے سود و
غیر مؤثر کام ہے ÷

اس کے بعد ہز ازنے صاف صاف لفظوں میں اس کالج کو ترقی پاکر آیندہ محمدن یونیورسٹی
ہوجانے کی امید کی نسبت یہ الفاظ فرمائے ÷

"Gentlemen, I shall not detain you longer, but before I con-
-clude I must wish this College every success, I wish it all
the success which was hoped for in the eloquent words
addressed to Lord Lytton when he laid the foundation stone
nearly twenty years ago. It is not too much to hope that this
College will grow into the Mohamedon University of the
future; that this place will become the Cordova of the
East and that in these cloisters Mohamedon genius will dis
Cover, and under the British protection; work out that
social, religious and political regeneration, of which
neither Stamboul nor Mecca afford a prospect."

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ :-

اے صاحبو! میں آپ کو زیادہ تر تکلیف نہیں دینا چاہتا ہوں لیکن قبل اس کے کہ میں اپنی گفتگو ختم کروں میں اس کالج کے

تم ہی طرح کامیابی کی طرف قدم اُٹھاتا ہوں اور اسی کی تحریک سے پورے طور پر کامیابی کی دعا مانگتا ہوں جس کی امید ان فصیح الفاظ میں ظاہر کی گئی تھی جو لارڈ لٹن کی خدمت میں اُس وقت عرض کئے گئے تھے جب کہ انہوں نے قریب بیس برس پہلے اس کالج کی بنیاد کا پتھر رکھا تھا۔ اس بات کی اُمید کرنا" کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ یہ کالج ترقی پا کر آئندہ مسلمانوں کی بڑی درسگاہ ہو جاویگا اور یہ مقام مشرق کا قرطبہ ہو جاویگا اور ان حجروں میں مسلمان اپنی فہم و ذکاوت سے اُس سوشل اور ریلیجس اور پولیٹیکل سرسبزی کی تدبیر سوچینگے جس کی نہ استنبول اور نہ مکہ میں توقع ہو سکتی ہے اور گورنمنٹ انگریزی کی حمایت میں اُس پر عمل کرینگے ۔

میں نہیں سمجھتا کہ جو کچھ میں نے آپ کو سنایا اُس کے سننے کے بعد بالخصوص جو صاف صاف امید ہز آنر سر انٹینی پیٹرک میکڈانل صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی نے دلائی ہے کسی کو اس بات کے خیال کرنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ اگر قوم اس کے لئے کافی سرمایہ جمع کردے اور جن اصولوں پر یہ کالج قائم کیا گیا ہے وہی اصول نہایت استحکام کے ساتھ قائم رکھے جاویں اور جو اطمینان گورنمنٹ کو اس وقت کالج کی تعلیم اور یہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی راستبازی اور وفاداری اور گورنمنٹ کی برکت سے مستفید ہونے کی قدر شناسی کی نسبت ہے بدستور قائم رہے تو گورنمنٹ یونیورسٹی کے چارٹر دینے میں تامل کریگی۔ اور سوائے اس کے کالج کے یونیورسٹی ہو جانے میں کوئی نئی بات ہم کو گورنمنٹ سے حاصل کرنی نہیں ہے ۔

حضرات! میں سب باتوں کو بیان کر چکا اب مجھے صرف اس سوال کا جواب دینا ہے کہ دس لاکھ روپے کی رقم کیونکر جمع ہوسکیگی؟

صاحبو! اس رقم کی تو کیا حقیقت ہے اس سے دو چند اور چہار چند بھی قوم کی مدد سے بآسانی جمع ہو سکتی ہے۔ البتہ قوم سے مدد لینے والے اور قوم سے مانگنے والے چاہئیں۔ مجھے قوم کی طرف سے کچھ مایوسی نہیں ہے نہ میرا یہ خیال ہے کہ قوم کا افلاس یا تعلیم کی طرف سے اُس کی بے توجہی اس رقم کے جمع کرنے کی مانع ہے۔ میرے نزدیک باوجود افلاس کے اور باوجود تعلیم سے بے توجہی کے اگر چند باہمت، مستقل مزاج، متدین، قومی خیرخواہ، مانگنے والے پیدا ہوں، اور مانگنا شروع کریں اور تعلیم کے فوائد اور ضرورتوں کو بیان کرتے رہیں، تو اس رقم کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے قوم میں دینے والے اور اچھی سمجھ رکھنے والے بہت ہیں۔ مگر افسوس کہ مانگنے والے اور سمجھانے والے بہت کم ہیں۔ قوم وہی قوم ہے جس نے ایک سرسید کو باوجود اُن کے مذہبی خیالات سے مخالفت رکھنے اور اُن کی آزادانہ رائے کے ناپسند کرنے اور اُن کی صاف صاف گفتگو کو دل شکن سمجھنے کے دس بارہ لاکھ روپے دیدئے صرف اس لئے کہ وہ مانگنے والا ایسا ہی مانگتا اور اپنی قومی خیرخواہی اور نیک نیتی اور راستبازی کو اپنے افعال سے اور اپنی تجویزوں کی خوبی اُن کے نتائج سے ثابت کرتا تھا۔

چنانچہ اس مدّت سے جو قوم نے سر سیّد کو دی یہ بات ثابت ہو گئی کہ دس لاکھ روپے کی رقم کچھ ایسی بڑی نہیں ہے، جس کی نسبت یہ خیال کیا جائے کہ اُس کا جمع کرنا ایک مجنونانہ خیال ہے۔ اُس وقت بھی نہ صرف عام لوگوں نے بلکہ نہایت سمجھ دار اور بلند حوصلہ اور ذی وجاہت اور دُور اندیش مسلمانوں نے بھی اُن کے ارادہ کے پورا ہونے پر نا امیدی ظاہر کی تھی اور مدرسۃ العلوم کے قائم کرنے کی تجویز کو ایک خیالی تصویر سے زیادہ نہ سمجھا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی اجلاس میں جو ۱۵-اپریل ۱۸۷۲ء کو سلسلہ تعلیم کی تجویز اور مدرسۃ العلوم کے قائم کرنے کے متعلق بنارس میں ہوا تھا اور جس میں بہت سے ذی وجاہت اور عالم اور منتخب مسلمان جمع ہوئے تھے، جناب مولوی فریدالدین احمد صاحب نے جن کا علم اور جنکی وجاہت اور قابلیت اور تعلیمی معاملات سے دلچسپی مشہور ہے اور جو منجملہ اُن خاص خیر خواہانِ قوم کے ہیں جو مجوزہ سلسلہ تعلیم اور مجوزہ مدرسۃ العلوم کو مسلمانوں کی ترقی کے لئے ضروری اور مفید سمجھتے تھے یہ رائے لکھی تھی کہ "میں اپنے لائق فائق، مسیح عصر، حکیم دہر، ارسطو ضمیر، عالی دماغ، سید احمد خاں صاحب بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ عمدہ ممبر کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں کر سکتا، اُس سخت مرض مہلک اور مزمن جہالت کا کہ جو آج کل جسم اسلامی کو لاحق ہو گیا ہے اور جس نے اُن کے سارے دین و دنیا کے امور کو نہایت فتور اور نقصان میں ڈال رکھا ہے، جو علاج تجویز کیا ہے وہ محض ایک تصویر خیالی ہے جو حالت موجودہ مسلمانوں سے اس بات کی توقع بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ اس عمدہ علاج کے اجزائے نافعہ کو بہم پہنچا کر استعمال کریں۔ میں اس بات کو نہایت سچائی سے قبول کرتا ہوں کہ وہ نسخہ مجوزہ نہایت بے نظیر، لاجواب ہے اگر اُس کے استعمال کا امکان ہوتا تو وہ بالکل اُس مرض مہلک کی بیخ و بنیاد کو توڑ ڈالتا اور جسم اسلامی کو اعلیٰ درجہ کی صحت و طاقت کو پہنچا دیتا اور یقین ہے کہ آیندہ نسلوں میں کوئی وقت ضرور آویگا کہ اہل اسلام بخوشی اس نسخہ کو استعمال کرینگے اور خدا کرے کہ جلد وہ وقت آوے، میرے خیال میں اُس حکیم حاذق کو ضروری تھا کہ وہ دولت اور ہمت اور توفیق موجودہ مسلمانوں پر لحاظ فرما کر مطابق اُس کے کوئی نسخہ تجویز کرتے کہ جس سے زیادتی اُس مرض کی تو رُک جاتی اور کسی قدر آثار صحت کے نمایاں ہوتے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً بلحاظ حالت موجودہ کے اُس نسخہ میں تبدیل عمل میں لاتے کہ یہی طریقہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے۔ اگر حکیم ممدوح بنظر مہربانی پھر دوبارہ توجہ فرما کر کوئی ایسی تدابیر تجویز فرماویں کہ جس کا خارج میں وجود ہونا گو بدقت ہو مگر ممکن ہو تو نہایت مناسب و بہتر ہے اور جب میری رائے یہ قائم ہوئی کہ فی الحال وہ تدبیرات محض خیالی ہیں اور کسی طرح وہ وجود پذیر نہ ہونگی تو اُن تدابیر کی نسبت مفصل رائے لکھنا محض فضول اور بیفائدہ ہے"۔

اور جناب مولانا مولوی علی بخش خاں صاحب مرحوم نے بھی منجملہ اور باتوں کے سب سے اول یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ اس مدرسہ کے واسطے لاکھوں روپیہ چاہیئے جس کی امید نہیں ہے۔ اُس کے جواب میں مرحوم

نے فرمایا تھا کہ "اگر مسلمان متوجہ ہونگے اور کوشش کرینگے تو جس قدر روپیہ درکار ہے اُس کا جمع ہو جانا مشکل نہیں ہے۔ علاوہ اس کے یہ مدرسہ کچھ ہمارے ہی زمانہ کے لوگوں کے لئے نہیں قائم ہوتا بلکہ تمام نسلوں کے لئے جو آیندہ آنے والی ہیں قائم ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی میں اس کام کو پورا نہ کر جاویں ہمارے بعد کوئی اور بندہ خدا کا کھڑا ہو جاویگا جو پورا کریگا اسی طرح کوشش چلی جاویگی جب تک کہ یہ کام پورا ہو۔ شاید بعض صاحبوں کو یہ خیالات شیخ چلی کے خیالات معلوم ہوں لیکن اگر شائستہ ملکوں کے حالات پر خیال کرو تو بہت سی اس قسم کی مثالیں پاؤگے اور دنیا میں بھی اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ رہی تاخیر۔ یہ ایک مجبوری کی بات ہے جس کا علاج بجز اس کے کہ ہم سب مسلمان دل سے اس کام پر متوجہ ہوں اور اُن لغو بحثوں کو جن کو مدرستہ العلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے چھوڑ دیں، اور کچھ چارہ نہیں ہے"۔

حضرات! باوجود اُس مایوسی اور نا امیدی کے جو ایسے بلند ارادہ کی کامیابی کی نسبت تمام لوگوں کو تھی! ایک سر سیّد کی مردانہ ہمت، اور بے نظیر استقلال، اور غیر منقطع کوشش نے اُن کے ارادہ کو اس حد تک پورا کر دیا جس حد تک پورا ہونا کسی کے خیال میں نہ تھا۔ اگر سر سیّد کا ارادہ بلند، اور ہمت عالی، اور مزاج میں استقلال، نہ ہوتا۔ اور وہ ایک اعلےٰ خیال اور آرزو نہ رکھتے ہوتے تو جس درجہ تک مدرستہ العلوم پہنچا ہے ہرگز نہ پہنچ سکتا۔

حضرات! جب ایک شخص کی ہمت اور کوشش نے اس بات کو جسے لوگ محال سمجھتے تھے۔ ممکن کر دکھایا، اور جس چیز کو خیالی تصویر کہتے تھے اُس کی مجسم صورت کھڑی کر دی، اس سے یہ خیال تو باطل ہو گیا کہ دس لاکھ روپے کی رقم کا قوم سے وصول ہونا مشکل ہے اور یونیورسٹی کا خیال محض خیالی تصویر ہے جس کا وجود میں آنا نا ممکن ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب سر سیّد سا عالی دماغ، بلند حوصلہ، دوسرا کون ہے جو اس ارادہ کو پورا کر سکیگا۔ اس کا جواب بلاشبہ مشکل ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ سر سیّد جیسے عالی دماغ کے نہ ہونے سے اس کام کا پورا ہونا گو مشکل ہو، مگر اُسے نا ممکن سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ جو وقت کسی چیز کی ایجاد اور پیدا کرنے کی نسبت ہوتی ہے وہ اُس کے قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لئے پیش نہیں آتی۔ سر سیّد ایسا نمونہ قائم کر گئے ہیں جو ہماری ہدایت کے لئے کافی ہے، اور اُن تمام مشکلات کو اپنی خداداد قوت سے دُور کر گئے ہیں جو ایسے بڑے کام کرنے کی نسبت ابتدا پیش آیا کرتی ہیں۔ اب راستہ صاف ہے، منزل مقصود سامنے ہے، اس لئے ہم کو سر سیّد جیسے عالی دماغ کی اب چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جیسے باہمت اور مستقل مزاج اور استقلال سے کوشش کرنے والوں کی۔ اس لئے گو یہ سچ ہے کہ ہم سب سر سیّد نہیں ہو سکتے اور نہ ہر شخص کو جس کی تربیت اور تعلیم ہو سر سیّد ہو سکتا ہے نہ ہمارا یہ خیال ہے لیکن ہم سب اپنی طبیعت اور حالت اور قوت کے موافق وہ کام کر سکتے ہیں جو وہ اپنے لحاظ سے کرتے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم جو چاہیں ایسا بن سکتے

دیا۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہم اپنے آپ کو ایسا بنا سکتے ہیں جس سے اللہ اپنی طاقت کے موافق قوم کو وہ مدد پہنچا سکیں، جو انہوں نے اپنی طاقت کے موافق پہنچائی تھی۔ ہر آدمی کو یہ خیال پیش نظر رکھنا چاہیئے، کہ جو بات ہمارے بنی نوع کے لئے ممکن ہے وہ ہمارے لئے بھی ممکن ہے۔ امید ہماری ہے۔ اور سچائی، کوشش، مخلصانہ دعا، اور خدا پر بھروسا ہمارا کام ہے۔ اور اس بات کا یقین کہ اگر ہم لڑائی عمدہ طور پر لڑینگے تو خود لڑنا ہی فتح کی عزت حاصل کرنا ہے۔ ہر محنت جو کسی اچھے کام کے لئے کیجاوے، ترقی کی ہر امید جو دل میں پیدا ہو، ہر بلند ارادہ، ہر فیاضانہ خیال، اور ہر ایک ولولہ، نہیں نہیں۔ بلکہ ہر ایک اعلےٰ درجہ کی مایوسی، بھی دل کی اطمینان اور خوشی کی ایک ایسی شعلع ہے جو اپنی روشنی آیندہ قسمت پر ڈالتی ہے ؛

صاحبو! کامیابی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں اُس کو عمدہ طور پر ایمانداری اور ثابت قدمی سے کریں۔ ہم کو صرف دل قوی رکھنا اور کام کئے جانا چاہیئے۔ محنت، صبر، استقلال، ثبات قدم، اعتماد برخود، ایثار علے النفس وہ چیزیں ہیں جس سے ہم کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ دَوڑ ممکن ہے کہ تادیر ہو، اور راستہ دشوار گذار و پرخار۔ اور ہولناک بیابان بھی طے کرنا ہو۔ لیکن جنگل کے گوشہ میں پھول بھی ہوں، اور اُن کے ملنے کی ہم اُمید رکھتے ہوں۔ پس سب سے اعلےٰ اور عمدہ کام جو ہم کو کرنا ہے وہ یہ ہے، کہ ہم اپنے فرض کو ادا کریں خواہ کوئی اس کو جانے یا نہ جانے، کوئی اُس کی عزت کرے یا نہ کرے۔ ہم کو کام کے مشکلات پر نظر نہ کرنا چاہیئے، بلکہ جن چیزوں کو ہم کر سکتے ہیں، اور جو ہم کو کرنی چاہیئں اُن کو کرنا اور پوری کوشش سے کرنا چاہیئے۔ جو محنت باقاعدہ اور مسلسل اور صبر کے ساتھ ہوگی وہ ضرور کامیاب ہوگی ؛

اے زندہ دلان پنجاب! یہ میری بڑی غلطی اور سراسر نادانی ہوگی، اگر میں اس نیک کام میں جو تمہارے محبوب سرسید کی منتہائے آرزو تھا اور جو مسلمانوں کی بہبودی کے لئے ایک ضروری کام ہے، آپ لوگوں کو شوق اور رغبت دلانے کے لئے اپنی تقریر کو طول دوں، اور آپ کے دلوں میں اس کا جوش اور ولولہ پیدا کروں۔ کیونکہ جوش آپ کے دلوں میں ہے، اور قومی ہمدردی کا نمایاں ثبوت آپ دے رہے ہیں۔ قومی ترقی کے خیالات آپ کے سینہ میں موجزن ہیں۔ تعلیم و تربیت کے فوائد سے آپ واقف ہیں۔ مرحوم سرسید کے قرار دئے ہوئے اصول کے فوائد کا آپ کو اعتراف ہے۔ اُن سے محبت رکھنے اور مدد دینے میں سب سے اول درجہ آپ کا ہے۔ ایسی حالت میں آپ سے بزرگوں کے سامنے اُن کی اس دیرینہ آرزو کے پورا کرنے کے متعلق زیادہ کہنا گویا عاشق کو اپنے محبوب کی آرزو پورا کرنے کی ترغیب دلانا ہے۔ ہمارے مردہ اور پژمردہ دلوں میں تو اب بعد وفات سرسید کے یہ خیال یونیورسٹی قائم کرنے کا پیدا ہوا ہے۔ مگر آفرین ہے پنجاب کے زندہ دل مسلمانوں پر کہ اُنہوں نے سرسید

کی اس آرزو کے پورا کرنے میں اُن کی زندگی ہی میں مستعدی اور سرگرمی ظاہر کرنی شروع کردی تھی۔ مَیں نے ونس اکتوبر ۱۸۹۶ء کے علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک خط دیکھا ہے جو اسی صوبہ کے ایک لائق مسلمان نے پنجاب ابزرور میں چھپایا تھا اور جس کا عنوان ہے "مسلمانوں کیواسطے ایک یونیورسٹی" مجھے معلوم ہُوا کہ یہ تقدم و فضیلت اور یہ بزرگی بھی زندہ دلان پنجاب ہی کے حصہ میں تھی ۔

اُس خط کا مضمون ایسا پاکیزہ اور عبارت اُس کی ایسی عمدہ ہے کہ مَیں اُسی خط کے ضروری فقرات سنانے پر قناعت کرتا ہوں :۔

اُس خط کا کاتب لکھتا ہے کہ "جس طرح پر ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں مسلمانوں کی حالت موجودہ خراب ہے، اسی طرح پنجاب میں بھی ہے۔ لیکن یہاں ان کی حالت بہ نسبت کسی دوسرے مقام کے زیادہ تر افسوس بخش ہے۔ ہم اُن کے درمیان ایسے بہت سے ذی مقدور اور بارعب شخص شمار کرسکتے ہیں جن کو اپنے ہم مذہبوں کی تباہ حالت کی نسبت نہایت فکر اور تشویش رہتی ہے اور جو ہر ایک کام کرنے کے لئے جس سے اُن کی قوم کو فائدہ پہنچے آمادہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اُسی پر یقین کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت پھر کبھی سنبھلیگی۔ یعنی یہ کہ اگر ہم کبھی دنیا میں ایک عزت دار قوم ہونگے اور اگر مسلمانوں کو کبھی زندگی کی ضرورتوں اور آسائشوں میں ایک اچھا حصہ ملیگا تو وہ قوم کی عقل و علمیت کو ترقی دینے، اُس کے مذاق طبیعت اور عادت میں ایک مفید تبدیلی پیدا کرنے، اور اُسی کے ساتھ اُس کی مذہبی، عقلی، اخلاقی، اور جسمانی، حالت کی اصلاح کرنے سے خلاصہ کلام اعلےٰ درجہ کی تعلیم سے (بلحاظ اُس کے صحیح معنی کے) ملیگا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی تعلیم ہی صرف وہ شے ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے درمیان زمانہ حال کے مطابق صفات انسانی کے اُن نمونوں کے دیکھنے کی توقع کرسکتے ہیں جن کی وجہ سے کسی زمانہ میں تمام دنیا ہم پر فخر کرتی تھی اور وہی صرف ایسی شے ہے جس کے ذریعہ سے اس عمدہ زمانہ کے آنے کی نسبت ہماری اُمیدیں پوری ہوسکتی ہیں جس کی توقع سب سے پہلے حکومت انگریزی کے بھلائی پہنچانیوالے اثر نے ہم کو دلائی تھی"۔

پنجاب کے مسلمان یہ بات جانتے ہیں کہ اس طریقہ میں قوم کو تعلیم دینا ایک بڑا کام ہے۔ کیونکہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم کی ضرورت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو ہے پس جب کہ ہماری قوم کی اعلےٰ درجہ کی تعلیم ایک عظیم الشان کام ہے تو اُس کے واسطے ایک مدت دراز کی باترتیب کوشش درکار ہے اور اتفاقیہ کوششوں سے شاید ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ پنجاب کے مسلمان اس بات کو سمجھتے ہیں اور چونکہ وہ اُس کو سمجھتے ہیں اس لئے اُنہوں نے اس معاملہ میں اپنے تئیں سر سید احمد اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی عاقلانہ رہنمائی میں سپرد کردیا ہے۔ پس علیگڈھ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے واسطے باترتیب کوششوں کا مرکز اور علی گڈھ کالج میں مسلمانوں کی ترقی و تہذیب کا آئندہ

دارالقرار دیتے ہیں۔ مگر وہ یہ بات دیکھتے ہیں کہ یہ کالج جیسے کہ اُس کی حالت موجودہ ہے اس قسم کی تعلیم کے دینے کا جس کی ضرورت ہماری قوم کو ہے ایک ناکافی ذریعہ ہے اور بالفعل وہ انگلستان کے ایک پبلک سکول سے کچھ زیادہ عمدہ نہیں ہے۔ گو اس امر میں کچھ کلام نہیں ہے کہ ہندوستان کے کسی دوسرے کالج کی بہ نسبت مسلمانوں کے واسطے زیادہ تر عمدہ ہے۔ پس جو شخص زمانہ حال کے شائستہ انگریزوں کی بہ نسبت زیادہ تر اعلیٰ قسم کی تعلیم کے خواستگار ہیں وہ غالباً چھ کروڑ مسلمانوں کے واسطے صرف ایک پبلک اسکول کے قائم ہونے پر قانع نہیں رہ سکتے ہیں۔ اور وہ اُس پر قانع نہیں ہے پس کیا اُن شخصوں کو جو کچھ کر سکتے ہیں یہ بات لازم ہے کہ وہ اپنی قوم کو جد و جہد کو جو وہ اپنے وجود کے قائم رکھنے کے واسطے کر رہی ہے بیٹھے ہوئے دیکھا کریں؟ کیا برخلاف اس کے اُن کو صرف ایک بے ترتیب طریقہ میں نہیں بلکہ ایک ایسی تجویز کے موافق جس پر بخوبی غور کر لیا گیا ہو، کارروائی شروع کرنے پر آمادہ نہیں ہونا چاہئے؟ کیا میرے ہموطن یعنی پنجاب کے مسلمانوں کو اس قسم کی اعلےٰ درجہ کی تعلیم کے وسائل کے بہم پہنچانے میں جس کی ہم کو نہایت ضرورت ہے، ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے پیشقدمی نہیں کرنی چاہئے؟ کیا اُن کو علی گڈھ میں ایک محمدن یونیورسٹی کے قائم کرانے کے واسطے سب سے پہلے کوشش نہیں کرنی چاہئے؟ یعنی ایک ایسی یونیورسٹی کے واسطے جو ایک قوم کی حالت کو از سر نو سرسبز کرنے کے لئے ہو اور جو تمام ہندوستان میں مشرقی اور مغربی علوم کے اس قسم کے مرکزوں کے ایک سلسلہ کا سرچشمہ ہو"۔

"جس حالت میں کہ یہاں پنجاب میں ہماری آنکھوں کے روبرو دوسری قوموں کے نہایت غریب اور ناچیز آدمی اپنی کوشش اور ثابت قدمی کے ذریعہ سے بڑے بڑے کام کر رہے ہیں تو ہماری قوم کے بارعب اور ذی اختیار شخص اپنی مستقل اور تھکنے والی کوششوں کے ذریعہ سے کیا نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر لاہور کے چند ممتاز اور وطن دوست مسلمان شرفا علیگڈھ کو کالج کو یورپ کے اول درجہ کی یونیورسٹیوں کے نمونہ پر یونیورسٹی کے درجہ تک ترقی دینے کی غرض سے روپیہ فراہم کرنے کے لئے ایک سوسائٹی قائم کریں اور اس مقصد کے واسطے بطور ڈیپوٹیشن کے پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں جاویں۔ (اور میں یقین کرتا ہوں کہ اُن سب میں اُن کو ایسے شخص ملینگے جو اُن کو مدد دینے پر آمادہ ہونگے) تو اُن کو بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ اُنہوں نے ہماری آئندہ بہبودی کے واسطے کوئی اصلی کام کیا ہے اگر وہ ایسا کرینگے تو ہم امید کرتے ہیں کہ دوسرے صوبوں کے روشنضمیر مسلمان بھی اُن کی پیروی کرینگے اور اس طرح پر تمام قوم کو متفق ہو کر کام کرنے سے آیندہ کی نسبت ہماری مسرت بخش اُمیدیں بہت جلد پوری ہو جاوینگی۔

میرے پنجابی بھائیوں میں سے وہ شخص جو اپنے نفس پر اس قدر جفا کرنے والے ہیں کہ قوم کی

بہبودی کی خاطر اپنی ذاتی اور لوکل مضمون کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور جو اپنی دانشمندی سے اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی اعلےٰ درجہ کی تعلیم ایک ایسا کام ہے جس میں ایک معقول حصہ پر تمام مخصوص یعنی قوم کے سچے ہی خواہوں کی امداد درکار ہے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ امر کہ یونیورسٹی مجوزہ پنجاب میں نہ ہو گی۔کوئی حیلہ اس بات کیواسطے نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص حتی الوسع اپنے ہر طرح پر اُس کے واسطے کوشش نہ کرے۔کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ یونیورسٹی کسی طرح لوکل یعنی مختص المقام نہ ہو گی۔محمدن کالج کسی خاص صوبہ نے قائم نہیں کیا تھا اور نہ وہ کسی خاص صوبہ کے واسطے قائم کیا گیا ہے۔اب بھی اُس کے احاطہ کے اندر صرف وہی طالب علم نہیں ہیں جو اس ملک کے تمام اطراف دور دراز سے آئے ہیں۔بلکہ چند ایسے بھی طالب علم دیکھ سکتے ہیں جو برہما سے آئے ہیں اور ایک ایران سے آیا ہے اور ایک عرب سے اور دو عنقریب افریقہ سے آنے والے ہیں۔خدا کرے کہ وہ بہت جلد تمام مسلمانوں کے لئے ایک یونیورسٹی ہو جاوے اور جو امیدیں ہم کو قومی بہبودی کی ہیں جن کے واسطے ہماری عاجزانہ کوششیں صرف ناچیز ذریعہ ہیں پوری ہو جاویں"۔

صاحبو! یہ مضمون جو مَیں نے اوپر نقل کیا۔تمہارے ہی ایک ہموطن کا ہے اور تمہارے خاص مشہور اخبار پنجاب آبزرور میں چھپا ہے اس میں یونیورسٹی قائم کرنے کی بابت اور کالج کے مستحکم کرنے اور ترقی دینے کے لئے جو کچھ لکھا ہے اُس پر مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔مَیں صرف اس بات کو کہ مدرسۃ العلوم علیگڈھ لوکل اغراض کے واسطے نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے لئے ہے اور پنجاب کو اس سے خاص فائدہ پہنچا ہے علم الاعداد سے ثابت کرتا ہوں۔

نقشہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کالج کے اسکالرشپ اور وظیفوں میں سے پنجاب کے کتنے طالب علموں کو کس قدر اسکالرشپ اور وظائف دئے گئے:۔

سال	کلاس	تعداد اسکالرشپ اور وظائف پانے والوں کی: اہل پنجاب	تعداد اسکالرشپ اور وظائف پانے والوں کی: دیگر صوبجات	تعداد اسکالرشپ اور وظائف پانے والوں کی: میزان	تعداد اور رقم جو بابت اسکالرشپ اور وظائف دی گئی: اہل پنجاب کو	تعداد اور رقم جو بابت اسکالرشپ اور وظائف دی گئی: دیگر صوبجات کو	تعداد اور رقم جو بابت اسکالرشپ اور وظائف دی گئی: میزان
۱۸۹۱-۹۲ء	فرسٹ ایر	۸	۱۱	۱۹	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	سیکنڈ ایر	۵	۱۸	۲۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	تھرڈ ایر	۳	۱۰	۱۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	فورتھ ایر	۴	۱۳	۱۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	ایم اے کلاس	۱	۰	۳	۰	[illegible]	[illegible]
	اسکول کلاس	۱	۹	۱۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
میزان		۲۲	۶۳	۸۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]

سال	کلاس	تعداد اسکالرشپ و طالبعلموں کی — اہل پنجاب	دیگر صوبجات	میزان	تعداد رقم جو بطور وظائف دی گئی — اہل پنجاب کو	دیگر صوبجات کو	میزان
سنہ ۹۲-۱۸۹۱ء	فرسٹ ایر	۱۵	۲۰	۳۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	سیکنڈ ایر	۱۱	۱۵	۲۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	تھرڈ ایر	۵	۸	۱۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	فورتھ ایر	۴	۱۳	۱۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	ایم اے کلاس	۱	۰	۱	[illegible]	۰	[illegible]
	اسکول کلاس	۱	۱۳	۱۴	[illegible]	[illegible]	[illegible]
میزان		۳۷	۶۹	۱۰۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سنہ ۹۳-۱۸۹۲ء	فرسٹ ایر	۱۹	۱۳	۳۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	سیکنڈ ایر	۱۶	۱۹	۳۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	تھرڈ ایر	۹	۱۴	۲۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	فورتھ ایر	۸	۱۲	۲۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	اسکول کلاس	۱	۱۲	۱۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]
میزان		۵۰	۷۳	۱۲۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سنہ ۹۴-۱۸۹۳ء	فرسٹ ایر	۱۳	۲۷	۴۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	سیکنڈ ایر	۲۳	۱۴	۳۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	تھرڈ ایر	۱۶	۱۲	۲۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	فورتھ ایر	۱۱	۱۷	۲۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	ایم اے کلاس	۱	۳	۴	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	اسکول کلاس	۲	۱۳	۱۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]
میزان		۶۶	۸۶	۱۵۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سنہ ۹۵-۱۸۹۴ء	فرسٹ ایر	۱۰	۳۰	۴۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	سیکنڈ ایر	۲۴	۲۲	۴۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	تھرڈ ایر	۶	۷	۱۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	فورتھ ایر	۱۷	۲۰	۳۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	ایم اے کلاس	۲	۰	۲	[illegible]	۰	[illegible]
	اسکول کلاس	۲	۶	۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]
میزان		۶۲	۸۱	۱۴۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]

سال	کلاس	تعداد اسکالرشپ و ظائف پانے والوں کی			رقم اسکالرشپ و وظائف میں دی گئی		
		اہل پنجاب	دیگر ممالک	میزان	اہل پنجاب کو	دیگر ممالک کو	میزان
۹۵-۱۸۹۶ء	فرسٹ ایر	۹	۱۲	۲۱	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	سیکنڈ ایر	۷	۲۲	۲۹	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	تھرڈ ایر	۸	۷	۱۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	فورتھ ایر	۸	۸	۱۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]
	ایم اے کلاس	۳	۰	۳	[illegible]	۰	[illegible]
	اسکول کلاس	۰	۷	۷	۰	[illegible]	[illegible]
میزان		۳۵	۵۶	۹۱	[illegible]	[illegible]	[illegible]
میزان کل از ۱۸۸۱ء تا ۱۸۹۶ء		۲۷۲	۲۵۱	۵۲۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اس نقشہ کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ۱۸۸۱ء سے ۱۸۹۶ء تک ۵۲۳ طالب علموں نے اسکالرشپ پائے جن میں سے ۲۷۲ طالب علم صرف آپ کے پنجاب کے ہیں جس کا اوسط فی صدی ۵۱ ہوتا ہے اور کل رقم جو اسکالرشپ میں دی گئی اس کی تعداد [illegible] ہے جس میں [illegible] پنجاب کے لڑکوں کو دی گئی جس کا اوسط فیصدی ۵۳ ہوتا ہے۔ یہ ہندسے خود بتاتے ہیں کہ جس قدر مدد پنجاب نے محمدن کالج کو دی اس سے بہت زیادہ معاوضہ کالج نے پنجاب کو دیا۔ یہ کیا اچھا سودا ہے کہ جس کا نفع اصل سرمایہ سے بڑھ کر ہوا۔ اور یہ کیسا عمدہ قرض ہے جس کا دوگنا اور تگنا وصول ہوا ✦

علاوہ اس کے میں ایک اور نقشہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ جس قدر گریجوایٹ اور انڈر گریجوایٹ محمدن کالج سے ہوئے اُن میں آپ کے ہموطنوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ وہ نقشہ یہ ہے:-

سال	گریجوایٹ			انڈر گریجوایٹ			لا کلاس		
	پنجابی	دیگر ممالک	میزان	پنجابی	دیگر ممالک	میزان	پنجابی	دیگر ممالک	میزان
۱۸۸۰	۰	۰	۰	۰	۵	۵	۰	۰	۰
۱۸۸۱	۰	۰	۰	۰	۵	۵	۰	۰	۰
۱۸۸۲	-	۱	۱	۰	۶	۶	۰	۰	۰
۱۸۸۳	-	۲	۳	۰	۹	۹	۰	۱	۱
۱۸۸۴	-	۲	۲	۲	۳	۵	۰	۰	۰

	گریجوایٹ			انڈرگریجوایٹ			لاکلاس		
	پنجابی	دیگر ممالک	میزان	پنجابی	دیگر ممالک	میزان	پنجابی	دیگر ممالک	میزان
۱۸۸۵	۰	۳	۳	۰	۱۰	۱۰	۰	۰	۰
۱۸۸۶	۱	۰	۱	۱	۹	۱۰	۰	۰	۰
۱۸۸۷	+	۸	۸	۰	۱۰	۱۰	۰	۰	۰
۱۸۸۸	+	۲	۲	۰	۴	۴	۰	۰	۰
۱۸۸۹	+	۵	۵	۱	۱۲	۱۳	۰	۰	۰
۱۸۹۰	۱	۱	۲	۰	۹	۹	۰	۱	۱
۱۸۹۱	۱	۵	۶	۶	۱۳	۱۹	۰	۳	۳
۱۸۹۲	۳	۸	۱۱	۷	۹	۱۶	۰	۴	۴
۱۸۹۳	۳	۹	۱۲	۶	۱۴	۲۰	۰	۷	۷
۱۸۹۴	۶	۱۳	۱۹	۸	۱۲	۲۰	۳	۱	۴
۱۸۹۵	۹	۱۲	۲۱	۱۰	۱۴	۲۴	۱	۲	۳
۱۸۹۶	۹	۱۳	۲۲	۱۲	۱۴	۲۶	۱	۴	۵
۱۸۹۷	۴	۷	۱۱	۸	۱۱	۱۹	۵	۲	۷
۱۸۹۸	۸	۱۲	۲۰	۳	۱۰	۱۳	۰	۰	۰
میزان	۴۵	۱۰۳	۱۴۸	۶۴	۱۷۷	۲۴۱	۱۰	۲۴	۳۴

اس سے معلوم ہوگا کہ منجملہ ۱۴۸ گریجوایٹ کے ۴۵ اور منجملہ ۲۴۱ انڈرگریجوایٹ کے ۶۴ پنجاب کے ہیں۔ یہ تعدادی نقشہ ثابت کرتی ہے کہ محمدن کالج نے پنجاب میں ایک نہایت اچھی تعداد تعلیم یافتہ لوگوں کی پیدا کردی ہے جن میں سے بعض ضرور آیندہ پنجاب کے لئے فخرومباہات کا باعث ہونگے۔ اور آیندہ علم کی ترقی دینے اور روشنضمیری پھیلانے میں قابل یادگار مددو دینگے *

حضرات! اس موقع پر اس بات کا ذکر کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ نہ صرف پنجاب کو کالج نے فائدہ پہنچایا اور نہ ہندوستان کے کسی خاص صوبہ کو بلکہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کو اُس سے فائدہ پہنچا۔ اور نہ صرف مسلمانوں کو اُس نے تعلیم دی بلکہ ہندؤں کے لئے بھی تعلیم کا دروازہ ہمیشہ کُھلا رکھا اور ہمارے ہموطن ہندو بھائیوں نے بھی مدرستہ العلوم سے کچھ کم فائدہ نہیں پایا۔ چنانچہ نقشۂ ذیل سے اس کا ثبوت ہوتا ہے *

سال	محمڈن کالج سے حسب ذیل تعداد کامیاب ہوئے				
	گریجوایٹ	انڈر گریجوایٹ	انٹرنس	لاکلاس	میزان
۱۸۷۷	۰	۰	۱	۰	۱
۱۸۷۸	۰	۰	۳	۰	۳
۱۸۷۹	۰	۰	۳	۰	۳
۱۸۸۰	۰	۳	۵	۰	۸
۱۸۸۱	۰	۳	۳	۰	۶
۱۸۸۲	۱	۵	۳	۰	۹
۱۸۸۳	۰	۳	۵	۰	۸
۱۸۸۴	۱	۱	۰	۰	۲
۱۸۸۵	۵	۶	۵	۰	۱۶
۱۸۸۶	۰	۴	۵	۰	۹
۱۸۸۷	۴	۶	۷	۰	۱۰
۱۸۸۸	۲	۳	۹	۰	۱۳
۱۸۸۹	۲	۲	۶	۰	۱۰
۱۸۹۰	۱	۴	۳	۱	۹
۱۸۹۱	۲	۲	۵	۲	۱۱
۱۸۹۲	۲	۴	۳	۴	۱۲
۱۸۹۳	۱	۳	۳	۵	۱۲
۱۸۹۴	۱	۳	۳	۰	۷
۱۸۹۵	۳	۹	۳	۱	۱۶
۱۸۹۶	۲	۴	۰	۲	۸
۱۸۹۷	۲	۱	۲	۰	۵
۱۸۹۸	۳	۲	۰	۰	۵
میزان	۳۲	۶۷	۷۸	۱۵	۱۹۲

حضرات! یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ اس کالج سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ ہم کہتے ہیں کہ فی نفسہ تعلیم اور وہ بھی اعلیٰ اور اُس کے ساتھ تربیت اور وہ بھی اخلاقی ایک عمدہ کالج کا عمدہ نتیجہ اور بڑا فائدہ ہے

اور اس سے جو خاص اثر قوم پر پڑتا ہے وہ نہایت مفید ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں تو علاوہ اس کے خود یہ فائدہ بھی جو اب تک ہمارے کالج سے ہوا ہے کچھ کم نہیں ہے بلکہ نہایت تسلی بخش ہے چنانچہ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ ۱۸۹۸ء تک ۳۲۴ طالب علم ہمارے کالج کے مختلف صیغوں میں ملازم ہوئے۔ جن میں امپیریل سروس اور اسٹیچوٹری سروس کے علاوہ ایک معقول تعداد ججوں منصفوں۔ ڈپٹی کلکٹروں۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنروں وغیرہ کی ہے۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں بھی ہمارے کالج کے طالبعلم اعلے درجے کے عہدہ جیسے کہ جج ہائیکورٹ اور ہوم ڈپارٹمنٹ کی سکرٹریٹ اور سررشتہ تعلیم کی افسری اور فوج کی لفٹنٹی وغیرہ پر مقرر ہیں ٭

امپیریل سروس	۱	ڈپٹی کلکٹر و اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر	۱۱	دیگر عہدہ دار مثل سررشتہ مال و	
سول سروس	۲	جج	۲	ہیڈ کلرک وغیرہ	۹۳
بیرسٹرایٹ لا	۳۱	منصف	۸	ملازم سررشتہ تعلیم	۳۱
ڈاکٹر (سول سرجن)	۱	تحصیلدار	۲۰	ملازم ریاستہای ہندوستانی	۴۹[۱]
طالب علم جو ڈاکٹری کے لئے		انسپکٹر و سب انسپکٹر پولیس	۲۹	وکلا	۳۷
انگلستان میں تعلیم پاتے ہیں	۳	نائب تحصیلدار	۱۷	ملازم محکمہ فوج	۷
اور بعض تعلیم پاتے ہیں	۵	اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ او پیم ایجنٹ	۲	میزان	۳۲۴
طالب علم جو پولس اسکول الہ آباد		دیگر معزز عہدہ دار مثل اسسٹنٹ		[۱] منجملہ ان کے ایک جج ہائیکورٹ اور ایک سکرٹری	
میں تعلیم پاتے ہیں	۵	سپرنٹنڈنٹ محکمہ و اسٹیشن ماسٹر وغیرہ	۱۰	ہوم ڈپارٹمنٹ حیدرآباد ہے ٭	

حضرات! جو مدد صوبہ پنجاب نے کالج کی اب تک کی اور جو بے نظیر ہمدردی اُس نے مدرسۃ العلوم کے ساتھ ظاہر کی اور جو محبت زندہ دلان پنجاب نے مرحوم کے ساتھ اُن کے جیتے جی اور وفات کے بعد دکھائی اور نیز جو فائدہ کالج سے یہاں کے لوگوں کو پہنچا ان تمام خیالات نے ہم کو اس بات پر مائل کیا کہ جو یادگار ہم قائم کرنا چاہتے ہیں اُس میں مدد لینے کو صوبۂ پنجاب ہی کو مقدم سمجھیں۔ اگر آپ لوگ اپنی فیاضی اور روشن ضمیری اور معاملات تعلیم سے دلچسپی اور سر سیّد کے ساتھ محبت ظاہر نہ کرتے اور ہم کو دعوت نہ دیتے، تو ہم کو ہرگز جرأت نہ ہوتی کہ اور مقامات کو چھوڑ کر اول ہم یہاں آتے اور دست گدائی سب سے پہلے آپ کے سامنے پھیلاتے" ٭

زندہ دلان پنجاب! جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ میں کہ چکا۔ اب اگر میں اصل مقصد یعنی مرحوم کی یادگار قائم کرنے کے لئے جو آپ کے پیارے سر سیّد کا مدعا اصلی تھا اور آپ کی ترقی کے لئے ایک ضروری کام ہے اپنی تقریر کو طول دوں اور آپ کے دلوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے دیر تک گفتگو کروں تو یہ میری غلطی اور نادانی ہے کیونکہ آپ اس کام کی ضرورت اور خوبی سے واقف ہیں۔ آپ اپنی قوم کے تنزل کیلئے

اُسے بنظرِ رشک ملاحظہ ہی کرتے ہیں۔ جو قوت آپ کے دلوں میں ہے۔ ہمدردی کا نمایاں ثبوت آپ دیتے رہے ہیں۔ قومی ترقی کے خیالات آپ کے سینوں میں موجزن ہیں۔ تعلیم و تربیت کی خوبیوں سے آپ واقف ہیں۔ عملی کارروائیوں کی قابلیت آپ رکھتے ہیں۔ قومی حاجتوں کے پورا کرنے میں آپ سرگرم ہیں۔ محمڈن کالج کے آپ بڑے حامی اور سرسیّد کی کوششوں کی آپ دل سے قدر کرنے والے ہیں۔ ایک زمانۂ دراز تک اُن کی زندگی میں آپ اُن کے معین و مشیر رہے۔ اور بڑی بڑی مشکلات میں ہمیشہ آپ نے اُن کا ساتھ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ آپ ہی سہارے پر جیتے تھے اور آخری زمانہ میں آپ ہی سے اُن کی ساری اُمیدیں وابستہ تھیں۔ آپ ہی اُن کے قوتِ بازو و عصائے پیری تھے۔ آخری دم تک وہ آپ کے شکرگذار اور آپ کے احسانات اور خدمتوں کے معترف رہے۔ گو اُن کی ظاہری آنکھیں بند ہو گئی ہیں، مگر یقین کرو کہ اب بھی اُن کی روحانی آنکھیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں، اور نہایت انتظار سے اُس زندہ دل گروہ کو دیکھ رہی ہیں جو اُن کی زندگی میں اُن کی مرادیں پوری کرتا رہا۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسی زندہ دل قوم مرنے کے بعد اپنے شیدا اور معتمد کو بھول جاویگی اور اُس کی امیدیں پوری کرنے میں کوشش نہ کریگی۔ جو صدمہ اُس شیدائے قوم کے مرنے کا تم کو ہوا ہے اور جو دلی رنج و غم تم نے اُن کی وفات پر ظاہر کیا ہے، اُس سے تمہارے دلوں کا درد ظاہر ہے اور تمہاری محبت نمایاں۔ اب اُس محبت کے عملی نتائج کے دکھانے کا وقت ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اب انسانیت اور قومی ہمدردی ظاہر کرنے کا موقع ہے۔ جو وقت مسلمانوں پر آیا ہے وہ ایسا نازک ہے کہ گویا مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ اب تمہارے اوپر منحصر ہے، اس وقت میں جب کہ وہ قوتیں جو نہایت محنت سے مجتمع کی گئی تھیں پھر منتشر ہو رہی ہیں۔ اور بے خبر اور خود غرض گروہ جس کو ایک زبردست ہاتھ نے ہمدردی اور اخوت کے پاک رشتہ میں جمع کر دیا تھا پھر ایک دوسرے سے جدا ہو رہا ہے۔ تم نے اگر ذرا بھی غفلت یا تاخیر کی، اور اپنی قوتوں کے قائم رکھنے پر دل سے مستعد نہ ہوئے، اور اس ناتمام کام کے پورا کرنے میں جو وہ چھوڑ گئے ہیں غیر معمولی سرگرمی نہ دکھائی، اور ایسی یادگار قائم کرنے میں جو فی نفسہٖ تمہارے ہی فوائد پر مبنی ہے مدد نہ کی۔ تو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ اس کا ایسا برا اثر قوم پر پڑیگا، جس کی پھر تلافی نہ ہو سکیگی اور آئندہ آنے والی نسل تم پر ملامت کرتی رہیگی" +

صاحبو! سرسیّد تو چل بسے۔ اور وہ اپنی ایسی یادگار چھوڑ گئے ہیں جس کو زمانہ کا ہاتھ بھی مٹا نہیں سکتا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ اگر تم نے یادگار قائم نہ کی تو اُن کی یاد دنیا کے دل سے جاتی رہیگی، بلکہ یقین کرو کہ جیسا جیسا زمانہ گذرتا جائیگا اُن کی یاد اور تازہ ہوتی جائیگی۔ ہاں تمہاری ناقدردانی، احسان فراموشی، بیحسی اور غفلت کی یادگار ہمیشہ کے لئے قائم رہیگی۔ اور زمانہ افسوس کے ساتھ کہیگا کہ دنیا میں ایک ایسی ناشکرگذار اور غافل قوم بھی ہے جو اپنے محسن کے احسانوں کو یاد رکھتی ہے اتنا ...

کو پہنچاتی ہے، ورنہ صرف یہی داغ تمہاری پیشانی پر ہمیشہ کے لئے رہیگا۔ بلکہ جو راہ تمہاری ترقی کے لئے کھولی گئی ہے، وہ بند ہو جائیگی۔ پھر تم ادبار اور ذلت کی اسی تاریک اور عمیق غار میں گرتے گئے جس میں سے نکالنے کے لئے تمہارا پیارا سر سید آخر دم تک کوشش کرتا رہا۔ کیا تم بھول گئے۔ اس کے ان درد بھرے ہوئے لفظوں کو جو خمست کے فیصلہ میں اُس نے نہایت دلی درد سے کہے تھے اور جس کی دردناک آواز اس وقت تک ہمارے کانوں میں آ رہی ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ "اے دوستو اگر تم اس تدبیر پر متفق نہیں ہو اور متفقہ کوشش اپنی قوم کی ترقی کے لئے کرنی نہیں چاہتے ہو تو تم کو اور ہم کو صبر کرنا چاہئے اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آب از جو رفتہ و تیر از کماں جستہ باز نمی آید، مرو، گلو، اور سڑو، اور ذلیل ہو۔ یہی خدا کی مرضی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" افسوس کہ اب ان درد بھرے لفظوں کا کہنے والا کوئی نہ رہا۔ اور ایسے کوسوں کا دینے والا جس پر ہزار دعائیں قربان ہوں ہم سے جدا ہو گیا ہم سیکڑوں جھوٹے قصیدے قومی تعریف کے سینگے، ہزاروں جھوٹے خوشامدی قوم کے پاؤ ینگے مگر افسوس ہزار افسوس کہ پھر ایسا تلخ گو اور شیریں مزاج، جس کی ہر دشنام پر دل فدا ہوتا تھا، اور جس کی ہر گالی دل کو زندہ کرتی تھی ہم کو نہ ملیگا۔ آہ آہ وہ ملامت کرنے والا سید کہاں گیا، اور وہ قوم کو برا بھلا کہنے والا کیا ہوا۔ حالی

قوم را ایم عتاب و چشم رحم از کس نماند — آں لب نفریں سرا داں چشم گریاں را چہ شد
پند ایں شیریں بیاناں، در نمے گیر د بدل — آں زبان تلخ گو۔ آں تیغ عریاں را چہ شد
شد خزاں، وانہ بہاراں نیست باراں را خبر — آں بہار بے خزاں، بزم یاراں را چہ شد
آنکہ مے بخشید جاں۔ آں باد نوروزی کجاست — آنکہ می بارید دُر۔ آں ابر نیساں را چہ شد

اسی قیمت کے فیصلہ میں آخری دردناک الفاظ اُس مرحوم نے یہ کہے تھے کہ "افسوس یہ ہے کہ میری روح قوم کے لئے رویا کریگی مگر کیا علاج ہے کہ نتواں کرد با قضا ستیزہ پیکار،، اور اپنے سوز بھرے ہوئے دل سے مرنے کے بعد بھی قوم کے لئے بے چین رہنے پر کہا تھا کہ "ایک بہت بڑے شاعر نے راحت کے مطلب کو نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے ؎

بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را
دویدن رفتن استادن نشستن خفتن مردن

مگر مجھے افسوس ہے کہ اگر قوم کی یہی حالت رہی تو بعد مردن بھی مجھے راحت نہ ہوگی۔

صاحبو! خدا نے اُسے تو راحت دی اور غم سے اُسے نجات بخشی۔ مگر ہم البتہ بے چین ہیں اور ہماری راحت کی کوئی صورت نہیں۔ ہم روتے ہیں اس کا ماتم کرتے ہیں۔ مگر نہ رونے سے کچھ حاصل اور نہ ماتم سے کچھ فائدہ۔ یہ رونا تو ساری عمر کا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم ان کا ماتم چھوڑیں بلکہ قوم کا ماتم کریں۔ اس لئے پیارے بھائیو

پڑھنا بند کریں اور اپنے اوپر اتنا بند پڑھیں۔ وہ بظاہر مر گئے مگر انھوں نے درحقیقت جاودانی حیات پائی۔ اور ہم بظاہر زندہ ہیں لیکن ہماری حیات فی نفسہٖ موت سے بدتر ہے۔ اگر کچھ رمقِ جان باقی ہے تو ہم کو چاہیے کہ اُن پر صبر کریں اور اپنا علاج اور فکر کریں۔ حالی

دوستاں از مرگ بود چارہ وز فرقت مفر ۔۔۔ چوں ازاں تا چند بودن بہر سید نوحہ گر
جائے استقلال و وقت ہمت و مردانگی است ۔۔۔ گیں بلائے ناگہاں را نیست جز ہمت سپر
از صلاح کار خود اکنوں اگر غافل شدید ۔۔۔ ایں مصیبت را ست صد چندیں مصیبت برا ثر
خواجہ دارالعلما از بہر شما بگذاشتنت ۔۔۔ تا بود نسل شما از علم و دولت بہرہ ور
کوہ ہا کندست تا ایں جوئے شیر آوردہ است ۔۔۔ بو کہ آب رفتہ در جوئے شما آید ز سر
ترسم ایں سرچشمہ گرد و تیرہ از سنگ خلاف ۔۔۔ ہاں و ہاں وقت است وقت اتفاق ہمدگر
عزم جزم آرید و برخیزید و ہمدستاں شوید ۔۔۔ دست بکشائید و بربندید دامن برکمر
شصت ملیں ہست در ہندوستاں توحید گوی ۔۔۔ وہ کہ چندیں خلق در ماندند بہر یک نفر
یادگار خواجہ بعد از خواجہ برپا داشتن ۔۔۔ شکر او را خوبتر زیں نیست اسلوبے دگر

عزوا او ایں بس کہ در اصلاح خود کوشیدہ بود
کز شما غیر از شما مطلوب او چیزے نبود

نمبر ۵۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۷ - دسمبر ۱۸۹۸ء کو محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ لاہور میں پریذیڈنٹ صاحب کی تقریر کے بعد بطور شکریہ کے فرمائی:۔

حضرات!

جس جگہ آج میں تقریر کرنے کو کھڑا ہوا ہوں افسوس ہے کہ یہاں (اس موقع پر رقّت ہوگئی اُس جو فقرہ شروع ہوا تھا۔ وہ ختم نہ ہوسکا۔ اور کسی قدر تامل کے بعد آپ نے اُسی لہجہ میں اپنی نہایت پُرسوز اور مؤثر تقریر کو شروع کیا۔ حاضرین اس وقت ہمہ تن چشم بن گئے تھے) سر سیّد مرحوم کھڑے ہوا کرتے تھے، مجھے صرف اُن کی ذات سے محبت نہ تھی بلکہ پنجاہ سالہ تجربہ نے اُن کی نسبت میرے دل پر اس بات کو نقش کر دیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے قوم کا درد، اسلام کی محبت، اور مسلمانوں کی بہی خواہی کو

مشکل وقت میں ہمیشہ اُس کا نام احمد رکھ دیا ہے خلوت وجلوت تنہائی، یکجائی، دن، رات، صبح، شام، جب میں نے اُن کو دیکھا۔ مجھے اُن کی صداقت۔ اسلام کی محبت، قوم کی ہمدردی ثابت ہوتی اور میری محبت اُن سے بڑھتی گئی۔ اُن کی سی سالہ بلکہ چہل سالہ محنت و کوشش نے قومی ترقی وبہبودی کے متعلق اگرچہ بہت کچھ کر دکھایا مگر افسوس ہے کہ جیسی اُن کی تمنا تھی یا جتنی اُن کی ضرورت تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ سر سید مرحوم نوحہ کرتا رہا، مرثیہ پڑھتا رہا، چیخا چلایا، فریاد وزاری کی، جس پر قوم کچھ متوجہ ہوئی، اور اُس کی مدد کی، مگر تھوڑے لوگوں نے، ہم لوگ جو اُس کے متبع، مقلد اور دوست کہلاتے تھے، ہم نے بھی اُس کے جیتے جی کسی قدر اعانت کی، مگر جیسی کہ چاہیے تھی ویسی اعانت ہم لوگوں سے بھی نہ ہو سکی۔ اب وہ ہاتھ اُٹھ گیا جو ہماری راہ نمائی کرتا تھا۔ جس کی قوت سے ہم قومی رفاہ کے کاموں میں سرگرمی ظاہر کرتے اور جوش دکھاتے تھے۔ اُن کی تمنا جس سے قوم کی ترقی وابستہ تھی ناتمام رہ گئی۔ کوئی قوم کا لیڈر، کوئی مسلمانوں کا راہ نما، کوئی قوم کا دردخواہ اور اُس میں درد پیدا کرنے والا، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کوئی قوم کو گالیاں دینے والا، نہ رہا۔

معزز پریسیڈنٹ نے اپنی افتتاحی تقریر میں ہم لوگوں کی نسبت جو منتظمین و رکن رکین کانفرنس سمجھے جاتے ہیں۔ اچھے الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو قومی درد اور قومی محبت سر سید میں تھی، اور وہ آگ جو اُن کے دل میں لگی ہوئی تھی، اور وہ دل جو درد سے بھرا ہوا تھا، ہم میں اُس کا نشان بھی نہیں۔ اُن میں یہ سب باتیں فطری تھیں، اور ہم میں مصنوعی۔ سُرمگیں آنکھ اور چیز ہے اور سرمہ لگانا اور بات ہے۔ لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحَلِ۔

حضرات! منجملہ اُن تدبیروں کے جو قوم کی ترقی کے لئے مرحوم نے سوچی تھیں اس مجلس کا قائم کرنا ہے۔ اس کے مقاصد اعلیٰ اور اُس کے فوائد بے انتہا ہیں۔ اگر مرحوم کی مرضی کے موافق اس مجلس کی تجویزوں پر عمل کیا جاتا، تو آج قوم کی حالت ہی دوسری نظر آتی۔ مگر افسوس ہے کہ سوائے عمدہ اسپیچوں اور فصیح بلیغ لکچروں کے کوئی عملی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔ مرحوم سر سید اسی کا غم اور اسی کا رنج کرتے رہے اور یہی رنج اپنے ساتھ لے گئے۔ اب ہم کو اپنے اوپر رحم کرنا اور اُس غفلت اور بے توجہی کو چھوڑنا چاہیئے جس نے ہماری یہ حالت کر رکھی ہے۔

حضرات! گذشتہ اجلاس ہائے کانفرنس میں پریسیڈنٹ کی افتتاحی تقریر کے بعد سر سید مرحوم کانفرنس کے اجلاس سابق کی رپورٹ سُنایا کرتے تھے، میں بھی اس وقت رپورٹ سُنانے کیلئے کھڑا ہوا ہوں، بروئے قواعد اس وقت کانفرنس کے لائق آنریری سکرٹری جناب آنریبل سید محمود صاحب بالقابہ ہیں۔ وہ شرکت کانفرنس کے بڑے شائق تھے، مگر ان دنوں چونکہ انہیں چند در چند کارہائے ضروری درپیش ہیں اور نیز جناب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر صوبجات غرب وشمال تحریر دورہ

علی گڑھ تشریف لانے والے ہیں اور ۳۰ جنوری کو اُن کا اجلاس محمڈن کالج کے اسٹریچی ہال میں ہوگا۔ اس لئے آنریبل مسٹر محمود صاحب تشریف لائے۔ اُنھوں نے مجھ سے خواہش ظاہر کی تھی کہ ان کی حسرت وتمنا کا آپ لوگوں سے اعلان کروں۔ اور اُن کی طرف سے عدم شکایت پڑھائی مانگوں۔ مَیں تکمیل ضابطہ کے لئے رپورٹ اجلاس ماسبق پیش کئے دیتا ہوں۔ یہ وہ رپورٹ ہے، جو سنٹرل اسٹینڈنگ کانفرنس کمیٹی علی گڑھ نے اُن کے پاس بھیجی تھی، اس لئے کہ ۱۸۹۶ء کے اجلاس منعقدہ میرٹھ میں حسب رزولیوشن نمبر ۲ کانفرنس کی کارروائی سکرٹری کے بدلے ایک سنٹرل اسٹینڈنگ کانفرنس کمیٹی کے سپرد ہوئی تھی۔ اُس کمیٹی نے بموجب قاعدہ اپنی رپورٹ سکرٹری کے پاس بھیجی، اور وہ یہ رپورٹ ہے جو مَیں پیش کرتا ہوں اور اُس کے چند فقرے پڑھے اور عذر کیا کہ اس کے پڑھنے میں ایک گھنٹہ صرف ہوگا، جو بہت قیمتی ہے۔ علاوہ بریں اس رپورٹ میں بجز آنے والے نوٹ و فہرست رزولیوشنوں وغیرہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں ایک بات اس میں قابل توجہ ہے کہ اجلاس میرٹھ (جس کی یہ رپورٹ ہے) میں جو رزولیوشن اس مضمون کا پاس ہوا تھا کہ مسلمان بچے بوجہ عدم استطاعت و افلاس اعلیٰ تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ اس لئے یہ تجویز کی جائے کہ ہر شہر کے مسلمان اپنے ضلع سے کم از کم ایک وظیفہ عہ روپیہ ماہوار کا دے کر ایک طالب علم کو کالج میں تعلیم دلائیں۔ اُس کے متعلق مَیں آپ صاحبوں کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ اب تک ۳۹ وظائف ۔ ۳۹۰ روپے ماہوار کے مقرر ہوئے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اب تک قومی ہمدردی، اسلامی اخوت، اور سرگرمی باقی ہے۔ سید صاحب قوم کو مُردہ اور کانفرنس کو مجلس نوحہ خوان کہتے تھے اُن کی وفات کے بعد کس کو خیال تھا کہ کانفرنس کبھی منعقد ہوگی مگر اے زندہ دلان پنجاب آفرین ہے تم پر سر سید نے تم کو بہت درست خطاب دیا ہے، تم خود زندہ دل ہو اور تم نے کانفرنس کو از سرِ نو زندہ کیا۔ ہم لوگ تمام مسلمانان ہند کی طرف سے تمہارے شکر گذار ہیں سر سید مغفور اس کانفرنس کے خلاق تھے، تو یہ بڈھا (آپ نے خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب کی طرف اشارہ کیا) اُس کا مسیحا ہے، سر سید اگرچہ مر گئے، مگر اُن کے خیالات نہیں مرے اُن کی صورت بظاہر ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے، مگر حقیقت میں یہ سب شان و شوکت اُنہی کی برکت اور فیضان کا نتیجہ ہے ؎

کسے کز نسیم باد صبا ست میدانند

کہ باوجود خزاں بوے یاسمن باقی ست

صاحبان! جناب سردار محمد حیات خاں صاحب بالقاب، خان بہادر برکت علی خاں صاحب، مسٹر شاہ دین اور منشی محبوب عالم صاحب، ان لوگوں نے اپنی کوشش اور محنت سے کانفرنس کو اور اس کے ساتھ قومی محبت اور اخوت کے خیالات کو زندہ کیا اُس کی وجہ صرف یہی ہے کہ سر سید کی آگ کی

چنگاریاں ان کے دل میں پہنچ گئی۔ سرسید مغفور باینہمہ پیرانہ سالی ۸۰ برس کے سن و سال میں قومی کام بڑی مستعدی اور چالاکی سے انجام دیتے رہے۔ وہی جوش، وہی سرگرمی، اب خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب میں دیکھی جاتی ہے، جنہوں نے اس بڑھاپے اور بیماری کی حالت میں کانفرنس کے اجلاس کی تیاریاں اس جوش و خروش سے کیں جس کے سبب سے بارھواں اجلاس کانفرنس کا پچھلے اجلاسوں پر سبقت لیگیا۔

حضرات! آنربیل نواب فتح علی خاں بہادر کے پریسیڈنٹ ہونے پر کانفرنس کی طرف سے دلی شکر ہے، ہم آج کانفرنس کے اس جلسہ میں اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ایسے معزز اور مفخر قوم نے جیسے کہ نواب فتح علی خاں بہادر ہیں پریسیڈنٹی قبول فرما کر ہماری مجلس کو معزز اور ہم کو ممنون فرمایا۔ ایسے بزرگوں کی پریسیڈنٹی ہمیشہ ایسی مجلسوں کی عزت اور پبلک کے اطمینان کا باعث ہوتی ہے۔ نواب صاحب اپنی خاندانی عزت اور اپنی ذاتی لیاقت وعلمی کمالات کی وجہ سے ہماری قوم کے سربرآوردہ اور نامور بزرگوں میں سے ہیں اور اس خاندان نے ہمیشہ قومی کاموں میں قابل قدر توجہ اور فیاضی ظاہر کی ہے اور آپ کے پاکیزہ خیالات نے آپ کو ہردلعزیز بنا رکھا ہے۔ اور آپ منجملہ اُن روشن خیال بزرگوں کے ہیں جو باوجود مذہب میں راسخ الاعتقاد ہونے کے مختلف فرقوں کے ساتھ ہمدردی اور دوستی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں جو چیزیں ترقی کی مانع ہیں اُن کے دور کرنے کے آرزومند ہیں۔ اس لئے ایسے شخص کی پریسیڈنٹی پر ہم جس قدر فخر کریں وہ کم ہے، اور مجھے اس موقع پر ایک خاص وجہ آپ کی پریسیڈنٹی سے خوش ہونے کی ہے کہ آپ دوسرے شخص شیعہ اثنا عشری مذہب کے ہیں کہ جو ہماری مجلس کی کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں، اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہماری مجلس قومی کاموں میں تعصبات سے پاک ہے، اور قومی کاموں میں بلا لحاظ عقائد اور مذہبی خیالات کے اُسی شخص کو منتخب کرتی ہے، جس سے قوم کو فائدہ پہنچنے کی امید ہو۔ مجھ سے زیادہ غالباً کوئی شخص اس بات کا خواہشمند نہ ہوگا کہ اُس منحوس تفرقہ کا جو باہم شیعہ اور سنیوں کے بعض متعصب اور تنگ دل مدعیان مذہب پیدا کرتے ہیں، نشان باقی نہ رہے۔ اور مسلمانوں کے دو معزز گروہ جن کا خدا اور قرآن اور ہادی اور قبلہ ایک ہے، قومی کاموں میں مذہبی خیالات کو دخل نہ دیں، اور ایسی دردناک حالت میں جو مسلمانوں کی ہو رہی ہے ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ اور دوستی اور محبت کا ایک دوسرے سے برتاؤ رکھیں۔ اور اغراض مشترکہ میں متفق ہو کر کام کریں۔ یہی وہ شے ہے جس سے ہماری مصیبت دور ہو سکتی ہے، اور اسی اتفاق سے ہم ترقی کر سکتے ہیں۔ درحقیقت وہ شخص قوم کا دشمن ہے، جو ان دو معزز فرقوں میں مسلمانوں کے تفرقہ پیدا کرنے کا باعث ہو۔ اور مذہبی عقائد کو قومی کاموں میں دخل دے۔ اور اُن خیالات کو جن کا تعلق انسان کے دل اور خدا سے ہے باہم مل جل کر کام کرنے کا

مانع سمجھے +

چونکہ نواب فتح علی خاں بہادر کے پریسیڈنٹ ہونے نے اس بات کو نمایاں طور پر ثابت کر دیا کہ ہماری مجلس قومی کاموں میں کچھ تمیز شیعہ اور سُنّی کا نہیں کرتی اور سب کو ایک نگاہ سے دیکھتی ہے اور ہر کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور اُس کے نزدیک تعصب اور مذہبی تفرقہ سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے اس لئے مجھے آپ کے پریسیڈنٹ ہونے سے ایک خاص قسم کی خوشی ہے اور تہ دل سے پریسیڈنٹی کے قبول کرنے پر جناب ممدوح کا شکر ادا کرتا ہوں +

نمبر ۴۶

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک بہادر سکرٹری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے ۲۰ دسمبر ۱۸۹۸ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دوازدہم منعقدہ لاہور میں رزولیوشن نمبر ۶ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی۔ رزولیوشن یہ ہے :-

رزولیوشن نمبر ۶

اس کانفرنس کی رائے میں مجوزہ یونیورسٹی کی اسکیم میں ہر مسلمان طالب علم کے لئے قبل اس کے وہ امتحان بی اے میں شامل ہو۔ دینیات کے ضروری اصولوں میں ایک امتحان جس کا مناسب معیار آیندہ مقرر کیا جاوے پاس کرنا لازمی ہوگا) +

جناب صدر انجمن و حاضرین !

اِس وقت جو رزولیوشن پیش ہوا ہے، غالباً کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا کہ اُسے خاص قسم کی خوشی اُس سے حاصل نہ ہوئی ہو اور اس کانفرنس کے مفید ہونے میں اب کسی کو کلام کرنے کا موقع باقی نہ ہو۔ اس قسم کے رزولیوشن نہایت عزت اور خوشی کی نظر سے قوم میں دیکھے جاتے ہیں اور اس قسم کے مسائل پر بحث کرنے سے بہت سے مفید نتیجے پیدا ہوتے ہیں اور ہماری کانفرنس اسی قسم کے رزولیوشنوں کے پیش ہونے پر پسندیدہ اور مقبول اور کار آمد ہو سکتی ہے +

مجھے اس رزولیوشن کے پیش ہونے سے جو خوشی ہوئی ہے اُس کے کئی سبب ہیں۔ سب سے اول یہ ہے کہ یہ رزولیوشن اُس قوم کے آدمی نے پیش کیا ہے جو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اپنی ماد

میں اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہوئی ہے اور جو انسانی کمالات میں ایشیا کی رہبر و رہنما سمجھی جاتی ہے ۔ اور اس کی پیش کرنے والا خود تعلیم یافتہ اُس یونیورسٹی کا ہے جس پر انگلستان کو ناز ہے اور جس کے نمونہ پر ہم اپنی یونیورسٹی بنانا چاہتے ہیں ۔

دوسری وجہ خوشی کی یہ ہے کہ جو رزولیوشن پیش کیا گیا ہے ۔ اور جس پر مجھے امید ہے کہ بہت بڑی بحث ہوگی ، وہ نہایت ضروری اور اہم اور مسلمانوں کے خیالات اور خواہشات کے موافق ہے ۔

اس رزولیوشن کا جو پیش کیا گیا ہے ایک مقصد تو یہ ہے کہ ہماری مجوزہ یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم ہونی چاہئے ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک طالب علم کا دینیات میں مثل اور علوم کے امتحان لیا جائے اور کسی طالب علم کو ڈگری کے امتحان میں شامل ہونے کی اجازت نہ دیجائے جب تک کہ وہ دینیات کا امتحان پاس نہ کرلے ۔

پہلے مقصد کی نسبت کہ ہماری مجوزہ یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم ہو ، میں آپ کی توجہ صرف اسی بات پر نہیں چاہتا کہ آیا بحیثیت مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو اپنی خاص یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم لازمی ہے یا نہیں بلکہ میں آپ کو مجوزہ یونیورسٹی کے قائم کرنے کے ابتدائی خیالات کی یاد دلاتا ہوں اور جن اصول پر مدرسۃ العلوم قائم ہوا اور جن پر ہماری مجوزہ یونیورسٹی قائم ہوگی ، اُن پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں ۔

۱۸۷۰ء میں جب کہ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے مسلمانوں کے تنزل تعلیم کے اسباب دریافت کرنے کا اشتہار دیا تھا اور انعامی رسالے پیش ہوئے تھے اُس وقت عموماً سب نے یہ رائے دی تھی کہ سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں چونکہ مذہبی تعلیم نہیں ہوتی اس لئے مسلمان کم داخل ہوتے ہیں ۔ اور جملہ ممبران کمیٹی نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ مسلمانوں کے لڑکوں کو تعلیم مذہبی کا ہونا ضروری ہے ۔ اور چونکہ مذہبی تعلیم سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ہو نہیں سکتی اس لئے مسلمانوں کو اس کا اہتمام خود کرنا اور اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے خود علیحدہ مدرسہ قائم کرنا چاہیئے ۔ اور زیادہ تر اسی بنیاد پر مدرسۃ العلوم علی گڈھ کا بنانا تجویز ہوا اور مسلمانوں کو اسی بات کی ترغیب دے کر اُن سے ہزاروں لاکھوں روپیہ کا چندہ لیا گیا ۔ اور مذہبی تعلیم ہی وہ چیز تھی جس کی امید اور شوق نے مسلمانوں کو مدرسۃ العلوم کی طرف متوجہ کیا ۔ اور مذہبی تعلیم ہی وہ شے ہے جس سے مدرسۃ العلوم اور اسکولوں اور کالجوں کی بہ نسبت مسلمانوں سے مخصوص اور محمڈن کالج کے نام پانے کا مستحق سمجھا گیا ۔ اور یہی وہ وجہ ہے ، جس کا اظہار اور اعلان پبلک اور گورنمنٹ پر ہمیشہ خانگی اور سرکاری تحریروں اور تقریروں میں کیا گیا ۔

اگر کھولو ان تحریروں اور تقریروں اور اسپیچوں اور پیچوں جیسا ترجموں اور ڈیلیوں کو دیکھو جو

۱۸۸۲ء سے اب تک پیش ہوئے، اور جن سے سارا کارڈ بھرا ہوا ہے اور جس میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے کہ بغیر مذہبی تعلیم کے مسلمانوں کی تعلیم نہ صرف ناقص ہے بلکہ وہ انگریزی تعلیم کے حاصل کرنے سے بھی معذور رہیں۔

۱۸۷۵ء میں جب سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی مدرسہ دیکھنے کو آئے اُس وقت اُنھوں نے مذہبی تعلیم کی ضرورت کی نسبت کہا کہ "اکثر لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ بغیر مذہبی تعلیم کے تکمیل نہیں ہو سکتی۔ کمتر ایسے ہیں جو اس کو تسلیم نہیں کرتے، سبب یہ ہے کہ لڑکے کی طبیعت نازک ہوتی ہے اُس کی مثال پودے کی ہے اگر پہلے ٹیڑھا ہو جاوے تو پھر بڑا ہو کر سیدھا نہیں ہو سکتا، اگر سیدھا ہو جاوے تو پھر کج نہیں ہو سکتا۔ اگر بچپن میں اخلاق درست ہو جاویں تو امید ہوتی ہے کہ جب بڑا ہو جاوے تو نیک اور اچھے اخلاق کا ہو۔ ایّام سلف میں کسی فلاسفر روم نے بھی کہا ہے کہ اگر نصیحت چھوٹی عمر میں دی جاوے تو دل میں گہری جڑ پکڑ جاتی ہے۔ ان دونوں باتوں سے یہی نکلتا ہے۔ کہ اگر بچپن کے اخلاق کی وہ باتیں جن سے دل سیدھا ہوتا ہے، نیکی دل میں آتی ہے، بتائی جاویں۔ مثلاً خالق کو حاضر و ناظر جاننا، عقبیٰ کے حالات، جزا و سزا کی تعلیم وغیرہ بچپن ہی میں نہ ہو تو بڑا ہو کر بے ایمان رہتا ہے۔ فجور کی حالت میں، بدکاری میں، مبتلا رہتا ہے پھر وہ بھی جو بڑے درخت کی کجی کے مانند اُس میں ہے سیدھی نہیں ہوتی۔

ہز اکسلنسی لارڈ لٹن ویسرائے و گورنر جنرل ہند نے جب کہ وہ ۱۸۷۷ء میں ہمارے مدرسے کے بنیادی پتھر رکھنے کے لئے تشریف لائے تھے مذہبی تعلیم کی نسبت اپنی رائے اس طرح پر ظاہر فرمائی تھی "آپ نے اپنے ایڈریس میں یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی قوم اپنے مذہب کو نہ صرف ذہنی و اصولی دلائل پر مبنی سمجھتی ہے۔ بلکہ اُس کو دنیاوی تعلقات میں سب سے عمدہ اور سب سے بڑھ کر رہنما خیال کرتی ہے۔

"اے صاحبو! میں اس قسم کے مذہبی یقین کو یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا یقین تمام سچے مذہبی یقین کی سب سے عمدہ شکل ہے کیونکہ ہر ایک مذہب کا خواہ اُس کا کچھ ہی نام ہو اور اس کی کیسی ہی شکل ہو سب سے زیادہ مانا ہوا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانی مشاغل کی دنیاوی زندگی کے مختلف فرائض میں رہنمائی کرے اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ اس بات کے اعتراف کرنے میں ذرا دریغ نہ کرینگے کہ مذہب اسلام میں کوئی اصول ایسا نہیں ہے جو اعلےٰ درجہ کی دماغی ترقی کا مانع خیال کیا جا سکتا ہو قوم مسلمانان نے علم و ہنر و سائنس کے میدان میں بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں۔

اسی مذہبی تعلیم کے لازمی ہونے کے متعلق اُس ایڈریس میں جو ہز اکسلنسی لارڈ رپن کو دیا گیا تھا سر سید مرحوم نے بیان کیا تھا کہ "ہمارے کالج کی سلسلہ خواندگی میں مذہبی تعلیم و دنیوی تعلیم کے

ساتھ شامل ہے۔ کالج کے منتظم طالب علموں کے ذاتی عادات اور پرائیویٹ لائف کی نگرانی کرتے ہیں اور عقلی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کے ساتھ جسمانی ورزشوں کو ترقی دیجاتی ہے۔ اور یہ کالج قومی جوش کا نتیجہ ہے۔ اور اُس کا مقصد مسلمانوں کی قوم کی تعلیمی حاجتوں اور مذہبی خواہشوں کا رفع کرنا ہے۔" اس ایڈریس کے جواب میں لارڈ رپن نے فرمایا تھا کہ "آپ نے بیان کیا ہے کہ اس کالج کے بانیوں کا ایک خاص مقصد مذہبی اور دنیوی تعلیم کا ساتھ ساتھ دینا ہے۔ اور مَیں اس مقصد کو دل سے پسند کرتا ہوں کیونکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ تعلیم کے اُن دو شعبوں کے درمیان جو مذہبی اور دنیوی نام سے مشہور رہیں جو تفرقہ سمجھا گیا ہے وہ صرف ایک مصنوعی تفرقہ ہے۔ کامل تعلیم و تربیت صرف اُن دو شعبوں یعنی مذہبی اور دنیوی کے بخوبی خلط ملط ہونے سے بخوبی حاصل ہوسکتی ہے"۔

پھر اسی بات کو کہ مذہبی تعلیم اور مذہبی تربیت ہمارے کالج کی خصوصیات سے ہے نہایت فخر کے ساتھ اُس ایڈریس میں جو سر الکلینڈ کالون لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی کو دیا گیا تھا سرسید نے یوں کہا تھا کہ "مسلمانوں کی تعلیم کی اُن ضروریات پر بھی ہم نے بخوبی لحاظ کیا ہے، جو اور کسی کالج میں پوری نہیں ہوسکتی ہیں یعنی اُن کی مذہبی تعلیم کو بھی خواہ وہ سنّی ہوں یا شیعہ ایک مناسب حد تک تعلیم کا لازمی جزو قرار دیا ہے، اور اس ذریعہ سے ہم کو اُن کے اخلاق کی درستی کا بھی نہایت عمدہ موقع حاصل ہوا ہے۔ ہم مذہبی تعلیم میں بہ نسبت فقہی مسائل کے زیادہ تر اخلاقی تعلیم کو عزیز رکھتے ہیں۔ ہم اُن کو مذہبی تعلیم میں سکھاتے ہیں کہ رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا، تمام مخلوق خدا کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنا، نرمی اور حیا اور حسن خلق کا اختیار کرنا، غضب اور غرور کو ترک کرنا، سب سے بڑا جزو ایمان کا ہے۔ پھر ہم اُن کو سکھاتے ہیں کہ خدا کے حقوق بندوں پر کیا ہیں۔ آپس میں ایک مسلمان کے حق دوسرے مسلمان پر کیا ہیں۔ ایک ہمسایہ کے حقوق دوسرے ہمسایہ پر گو وہ کسی مذہب کا ہو، کیا ہیں۔ باپ کے حقوق اولاد پر۔ بڑے کے حقوق چھوٹے پر کیا ہیں۔ مختلف قوموں کے ساتھ ہم کو کس اخلاق سے زندگی بسر کرنی چاہئے۔ پھر ہم اُن کو سچائی کی خوبی سکھاتے ہیں اور اُن کو بتلاتے ہیں کہ دل کی سچائی کیا ہے، زبان کی سچائی کیا ہے، نیت اور ارادہ کی سچائی کیا ہے، وعدہ کی سچائی کیا ہے، اعمال کی سچائی کیا ہے، مذہبی تعلیم کے یہ رسالے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ آپ ملاحظہ فرماویں گے کہ یہ سب اسی قسم کے اخلاقی امور سے مملو ہیں"۔

اسی بات کا مرحوم سرسید نے مارکوئس آف ڈفرن ولیسرائے و گورنر جنرل ہند کے ایڈریس میں اعادہ کیا تھا اور کہا تھا کہ "جو تعلیم یہاں دیجاتی ہے وہ مذہبی اور پولیٹیکل تحمل کے نہایت وسیع اصولوں پر مبنی ہے۔ اور اس کالج کے قائم کرنے کا خاص مقصد یورپین سائنس اور انگلش لٹریچر میں مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے سہولتوں کا مہیا کرنا بذریعہ دفع کرنے اُن اعتراضات کے تھا جو مذہبی یا سوشل تعصبات

کی وجہ سے اُن کو انگریزی تعلیم سے باز رکھتے تھے۔ اسی ایڈریس میں اس بات کے ثابت کرنے کو لئے کہ یہ کالج کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹیوں کے اصول پر قایم کیا گیا ہے"۔ اسی ایڈریس میں مرحوم نے بیان کیا تھا کہ "جو کالج اس قسم کے انگلستان میں ہیں اُن کی عمدہ نظیر کی پیروی کر کے مسلمان طالب علموں کو مسلم مذہبی عالموں کی کتابوں میں مذہبی تعلیم دیجاتی ہے۔ اور اپنے مذہب کے معلم اُن مضامین کے درس کے درس کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔ سُنی اور شیعہ دونوں کو اُن کے مذہبی مسائل کے مطابق تعلیم دیجاتی ہے لیکن دونوں کے واسطے جو کتابیں منتخب کی گئی ہیں وہ اس قسم کی ہیں جن سے مذہبی مسائل کی تعلیم کے علاوہ اخلاق اور انسانیت کے اُن وسیع اصولوں کی تلقین ہوتی ہے، جو عام طور کے ہیں اور بنی نوع انسان کی سوشل زندگی کی بنیاد ہیں، اس قسم کی مذہبی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے کالج کے قواعد کے بموجب ان طالب علموں پر ہر روز نماز میں شریک ہونا، اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا، لازمی قرار دیا گیا ہے سنی اور شیعہ ایک مسجد کی تعمیر کے واسطے جو کالج کی عمارات میں سے نہایت شاندار اور خوشنما ہوگی روپیہ دینے میں شریک ہوئے ہیں۔ اور اگرچہ یہ مکان ہنوز پورا نہیں ہوا ہے تاہم ہر طرح پر یہ توقع کرتے ہیں۔ کہ اہل اسلام بطیب خاطر ضروری سرمایہ فراہم کرینگے"۔ اور لارڈ ڈفرن نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ "ہمارا موجودہ سرکاری طریقۂ تعلیم درستی عادات اور اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سے کافی طور پر محفوظ نہیں ہے۔ اس لئے مجھ کو اس بات کے دیکھنے سے رضامندی حاصل ہوتی ہے کہ آپ نے اس بات کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے کہ آپ کے طالب علموں کو مذہبی اور اخلاقی اور سوشل تعلیم و تربیت دیجائے"۔ اور اسی بات کا بیان اُس ایڈریس میں کیا گیا تھا۔ جو جسٹس ڈگلس اسٹریٹ صاحب بہادر جج ہائیکورٹ کو دیا گیا تھا اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ "ایک ایسے انسٹیٹیوشن کی ضروریات کے مہیا کرنے کے لئے جس نے اپنی ابتدائی تجویز کے بموجب فاصلہ دور و دراز سے اس طرح پر طالب علموں کو اپنی جانب مائل کیا یہ امر ضروری تھا کہ وہ صرف ایک تعلیم دینے والی انسٹیٹیوشن ہی نہ قرار دیجاوے، بلکہ انگلستان کے بڑے بڑے پبلک اسکولوں اور اکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں کے نمونہ پر طالب علموں کی سکونت کا مسکن بھی قرار دیا جاوے جہاں نہ صرف عقلی تربیت کی ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور مذہبی تربیت کی بھی درستی اور نگرانی کی جاتی ہو اور اُن ایسی کھیلوں کو ترغیب دینے سے جن کے لئے انگلستان مشہور و معروف ہے طالب علموں کی جسمانی تندرستی قائم رکھی جاتی ہو"۔

یہ چند اقتباس اُن ایڈریسوں کا ہے جو ہمارے کالج سے بڑے بڑے حکام کو دیئے گئے اور جس میں مذہبی تعلیم کا ہمارے کالج کی تعلیم کا لازمی جزو ہونا بیان کیا گیا۔ اور اگر میں تمام تحریروں اور تقریروں کا انتخاب کروں تو وہ ایک بڑی کتاب ہو جائے۔ مگر جو کچھ میں نے بیان کیا اُس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مذہبی تعلیم ہمارے کالج کا اصلی اور ضروری جزو ہے اور اگر وہ جدا کیا جائے تو درحقیقت

ہمارا کالج محمدن یونیورسٹی کے نام کا مستحق نہیں ہے۔ نہ ہم کو آیندہ یونیورسٹی کا نام محمدن یونیورسٹی رکھنا چاہئے۔

پس اگر ہم کو مسلمان رہنا ہے اور انسان بھی بننا۔ اسلام کا قائم رکھنا بھی منظور ہے اور دنیا میں ترقی بھی کرنی، تو اس پاک مقولہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ الملک والدین توامان اور اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے ہم کو دنیاوی علوم کے ساتھ دینی علوم کا سیکھنا ضروری ہے۔ اور پختہ مسلمان اور انسان ہونے کے لئے ہم کو دونوں کا خیال رکھنا اور دونوں کے سامان مہیا کرنے لازم ہیں۔ اگر ہم صرف تعلیم مذہبی پر قانع رہیں تو اپنی قوم اور اپنے مذہب کو دنیاوی حیثیت کے لحاظ سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ دین کی عزت کے لئے دنیاوی عزت ضروریات سے ہے۔ اگلے زمانہ پر نظر کرو جب ہمارے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا اور جب ہمارے سطوت اور جلال اور عزت و کمال کا غلغلہ چار دانگ عالم میں پڑا ہوا تھا، اس کا اصلی سبب کیا تھا۔ دین کے ساتھ دنیاوی عزت ہمیں حاصل تھی اور دینی علوم کے ساتھ ہم دنیاوی اور عقلی علوم کے عالم تھے، اور دینی بزرگی کے ساتھ دنیاوی حکومت اور دنیاوی ثروت ہمیں حاصل تھی، جب دولت تھی دنیا ہماری جوتی کے نیچے تھی اور جب دنیاوی عزت ہم رکھتے تھے، دینی شان و شوکت کی شعاعیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔

اُس وقت جب کہ ہم دین و دنیا دونوں رکھتے تھے کتنی خانقاہیں آباد تھیں، کتنے مدرسے جاری تھے، کتنے عالم، کتنے مشائخ۔ کتنے بزرگ، کتنے ولی و کمالی و [illegible] تھے۔ ہندوستان کے اخیر زمانہ ہی پر نظر کرو اور دیکھو کہ اُس وقت بھی جب کہ کسی قدر دنیاوی عزت باقی تھی دینی عزت کا کیا حال تھا۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز سے محدث، لکھنؤ میں بحر العلوم مُلّا عبدالعلی سے عالم اور مولانا دلدار علی اور سید محمد جیسے مجتہد۔ ناسخ و آتش جیسے نامور شاعر، دبیر و انیس جیسے بےنظیر مرثیہ گو مسلمانوں کی عزت و شان بڑھانے والے موجود تھے اور پھر خیال کرو کہ وہ کیا ہوئے اور کہاں گئے اور اُن کے بعد اُن کے جانشین پھر کیوں پیدا نہ ہوئے۔ تلک امۃ قد خلت وہ سب گذر گئے اور دنیا کی دولت و عزت کے ساتھ وہ بھی چل بسے۔ جب دنیا کی دولت و عزت جاتی رہی۔ علم و مذہب جس پر ہمیں ناز تھا اُس کی نشانیاں بھی مٹ گئیں۔ پس جس بات کا تجربہ ہو چکا، اور جو ہمارے اوپر گذر چکا اُس سے آیندہ کو سبق لینا چاہئے، اور وہ سبق یہ ہے کہ وہ علوم بھی سیکھو جس سے تم کو دنیا میں عزت، دولت و ثروت ملے اور سلطنت و حکومت میں حصہ پاؤ تاکہ تم کو اپنے دین اور اپنے مذہب کی عزت و شان بڑھانے کا ذریعہ اور موقع ملے اور پھر اپنی قوم میں ویسے ہی لوگ پیدا ہونے کی امید رکھو جن سے قوم کی عزت اور شان بڑھے اور اسی کے ساتھ تم اپنے مذہبی علوم کو بھی سیکھو اور اپنی مقدس زبان عربی کو بھی جس میں تمام علم و تہذیب کا خزانہ ہے نہ بھولو۔

لیکن اگر ہم نے اپنے مذہبی علوم کو چھوڑ کر صرف انگریزی علوم پر قناعت کی اور اُسی کو اپنی ترقی کا سبب سمجھے تو وہ بھی ہماری قوم کے درد کی دوا نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر مسلمان تمام دنیا کے علوم پڑھ جائیں اور سارے جہان کی زبانیں سیکھ لیں۔ بی۔اے اور ایم۔اے ہونا کیسا بیکن اور نیوٹن ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ مگر اپنے علوم اپنے دین و مذہب اپنے ادب اپنی تاریخ اپنے اخلاق سے ناواقف رہیں۔ تو اُن کے علم سے جہل، اُن کی حکمت سے نادانی، اُن کی تہذیب سے وحشت۔ سو درجہ ہزار درجہ لاکھ درجہ بہتر ہے ٭

ایسے عالم، ایسے حکیم، ایسے زباندان، قوم کے لئے ایک مصیبت ہونگے نہ کہ رحمت۔ ایسی تعلیم، ایسی تربیت، قوم کی ذلت کا سبب ہوگی۔ نہ کہ عزت کا باعث۔ قوم ایسے انگریزی دان پر جو اپنے مذہب و اخلاق سے واقف نہ ہو اُس جاہل کو ترجیح دیگی۔ جس میں مذہبی جوش اور مذہبی حرارت موجود ہو۔ اگر انصاف سے دیکھو تو یہ بات ماننی پڑیگی کہ جو شخص صرف انگریزی پڑھا اور نئے علوم سیکھے مگر اپنے دین و علم سے بے خبر رہے اُس سے اسلام کو ہرگز فائدہ نہ پہنچیگا۔ نہ مسلمانوں کی اُس سے عزت ہوگی پس ایسی تعلیم سے جس سے ہماری قوم میں قومیت کا اصلی عنصر باقی نہ رہے کیا حاصل۔ اور ایسی دولت و ثروت سے جس سے اسلام کو فائدہ نہ پہنچے کیا فائدہ۔ اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے ؎

جب بتکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

غرضکہ مسلمانوں کی ترقی کی اصلی تدبیر یہی ہے کہ دنیاوی علوم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی جاری رکھی جائے۔ اسی خیال سے میں اس رزولیوشن کو جس کا ایک مقصد یہ ہے کہ ہماری مجوزہ یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم ہونی چاہئے نہایت دل سے تائید کرتا ہوں ٭

رہا اُس کا دوسرا مقصد کہ ہر ایک طالب علم کا دینیات میں مثل اور علوم کے امتحان لیا جائے اور کسی طالب علم کو ڈگری کے امتحان میں شامل ہونے کی اجازت نہ دیجائے جب تک وہ دینیات کا امتحان پاس نہ کرے۔ اسے بھی میں ضروری سمجھتا ہوں ٭

آپ نے ابھی ابھی ڈوریک صاحب کی تقریر سنی ہے۔ اُنہوں نے اس دوسری تجویز سے اپنی مخالفت ظاہر کی ہے۔ یقیناً اس پر آپ کو تعجب ہوا ہوگا۔ مگر مجھے اُس پر کچھ حیرت نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ وہ امتحان کو عموماً معیار لیاقت کا نہیں سمجھتے اور عام سلسلہ تعلیم میں بھی بجائے مفید ہونے کے اُسے مضر خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ۱۸۹۳ء کی اپنی تقریر میں جو سر چارلس کراسٹھویٹ صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی کے سامنے اسٹریچی ہال میں کی تھی کہا تھا کہ "مجھ کو ہندوستان کے طریقہ تعلیم میں یہ شکایت ہے کہ تعلیم کا تمام مقصد صرف ایک خیال پر یعنی امتحان کے پاس کر لینے پر محدود کر دیا گیا ہے۔ امتحان کو پاس کر لینا

خاص کوشش طالب علم کی ہے اور وہی محنت کرنے کے واسطے اُس کے لئے ایک ترغیب ہے اور جس وقت یہ ترغیب جاتی رہتی ہے تو اکثر اوقات اُس کو تحصیل علم کی خواہش بھی نہیں رہتی +

میرے نزدیک یونیورسٹی کا ایک خاص مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ علم کے شوق کو صرف علم کی غرض سے ترغیب دے مگر امتحان کا خوف طالب علموں کی طبیعت میں ایسی ترغیب پیدا نہیں ہونے دیتا۔ یہی خیال مسٹر بیک نے مذہبی تعلیم کی نسبت بھی ظاہر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مذہبی تعلیم سے مخالف نہیں ہوں بلکہ یہ میری دلی آرزو ہے اور میں نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ مذہبی تعلیم دیجائے مگر میری رائے ہے کہ دینیات کی تعلیم امتحانوں کے ذریعہ سے پورے طور پر طالب علموں کو دینا بالکل ناممکن ہے +

صاحبو! میں مسٹر بیک کی تقریر کی نسبت وہی اپنا خیال ظاہر کرتا ہوں جو سر چارلس کرافٹ ہیٹ صاحب نے اُن کے اعتراض پر نسبت طریقہ امتحان کے ظاہر کیا تھا اور کہا تھا کہ "میں نے بڑی خوشی کے ساتھ ایک کالج کے پرنسپل کو طریقۂ امتحان کی مذمت کرتے ہوئے سُنا اور میں اس بات کا خواہاں ہوں کہ مسٹر بیک کو امتحانات کے برخلاف اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہو۔ لیکن اے صاحبو! یہ امر ضرور ہے کہ علم کی کوئی جانچ مقرر ہو اور یہ بات مناسب نہ ہوگی کہ ہر ایک لڑکے کو بغیر طلب کرنے ثبوت اس بات کے کہ اُس نے ایک کافی اور معقول تعلیم حاصل کی ہے، ڈگری کے حاصل کرنے کا اختیار دیدیا جائے" مذہبی تعلیم کی نسبت بھی مسٹر بیک کے اعتراض کا یہی جواب ہے کہ جو تعلیم مذہبی ہماری یونیورسٹی میں دیجائے آخر اُس کی کوئی جانچ ہونی چاہئے اور وہ سوائے امتحان کے کیا ہوسکتی ہے یہ سچ ہے کہ مذہبی تعلیم لڑکوں کو مقدس اور پرہیزگار نہیں بنا سکتی۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ تعلیم ہی وہ شے ہے جس سے انسان کے خیالات کی اصلاح ہوسکتی ہے اور اگر تعلیم عمدہ اور پاکیزہ ہے تو بلاشبہ اُس کا اثر دلوں پر کچھ نہ کچھ ضرور رہتا ہے۔ اور اس زمانہ پر کیا منحصر ہے اگلے زمانہ میں جب کہ ہمارے یہاں ہر قسم کی تعلیم کا چرچا تھا صرف تعلیم سے لوگ مقدس اور پاک اور پرہیزگار نہیں بنجاتے تھے۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مذہبی تعلیم ہی کا یہ اثر تھا کہ تعلیم یافتہ گروہ میں سے امام رازی اور امام غزالی سے مقدس عالم تیار ہوئے۔ اگر مذہبی تعلیم ہماری یونیورسٹی میں دینا ضروری ہو اور مثل دیگر علوم کے مذہبی علوم کا سکھانا بھی ہماری یونیورسٹی کی تعلیم کا ایک جزو قرار دیا جائے تو یہ ایک ہنسی کی بات ہے کہ مثل دنیاوی علوم کے دینی علوم کی تعلیم کا کوئی ذریعہ نہ رکھا جائے اور مذہبی تعلیم امتحان کی قید سے آزاد کردیجائے۔ اس کا یہ اثر نہ ہوگا کہ مذہبی تعلیم پانے والے مقدس اور پاک ہوجائینگے اور مذہب کی اصلی خوبیاں اُن کے دل میں نقش ہوجائینگی۔ بلکہ اُس کا اثر یہ ہوگا کہ مذہبی تعلیم پر کچھ توجہ نہ کیجائیگی۔ نہ اُس کے سیکھنے کا زیادہ خیال رہیگا۔ یہ سچ ہے کہ امتحان کا خوف مذہبی باتوں کے سیکھنے کی حقیقی رغبت

ہوگا، اور صرف امتحان اصل مذہبی خیالات کے دل میں جم جانے کا کافی معیار نہ ہوگا۔ مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ ابھی قوم کے تعلیم یافتہ گروہ میں سے جو بتدریج امتحان کے خوف سے مذہبی علوم سیکھنے میں لگائے گئے ایسے لوگ بھی پیدا ہونگے جن کے دلوں میں اصلی خوبیاں مذہب کی سما جائیں اور جن کے دل اپنے پاک مذہب کے پاک عقیدوں سے روشن ہوں۔ مگر جن کے پاک علم کا اثر اُن کے اعمال اور افعال سے ظاہر ہو۔ نوجوانوں سے بغیر امتحان کے خوف کے مذہبی تعلیم پر توجہ کرنے کی امید رکھنی ایسی ہی ہے جیسے کہ عام تعلیم میں امتحان کی قید نکال دینے سے ہو سکتی ہے۔ روحانی اور اخلاقی چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ اُن کی کسی ظاہری پیمانہ سے جانچ و پڑتال کی جا سکے۔ البتہ تعلیم وہ شے ہے کہ امتحان سے اُس کی جانچ و پڑتال ہو سکتی ہے۔ اگر ہم مذہبی تعلیم میں امتحان کی قید نہ رکھیں تو ہم کو مذہبی تعلیم کے نتیجہ سے بھی مایوس ہو جانا چاہیئے۔ اور جو دلیلیں بیگ صاحب نے بیان کی ہیں اگر وہ مانی جائیں تو اس وقت بھی جو برائے نام طریقے مذہبی تعلیم و تربیت کے ہمارے کالج میں جاری ہیں ہم کو فضول سمجھ کر بند کر دینا چاہیئے۔ انہوں نے کہا ہے کہ طالب علموں پر جبریہ نماز میں حاضر ہونے یا قرآن خوانی کے گھنٹوں میں حاضر ہو کر قرآن شریف پڑھنے سے اُن کے دلوں میں اصلی مادہ مذہبی جس کو ہم پیدا کرنا چاہتے ہیں پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ دلیل درست ہے تو ہمارے کالج میں جو قواعد نماز میں حاضر ہونے اور قرآن خوانی کے گھنٹوں میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے مقرر ہیں اُن سب کو لغو اور بیہودہ سمجھ کر بند کر دینا چاہیئے۔ اور اگر ایسا کیا جائے تو اُس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اصلی مادہ مذہبی پیدا کرنے کے لئے ہم مقدس اور برگزیدہ علما کی صحبت میں اپنے لڑکوں کو رکھیں یا اُن کے مذہب کی طرف سے مطلق بے پرواہ ہو جائیں اور مذہب کی قیود سے اُن کو پوری آزادی دیں۔ پہلی صورت کالج اور یونیورسٹی میں کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ ہم کہاں سے ایسے مقدس اور پاک علما، اور بزرگوں کا گروہ جمع کر سکتے ہیں۔ جن کی صحبت ہمارے نوجوانوں کو حاصل ہو، اور جن کی صحبت کی برکت سے اُن میں بھی اصلی مادہ مذہبی پیدا ہو۔ بظاہر ہمارے نوجوان طالب علموں کو کالج کے احاطہ میں ایسی صحبت کا نصیب ہونا مشکل ہے۔ کرکٹ کھیلنے والوں، فٹ بال میں دوڑنے والوں، اور چیئرز دینے والوں، اور ہُرے کے غُل مچانے والوں، کی صحبت میں جو ہر وقت اُن کو نصیب ہوگی۔ مذہبی تقدس کا مادہ پیدا نہیں ہو سکتا اور جسمانی ورزشوں اور کھیل کود کے جلسوں سے مذہب کی اصلی خوبیاں اُن کے دل میں نہیں بیٹھ سکتیں۔

ہاں اگر مذہبی خصوصیت باقی نہ رکھی جائے اور وہ چیزیں جو الہام و وحی سے سکھائی گئی ہیں اُن کا ماننا ضروری نہ سمجھا جائے۔ اور اُن اخلاق اور اعمال کا جن کی تعلیم خدا کی طرف سے اور خدا کے نام سے خدا کے پیغمبر نے کی ہے خیال چھوڑ دیا جائے اور صرف اُن باتوں کا جو عقل اور تجربہ سے انسان کو

انسانی سوسائٹی کے لئے مفید معلوم ہوں سکھانا مذہبی تعلیم سمجھی جائے، تو میں قبول کرونگا کہ یہ مقصد اچھے لوگوں کی صحبت میں رہنے سے گو وہ عیسائی ہوں یا یہودی یا پارسی ہوں یا ہندو حاصل ہوسکتا ہے مگر اسے اسلامی تعلیم سمجھنا اور اسے مذہبی تعلیم کہنا ہرگز جائز نہ ہوگا +

صاحبو! میرا یہ خیال ہے کہ اس زمانہ میں تعلیم کی ترقی اور علوم و فنون جدیدہ کی غیر محدود انکشافات اور مذہبی تعلیم کے نقص اور علما اور مشائخ کی تنگ دلی اور تعصب اور جاہل مسلمانوں کے مذہبی افعال نے بعض نیک دل اور دانشمند لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کردیا ہے کہ مذہبی تعلیم درحقیقت عقل اور فطرۃ کی تعلیم کے ساتھ ہم قدم چل نہیں سکتی، اور دونوں میں ایسا تناقض ہے کہ وہ دُور نہیں ہوسکتا۔ اس لیئے ایسے لوگ مذہبی تعلیم میں اُنہیں چند ضروری باتوں پر قناعت کرنا مفید سمجھتے ہیں، جو تمام انسانوں میں یکساں مانی جاتی ہیں۔ اور جن کو بجائے مذہبی تعلیم کے اخلاقی تعلیم کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ایسے لوگ صرف اسلام کے نہ ماننے والوں میں سے ہی نہیں ہیں بلکہ بعض مسلمانوں کا بھی یہی خیال ہے۔ خود سر سید مرحوم کا یہ خیال تھا، اور وہ موجودہ مذہبی تعلیم کو مفید نہ سمجھتے تھے اور نہ اُس کا جاری رہنا پسند کرتے تھے۔ نہ دل سے وہ مدرستہ العلوم میں اُسے جاری کرنا چاہتے تھے اور یہ وہ بات ہے، جسے نہ انہوں نے چھپایا تھا نہ اپنے اس خیال کو پوشیدہ رکھا تھا بلکہ اُنہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں اور تجویزوں میں صاف صاف اس بات کو ظاہر کردیا تھا۔ مگر لوگوں کے اختلاف کرنے اور صرف قوم کے خیالات کے لحاظ سے اُنہوں نے مذہبی تعلیم مدرستہ العلوم میں مطابق موجودہ طریقہ کے جاری رکھنے کو منظور کرلیا تھا مگر بالطبع وہ اُس سے متنفر تھے اور اُسے غیر مفید سمجھتے تھے اور یہی کا سبب ہے کہ جو تعلیم مذہبی اور عربی کی شروع شروع میں مدرستہ العلوم میں جاری کی گئی تھی اور جس کے لیئے علیٰحدہ درجے قائم کئے گئے تھے اور اُس کے لیئے خاص انتظام کیا گیا تھا روز بروز کم ہوتی گئی اور آخر سوائے نام کے کچھ جان اُس میں باقی نہ رہی +

۱۸۷۲ء میں جو رپورٹ سلیکٹ کمیٹی متعلق صدر کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کی لکھی گئی ہے اور جس میں مسلمانوں کے تنزل تعلیم اسباب سے بحث ہے اور جس پر مدرستہ العلوم کا قائم کرنا تجویز ہوا ہے اور جس میں وہ اصول قرار دیئے گئے ہیں جو مدرستہ العلوم کے چلانے کے لئے ضروری سمجھے گئے تھے، اُسے اُٹھا کر دیکھو اور اُس میں اُس بحث کو پڑھو، جہاں اُس کا ذکر ہے کہ انگریزی کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم پانے سے مذہبی عقائد میں خلل واقع ہوتا ہے تو آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ مرحوم سر سید نے موجودہ مذہبی تعلیم کے غیر مفید ہونے کی نسبت اپنا خیال کس شد و مد کے ساتھ ظاہر کیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ "ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تعلیم مذہبی اول دافعی یا مانع خرابی عقائد حقہ اسلامیہ کی ہوگی اگر موجودہ تعلیم مذہبی جو بذریعہ کتب درسیہ مذہبیہ کے دیجاتی ہے مطلقاً اس مرض کا علاج نہ ہوگی تمام کتب

مذہبیہ جو اس زمانہ تک موجود ہیں، ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں، کوئی ایک کتاب بھی ہمارے نظر میں ایسی نہیں آتی جس میں کوئی نہ کوئی ایسی بڑی غلطی ہمارے سامنے نہ آتی ہو، جو اسلام کی یکتا اور صحیح حقیقت کو وہمی اور خیالی امر کی طرف مائل نہ کردیتی ہو"۔

جن ممبروں نے کہ موجودہ مذہبی تعلیم کو اُس بدی کا علاج سمجھا ہے جس پر ہم بحث کر رہے ہیں غالباً اُنہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جس زمانہ میں فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں شائع ہوا، تو نہایت زور سے زندقہ، والحاد، ولامذہبی، نے شیوع پایا لیکن اُس زمانہ کے عالموں اور پروفیسروں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ عقائد مذہبی کی تعلیم کو شامل کردیا جس سے اُس مرض کا علاج ہوگیا"۔

"اگر یہی باعث اس رائے کا ہو تو ہماری رائے میں یہ قیاس مع الفارق ہے اُس زمانہ کے علما اور پروفیسروں نے بھی اُس زمانہ کی کتب درسیہ مذہبی کو اُس مرض کا کافی علاج نہیں سمجھا تھا اس لئے اُنہوں نے ایسے قسم کی کتابیں ایجاد کیں، جو اُن کے اعتقاد مذہب کی تائید یا رائے ثابت اور اصول فلسفہ حکمائے یونانیہ کی تردید یا اپنے عقائد سے تطبیق کرتی تھیں، اس بحث کو جانے دو کہ وہ کتابیں اپنے مقصد پر کامیاب ہوئیں یا نہیں مگر اس بات پر غور کرو کہ اُس زمانہ میں جو فلسفہ اور حکمت جدیدہ رائج ہے جو مسلمان طالب علموں کے عقائد موجودہ مذہبی میں خلل ڈالنے کا سبب ہے اُس کے لئے کونسی ایسی مذہبی کتاب ہے جو اپنے عقائد کی تائید اور اُس فلسفہ و حکمت کے مسائل کی تردید یا تطبیق کرتی ہو۔ پس موجودہ کتب درسیہ مذہبی کو سلسلہ تعلیم میں داخل کرنے سے اُس مرض کا جس کا نہایت خوف ہے اور جس نے ہماری قومی کو رفتہ رفتہ تپ دق تک پہنچا دیا ہے، علاج نہیں ہوسکتا"۔

"ہماری رائے اُن ممبروں کی رائے کے بالکل برخلاف ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر مسلمان طالب علم بالفعل انگریزی پڑھتے ہیں وہ اپنے مذہب (نہیں لینے مذہب کی کتب مذہبیہ) کی غلطیوں سے واقف نہیں ہیں اور اس لئے کچھ زیادہ خلل اُن کے عقائد مذہبی میں بالفعل نہیں آتا۔ مگر جب اُس کی تعلیم بشمول کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم کے جاری ہوگی تو وہ اُن غلطیوں پر بھی واقف ہونگے ممکن ہے کہ کوئی شخص اُس کی تصحیح پر متوجہ ہو، مگر زیادہ تر گمان اس بات کا ہے کہ زیادہ تر بد اعتقادی اور لامذہبی پھیلیگی۔ پس ہماری رائے میں کتب موجودہ مذہبی کا درس میں داخل کرنا اس کا علاج نہیں ہے"۔

"ہماری رائے یہ ہے کہ یا تو مطلق تعلیم مذہبی درس میں داخل نہ کی جائے صرف بانی چند مسئلہ توحید و رسالت اور طریقہ صوم و صلوٰۃ سکھا دینے پر اکتفا کیا جاوے جیسا کہ اس زمانہ میں عموماً اشراف خاندان کے لڑکوں بلکہ دُھنوں، جُلاہوں تک کے لڑکوں کو سکھائے جاتے ہیں۔ اور اگر داخل کیا جاوے تو کتب مذہبی اصلاح کرکر اور جو غلطیاں اُن میں مصنفوں کی رائے اور اجتہاد سے واقع ہوئی ہیں اور وہ اصل مذہب اسلام اُس سے پاک اور بری ہے اُن کو صحیح کرکے درس میں داخل کی جاویں تب البتہ

اس مرض کا جو ظاہر میں لا علاج معلوم ہوتا ہے علاج ہو گا ؟

حضرات! یہ تھی اصلی رائے مرحوم سر سید کی جو میں نے انہیں کے لفظوں میں بیان کی، اور اسی کا سبب ہے کہ گو کمیٹی کے عام اختلاف سے مرحوم نے موجودہ مذہبی تعلیم کو جائز رکھا اور اسی کا سلسلہ مدرسۃ العلوم میں جاری ہوا اور اس کے انتظام کے لئے مذہبی کمیٹیاں شیعہ اور سنیوں کی قائم ہوئیں مگر وہ تعلیم آخری جاری نہ رہ سکی، اور سوائے ادائے رسم اور نام کے اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا *

اب بھی بعض لوگ ایسے ہیں جن کا یہ خیال ہے۔ وہ مذہبی تعلیم کی ضروریات کو اگرچہ تسلیم کرتے ہیں اور مجوزہ یونیورسٹی میں اس کا ہونا بھی تسلیم کرتے ہیں مگر چونکہ یہ امر اُن کی اصلی رائے کے خلاف ہے اس لئے وہ دل خوش کن الفاظ میں اُس کو اس طرح پر بیان کرتے ہیں کہ بظاہر مذہبی تعلیم کا نام قائم ہے مگر وہ اثر جو ناقص مذہبی تعلیم سے اُن کے خیال میں پیدا ہو سکتا ہے وہ نہ پیدا ہونے پائے *

صاحبو! یہ کہنا مسٹر بیک کا کہ یونیورسٹی کی تعلیم میں مذہبی تعلیم کو جو ایک نہایت مقدس اور پاک چیز ہے بطور ایک مضمون کے قائم کرنا اُس کی ہتک کرنا ہے اور دینیات کی تعلیم امتحانوں کے ذریعہ سے جیسی کہ چاہیئے طالب علموں کو دینا بالکل ناممکن ہے، گو بہت دل خوش کن اور پاکیزہ الفاظ میں مذہب کی خوبیوں کا ثابت کرنا ہے مگر درحقیقت یہ اُس خیال کی تائید ہے جو سر سید کے دل میں تھا اور سر سید ہی کے خیال کا اثر ہمارے معزز دوست بیک صاحب پر پڑا ہے *

اگرچہ میں بذات خود سر سید کی رائے اور خیال میں کچھ اصلیت اور صداقت دیکھتا ہوں اور میری ذاتی رائے میں بھی موجودہ مذہبی تعلیم کا عقلی تعلیم کے ساتھ چلنا آسان نہیں ہے اور اُن تعصبات اور غلط خیالات کا جو اس وقت مذہبی گروہ کے بعض لوگوں میں پایا جاتا ہے مروجہ تعلیم سے دور ہونا محال ہے اور اُس تناقض کا جو علمی اور مذہبی مسائل میں پایا جاتا ہے ہماری موجودہ کتابوں سے رفع ہونا مشکل ہے مگر باایں ہمہ میرے نزدیک بہت کچھ مواد ان چیزوں کی اصلاح کا خود ہماری مذہبی کتابوں میں موجود ہے اور یہ مشکل بہت کچھ ہمارے متقدمین کی تصنیفوں اور تالیفوں کی مدد سے دور ہو سکتی ہے اور بزرگان دین نے اس قسم کی اصلاح کے لئے راہ کھول دی ہے اور میں دیکھتا ہوں۔ کہ یہ خیال خود اُس گروہ میں علما کے پیدا ہو گیا ہے، جو دین مذہب کے پیشوا مانے جاتے ہیں اور ندوۃ العلماء میں جو خیالات مقدس علما نے ظاہر کئے ہیں اُس سے اس نئے زمانہ کا آغاز معلوم ہوتا ہے اس لئے میرے نزدیک مذہبی تعلیم کی نسبت جو اندیشے ہیں اُن کے قائم رہنے کا کچھ خوف نہیں ہے اور نہ عارضی نقصوں کی وجہ سے اصلی تعلیم میں دینیات کے داخل کرنا مناسب ہے۔ علاوہ بریں ذاتی رائے کسی کی اس باب میں کچھ ہی ہو۔ مجوزہ یونیورسٹی مسلمانوں کی ہماری قومی روایات کے مطابق بنائی جاتی ہے، اُس میں تمام مسلمانوں کی عام رائے کا اور اُن کی

اصلی خواہش کا خیال مقدم ہے اور ہم پر نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اُس پر عمل کرنا لازم ہے اور کسی تجویز کو اس طور پر ظاہر کرنا کہ جس سے قوم کو مغالطہ ہو ایک قسم کی بددیانتی ہے۔ اس لئے ہم کو صاف صاف کہنا اور بتانا چاہیئے کہ مذہبی تعلیم کس طریقہ پر ہماری یونیورسٹی میں ہوگی اور اُس کے جانچنے کو کیا معیار رکھا جائیگا - اور چونکہ ان دونوں باتوں کو مسٹر ماریسن نے نہایت ایمانداری اور نیک نیتی سے بیان کیا ہے ، مَیں بھی اُن ہی کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں اور مذہبی تعلیم کو جس حیثیت سے کہ علمائے کرام اہل سنت اور مذہب امامیہ کے تجویز کریں اُس کے جاری کرنے کی یونیورسٹی میں راے دیتا ہوں اور موجودہ تعلیم میں اصلاح اور انتخاب کتب کو بھی اُنہیں کی راے پر چھوڑنا مناسب سمجھتا ہوں اور تعلیم مذہبی کی جانچ کے لئے اس امر کی نہایت زور سے تائید کرتا ہوں کہ ہر ایک طالب علم کا دینیات میں مثل اور علوم کے امتحان لیا جاوے اور کسی طالب علم کو ڈگری کے امتحان میں شامل ہونے کی اجازت نہ دیجائے جب تک کہ وہ دینیات کا امتحان پاس نہ کرلے +

نمبر ۴۷

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۷ - دسمبر ۱۸۹۹ء کو اجلاس سیزدہم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ میں پریزیڈنٹ صاحب کی افتتاحی تقریر سے پہلے فرمائی :-

حضرات !

مرزا صاحب کی انگریزی اسپیچ نے شہر خموشاں کی حالت پیدا کردی - مَیں تو اُن کی اسپیچ نہیں سمجھ سکا مگر قیاس چاہتا ہے کہ اُنھوں نے حسب دستور ممبروں کا خیر مقدم کیا ہوگا لہٰذا اسی قیاس پر میں اُن ممبرانِ کی جانب سے جو بوجہ قومی ہمدردی و جوش اسلام کے نہایت دور دراز مقامات سے یہاں آئے ہیں مسلمانان کلکتہ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں +

یہ تحریک کانفرنس کی جو چند سال سے مسلمانوں میں شروع ہوئی ہے مسلمانوں کی بیماری کی نہایت مفید دوا ہے - ہم میں بیماری ہے علوم مغربی سے بیخبر اور تہذیب و تعلیم مغربی سے معرا ہونا - ہم مسلمانوں کو نہ ضرورت ہے اور نہ ہمارے مناسب حال ہے کہ ایسے امور میں شریک ہوں جو ہمارے درد کی دوا نہیں یعنی پولیٹکل - اسی واسطے اُس عالی دماغ شخص نے جو بڑا ریفارمر اور بڑا مصلح تھا جس کی زندگی کا بڑا حصہ خیرخواہی مسلمانان میں صرف ہوا - جو بلحاظ قومی مرض کی تشخیص کرلینے کے درحقیقت ایک ڈاکٹر تھا -

اُس نے ہمارے مرض کی تشخیص کی، ہماری جہالت مغربی علوم وفنون سے بے پروائی، اب ہمارا یہ کام ہے کہ ہم دوا پئیں یا نہ پئیں۔ اُس ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں مرحوم کی تجویز کردہ دوا سے نفع اُٹھاویں یا نہ اُٹھاویں۔ لیکن حضرات! کوئی شخص دوا خوشی سے نہیں پیتا، کیونکہ وہ شیریں نہیں ہوتی، بلکہ تلخ ہوتی ہے۔ جس کا عزیز بیمار ہو، جو اپنے عزیز کی صحت چاہتا ہو، وہ باوجود اپنے بیمار عزیز کے بُرا کہنے اور ناراض ہونے کے جس طرح ممکن ہوتا ہے، دوا پلاتا ہے۔ اسی طرح وہ چند آدمی جنہوں نے اپنے نزدیک، خدا کی نزدیک مسلمانوں کی بہتری کے لئے جو تدبیر مناسب معلوم ہوئی، وہ اختیار کی۔ ہم نے مسلمانوں کے قومی مرض دور کرنے اور اُن کو نفع پہنچانے کا ارادہ کیا ہے لیکن ہم اپنی اکیلی رائے کو قومی مرض کے علاج کرنے میں کام میں نہیں لاتے، لہٰذا یہ کانفرنس مقرر کی۔ کانفرنس جلسہ ہے قابل ڈاکٹروں کا۔ کانفرنس مجموعہ ہے تشخیص مرض، تجویز اور اُس کی مقدار پر غور کرنے کا۔ یہاں ہر ایک دوا اور اُس کی مقدار پر بحث ہوتی ہے اور بحث اس آزادی و جوش کے ساتھ ہوتی ہے، کہ گویا دو دشمن آپس میں لڑ رہے ہیں۔ (اس کے بعد استقبالی کمیٹی کا شکریہ متعلق استقبال و مہمان نوازی ادا کرکے کہا کہ) ہم تو یہاں دوا پینے و پلانے کے آئے تھے لیکن مرزا صاحب نے دوا کو چونکہ خوشگوار بنا دیا، لہٰذا میں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں (بعد ازاں برٹش گورنمنٹ کی تعریف بہت دیر تک کی اور کہا کہ) موجودہ گورنمنٹ نہ صرف بلحاظ فوجی قوت کے، بلکہ بلحاظ شائستگی و امن کے مفید ہے۔ اس گورنمنٹ کے دار الحکومت میں کانفرنس کا ہونا نہایت مفید ہے۔ یہاں پر ہم کو بمقابلہ دوسرے مقامات کے عجیب و غریب سبق حاصل ہوتا ہے۔ کانفرنس کی جائے ولادت سے دہلی صرف کوس پر ہے وہاں سلاطین اسلام کی ہیبت و طاقت اور اُن کے بعد اُن کی حالت زوال کا عجیب اثر ہمارے دل پر تھا۔ وہاں کے در و دیوار اپنے بنانے والوں کی یاد دلاتے تھے۔ ہر ایک عمارت نے ایک عجیب حالت ہم پر پیدا کر دی تھی۔ ہماری قوم کے بادشاہوں کی بنائی ہوئیں مساجد جہاں پہلے لاکھوں آدمی نماز پڑھتے تھے اب اُن میں بعض بالکل ویران پڑی ہیں۔ بعض اس قدر شکستہ حالت میں ہیں کہ عنقریب صفحۂ ہستی سے اُن کا نام و نشان تک مٹ جاویگا۔ بعض میں دو چار مسلمان نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ دہلی میں جہاں ہمارے نامور علما درس دیتے تھے، جہاں دور دراز ملک سے طالب علم اکتساب علوم کی غرض سے آتے تھے اب اُن کے در و دیوار ایک عجیب نظارہ ہیں۔ غرض کہ دہلی کی ایسی حالت ہے کہ اگر ہم اُس کو دیکھ کر اپنی قوم کی درستی حالت سے مایوس ہو جاتے، تو کچھ تعجب نہ تھا۔ لیکن ہم نے بجائے مایوس ہونے کے اسباب تنزل پر غور کیا، اور اُن چیزوں نے ہمارے دل اور عقل کی رہبری کی۔ اب ہم اس نئے دار السلطنت کلکتہ میں آئے ہیں۔ پہلے دار السلطنت نے ہم پر نخوت پیدا کی، لیکن دوسرے نے درست کرنے کی۔ ہم یہاں اگر جو عجائبات دیکھتے ہیں، اُس سے ہم پر یہ اثر ہوتا ہے، کہ پُرانی داستان سُننا اور عورتوں کی رونا لاحاصل ہے۔ اس حکومت میں جس قدر امن آزادی و شائستگی اور ترقی علم ہے یہ بات مسلمانوں کی

سلطنت میں کسی خاندان میں نہ تھی۔ موجودہ حکومت میں ہم کل فوائد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسی گورنمنٹ کے زیر سایہ ہونے سے ہم کو خدا کا شکر گذار ہونا چاہیئے گو کہ ہماری سلطنت جاتی رہی۔ لیکن خدا نے ہم کو ایسی حکومت کے ماتحت کیا ہے جو منصف مزاج اور آزادی پسند ہے۔ اس زمانہ میں پارسی کس قدر ترقی کر رہے ہیں جو سلاطین عجم کی اولاد ہیں۔ اُن کی سلطنت کو گئے ہوئے عرصہ ہو چکا، لیکن اب یکسر اپنی قومی ترقی میں سرگرم ہیں۔ مسٹر ٹاٹا نے خود اپنی فیاضی سے اپنی یونیورسٹی بنائی ہے۔ ہماری سلطنت کو گئے ہوئے ابھی چند دن ہوئے دلّی میں مقبرے، مدارس، و مساجد کھنڈر ہو گئے۔ لیکن بمبئی میں ہم پارسیوں کے اپنے شفا خانے، یتیم خانے محتاج خانے، اور کالج دیکھتے ہیں۔ اگر اسلام کی محبت و عظمت میرے دل میں مانع نہ ہوتی، تو میں آرزو کرتا کہ کاش میں کسی پارسی کے گھر پیدا ہوتا۔ کیونکہ ایسی تقدیر تو نہیں تھی کہ یورپین کے گھر پیدا ہوتا، لیکن کم سے کم کسی پارسی کے گھر تو ضرور پیدا ہوتا۔ پارسیوں نے زمانہ کی ضرورت دیکھ کر ہر قسم کے کمالات حاصل کئے ہیں۔ اگرچہ اُن کے پیشوا اور علما بھی ہمارے یہاں کے مولویوں سے کم نہ تھے۔ ابتدا اُنہوں نے بھی ہر قسم کی مخالفت کی، اُن کے یہاں کے مراسم بھی نہایت سخت تھے۔ اب تک بھی اُن میں ایسے لوگ موجود ہیں جو برادری سے خارج کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ لیکن تعلیم یافتہ پارسیوں نے زمانہ کی ضرورت کے موافق مراسم قدیم کو چھوڑنا شروع کیا۔ آج تو شادی و غمی کی تقریبوں پر قومی کاموں میں مدد دیجاتی ہے۔ برہمنوں اور مسلمانوں کی طرح بیہودہ مراسم غمی میں خدا کی دولت ضائع نہیں کی جاتی، بلکہ وہ خدا کی دی ہوئی دولت کو قوم کی بہبودی کے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ جبتک میں بمبئی میں رہا، میں تو یہی سنتا رہا، کہ فلاں پارسی مرا، اُس کی بیوہ یا والدہ نے اس قدر روپیہ فلاں قومی کام کے واسطے وقف کیا۔ میں تو یہ حالت دیکھتا تھا اور اپنی قوم کی بدقسمتی پر افسوس کرتا تھا۔

ہمارے دوست جمشید جی پارسی اس وقت جلسہ میں موجود ہیں، اُنھوں نے اکیلے اپنی قوم کے واسطے کس قدر فیاضی کی۔ لیکن ایک ہماری قوم ہے کہ دس لاکھ روپیہ کو سب مسلمان ملکر دینا بھی ایک بڑی بات خیال کرتے ہیں اور اس قدر سرمایہ کا تمام ہندوستان کے مسلمان مل کر جمع کرنا بھی ناممکن خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ دو برس کی کوشش میں ایک لاکھ روپیہ بھی وصول نہیں ہو سکا کوئی قوم سلطنت کے جانے سے نہیں مٹتی۔ بلکہ علوم و فنون اور شائستگی کے نہ ہونے سے مٹ جاتی ہے۔

نمبر ۴۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۷ - دسمبر ۱۸۹۹ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ میں رزولیوشن نمبر ۳ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی ۔ رزولیوشن یہ ہے :-

رزولیوشن نمبر ۳

اس کانفرنس کی رائے میں جو تعلیم بنگال کے مدارس میں دیجاتی ہے وہ مسلمان نوجوانوں کی صحیح تربیت کے لئے کارآمد و مفید نہیں اور بنابریں اس کانفرنس کی رائے میں ان مدارس کے نصاب تعلیم میں ضروری تغیر و تبدل کرنے کے لئے گورنمنٹ سے درخواست کیجاوے ۔

مسٹر پریسیڈنٹ و حضرات !

میں رزولیوشن زیر بحث کی تائید اسی شکل میں جیسا کہ وہ پیش کیا گیا ہے کرتا ہوں اور کسی ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھتا ۔ مجھے اسی قسم کے مدرسوں کے جو ہندوستان کے دیگر مقامات میں ہیں ۔ مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ اُن کا نصاب تعلیم ایسا ناکافی اور ناقص ہے کہ اُس کو بالکل پلٹ دینا نہایت ضروری ہے ۔ بلاشبہ ہم عوام الناس میں دین دین پکار کر ایک باطل جوش پیدا کر سکتے ہیں اور ضروری اور اہم تبدیلیوں کی مخالفت میں اُن کو آمادہ کر سکتے ہیں ۔ لیکن ایسا کرنا قوم کے نہایت ضروری فوائد اور مقاصد کے برخلاف ہے مجھے یقین ہے اور جس قدر میں اس پر زیادہ غور کرتا ہوں اُسی قدر یہ یقین واثق ہوتا جاتا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کے مدارس ہی کی بلکہ تمام قوم کی حالت من حیث المجموع اصلاح کی محتاج ہے ۔

نمبر ۹۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۹ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ میں رزولیوشن نمبر ۱۳ کی تحریک کرتے ہوئے فرمائی۔ رزولیوشن یہ ہے :۔

رزولیوشن نمبر ۱۳

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ صوبجات ممالک مغربی و شمالی و اودھ کی عام تعلیم اور دیسی لٹریچر کی بہتری کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان صوبجات کی عدالتوں میں اردو زبان، فارسی زبان، رسم الخط ہی میں برابر لکھی جاوے اور یہ عدالتوں میں اردو زبان کے بجائے کوئی دوسری زبان جاری نہ ہونی چاہئے ؞

جناب پریسیڈنٹ و حاضرین !

تیس برس کا عرصہ ہوا کہ ہمارے ہموطن ہندو بھائیوں نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ اضلاع شمال مغرب و اودھ کے سرکاری دفاتر میں بجائے فارسی حروف کے ناگری حروف جاری کئے جائیں اور اردو موقوف ہوکر ہندی زبان کو رواج دیا جائے۔ اس وقت صوبہ کے حاکموں نے اس خواہش پر کچھ توجہ نہ فرمائی تھی اور ان کی درخواست منظور نہ ہوئی تھی۔ اب پھر انہوں نے پرانے خیال کو تازہ کیا ہے اور گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی کے حضور میں ایک ایڈریس پیش کیا ہے۔ اور انہوں نے انہیں دلائل سے جو بہار اور ممالک متوسط میں اس تبدیلی کے موید ہوئے، اضلاع شمال مغرب و اودھ میں تبدیلی زبان و تبدیلی حروف کو قابل تعمیل اور واجب التسلیم قرار دیا ہے۔ اور یہ مسئلہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں زیر غور ہے۔ اور یہ وقت ہے کہ ہم مسلمانوں کی طرف سے بھی اس عظیم تبدیلی کے روکنے کی کوشش کی جائے، جس تبدیلی سے مسلمانوں کی حالت پر بہت برا اور بہت بڑا اثر پہنچیگا۔ اور گو ہم لوگوں کو یقین ہے کہ گورنمنٹ اس ملک میں جو اردو کا منبع اور مرکز ہے ایسی تبدیلی کو خلاف مصلحت سمجھے گی۔ مگر پھر بھی ہم کو اپنی طرف سے اس کے انسداد کی تدبیر کرنی اور اپنی آواز گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچانی ضرور ہے ؞

اس مسئلہ پر ۱۹۰۰ء میں بہت بڑی بحث ہوئی تھی اور اس زمانہ میں عموماً تمام ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے معزز مسلمانوں نے بسرپرستی مرحوم سر سید احمد خاں کے اپنے ان نقصانات [illegible]

سے ہونے والے ہیں بہت غور کیا تھا۔ افسوس ہے کہ ہم مسلمانوں کی اپنے قومی معاملات سے اس درجہ بے خبری اور غفلت ہے کہ کوئی مصیبت جو قوم پر پیش آنے والی ہو، اُس کا خیال نہیں کرتے، اور بجز گھروں میں بیٹھ کر نالے واویلا کرنے کے دانشمندانہ تدابیر نہیں کرتے۔ اور جب تک کوئی رہنمائی نہ کرے، اور اُن کو خوابِ غفلت سے نہ جگاوے، وہ نہیں جاگتے۔ نہ کوئی عملی تدابیر اختیار کرتے ہیں اس لئے مَیں نے اس ضروری معاملہ پر آپ کو متوجہ کیا ہے۔ اور چونکہ صوبہ بہار میں اس تبدیلی کا نفع نقصان آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اس لئے مجھے امید ہے کہ اس صوبہ کے مسلمانوں کی رائے اس معاملے میں نہ صرف خیالی ہوگی۔ بلکہ تجربہ اور نتیجہ پر مبنی ہوگی ❊

ناگری حروف کے جاری ہونے سے مسلمان بہت نقصان اُٹھائینگے۔ اُن کو عربی اور فارسی پڑھنا ضروری ہے، اور اُردو اُن کی مادری زبان ہے، اور اس میں لکھنا پڑھنا اُن پر لازم ہے، اس لئے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو عربی اور فارسی اور اُردو تین زبانیں پڑھنی ضرور ہیں، اور ہندوؤں کو صرف ایک ہی زبان یعنی اردو سیکھنی ہوتی ہے اور اس لئے اُن کو انگریزی سیکھنے کے لئے بہت وقت ملتا ہے اور بہ نسبت مسلمانوں کے وہ اُسے بہت جلد اور اچھی طرح سیکھ لیتے ہیں اور اسی سبب سے سرکاری ملازمت وہ نہایت آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن دفتروں میں صرف انگریزی جاننا کافی ہے وہ صرف انگریزی سیکھ لیتے ہیں اور اردو سیکھنے کی بھی اُن کو تکلیف گوارا نہیں کرنی پڑتی۔ بخلاف مسلمانوں کے خصوصاً جو اعلیٰ درجہ کے ہیں اُن کو چارہ نہیں ہے کہ عربی فارسی اور اُردو بھی پڑھیں۔ تبدیلی خط سے مسلمانوں پر ناگری حروف کا سیکھنا بھی لازم آئیگا اور چونکہ اُس خط کے رواج سے سنسکرت کے الفاظ کا رواج بھی لازمی ہے اس لئے اُن کو نہ صرف نئے حروف سیکھنے ہونگے بلکہ ایک نئی زبان کا سیکھنا بھی لازم ہوگا۔ اور اس سے جو کچھ دقت اور دشواری پیدا ہوگی اُس کا انداز نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکریاں ملنا مشکل ہو جائینگی اور اس نئی زبان اور نئے حروف کے نہ سیکھنے سے اُن کی معاش کا دائرہ بہت تنگ ہو جائیگا ❊

اس تبدیلی سے مسلمانوں کا نقصان تو ظاہر ہے لیکن موجودہ حالت کے بحال رکھنے میں ہمارے ہموطن ہندو بھائیوں کا کچھ نقصان نہیں ہے کیونکہ جو حالت اُن کی اب ہے وہی قائم رہیگی، اور اردو زبان کو جس طرح وہ اب سیکھتے ہیں اور جو گویا اُن کی بھی زبان ہو گئی ہے اور اسی خط سے وہ مانوس ہیں اُس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی ❊

سرکاری دفتروں میں زبان اور خط کا بدلنا کوئی خفیف بات نہیں ہے اس کا بہت بڑا اثر قوم پر پڑتا ہے۔ ہمیں اور ... اس کی کیفیت دیکھیں کہ صرف تبدیلیٔ خط اور تبدیلیٔ زبان کی وجہ سے وہاں کے

مسلمانوں پر کچھ اثر پڑا۔ سرکاری دفتروں میں خصوصاً عملوں میں کہیں اُن کا نشان نہیں ملتا۔ امیروں اور سوداگروں میں کوئی نوکری وہ نہیں پا سکتے، اور جو تباہی اور بربادی اُن کی ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اُنہیں کا قصور ہے کہ کیوں اُنہوں نے وہ خط نہ سیکھا، اور اُس زبان میں مہارت حاصل نہ کی، جو سرکار نے اُن صوبوں میں جاری کی تھی، مگر اُس کے ساتھ اُن مشکلات پر بھی نظر کرنی چاہئے جو مسلمانوں سے مخصوص ہیں۔ اور جس کی وجہ سے وہ نئے حروف کے سیکھنے سے معذور رہے ہیں۔ لیکن بمبئی اور مدراس کی حالت دوسری تھی وہاں ملکی زبان عموماً اردو نہ تھی نہ عموماً فارسی حروف کا رواج تھا، غلبہ اور کثرت اُن لوگوں کی تھی جو ملکی زبان جانتے تھے اور صرف سرکاری ملازمت کی ضرورت سے اردو سیکھتے تھے۔ مگر ممالک مغربی و شمالی اور اودھ کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ درحقیقت اس صوبہ کی زبان عام اُردو ہے اور اس صوبہ کے ہندو فارسی حروف میں لکھنے پڑھنے کے ویسے ہی عادی ہیں، جیسے کہ خود مسلمان اس لئے یہاں کی ملکی زبان اردو ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہندی کوئی دوسری زبان ہے یہ صحیح نہیں ہے ۱۸۷۳ء میں مرحوم سر سیّد احمد خاں نے اپنی ایک تحریر میں اس بات کو بصراحت بتایا ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ ہر کہیں ایک ہی یعنی اردو زبان بولتے ہیں۔ میرٹھ اور روہیلکھنڈ کے اکثر اضلاع میں ناخواندہ لوگ بھی ایک قسم کی اردو بولتے ہیں۔ آگرہ اور الہ آباد کے مغربی حصہ کی بول چال برج بھاکا ہے۔ بنارس اور الہ آباد کے مشرقی حصہ میں پورب کی بولی بولی جاتی ہے اور بندیلکھنڈ میں ایک تیسری قسم کی بول چال رائج ہے، مگر ان تینوں قسم کی بول چال میں گو وہ بالکل الگ الگ ہیں بہت سے الفاظ عام ہیں اور وہی الفاظ اردو کی بنیاد ہیں اور ہندی لفظوں کے نام سے مشہور ہیں۔

مَیں اس موقع پر اُن تمام دلائل اور وجوہات کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں، جو سرکاری دفاتر میں اُردو زبان اور فارسی خط کے قائم رکھنے کے متعلق ہیں۔ میں نے یہ رزولیوشن اس لئے پیش کیا ہے کہ صوبۂ بنگال اور بہار کے مسلمانوں کی رائے دریافت ہو کہ اُن کو صوبۂ بہار میں تبدیلی زبان کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اور اس عرصہ میں وہ اس تبدیلی کا نفع و ضرر دیکھ چکے ہیں، اُن کی رائے کیا ہے، اور وہ اس رزولیوشن کو درحقیقت ضروری سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اس صوبہ کے مسلمان اس کی نسبت اپنی صاف اور اصلی رائے ظاہر کرینگے۔

نمبر ۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۹ء کو بمقام کلکتہ میں رزولیوشن نمبر ۲۰ کو پیش کرتے ہوئے کی۔ رزولیوشن حسب ذیل ہے:-

رزولیوشن نمبر ۲۰

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ ہر ضلع میں لوکل سٹینڈنگ کمیٹیاں قائم کی جاویں اور اُن سے درخواست کی جاوے کہ اپنے ضلع سے دس روپیہ ماہوار کا چندہ ایک مسلمان طالب علم کی اسکالرشپ کے لئے جو کسی کالج کی کالج کلاسوں میں پڑھتا ہو یا پڑھنا چاہے اور ذہین اور لائق اور قابل امداد معلوم ہو وصول کریں اور جس کالج میں وہ پڑھتا ہے یا پڑھے، لوکل اسٹینڈنگ کمیٹی اس بات پر غور کرتی رہے کہ وہ محنت اور کامیابی سے اپنی تعلیم میں مصروف ہے یا نہیں +

حضرات!

مَیں نے اس تجویز کے متعلق اپنی رپورٹ میں جو اجلاس کے پہلے دن سُنائی کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس رزولیوشن کو تمام حاضرین بلکہ تمام مسلمان پسند کرینگے اس لئے مجھے اس کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی اب ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک غلط فہمی کو دُور کرنا چاہتا ہوں کو خیال لوگوں کا غلط ہے کہ یہ وظیفہ صرف علیگڈھ کالج کے طالب علموں کو دیا جاوے۔ بلکہ خود مرحوم سید احمد خاں بہادر نے اور نیز مَیں نے مختلف مواقع پر اس کو ظاہر کر دیا ہے کہ کسی کالج کے لئے اُن وظائف کی تخصیص نہیں ہے۔ چنانچہ خود مَیں نے دو وظیفے پچھلے سال دئیے تھے ایک علیگڈھ کالج کو دیا۔ دوسرا حمایت الاسلام لاہور۔ پچھلے سال ۴۰ وظیفوں کا وعدہ (ماعہ ۱۲۰) سالانہ کے حساب سے کیا گیا۔ اور مجھے امید ہے کہ امسال مسلمانان بنگال عموماً اور بزرگان کلکتہ خصوصاً اس ضروری کام میں فیاضی ظاہر فرمائینگے اور غریب مسلمانوں کے لئے وظائف جمع کرنے میں کوشش کرینگے ٭

نمبر ۱۸

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۳۱ - دسمبر ۱۸۹۹ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں پریزیڈنٹ صاحب کی آخری تقریر کے بعد فرمائی :-

جناب صدر انجمن !

جس مہربانی اور عنایت سے آپ نے ہماری اس انجمن کی صدر انجمنی قبول فرمائی۔ اُس کا شکریہ ہم ادا نہیں کر سکتے۔ جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ کانفرنس امسال کلکتہ میں ہوگی سب نے یہی خیال کیا کہ اگر آپ نے اس کی صدر انجمنی قبول فرمائی تو اُس کو کامیابی ہوگی۔ مجھے شروع میں خیال ہوا تھا کہ آپ بوجہ کثرت کار اس صدر انجمنی کو قبول فرما سکتے ہیں یا نہیں + اور آپ کو ایک عریضہ ولایت بھیجا اور عریضہ جواب کا منتظر رہتا تھا۔ جب لفافہ آیا تو کھولتے ہیں دل دھڑکتا تھا، کہ ایسا نہ ہو آپ انکار لکھیں مگر اُسے پڑھکر مجھے نہایت خوشی ہوئی، اور اُسی وقت اپنے اکثر دوستوں کو یہ لکھا کہ نہ صرف اس خیال سے کہ وہ قوم کا سید ہے یا اعلےٰ عہدہ دار ہے یا عالم ہے، بلکہ بخیال اُس جوش کے جو آپ کو قومی ہمدردی کا ہے آپ اور آپ کی تصنیفات نے تمام جھوٹی باتوں اور ان اعتراضات کو جو چھ سو برس سے اسلام پر لگائے جاتے تھے بالکل مٹا دیا۔ آپ ہمیشہ ہماری امداد کرتے ہیں۔ مجھے مدت سے آپ سے نیاز حاصل ہے۔ اور آپ کی ان باتوں سے میرا دل مثل سر سیّد کے آپ کی عزت کرتا ہے، مجھے آپ کی اسپیچوں سے نہایت اثر ہوا۔ ڈاکٹر کا یہ کام ہے کہ مریض کے مرض کو دیکھے اور بتلائے۔ مریض کا کام ہے کہ ڈاکٹر کے حکم کی تعمیل کرے اور جو دوا اُس نے بتلائی ہو اُس کو پیئے اور نفع اُٹھاوے اگر بعض مضامین ایسے پیش ہوئے کہ بعض طبیعتوں کو پسند نہ آئے ہونگے۔ مگر جب وہ اُن کے نتیجہ کو دیکھینگے تو سمجھینگے تعلیم نسواں کے متعلق جو ضرورت آپ نے ثابت کی اور جو نظائر آپ نے دیں غالباً اُن کو سُن کر کوئی مسلمان اعتراض نہ کریگا۔ اور مَیں امید کرتا ہوں کہ عورتوں کی تعلیم ہمیشہ جاری رہیگی۔ کیا وہ گھر درست رہ سکتا ہے جس کی بی بی پڑھی لکھی نہ ہوگی۔ جب گھر درست نہ ہوگی تو ہرگز کامیابی کی شکل نہیں آپ کے قلم اور دماغ اور دل کی قوت قایم رہنے کی سب کو دعا کرنی چاہئے +

نمبر ۵۲

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۱۸- اگست ۱۹۰۰ء کو سنٹرل اردو ڈیفنس ایسوسی ایشن لکھنؤ کے اجلاس اوّل میں بحیثیت پریذیڈنٹ ہونے کے رزولیوشن نمبر اوّل کی تحریک کرتے ہوئے فرمائی۔ اور رزولیوشن یہ ہے :-

رزولیوشن نمبر اوّل

اس مجمع کی یہ ہرگز رائے نہیں ہے کہ سر انٹونی مکڈانل صاحب بہادر نے رزولیوشن مورخہ ۱۸- اپریل ۱۹۰۰ء دربارۂ نفاذ ناگری عمداً کسی فریق کی طرفداری یا کسی نامنصفانہ کارروائی سے دانستہ اہل اسلام کو ضرر پہنچانے کی نیت سے پاس کیا ہے بلکہ جیسا صاحب ممدوح کے بیان سے ظاہر ہوگا۔ اُن کا رزولیوشن صرف کثرت الالسنہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے فائدہ کی غرض پر مبنی ہے گو یہ جلسہ ہر آن کی رائے سے متفق نہیں ہو سکتا ❖

برادران من!

جو رزولیوشن ابھی پاس ہوا ہے اُس کی تحریک کرتے وقت میں نے اُس عزت حاصل ہونے پر جو اس معزز اور محتشم بالشان اور ریپریزنٹیٹو جلسے کے صدر انجمن منتخب ہونے سے مجھے حاصل ہوئی ہے، آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مگر میں بلا تصنع ظاہر کرتا ہوں کہ میں اس بڑی ذمہ داری کے کام پر مقرر کئے جانے کے لائق نہ تھا۔ اس لئے کہ بہت سے ایسے بزرگ یہاں موجود ہیں جو لحاظ قابلیت اور لیاقت مجھ سے زیادہ اس عہدے کے لئے موزوں ہیں (نہیں نہیں ہرگز نہیں) باوجود اس کے میں نے جو آپ کے حکم کی تعمیل کی اُس کا صرف یہ سبب ہے کہ میں اُس جماعت میں سے ہوں جو علی گڈھ پارٹی کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے اور جس کی نسبت نہایت افسوسناک باتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ بحیثیت صدر انجمن کے مجھے موقع اُن خیالات اور غلط فہمیوں کی تردید کا ملیگا ❖

علاوہ بریں اس معاملے کی نسبت جس پر بحث کرنے کے لئے ہم جمع ہوئے ہیں اتنا کچھ کہا گیا اور اتنا کچھ لکھا گیا ہے اور ایسے حالات پیش آئے ہیں کہ جن کے لحاظ سے ضرور ہے کہ واقعات اصلی بیان کئے جائیں اور غلط فہمیاں دور کی جائیں اور ہمارے اصلی خیالات اور ہماری کارروائی کے اصلی حالات پبلک کو معلوم ہو جائیں۔ اگر مجھے شروع سے اس معاملہ سے تعلق نہ ہوتا اور مجھے اسکے

تمام حالات سے واقفیت نہ ہوتی، اور میں اپنے آپ کو اُن غلط فہمیوں کے دور کرنے کے قابل نہ پاتا۔ تو بکمال ادب اس عہدے کے قبول کرنے سے عذر کرتا ✦

حضرات! ہماری کارروائی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے اور جو اعتراض مختلف پیرایوں میں ہم پر کئے گئے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم اُس پالیسی سے منحرف ہو رہے ہیں جس کو نہایت سوچ سمجھ کر اور جسے مضبوطی کے ساتھ ہم نے اختیار کیا تھا اور جس پر مدت دراز سے ہم عمل کر رہے تھے ✦

یہ اعتراض بالکل غلط ہے اور غلط فہمی پر مبنی ہے۔ درحقیقت ہم نے اُس پالیسی کو جس کے بانی سر سید احمد خاں مرحوم تھے، اور جس کے فوائد اُنہوں نے ہم پر ثابت کر دئیے تھے، کہ ہم پولیٹیکل ایجیٹیشن کے تلاطم میں نہ پھنسیں، نہیں چھوڑا۔ اور نہ ہم نے اُن لوگوں کی پالیسی اختیار کی ہے جو گورنمنٹ کے ہر فعل پر نکتہ چینی کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ہم نے کبھی نہیں کہا کہ اپنی حاجتوں کا گورنمنٹ کے روبرو عرض کرنا، اور اپنی خاص شکایات کا پیش کرنا، اُس پالیسی کے متناقض ہے، کیونکہ اس سے گریز نہیں ہے کہ اُن مسائل کو جن کا اثر ہماری قوم پر پڑتا ہے انجمنوں کے ذریعہ سے گورنمنٹ کے سامنے پیش کریں، اور اُس کے متعلق اپنی رائے، اور اپنی خواہش ظاہر کریں۔ خاص خاص مواقع پر ایسا کرنا، اُس پالیسی کے خلاف نہیں ہے، جو ہمارے مرحوم لیڈر نے قائم کی تھی، اور جس کو ہم اپنی قوم کے لئے سب سے بہتر اور مفید سمجھتے ہیں۔ موجودہ معاملہ میں ہماری کارروائی، ہماری اس پالیسی کے برخلاف نہیں ہے، اور نہ یہ اُس پولیٹیکل ایجیٹیشن میں داخل ہے، جس سے ہم محترز ہیں۔ اس لئے کہ یہ خاص معاملہ سے متعلق ہے، اور خاص حالت کا مقتضا ہے اور ایک خاص تکلیف کا مؤدبانہ اظہار ہے، جو ہمارے نزدیک گورنمنٹ رزولیوشن مورخہ ۱۸۔ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء سے ہماری زبان کے متعلق پیدا ہوئی ہے۔ ہماری اس کارروائی کو عام پولیٹیکل ایجیٹیشن کے بجائے اُس کارروائی میں شامل سمجھنا چاہئے، جو خاص خاص موقع پر خاص خاص فرقہ کے لوگ کسی خاص قاعدہ یا خاص قانون کے متعلق کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جب پراونشل یا سپریم کونسل میں کوئی ایسا قانون پیش ہوتا ہے، جس سے کہ قوم کے کسی گروہ کی حالت پر اثر پڑتا ہے۔ تو عام دستور ہے کہ اُس مسئلہ کے متعلق گورنمنٹ کی خدمت میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے اور جس ضرر و نقصان کے پہنچنے کا اُس سے اندیشہ ہو، وہ صاف صاف بیان کیا جاتا ہے۔ مگر اس قسم کی شکایت کرنی یا اس طرح پر اپنی حالت اور درد کا ظاہر کرنا، پولیٹیکل ایجیٹیشن نہیں سمجھا جاتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری کارروائی جو ایک مسئلہ پر محدود ہے پولیٹیکل ایجیٹیشن سمجھی جائے ✦

بظاہر اس تحریک کو پولیٹیکل ایجیٹیشن سے منسوب کرنے اور اُن کارروائیوں سے جو خاص خاص

مسائل کے متعلق اسی طرح پر کی جاتی ہیں، جدا سمجھنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس تحریک کو بہت زیادہ وسعت ہو گئی ہے اور اس صوبہ کے تمام مسلمانوں میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ اور ہر مقام پر مسلمان اس کے متعلق کارروائی کر رہے ہیں، اس لئے بہت سے لوگ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ یہ بھی بالکل اُسی قسم کی تحریک ہے، جو قانونی یا انتظامی معاملات میں عموماً کی جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بجائے ایک خاص فریق یا ایک گروہ کے ہماری ساری قوم اس میں شامل ہے اور بجائے کسی خاص مقام کے ملک کے ہر گوشہ سے اس کے متعلق افسوس اور رنج کی صدا آرہی ہے ❊

صاحبو! جو لوگ ہماری اس تحریک کو اُس پالیسی کے خلاف سمجھتے ہیں، جو مرحوم سر سیّد نے اختیار کی تھی، وہ یا دھوکا کھاتے ہیں یا اُن کی کارروائی سے ناواقف ہیں۔ مَیں اُن کو بتانا چاہتا ہوں، اور صاف صاف کہتا ہوں کہ ہم نے اس معاملہ میں یعنی اپنی زبان کے محفوظ رکھنے کے لئے وہی طریقے اختیار کئے ہیں جو خود مرحوم سر سیّد نے اس معاملہ کے متعلق ۱۸۷۳ء میں اختیار کئے تھے، اور ہم لوگ اُس دائرہ سے جو اُنہوں نے کھینچا تھا ذرا بھی باہر نہیں ہوئے۔ مَیں آپ کے روبرو ایک چھپا ہوا پمفلٹ جو سر سیّد کے کاغذات سے ابھی مجھے ملا ہے پیش کرتا ہوں، اُس کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اُس زمانہ میں ممالک مغربی و شمالی کے ہمارے معزز بھائی ہندوؤں نے سرکاری دفاتر اور اسکولوں میں دیوناگری حروف جاری کرنے کے لئے گورنمنٹ سے درخواست کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور ایک عرضی ناگری جاری کرنے کی درخواست میں اپنی قوم میں دستخط ہونے کے لئے پھرائی تھی۔ جس وقت مرحوم سر سیّد کو اُن کے ارادہ سے اطلاع ہوئی، اُنہوں نے ۹۔ دسمبر ۱۸۷۳ء کو الہ آباد میں ایک بڑا جلسہ کیا اور ایک سنٹرل کمیٹی قائم کی، جس کے وہ خود سیکرٹری ہوئے، اور اُس جلسہ کی یہ غرض قرار دی کہ وہ اردو زبان کے قائم رہنے کی حفاظت اور ناگری کے جاری نہ ہونے کی تدبیر کرے اس کام کے لئے ہر ضلع میں کمیٹیاں قائم کی گئیں اور سنٹرل کمیٹی الہ آباد کی شاخیں قرار دی گئیں۔ اور خود مرحوم سر سیّد نے ایک نہایت پر زور و مدلل سرکلر جاری کیا جس میں اُنہوں نے اُن اعتراضات کو صاف صاف ظاہر کیا، جو دیوناگری جاری کرنے کے متعلق تھے، اور اُن نقصانات کی تشریح کی جو اُس کے جاری ہونے سے مسلمانوں کو پہنچنے والے تھے۔ یہ سرکلر اُسی زمانہ کا چھپا ہوا اردو اور انگریزی میں اس وقت میرے ہاتھ میں ہے اور مَیں اُسے میز پر رکھتا ہوں اور آپ لوگوں کو اُس کے دیکھنے کا موقع دیتا ہوں، اور اُس سے میری غرض یہ ہے کہ اس معاملہ کو کسی تعصّب یا جہالت یا قومی جذبہ کی وجہ سے صرف ہم لوگوں نے اہم اور مہتم بالشان نہیں سمجھا بلکہ مرحوم سر سیّد نے جن کی دانشمندی اور پالیسی پر گورنمنٹ کو بھی اطمینان تھا، بھی اس کو نہایت اہم اور ضروری

سمجھتے تھے۔ پس جب کہ سر سید مرحوم نے صرف اس خیال سے کہ ہمارے ہندو بھائی گورنمنٹ میں دیوناگری حروف جاری کرنے کے لئے درخواست کرنے والے ہیں، مسلمانوں کی کمیٹی قائم کرنا مناسب سمجھا، تو ایسی حالت میں کہ لوکل گورنمنٹ نے بغیر دریافت کرنے ہمارے خیالات کے ایسا ایک حکم جاری کر دیا، جس سے ہماری مادری زبان کو ضررِ عظیم پہنچنے کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا اپنی زبان کی حفاظت کے لئے متفقہ تدابیر کرنا اور اُن نقصانات سے جو ہماری قوم کو اس سے پہنچنے والے ہیں، آگاہ کرنا، کس قدر زیادہ ضروری تھا۔ اگر ہم ایسے وقت میں ایسا نہ کرتے، تو درحقیقت اُس فرض کفایہ کے ترک کرنے کے گنہگار ہوتے، جو قوم کا ہم پر ہے۔

حضرات! ایسی حالت میں جب کہ ہم گورنمنٹ کے رزولیوشن کے متعلق بحث اور نکتہ چینی کر رہے ہیں ہم پر لازم ہے کہ ہم زور کے ساتھ اس بات کی تردید کریں کہ گورنمنٹ نے کسی فریق کی طرف داری کے لئے، یا بیجا ارادہ سے اس حکم کو جاری کیا ہے۔ اور میں جب اس کی تردید کرتا ہوں، تو نہ صرف اپنے ذاتی خیالات بلکہ عام مسلمانوں کے اصلی خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ بعض ناواقف مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ یہ احکام اس غرض سے نافذ کئے گئے ہیں کہ اس سے ایک قوم کو دوسری قوم کے مقابلہ میں نفع پہنچایا جائے، اور بعض نے ایسی تحریریں بھی شائع کی ہیں، جن سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس میں اہلِ ہنود کی طرف داری کی ہے۔ مجھے ویسا ہی یقین ہے جیسا کہ آپ سب صاحبوں کو، کہ یہ خیال ہمارے خیالات سے مطابق نہیں ہے، بلکہ صرف ناواقفیت سے یا جذبہ کی حالت میں بعض کوتاہ نظر لوگوں نے صرف اپنا ذاتی خیال ظاہر کیا ہے۔ اور اُن کو خود اپنی غلطی اور ایسے خیالات کے نامناسب طور پر ظاہر کرنے پر اُس وقت افسوس ہوگا، جب کہ مباحثے کی آگ فرو ہو جائیگی اور اُن کا بیجا جوش سرد ہو جائیگا۔ میں اس بات کو خوب جانتا ہوں، اور اس کے ظاہر کرنے سے بہت خوش ہوں کہ ایسے غلط خیال کرنے والے مسلمان بہت ہی کم ہیں۔ سمجھدار مسلمانوں میں سے غالباً ایک بھی ایسا نہ ہوگا، جس کو یہ خیال ہو کہ اس حکم کے جاری کرنے میں ہز آنر کو ایک کو ضرر پہنچانا، اور دوسرے کی طرف داری منظور تھی۔ بلکہ ہم سب کو پورا یقین ہے کہ اس حکم کے جاری کرنے سے ہز آنر کی غرض صرف یہ تھی کہ باشندوں کے ایک گروہ کثیر کو سہولت اور آسانی ہو۔ اور میرا یقین شروع ہی سے تھا اور اول ہی سے میری یہ رائے تھی، جیسا کہ آپ لوگوں کو اُس اسپیچ کے پڑھنے سے جو میں نے علیگڈھ کے جلسہ میں دی تھی معلوم ہو جائیگا اور جس کے چند فقرے میں آپ کی اجازت سے آپ کو سناتا ہوں "ہز آنر سر انٹونی میکڈانل لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی نے جو اس رزولیوشن کو جاری کیا ہے اُس سے بجز اس کے جو اُنہا

رزولیوشن کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ ناگری حروف میں عرائض اور استغاثوں کے لکھنے سے اُس بڑے حصۂ آبادی کو اور سہولیّت ہوگی، جو ہندی سے واقف ہے۔ کوئی دوسرا خیال ہز آنر کو اس حکم کے جاری کرتے وقت نہ تھا، اس لئے جو اعتراض اور نکتہ چینی آپ اُس پر کریں اُس میں گورنمنٹ کی نیک نیتی اور منصفانہ خیال کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور گورنمنٹ کو کسی فریق کی حمایت یا ایک کے حقوق کو دوسرے کے حقوق پر ترجیح دینے کے خیال سے پاک اور آزاد سمجھیں"۔

حضرات! جو رائے کہ میری اس وقت تھی وہی اب بھی ہے اور میں خوش ہوں کہ جہاں تک مجھے اپنی قوم کے سربرآوردہ لیڈروں اور معزز اور متفنذر رئیسوں سے ملنے کا اتفاق ہوا سب کو میں نے اپنے متفق الرائے پایا، ماسوائے اُن معدودے چند اشخاص کے جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے اس مسئلہ پر کافی غور نہیں کیا، اور اس کے وجوہات اور نتائج کو پورے طور پر نہیں سمجھا۔ یہ اختلاف اُن کو نہ اندیشوں کی طرف سے ہے جو یہ نہیں سمجھے کہ جہاں کہیں سلطنت برطانیہ کا پرچم لہراتا ہے، وہاں بے تعصبی اور انصاف کے سوا دوسری ہوا نہیں چلتی۔ اور یہ کہ ہز آنر سر انٹونی میکڈانل کی شان اس سے ارفع و اعلےٰ ہے کہ اُن کی نسبت طرف داری اور ناانصافی کا خیال کیا جاوے۔ اور میں جیسا کہ علی گڈھ والی اسپیچ میں کہہ چکا ہوں، پھر کہتا ہوں کہ "ہم تمام مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہے کہ حکومت برطانیہ سے بڑھ کر کوئی ایسی حکومت نہیں ہے جو اپنی رعایا کی بہبودی اور فلاح اور ترقی کی خواہاں ہو۔ اور جسے سوائے رعایا کی بھلائی کے کوئی دوسری بات پیش نظر ہو۔

سنو برس کے تجربہ نے ہم کو گورنمنٹ کے انصاف اور بے طرف دارانہ کارروائی پر یقین دلایا ہے۔ اور ہم صدق دل سے اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ کسی کارروائی میں گورنمنٹ کو نہ خود غرضی کا خیال ہوتا ہے نہ کسی خاص فریق کی حمایت اور طرف داری منظور ہوتی ہے مگر چونکہ وہ حکمراں ہے ایک ایسے ملک پر جس میں مختلف اقوام، مختلف مذاہب، مختلف فرقے آباد، اور جن کی خواہشیں اور تمنائیں مختلف ہیں۔ اس لئے یہ بات قوت بشری سے خارج ہے کہ گورنمنٹ کے احکام سب ایسے ہوں جن سے کسی خاص فرقہ کو اپنے خیالات اور اپنے حالات کے لحاظ سے شکایت پیدا نہ ہو۔ اور سب مختلف فرقے اُن احکام کو اپنی خواہشوں کے مطابق پائیں۔

یہ رزولیوشن بھی جو گورنمنٹ نے جاری کیا ہے ایسا ہی ہے کہ مسلمانوں کو اس کی شکایت ہے اور ہم اُس میں اپنا نقصان دیکھتے ہیں اور ہم اُس پر اعتراض کرنے کو آمادہ ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم مسلمان تعلیم میں دوسری قوموں سے کم ہیں، مگر اور باتوں میں جن سے گورنمنٹ وقت پر ہم سے کام

لے سکتی ہے کم نہیں ہیں۔

گو ہمارے ہاتھ میں قلم نہیں، اور ہمارے قلم میں زور نہیں، اور اسی وجہ سے ہم دفتروں میں کم نظر آتے ہیں، مگر ہمارے ہاتھ میں تلوار پکڑنے کی قوت ابھی باقی ہے (چیرز) اور ہمارے دلوں میں ملکہ معظمہ کی محبت ہے (چیرز) اور اُن کی گورنمنٹ کی برکتوں پر ہم کو یقین ہے، اور اسی گورنمنٹ کی بدولت ہم اپنی سلطنت کے جانے کے بعد اپنا وجود ہندوستان میں دیکھتے ہیں۔ اور آزادی اور امن و امان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ پس گو قلم سے کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر خدانخواستہ جب مغرب سے ہم کسی کو اس گورنمنٹ کے مقابلہ میں آتے دیکھینگے تو اُسی طرح ملکہ معظمہ کے تاج اور سلطنت پر اپنا خون بہائینگے، جیسا اپنے ہم مذہب بادشاہوں کی بادشاہی قائم رکھنے کے لئے بہاتے تھے (نہایت جوش کے ساتھ چیرز) ہم اپنی قوت کو گورنمنٹ کے دشمنوں پر کام میں لادینگے۔ ہم کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی خیال نہیں کر سکتے کہ گورنمنٹ ہم کو بھلا دے اور چھوڑ دے، اور ہماری اُن چیزوں کو جن پر ہماری زندگی ہے صدمہ پہنچنے دے۔ مجھے ہرگز یقین نہیں ہے کہ گورنمنٹ ہماری زبان کو مرنے دیگی، بلکہ اُس کو زندہ رکھیگی۔ اور وہ کبھی مرنے نہ پائیگی۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں، کہ جو کوشش اُس کے مٹانے کی دوسری طرف سے ہو رہی ہے، اگر وہ برابر جاری رہی، تو آیندہ کسی وقت ہماری زبان کو صدمہ پہنچیگا۔ یہی خوف ہے جس کے لئے یہ کوششیں ہو رہی ہیں، تا کہ ہم اپنی زبان کو زندہ رکھ سکیں۔ اور اگر خدانخواستہ وہ وقت آوے کہ اُس کو زندہ نہ رکھ سکیں تو اُس کا جنازہ تو دھوم سے نکالیں۔ ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

(اُردو کے اس آیندہ حشر کے اشارہ سے بہت سے سامعین آبدیدہ ہو گئے) مگر ریزولیوشن پر بحث پر اعتراض کرتے وقت ہمارے دل میں ایک لحظہ کے لئے بھی گورنمنٹ کی نیک نیتی میں شبہ کرنے کا خیال نہیں گذرتا۔ اس لئے ہم کو اس بات کا بھی نہایت افسوس ہے کہ ہز آنر کو چند نامہ نگاروں کے خطوط کی بنا پر غلطی سے یہ خیال پیدا ہوا کہ تمام مسلمانوں کے خیالات اُن کی نسبت ایسے ہیں۔ جس کی وجہ سے اُنہوں نے ضروری سمجھا کہ اپنے آپ کو بنارس کے عام جلسے میں اس اتہام سے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کی بیجا رعایت کرتے ہیں پاک ثابت کریں۔ ہم اس بیان کو ایسا غلط سمجھتے ہیں، جیسا کہ خود ہز آنر۔ ہاں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ لوگوں کو یہ خیال ضرور ہے کہ سرکاری ملازمت میں مسلمانوں کو اتنا حصہ اُن کے عہد حکومت میں نہیں ملا، جتنا اُن کے سابق لفٹنٹ گورنروں کے زمانے میں ملتا تھا۔ مگر یہ خیال اب پیدا نہیں ہوا، نہ اُس کو کچھ معاملہ اردو ناگری سے کچھ تعلق ہے۔ بلکہ ایسا خیال مسلمانوں میں ہز آنر کے پاس ہندوؤں کے شغل

کے ڈیپوٹیشن جانے سے بہت پیشتر ہو چکا تھا۔ ہز آنر کے عہد حکومت کے آغاز سے دو سال بعد اُس صوبے میں یہ شکایت پیدا ہو گئی تھی، اور اسی شکایت کے متعلق ۱۸۹۷ء میں علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک مضمون مسٹر تھیوڈور ماریسن موجودہ پرنسپل علیگڈھ کالج نے بعنوان "محمڈنز اینڈ گورنمنٹ سروس (مسلمان اور سرکاری ملازمت)" لکھا تھا۔ اُس کے شروع میں وہ لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اس بات کا گمان ہو گیا ہے کہ گورنمنٹ شمال و مغربی اضلاع کی پالیسی میں سر انٹونی مکڈانل کے عنان حکومت لینے کے وقت سے اُن کے حق میں مضر تبدیلی کی گئی ہے اور میرے پاس مسلمان دوستوں کی کئی چٹھیاں آئی ہیں، جن میں پالیسی کی تبدیلی کی شکایت کی گئی اور مجھ سے التجا کی گئی ہے کہ میں قوم کی طرف سے کچھ عرض کروں" ہز آنر نے اپنی بنارس کی اسپیچ میں جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے مفصلہ ذیل قاعدہ سرکاری عہدوں کی تقسیم کا مقرر فرمایا "برعایت عام قاعدے کے کہ بلا قید قوم مذہب جلیل القدر عہدے لائق سے لائق شخصوں کو ملنے چاہیئے۔ مسلمان انصافاً بمقابلہ ہر پانچ ہندو عہدے داروں کے تین سے زیادہ کا استحقاق نہیں رکھتے؛ لیکن اس قسم کا قاعدہ ہمیشہ و عام طور سے عمل میں نہیں آسکتا اور بوجوہات مختلف میں نے مسلمانوں کے حقوق کو اُس سے زیادہ تسلیم کیا ہے، جس قدر اس اصول کے مطابق ملحوظ رہنے چاہیئے تھے۔ ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ گورنمنٹ کی ملازمت کے انتخاب میں قابلیت کو معیار قرار دینا مصلحت اور انصاف پر مبنی ہے اور اس کا بھی افسوس کرتے ہیں کہ بلحاظ اعلےٰ تعلیم ہماری قوم ہندوؤں سے بہت پیچھے ہے، اور یونیورسٹی کی ڈگریوں کے پاس کرنے کے لحاظ سے مسلمانوں کی نسبت اہل ہنود سے ایک اور چار کی ہے ✣

لیکن صرف کتابی امتحان پاس کر لینے کے علاوہ اور وجوہ بھی ہیں جن پر غور کرنا بھی ضروری ہے اور جن کو گورنمنٹ سرکاری ملازمت کے عطا کرنے میں نظر انداز نہیں کر سکتی ✣

یہ ضروری ہے اور سلطنت برطانیہ کی قدیم پالیسی بھی اسی کی متقاضی ہے کہ سرکاری ملازمت کے دینے میں دونوں فریقوں میں کم و بیش مساوات کا لحاظ رکھا جاوے۔ سر آکلینڈ کالون اپنے زمانہ میں ہندو اور مسلمانوں میں مساوات کا لحاظ رکھتے تھے، باوجودیکہ ہنود کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ ہندوؤں نے اس کی شکایت کی، لیکن حضور ممدوح نے گورنمنٹ کی اس مساوات کی وجہ کو اپنی اسپیچ جو انہوں نے اپنے عہد حکومت کے اختتام کے قریب دی تھی بصراحت بیان کر دیا تھا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ "آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ ایک لوکل گورنمنٹ کو ویسرائے کی خدمت میں ان شخصوں کے واسطے خطابات حاصل کرنے کی غرض سے جو اُس کی رائے میں اُن کے مستحق ہیں سفارش کرنے کا استحقاق حاصل ہے۔ نیز اُس کو ہر سال براہ راست چند ڈپٹی کلکٹروں اور

تحصیلداروں کے مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہے، پس صوبجات متحدہ میں پچھلے پانچ برس کے اندر اس اختیار کا عملدرآمد کس طرح پر کیا گیا ہے؟ اٹھائیس ۲۸ شخصوں کو اعزازی الطابات ملے ہیں جن میں ۱۴ مسلمان اور ۱۴ ہندو تھے۔ گورنمنٹ نے چھبیس ۲۶ ڈپٹی کلکٹر مقرر کئے ہیں جن میں ۱۶ ہندو اور ۱۰ مسلمان تھے، پندرہ شخص تحصیلدار مقرر کئے گئے ہیں جن میں سے ۹ مسلمان اور ۶ ہندو تھے۔ یعنی کل تنتیس بمقابلہ چھتیس ۳۶ ہندوؤں کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ان صوبجات میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ ہے اس لئے تعداد کے لحاظ سے ترجیح یا عزت دینی چاہئے لیکن اگر ہم کاشتکاروں کے گروہ کثیر کو نظرانداز کریں اور صرف اُن قوموں کا لحاظ کریں، جن کا اس قسم کے معاملات میں پاس کیا جاتا ہے تو یہ نامناسبت فوراً دُور ہو جاتی ہے۔ مَیں نے اس نکتہ چینی کا اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ میری پبلک فرائض کی انجام دہی سے متعلق ہے"۔

اب بالکل اس کے برعکس حالت ہے اور جو شکایت ہندوؤں کو سر آکلینڈ کالون سے تھی اُس قسم کی شکایت مسلمانوں کو سر انٹونی مکڈانل سے ہے، مجھے پورا یقین ہے کہ مسلمانوں کو یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ سر آکلینڈ کالون اپنی رعایا کی سرپرستی کرنے میں کسی خاص گروہ کی رعایت یا طرف داری کرتے تھے۔ پس اب جب کہ زمانہ نے رُخ بدلا، تو ہم کو کیا حق ہے اس بات کا کہ اپنے موجودہ لفٹنٹ گورنر کی نسبت کوئی دوسرا خیال کریں اور اُن کی کسی کارروائی کو طرفداری پر محمول کریں۔ بایں ہم اس بات پر افسوس کرنے سے باز نہیں رہ سکتے، کہ ہز آنر نے اپنی رائے میں اپنے متقدمین کے اُس اصول کی جس کو ہم نہایت صحیح اور ضروری سمجھتے ہیں پابندی نہ کی، یعنی یہ کہ سرکاری نوکری میں ہندو اور مسلمان عہدہ داروں کی تعداد میں تصفیہ کرتے وقت کاشتکاروں کے گروہ کثیر کو جن کو ایسے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے خارج نہیں کیا فطرت انسانی کا تقاضا یہی ہے اور غالباً ایسی شکایات خواہ ایک جانب سے ہوں یا دوسری سے آیندہ لفٹنٹ گورنروں کے عہد میں بھی ہمیشہ سُننے میں آوینگی۔ اور وہ حکمراں نہایت خوش قسمت ہوگا، جو اپنے عہد میں ایسا اعتدال اور میانہ روی قائم رکھ سکے، اور اس غیر متناہی مباحثے میں دونوں فریقوں کو رضامند رکھ سکے۔ بہرحال جس بات پر میں زیادہ زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ گروہ نہایت ہی قلیل اور کوتاہ نظر لوگوں کا ہے۔ جو حضور سر انٹونی مکڈانل کا دل سے شکرگذار اور اُن کی حکومت کا مدّاح نہ ہوگا تمام سمجھدار مسلمان حضور ممدوح کو سچی محبّت وعزت اور احسانمندی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم افسوس کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں کہ ہم کو حضور ممدوح کی وہ سرپرستی حاصل نہیں ہے، جس کی تمنا ہم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے ہم اس امر کو فراموش نہیں کر سکتے (اور اگر ہم کریں تو نہایت

احسان فراموشی اور ناشکر گذاری ہوگی، کہ ہمیں ہز آنر کی گورنمنٹ سے بیش بہا فوائد پہنچے ہیں۔ مگر اس وقت آپ کے سامنے اُن کی صرف ایک مہربانی کا ذکر کرونگا اور وہ یہ ہے کہ حضور سر انٹونی مکڈانل نے مدرستہ العلوم علیگڈھ کے معاملات میں بہت بڑی دلی ہمدردی اور کمال دلچسپی ظاہر فرمائی ہے ✤

سر سید کے انتقال کے بعد کالج کی تاریخ میں نہایت نازک موقع پیش آیا اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ اُس وقت حضور ممدوح ہی کی توجہ اور امداد کی برکت تھی کہ ہم اُس طوفان عظیم کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اگر حضور ممدوح مسلمانوں کے ساتھ اور کوئی سلوک نہ بھی کرتے تو اُن کا یہی احسان جو اُنہوں نے ایک ایسے انسٹیٹیوشن کو بے وقت تباہی سے بچانے میں مسلمانوں پر کیا، جس جس کی نسبت صاحب پرنسپل نے اپنی رپورٹ بابت ۱۸۹۹ء و ۱۹۰۰ء میں لکھا ہے کہ ”وہ دن بدن فی الحقیقت شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی اُمید اور اُن کے لئے مایۂ ناز ہوتا جاتا ہے“ اس قدر بڑا احسان ہے کہ وہ اس کے لئے تمام مسلمانوں اور اُن کی آیندہ نسلوں کے دلی شکریہ کے مستحق ہیں ✤

حضرات! علیگڈھ میں جو جلسہ اس رزولیوشن کی مخالفت میں گذشتہ مئی میں ہوا تھا۔ اُس کے صدر انجمن ضلع علیگڈھ کے ایک معزز رئیس بنائے گئے تھے۔ پھر وہ مستعفی ہو گئے، اُن کے علیحدہ ہو جانے کا بہت کچھ چرچا ہو رہا ہے۔ اُنہوں نے ہز آنر سے کہا کہ ”اُن کو واقعات غلط بتائے گئے تھے، اس لئے اُنہوں نے پریسیڈنٹی منظور کی تھی۔ مگر جب کہ اُن کو اصلی واقعات معلوم ہو گئے اُنہوں نے استعفا دیدیا اور اپنا تعلق ہر قسم کا کمیٹی سے الگ کر لیا“ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جو کارروائی مستعفی پریسیڈنٹ صاحب نے کی وہ لائق افسوس کے ہے ✤

مگر میں اس معاملہ کی نسبت اپنی ذاتی رائے آپ صاحبوں کے سامنے بیان کرونگا اور نہ اُن وجوہات کی طرف اشارہ تک کرونگا، جو میرے نزدیک اصلی موجب اُن کی اس کارروائی کے ہیں۔ مگر ضرورت اور انصاف یہ چاہتا ہے کہ میں وہ تمام واقعات جو اُن کے اس تحریک میں شامل ہونے کے متعلق ہیں، آپ صاحبوں کے روبرو صاف صاف بیان کروں۔ اُن کے پریسیڈنٹ مقرر کرنے اور اُن کے مستعفی ہونے کے واقعات یہ ہیں کہ یکم مئی کو اس رزولیوشن کے متعلق کارروائی کرنے کے لئے ایک مجلس میرے مکان پر منعقد ہوئی تھی اور میں نے خاص خاص لوگوں کو تحریری رقعے بھیج کر آنے کی درخواست کی۔ منجملہ اور لوگوں کے وہ رقعہ مستعفی پریسیڈنٹ کی خدمت میں بھی بھیجا گیا۔ ہمارا رقعہ میں مسئلہ کے عیب و ثواب پر کوئی بحث نہیں کی گئی تھی۔ وہ اپنی خوشی سے اُس جلسہ میں تشریف لائے۔ اور براہ مہربانی اُنہوں نے اُس مجلس کا چیرمین ہونا قبول کیا۔ واقعات کا اُن کو

بھی اُسی قدر علم تھا، جتنا کہ دیگر حاضرین کو! کوئی کارروائی اس قسم کی نہیں ہوئی، جس سے اُن کو کسی مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اُس مجلس میں صرف یہ فیصلہ ہوا۔ کہ اس ضروری اور اہم مسئلہ پر غور کرنے اور رزولیوشن پاس کرنے کے لئے ۱۳۔ مئی کو کراسٹھویٹ ہال علیگڈھ میں ایک جنرل میٹنگ کی جاوے، اور چھپے ہوئے رقعے دعوت کے جاری کئے گئے جن پر منجملہ دیگر لیڈروں کے اُن کے بھی دستخط تھے۔

مطابق اُس کے ۱۳۔ مئی کو جلسہ ہوا اور اُس کے بھی وہی صاحب صدر انجمن تجویز ہوئے۔ اُنہوں نے خوشی سے منظور کیا، اور بعض رزولیوشنوں کی تحریک خود کی۔ یکم مئی سے ۱۳۔ مئی تک جو عرصہ گذرا اُس میں نہ وہ مجھ سے ملے نہ میں اُن سے ملا، اور میں نہیں سمجھتا کہ اُن کو کس شخص نے اور کیونکر واقعات کی نسبت اس قدر بڑا مغالطہ دیا۔ ماسوائے اس کے جو تقریریں کہ اس بڑے جلسہ میں ہوئیں اُن میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے مستعفی پریسیڈنٹ صاحب کو اپنی رائے تبدیل کرنے کا موقع ملا ہو۔ تمام کارروائی سب کے سامنے ہوئی، اور اُس کی مفصل روئداد چھاپ کر شائع کی گئی۔ اُسی دن ایک تار خدمت میں پرائیویٹ سکرٹری ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر متعلق اس معاملہ کے بھیجا گیا اس تار کا جواب آنے پر ۱۶۔ مئی کو ایک ضروری اجلاس اسی کمیٹی کا جواب لکھنے کی غرض سے منعقد ہوا۔ پریسیڈنٹ صاحب علیگڈھ میں موجود نہ تھے، اس لئے جلسہ میں شریک نہ ہو سکے مگر اصل تار مع مجوزہ جواب کے اُن کی خدمت میں روانہ کیا گیا اور درخواست کی گئی کہ وہ اس کو دیکھ کر اگر کوئی اصلاح و ترمیم مناسب سمجھیں تو کریں۔ ۱۷۔ مئی کو اُنہوں نے جو جواب بھیجا وہ یہ ہے:۔

"جناب نواب صاحب مخدوم و مکرم نیازمندان جناب نواب محسن الملک بہادر دام عنایتکم!

بعد سلام نیاز کے التماس ہے کہ والانامہ مع خبر تار جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر، و نیز مسودہ جواب اُس کے کا پہنچا۔ عزت ہوئی۔ میں نے مسودہ جواب کو بہت غور سے دیکھا۔ میری رائے ناقص میں یہ جواب بہت اچھا اور مناسب ہے کسی قسم کی ترمیم وغیرہ کا محتاج نہیں ہے۔ چنانچہ ہر دو کاغذ مذکورہ بالا اس نیازنامہ کے ساتھ خدمت عالی میں واپس کرتا ہوں۔ زیادہ والسلام فقط"

آپکا نیازمند (دستخط) محمد لطف علیخاں از طالب نگر ۱۷۔ مئی ۱۹۰۷ء

اس کے بعد بیس دن گذر گئے، اور اس بڑے جلسہ کے لئے دعوت کے خطوط جاری کرنے کے لئے تجویز کی گئی، جس کا میں صدر سا سمجھا ہوں اور یہ بھی قرار پایا کہ دعوت کرنیوالوں میں مستعفی پریسیڈنٹ کا نام بھی درج کیا جاوے۔ چنانچہ اُن سے بذریعہ خط مورخہ ۲ جون درخواست کی گئی۔ اس کو بھی اُنہوں نے خوشی سے منظور کیا اور اجازت دی کہ اُن کا نام بھی

دعوت کرنے والوں میں لکھ دیا جائے۔ اُن کا وہ خط جس میں اُنہوں نے اجازت دی حسبِ ذیل ہے:۔

"جنابِ نواب صاحب معظم و مکرم بندہ نواب محسن الملک صاحب بہادر دام عنایتکم!

بجواب الانامہ مرقومہ ۴۔ جون عرض کرتا ہوں کہ میرا نام اپنے اور نواب صاحب پہاسو کے ساتھ درج نوٹس فرما دیجئے۔ مجھے بخوشی منظور رہے۔ اطلاعاً مکلف ہوا۔ زیادہ نیاز

آپکا نیازمند (دستخط) محمد لطف علیخاں ۵۔ جون ۱۹۰۰ء"

جو خط و کتابت مَیں نے آپ کے روبرو پڑھی ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ مستعفی پریسیڈنٹ صاحب کو یکم مئی سے ۵۔ جون تک اس تحریک کے ساتھ دلی ہمدردی تھی اور اس عرصہ میں اس مسئلہ پر تمام اخبارات وغیرہ کے ذریعہ سے پوری بحث ہو چکی تھی اور ان کو اس مطالعہ یا دھوکے کو معلوم کرنے کا پورا موقع حاصل تھا جو اس تحریک کے لیڈروں نے اُن کو دیا تھا۔ ۱۳۔ جون تک کوئی شک و شبہ اُن کو اس قسم کا پیدا نہ ہوا اور چالیس دن سے زیادہ عرصہ تک وہ اس تحریک کے حامی اور سرگروہ رہے۔ جس کے بعد اُنہوں نے بذریعہ ایک خط کے جو مَیں آپ کو سناتا ہوں اپنا استعفا بھیجا:۔

"جناب نواب صاحب مخدوم مکرم بندہ نواب محسن الملک صاحب بہادر دام نوازشکم!

بعد سلام نیاز ایک کمیٹی علیگڈھ میں قائم ہوئی تھی بدیں غرض کہ ناگری حروف کا عدالتہائے میں جاری ہونا باعثِ نقصان ہے اور مَیں نے اُس کمیٹی کا عہدہ پریسیڈنٹی قبول کیا تھا اُس وقت میں میری جانب سے احکام گورنمنٹ کی بابت اور نتیجہ کارروائی کمیٹی مذکور کی بابت غلط فہمی عمل میں آئی تھی، مگر بعد ملاحظہ و غور کامل میری یہ رائے ہے کہ احکام گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہندوستانی یعنی اردو زبان کو کوئی اہم نقصان نہیں پہنچتا ہے، چنانچہ میں عہدہ پریسیڈنٹی سے مستعفی ہوتا ہوں اور یہ استعفا آپ کی خدمت میں بھیجکر امید کرتا ہوں کہ یہ استعفا میرا منظور ہوگا، اور اب میرا نام اُس جلسہ کے مدعو کرنے والوں میں تحریر نہ فرمایا جاوے، جو کہ عام جلسہ امور متذکرہ بالا کے متعلق لکھنؤ میں ہونے والا ہے۔ زیادہ نیاز

آپ کا نیازمند (دستخط) محمد لطف علیخاں مورخہ ۱۳۔ جون ۱۹۰۰ء"

اے حضرات! وہ کمیٹی جو یکم مئی کو میرے مکان پر ہوئی تھی، اُس وقت نواب وقار الملک بہادر موجود تھے۔ آپ اُن سے دریافت کیجئے کہ ایک موقع پر مَیں نے حاضرین سے خطاب کر کے کہا تھا کہ اس کارروائی میں جذبات دلی کو جوش میں نہ لانا چاہئے اور تقریر میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہئے اُس وقت ہمارے مستعفی پریسیڈنٹ نے کیا کہا تھا؟ اس پر نواب وقار الملک بہادر کھڑے ہوگئے

اور فرمایا:۔

"جناب نواب پریسیڈنٹ صاحب بہادر اور دیگر معزز حضرات! مجھ کو علیگڈھ اردو ڈیفنس کمیٹی کے اُس ابتدائی جلسہ میں اتفاق سے شریک ہونے کی عزت حاصل تھی، جس میں مستعفی پریسیڈنٹ صاحب کو پریسیڈنٹ بنایا گیا تھا، اور مَیں اپنے ذاتی مشاہدہ اور ذاتی علم سے کہہ سکتا ہوں کہ مستعفی پریسیڈنٹ صاحب کو کسی قسم کا دھوکا یا مغالطہ جلسہ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا۔ ۱۸؍ اپریل ۱۹۰۰ء کا رزولیوشن تمام و کمال اُس وقت جلسہ کے سامنے بآواز بلند پڑھا گیا تھا اور جو نقصانات کہ اُس سے آیندہ ہماری اردو زبان کو پہنچنے والے تھے اُس پر اچھی طرح گفتگو ہوئی تھی، اور اُسی اثنائے گفتگو میں جب کہ نواب محسن الملک بہادر جلسہ کو یہ نصیحت کر رہے تھے کہ ہر ایک کارروائی آیندہ بہت احتیاط اور اعتدال سے کی جاوے، اور کسی قسم کے بیجا جوش کا اظہار نہ کیا جاوے، اور کوئی لفظ جو گورنمنٹ کی شان کے خلاف ہو زبان سے نہ نکالا جاوے تو اُنہیں جناب مستعفی پریسیڈنٹ صاحب نے یہ الفاظ زبان مبارک سے ارشاد فرمائے تھے کہ

"واہ حضرت جب جی جلیگا تو کہاں تک کوئی بات زبان سے نہ نکلیگی"

پریسیڈنٹ نے پھر اپنی تقریر شروع کی اور کہا کہ:"جب ہز آنر نے اپنی بنارس کی تقریر میں اس امر کا تذکرہ فرمایا اور عام لوگوں کی توجہ اس معاملہ کی طرف مائل ہوئی۔ مَیں نے بمبئی سے اُن کو ایک رجسٹری شدہ خط بھیجا، اور دریافت کیا کہ آپ کو کس نے دھوکا دیا اور کیا دھوکا دیا۔ اور ممبران علیگڈھ کمیٹی نے بھی ایک خط لکھا مگر مستعفی پریسیڈنٹ صاحب نے کوئی جواب اب تک نہیں دیا۔

اے صاحبو! مَیں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ جو کچھ ہمارے مستعفی پریسیڈنٹ نے ہز آنر سے کہا، اُس کی ان خطوط سے کہاں تک تصدیق ہوتی ہے، مَیں تو سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں اور جن کے کہنے پر ہز آنر کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ وہ اب اس مسئلہ کو سمجھ گئے ہیں اُن کو صرف خیالی خوف اس کا باعث ہے اور جو لوگ اس کارروائی میں ہمارے شریک نہیں ہیں درحقیقت وہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر وہ باتیں کہتے ہیں، جو ہم کبھی نہیں کہتے۔ مگر وہ معذور ہیں کیونکہ اُن کو گورنمنٹ کے اصول سے واقفیت نہیں۔ وہ برٹش عہدہ داروں کی آزادانہ اور منصفانہ طبیعت سے آگاہ نہیں۔ برٹش گورنمنٹ وہ گورنمنٹ ہے، کہ صداقت انصاف اور آزادی پر اُس کی بنیاد ہے، اور اس لئے ہم کو اپنا درد دل گورنمنٹ کے پاس ظاہر کرنے کے لئے کوئی ممانعت نہیں۔ یہ لوگ جن کو اس اصول سے واقفیت نہیں، وہ مارے ڈر کے حق بات کہنے سے ڈرتے ہیں اور درحقیقت اُن کی غلطی سے گورنمنٹ کو دھوکا ہوتا ہے۔ مگر یہ بات کچھ تعجب نہیں ہے،

بلکہ مرحوم سر سیّد احمد خاں بھی اس کا افسوس کرتے تھے اور اپنے ملک کو اس بیجا خوف کرنے اور سچ بات نہ کہنے پر ملامت کرتے تھے، جیسا کہ اُنہوں نے اپنی ایک اسپیچ میں علیگڈھ کے ٹرسٹیوں سے خطاب کرکے کہا تھا۔ "آپ مجھے معاف کیجئے، مَیں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں۔ ہندوستان کی رعایا کی یہ عادت ہوگئی ہے، کہ گھر میں بیٹھ کر گورنمنٹ کی ہزاروں شکایتیں کرینگے، انتظام حکام پر گھر میں ہزار عیب لگاوینگے، جن میں سے بہت صحیح و درست بھی ہونگے۔ مگر جب انگریزوں سے ملینگے، تو کہینگے کہ ہم تو گورنمنٹ کے بڑے خیر خواہ ہیں، اور حکام کا انتظام حد تعریف سے بھی بہت عمدہ ہے، اور نہایت ہی خوب ہے۔ کوئی عقلمند آدمی ایسی رعیّت کو خیر خواہ نہیں سمجھ سکتا"۔

اے حضرات! مَیں نے استعفے کی نسبت تمام واقعات آپ لوگوں کے سامنے پیش کردئیے اور اُس پر آپ نہایت آسانی سے رائے قائم کرسکتے ہیں۔ مَیں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا، کہ آپ سے بیان کروں کہ اس واقع سے کیا اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے۔ یا آپ سے انصاف چاہوں کہ آیا پریسیڈنٹ موصوف کا یہ فعل اُس قول کے مطابق ہے، جو اُنہوں نے ہز آنر سے کہا یا آپ سے ملتجی ہوں، کہ آپ کے نزدیک ہز آنر کی رائے جو اُنہوں نے پریسیڈنٹ مستعفی کی وجہ استعفا کے بیان کرنے کی بنیاد پر اُن طریقوں کی نسبت ظاہر فرمائی ہے، جن سے یہ ایجیٹیشن برانگیختہ کیا گیا تھا کہاں تک حق بجانب ہے۔

صاحبو! جب کسی مسئلہ کی نسبت تمام قوم کے دل کو صدمہ پہنچے تو اُس کے متعلق ایجیٹیشن کے پھیلانے اور برانگیختہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے وقت میں ہمارا فرض حقیقت میں یہ ہے کہ پبلک کی رائے کو اعتدال پر لائیں اور گورنمنٹ کے ارادوں اور مقاصد کی نسبت جھوٹے خیالات لوگوں کے دلوں سے دور کریں۔ باوجود اس کے کہ ایسے بڑے شخص جیسے کہ ہمارے مستعفی پریسیڈنٹ ہیں، اس تحریک سے علیٰحدہ ہوگئے یا بڑے بڑے نواب اور رئیس خیالی خوف سے علیٰحدہ رہے، ہم کو یقین ہے کہ ہماری قومی زبان مرنے نہ پاویگی اور ہمیشہ زندہ رہیگی۔

حضرات! مَیں نے بہت سا وقت آپ کا اُن خارجی واقعات کے بیان کرنے میں لیا ہے اور اب مَیں مناسب نہیں سمجھتا کہ رزولیوشن کے نفس مضمون پر عام نظر ڈالنے اور اُس کی تشریح کرنے سے آپ کا وقت زیادہ ضائع کروں، جو رزولیوشن کہ آج کے اجلاس میں پیش ہونگے، اور اُن کی تائید میں جو تقریریں کی جاوینگی اُن میں میرے لائق دوست گورنمنٹ کے احکام کے ہر پہلو پر غور اور مباحثہ کرینگے۔ مَیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ مَیں نے کل مسئلہ کی نسبت کہا ہے اور جو تعلق ہمیں اس ایجیٹیشن سے ہے اُس کا تصفیہ گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے، اصل یہ ہے کہ رزولیوشن

مورخہ ۱۸- اپریل ۱۹۰۰ء کے اصل مفہوم کو کوئی نہیں سمجھا ۔ اُس کے معانی ایسے مبہم ہیں کہ اُن پر قانون دانوں کے مباحثے ہو چکے - ایک کچھ مراد لیتا ہے ، دوسرا اُس کی تردید کرکے دوسرے معنی قرار دیتا ہے - یہاں تک کہ ان صوبجات کی دو بڑی جوڈیشل عدالتوں نے اُس کے معنوں پر بالکل متناقض فیصلہ کیا ۔

جب یہ حال ہے تو اُس کی نسبت مسلمانوں پر فتنہ انگیز موشگافیاں اور بیجا تشریحیں کرنیکا الزام کیونکر عائد ہو سکتا ہے ۔

جو اتہام کہ رزولیوشن کے موجودہ الفاظ میں پایا جاتا ہے اس کا ثبوت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے کہ رزولیوشن کے معنوں کی نسبت جو فیصلہ الہ آباد ہائی کورٹ اور جوڈیشل کمشنر اودھ نے کئے ہیں اُن میں بالکل تناقض ہے - ہائی کورٹ نے لفظ "درخواست" کے اندر عرضی دعوے - استغاثے - بیانات وغیرہ سب شامل کر لئے ہیں - مگر آخر الذکر کی عدالت نے (جس سے قبل نفاذ رزولیوشن مشورہ بھی لیا گیا تھا) یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس اصلاح کا اطلاق استغاثوں اور تحریری بیانات پر نہیں ہو سکتا - اگر ناگری حروف کا استعمال درخواستیں وغیرہ لکھنے میں صرف اُنہیں لوگوں کے لئے اختیاری اور جائز سمجھا جاوے جو صرف اسی تحریر سے آگاہ ہیں اور جو استغاثے اور دیگر کاغذات سرکاری قانون پیشہ لوگوں کے توسل سے پیش ہوتے ہیں خارج رکھے جاویں - تو قرین مصلحت اور ایک خاص گروہ کی سہولت کا باعث ہے - ہمارے اس خیال کی تائید ہز آنر کی تقریر سے ہوتی ہے جو اُنہوں نے بنارس میں فرمائی ، حضور ممدوح نے فرمایا کہ "حکام کے روبرو زبانی شکایتوں اور اظہارات میں اگر کوئی حاکم کسی کو ہندی استعمال کرنے سے منع کر دے تو اُس کی نسبت کیا خیال ہوگا - پس اگر زبانی اظہارات میں ہندی کی ممانعت لغو ہے ، تو تحریری بیانات میں اُس کی ممانعت کیونکر جائز ہو سکتی ہے" ۔

صاحبو! اگر اس رزولیوشن کے جاری کرنے سے گورنمنٹ کی اصل میں یہی غرض اور مراد ہے جو میں نے ابھی بیان کی اور گورنمنٹ اس کی باضابطہ طور سے تشریح کر دے ، تو چشم ما روشن اور دلِ ما شاد ، ہمارا تمام اختلاف دور ہو جاوے اور کسی قسم کا اعتراض باقی نہ رہے ہم تعصب اور ناجائز قومی طرف داری کی قیود کے پابند نہیں ہیں - جو خواہ مخواہ ایسے احکام سے اختلاف کریں جن کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ صرف ناگری لکھنا چاہتے ہیں وہ قانون دان لوگوں کے پاس جانے کے خرچ اور تکلیفوں سے محفوظ رہیں اور خود اپنی درخواستیں لکھ کر اصالتاً پیش کر سکیں ۔

یہ نہایت معقول اور آبادی کے ایک خاص گروہ کی ضرورتوں کی پورا کرنے والی ہے لیکن اگر باوجود ان احکام کے اہل معاملہ قانون پیشہ لوگوں کی امداد اور مداخلت کی ضرورت باقی نہیں

عرائض نویسوں اور وکلا کو بھی جن کے لئے اردو زبان اور حروف سے واقف ہونا لازمی ہے ناگری حروف میں لکھنے کی آزادی ہو تو اس رعایت کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور ایک دوسری طرز تحریر کی اجازت دینا محض بے سود ہو جاتا ہے۔ اس رزولیوشن کا ابہام اور اُس کے لفظوں پر مختلف معنوں کا اطلاق ہونا نہ صرف یہیں تک محدود ہے کہ آیا قانون پیشہ لوگوں کو ناگری حروف کے استعمال کا حق ہے یا نہیں۔ بلکہ آپ کو معلوم ہوگا کہ رزولیوشن زیر بحث کی تمہید میں حضور لفٹنٹ گورنر بہادر نے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ وہ زبان کا مسئلہ جو حروف کے مسئلہ سے بالکل علیحدہ مسئلہ ہے چھیڑنا نہیں چاہتے اور حضور ممدوح کا ارادہ ان صوبجات کی عدالتوں کی زبان بدلنے کا نہیں ہے لیکن جو ترمیم رزولیوشن مذکور کی دفعہ ۴ کے فقرہ ۲ میں حسب تجویز گورنمنٹ آف انڈیا ہوئی ہے اُس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہی مسئلہ زبان چھیڑا گیا ہے۔ اصل حکم کے مطابق عملہ کے ملازموں کے لئے ناگری و فارسی حروف کا جاننا شرط ضروری قرار دیا گیا تھا، مگر مذکورہ بالا ترمیم کے موافق ہندی اور اردو زبانوں کا علم عملہ کے ملازموں کے لئے لازمی ہوگیا۔ یہ اہم تبدیلی جو رزولیوشن کے اُس حصہ میں کردیگئی ہے جس کا اثر عملی کارروائی پر پڑتا ہے اور جس کا مضمون اُسی کے تمہید کے لحاظ سے بالکل متناقض ہے اس امر کا بیّن اور قاطع ثبوت ہے کہ اس رزولیوشن کی تحریر اور نفاذی تمام کارروائی بغیر کافی غور کے عمل میں آئی ہے ہم کو نہ صرف یہی حق حاصل ہے کہ اُس ضرر رساں اثر کی نسبت جو اس رزولیوشن سے ہماری پیاری زبان پر پڑیگا، گورنمنٹ کی خدمت میں اپنے خیالات ظاہر کریں، بلکہ اُس کے جب تک موجودہ معنی قائم ہیں ہم ہر آن سے جائز طور پر یہ استدعا کرنے کے مستحق ہیں کہ وہ باضابطہ طور سے ایک جدید رزولیوشن نافذ کر کے صاف الفاظ میں تشریح کردیں کہ رزولیوشن ۱۸۔ اپریل کا اصلی مفہوم اور مراد کیا ہے۔ ہماری زبان پر صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو اور ہم چُپکے بیٹھے رہیں اور مؤدبانہ طور سے معترض نہ ہوں اور اپنی زبان کی حفاظت کی تدبیر نہ کریں اور دل ہی دل میں کڑھتے رہیں، تو ہم گویا اس بات کے ثابت کرنے والے ہونگے کہ نہ ہم اپنے معزز اسلاف کے لائق خلف ہیں، نہ ہم اپنے تاریخی واقعات کے خیال رکھنے والے ہیں، نہ ہم اپنی قوم کے سچے دوست ہیں، نہ اپنے فرض کے ادا کرنے والے، نہ گورنمنٹ کے اصلی اصول کے سمجھنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ کوئی خفیف معاملہ نہیں ہے اور گو بالفعل خفیف ہو، مگر آیندہ اُس کی سنگین اور زیادہ اہم ہونیکا خوف ہے اور اس سے ہم کو بڑا ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے ﴿

مَیں اس موقع پر سر سیّد مرحوم کے ایک بیان مبارک کو نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں جو انہوں نے ۱۸۶۸ء کے ایک سرکلر میں شائع کیا تھا۔ ہمارے معزز لیڈر نے لکھا کہ "تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ناگری حروف اور ہندی زبان جاری ہونے سے بڑا نقصان ہوگا۔ درحقیقت جس قدر نقصان کہ مسلمانوں کو

ہونا ممکن ہے، اور وہ ہوگا کہ اس سے بڑھکر بہبودی سے محروم کر دینے کے نقصان کے اور کوئی نقصان نہیں ہو سکتا ٭

صاحبو! ماحصل کلام یہ ہے کہ اگر اس رزولیوشن کے اصلی معنی اُس حد تک محدود رہیں جس کا میں نے ابھی ذکر کیا تو ہم کو اس سے کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس اردو زبان و حروف کی علاوہ ملک کی مسلمہ زبان اور حروف ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا اصل مقصد اُس کا یہی ہوگا کہ خاص خاص صورتوں میں اُن غریب لوگوں کے لئے آسانی اور سہولیت ہو، جو صرف ناگری جانتے ہیں اور اپنے وکیل آپ ہوتے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ ہز آنر کا بھی اصل منشا یہی ہے اور ہمارے اختلاف پر جو اس رزولیوشن کی نسبت ہے، اسی خیال سے ہز آنر کو تعجب بلکہ بڑا تاسف ہے کہ ہم ایسے حکم پر جس سے ہماری زبان کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا اور جس سے دوسرے مستفید اور متمتع ہو سکتے ہیں، مخالفت کرتے ہیں۔ اگر اس کی تشریح کر دیجاوے اور وہ ابہام جو پیدا ہو گیا ہے رفع کر دیا جاوے تو اس بحث کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا اعتراض باقی نہیں رہتا ٭

صاحبو! میں صرف آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کا اُس عنایت آمیز عبارات کا دل سے مشکور ہوں۔ جو آپ نے میری نسبت ظاہر فرمائی۔ اور آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ اپنی دلی توجہ اُن حضرات کی طرف مبذول فرمائیے، جو ابھی آپ کو مخاطب کرنے والے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھئے کہ اگر آپ اپنی کارروائی میں اُس سنجیدگی اور اعتدال اور تہذیب کو ملحوظ رکھینگے جس کے لئے ہم ایسے خاص معقول پر جب کسی پبلک مسئلہ پر گورنمنٹ کی خدمت میں اپنی رائے اور خیالات ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیشہ کوشش کرتے رہے تو آپ کے اس جلسہ کی وقعت اور آپ کی باتوں کا اثر ہوگا۔ اور آپ کی غیر متعصبانہ اور مودبانہ کارروائی عزت کی نظر سے دیکھی جاویگی ٭

نمبر ۳۰۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۷۔ دسمبر ۱۹۰۰ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس چہارم منعقدہ رامپور میں کانفرنس کے حساب کتاب کے متعلق اور ضمیمہ جات کلکتہ و لاہور کی بابت فرمائی ٭

برادران! حاضرین!

یہ تو آپ کو پروگرام سے معلوم ہوا ہوگا کہ کانفرنس کا معمولی جلسہ ۹ بجے سے شروع ہوگا جبکہ

ہمارے حضور پرنور نواب صاحب بہادر والی رامپور رونق افروز ہونگے، لیکن قبل اس کے میں نے مناسب سمجھا کہ ایک غیر معمولی جلسہ کیا جاوے، اور چند ضروری باتیں جن کو رزولیوشنوں سے کچھ تعلق نہیں ہے آپ کی خدمت میں عرض کی جاویں۔ منجملہ اُن کے اول معاملہ رپورٹ کے ساتھ معمولی ضمیمہ کے نہ چھپنے کا ہے۔ کانفرنس کی آمدنی پبلک منی ہے۔ کانفرنس کے آمد و خرچ کے جانچنے اور دیکھنے کا ہر ممبر کو اختیار حاصل ہے اور اُس کے خرچ پر اعتراض کرنے کا اُن سب کو استحقاق ہے +

دو برس ہوئے کہ لاہور اور کلکتہ کے حساب بوجہ ضمیمہ شائع نہ ہونے کے معلوم نہ ہو سکے اس پر لوگوں کو خیال ہوا کہ کیوں ضمیمے شائع نہیں ہوئے۔ ضمیمہ اگرچہ معمولی بات ہے، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ممبروں کو بوجہ نہ شائع ہونے ضمیموں کے حساب آمد و خرچ کا حال نہ معلوم ہوا ہوگا، لیکن وجہ ضمیمہ شائع نہ ہونے کی یہ ہے کہ لاہور کی رپورٹ چونکہ بہت بڑی تھی اور تعداد ممبروں اور وزیٹروں کی زیادہ تھی، اور یونیورسٹی کی اسکیم بھی رپورٹ میں درج کی گئی تھی اس واسطے اُس کا خرچ چھپائی بہت زیادہ ہوگیا تھا یعنی بارہ سو روپیہ اُس کی چھپائی میں خرچ ہوئے تھے۔ چونکہ رپورٹ زیادہ تعداد میں چھپوائی گئی اور بوجہ یونیورسٹی کی اسکیم کے زیادہ لوگوں میں اُس کا تقسیم کرنا ضروری تھا۔ لہذا ضمیموں کا چھپوانا ملتوی رکھا گیا۔ لیکن جب لوگوں کے خطوط میرے پاس آئے، اخباروں میں اعتراض ہوئے، تو خرچ کا خیال نہ کیا گیا اور لاہور کے اجلاس کا ضمیمہ شائع کرا دیا گیا۔ جس کی چھپی ہوئی جلدیں میرے پاس اس وقت موجود ہیں۔ شام تک اور جلدیں آ جاوینگی۔ اُس میں تمام ممبروں کے نام اور میرٹھ کی کانفرنس کا حساب درج ہے۔ جو صاحب لاہور کی کانفرنس کے ممبر یہاں موجود ہوں وہ میرے دفتر سے ضمیمہ لے لیں۔ تاکہ محصول ڈاک بچے اور لوگوں کو فوراً اطمینان ہو جائے +

دوسرا معاملہ متعلق حساب لاہور اور کلکتہ کے ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کانفرنس کی آمدنی و خرچ ایک سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی سے جو علیگڈھ میں قائم ہے متعلق ہے اور دوسرے لوکل کمیٹی سے یعنی جہاں سالانہ کانفرنس کا اجلاس ہوتا ہے۔ لوکل کمیٹی کے متعلق جو خرچ ہے اُس کے حساب کی جانچ ہم نہیں کر سکتے وہ کمیٹیاں خود جو کچھ مناسب ہوتا ہے خرچ کرتی ہیں +

لاہور کی لوکل کمیٹی کے خرچ کے متعلق میں اس وقت کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ زندہ دلان پنجاب تو نہایت خوش ہونگے اور میں بھی فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے خان بہادر برکت علیخاں اور اُن کے رفقا اور عموماً زندہ دلان پنجاب کی بدولت لاہور کی لوکل کمیٹی کا حساب نہایت صاف اور عمدہ آیا ہے چنانچہ یہ حساب اس وقت میرے پاس موجود ہے۔ نہ صرف حساب صاف ہے بلکہ خرچ اس قدر کم ہے کہ کل اخراجات کے بارہ سو چوالیس روپیہ صرف ہوئے ہیں۔ لوکل کمیٹی لاہور کی معرفت جو آمدنی ہوئی ہے اُس میں سے بارہ سو چوالیس روپیہ خرچ کے منہا کرکے تین ہزار روپیہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کو دیگئے +

کے پاس نقد بھیج دئے گئے۔ جو سامان قابل فروخت ہونے کے تھا اُسے فروخت کر کے قیمت بھیجی۔ صرف یہ کیا، بلکہ جلسہ کی آرائش اور خیر مقدم کے لئے جو سُرخ و سبز مختلف رنگ کے کپڑوں کی جھنڈیاں تیار کی گئی تھیں اور اُن کی قیمت ابھی نہ اُٹھتی، اُن سب جھنڈیوں کو بھی علیگڈھ بھیجدیا، اب جو جلسہ کالج میں ہوتا ہے تو وہ جھنڈیاں لگائی جاتی ہے اور یہ جھنڈیاں اس بات کی یاد دلاتی ہیں کہ پنجاب کا حساب ایسا صاف اور عمدہ ہے کہ اس ۱۴ برس کے عرصہ میں کہیں کا حساب ایسا صاف نہ ہوا ہوگا*

میرٹھ کا حساب سر سیّد کے زمانہ کانفرنس کا آخری حساب تھا، میرٹھ کا حساب اُن کی زندگی میں لوکل کمیٹی نے بھیجا اور نہ وہ مرتب ہوا۔ بعد اُن کی وفات کے میں نے کوشش کی خط پر خط بھیجے اور اور جب کچھ نتیجہ نکلا تو ایک خاص اہلکار کو میرٹھ بھیجا۔ جب حساب تیار ہو کر آیا۔ چنانچہ جو حساب تیار ہو کر آیا ہے، وہ چھاپ دیا گیا۔ اس حساب کی نسبت میں صرف اسی قدر کہتا ہوں کہ اس کی ذمہ داری لوکل کمیٹی میرٹھ کے ذمہ ہے*

سیّد صاحب کے انتقال کے بعد کانفرنس کے حسابات عرصہ تک سیکرٹری کو نہیں ملے صرف ۳-۴ ماہ کا عرصہ ہوا کہ پچھلے کاغذات کانفرنس سکرٹری کو موصول ہوئے ہیں۔ اُن کاغذات کے دیکھنے اور پچھلے حسابات کو جانچنے سے صرف اس قدر پتہ چلا کہ دو ہزار نوسو اٹھتیس روپے کانفرنس کالج کے نام لکھے ہیں پہلے یہ قاعدہ تھا کہ کانفرنس کا پس انداز روپیہ بوجہ کمی سرمایہ کے کالج کے کاموں میں صرف ہوتا تھا اور جب کانفرنس کو ضرورت ہوتی تو کالج کی آمدنی سے وہ روپیہ واپس دیا جاتا۔ میں نے کالج کے نام کانفرنس کی یہ رقم دیکھ کر کالج کے برسر سے کیفیت باضابطہ طلب کی، چنانچہ برسر نے مجھے یہ لکھا کہ سیّد صاحب کی انتقال کے بعد جب کالج کی ذمگی قرضہ کا حساب لگایا گیا اُس وقت کانفرنس کی یہ رقم بھی قرضہ میں شامل کر لی گئی تھی بعد ازاں مسٹر بیک صاحب نے یہ طے کیا کہ چونکہ کوئی باضابطہ ثبوت کالج کے کاغذ میں اس امر کا نہیں ملتا کہ یہ روپیہ کس مد کے واسطے دیا گیا اور کہاں خرچ ہوا اور نہ کالج کے کاغذات میں اس روپیہ کی آمد درج ہے لہذا یہ رقم قرضہ سے خارج کیجاوے چنانچہ بموجب تجویز مسٹر بیک صاحب کے یہ رقم خارج کر دی گئی*

۱۸ دسمبر ۱۸۹۸ء کو جو جلسہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی علیگڈھ کا ہوا میں نے اُس جلسہ میں اس معاملہ کو پیش کیا، چنانچہ جلسہ مذکور میں اس رقم کی نسبت بعد مباحثہ کے یہ طے پایا کہ یہ معاملہ ٹرسٹیان کالج کے سامنے پیش کیا جاوے۔ جو کچھ ٹرسٹی کالج کی اس رقم کے متعلق فیصلہ کرینگے، میں آیندہ اُس کی اطلاع آپ کو دونگا*

سیّد صاحب کی وفات کے بعد سے یعنی اپریل ۱۸۹۸ء سے کلکتہ کی کانفرنس کے بعد یعنی دسمبر ۱۹۰۰ء تک کل خرچ جو آنریری سکرٹری کی معرفت ہوا اُس کا اور جو لوکل کمیٹیوں لاہور اور کلکتہ کی معرفت ہوا اُس کے تفصیلی ... اردو اور انگریزی میں گوشوارے بنا کر پیش کرتے اور ممبران موجود تھے ہر ایک رقم کو ...

اور پاس کیا اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ کل خرچ اس ڈھائی برس کے عرصہ میں چار ہزار نو سو ۹۹ روپیہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی علیگڈھ کی معرفت ہوا ہے۔ چنانچہ تفصیل اُس کی ضمیمہ رپورٹ میں مندرج ہے ÷

آمدنی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ دو طرح سے ہوتی ہے ایک وہ جو لوکل کمیٹیوں کی معرفت چندہ ممبری یا ڈونیشن وغیرہ کی بابت وصول ہوتی ہے۔ اُس آمدنی کی لوکل کمیٹیاں ذمہ وار ہیں اور جو تفصیل ناموں کی اور تعداد رقم وصول شدہ کی وہ کمیٹیاں بھیجتی ہیں وہ ضمیمہ میں درج کی جاتی ہے ÷

دوسرے وہ فیس ممبری جو سکرٹری کے دفتر میں بھیجی جاتی ہے اُس کی ذمہ واری سکرٹری پر ہے اُس نے اُس کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ وہ روپیہ کتاب میں درج کر کے کالج کے برسر کے پاس بھیجدیا جاتا ہے اور باضابطہ رسید اُس کی لے لی جاتی ہے۔ اور جو روپیہ اخراجات کے لئے دفتر میں رکھ لیا جاتا ہے اُس کا علحدہ رجسٹر رکھا گیا ہے، روپیہ بھیجنے والوں کے پاس رسید میرے دستخط سے جاتی ہے میں تمام لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر کسی کو رسید نہ پہنچی ہو یا روپیہ کے پہنچنے میں کسی قسم کا شبہ ہو، تو مجھ سے دریافت کرنا چاہیئے۔ جو انتظام مَیں نے کیا ہے وہ قابل اطمینان ہے۔ کیونکہ اُس میں کسی قسم کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کل آمدنی کو معہ فہرست اسم وار اور تفصیل کے کہ کس مد کے لئے روپیہ آیا برسر کے پاس بھیجدیتا ہوں۔ برسر اس کو اپنے رجسٹروں میں درج کرتا ہے ÷

اور پروفیسر چکرورتی صاحب جو مسٹر بیک صاحب کے مرنے پر کالج کے رجسٹرار مقرر ہوئے ہیں وہ رجسٹروں کی نگرانی میری فہرست سے مقابلہ کر کے ہر ایک مد کی آمدنی کی کرتے ہیں۔ غرضکہ جو روپیہ آتا ہے وہ دو جگہ درج ہوتا ہے، ایک میرے دفتر میں اور دوسرے کالج کے دفتر میں چنانچہ جو انگریزی گوشوارے حساب کے مَیں نے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں پیش کئے تھے اُن پر برسر اور رجسٹرار کی تصدیق اور دستخط بھی کرا لئے گئے تھے، اس کمیٹی میں نواب وقار الملک بہادر چیرمین تھے، انہوں نے مسٹر ماریسن صاحب اور مسٹر ٹہلنگ صاحب اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے تفصیل وار تمام گوشواروں کو جانچا اور تمام حساب کو پاس کر کے سکرٹری کے لئے ووٹ آف تھنکس پاس کیا ÷

لوگوں کو اگرچہ کالج کے پچھلے تغلب کی وجہ سے چندہ دینے میں تامل ہو گیا ہے اور اب آنکھ بند کر کے روپیہ نہیں پھینکتے بلکہ چندہ دینے میں ہچکچاتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ عمدہ نشانی ہے قومی ترقی کی اور میں اس سے خوش ہوں کہ لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ ہمارا روپیہ کہاں صرف ہوتا ہے اور وہ صرف جائز ہے یا نہیں اس کا یہ نتیجہ ہوگا۔ جب حساب صاف ہوگا خرچ مناسب ہوگا۔ کافی نگرانی ہوگی اور کسی طرح روپے کے ضائع جانے کا اندیشہ باقی نہ رہیگا تو جو دل کھول کر روپیہ دینگے ÷

میں کہہ چکا ہوں کہ کانفرنس کا سرمایہ پبلک منی ہے لہٰذا پبلک منی کی حفاظت بھی پبلک پر فرض ہے، اور اگر پبلک اپنے روپے کی حفاظت نہ کرے، تو سمجھنا چاہئے کہ وہ غافل ہے، بے پروا ہے، اور کوئی امید اُس کے سنبھلنے کی نہیں ہے۔ ہاں اگر پبلک اپنے سرمایہ کی حفاظت کرے پبلک کے سرمایہ کو ہر شخص اپنا ذاتی سرمایہ سمجھے، اور اُس کی حفاظت کا مثل اپنے سرمایہ کے خیال کرے، اور اُس کے تلف و برباد ہونے کا مثل اپنے روپیہ کے برباد ہونے کے صدمہ و ملال ہو، تو سمجھنا چاہئے کہ اب پبلک بیدار ہے، اور ضرور ترقی کریگی۔ غرضیکہ پبلک منی کی حفاظت کا خیال آیندہ ترقی کی عمدہ فال ہے، کانفرنس میں جو صاحب تشریف لاتے ہیں، ملازمان سرکاری کو زمانہ تعطیل کا ہوتا ہے۔ وہ اپنے وطن کو نہیں جاتے، عزیز و اقارب کی ملاقات کو چھوڑتے ہیں۔ جو سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ وہ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر آتے ہیں۔ ممکن تھا کہ وہ اس ہفتہ میں مشغول اور لوگوں کے اس ہفتہ میں اپنے دوسرے کاروبار کرتے، اور اپنے دوست و احباب سے ملتے لیکن سب کو چھوڑ کر یہ کانفرنس میں آئے۔ بہت سے اُن کے عزیزوں نے خط بھیجے ہونگے کہ اس ہفتہ میں آکر ہم سے ملجاؤ، لیکن اُنہوں نے نہ کسی عزیز کا پاس کیا، اور نہ دوست کا، لیکن اُنہیں قومی شوق اس قدر غالب آگیا ہے کہ سب تعلقات کو خیرباد کہکر یہ قوم کی خاطر کانفرنس میں آتے ہیں۔ اگر کہا جاتا ہے کہ مسلمان بالکل نکمے ہوگئے ہیں، مسلمان کچھ نہیں کرتے، مسلمان مرگئے، لیکن بار دیگر میں دریافت کرتا ہوں کہ اتنی صورتیں جو یہاں نظر آتی ہیں، کیا زندہ صورتیں نہیں ہیں؟ کیا یہ مُردے قبروں سے اُٹھ کر آگئے ہیں؟ میں پکار کر کہتا ہوں کہ جن کو زندہ مسلمانوں کو دیکھنا ہو، وہ یہاں آویں اور ان زندوں کو دیکھیں۔ یہی ہیں وہ زندہ مثالیں جن کے قومی شوق نے شخصی ضرورتوں کو مغلوب کردیا ہے، یہی ہیں وہ پاک صورتیں جنہوں نے شخصی حاجتوں کو قومی حاجتوں کے مقابلہ میں پامال کردیا ہے، تو ایسی حالتوں میں جب کہ وہ اپنی ضرورتوں کو مغلوب کرکے تکلیف سفر گوارا کرتے ہیں۔ اور نہ صرف تکلیف اُٹھاتے ہیں، بلکہ روپیہ بھی صرف کرتے ہیں۔ ہم بظاہر تو یہ دیکھتے ہیں کہ اُنہوں نے صرف ۵ روپیہ ممبری کی فیس کے دئے ہیں اور کچھ نہیں دیا، لیکن جو لوگ دور دراز کا سفر کرکے آتے ہیں، کس قدر روپیہ ہر شخص کا بقدر حیثیت کے ریل کے کرایہ میں صرف ہوتا ہے، اور کتنا رستہ میں اور خرچ ہوجاتا ہے۔ یہ سب روپیہ وہ قوم کو دیتے ہیں، اور یہ سب علامتیں قوم کی بیداری کی ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ قوم جو غفلت کی نیند سوتی تھی، اب بیدار ہوگئی ہے۔ آنکھیں کھل گئی ہیں، بعض نیم بیدار ہوئے ہیں اور اُٹھنے کے لئے انگڑائیاں لے رہے ہیں، بعض اُٹھ بیٹھے ہیں اور قوم کی ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں، اس میں زندہ دلان پنجاب سب سے زیادہ مستعد اور سرگرم ہیں اسی واسطے میں سرسید کے زمانہ میں ہمیشہ اُن سے اس مسئلہ میں اختلاف کرتا تھا جب کہ وہ مدد دولت پنجاب

ہونے، اور قوم کو مردہ کہتے ہیں۔ ہمیشہ اُن کے جواب میں یہ ہی کہتا رہا کہ نہیں مسلمان زندہ ہیں۔ اُن میں زندہ دلی موجود ہے، صرف غافل سو رہے ہیں، جب بیدار ہونگے تو اپنی زندہ دلی کا عملی ثبوت دینگے، خدا کے فضل سے بہت سے سوتے ہوئے بیدار ہو گئے ہیں اور اپنے دوسرے سوتے ہوئے بھائیوں کو جگا رہے ہیں ❖

حضرات! مَیں مسلمانوں کے بیدار ہو جانے کی نظیر میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ جب کانفرنس کی شرکت کے اطلاعی خطوط جاری کئے گئے، تو میرٹھ سے میرے پاس ایک معمولی اہلکار کا خط آیا اور نہایت جوش کے ساتھ لکھا کہ ہم آیندہ چندہ نہ دینگے، کیونکہ نہ ضمیمہ شائع ہوتا ہے اور نہ اس بات کا حال معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ممبری کا چندہ جمع ہؤا یا نہیں اور وہ روپیہ کہاں خرچ ہوتا ہے کیونکہ لاہور کی کانفرنس کے ممبروں کی فہرست اس وقت تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ کانفرنس کی حالت قابلِ اعتبار کے نہیں رہی ہے ❖

اس پُرجوش خط کو دیکھ کر اگرچہ بوجہ بشریت مجھے غصہ آتا تو کچھ ناواجب تھا۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے مطلق یہ خط ناگوار نہیں ہؤا، بلکہ مَیں اس خط کو دیکھ کر بہت خوش ہؤا، اور مَیں نے اس کو قومی ترقی کے لئے نہایت نیک فال سمجھا، اور اُس کے خط کے جواب میں مَیں نے اُن کو لکھا کہ آفرین ہے تم پر تم نے وہ کام کیا ہے، جو ہر ایک مسلمان کو اور بالخصوص ہر ایک کانفرنس کے ممبر کو کرنا چاہیئے اب مَیں تم کو لاہور کے ممبروں کا ضمیمہ بھیجتا ہوں اس میں دیکھ لو کہ تمہارے نام کے پانچ روپے چندہ کے درج ہیں۔ چنانچہ ضمیمہ پہنچنے پر اُنہوں نے فوراً ۵ روپیہ ممبری کے چندہ کے لئے بھیجدئیے ❖

جو لوگ اپنا پیٹ کاٹ کر چندہ کا روپیہ دیتے ہیں اور اپنی ضرورتوں پر قوم کی ضرورتوں کو مقدم سمجھتے ہیں، اُن کا یہ بھی فرض ہے کہ یہ دیکھیں کہ روپیہ جمع ہؤا یا نہیں، اور نہ صرف دیکھنا چاہیئے، بلکہ بڑا دیکھنا اس بات کا ہے کہ جو روپیہ خرچ ہؤا، وہ واجب طور سے خرچ ہؤا یا ناواجب طور سے اگر کسی ممبر کو کوئی خرچ ناواجب معلوم ہو تو یہ لازم ہے کہ بحیثیت ممبر کے مجھے اطلاع دے۔ مَیں جو وجہ بتاؤنگا۔ اگر میری تحریر سے بھی تشفی اور اطمینان نہ ہوا تو باضابطہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کو اطلاع دے، ممبرانِ اسٹینڈنگ کمیٹی اُس پر کافی غور کرینگے، اور باضابطہ اُس کے متعلق تجویز کرینگے کہ روپیہ واجب خرچ ہؤا یا ناواجب، آپ کا یہ بھی فرض ہے کہ کفایت شعاری سے روپیہ خرچ ہونے کی بابت کہیں ❖

اگرچہ حساب کے متعلق آپ کو میرے بیان سے تشفی ہو گئی ہو گی۔ تاہم مَیں نے اپنے دو پنجابی دوستوں کو حسابات مرتب شدہ دکھائے ہیں، اُنہوں نے بھی تمام حسابات کو اچھی طرح جانچا ہے، اُنہوں نے جو حالت حساب کی دیکھی ہے اُس کی نسبت آپ سے بیان کرینگے۔ اُن میں ایک مولوی نور احمد صاحب ہیں۔ مولانا ذرا اسٹیج پر تشریف لائیے، اور جو کچھ رائے آپ نے قائم کی ہے اُسے بیان کیجئے۔

(مولوی نور احمد صاحب اسٹیج پر تشریف لے گئے اور بیان کیا کہ "میں نے آج کانفرنس کے تمام حسابات آمد و خرچ کو بغور دیکھا، اور اپنے دوست مرزا سجاد حسین صاحب بی۔ اے پلیڈر کو ساتھ لیا گیا کیونکہ اُنہوں نے حسابات کے متعلق اعتراض کیا تھا اور میں اُن کو ٹھیک جواب دے سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے حسابات کو دیکھا تمام حساب درست اور صاف ہیں اور بہت صاف ہیں۔ سر سیّد کی وفات کے بعد کے حسابات نواب صاحب نے دکھائے۔ میں انگریزی نہیں جانتا۔ لہٰذا انگریزی میں جو حساب تیار ہوا تھا اُس کی نسبت کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ لیکن اردو کے حساب میں کوئی نقص نہیں ہے *

حضرات! سر سیّد ہم کو مردہ کہتے تھے اور نواب صاحب زندہ بتاتے ہیں لیکن فی الواقع ہم زندوں اور مردوں کے درمیان درمیان ہیں کیونکہ جن لوکل کمیٹیوں کے حساب صاف آئے اُن کے متعلق سیکرٹری کے دفتر میں بھی حساب صاف موجود ہے اور جس لوکل کمیٹی کے حساب صاف نہ آئے اُن کا حساب صاف نہیں ہے اور اس کے متعلق نہ اسٹینڈنگ کمیٹی کا قصور ہے اور نہ نواب صاحب کا، بلکہ قصور ہے خود ہمارا کہ ہم حساب صاف تیار کر کے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے پاس نہ بھیجیں۔ چنانچہ حساب کی طرف سے میرے دوست مرزا سجاد حسین صاحب کا بھی اطمینان ہو گیا"*

(جب مولوی نور احمد صاحب بیان کر چکے، تو آنریری سکرٹری نے پھر اپنی تقریر کو شروع کیا) حساب کے معاملہ کے علاوہ دوسرا امر رپورٹ کے دیر شائع ہونے کا ہے۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہوگا کہ سیّد صاحب کے زمانہ میں رپورٹ کے دیر میں شائع ہونے پر میں ہمیشہ اعتراض کیا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ دیر میں رپورٹ شائع ہونے سے کانفرنس کے مقاصد کے ساتھ دلچسپی کم ہو جاتی ہے اگر فوراً رپورٹ شائع ہو تو دلچسپی میں ترقی ہو، اور رپورٹ کے دیر میں شائع ہونے سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی نہ ہو لیکن سچ ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا، خدا بڑا بول نہ بلوائے۔ سر سیّد کے زمانہ میں اگست تک رپورٹ شائع ہو جاتی تھی، لیکن میرے سیکرٹری ہونے کے زمانہ میں پہلی رپورٹ لاہور کے جلاس کی ستمبر میں شائع ہوئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں معاملات کالج میں پیچیدگیاں پڑی ہوئی تھیں اُن سے فرصت نہ ملی بیگ صاحب کا انتقال ہوا اور چونکہ سیّد صاحب کے انتقال کے بعد جو اندیشہ کالج کی طرف سے ہو گیا تھا صرف بیگ صاحب کی ہمت اور کوشش کا نتیجہ تھا کہ کالج کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ غرضکہ مجھے فرصت نہ ملی کہ رپورٹ کی تیاری کا انتظام کرتا، جب وہ جھگڑے طے ہوئے تو میں نے چاہا رپورٹ مکمل تیار ہو، چونکہ لاہور کے اجلاس میں سب سے زیادہ ضروری مسئلہ مدن یونیورسٹی کا پیش ہوا تھا اور اُس پر نہایت عالمانہ لیکچر ہوئے تھے، جو اسپیچیں متعلق تعلیم دینیات دی گئی تھیں وہ دلی جوش سے بھری اور فریقین نے نہایت قابلیت کے ساتھ اپنے دلائل کو پیش کیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ یونیورسٹی کے متعلق تمام تقریریں اور کل اسپیچیں بجنسہٖ شائع کی جاویں۔ چنانچہ میں نے سب صاحبوں سے اپنی اسپیچ لکھ دینے کی

مجھے خوشامد کی دادیں طرح پر پڑا بہت سی تحریریں ملتی ہیں۔ گو مجھے افسوس ہے کہ میری منشا اور میری خواہش کے موافق کل اسپیچیں موصول نہ ہوئیں تاہم بہت سی ضروری تحریریں اور بعض اسپیچیں آئیں اور وہ سب رپورٹ میں درج کر دی گئیں۔ اس رپورٹ کے مکمل شائع ہونے کا میں اس وجہ سے خواہشمند تھا کہ جب کبھی ہماری یونیورسٹی بنے، تو ان خیالات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ جو کچھ شائع ہوگیا ہے وہ آیندہ کارروائی کرنے کا ایک نہایت عمدہ ذخیرہ ہوگیا ہے۔ ان کا اثر صرف سامعین تک محدود نہ رہیگا بلکہ جس وقت یونیورسٹی بنیگی اُس وقت یہ عالمانہ تحریریں نہایت مدد دینگی ◆

کلکتہ کی رپورٹ جلد شائع ہونے کی نسبت سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کلکتہ کے اجلاس میں بہت سے عمدہ مسائل پر بحثیں ہوئیں۔ فصیح و بلیغ اسپیچیں ہوئیں محققانہ لیکچر دیئے گئے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ پوری کیفیت شائع ہو اور تمام اسپیچیں اور تقریریں اس قابل تھیں کہ اُن کا کچھ حصہ بھی شائع ہونے سے باقی نہ رہے۔ میں نے ہر چند کوشش کی اخطوط بھیجے لیکن افسوس ہے کہ مجھے کامیابی نہ ہوئی چار پانچ بار تاکیدی خط بھیجے گئے لیکن بے سود۔ کسی مقرر نے ایک اسپیچ بھی نہ بھیجی، بدقسمتی سے ہمارے یہاں شارٹ ہینڈ لکھنے کا قاعدہ نہیں ہے۔ اسپیکر جو زبانی اسپیچ دیتے ہیں جلدی جلدی بیان کرتے چلے جاتے ہیں، تیز دست سے تیز دست بھی پوری اسپیچ نہیں لکھ سکتا۔ ہماری رپورٹ کے جلد اور بعجلت شائع نہ ہونے کی، سوائے اس کے کوئی تدبیر نہیں ہے کہ اسپیکر خود اپنی اسپیچ لکھ کر بھیجیں لیکن ہمیشہ اس معاملہ پر ممبروں کو متوجہ کیا گیا، وہ اسپیچ لکھ کر لاویں ورنہ بعد میں بھیجا کریں۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ غرضکہ یہ وجوہ تھے کہ کلکتہ کی رپورٹ جلد مرتب ہوئی، مولوی عبدالکریم صاحب نے جو ضروری لکچر مسلمانان بنگالہ کی تعلیمی حالت پر بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔ وہ انہوں نے بھیجدیا اس کا اور جسٹس سید امیر علی صاحب سی۔ آئی۔ ای کے عالمانہ ایڈریس کا اردو ترجمہ رپورٹ میں شائع کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ رپورٹ میں چھاپا گیا ہے وہ اس مہربانی کا نتیجہ ہے کہ شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے ایڈیٹر پنجاب آبزرور نے جو کچھ حالات اپنے اخبار میں لکھے تھے اُن کا ترجمہ کر کے رپورٹ میں درج کیا گیا۔ سوائے اس کے کوئی صورت رپورٹ کے تیار ہونے کی نہ تھی۔ جب اس قسم کی مجبوری پیش آئی تو ۱۸۔ دسمبر کے اجلاس سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں جس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور مسٹر ہارلین صاحب وغیرہ موجود تھے، میں نے اس معاملہ کو پیش کیا کہ کیا علاج ہو جو رپورٹ جلد اور مکمل شائع ہو اگر موجودہ صورت رہی تو ہمیشہ رپورٹ دیر سے نکلیگی اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس طرح کانفرنس کی اعلےٰ اسپیچیں برباد ہوں اور جب رپورٹ سال بھر کے بعد نکلے تو تقویم پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں ہوسکتی اور جوش ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ تمام حالات گذشتہ پر غور کرنے کے بعد کمیٹی نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ [illegible] کے ذمہ دار قرار دئے جاویں ۔/۱۰۰ روپیہ [illegible] کے لئے منظور کئے جاویں ◆

اب مَیں نہایت خوشی کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ سب صاحبان اپنی اسپیچیں لکھ کر خود دیدیں تاکہ وہ اُن کے منشاء کے موافق درج رپورٹ ہوں ورنہ کانفرنس کے رپورٹر جو نوٹ لینگے، اُن سب کو یکجا کر کے مَیں خود دیکھونگا، اور اُس کے بعد رپورٹ شائع کردیجاویگی اور اب مجھ کو امید ہے کہ مارچ میں رپورٹ مرتب ہو جاویگی۔ غرضکہ یہ دو ضروری باتیں تھیں جو حقیقت نہ تھیں اُن کی حقیقت واقعی مَیں نے بیان کردی۔ امید ہے کہ سب صاحب اسے عذرِ گناہ بدتر از گناہ نہ سمجھینگے ✦

حضرات! آپ جس قدر صاحب تشریف لائے ہیں مَیں اعتراف کرتا ہوں کہ آپ سب صاحب دل سے قومی ترقی چاہتے ہیں، اور یہ کانفرنس جو چودہ برس سے جاری ہے، وہی ذریعہ ہے قومی بھلائی اور قومی ترقی کا۔ کانفرنس کی اصلی غرض ہے قومی تعلیم، خواہ تعلیم شرقی علوم کی ہو یا مغربی علوم کی۔ پس قومی تعلیم کے متعلق ایک شخص کی رائے پر خواہ وہ کیسا ہی عقلمند کیوں نہ ہو عمل نہیں ہو سکتا۔ جو شخص جس قدر زیادہ تجربہ کار ہوگا، اُس کی رائے سے زیادہ نفع قومی تعلیم کو پہنچیگا، جس شخص نے جس قدر زیادہ اس مسئلہ پر غور کیا ہوگا، اُسی قدر وہ زیادہ صائب رائے دیگا۔ ہم سب کو اعتراف ہے کہ سید صاحب سے زیادہ کوئی دوسرا شخص عالی دماغ اور تجربہ کار نہیں ہے اگر ہم سب کی دماغی قوتیں جمع کی جائیں تو بھی سید صاحب کی دماغی قوت کے برابر نہیں ہو سکتیں، لیکن خود سید صاحب نے یہ تجویز کیا کہ قومی تعلیم کو صرف اکیلی میری رائے پر منحصر رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا اُنھوں نے یہ کانفرنس قائم کی، تاکہ مدراس، بنگال، اور پنجاب، کے سب مسلمان آویں، اور قومی تعلیم کے مسئلہ میں غور کریں۔ انھوں نے اس کانفرنس میں سب مسلمانوں سے کہا کہ اے مسلمان بھائیو! آؤ اور قومی تعلیم اور قومی ترقی کے مسئلہ میں مشورہ دو۔ اور جو کچھ بعد مشورے کے قرار پائے اُس پر عمل کرو لیکن تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اب تو یہ جلسہ فاتحہ خوانی کا جلسہ ہوگیا ہے۔ آپ خیال کیجئے کہ اس تمام دردسری اور مصیبت اُٹھانے کے بعد نتیجہ کیا ہوا ہے۔ صرف یہ ہوا کہ رزولیوشن پر رزولیوشن پاس ہوتے ہیں چنانچہ ۱۲۷ رزولیوشن پاس ہو چکے، لیکن عملی کام کچھ نہیں ہوتا۔ ابتدائی سالوں میں تو مفید باتیں کانفرنس میں پیش ہوئی تھیں جس میں مختلف اضلاع کے مسلمانوں کی تعلیم، صنعت، تجارت، علم الاعداد سے دکھائی جاتی تھی، اور اُس ضلع کی دوسری اقوام سے مقابلہ کیا جاتا تھا، اور یہ قرار پایا تھا کہ ہر ضلع کی رپورٹ دو سال کے بعد پیش ہوا کرے، تاکہ پچھلی رپورٹ سے مقابلہ کر کے دیکھتے کہ کیا فرق بہ اعتبار ترقی یا تنزل کے مسلمانوں کی حالت میں ہوا، چنانچہ ۳ سال تک رپورٹیں پیش ہوئیں اگر یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تو نہایت عمدہ ذخیرہ ہر ضلع کے مسلمانوں کی حالت اور اُن کی تعلیم کا معلوم ہوتا اور کانفرنس کو موقع ملتا کہ وہ مسلمانوں کی حالت علم الاعداد سے مسلمانوں کو دکھا دیتی، اور جہاں کمی

ضرورت ہوتی اصلاح کی تدبیر کرتی۔ لیکن جب سے فصاحت و بلاغت اور شعر اور شاعری کا چرچا کانفرنس میں شروع ہُوا، یہ مفید اور کار آمد سلسلہ رپورٹیں پیش ہونے کا ترک ہوگیا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پُہنچی کہ سوائے قصیدہ خوانی اور مرثیہ گوئی کے کچھ نہ ہوتا تھا، چنانچہ سر سیّد کے آخر زمانہ کے جلسوں میں یہ کیفیت ہوئی کہ کانفرنس مجلس مشاعرہ ہوگئی تھی، لوگ قصیدے اور نظمیں اس کثرت سے لکھ کر لاتے کہ پروگرام میں اُن سب کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوگیا تھا، جس کا نام پروگرام میں درج نہ ہوتا وہ ہی روٹھتا کہ واہ صاحب ہم کو بلاتے اور بلا کر ذلیل کرتے ہو، اگر وہی حالت قائم رہتی تو اس کانفرنس سے بدتر کوئی مجلس نہ ہوتی، کیونکہ قصیدوں اور غزلوں کی بھرمار تھی۔ کوئی کہتا کہ قرطبہ و غرناطہ کی یہ کیفیت تھی، مسلمانوں نے ایسی ترقی کی تھی، کوئی کہتا ہے کہ ہائے مسلمان اب ایسے ہیں۔ غرضکہ یا نظمیں اور قصیدے ہوتے یا لیکچر اور اسپیچیں ہوتیں۔ یہ حالت دیکھ کر مسٹر بیک نے خیال کیا کہ اس طرح مختلف مسلمانوں کا جمع ہونا اور کسی کام کی بات کا نہ ہونا ٹھیک نہیں ہے، لہٰذا دو قسم کے اجلاس مناسب ہیں۔ ایک عام اجلاس اور دوسرا خاص اجلاس۔ عام اجلاس میں لیکچر ہوں، اسپیچیں ہوں، یا رزولیوشن پاس ہوں۔ اور خاص اجلاس میں عملی تجاویز پر غور ہو۔ عملی کام کرنے کو چند سیکشن مقرر کیے گئے۔ ایک اسکول سیکشن، دوسرے تعلیم نسواں کا سیکشن، اور تیسرا مسلمان بچوں کی مردم شماری کا، تاکہ جس شخص کو جس سیکشن سے دلچسپی ہو وہ اُس میں شریک ہو۔ تیسرا کام مسٹر بیک نے خود تجویز کیا اور انہیں اس کام سے اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ مسلمانوں کی معرفت اور زیادہ تر اپنے طالب علموں کی معرفت ہر مقام کی مردم شماری کراتے۔ چنانچہ اُنہوں نے بہت سے ایسے شریف مسلمان بچوں کے والدین کے نام جمع کرائے تھے جو بوجہ افلاس یا غفلت خواہ تعصب کے اپنے بچّوں کو انگریزی تعلیم نہیں دیتے وہ اُن کے پاس خط بھیجتے، اور اُن کو انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ کرتے رہتے، اور سینسز کے سیکشن میں ہر سال کی کارروائی کا نتیجہ پیش ہوتا، لیکن مسٹر بیک کے مرنے کے بعد یہ کام بھی بند ہوگیا۔ حالانکہ یہ نہایت مفید کام تھا۔ اِس سے ہر مقام کے بچّوں کی تعلیمی حالت سے واقفیت ہوتی تھی۔ اس ذریعہ سے موقعہ ملتا تاکہ کانفرنس کے ایجنٹ خود جاکر تحریص ترغیب لادیں۔

اے حضرات! یہ قومی کام ایک شخص کا کام نہیں ہے، بلکہ تمام قوم کے کرنے کا ہے، ہر شخص کو غور کرنا اور سوچنا چاہئے کہ کیا تدابیر اختیار کی جاویں تاکہ اس کانفرنس میں عملی کام ہوں۔ اس رام پور کے اجلاس میں تصفیہ کرو کہ یا تو عملی کام ہوں ورنہ اس جلسہ کو بند کردیا جاوے۔ چونکہ بوجہ رمضان شریف کے صرف ایک اجلاس پانچ گھنٹہ کا ہُوا کرے گا۔ لہٰذا باقی وقت میں غور کرنے کا موقع کافی ملیگا۔ بعض اصحاب جب گھر سے آتے ہیں، تو قومی بھلائی کے خیال دل میں لیکر آتے ہیں۔ لیکن جب کانفرنس سے واپس جاتے ہیں تو جوں کے توں اُن خیالات کو بھی واپس لیجاتے ہیں اور اُن کو

کوئی موقعہ جلسے میں اُن کے پیش کرنے کا نہیں تھا۔ پس میں سب صاحبوں سے عرض کرتا ہوں، اور عام اطلاع دیتا ہوں، کہ جن حضرات کو کوئی صلاح دینی ہو، یا مشورہ کرنا ہو، وہ آج شام کو میرے کمرے پر تشریف لاویں، اور اپنے خیالات سے مطلع کریں۔ وہ وقت مخصوص ہوگا صرف اُن صاحبوں کے لئے جو کوئی رائے دینا یا تجویز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر عملی کام ہوں، یا تو رام پور کی کانفرنس کو آخری کانفرنس خیال کیا جائے ورنہ عملی کام ہوں۔

حضرات! اب تو شرم آتی ہے کہ ریزولیوشن پاس ہوتے ہیں، لیکن جو اصلی مقصد ہے وہ فوت ہوتا ہے۔ ۲۰ برس سے فت اٹھاتے ہیں، قوم کا روپیہ صرف ہوتا ہے، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا۔ اگر ایک ایک شہر میں ایک ایک آدمی بھی عملی کام کا خیال رکھے اور اسی دھن میں مصروف رہے تو وہ شخص اُس شہر میں خیر کا کام دیگا۔

حضرات! میں آپ سے زیادہ اسٹینڈنگ کمیٹی کو الزام دیتا ہوں جو گیارہ مہینے سوتی ہے اور ایک مہینہ کام کرتی ہے۔ رامائن میں کرم کرن چھ مہینے سوتا اور چھ مہینے جاگتا ہے، لیکن ہمارے ممبر تو کرم کرن سے بھی بڑھ گئے جو گیارہ مہینے سوتے ہیں۔ سب سے زیادہ ملزم میں خود ہوں، ۱۰ مہینے تو غافل رہے، اور جب نومبر کا مہینہ آیا، تو اشتہاروں اور خطوط کی بھرمار شروع کردی۔ لیکن اے حضرات میں کالج کا سکرٹری ہوں، کالج کا کام میرے ذمہ، میموریل فنڈ کا کام میرے ذمہ، کانفرنس کا کام میرے ذمہ، ایسی حالت میں ایک شخص تمام کاموں کو کیونکر بہ خوش اسلوبی انجام دیسکتا ہے۔ کوئی مدد کا دینے والا نہیں ہاں مرزا عابد علی بیگ صاحب قومی کام سمجھ کر کالج کے کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ لیکن اب یہ انتظام کیا گیا ہے کہ برابر خط وکتابت جاری رہے تاکہ ترغیب تحریص کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ آپ لوکل کمیٹیاں قائم کریں، لوگوں کو کانفرنس اور محمڈن یونیورسٹی کے فوائد بتاویں۔ جو تاکید سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے دفتر سے جاری ہوں۔ اُن کے موافق کام کریں، برابر خط وکتابت جاری رکھیں۔ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کا کام ہے لوکل کمیٹیوں سے خط وکتابت رکھنا اور لوکل کمیٹیوں کا فرض ہے اپنے مقام پر کام جاری رکھنا اور ہر ایک نتیجہ سے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کو اطلاع دینا۔ جب اس طرح برابر کام جاری رہے تو نتیجہ نکل سکتا ہے۔ ورنہ اب تک تو اسٹینڈنگ کمیٹی اور ممبران کانفرنس دونوں قصوروار ہیں، نہ اسٹینڈنگ کمیٹی نے ممبروں سے تحریک کی، اور نہ ممبروں نے عام مسلمانوں سے۔ گھڑی جب چلتی ہے اور کام دیتی ہے جب روزانہ کوکی جائے۔

اے حضرات! جب محمڈن یونیورسٹی کا نام لیا ہے، تو جس طرح بنے تمام لوگ کے چھ لاکھ دس لاکھ سرمایہ تجویز ہوا، لیکن کیسے شرم کی بات ہے کہ تمام ہندوستان سے اس ڈھائی برس کے عرصہ میں صرف سوا لاکھ وصول ہوا ہے۔ اس سوا لاکھ میں ۲۵ ہزار ریاست رام پور کا ہے حالانکہ ۳ لاکھ سے

زیادہ کے وعدے ہوئے، لیکن وصول نہیں ہوتا۔ ہماری قوم میں یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ چندہ کے وعدہ کو یہ سمجھ رکھا ہے کہ چندہ کا وعدہ وہ ہے جو کبھی وفا نہ ہو۔ خط پر خط بھیجے جاتے ہیں، تاکید ہوتی ہے، لیکن وعدہ وفا نہیں ہوتا۔ ایسے زبانی وعدوں کا نتیجہ، بجائے فائدہ کے باعث نقصان ہے کیونکہ ٹکٹ کاغذ میں روپیہ صرف ہوتا ہے کام زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اسکالرشپ کے لئے نو ہزار روپیہ کے وعدے ہوئے۔ اس میں ۳ ہزار محمدن کالج علیگڈھ کے لئے اور پانسو انجمن حمایت اسلام لاہور کے کالج کے لئے وصول ہوئے۔ دوسرے سال اتنا بھی نہ ہو سکا۔ ایک صاحب کو جب تقاضے کے خطوط بھیجے گئے تو اُنہوں نے جواب دیا، کہ بیشک میں نے اسکالرشپ کے چندہ کا وعدہ کیا ہے لیکن آپ قرض حسنہ دیگر میری طرف سے جمع کر دیجئے میں صہ روپیہ ماہوار ادا کرتا رہونگا۔

وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں چندہ دینے والوں کی تعداد کم ہے اور ہر ایک قومی کام کے لئے اسی محدود جماعت سے چندہ کی درخواست کی جاتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ وصول چندہ کا طریقہ تبدیل کیا جائے تاکہ قوم کے ہر شخص سے تھوڑا بہت برابر وصول ہوتا رہے ورنہ اگر موجودہ طریقہ قائم رہا اور کوئی اور تجویز نہ سوچی گئی، تو نہ کانفرنس کوئی عملی کام کر سکتی ہے، نہ اسکالرشپ کے لئے روپیہ جمع ہو سکتا ہے، نہ محمدن یونیورسٹی قائم ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک انجمن حمایت اسلام لاہور کا طریقہ نہایت عمدہ ہے، اُس کے کام کرنے والے معمولی غریب آدمی ہیں، نہ اُن کے ناموں کے ساتھ لمبے چوڑے خطابوں کے پنچھلے لگے ہوئے ہیں، نہ اُن کی کارروائیوں میں ظاہری ٹیم ٹام اور شان و شوکت ہے، وہ غریبوں سے تھوڑا تھوڑا چندہ لیتے ہیں۔ اُن کے یہاں کی جو روئداد شائع ہوتی ہے وہ بھی ادنےٰ کاغذ پر معمولی چھپی ہوئی برخلاف اس کے کانفرنس کی روئداد اعلےٰ درجہ کے کاغذ پر نہایت عمدہ چھپوائی جاتی ہے، زیادہ صرف ہوتا ہے۔ خط و کتابت میں اعلےٰ درجہ کا کاغذ و عمدہ لفافے کام میں لائے جاتے ہیں۔ خوش قسمتی تھی کہ کالج قائم رہا، ورنہ جب سر سید کا انتقال ہوا ہے۔ تو ڈیڑھ لاکھ کا غبن ہو جانے کی وجہ سے بنک کا قرضہ ہو گیا تھا، جس کا سود دینا پڑتا تھا، علاوہ ازیں تعمیر کے متعلق معماروں اور مزدوروں کا قرضہ چلا آتا تھا، اس پر یہ مصیبت پیش آئی کہ باہمی جھگڑے شروع ہو گئے۔ ان جھگڑوں نے جلتی آگ میں تیل کا کام دیا، جس کی وجہ سے کالج کی بے اعتباری ہو گئی کالج کے طلبہ کی تعداد گھٹ کر ۲۲۷ رہ گئی۔ لیکن بعد سر سید مرحوم کے جس نے کالج کو قائم رکھا وہ مسٹر بیک تھا، درحقیقت سر سید کے بعد سب سے زیادہ شکر گذاری کے مستحق مسٹر بیک ہیں۔ ورنہ مَیں نے تو ۳ دن بعد سر سید کے مرنے کے کہہ دیا تھا کہ مجھ سے یہ حالت نہیں دیکھی جاتی، مَیں علیگڈھ سے جاتا ہوں۔ اُس وقت صاحبزادہ آفتاب احمد کے دماغ سے نکلا کہ سر سید کی یادگار میں محمدن یونیورسٹی قائم کی جائے، اور مسٹر بیک نے اسے نشوونما دیا اور دونوں صلاح کر کے میرے پاس آئے

اور اس خیال کو مجھ سے ظاہر کر کے یہ کہا کہ تم اس کمیٹی کے صدر انجمن بنو۔ مجھے یہ تجویز سُن کر تعجب ہوا کہ یہاں کالج قائم رہنے کے لالے پڑے ہیں، اور یہ محمڈن یونیورسٹی بنانے کی تجویز کر رہے ہیں میں نے اُس کے جواب میں یہ کہا کہ کیسے شیخ چلی کی سی باتیں کرتے ہو، کچھ جنون تو نہیں ہو گیا سر سید کو زمانہ موافق آیا، اُنھوں نے اور اُن کے دوستوں نے ۳۰ برس لگاتار کوشش کی اور سات لاکھ سے زیادہ نہ وصول کر سکے تم کو دس لاکھ ایسے نازک وقت میں کس طرح ملجائیگا ع

ایں خیال است و محال است جنوں

میرے نزدیک یہ تجویز کسی طرح چلنے والی نہیں ہے اور مجھے ایک لاکھ روپیہ ملنے کی اُمید نہیں لہذا مَیں تو اس تجویز میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔ ہر چند میں نے انکار کیا لیکن اُنھوں نے ایک نہ مانا، اور یہی کہا کہ اگر تم انکار کرو گے، اور ہمارے ساتھ شریک ہو کر کام نہ کرو گے تو کالج کو جس قدر نقصان پہنچیگا، خدا کے یہاں تم پر اس کا عذاب ہوگا، اور اس کا وبال تم پر پڑیگا۔ ایسے وقت میں کالج کی خدمت، نہیں نہیں بلکہ قوم کی خدمت کرنا تم پر فرض ہے۔ غرضکہ میرا علیگڈھ میں رہنا صرف مسٹر بیک کے اصرار کی وجہ سے ہوا، اُنہیں کے اصرار سے مَیں نے میموریل فنڈ کا پریسیڈنٹ ہونا قبول کیا۔ سر سید کی یادگار ہیں اگر کوئی ہال کالج میں بنجاتا، تو ہم لوگ خوش ہو جاتے، لیکن اس تجویز کا نتیجہ ہوا کہ سوا لاکھ روپیہ وصول ہو گیا جس سے بنک کا سودی قرضہ ادا ہوا۔ متفرق قرضہ جو تعمیر کے متعلق تھا وہ دیا گیا۔ ڈبنچر کا روپیہ واپس دیا۔ غرضکہ ۴۵ ہزار روپیہ ادا ہو کر اس وقت ۸۰ ہزار روپیہ موجود ہے، جس کے پرامیسری نوٹ خرید لئے گئے ❊

کالج کے متعلق دو باتوں کی شکایت تھی ایک تو یہ کہ تمام کام یوروپین اسٹاف کے ہاتھ میں چلا گیا ہے خود سکرٹری وغیرہ کو کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ لیکن ہمارے کالج کا یوروپین اسٹاف ایسا عمدہ اور مسلمانوں کا ہمدرد ہے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ مسٹر ماریسن صاحب کا حال آپ لوگ جانتے ہونگے اس نیک بخت شخص نے باوجودیکہ بوجہ علالت اپنی میم صاحبہ کے کالج چھوڑ دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، استعفا بھی ولایت سے بھیجدیا تھا، دوسری جگہ معقول ملازمت بھی مل گئی تھی، جہاں بہت زیادہ ترقی کی امید تھی، اور ہندوستان میں رہنے سے بوجہ بیماری میم صاحبہ کے مالی نقصان ہوتا تھا لیکن جب ان کو مسٹر بیک کے انتقال کی خبر پہنچی، تو اُنھوں نے محض اس خیال سے کہ کوئی یورپین موجودہ مشکلات میں کالج کو نہ چلا سکیگا اپنے ارادہ کو ترک کیا اور کالج میں واپس آ گئے جس طرح سید صاحب کے مرنے پر کالج کو مسٹر بیک نے مصیبت سے بچایا، اسی طرح مسٹر بیک کے مرنے کے بعد مسٹر ماریسن نے کالج کی ترقی اور بہبودی کے لئے اپنے اوپر جبر کر کے اپنے آپ کو وقف کر دیا جو کچھ آپ ان کو تنخواہ دیتے ہیں وہ تعلیم کی دیتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ ۳۔ ۵ گھنٹے کالج کا

کام کریں باقی اوقات میں گھر پر آرام۔ لیکن نہیں یہ ایک حصہ تعلیم کا کام کرتے ہیں، اور دوسرے حصے کالج کے دوسرے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ مجھ پر اصرار ہوتا ہے کہ دورہ کب کروگے۔ ہر وقت اس بات کا خیال ہے، کہ روپیہ کیسے ملے محمڈن یونیورسٹی کس طرح بنے۔ ایک ایجنسی قائم کی ہے تاکہ کالج کے تعلیم یافتوں کو نوکری ملے۔ اس کے متعلق فرصت کے وقت میں برابر خط و کتابت کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے لڑکے ان کی وجہ سے نوکر ہو گئے۔ جہاں جہاں ہمارے یہاں کے طالب علم نوکر ہو گئے ہیں، اپنی قابلیت کا ثبوت دیا ہے، یورپین حکام خوش ہیں چنانچہ عبداللہ بی۔اے جو ہمارے یہاں کالج کرکٹ ٹیم کا کپتان تھا، اُس کے واسطے ایک دیسی ریاست سے پانسو روپیہ ماہوار تنخواہ کی نوکری بذریعہ گورنمنٹ بمبئی کے آئی تھی۔ لیکن مسٹر ماریسن صاحب نے بوجہ ایک نیٹو اسٹیٹ ہونے کے منظور نہ کیا، اور مراد آباد کی چنگی کی سکرٹریٹ پر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا نوکر رکھا دیا۔ آفتاب احمد خاں ہمارے کالج کے پُرانے طالب علم کس دل و دماغ کے ہیں، جب ان لوگوں کو فکر معاش سے سبکدوشی ہوگی تو یہ اپنے آپ کو قوم کے واسطے وقف کرینگے۔ صداقت دیانت امانت، قومی ہمدردی کون سی خوبی ہے جو صاحبزادہ آفتاب احمد خاں میں موجود نہیں ہے، جب زمانہ اُن کو فرصت دیگا وہ قوم پر جان نثار کر دینگے۔ میرا ایک عزیز شوکت علی موجود ہے، جو اپنی قابلیت اور خوبیوں میں فرد ہے یورپین کالج کے طلبہ سے اُسی طرح محبت سے ملتے ہیں، جس طرح یورپین سے۔ اور طلبہ بھی کالج کی عزت قائم رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ آرنلڈ صاحب کی خوبیاں اس وقت تک نقش دل ہیں اگرچہ بوجہ ہماری بدنصیبی کے وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ لیکن اُن کا دل اس وقت تک ہم سے جدا نہیں ہوا۔ وہ لاہور میں بیٹھ کر علیگڈھ کالج کی ترقی کی کوشش اور فکر میں رہتے ہیں ✤

سید صاحب اُن کو مولوی آرنلڈ کہا کرتے تھے جن سے کہ اُن کی میم صاحبہ طلبہ سے ایسی محبت کرتی تھیں کہ کوئی ماں اپنے بچّوں سے کیا محبت کریگی۔ جس وقت کالج کی مالی حالت اچھی ہوئی تو پھر ہم اُن کو کالج میں دیکھینگے۔ مسٹر ٹیبنگ صاحب سے اگرچہ لوگ پورے طور سے واقف نہ ہوں لیکن میں بحیثیت آنریری سکرٹری کے یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہر ایک کام میں مصروف رہتے ہیں اور کالج کے ہر ایک کام کرنے میں اُن کو پوری دلچسپی ہے۔ دو نئے یورپین پروفیسر مسٹر ماریسن لائے ہیں۔ اُن میں سے مسٹر بردن کی نسبت مجھے امید ہے کہ دوسرے آرنلڈ ہو جاوینگے ✤

البتہ اسکول کی حالت کئی سال سے اچھی نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ بہت سے اُستاد بدل گئے ہیں۔ ناتجربہ کار ٹیچر مقرر کئے جاتے ہیں۔ ٹرننگ اسکول سے سیکھے ہوئے مسلمان ملتے نہیں لیکن مسٹر کارنا، چونکہ ایک زبردست عالم ہیں، امید ہے کہ بہت جلد ہمارا اسکول بھی معمور ہو جاوے۔ کالج کی حالت باعتبار نتائج امتحانات تمام یونیورسٹی میں سب کالجوں سے باعتبار فیصدی کے بہتر ہے۔

حتےٰ کہ میور کالج اور کیننگ کالج جو اس صوبہ میں نہایت نامور کالج ہیں، جہاں کا یوروپین اسٹاف ہمارے کالج کر زیادہ ہے، ان کالجوں سے بھی ہمارا کالج نتائج امتحان میں بڑھ گیا۔ جس کی شکر گذاری کا مستحق کالج کا اسٹاف ہے ❖

خاص خاص لوگوں کا جن کی کوششیں اور دلچسپی واقعی قابل شکر گذاری ہے وہ ہمارے کالج کے پرانے طالب علم ہیں۔ جس میں مولوی طفیل احمد اور مولوی حبیب اللہ خاں بی۔ اے، خاص طور سے قابل ذکر کرنے کے ہیں، جن کی کوشش سے میموریل فنڈ میں بہت مدد ملی، اور ہم اس قابل ہوئے کہ کل قرضہ ادا ہوا۔ اگرچہ چھ ماہ تک کسی قسم کی آمدنی نہ ہو، تو بھی ہم تنخواہیں دے سکتے ہیں۔ بورڈروں کی تعداد میں روز بروز زیادتی ہو رہی ہے۔ اب بورڈروں کے رہنے کو مکان باقی نہیں رہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، کہ زمین اُگل رہی ہے یا اتنے لڑکے آسمان سے برستے ہیں، کہاں ۹۔ مارچ ۱۸۹۵ء میں ۲۲۷ بورڈر تھے یا اب ۴۱۹ ہو گئے، اسکول کے کمرہ میں جا کر دیکھئے چھوٹے چھوٹے بچے قرآن شریف پڑھتے دکھائی دینگے، حال میں ایک پانچ برس کا بچہ کلکتہ سے بورڈنگ ہوس میں آیا ہے۔ میں نے ہر چند انکار کیا لیکن اُس کا باپ مانا اور زبردستی سے اُسے بورڈنگ ہوس میں رکھا آخر اُس بچے کو ماسٹر ولایت حسین صاحب نے خاص اپنے مکان میں رکھا ہے اور اُن کی بی بی مثل ماں کے اُس سے محبت کرتی ہیں۔ اس وقت ۲۵ بورڈر دس سال سے کم عمر کے ہیں، ظہور حسین وارڈ میں کوئی مکان خالی نہیں رہا۔ نہ دوسرے بورڈنگ ہوس میں کوئی جگہ باقی ہے۔ طلبہ کی درخواستیں آتی ہیں اور بوجہ جگہ نہ ہونے کے انکار کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ علیگڈھ سے چلنے کے قبل، دو درخواستوں میں نامنظور کر چکا تھا۔ تجویز در پیش ہے کہ جدید مکان بنوائے جاویں۔ چنانچہ مدد جاری ہے۔ بیکی بارگ میں چھ جدید کمرے تیار ہو رہے ہیں۔ لیکن ان سے کیا ہوتا ہے ابھی زیادہ مکانات کی ضرورت موجود ہے ❖

دوسرا اعتراض کالج پر یہ ہے کہ علیگڈھ کالج میں امیروں کے لڑکے پڑھتے ہیں غریبوں کے لڑکے وہاں تعلیم نہیں پا سکتے، یہ اعتراض عادت اور رسم کی پابندی پر مبنی ہے۔ ہمارے بزرگ غریبوں کی پرورش اور غریب طالب علموں کی مدد اُسی حالت میں سمجھتے ہیں اور سمجھینگے جب کہ مدد اُسی طرح پر کی جائے جیسی کہ جامع ازہر کے مدرسہ میں ہوتی ہے، آپ جانتے ہونگے کہ مصر میں جامع ازہر ایک بڑا مدرسہ ہے، جہاں بارہ ہزار طالب علم تعلیم پاتے ہیں، اُن میں سے چھ ہزار کو مدد دیجاتی ہے۔ لیکن کس طرح مدد دیجاتی ہے! جس طرح یہاں قحط زدہ بھوکوں کو خیرات تقسیم ہوتی ہے۔ یہ بھی طریقہ وہاں ہے کہ شام کے وقت دُور تک دو رویہ قطار طالب علموں کی سڑک پر کھڑی ہوتی ہے ایک شخص سینی میں خشک روٹیاں لئے ہوئے دو دو روٹیاں ہر ایک طالب کو تقسیم کرتا ہے۔ ہمارے ملک

میں بیشک اس طریقے سے طالب علموں کو مدد نہیں دیجاتی، اور خدا نہ کرے کہ اس طرح مثل فقیروں اور گداگروں کے ہمارے طالب علموں کو مدد دیجا دے۔ اس طرح مدد دینے سے طالب علموں میں بھی نہ حمیت باقی رہیگی اور نہ ہمت و جوش۔ چنانچہ جامع ازہر کے ان ۱۲ ہزار طالب علموں میں ۱۲ بھی اس قابل نہیں ہیں کہ انتظام ملک میں حصہ لیں، اور اپنے ملک اور اپنی قوم کو تباہی اور مصیبت سے بچا سکیں۔ ہمارے یہاں غریب طالب علموں کو پانچ سو روپیہ سے زیادہ ماہانہ وظیفہ میں دیا جاتا ہے، اور بہت سے طالبعلموں کو دوسری طرح سے مثل معافی کرایہ وغیرہ کے مدد دیجاتی ہے اور ہر قسم کی مدد ملاکر سالانہ تعداد دس ہزار روپیہ سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن جن طالب علموں کو مدد دیجاتی ہے اُن کو کوئی نہیں جانتا کہ اس کو مدد ملتی ہے۔ اور مدد پانے والوں کی آنکھ کسی طالب علم سے نہیں جھپتی، سب ایک ساتھ رہتے ایک ساتھ کھیلتے ایک میز پر کھانا کھاتے ہیں، جب باہر جاوینگے یا کوئی اجنبی کالج میں جاکر دیکھیگا تو یہ تمیز نہ ہوگی کہ ان میں کون نوابزادہ ہے اور کون امیر ہے، اور کون غریب ہے، یہ عمدہ طریقہ مدد دینے کا ہے، جس سے قومی فیلنگ ترقی پاتی ہے، خودداری پیدا ہوتی ہے، امیر و غریب کا امتیاز نہیں رہتا۔ سب مسلمان بلا لحاظ درجہ اور دولت کے بھائی سمجھے جاتے ہیں۔ باہم اُن کے اتحاد اور ارتباط پیدا ہوتا ہے۔ امیروں میں غرور کی بری خصلت اور اپنے غریب بھائیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کی بُری عادت رہنے نہیں پاتی اور اگر اسی اصول پر بلا امتیاز ذات اور درجہ کے مسلمانوں کی تربیت جاری رہی۔ اور اُن میں اسلامی جوش اور قومی فیلنگ پیدا ہو تو امید ہے کہ اسلام میں پھر ویسے ہی عالم اور ہمدرد قومی عزت بڑھانیوالے لوگ پیدا ہوں جیسے گذشتہ زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اسلام کا فیض جاری ہے اور ہماری رگوں میں ہمارے بزرگوں کا خون باقی ہے۔ مت سمجھو کہ چنگاری بُجھ گئی ہے۔ نہیں چنگاری بجھی نہیں ہے۔ ہمارے قوائے عقلی و ذہنی کسی دوسری قوم سے کم نہیں ہیں۔ نہیں بلکہ ہمارے دماغ میں قوت موجود ہے، اگر زمانہ کی رفتار کے موافق چلیں، اور زمانہ کے موافق تعلیم پائیں، تو ہم کسی سے پیچھے رہنے والے نہیں۔ صرف غفلت اور کاہلی نے ہم کو بیکار کر دیا ہے، بعض ہندو فقیروں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک ہاتھ اُٹھائے رہتے ہیں اور اُس سے کچھ کام نہیں لیتے، آخرکار وہ ہاتھ بالکل خشک ہو جاتا ہے کیونکہ بدن کا خون اُس میں نہیں پہنچتا۔ اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ مثل ہندو فقیروں کے بیکار ہاتھ کے ہم بھی بیکار ہو گئے ہیں، لیکن نہیں میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے ہاتھ میں قوت موجود ہے وہ خشک نہیں ہوا، البتہ تھوڑا سا درد موجود ہے الحمد للہ کہ جاتا رہیگا۔ خدا کے فضل سے اب تک کچھ اسلامی ریاستیں موجود ہیں۔ علم کی ضرورت کو لوگ سمجھتے ہیں، قومی ہمدردی کو اچھا جانتے ہیں، اسلامی بخار دلوں میں موجود ہے، انجمن تیار ہو گیا ہے، ضرورت ہے کہ اسے ٹھیک طور سے چلاؤ۔ مسلمان چلنا چاہتے ہیں بلکہ رستہ پر لئے ہیں لیکن بے راہ ہیں ان کو راہ پر لگا دیا جاوے ❊

حضرات! خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ ہز ہائینس نواب صاحب بہادر والئے رامپور نے اپنی ریاست میں ہم کو مدعو کیا اور خود دوسرے وقت تشریف لانے کا وعدہ کیا جن کی تشریف آوری کی وجہ سے کانفرنس کا کام ملتوی ہے اور مجھے موقع مل گیا کہ میں نے کانفرنس اور کالج کے تمام مفصل حالات کو آپ کے سامنے عرض کر دیا، اب جس صاحب کا بھی میری تقریر کے متعلق کچھ بیان کرنے کو چاہے (خواہ وہ بیان کی تائید میں ہو یا تنقیح میں) وہ اسٹیج پر تشریف لاویں اور بیان کریں +

نمبر ۵۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۹۰۰ء کو محمدن ایجوکیشنل کانفرنس رامپور میں سرسید کی بریت کی بابت فرمائی - اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ رزولیوشن نمبر ۷ جس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

رزولیوشن نمبر ۷

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ مسلمانان ہند کی تمام کوششیں اس بات میں صرف ہونا چاہئیں کہ علیگڑھ میں ایک محمدن یونیورسٹی قائم ہو +

اس رزولیوشن کو مسٹر ماریسن صاحب بہادر پرنسپل علیگڈھ کالج نے پیش کیا تھا اور دوران تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ سرسید کی یادگار میں ایک یونیورسٹی ہم قائم کرنا چاہتے ہیں کہ جس میں علوم مشرقی اور علوم مغربی کی تعلیم ہو" +

اس فقرہ کے سنتے ہی منشی نثار علی صاحب شہرت اٹھے - اور انہوں نے اپنی تقریر میں اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ جب جناب یونیورسٹی قائم ہوئی تو سرسید نے علوم مشرقی کی سخت مخالفت کی تھی - اور یہ بھی فرمایا کہ سرسید مرحوم علوم مشرقی کے مخالف تھے" ان کی اس تقریر کی خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب نے مخالفت کی - اور اس کے بعد نواب محسن الملک بہادر نے سید احمد خاں کی بریت کی بابت یہ تقریر فرمائی:۔

حضرات! چونکہ اس موقع پر سید صاحب مرحوم کی نسبت یہ الزام لگایا گیا ہے لہذا مجھے اس کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے +

شہرت صاحب نے جو کچھ کہا ہے اگرچہ وہ اصلی واقعہ اور صورت حال نہیں ہے تاہم میں نہیں کہتا کہ شہرت صاحب نے جیسا کہ مولوی بشیر الدین صاحب کا خیال ہے۔ سید صاحب پر بہتان اُٹھایا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جن الفاظ کو شہرت صاحب نے سر سید مرحوم کے نقل کیا ہے وہ مرحوم سر سید کی زبان سے اُس جوش کی حالت میں نکلے تھے، جب کہ وہ پنجاب یونیورسٹی کے اصول اور طریقۂ تعلیم کو مسلمانوں کے لئے غیر مفید سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ڈاکٹر لیٹنر پنجاب یونیورسٹی میں انگریزی تعلیم کے بجائے اورینٹل جاری کرنا۔ اور بجائے انگریزی لٹریچر کے عربی۔ فارسی لٹریچر کو جاری کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور سر سید زمانہ کی حالت اور مسلمانوں کی ضرورت پر نظر کر کے اسے مضر سمجھتے تھے اور ہر انسان بعض اوقات جوش میں ایسے الفاظ زبان سے نکال دیتا ہے جن سے ہرگز اُس کا وہ مطلب نہیں ہوتا جو الفاظ کے ظاہر معنوں سے خیال کیا جاتا ہے۔

۱۸۷۲ء میں جب بنارس میں ایک سلیکٹ کمیٹی مسلمانوں کی تعلیم کے معاملہ میں غور کر رہی تھی اس وقت سید صاحب کا یہ ارادہ نہ تھا کہ کالج بنایا جائے، بلکہ ایک یونیورسٹی بنانا منظور تھا چنانچہ اُس موقع پر جو اسپیچ سر سید نے دی تھی، میں اُس کو سناتا ہوں تاکہ خود اُنہیں کے الفاظ سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس قسم کی تعلیم مسلمانوں کو دلانا چاہتے تھے اُنہوں نے بیان کیا تھا کہ "آپ سب صاحب واقف ہیں کہ تعلیم کسی ایک خاص مقصد کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد ہوتے ہیں، لہذا ہم کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ جو مختلف جماعتوں اور مختلف سوسائٹیوں کے مختلف اغراض پورا کرنے کو کافی ہوں"۔

عالی دماغ شخص نے اُس کی تشریح حسب ذیل کی تھی:-

مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے کہ جو گورنمنٹ میں اعلیٰ عہدے حاصل کرنے اور انتظام گورنمنٹ میں شریک ہو کر زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہے، ایک دوسری جماعت ہے جو عہدے حاصل کرنے نہیں چاہتی ہے، بلکہ اپنی قوت بازو سے بذریعہ تجارت و اجرائے کارخانہ جات اپنی وجہ معاش حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ایک تیسری جماعت ہے جو بذریعہ جائداد و کاروبار زراعت کے آزادانہ زندگی بسر کرنے کی آرزو رکھتی ہے، ایک جماعت صرف علوم و فنون کی واقفیت چاہتی ہے ایک اور جماعت ایسی ہے کہ ان تمام چیزوں سے اُسے چنداں تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ علوم دینی میں مصروف رہنا اور متوکلانہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ ایک جماعت عوام الناس کی ہے باینہمہ ہر ایک کی اپنی اولاد کے لئے یہ خواہش ہے کہ اُس کے عقائد بھی درست رہیں اور اُس کی تعلیم میں بھی کمی نہ ہو۔ پس جب کہ ہم تمام مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہم کو ایسی درسگاہ بنانا چاہئے کہ جس کو جس قسم کی تعلیم سے تعلق ہو وہ اُس درسگاہ میں حاصل کر سکے"۔

اُنہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ "ہم کو ان مقاصد کے پورا کرنے کے لئے گورنمنٹ پر بھروسہ کرنا لازم نہیں ہے بلکہ یقین کرنا چاہئے کہ ان تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا صرف ہماری کوشش پر منحصر ہے"۔

وہ جانتے ہیں کہ عربی کی تعلیم اور دینیات کی تعلیم گورنمنٹ اسکولوں اور کالجوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، اس وجہ سے اُن کو مسلمانوں کے واسطے علیحدہ کالج اور علیحدہ یونیورسٹی کے بنانے کا خیال ہوا، اب ایسے شخص کو کافر کہو یا مرتد کہو جو کچھ چاہو کہو۔ پہلے میں بھی اُن کا مخالف تھا اور شاید سب سے پہلے میں نے ہی اُن کے کفر کا فتویٰ دیا تھا، اُن کو چھپا پادری کہا۔ لیکن جب اُن کے مذہبی خیالات اور محبت اسلام ظاہر ہوتی گئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ **سید صاحب** قومی اصلاح کا بیڑا اُٹھاتے اور قومی تعلیم کی درستی کے خواہشمند ہیں۔ تو میں اُن کا طرفدار اور ساتھی ہو گیا۔ اگرچہ **سیّد صاحب** کے محض مذہبی عقائد سے مجھے اس وقت تک اختلاف رہا لیکن **سید صاحب** نے کبھی دعوے پیری نہیں کیا اور نہ اس بات پر اصرار کہ خواہ مخواہ لوگ اُن کے ہم عقیدہ ہوں۔ لہذا اصلی اور سچی بات کو ہم تسلیم کرتے رہے اور بری بات کو اُن کی نہ مانتے تھے اور صاف اُن کے روبرو انکار کر دیتے تھے اگر کالج کے کورس میں عربی تعلیم شامل کیجاتی، تو کوئی مسلمان اُن کا شریک حال نہ ہوتا جن اشخاص نے مدرسہ میں چندہ دیا وہ جانتے تھے کہ سر سید کس طرح کا مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، اس دارالعلوم کے قائم کرنے کے لئے اُنہوں نے مضمون لکھے، لیکچر دئے، علمائے اسلام کے آگے طلب کی۔ محدثین و مفسرین کے ہاتھ جوڑے لیکن علما اُن کے قریب تک نہ پھٹکے، تو اُنہوں نے اہل الرائے سے مشورہ لیا اور بعد مشورہ ایک تعلیمی اسکیم بنائی جو آنریبل مسٹر سید محمود صاحب کے نام سے چھپ چکی ہے، تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں وہ اسکیم موجود ہے جس کا جی چاہے اُس کو دیکھ لے، وہ بھی ہماری یونیورسٹی کا اصلی مقصد ہے میرے نزدیک اُن سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص عربی علوم اور دینی تعلیم کا حامی نہ تھا۔ پنجاب یونیورسٹی کی بحث کے متعلق جوش میں ایک فقرہ **سیّد صاحب** کے قلم سے نکل گیا، آخر وہ بھی آدمی تھے معصوم اور پیغمبر نہ تھے، اور انسان کا قاعدہ ہے تقریر یا تحریر کے وقت جوش میں بعض اوقات ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں، جو ہرگز اُس کے خیالات اصلی کے موافق نہیں ہوتے، پس **سیّد صاحب** کے کسی تقویم پارینہ فقرہ کو پیش کرنا مناسب نہیں ہے، انسان کے جوش کی کیفیت کی تصدیق خود پریسیڈنٹ صاحب کے ایک فقرہ سے ہوتی ہے، باوجودیکہ اُن سے بڑھ کر کوئی عربی کا عالم اور عربی کا طرفدار اور حامی اس وقت دوسرا شخص نہیں ہے، لیکن جوش میں آن کر فرما دیا، کہ ان کتابوں کو دریا میں پھینک دو اور جلا دو۔ کیا یہ اُن کا اصلی حال ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ جوش میں آ کر یہ الفاظ اُن کی زبان سے نکلے ہیں۔ افسوس ہے کہ جوش جب زیادہ ہو جاتا ہے، اور حد سے بڑھ جاتا ہے، تو یہی حالت ہوتی ہے، انسان کو چاہئے کہ اُسے اپنے قابو میں رکھے، اور کوشش کرے کہ اُس کا قدم جادۂ اعتدال سے باہر نہ ہونے پائے

مگر یہ بہت کم ہوتا ہے، بہرحال جو کچھ شہرت صاحب نے فرمایا اور جو الفاظ سرسیدؒ کے نقل کئے اُن کا اصل مطلب وہ نہ تھا، جو ان لفظوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس اسکیم سے ہوتا ہے جو محمڈن یونیورسٹی کی تعلیم کے متعلق اُنہوں نے تیار کی تھی۔ اور جس میں عربی۔ فارسی کی اعلےٰ تعلیم کو ضروری قرار دیا تھا ؎

یہ بھی میں کہ سکتا ہوں کہ شہرت صاحب نے جو نظر اس وقت کی ہے اور جو الفاظ سرسیدؒ کے نقل کئے ہیں، وہ اُنہوں نے میرے نزدیک ایک گذشتہ واقعہ کا ذکر کیا ہے مگر وہ مجوزہ یونیورسٹی کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اُس کی تائید کرتے ہیں، اس لئے اب اس میں زیادہ بحث کرنی غیر ضروری ہے ؎

حضرات! اس کالج کا قائم ہونا اور اس یونیورسٹی کا بننا اگرچہ امر محال معلوم ہوتا تھا اور کوئی ذریعہ بظاہر اس کے جاری اور قائم ہونے کا نظر نہ آتا تھا لیکن ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ بیچارہ زدند

ریاست رامپور اور نواب صاحب بہادر رامپور کے نام نامی پر محمڈن یونیورسٹی کا قائم ہونا بدا ہوا تھا، کیونکہ حضور کے دادا نواب خلد آشیان نے تیس ہزار روپیہ اُس وقت کالج کو دئیے تھے جب کہ کوئی ایک حبہ دینے والا نہ تھا اُس وقت کسی نے تیس روپیے بھی نہ دیئے تھے لوگ سرسیدؒ اور اُن کے دوستوں کو کافر سمجھتے تھے، اگر نواب خلد آشیان بھی ایسا خیال کرتے، اور سب سے پہلے کالج کی امداد پر آمادہ نہ ہو جاتے تو کالج کا قائم ہونا، اور دوسروں کے لئے نظیر ہونا اعرصہ تک دشوار امر ہوتا۔ سب سے پہلے اسی ریاست نے کالج کے لئے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا۔ سب سے پہلے کالج پیٹرن کا خطاب اسی رئیس کو ملا۔ سب سے پہلے محمڈن یونیورسٹی کے ڈیپوٹیشن کو اسی رئیس نے بلایا، اور اسی مکان میں ہم کو عزت سے ٹھیرایا۔ اور ڈیپوٹیشن سے ملنے خود تشریف لائے اور اُس وقت تک کسی نے کسی بڑی رقم کے دینے کا وعدہ نہ کیا تھا۔ سب سے پہلے اسی ریاست کے فیاض عالی خیال اولو العزم صاحب حوصلہ رئیس نے فراخ دلی سے مقاصد یونیورسٹی سنکر پچاس ہزار روپیہ کے دینے کا وعدہ فرمایا اور محمڈن یونیورسٹی قائم کرنے کے ارادہ کو تقویت دی ؎

علاوہ اس کے کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ کانفرنس کا اجلاس کسی وقت میں بھی کسی دیسی ریاست میں ہو سکتا ہے، لیکن ایسے وقت میں جب کہ بوجہ طاعون کے عین وقت پر پٹنہ سے جواب مل چکا تھا اور کسی جگہ کانفرنس کے ہونے کی امید نہ تھی کہ اسی ریاست رامپور نے کانفرنس کو مدعو کیا چنانچہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس آزادی کے ساتھ قومی معاملات پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں اس کا فخر بھی سب سے

پہلے اسی ریاست کے حصہ میں آیا۔ پس ہم سب کو اس اسلامی ریاست اور یہاں کے بیدار مغز رئیس اور والی کا شکرگذار رہنا چاہیئے اور خداوند قدیر سے ریاست کی سرسبزی اور اس کے والی کی ترقی عمر و اقبال کے لئے ہمیشہ دعاگو رہنا لازم ہے ✤

نمبر ۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ رامپور رزولیوشن نمبر ۱ کی تحریک کرتے ہوئے فرمائی۔ رزولیوشن مذکور حسب ذیل ہے :-

رزولیوشن نمبر ۱

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ قوم کی حالت درست کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قوم کے ہونہار اور لائق طلبا کو وظیفہ دیکر اُن کو اعلےٰ تعلیم دیجائے ✤

بزرگان قوم اور برادران ملت!

جو رزولیوشن اس وقت آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے یہ رزولیوشن آج پہلی مرتبہ آپ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا ہے بلکہ میرٹھ، لاہور، اور کلکتہ، کی کانفرنسوں میں ۳ سال سے برابر پیش ہوتا رہا ہے اور تمام حضرات نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ بغیر امداد کے مسلمانوں کے ہونہار اور غریب طالب علم اعلےٰ تعلیم نہیں پا سکتے کیونکہ تعلیمی اخراجات روز بروز زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ مجھے اس معاملہ پر زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اول سب صاحبوں کو یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا ہے، ماسوا اس کے وقت تنگ ہے۔ لہذا میں مختصر طور سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وظیفہ کے سرمایہ میں اُس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی، جب تک ہر جگہ کچھ لوگ ایسے موجود نہ ہوں جو اس مقصد کے لئے کوشش نہ کریں اگر ہر ایک شہر میں مستقل طور سے کوشش کرنے والے موجود ہوں تو دس روپیہ ماہوار ایک شہر اور ایک ضلع سے چندہ جمع ہو جانا کچھ دشوار نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اول تو کام کرنے والے کم ہیں اور ایسے تو بہت کم ہیں کہ جوشوں اور ولولوں کے ساتھ اخیر تک کام کرتے رہیں۔ لیکن جب تک استقلال کے ساتھ کام نہ کیا جاوے۔ اُس وقت تک کام نہیں چل سکتا، کیونکہ کام تو کام کی طرح چلتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ہماری قوم میں ایسے اشخاص چونکہ بہت کم ہیں لہذا کہ اُس وقت تک ہم ...

جب تک کہ تنخواہ دار ایجنٹ کانفرنس کی طرف سے مقرر نہ ہوں جو برابر تحریص و ترغیب دیتے رہیں اگر تحریص و ترغیب کی کوشش خاص طور سے نہ کی جاتی تو ہماری کانفرنس کو کامیابی نہ ہوتی اور سوائے لاہور کے ہم کو کہیں سے کوئی نہ بلاتا۔

سرسید کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں ہو لیکن ۱۲ سال تک کسی قسم کی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر یہ قرار پایا کہ خاص آدمی کلکتے بھیجا جائے۔ پروفیسر ضیاء الدین جو مسلمانوں پر جان دینے والا ایک شخص ہے جس کو ڈپٹی کلکٹری ملتی تھی، لیکن اس نے محض قومی بھلائی کے خیال سے اس نوکری کو منظور نہیں کیا، اور کالج میں سو روپیہ کی نوکری کر لی، اور اس قلیل تنخواہ پر پڑا ہوا ہے، اگر وہ ڈپٹی کلکٹر ہوتا تو اس وقت تک پانسو کی تنخواہ ہو جاتی۔ غرضکہ ضیاء الدین آمادہ ہوئے کہ میں کلکتہ جاتا ہوں۔ چنانچہ ۳ ہفتہ تک وہ برابر کلکتہ پڑے رہے۔ کل خرچ اپنا کیا اور ایک حبہ کسی خرچ کے واسطے کانفرنس یا کالج سے نہیں لیا۔ اس ہمدرد قوم نے وہاں جا کر میموریل فنڈ کے لئے کوشش شروع کی، لیکن وہاں یہ دشواری پیش آئی کہ کلکتہ میں معزز اور وہ مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں ہیں، ایک گروہ کی کوشش جو قومی بھلائی کے لئے شروع کی جاتی ہے۔ دوسرا گروہ اس کے توڑنے کی فکر کرتا ہے کہ ہمارے فریق مخالف کی نیک نامی نہ ہو ع

ہر کجا گنجیست بیم آستاں پیداست

مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی وہاں بھی موجود ہے۔ لیکن پروفیسر ضیاء الدین کے ۳ ہفتہ قیام کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسٹر سید میموریل فنڈ کے چندہ کے لئے کمیٹی کی بنا پڑی اور وہاں کے معزز اور وہ اصحاب نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو مدعو کرنے کے لئے رائے دی، جب اس قدر کوشش کے بعد پروفیسر ضیاء الدین وہاں سے واپس آئے تو ہمارے کالج کے سچے ہمدرد مسٹر بیک صاحب مرحوم نے یہ تجویز پیش کی کہ ہمارے کالج کے طالب علموں میں چونکہ زندہ دلی کی روح موجود ہے، لہذا کالج کا کوئی طالب علم بنگال اور بہار کے مسلمانوں میں کانفرنس کے فوائد و اغراض بیان کرنے اور اس میں شرکت کانفرنس کی تحریص و ترغیب دینے کو بھیجا جائے تو کامیابی ہو سکتی ہے، ورنہ بنگال کے مسلمان نہ کانفرنس سے واقف ہیں نہ اس کے مفید اور عمدہ اغراض سے، چنانچہ مصباح الشان اس کام کے لئے بھیجا گیا۔ خیال یہ ہوتا تھا کہ ایک نوعمر طالب علم جس نے ابھی کالج کی تعلیم پائی ہے اور جسے نہ مسلمانوں کے خیالات سے واقفیت ہے نہ ان کے مختلف طبائع سے وہ ایک ایسی نئی جگہ جا کر کیا کر سکتا ہے، لیکن مصباح الشان نے بنگال کے مختلف اضلاع کا دورہ کر کے کانفرنس کا عام جوش بنگالی اور بہاری مسلمانوں میں پیدا کر دیا اور وہاں کامیابی کے ساتھ جلسہ ہوا، بنگال کے مسلمانوں کے تعلیمی حالات کانفرنس میں پیش ہوئے: مولوی عبدالکریم صاحب انسپکٹر سررشتہ تعلیم نے بالخصوص نہایت قابلیت کے ساتھ مسلمانان بنگالہ کی تعلیمی حالت

ایک سلیکہ بھی نہ کھاتی۔ غرضکہ میرا مطلب اس تمہید سے یہ تھا کہ اگر اسی طرح وظیفہ کے لئے کوشش کی جائے تو کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس وقت تک دو ہزار روپیہ سے زیادہ وظیفہ کے لئے وصول ہوئے ہیں۔ وعدہ علاوہ ہے۔ میں آپ صاحبوں سے درخواست کرتا ہوں، کہ آپ اس ضروری معاملہ کو قبول فرمائیں آپ کا جوش سرد نہ ہونے پاوے اور کچھ نہ کچھ اپنی قوم کے غریب بچوں کی اعلٰے تعلیم کے لئے کوشش کرتے رہیں ⁂

محرک نے اس قدر اسپیچ کے بعد ایک طویل تقریر تحریص و ترغیب کے متعلق کی جو بوجہ طوالت درج رپورٹ نہیں کی جاتی لیکن آخری حصہ میں ایک نئے ڈھنگ سے چندہ لینے کی تدبیر پیش کی اور کہا:۔

کہ "آپ لوگوں کو لذیذ اور پُرتکلف کھانے یہاں مفت کھلائے گئے ہیں اور کچھ دام آپ کو نہیں دینے پڑے" ⁂

آپ یہی سمجھئے کہ اگر صاحبزادہ محمود علی خاں۔ مولوی عبدالغفور اور حکیم اجمل خاں صاحب آپ سے کھانے کے دام لیتے، تو ہر شخص کو لازمی طور پر دینے ہوتے۔ اگرچہ نہ ہو تو یہی سمجھ کر ہی چندہ دو کہ ہم کھانے کے دام دیتے ہیں، ورنہ اگر آپ نے یہ نہ سمجھا اور چندہ نہ دیا تو میں صاحبزادہ محمود علی خاں صاحب سے کہہ دونگا کہ وہ آپ کے پاس کھانے کا بل بھیجکر دام وصول کر لیں ⁂

نمبر ۵۹

اسپیچ

یہ دعا اور اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۲۷۔ دسمبر ۱۹۰۱ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مدراس میں اجلاس سے پہلے خیر مقدم کے جواب میں فرمائی:۔

ایّھا الاخوان!

قبل اس کے کہ اس مجلس کی کوئی کارروائی کی جاوے ہم لوگوں پر لازم ہے کہ بہ حیثیت بندہ گنہگار ہونے کے اور نیز بہ حیثیت مسلمان ہونے کے خدا سے اپنی کامیابی کی صدق دل سے دعا کریں جس کے ہاتھ میں ہماری جان اور ہماری قوتیں ہیں اور جس کے قبضۂ قدرت میں دنیا اور اُس کی تمام چیزیں ہیں اور جس کے حکم پر ہماری تمام کامیابی اور ناکامیابی منحصر ہے ⁂

دعا

اے خدا! ہمارے خالق! مالک! ہم وہ دگار رہم تیرے گناہگار بندے اس وقت اس لئے

جمع ہوئے ہیں کہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں اور جو مصیبتیں ہمارے اعمال سے ہم پر نازل ہوئی ہیں، اُن کے دُور کرنے کی تجھ سے دعا کریں۔ اے ہمارے رحیم اور کریم تو ہم کو توفیق دے کہ ہم تیری مرضی پر چلیں، اور اپنی قوم میں علم کی روشنی پھیلا دیں۔ تو اپنی ہدایت اور برکت کی روح ہم سب پر نازل فرما، تاکہ ہماری کارروائی جو کچھ ہونے والی ہے، نفسانیت اور خود غرضی سے پاک و صاف ہو، اور تیرے بندوں کی بھلائی اور بہتری ہو۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ✦

میں اپنے برادران ڈیلیگیٹ کی طرف سے مدراس ریسپشن کمیٹی کے شکریہ ادا کرنے کے لیے کھڑا ہُوا ہوں۔ مگر مجھے خوف ہے کہ میں اس غرض کو پورے طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ مسلمانان مدراس نے ایسی گرمجوشی سے ہمارا خیر مقدم کیا ہے، اور ایسے فیاضانہ طور سے ہماری آسائش اور آرام کا انتظام کیا ہے، اور اس قومی مجلس کی کامیابی کے لئے ایسی زحمت اور تکلیف اُٹھائی ہے، اور ایسے منتظم اور باقاعدہ طور پر اس مشکل کام کو انجام دیا ہے کہ وہ ہماری امیدوں اور آرزوؤں سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور جس کو دیکھ کر اس وقت ہمارے دل میں اُن کی عزت اور عظمت اور ہمدردی اور احسانمندی کے ایسے بلند خیالات جوش زن ہیں، کہ کسی طرح ہماری زبان اُن کے ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اور سوائے اس کے کہ میں "شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو" کہکر خاموش ہو جاؤں، اور کسی طرح اس خدمت کو ادا نہیں کر سکتا ✦

برادران من! آپ مجھے معاف فرمائینگے اگر میں اصلی خیالات جو یہاں کانفرنس ہونے کی نسبت تھے، اور جو تبدیلی اُن میں ظاہر ہوئی ظاہر کروں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مسلمان جن کا خدا، جن کا رسول، جن کا قبلہ، جن کا قرآن ایک ہے۔ اور جن کے تمام ملکی، قومی، تمدنی اور خاندانی تفرقے اور اختلافات مٹا کر اسلام نے سب کو بھائی اور ایک بنا دیا تھا، وہ اس زمانہ میں بدنصیبی سے عادات، خیالات، عقائد، رسموں اور راؤں میں ایسے مختلف، اور ایک دوسرے سے ایسے بے تعلق اور بے خبر ہیں۔ کہ گویا وہ ایک مذہب کے پیرو، اور ایک نبی کی اُمت، اور ایک کلمہ کے کہنے والے، اور ایک قبلہ کے ماننے والے ہی نہیں ہیں۔ اور اُن میں ایسے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، کہ گویا کسی قسم کی یگانگت، ہمدردی اور باہمی تعلق باقی ہی نہیں رہا ہے۔ اس اسلام کے ماننے والے جس نے عرب، عجم اور افریقہ کے رہنے والوں کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا تھا، ایک دوسرے سے ایسے جدا ہیں کہ گویا کسی قسم کی مشابہت اور مناسبت باہم اُن کے باقی نہیں ہے۔ اور ملکوں کے مسلمانوں کو جانے دو۔ عرب، عجم، روم، ایران، اور افریقہ کے مسلمانوں کا خیال چھوڑ دو، اپنے ہندوستان ہی کے مسلمانوں کو دیکھو، اور بتاؤ کہ باہم

اُن کے کیا تعلق ہے، اور اُن کو ایک دوسرے کی کس قدر خبر ہے۔ اور ایک صوبہ کے رہنے والوں کو دوسرے صوبہ کے مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہے۔ جب کہ ہم کو ہر جگہ تفرقہ اور اختلافات کی ہولناک تصویریں نظر آتی ہیں، اور ہر جگہ مختلف پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف قائم ہیں، تو ہمارے دل میں یہ خیال کب ہوسکتا تھا کہ اس قومی کانفرنس کا اجلاس مدراس میں ہوسکیگا۔ خصوصاً جب کہ ہم سرکاری رپورٹوں میں دیکھتے تھے، کہ مدراس کے مسلمان انگریزی تعلیم میں دوسرے صوبہ کے مسلمانوں سے کم ہیں۔ اور اخباروں میں پڑھتے تھے کہ یہاں انگریزی تعلیم، اور مغربی خیالات، اور نئی شائستگی سے اب تک وحشت ہے۔ اور لوگوں میں یہ بھی شہرت تھی کہ علیگڈھ پارٹی یہاں بُری نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے، اور مدرسۃ العلوم نیچریوں اور لامذہبوں کا مدرسہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ہمارے سب کاموں کی نسبت بدگمانیاں کی جاتی ہیں، تو آپ خیال کرسکتے ہیں، کہ ایسی حالت میں ہم کو کب امید ہوسکتی تھی کہ ہم یہاں بلائے جاوینگے، اور کانفرنس کا جلسہ یہاں ہوسکیگا۔ مگر جب یہاں کے معزز مسلمانوں کی طرف سے دعوت کا پیام پہنچا، اور آپ صاحبوں نے کانفرنس کا اجلاس مدراس میں تجویز کیا، تو ہم کو حیرت آمیز خوشی ہوئی۔ اور ہم نے باوجودیکہ اُسی وقت لکھنؤ کے مسلمانوں نے کانفرنس کو مدعو کیا تھا، اور ابتدائی انتظام بھی کرلیا تھا، اُن سے معذرت کی، اور آپ کی دعوت کو منظور کیا۔ اور اُس وقت سے آپ کی بے نظیر کوششوں، اور آپ کے اعلےٰ انتظامات کا جو کچھ ہم کو علم ہوا، اُس سے نہ صرف ہماری مسرت، اور حیرت بڑھ گئی، بلکہ ہمارے خیالات میں عجیب تبدیلی ہوتی گئی۔ جس صوبہ کے مسلمانوں کو ہم سمجھتے تھے کہ وہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنا نہیں چاہتے، اُن کو ہم نے سیدھی راہ پر پایا۔ جن کی نسبت ہم کو خیال تھا کہ ہمارے کاموں سے متنفر ہیں، اُن کو اتنا بڑا قدردان دیکھا۔ جب سے ہم نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے، آپ کی اولوالعزمی، فیاضی اور قومی ہمدردی اور اسلامی جوش اور روشن ضمیری کے نمایاں آثار دیکھے۔ اور ہم نے ہر ہر قدم پر آپ کی عالی ہمتی، اور بلند نظری، اور روشن ضمیری کے آثار پائے۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ اس سے ہمارے دل میں کیسے دل خوش کن خیالات گذرے، اور آپ کی عظمت، اور وقعت، اور قومی ہمدردی، اور تعلیمی معاملات سے دلچسپی نے ہم پر کیا اثر کیا۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا، کہ ان باتوں کو دیکھ کر بے اختیار میرے دل سے یہ آواز نکلی کہ ع

اینکہ مے بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

حضرات! یہ بھی ہم کو معلوم ہے، اور ہمیشہ اخباروں میں دیکھتے رہے، کہ آپ کی مردانہ ہمت، اور آپ کی ہمدردانہ کارروائی پر بعض آپ ہی کے بھائیوں نے نکتہ چینی کی، اور آپ سے اختلاف کیا مگر بہ نسبت ہمارے آپ زیادہ خوش نصیب ہیں، اور ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کہ آپ بطفیل اُن

افسوس، اور ملامتوں کی وہ بوچھار نہیں ہوئی جو ہم پر اُس وقت ہوئی تھی۔ جب کہ پہلے اپنے سوسائٹی میں
ان نئے خیالات کی اشاعت کی تھی، اور مغربی تعلیم اور مغربی شائستگی کی طرف اپنی قوم کو مائل کرنے کا
ارادہ کیا تھا۔ ہم صرف غیر مفید کام کرنے ہی کے ملزم قرار نہیں دئیے گئے، بلکہ اسلام کے خلاف مسلمانوں کو
بہکانے، اور اُن کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرانے کے مجرم بنائے گئے۔ ہماری ہمدردی پر بیدردی
سے سخت حملے کئے گئے۔ ہم اسلام اور مسلمانوں کے دشمن قرار دئیے گئے، یہاں تک کہ کفر کے فتوے
بھی جاری ہوئے۔ مگر زمانہ نے بتا دیا کہ ہم مسلمانوں کے حقیقی دوست تھے یا دشمن، اور ہم انہیں سیدھا
رستہ بتاتے تھے، یا اُن کو غار و خندق میں گرانے کی کوشش کرتے تھے، اور آخر مخالفت کی وہ آگ
جو بیت تیزی سے مشتعل ہوئی تھی، ٹھنڈی ہوگئی، اور ملامت اور نفرین کی وہ ہولناک آوازیں جن کو
سُن کر لوگ کانپ اُٹھتے تھے، رفتہ رفتہ بند ہوگئیں۔ جو دشمن تھے، وہ دوست ہو گئے، مخالفت کرنے
والوں کا بڑا حصہ ہمارے کاموں کی قدر کرنے لگا۔ مگر اس پر بھی اب مخالفت کی جھلک یہاں باقی ہیں،
اور ہنوز اعتراض کی ضعیف آوازیں کانوں میں آتی ہیں۔ جہاں ہم جانتے ہیں اب تک بعض خدا کے
بندے ایسے نظر پڑتے ہیں جو اپنے بھائیوں کو ہمارے جلسوں میں آنے سے روکتے ہیں، اور ہماری
باتوں کے سُننے سے منع کرتے ہیں۔ لیکن سوائے ندامت اور افسوس کے اب کچھ اُن کو نہیں ہوتا،
اور اُن کی مایوسانہ کوشش سے وہ کام جس کے فائدے اب ثابت ہو گئے ہیں، رُک نہیں سکتے۔ پس
بمقابلہ ہمارے آپ بڑے خوش نصیب ہیں، اول تو اس وجہ سے کہ شروع ہی سے بہت بڑا حصہ آپکے
بھائیوں کا آپ کا شریک ہوا، اور آپ کے کاموں کی قدر کرنے لگا۔ دوسری جو مخالفت ہوئی وہ بھی سخت
اور بغض و عداوت پر مبنی نہ تھی، بلکہ صرف غلط فہمی سے پیدا ہوئی، اور مجھے پوری امید ہے کہ اس مجلس
کے مقاصد، اور فوائد سمجھنے، اور اُس کی کارروائی دیکھنے کے بعد وہ خیالات بھی دور ہو جاوینگے، اور
مخالفت کی خفیف ہوا بھی مدراس کے سمندر سے اُٹھ کر ہمالیہ تک نہ پہنچ سکیگی۔ باقی رہا رائے کا اختلاف
جب کہ نیک نیتی سے ہو، تو اُس کو ہم رحمت اور برکت سمجھتے ہیں، اور ایسا اختلاف اِس قسم کی مجلسوں
کی کامیابی کے لئے ضرورت ہے۔

اس مجلس کے قائم کرنے اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اُس کے جلسے کرانے سے
اصلی غرض یہی ہے کہ قومی ترقی کے متعلق عموماً اور قومی تعلیم کے لئے خصوصاً مختلف صوبوں کے مسلمان
اپنے اپنے خیالات، اور اپنی اپنی رائیں ظاہر کریں، اور ہر تجویز کی بُرائی بھلائی کو اچھی طرح دیکھیں۔ اور
ہر رزولیوشن پر دل کھول کر مباحثہ کریں، اگر اختلاف ہو اور بغیر مباحثہ کے کوئی بات منظور کر لیجائے،
تو اُس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ جو تجویزیں آیندہ اجلاسوں میں پیش ہونگی،
اُن پر آزادی سے گفتگو میں کیجاویگی، اور اُن کی تائید اور تردید میں معقول دلائل پیش کئے جاوینگے،

اور آخر جو فیصلہ کثرت رائے سے قرار پائیگا، وہ تسلیم کیا جائیگا، اور اُس کے عمل میں لانے کے لئے کوشش کی جاویگی ٭

صاحبو! آپ مجھے معاف کرینگے کہ میں نے اپنی طولانی تقریر سے آپ کی بہت سمع خراشی کی، اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں پھر آپ کا اپنے برادران ڈیلیگیٹ کی طرف سے شکریہ ادا کروں۔ اور نہ صرف آپ کا جو ہمارے مذہب اور ہماری قوم کے ہیں، بلکہ اپنے ملکی ہندو بھائیوں کا بھی جن کی معزز صورتیں اس جلسہ میں دیکھتا ہوں، اور جس سے اُن کی ہمدردی ہمارے کام کی نسبت پائی جاتی ہے۔ درحقیقت آپ کے لئے اور نیز ہمارے لئے یہ بڑے فخر اور خوشی کا موقع ہے کہ ہمارے ہندو بھائی ہماری مجلس میں تشریف لائے، اور ہمارے ارادوں اور کاموں کی نسبت اپنی عملی ہمدردی ظاہر کی ٭

صاحبو! ہندوستان میں جب تک ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے ہمدرد نہ ہونگے، اور آپس میں دوستانہ برتاؤ نہ رکھینگے اور فراخ حوصلگی، اور بے تعصبی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش نہ آوینگے، وہ ملکی بھائی اور ہموطن کہنے کے مستحق نہ ہونگے، اور جو کوئی (مسلمان ہو یا ہندو) باہمی دوستانہ برتاؤ کے قائم رکھنے اور ترقی دینے میں سعی نہ کریگا، وہ درحقیقت ملکی اور قومی گنہگار ہوگا۔ مگر مجھے اس موقع پر ایک کلمہ کہنے کی اور اجازت دیجئے۔ میں نے بعض اخباروں میں دیکھا تھا، کہ یہاں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علیگڈھ پارٹی کے مسلمان ہندوؤں کے مخالف ہیں، اور اُن کے تعلقات ہندوؤں کے ساتھ دوستانہ نہیں ہیں۔ صاحبو! یہ خیال بالکل غلط ہے، اور ہم شمالی ہند کے رہنے والوں پر تہمت ہے ہم ہندو اور مسلمان بھائی بھائی ہیں، ہمارا باہمی برتاؤ دوستانہ ہے، ہم ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہیں، غالباً یہ خیال اُن اختلافات سے پیدا ہوا ہے، جو ہماری اور آپ کی بعض پولیٹیکل کارروائیوں میں ہیں۔ جس میں ہم اور اس صوبہ کے ہندو بھائی متفق الرائے نہیں ہیں، مگر اول تو اس کی خصوصیت مسلمانوں ہی سے نہیں ہے، خود ہمارے صوبہ کے بعض ہندو بھی ہمارے ہم خیال ہیں علاوہ بریں کسی خاص پولیٹیکل مسئلہ میں اختلاف رائے کا ہونا درحقیقت مخالفت نہیں ہے اور اُس سے دوستانہ تعلقات میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ اگر ہم اور ہمارے ہندو بھائی مذہبی خیالات اور قومی رسموں میں باہم متفق نہیں ہیں، تو یہ اختلاف ہمدردی اور دوستانہ برتاؤ کا مانع نہیں ہے، اسی طرح اگر ہم اور وہ بعض پولیٹیکل اور ملکی مسائل میں باہم خیال نہ ہوں، تو اس سے لازم نہیں آتا، کہ ہم میں اور اُن میں دوستی اور ہمدردی نہ ہو۔ رائے کا اختلاف اور چیز ہے، اور مخالفت دوسری بات ہے۔ اور میں اس بات کے ظاہر کرنے سے خوش ہوں کہ ہمارے اور ہندو بھائیوں کے معزز اور سمجھدار لوگ گو باہم بعض پولیٹیکل امور میں مختلف الرائے ہوں، مگر ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ اور آج اس جلسہ

میں اپنے ہموطن ہندو بھائیوں کی بہت سی مبارک صورتوں کے دیکھنے سے اس بات کا ثبوت ہوتا ہے*

صاحبو! میں اپنے فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہونگا اگر یورپین جنٹلمینوں کا جو ہماری اس قومی مجلس میں شریک ہوئے ہیں، اور جن کی شرکت سے ہماری مجلس کو خاص عزت اور خوشی ہوئی ہے شکر ادا نہ کروں۔ اعلےٰ تعلیم اور کامل تربیت کا نتیجہ یہی ہے کہ تعصّبات دُور رہوں۔ قومی اختلاف ہمدردی کا مانع نہ ہو، جو کام بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے کئے جاویں، اُن میں مدد کیجاوے، اور ایسے کام کرنے والوں کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا جاوے۔ ہم اور آپ خوب جانتے ہیں، کہ انگریزی قوم نے تعلیم اور تہذیب میں اعلےٰ درجہ کی ترقی کی ہے، اور اُن کے طرزِ عمل اور برتاؤ سے اُس کے عمدہ نتیجے ظاہر ہیں۔ اس لئے مجھے کچھ تعجب نہیں ہے کہ ہم اپنی اس قومی مجلس میں بہت سی پاکیزہ صورتیں اُن کی دیکھتے ہیں۔ اور مَیں یقین کرتا ہوں کہ کوئی اور خیال اُن کو یہاں نہیں لایا۔ سوائے اُس انسانی ہمدردی کے جو اُس قوم کا خاصّہ ہے۔ اس لئے مَیں تہ دل سے اُن کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اور اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ اُن کی یہ ہمدردی ایسی قوم کے ساتھ ہے جو گو وہ مغربی تعلیم و تربیت میں پیچھے ہے۔ مگر اُس کے کان میں یہ الہامی آواز کہ ھل جزآء الاحسان الا الاحسان، برابر گونجتی رہتی ہے۔ اور اپنے محسنوں کے احسان کو ہمیشہ نہایت شکرگذاری کے ساتھ یاد کرتی ہے۔ اور گو اُس کی سلطنت، ثروت، دولت، جاتی رہی ہے۔ مگر اُس کا مذہب زندہ ہے۔ اور وہ اپنی مذہبی ہدایتوں کو نہیں بھولی۔ اُس کا مذہب اُس کو سکھاتا ہے کہ اپنے ساتھ نیکی اور سلوک کرنے والوں کا احسان مانیں۔ اور جس گورنمنٹ کی رعیّت ہوں، اُس کی پوری اطاعت کریں۔ اور دل سے اُس کے وفادار رہیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ وہ ایسی سلطنت کی رعیّت ہیں جس کی حکومت میں وہ پوری آزادی رکھتے ہیں۔ اور ہر طرح کی ترقی کر سکتے ہیں۔ اور وہ اس بات سے بھی بےخبر نہیں ہیں کہ طوائف الملوکی کے اخیر زمانہ میں اُن کی کیا حالت ہوگئی تھی۔ اور سلطنت جاتے رہنے کے بعد اُن کا اطمینان سے یہاں رہنا۔ اور آزادی سے اپنے فرائض ادا کرنا بھی مشکل ہوگیا تھا۔ اور ترقی کے ذریعے بند ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ ترقی کے لئے آزادی ضرور ہے اور آزادی کے لئے ملک میں امن و اطمینان کی حاجت ہے۔ اور امن و اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا جب تک گورنمنٹ عادل، اور غیر متعصب، اور آزادی پسند، اور اپنی رعیّت کی ترقی چاہنے والی اور ترقی کے اسباب مہیّا کر دینے والی نہ ہو۔ اور ہم سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ امن و آزادی جو دوسرے ملکوں میں ترقی کی ہیں۔ وہ جیسی اس حکومت میں حاصل ہیں۔ غالباً ہم کو اپنی حکومت میں بھی حاصل نہ تھیں۔ غالباً مَیں خوشامد یا مبالغہ کرنے کا ملزم نہ ٹھہرونگا۔ نہ مَیں صرف اپنی ذاتی رائے کا ظاہر کرنیوالا سمجھا جاؤنگا۔ اگر کہوں کہ گورنمنٹ نہ صرف ہماری ترقی اور اس ملک کے ہر فرقہ کی بہبودی چاہتی ہے

بلکہ اُن اسباب کے مہیا کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتی۔ جو ترقی کے ذریعے ہیں، بالخصوص کسی ملک یا قوم کی ترقی کا تعلیم و تربیت ہے۔ اُس کے لئے جو سامان گورنمنٹ نے مہیا کیا ہے، اُس کی نظیر کوئی ہندوستان کی پچھلی تاریخ میں بتا سکتا ہے، یا اُس تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں یورپ کی اور گورنمنٹوں میں اس کی مثال پائی جاتی ہے، کیا مسلمان نہیں جانتے، اور جو جانتے ہیں کیا وہ اس کی قدر نہیں کرتے کہ برٹش گورنمنٹ نے اُن کی تعلیم و تربیت کی ترقی کے لئے وہ سامان مہیا کئے ہیں۔ اور وہ آزادی بخشی ہے کہ نہ فرانس نے الجیریا میں، نہ آسٹریا نے بوسینیا میں، نہ روس نے وسط ایشیا میں، اُس کے عشر عشیر بھی کیا ہے۔ یہ برٹش حکومت ہی کا خاصہ ہے کہ جہاں وہ جاتی ہے آزادی اور تعلیم و تربیت کی تحریک اپنے ساتھ لیجاتی ہے، کیا آپ لوگ واقف نہیں ہیں کہ جس وقت یونین جیک اور ہلال کا جھنڈا خرطوم پر لہرانے لگا اُسی وقت نامور لارڈ کچنر نے سوڈانی نوجوانوں کی تعلیم کے لئے ایک عظیم الشان درس گاہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور انگلستان کے پُرجوش، اور ہمدرد، اور بنی نوع انسان کی بھلائی چاہنے والوں نے دو ہفتہ کے اندر ساڑھے لاکھ روپیہ کا چندہ کر دیا ❊

ایسی آزاد، اور پُرامن، اور علم دوست، گورنمنٹ میں ہر قوم اور ہر فرقہ کو پورا موقع ہے کہ وہ اپنی ترقی کے لئے کوشش کرے اور جو سامان تعلیم حاصل کرنے کے مہیا کئے گئے ہیں اُن سے متمتع ہو اور اپنی قومی اور مذہبی خصوصیات کے لحاظ سے جیسا چاہے، اپنے لئے خاص انتظام کرے ❊

اگرچہ ایک مدت تک مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ نہ کی۔ اور ہندوستان کی دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے۔ اور اُس کے بُرے نتیجے دیکھے۔ مگر اب وہ اپنی حالت کو سمجھ گئے ہیں۔ اور مغربی تعلیم کی ضرورت اُن کو معلوم ہو گئی ہے، اور اُس کے لئے ضروری تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور یہ مجلس جس میں آج ہم ایک بڑا مجمع پُرجوش مسلمانوں کا دیکھتے ہیں۔ وہ ایک نہایت دل خوش کن نشانی اُس خیال کی ہے، جو مسلمانوں کو اب اپنی ترقی کا پیدا ہوا ہے۔ میں مبارکباد دیتا ہوں اپنی قوم کو کہ اُس نے اُسی شاہ راہ پر قدم رکھا ہے، جس پر اُس کے نامور بزرگ چلتے تھے۔ اور یقین ہے کہ ایک دن وہ منزل مقصود پر اُسی طرح پہنچیگی جس طرح اُس کے اسلاف پہنچے تھے ❊

حضرات! آپ معاف فرمائیے کہ میں نے اصلی حدود سے تجاوز کر کے اپنی تقریر کو طول دیا اور سمع خراشی کی۔ اور آپ اجازت دینگے کہ پھر میں اپنے برادران ڈیلیگیٹ کی طرف سے آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کروں۔ مجھے امید ہے کہ جتنے ممبر اور وزیٹر باہر سے آئے ہیں، ہر ایک کے دل میں شکرگذاری کے خیالات موج زن ہیں۔ اور جو فیاضانہ انتظام آپ نے اُن کی آسائش اور آرام کے لئے کیا ہے اُس کا دل سے شکر ادا کرتے ہیں۔ اور دل سے اس قومی کانفرنس کی کامیابی اور آپ کی مساعی جمیلہ کے مفید نتائج حاصل ہونے کی امید رکھتے ہیں ❊

نمبر ۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۲۷ - دسمبر ۱۹۰۱ء کو اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مدراس میں - رزولیوشن نمبر ۴ کے پیش ہونے سے پہلے، کانفرنس کے اغراض و مقاصد اور مسلمانوں کی افسوسناک حالت پر فرمائی۔

رزولیوشن نمبر ۴

"مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی غرض سے اس بات کی اہم ضرورت ہے کہ جیسا پر بورڈ آف محمڈن ایجوکیشن نے صلاح دی ہے اُس کے مطابق مدرسہ اعظم کا نظم و نسق جدید طرز پر قائم کیا جاوے اور ایک بورڈنگ ہوس بہ ماتحتی و نگرانی ہیڈ ماسٹر مدرسہ مذکور اُس کے متعلق قائم کیا جاوے"۔

حضرات!

قبل اس کے کہ اصل محرک صاحب اس رزولیوشن کو پیش کرنے کے لئے پلیٹ فارم پر تشریف لائیں، میں چند ضروری باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہو کہ اس کانفرنس سے غرض کیا ہے اور اس کے قائم کرنے کے کیا فائدے سوچے گئے ہیں، اور مسلمانوں کی عام افسوسناک حالت کے لحاظ سے اس کی کیسی ضرورت ہے۔

حضرات! اس کانفرنس کا اصلی مقصد یہی ہے کہ جو رزولیوشن اس میں پیش ہوں وہ کارآمد و مفید ہوں۔ اتنے دور و دراز مقامات کا سفر کر کے جو مسلمان تشریف لاتے، اور سفر کی زحمت و تکلیف اٹھا کر شریک جلسہ ہوتے ہیں اور جو ایک ہفتہ کی تعطیل کا نہیں ملتی ہے اس میں اپنے وطن اور گھروں کو نہیں جاتے، عزیزوں اور دوستوں کے ملنے کے عوض روپیہ خرچ کر کے کانفرنس میں آتے، اور دوستوں کی شکایت اور عزیزوں کے شکوے سنتے ہیں، لیکن وہ کانفرنس کی شرکت کو سب پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور آخر اس سے اُن کی کیا غرض اور کونسا مقصد ہے، کیا وہ اس لئے آتے ہیں کہ عمدہ عمدہ قصیدے پڑھے جاوینگے، اچھے اچھے لیکچر سُنینگے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ مجلس نہ تماشا گاہ ہے، اور نہ تھیٹر، اور نہ مشاعرہ کی محفل ہے، بلکہ یہ مجلس غم و ماتم کی ہے۔ کس کے ماتم کی؟ خود اپنی قوم کے ماتم کی۔ قوم کو جانے دو، یہ مجلس ہے تو اپنے ماتم کی۔ اگر تم کو اپنے بھائیوں کا بھی درد نہیں ہے۔ اپنا اور اپنی اولاد کا درد تو ضرور ہی ہوگا۔ جانے دو اپنے بھائیوں کو۔ اگر تم اپنی اولاد کا ذکر

اور پر کچھ حق سمجھتے ہو۔ اپنی اولاد کا خیال نہ سہی، اگر تم کو خود اپنا خیال ہے، تو تم اپنی حالت کو دیکھو
کہ تم کیا تھے اور اب کیا ہو گئے۔ تم اسی قوم کے فرزند اور اسی نبیؐ کی امت میں ہو، جس کے جاہ و جلال
کا آفتاب نصف النہار پر چمکتا تھا۔ عظمت و عزت، علم و عمل، فضل و ہنر، کا کوئی درجہ باقی نہیں تھا
جو تمہارے بزرگوں نے حاصل نہ کیا ہو۔ اگر تم مسلمان ہو اور ضرور ہو، اگر تم قرآن پڑھتے ہو اور ضرور
پڑھتے ہو، لیکن یہ پڑھنا نہیں کہ طوطے کی طرح بے سمجھے رٹ لیا، بلکہ قرآن پڑھو، اور اسے سمجھ کر پڑھو،
اور دیکھو کہ قرآن پاک میں خداوند تعالیٰ نے فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ"
(خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل لے) اور خدا فرماتا ہے "لیس
للانسان الا ما سعیٰ" تمہارے بزرگوں نے اور تمہارے اسلاف نے جو عزت و اقتدار حاصل
کیا تھا، وہ کرامت نہ تھی، وہ آسمان سے نازل نہ ہوا تھا، بلکہ اُنہوں نے اُسے حاصل کیا تھا۔ اپنی
محنت سے، اپنے زور بازو سے، اپنے دل کی مضبوطی اور نیت کے استقلال سے، صدق مقال اور
اپنے خدائے پاک کی مرضی پر چلنے اور اپنے نبی کریمؐ کی ہدایت پر عمل کرنے سے، لیکن افسوس ہے کہ ہم
جو اُن کے اخلاف اور اولاد ہیں، ہم نے اُن طریقوں کو چھوڑ دیا، اُن خیالات کو دل سے دور کر دیا
اور جو سبق ہمارے بزرگوں نے پڑھایا تھا، اُسے بھول گئے، چنانچہ جو مصیبت کہ اس وقت ہم پر
نازل ہو رہی ہے، اور جس بلا میں کہ ہم آج کل مبتلا ہیں، یہ سب اُسی کا نتیجہ ہے۔ خدا تو ظالم نہیں ہے
وہ اپنے تمام بندوں پر یکساں مہربان ہے، وہ سب کو برابر سمجھتا اور سب پر رحم کی نظر ڈالتا ہے لیکن
بات یہ ہے، کہ جو پاؤں رکھتے ہیں اور نہیں چلتے، تو کیونکر منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں؟ کیا فرشتہ
اُن کو گود میں اُٹھا کر پہنچا دیگا؟ یہ تو خدا کی عادت نہیں ہے۔ جو ہاتھ رکھتے ہیں لیکن نہیں ہلاتے، تو
کیونکر اُس چیز کو پا سکتے ہیں جس کی اُنہیں خواہش ہے۔ خدا نے اپنا رزق اور زندگی کی ضروریات
کی چیزیں تمام بندوں کو یکساں دی ہیں۔ انسان کو جانے دو، وہ تو اشرف المخلوقات ہے، خدا
نے چرندوں پرندوں کو بھی اپنی نعمتوں سے محروم نہیں رکھا، بلکہ اُس کے کھانے اور پینے کی چیزیں
ان کے گرما و سرما کا لباس اُس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر جگہ مہیا کر دیا۔ غرضکہ خدا نے سب کچھ
اُن کو دیا، لیکن کیا چیز نہیں دی؟ عقل۔ انسان کو خدا نے نہ اُڑنے کے لئے پَر دئے نہ سردی
سے محفوظ رہنے کو بدن پر اون پیدا کی نہ اُس کی غذا ہر جگہ موجود و مہیا رکھی۔ لیکن انسان کو عقل دی
اور یہی وہ چیز ہے، جس سے انسان پر ذمہ داری۔ فرض اور ڈیوٹی عائد ہوئی، اور جس کی نسبت خدا
ارشاد فرماتا ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن
منہا وحملہا الانسان (ہم نے ایک امانت پیش کی جس کو نہ آسمان اُٹھا سکے اور نہ پہاڑ لیکن اُٹھایا تو انسان نے)

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

تو اے حضرات! آپ میں سے ہر ایک شخص امین ہے۔ کس کا؟ اپنے خدا کا۔ جب کہ تمہارے اوپر خدا کی امانت ہے اور تم اُس امانت کی ذمہ داری کو نہ سمجھو، اور خدا کی امانت میں خیانت کرو، تو تم مجرم اور اپنی مصیبت کے خود ذمہ دار ہو۔ خدا کی امانت میں خیانت کرنا کیا ہے۔ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہ لینا۔ عقل نے بتایا ہے کہ دنیا عالمِ اسباب ہے جو چیز چاہو خواہ وہ اسباب معیشت میں سے ہو، یا سبب راحت، عقل سے کام لو اور خود اُس کو اپنے لئے مہیا کرو۔ پانی کی ضرورت ہو، تو کنواں کھود دو۔ غذا کی حاجت ہو، تو وقت پر کھیتی کرو، اُس کو پانی دو، اور اُس کی نگہداشت کرو۔ کپڑے بنانا ہو، تو کپاس بوؤ یا جانوروں کے بدن سے اُون کاٹو، اور کپڑا بُن کر پہنو۔ غرضکہ جس طرح چرند و پرند کو ہر چیز مفت ملتی ہے، تم کو کوئی چیز مفت نہیں دیگئی، بلکہ اُس کے عوض صرف عقل دی، تاکہ اُس کی مدد سے اپنی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرو۔

اے برادرانِ اسلام! تمہاری حالت کیا ہے، ہر شخص جو یہاں بیٹھا ہے بظاہر خوشحال معلوم ہوتا ہے، مگر تم میں کوئی شخص نہیں جس کے دل میں درد نہ ہو۔ بعض کو عزیزوں کے مصائب اور تکلیف کا دُکھ ہے بعض کو خاندانی عزت کا خیال ہے، کوئی اپنے عزیز یا رشتہ دار کی تکلیف و افلاس کی وجہ سے بے چین اور متفکر ہے، اور اُن کو افلاس سے نجات دینے اور مصیبت سے بچانے کی فکر میں مصروف۔

اے حضرات! تم اُس وقت تک اسی پریشانی اور فکر میں رہو گے، جب تک کہ علم کو حاصل نہ کرو گے، یہ زمانہ نہ تلوار کا زمانہ ہے اور نہ توپ کا۔ بلکہ یہ زمانہ ہے علم کا۔ جو علم کو حاصل کریگا وہی اسباب معیشت پر قابو پائیگا، اور یہ مجلس اسی غرض سے قائم ہوئی ہے تاکہ قوم کو علم کی طرف رغبت دلائے اور ہر شخص کے دل میں تحصیل علم کا جوش پیدا کر دے۔ تمام اسپیچ دینے، اور وعظ بیان کرنے، اور لیکچر کہنے والے مسلمانوں پر ملامت کرتے ہیں۔ ہر شخص کی زبان پر ہے کہ مسلمان کاہل ہیں۔ مسلمان کچھ نہیں کرتے۔ مسلمان بے خبر خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن اے حضرات! ہر شخص رفتار زمانہ سے واقف نہیں ہوتا، ہر مسلمان خود اپنا رہنما آپ نہیں بن سکتا۔ یہ قصور اُن کا ہے جو کچھ کر سکتے ہیں اور نہیں کرتے، بتا سکتے ہیں اور نہیں بتاتے، اگر قوم کو سمجھانے والے ہوں، تو سمجھنے والے موجود ہیں، اگر رہنمائی کرنے والے ہوں، تو کام کرنے کا مسلمانوں میں مادہ باقی ہے، اگر مانگنے والے ہوں، تو دینے والوں کی کمی نہیں۔ ایک مدراس کو ہی دیکھئے، کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ مدراس میں کانفرنس کا جلسہ ہو سکتا ہے۔ مدراس کے مسلمانوں کی نسبت کیسا غلط خیال تھا اور کس قدر جھوٹی خبریں مشہور تھیں۔ لیکن ایک ذرا سی کوشش چند آدمیوں نے کی کہ ہر ایک مدراسی مسلمان کے دل میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ معلوم نہیں کہ آئندہ کیا نتیجہ ہو، لیکن اس میں تو کلام نہیں کہ مدت تک ہر شخص کی زبان پر اور دل میں قومی تہذیب، تعلیم، تربیت، کا خیال رہیگا۔ اخبار والے اور بہت سے دوسرے اصحاب الزام دیتے ہیں کہ کانفرنس کا اس وقت تک کیا نتیجہ ہوا۔ میں قبول کرتا ہوں کہ ان

کچھ نتیجہ نہیں ہُوا۔ لیکن آج اتنے مختلف ممالک کے مسلمانوں کو جو شاید عمر بھر نہ ملتے، کس نے ایک جگہ جمع کر کے باہم ملا دیا۔ متضاد و مختلف خیالات کے آدمیوں کو جو باہم مصافحہ کرنے پر رضامند نہ تھے، اس دائرہ میں جس کو مَیں کہتا ہوں کہ اسلام کا دائرہ ہے، کس نے کھڑا کر دیا؟ بولو کس نے کھڑا کیا؟ (آواز آئی کانفرنس نے) جو غلط خیالات ایک دوسرے کی نسبت تھے، اور باہم برادری میں بھی ملنا نہیں چاہتے تھے، کس نے دور کر کے باہم شیر و شکر کر دیا؟ "کانفرنس نے" جو خیالات پستی اور قوم کی بربادی کے تھے، وہ کس نے دُور کر دئے؟ یا کم سے کم دُور کرنے کا ارادہ کیا، اور اُن لوگوں کے دل میں جن کو قوم کا خیال ہے قومی بہبُودی و ترقی کے لئے کوشش کرنے کی ایک امنگ پیدا کر دی؟ "کانفرنس نے" مانا کہ کانفرنس اور یہ سب باتیں جو یہاں ہوتی ہیں بیہودہ ہیں، اور تین دن کے بعد نہ کسی کو قوم کا خیال رہیگا، اور نہ قومی تعلیم اور قومی ترقی کا۔ لیکن اگر یہ کانفرنس نہ ہوتی، تو جو لوگ یہاں آئے ہیں وہ کیا کرتے، یقیناً اپنی خوشی اور تفریح کے جلسوں میں جاتے، بعض ایسی محفلوں میں شریک ہوتے، جہاں دہلی اور لکھنؤ کے نامی گرامی مطرب و مغنی بولائے جاتے جہاں رقص و سرود کے جلسے ہوتے۔ بعض کے ہاتھ میں جام و صراحی ہوتی۔ اسی مجلس نے جس کو بیہودہ کہا جاتا ہے، جس پر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے تفریحی جلسوں میں شریک ہونے سے بہت سے مسلمانوں کو روک دیا۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر کانفرنس نے کوئی بھی کام نہیں کیا اور کوئی بھی فائدہ آئندہ اس سے نہ ہو تو بھی اُس نے جو کام کیا ہے یہ بھی کانفرنس کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ کامیابی نہیں ہے۔ جو اسپیکر اس پلیٹ فارم پر آتا ہے، وہ ہائے قوم اور وائے قوم کرتا۔ اور جو پریسیڈنٹ اس اسٹیج پر نشست کرتا وہ قوم کو لعنت و ملامت کرتا ہے۔ اور اس سے ایک قومی اور اسلامی ہمدردی کا جوش پیدا کرتا ہے، ان تقریروں اور اسپیچوں اور لیکچروں سے حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوتی ہے بہت سے غلط خیالات دُور ہوتے ہیں، تعلیم و تربیت کی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔ علم کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جو فرائض ماں باپ پر بچوّں کے ہیں اُس سے آگاہی ہوتی ہے غفلت اور کاہلی سے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مذہب اسلام کی نسبت جو غلط خیالات ہیں دُور ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج مَیں نے نہایت افسوس کے ساتھ اس کانفرنس کے معزز پریسیڈنٹ کے وہ الفاظ سُنے کہ بعض یوروپین خیال کرتے ہیں کہ اسلام مانع ترقی و تہذیب ہے اور اسلام صرف اُسی زمانہ کی قوم عرب کے لئے تھا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ایسے یوروپین جانتے ہی نہیں کہ اسلام فی الواقع کیا چیز ہے۔ وہ اپنے نزدیک یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کو اسلام کی وسیع تعلیم سے کما حقہٗ واقفیت ہے۔ لیکن فی الواقع وہ اسلام اور اُس کی پاک تعلیم سے بالکل ناواقف ہیں چنانچہ مَیں نے ایک انگریزی مورخ کی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ آنحضرت کا بت مکہ میں بنایا گیا ہے اور مسلمان وہاں جا کر اُس بت کو پوجتے ہیں" جن کا مبلغ علم اسلام کی نسبت ایسا ہو، وہ اسلام کی خوبیوں سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں۔ اسلام عرب کے لئے اور قدیمی ماتہ

عرب کے لئے ہی نہ تھا، بلکہ جیسا اسلام عرب کے لئے تھا، ویسا ہی عجم کے لئے، اسلام جیسا اُس زمانہ کے لئے تھا، ایسا ہی اس زمانہ کے لئے بلکہ الی یوم القیامت رہیگا۔ اسلام ہی وہ چیز ہے جس نے آباؤ اجداد کی کورانہ پیروی سے نکال کر راستی حق پرستی اور ترقی کی راہ پر ڈالدیا۔ قرآن میں خدا جابجا یہی فرماتا ہے یعلکم۔ تعلکم۔ یعقلون۔ یعلکم۔ یعقلون (یعنی شاید تم ان باتوں کو سمجھو) خلاف عقل ایک بات کی تعلیم اسلام نے نہیں دی۔ تم عقل رکھتے ہو۔ فاترالعقل نہیں ہو۔ خدا کے فضل سے آنکھیں رکھتے ہو، اندھے نہیں ہو، گو غفلت کا پردہ آنکھوں پر پڑ گیا ہے، دو زبردست انگلیاں درکار ہیں تاکہ اس پردہ کو اُٹھاویں، اُس کے بعد دیکھ لو۔ کان رکھتے ہو بہرے نہیں ہو۔ مگر روئی کانوں میں ٹھسی ہوئی ہے۔ مگر انگلیوں کو حرکت دینے کی ضرورت ہے تاکہ کانوں کی ٹھینٹیاں نکال دیجاویں۔ غرضکہ وہ آگ جو ہمارے آباؤ اجداد نے سلگائی تھی گو بجھ کر راکھ ہوگئی ہے، لیکن اُسکی کچھ چنگاریاں ابھی تک ہر ایک دل میں باقی ہیں ممکن ہے کہ یہ چنگاریاں پھر بھڑک اُٹھیں۔ جب تک تم کو لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ یاد ہے اور کوئی مسلمان اس پاک کلمہ کو نہیں بھول سکتا، حتےٰ کہ جن کو تم نیچری کہتے ہو، وہ بھی نہیں بھول سکتے، اگرچہ وہ بھولنا ہی چاہیں اور اس کلمہ طیبہ کو دل سے بھلا دینے کی کوشش بھی کریں، تو بھی نہ بھولینگے، کیونکہ پیدا ہوتے ہی اسلام کی آواز کان میں ڈالی گئی ہے، ممکن نہیں کہ اس آواز کو بھول سکیں۔ اُنہوں نے بچپن میں آغوش مادر میں رہکر اسلام کا دودھ پیا، اسلام اُن کے رگ و ریشہ میں دوڑ گیا ہے، اگر وہ اس دودھ کو اپنے جسم سے نکالنا چاہیں تو نہیں نکال سکتے۔ اسلام جیسا تازہ تھا بنا رہیگا، اور خدا کا وعدہ پورا ہوگا۔ کانفرنس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے، کہ یہ تو چند ملحدوں اور لامذہبوں کا جلسہ ہے۔ اگر نیچریت و الحاد اسی کا نام ہے، اگر لامذہبی اسی کو کہتے ہیں کہ خدا کو ایک جانیں اور محمد رسول اللہ کو نبی برحق۔ تمام مسلمانوں کو بھائی، اور خدا کے بندوں اور اپنے بھائیوں کی حالت زار پر آٹھ آٹھ آنسو روئیں اور اپنی قوم کو زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنے پر آمادہ کریں، اور جو درجہ عزت و کمال، عظمت و جلال، اور علم و عمل اگلے مسلمانوں نے حاصل کیا تھا، اُس کے حاصل کرنے کی اُنہیں ترغیب دیں اور اُن کی موجودہ پست حالت پر رات دن غمگین ہو کر آنکھوں سے آنسو بہائیں۔ اگر کوئی ایسا شخص ملحد ہے تو میں پکار کر کہتا ہوں کہ میں ملحد اور تم سب ملحد۔ اور خدا بھی ایسے سے خوش ہے۔ ہاں ملحد وہ ہے جو خدا کا منکر ہو، ملحد وہ ہے جو رسول کا منکر ہو، ملحد وہ ہے جو دین سے منحرف و اسلام سے خارج ہو، قرآن و حدیث کے کسی عقیدہ کا منکر ہو، ملحد وہ ہے جو مسلمانوں کی بھلائی نہ چاہے۔ مسلمانوں کو آپس میں لڑائے، آپس میں بغض و حسد رکھے، اور بے اتفاقی کا حیلہ کرے۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون ملحد ہے؟ اور کون سچا مسلمان ہے، ہمارا تو یہی عقیدہ ہے اور یہی ایمان۔ ایمان کو جانے دو عقل خود بتاتی ہے کہ مسلمان تو مسلمان کوئی قوم بھی خواہ وہ ہندو ہو یا یہودی خواہ عیسائی ہو، جب تک وہ مذہب کے پابند نہ ہو۔ صدق دل سے اپنے مذہب پر ایمان نہ رکھتی ہو، اور ارکان مذہب کی پابند نہ ہو، دین کو دنیا پر مقدم نہ سمجھتی ہو، کبھی دنیا میں کامیابی حاصل

نہیں کرسکتی، الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا دین کی کھیتی ہے) بڑے بڑے میاں دین ہم کو دنیا کا کٹ کتے ہیں۔ ہاں صاحب ہم دنیا کے کتے ہیں، لیکن ہمیں دین کے کتے تو دکھاؤ جو بغیر ہڈی کے زندہ رہتے ہیں! اگر آپ مجھے اجازت دیں اور معاف کریں تو میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا کے کتے کی چچی ہوئی ہڈی نہ ہو، تو یہ دین کے شیر کیا کھا کر زندہ رہینگے۔ اگر دنیا اور اُس کی دولت ملعون ہے، تو خدا نے زکوٰۃ کیوں فرض کردی، جب خدا ہم کو چالیس روپیہ جمع کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ تو زکوٰۃ کا کیوں حکم دیتا ہے، نہ ہمارے پاس چالیس روپیہ ہونگے، نہ ہم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جب گورنمنٹ ہم کو تجارت کرنے کی اجازت نہ دیگی، تو ٹیکس کہاں سے طلب کریگی۔ اسلام جوگی بننا اور رہبانیت نہیں سکھلاتا۔ لا رہبانیت فی الاسلام۔ اسلام قانون قدرت کے موافق ہے، دنیا میں جو چیزیں پیدا کی گئی ہیں اس لئے تاکہ خدا کی شان کو پہچانیں، اُس کی قدرتوں اور اُس کی نعمتوں کو جانیں۔ خدا فرماتا ہے، کہ کون شخص ہے جو میرے بندے کو میری نعمتوں سے روکتا ہے۔ اگرچہ اگلے زمانہ کے لوگ جَو کی روٹی کھاتے اور کپڑوں میں پیوند لگاتے، مگر کس حالت میں جب کہ دنیا کی سلطنت کرتے۔ سمورو حریر کے خلعت دیتے اور لاکھوں روپیہ خیرات کرنے کا مقدور رکھتے تھے، درحقیقت وہی اصل تارک الدنیا ہوتے تھے۔ نفس کشی کرتے پیوند لگاتے لیکن شاہی لباس پہننے کا مقدور رکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے، اور ایک بڑھیا کا چولہا بے تکلف جاکر سلگا دیتے مگر وہ کون حضرت عمر تھے؟ وہ عمر تھے جو عرب و عجم کے بادشاہ تھے، بادشاہ کیا وہ امیر تھے۔ بادشاہی کی حالت میں گدائی کرتے وہ فقر تھا الفقر فخری، فقیری اُن کا فخر تھا کہ سب کچھ پاس رکھتے، لیکن اپنے نفس پر استعمال نہ کرتے تھے۔ ایک دوسری حدیث ہے کہ فقیری کفر کی حد تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ فقیری ہم تارک الدنیا لوگوں کی ہے کیونکہ ہم جو دولت نہیں چاہتا۔ مگر بغیر محنت کے دولت ہاتھ آنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی اکسیر کا نسخہ ملجائے کہ نہ کچہری جانا پڑے، نہ نوکری کرنی پڑے، تانبے کو آگ پر رکھا اور سونا ہوگیا، کوئی وظیفہ تسخیر کا ملجائے، تاکہ بادشاہ اور دولتمند تابع ہو جاویں، اور جو ہم حکم دیں وہ حاضر کریں۔ کوئی عمل دست غیب کا معلوم ہو جاوے کہ پانچ اشرفیاں روزانہ صبح کو تکیہ کے نیچے مل جایا کریں۔ لیکن اکسیر کا نسخہ کیا ہے؟ خود تمہارے ہاتھ کی قوت ہے، تسخیر کا عمل خود تمہارے اخلاق حسنہ اور تمہاری قابلیت ہے۔ دست غیب کیا ہے؟ تحصیل علوم و فنون۔ دولت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، تمہاری تعلیم اور علوم و فنون کا استعمال میں لانا اور محنت کرنا۔ جو لوگ تارک الدنیا ہونے کے مدعی ہیں حقیقت میں وہ تارک الدنیا نہیں بلکہ متروک الدنیا ہیں۔ اگر آج کوئی پانچ ہزار روپیہ لیکر خیرات کرنے کو کھڑا ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ مدرس میں کوئی جگہ ایسی ہو جہاں آپ نہیں دعوے خیر کرنے والے مولوی صاحبان اُن اپنی نورانی کو لیئے اپنی ردائیں دیکھنے کے لئے آمادہ نہ ہونگے۔ اصل اس تقریر کا یہ ہے کہ کانفرنس کو یہی منظور ہے کہ قوم کو تعلیم و تربیت کی [illegible]

دیجاوے، اور مسلمانوں کے ایسے مدرسے قائم ہوں، جہاں تعلیم و تربیت کے عمدہ سامان ہوں۔ تعلیم نہ صرف دنیاوی ہو بلکہ دنیا کی تعلیم کے ساتھ دین کی اور اسلام کی تعلیم بھی ہو۔ یہ کہدینا آسان ہے کہ مسلمان نہیں پڑھتے، یہ خیال لغو ہے کہ مسلمانوں کو علم کا شوق نہیں۔ لڑکے کہاں پڑھیں اور کیسے پڑھیں؟ کیا آپ نے اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی بیت مقدس بنا کھڑا کر دیا ہے۔ اس وقت جو مدارس ہیں وہ سرکاری ہیں جہاں مذہبی اور اسلامی تربیت کا نہ کچھ انتظام موجود ہے اور نہ موجود ہو سکتا ہے۔ یا مشنری اسکول ہیں جہاں انجیل پڑھائی جاتی ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کو عزیز رکھتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ مسجدوں سے اللہ اکبر کی آواز آرہی ہے، اور مشنری اسکولوں میں گاڈ اور ڈاگ پڑھایا جاتا ہے، بتائیے کہ ایسی حالت میں مسلمان بچے کیونکر ان مدارس میں تعلیم پاویں *

گورنمنٹ کی بڑی مہربانی ہے کہ اُس نے رعایا کی تعلیم کے لئے ہر قسم کی آسانی کر دی ہے ہم مشنریوں کے بھی شکرگزار ہیں کہ اپنے ملک کا کروڑوں روپیہ صرف کر کے اس ملک میں اشاعت تعلیم کرتے ہیں۔ لیکن مشنریوں کو کیا غرض ہے کہ وہ آپ کے مذہب کی تعلیم کا بندوبست اپنے روپیہ سے کریں اُن کو اپنے مذہب کی محبت اور ترقی کی فکر ہونا چاہئیے۔ ہم کو اُن سے اس امر کی شکایت کا کیا استحقاق ہے کہ اُنہوں نے ہماری مذہبی تعلیم کا کچھ انتظام نہیں کیا۔ گورنمنٹ کی رعایا میں مختلف مذہب اور مختلف قوم کے اشخاص ہیں، اُس کو ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب کا یکساں خیال ہے کیا وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام کرے اور پارسیوں، ہندوؤں کی مذہبی تعلیم کا کچھ بندوبست نہ کرے ۲۸ کروڑ باشندوں میں صرف ۵ کروڑ مسلمانوں کے قرآن و حدیث پڑھانے کا بندوبست کرے، لیکن وید کی تعلیم کا کچھ انتظام نہ کرے، بدیں وجہ مسلمانوں کو کوئی استحقاق نہیں ہے کہ جو کچھ انتظام گورنمنٹ نے اپنی مہربانی سے کیا ہے اُس سے زیادہ طلب کریں اور اگر طلب کریں، تو گورنمنٹ کیونکر ان کی خواہشات کو پورا کر سکتی ہے اور اگر گورنمنٹ پورا کرے تو یقیناً بدنام ہو کہ ایک قوم کے ساتھ خاص رعایت کی جاتی ہے *

صاحبو! تم بھی ہٹے کٹے او مضبوط ہو، ہاتھ رکھتے ہو، جیسے ہندو۔ آنکھیں رکھتے ہو مثل عیسائیوں کے کان رکھتے ہو جیسے پارسی رکھتے ہیں۔ پس اگر تم ہاتھ پاؤں نہ ہلاؤ۔ آنکھوں کو خود ہی بند کر لو، کانوں میں روئی ٹھونس لو، اور بحس و حرکت مثل لاش کے پڑے رہو، تو کوئی تمہاری لاش کیوں اُٹھانے لگا، البتہ دم نکل جانے کے بعد قبرستان میں جا کر دفن کر دیا جائیگا۔ ایک مثل مشہور ہے کہ ایک آرام طلب آدمی ایک درخت کے نیچے لیٹا تھا مکھیاں مُنہ پر بھنک رہی تھیں ایک سوار اُدھر سے گذر رہا تھا آواز دی کہ للہ میرے حال پر رحم کرو اور میرے پاس آؤ، جب سوار گھوڑے سے اُتر کر آیا، اور اُس کی حالت پر ترس کھا کر کہا کہ جو خدمت مجھ سے چاہتا ہے، میں تیری خدمت کرنے کو حاضر ہوں، تو اُس سے گڑگڑا کر کہا کہ ذرا میرے مُنہ کی مکھیاں اُڑا دو۔ سوار نے جب دیکھا کہ نہ کوئی زخم ہے اور نہ گھاؤ، بلکہ محض کاہلی کی وجہ سے

اس نے اپنا یہ حال کر رکھا ہے تو نعلین بشیطین اُتار کر مارنا بھی شروع کریں ✦

پس اے حضرات! جو کام کہ ہم خود کر سکتے ہیں اور بوجہ اپنی بے پروائی کے نہ کریں وہ مثل اُس آرام طلب کے سوال کی ہے کہ جس نے سوار سے اپنے منہ کی مکھیاں اُڑانے کو کہا تھا۔ اپنی اولاد کی تعلیم اپنے مذہب کی حفاظت و حمایت خود ہمارے کرنے کے کام کے ہیں نہ دوسروں سے درخواست کرنے کے۔ بہرحال غرض اس کانفرنس سے یہی ہے کہ مسلمان اپنی قوم کی دینی و دنیاوی تعلیم کا خود بندوبست کریں۔ ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم کو مذہبی تعلیم کا کچھ خیال نہیں ہم مذہبی تعلیم سے مسلمانوں کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں لعنت ہو اُس پر جو مذہبی تعلیم سے مسلمانوں کو علیحدہ رکھنے کی خواہش کرے۔ ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم اسلام کے خلاف نیچریت و دہریت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لعنت اللہ علیہم۔ خدا اُس دن کو نہ رکھے جب ہماری یہ کوشش ہو، لیکن ہاں اس میں شک نہیں کہ ہم مسلمانوں کی دینی و دنیاوی تعلیم ساتھ ساتھ ہونا چاہتے ہیں، اور ہم بلند آواز سے کہتے ہیں، خواہ تم اس پر کفر کے فتوے دو یا لعنت کرو کہ لیکن اگر جب تک مسلمان انگریزی نہ پڑھینگے، رفتار زمانہ کے موافق نہ چلینگے، اور جو سیلاب آرہا ہے اُسے نہ روکینگے، تو دنیا میں ذلیل ہونگے۔ ابھی کیا ہوا ہے کھانے کو روٹی، پہننے کو کپڑا ملتا ہے، آیندہ بیٹوں اور پوتوں کی یہ حالت ہوگی کہ یا عیسائیوں کے یتیم خانوں میں مسلمانوں کے بچے ہونگے، ورنہ بھیک مانگتے ہونگے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اپنی اصلی قوت حاصل کریں۔ اور تعلیم پائیں؎

نیست یاران طریقت غیر ازیں تقصیر ماست

جب ہم لوگ مختلف صوبوں کے باشندے اکٹھے ہو کر کسی نئی جگہ کانفرنس میں شریک ہونے جاتے ہیں تو ہر جگہ یہ غل ہوتا ہے کہ علیگڈھ پارٹی آتی ہے نیچری اور کرسٹان آتے ہیں۔ لوگوں کو دہریہ بنانیوالے آتے ہیں۔ ہاں صاحب علیگڈھ پارٹی آتی ہے "وہ آئی وہ آئی"۔ "ذرا صورت تو دیکھ لو"۔ "صورت تو مسلمانوں کی سی ہے، باتیں بھی مسلمانوں جیسی کرتے ہیں"۔ "اجی دھوکہ ہے، نظربندی ہے"۔ "ہم تو صورت نہ دیکھینگے"۔ حالانکہ ہم مسلمان ہیں، اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں، خدا کو ایک اور پیغمبر اور اُس کی کتاب کو سچا سمجھتے ہیں، لیکن قصور صرف اس قدر ہے کہ تمہارے درد سے تم کو آگاہ کر کے اُس کے علاج کرنے کی صلاح دیتے ہیں، درد کی دوا بتاتے ہیں، کون کہتا ہے کہ ہم سے غلطیاں نہیں ہوتیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم سے غلطیاں ہوتی ہیں، اور دنیا کی کوئی انجمن، اور کوئی صحبت غلطیوں سے پاک نہیں ہو سکتی، وہ صرف خدا کی انجمن ہے جو غلطیوں سے پاک صاف ہے۔ پس یہ مجلس اسی غرض سے ہے کہ باہم نیک نیتی کے ساتھ مشورہ کر کے ایک دوسرے کی غلطیوں کی اصلاح کی جاوے، اور ہر ایک کو اس امر کا خیال ہو کہ جو عظمت و جلال پہلے مسلمانوں کا تھا وہی اس زمانہ میں بھی کسی طرح حاصل ہو۔ ہم میں باہم اختلاف رائے بھی ہوتا ہے، لیکن کونسا اختلاف۔ وہ اختلاف جس کی نسبت ارشاد ہے کہ اختلاف العلماء رحمۃ

ہم مختلف مقامات پر اس لئے نہیں جاتے کہ علیگڈھ کالج کے لئے روپیہ جمع کریں، بلکہ ہم جہاں جاتے ہیں
سب سے اول مقام کی ضروریات پر توجہ کرتے ہیں، چنانچہ جب کلکتہ میں کانفرنس ہوئی، تو سب سے
اول وہاں کے حالات پر توجہ کی گئی اور کلکتہ کا مدرسہ عالیہ جو ۱۷۸۲ء میں گورنمنٹ نے وہاں کے مسلمانوں
کے فائدہ کے لئے قائم کر کے مسلمانوں کے ہاتھ میں اُس کا انتظام سپرد کیا تھا۔ لیکن اُس کی حالت روز روز
خراب ہوتی جاتی تھی، تمام مسلمان نالاں تھے، کہ اُس سے کچھ نفع نہیں۔ کانفرنس نے مدرسہ عالیہ کے
حالات پر توجہ کی اور رزولیوشن پاس کیا۔ حضور نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر بنگالہ بھی اُس اجلاس
میں تشریف لائے، اُنہوں نے کانفرنس کی اس کوشش پر مبارکباد دی۔ کانفرنس نے ایک سب کمیٹی
قائم کی تاکہ مدرسہ عالیہ کے انتظام پر غور کر کے ایک رپورٹ تیار کرے، چنانچہ وہ رپورٹ گورنمنٹ کے
سامنے پیش ہے۔ اب فرمائیے کہ کانفرنس نے اگر مسلمانوں کے مدرسہ عالیہ کی اصلاح کی تو وہ مستحق تعریف ہے
یا قابل اعتراض۔ جب ہم مدراس آئے، تو سب سے پہلے ضرورت ہوئی کہ ہم مدرسہ اعظم کے حالات کی نسبت
تحقیقات کریں، چنانچہ ہم نے خوشی سے سُنا کہ نواب صاحب کرناٹک نے خدا اُن کو جنت نصیب کرے
مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ایک ہزار روپیہ ماہوار کے خرچ سے یہ مدرسہ قائم کیا تھا اُن کے انتقال کے بعد
اُس مدرسہ کا انتظام گورنمنٹ کے تحت میں آگیا۔ لیکن اب اُس کا انتظام اچھا نہیں ہے چنانچہ حیدر شریف
صاحب نے جن کے دل میں قومی درد ہے ایک رزولیوشن جو دانشمندانہ اور مفید ہے پیش کرنے کا ارادہ
کیا ہے اگر مثل کلکتہ کے یہاں بھی سب کمیٹی قائم ہو جاوے، اور محققانہ طور سے رپورٹ مرتب کر کے گورنمنٹ
کی خدمت میں پیش کی جاوے، تو میں اپنے یقین اور دلی ایمان سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خاص کر مدراس
کے مسلمانوں کی درخواست پر گورنمنٹ ضرور توجہ کریگی کیونکہ گورنمنٹ سے زیادہ کوئی اس امر کا خواہاں
نہیں ہے کہ مسلمان ترقی کریں، گورنمنٹ ہر طرح مستعد ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم میں مدد دیجاوے۔ گورنمنٹ
کا یہ پولیٹکل اصول ہے کہ جو قوم ایک زمانہ میں بڑی طاقت رکھتی اور جس میں اب تک شرافت کی بو باقی ہے وہ بست
نہو۔ اے صاحبو! وہ گورنمنٹ ایک ایسی قوم کو جس کے کارنامے دنیا کی تاریخ میں عزت کے ساتھ دیکھے
جاتے ہیں کس طرح نیست و نابود ہونے دیگی، جو ٹوٹے پھوٹے قدیم کھنڈروں کو درست رکھتی ہے، قدیمی
دستاویزات جن میں لاکھوں روپیہ صرف کر کے جمع کرتی، اور اُن کو عجائب خانوں میں حفاظت سے رکھتی ہے
کیونکر مٹنے دیگی، جب کہ وہ قدیمی اینٹ پتھروں کے مکانات کو درست رکھتی ہے، تو خدا کے بنائے ہوئے
انسانوں کے مٹنے کی وہ کیونکر روادار ہو سکتی ہے۔ گورنمنٹ کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ وہ مسلمانوں کی ترقی
میں مدد دینا نہیں چاہتی نہایت خراب خیال اور بالکل بدگمانی ہے۔ گورنمنٹ مدد کرنے کو تیار ہے، لیکن
اسی وقت جب کہ تم خود بھی اپنی مدد کرو۔ جب کہ خدا اُنہیں لوگوں کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد آپ کرتے
ہیں تو گورنمنٹ نے جو یہ اصول کیا ہے، تو وہ حق پر ہے، بہر حال یہ رزولیوشن ہر طرح مفید اور کار آمد ہے

اور بجائے اس کے کہ شاعرانہ قصائد خوانی ہو، فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے جائیں، ضرورت ہے کہ ایسی ہی مفید باتوں پر غور کیا جائے جن کو اس قسم کے معاملات سے واقفیت ہے انہیں لازم ہے کہ وہ رائے دیں تاکہ اصل مسئلہ پر غور کیا جائے اور بجائے اس کے کہ علٰحدہ کالج بناؤ یہ مناسب ہے کہ اسی مدرسہ کی اصلاح کرو اور ترقی دیکر اسی کو محمڈن کالج سمجھو ؛

نمبر ۵۸

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰ - دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ مدراس میں مسٹر ماریسن صاحب بہادر کی رائے کی تائید میں فرمائی :-

حضرات !

مسٹر ماریسن صاحب نے جو رائے اس وقت دی ہے آپ کو شکر گذار ہونا چاہئے کہ باوجود یورپین اور عیسائی مذہب ہونے کے اُنہوں نے ہم کو کیسی نیک صلاح دی ہے، اُن کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ مسلمانوں کے بچّے مذہبی تعلیم پاویں اور فرائض مذہبی کے پابند ہوں، وہ علیگڈھ کالج میں مسلمانوں سے زیادہ مذہبی تعلیم کی نگرانی رکھتے ہیں۔ مذہبی تعلیم کے وقت اکثر خود کلاس میں جاتے، مذہبی تعلیم کے ہر طرح کا انتظام کرتے ہیں۔ مسجد میں اکثر جا کر دیکھتے ہیں کہ کون کون طالب علم موجود نہیں ہے، لیکن اس خیال سے ہر ایک غیر مذہب کا شخص اس قدر توجہ دوسرے مذہب کی بابت نہیں کر سکتا۔ لہذا اُن کی یہ رائے ہے کہ مذہبی تعلیم اور ادائے فرائض کا انتظام کسی مقدس مولوی کے ہاتھ میں ہو۔ اگرچہ علیگڈھ کالج میں ۹ سے ۱۰ مسلمان بورڈر ہیں گو وہاں وہ خود بہت کچھ انتظام آپ کرتے ہیں تاہم اُنہیں کی رائے سے ناظم امور دینیات ایک مقدس عالم کو مقرر کیا گیا ہے اور یہی اُن کی رائے مدرسۂ اعظم کی نسبت ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ سب صاحب مسٹر ماریسن صاحب کی اس نیک صلاح اور دلسوز مشورہ کی بابت اُن کا شکریہ ادا کرینگے اور اُن کی اس صلاح کو دل سے پسند فرماوینگے"؎

[illegible] ۱۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸ - دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء کو اجلاس محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مدراس میں بتائید رزولیوشن نمبر ۱۶ (جو بجنسہ ذیل میں درج ہے) تائید کرتے ہوئے فرمائی :-

(یہ کانفرنس گورنمنٹ مدراس سے استدعا کرتی ہے کہ ہندوستانی (اردو) زبان کی سرکاری امتحانات سررشتہ میں بطور سرکاری زبان کے منظور فرماوے۔ نظر بریں کہ مسلمہ السنہ میں سے زبان ہندوستانی کے شامل نہ ہونے سے اُن مسلمانوں کو جو سرکاری ملازمت میں داخل ہوتے ہیں نقصان پہنچتا ہے) ؛

حضرات !

جو رزولیوشن کہ اس وقت آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے میں اس وقت آمادہ نہیں ہوں کہ اُس کی تائید یا تردید کر سکوں، کیونکہ اس کے لئے وسیع واقفیت کی ضرورت ہے۔ اور مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف ہے کہ اس مسئلہ پر کافی واقفیت بہم پہنچانے اور علم الاعداد کے معلوم کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ لیکن جب کہ ایک معاملہ کانفرنس میں ایسا پیش ہو کہ جس کی کامیابی یا ناکامیابی پر مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہو، تو خاموش رہنا کسی طرح مستحسن ہے اور نہ سزاوار۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اس پر خوب بحث اور کامل تنقیح کی جاوے۔ آزادی کے ساتھ خیالات کا اظہار ہو۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا، تو کانفرنس کا مدراس میں منعقد ہونا کسی طرح مفید نہ ہوگا۔ لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ گورنمنٹ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش کیا جاوے، تو ہر طرح مدلل ہونا چاہئے۔ میں اس وقت اس رزولیوشن کی تائید کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ اور مجھے صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ مسٹر ایس صاحب نے جو تقریر کی ہے وہ مبنی ہے ہندسوں پر اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندوستانی زبان کا رواج اس صوبہ میں کم ہے لیکن اس امر کا فیصلہ کرنا ہے کہ گورنمنٹ کو کونسا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہے آیا گورنمنٹ کو بجا رٹی اور مائنارٹی پر فیصلہ کرنا چاہئے یا بلحاظ ایک عادل گورنمنٹ ہونے کے کہ وہ ہر ایک فرقہ رعایا کی عزت و عظمت قائم رہنے کی خواہشمند ہے اگر ایک دانا گورنمنٹ صرف ایک ہی پائنٹ پر فیصلہ کرے کہ کس زبان کے بولنے والے کم ہیں اور کس زبان کے بولنے والے زیادہ تو میرے نزدیک ایسی گورنمنٹ دانشمند اور دوراندیش اور مصلحت بین نہیں کہی جا سکتی۔ برٹش گورنمنٹ کی انصاف پسندی اور دانشمندی سے ہرگز یہ امید نہیں ہے کہ اگر ادب کے ساتھ گورنمنٹ کو اپنی ضروریات سے مطلع کیا جاوے، مدلل کے ساتھ ان مسائل کو ظاہر کیا جاوے کہ جو ان کی قومی زبان کو سرکاری عہدوں کے امتحانات سے خارج رکھنے کی وجہ مسلمانوں

کو پہنچتے ہیں، تو گورنمنٹ ایک منٹ کے لئے بھی پسند اس کو جائز نہ رکھیگی اور بے تعلق اُردو زبان پر ایسا فیصلہ نہ کریگی۔

حضرات! ہم خوب جانتے ہیں کہ مسلمان دولت میں کم ہیں، علم میں کم ہیں، تعداد میں کم ہیں، اور پھر ہم کئی بیماریوں اور شائستگی میں بھی اپنے اعمال کے مبتلا ہیں اور آپ نے دیکھا کہ ہم جب سے یہاں آئے ہیں، برابر آپ کہتے ہیں کہ جو کام خود تمہارے کرنے کے ہیں اُن کو تم گورنمنٹ سے ہرگز مت مانگو، بلکہ خود کوشش کرو، لیکن اسی کے ساتھ ہم گورنمنٹ کے خوشامدی نہیں ہیں، ہم کو گورنمنٹ کی دور اندیشی پر اطمینان اُس کے انصاف پر بھروسہ اور اُس کی رحمدلی پر وثوق ہے، پس ہم گورنمنٹ کے انصاف پر مجبور ہو کے اپنے قومی حقوق کے لئے گورنمنٹ سے جھگڑینگے اور ضرور حقوق طلب کرینگے، اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف قلت بولنے والوں پر خیال کیا جاوے اور مسلمانوں کی حیثیت اُن کی حالت اور دوسرے وجوہ پر خیال نہ ہو اور گورنمنٹ اگر مسلمانوں کی حالت کا خیال نہ کرے تو درحقیقت بڑی غلطی ہوگی، ہندوستان میں سے کہا میں، مسلمان بھی آخر حق رکھتے ہیں، اگر کوئی ظالم گورنمنٹ ہوتی، تو ہم مسلمانوں کے حقوق اُس گورنمنٹ سے طلب کرنے کی جرأت ہرگز نہ کرتے، ہماری گورنمنٹ کا یہ اصول ہے کہ جو ملک خدا نے اُس کو دیا ہے اُسے آباد رکھے، جو قومیں اُس میں رہتی ہیں اُن میں علم و شائستگی کی روشنی پھیلاوے اور اُن باتوں کا جن پر اُن کی ترقی اور تنزل موقوف ہے اُس کا خیال رکھے۔ اور صرف قلت و کثرت پر لحاظ کر کے اور حالات سے چشم پوشی نہ کرے۔

حضرات! مسئلہ زبان معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ دولت، تہذیب، شائستگی، اور علم اور ایمان کا مدار سب زبان پر منحصر ہے۔ جب زبان ہی ہم سے لے لی گئی، تو درحقیقت ہم سے سب چیزیں لے لی گئیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ خود ہم مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کرتے۔ وقت پر اس کا مطالبہ نہیں کرتے، گورنمنٹ پر اپنے حقوق اور اپنی حالت ظاہر نہیں کرتے، درحقیقت گورنمنٹ کو پورے طور پر معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہم کیا حقوق رکھتے ہیں، ہماری خواہش کیا ہے، ہمارا قومی نقصان کن باتوں سے ہوتا ہے۔ نہ ہمارے یہاں کوئی جماعت ہے جو ہماری وکالت کرے، نہ ہمارے یہاں کوئی انجمن ہے، کہ ہمارے حقوق کی محافظ ہو نہ ہم کو خود اپنے حقوق کا خیال ہے، تاکہ گورنمنٹ بھی اُس کا خیال کرے۔ خود ہماری غفلت سے نقصان ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اسی مسئلہ پر جو اس وقت پیش ہے غور کیجئے۔ کہ چالیس برس ہوئے ہماری زبان ہمارا خط دفتروں سے اُٹھ گیا اور ہم نے کچھ خبر نہ لی۔ اگر وقت پر ہم اس کی خبر گیری کرتے اور اپنی آنے والی مصیبت گورنمنٹ پر ظاہر کرتے، تو یہ روز بد ہم کو کیوں نصیب ہوتا۔ اب جو یہ تحریک کی گئی ہے، اگرچہ بہت ضروری ہے مگر بہت دیر ہو جانے سے اُس کی منظوری مشکل ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ گورنمنٹ سے لیکر [illegible]

ایسی ہے، اُس پر زبان کے جاننے والے بہ نسبت دوسری زبان کے زیادہ جاننے والوں کے کم ہیں۔ اس تجویز پر گورنمنٹ کو متوجہ کرنے کے لئے بہت استقلال اور قوت درکار ہے، مگر تمہارا دعوےٰ بے دلیل نہیں ہے، اور تمہاری تحریک ناواجب نہیں ہے۔ میرے معزز دوست سید شریف صاحب نے اس کی تائید میں بہت سی ایسی باتیں بیان کی ہیں، جو گورنمنٹ کے غور اور لحاظ کرنے کے قابل ہیں۔ اور میں مایوس نہیں ہوں کہ اگر عمدہ طور سے تم اپنا دعوےٰ پیش کروگے استقلال سے، اور ادب سے، اور سنجیدگی سے گورنمنٹ کو متوجہ کرنے کی کوشش کروگے، تو گورنمنٹ اُس پر خیال نہ کرے اور ایسی ضروری درخواست کو بے توجہی سے نامنظور کرے *

نمبر ۹۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مدراس میں ۲۹ دسمبر ۱۹۰۱ء کو نواب گورنر صاحب مدراس کے خیر مقدم میں فرمائی :-

یور اکسیلنسی !

مَیں یقین کرتا ہوں کہ مَیں کچھ غلطی نہ کرونگا، اگر یہ کہوں کہ نہ صرف اس مجمع مسلمانان کی بلکہ کل مسلمانان مدراس کی، نہ صرف مسلمانان مدراس کی، بلکہ کُل مسلمانان ہندوستان کی طرف سے، مَیں اُس احسان اور مہربانی کا جو یور اکسیلنسی نے یہاں تشریف لانے سے ظاہر کی ہے شکریہ ادا کرتا ہوں *

ہم یہاں اس قدر دور دور دراز مقامات سے اس لئے نہیں آئے ہیں کہ گورنمنٹ کی فیاضی پر بڑے بڑے دعوے کریں، ناواجب درخواستیں کرکے انتظام ملک کی مشکلات کو جو پہلے ہی سے زیادہ ہیں اور زیادہ کردیں۔ بلکہ ہمارے یہاں آنے کی غرض یہ ہے کہ ہم اپنے ہم مذہب بھائیوں کی خواہشات اور ضروریات کو معلوم کریں، اور اُس کے بعد اُن کو سمجھائیں کہ خود اُن کو کس طرح اپنی مدد آپ کرنا چاہیئے اور یہ کہ گورنمنٹ سے اُن کو کیا مانگنا چاہیئے، اور کیا چیز نہ مانگنا چاہیئے، کیونکہ گورنمنٹ سے ایسی چیز کا مانگنا کہ وہ نہ دیسکے محض بے سود ہے اور ہم اُن کو یہ بھی بتادیں کہ اگر وہ کسی امر کی گورنمنٹ سے خواہش کرنے پر مجبور ہوں اور کوئی چارہ بغیر گورنمنٹ سے درخواست کئے نہ ہو، تو اُن کو کس طرح اپنی درخواست گورنمنٹ میں پیش کرنا مناسب ہے *

جب سے ہم یہاں آئے اور ان ممالک کے مسلمانوں کے خیالات دریافت کئے تو یہاں کے

مشتاق رہا اور وہ لوگوں سے ملنے اور بات چیت کرنے سے (اٹھایا) یور ایکسیلنسی اس بات کے سننے سے خوش ہونگے کہ ہم نے سب کو گورنمنٹ مدراس اور بالخصوص یور ایکسیلنسی کی گورنمنٹ کا مداح اور شکرگزار پایا۔ اور یہاں کے مسلمانوں کو یور ایکسیلنسی کی گورنمنٹ پر پورا اعتماد اور کامل بھروسہ ہے، اور جو ہمدردی اور رعایا پروری مہربانی و احسان اور بالخصوص مسلمانوں کی ترقی تعلیم کا خیال یور ایکسیلنسی کو ہے مسلمانان مدراس نے نہایت ستائش آمیز الفاظ میں اس کا ذکر کیا تھا کہ ان کے بیان سے اُن کی دلی احسانمندی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اگر حقیقت حال سے واقف نہ ہونے یا غلط خیال اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کوئی ایسی درخواست یور ایکسیلنسی کی خدمت میں مسلمانوں کی طرف سے پیش ہو جس کو آپ منظور نہ فرما سکیں تو مجھے امید ہے کہ یور ایکسیلنسی اس کو شکایت تصور نہ فرماوینگے بلکہ مجھے امید ہے اُسے اُن کی حاجتوں اور ضرورتوں کی ایک عاجزانہ درخواست تصور فرماوینگے اور دلی توجہ اور مربیانہ التفات کے خواستگار ہیں۔ ہم مدراس میں اس واسطے آئے ہیں کہ اپنے بھائیوں کو سکھاویں کہ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ سیلف ہیلپ کے اصول پر کاربند نہ ہو۔ یہ اصول ہم نے آپ کی قوم سے نہیں سیکھا، اور نہ یہ ایسا عقیدہ ہے جو زمانہ حال میں ثابت ہوا ہے۔ نہیں نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ ہم کو ہمارے نبیؐ نے اور ہمارے قرآن پاک نے بتایا ہے۔ یہ اصول ہم کو انگلستان نے نہیں سکھایا، بلکہ تیرہ سو برس سے یہ آواز ہمارے کانوں میں آ رہی ہے اور ہمارے پیغمبر نے ہم کو بتایا ہے "لیس للانسان الا ما سعی" ہم کو ہمارے پیغمبر نے یہ بھی سکھایا ہے کہ ہم کو اُس عقل و دانش سے کام لینا واجب ہے جو خدا تعالےٰ نے ہم کو عطا فرمائی ہے بشرطیکہ ہم ادنےٰ جانوروں کے رتبہ کو نہ پہنچنا چاہتے ہوں۔ خدا تعالےٰ نے چرند و پرند کو تمام قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ اُن کو اُڑنے کے لئے پر دئے ہیں، سردی سے محفوظ رہنے کو بدن پر بال پیدا کئے، دشمنوں سے محفوظ رہنے کو بڑے بڑے پنجے دئے اُن کو انسان سے زیادہ قوت دی، لیکن انسان کو ایک ایسا جوہر عطا کیا ہے، جو دوسری تمام قوتوں سے افضل اور برتر ہے یعنی عقل۔ خدا نے انسان کو عقل دیکر اپنی زندگی کی تمام چیزوں کا پیدا کرنا اُسی کی محنت اور کوشش پر منحصر رکھا ہے، تاکہ وہ عقل سے کام لیکر اپنی ضرورت کی چیزیں خود مہیا کرے برخلاف دوسرے حیوانات کے کہ اُن کی ضروریات زندگی کی تمام چیزیں خود قدرت نے مہیا کی ہیں۔ اس لئے کہ اُن کو عقل عطا نہیں کی، اسی طرح گورنمنٹ بھی چونکہ ظل الٰہی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے بھی اس نظیر کی پیروی کی ہے، جو شہنشاہ حقیقی نے قائم کی ہے یعنی بجائے اُن بہت سے عطیات کے جو سلاطین سابق اپنی رعیت کو بخشتے تھے گورنمنٹ نے ہم کو امن و آزادی عطا کی ہے اور یہ وہ عطیہ ہے، جس سے ہم ہر قسم کی ترقی اور ہر طرح کی بہبودی خود حاصل کر سکتے ہیں اور اُس کا حاصل کرنا صرف ہماری سعی اور محنت پر منحصر ہے۔ خدا کی دی ہوئی عقل، اور گورنمنٹ کی عطا کی ہوئی آزادی اور امن سے پورا فائدہ اُٹھانا خود ہمارا ذاتی کام ہے۔ اگر خدا کی دی ہوئی عقل کو ہم کام میں نہ لاویں

تو یہ خدا کا قصور نہیں ہے بلکہ خود ہمارا قصور ہے اور اس وقت ہم جانوروں سے بدتر ہونگے۔ اسی طرح اگر گورنمنٹ کی دی ہوئی آزادی اور امن سے ہم نفع نہ اٹھائینگے تو ذلت میں مبتلا ہونگے اور اس کا گورنمنٹ پر الزام عائد نہ ہوگا بلکہ اس کے ذمہ دار خود ہم ہونگے۔

میں نہایت فخر کے ساتھ اس امر کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ یور ایکسیلنسی نے یہاں تشریف لاکر ہماری طرف متوجہ ہو کر ہماری عزت افزائی فرمائی اور اس امر کا کافی ثبوت دیا کہ آپ ہماری قوم کے دل سے مہربان ہیں اور اس کی بہتری چاہتے ہیں اور ہماری اس تحریک سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ جس کے ہم حامی ہیں اور آپ کی تشریف آوری ہمارے مقاصد کی کامیابی کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔

میں یور ایکسیلنسی کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگوں کا یہاں آنا آپ کی گورنمنٹ کی مشکلات نہ بڑھائیگا بلکہ ان کو کم کریگا اور ایک نئی روح سیلف ہلپ کی ہمارے بھائیوں میں پھونکیگا۔

نمبر ۶۱

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰ دسمبر ۱۹۰۱ء کو اجلاس کانفرنس منعقدہ مدراس میں رزولیوشن نمبر ۸ کی تائید کرتے ہوئے بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے اجلاس کے فرمائی۔ جس رزولیوشن کی تائید کی گئی اس کی نقل بجنسہ ہدیہ ناظرین ہے۔

رزولیوشن نمبر ۸

"ایک فنڈ جس کا نام جنوبی ہندوستان کا قومی فنڈ ہے کھولا جاوے اور پانچ برس تک جاری رہے جس کے واسطے مدراس کے اور اضلاع کی کمیٹیاں متحدہ کوشش کریں تاکہ مستقل بندوبست اعلیٰ تعلیم کے لئے مختلف شعبوں میں مستعد ہو جاویں اور قوم کی دیگر تعلیمی ضروریات کے لئے مہیا فنڈ میں روپیہ آمد ہو اور ممکن ہو تو متعدد ہائی اسکول اور کالج اس سے قائم کئے جاویں۔"

حضرات!

جو رزولیوشن اس وقت آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، میری بھی خواہش تھی کہ میں اس رزولیوشن کی ضرورت و صحت کچھ بیان کروں لیکن پرجوش ہمدردان قوم نے اس صراحت کے ساتھ نیشنل فنڈ کی ضرورت پر تقریریں کی ہیں کہ میں اب اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں خیال کرتا۔ خصوصاً شجاع الدین صاحب نے

جو تقریر کی وہ جوش دلانے کے لئے کافی ہے، کسی زیادہ تقریر کی حاجت نہیں ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ پیش شدہ رزولیوشن کو بخوشی منظور فرمادینگے"۔

(نواب محسن الملک بہادر کے اس قدر کہنے پر سب نے کہا کہ "منظور ہے" "منظور ہے"۔ یہ سنکر نواب صاحب موصوف نے فرمایا کہ "منظور" "منظور" "منظور" تو سب نے کہدیا، لیکن اے حضرات! آخر کیا منظور ہے؟ کیا ساری دنیا کی دولت کا دینا منظور ہے؟ یا ٹرنسوال میں جو سونے کی کانیں ہیں اُن کا دینا منظور ہے؟ یا قسطنطنیہ میں جو خزانہ دارالسعادۃ کا موجود ہونا بیان کیا جاتا ہے اور جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ کروڑوں اور پدموں روپیہ اور ایسے بیش قیمت جواہر ہیں کہ تمام دنیا کی قیمت سے زیادہ ہیں اُس خزانہ کا دینا منظور ہے اگر یہی منظور ہے، تو درحقیقت اس رزولیوشن کا پیش ہونا ہزار درجہ اُس سے بدتر ہے کہ کانفرنس میں ایسی تجویز کو جس پر عمل کرنے کا ارادہ نہ ہو پیش نہ کیا جاتا، اور نیز اُس کا پاس کرنا بمقابلہ خارج ہونے کے بہت زیادہ بہتر ہوتا۔ اگر آپ اس رزولیوشن کو منظور کرتے ہیں۔ تو ملک شجاع الدین کے کاسۂ گدائی میں چندہ دیجئے۔ اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اس شخص کی نظیر کی خود پیروی کیجئے، اور کاسۂ گدائی اسی طرح ہاتھ میں لیجئے، اور در دروازہ بدروازہ جاکر بھیک مانگئے۔ مسٹر ابیس صاحب نے منظور کیا ہے کہ مدراس سے جو طالب علم علیگڈھ کالج میں آن کر کالج کلاسوں میں تعلیم پاویں، تو ایسے دو طالب علموں کو بیس بیس روپیہ ہوا کے وظیفے مدرستہ العلوم کی طرف سے، دیئے جائینگے۔ اور نہ صرف اسی مدد پر ہم قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں، کہ اگر آپ کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے کر قومی فنڈ کے لئے چندہ لینے کو ہمارے ملک میں آوینگے، تو ہم اُسی طرح خوشی کے ساتھ آپ کو چندہ دینگے جیسے علیگڈھ کالج میں دیتے ہیں، کیونکہ ہم اور تم سب ایک ہیں۔ کوئی مسلمان خواہ وہ بنگال کا ہو یا بہار کا ممالک متوسط کا ہو، یا برار کا، مدراس کا ہو یا دکن کا بمبئی کا رہنے والا ہو یا سندھ کا، ممالک مغربی کا ہو یا پنجابی، نہ صرف ہندوستان کا مسلمان، بلکہ دنیا کے ہر حصہ کا مسلمان خواہ اُس کا رنگ اور لباس کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن سب آپس میں بھائی ہیں۔ ہم تو سب مسلمانوں کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں، اور جو کوئی مسلمان ترقی کرے، اُس کی ترقی کو اپنی ترقی سمجھتے ہیں ؎

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل است
خم مل ہر جا کہ جوشد ہم مل است

درحقیقت مسلمان خواہ کہیں کا مسلمان ہو اُس کی ترقی سے کل مسلمانوں کو خوش ہونا چاہئے، اگر ایک بھی قابل مسلمان قوم میں، سید محمود جسٹس امیر علی، سید حسین بلگرامی، یا طیب جی، وغیرہ جیسا نکلے تو اُس کی ذات تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے۔ اگر مدراس کا کوئی مسلمان تعلیم یافتہ ہو تو درحقیقت تمام قوم کو خوش ہونا چاہئے، پنجاب کے مسلمانوں کو علیگڈھ کالج کے کسی طالب علم کی کامیابی پر

وہ ہی مسرت ہونا چاہئے۔ جو علیگڈھ والوں کو خاص اپنے طالب علم کی ہونی ممکن ہے، علی ہذا علیگڈھ کالج والوں کو اسی طرح مدراس، بمبئی، سندھ اور بنگالہ کے مسلمانوں کی کامیابی پر مسرور ہونا چاہئے۔ یہ خیال کرنا کہ علیگڈھ کالج ابھی حالت میں ہے اور خود اپنے لئے کوشش کررہا ہے یا علیگڈھ کالج والوں کا اگر یہ خیال ہو کہ خود ہمارے پاس بہت سے کام ہیں ہمارا کالج ناتمام حالت میں ہے، ہم کو پہلے اپنے قوم کی خیر منانا چاہئے یہ نہایت غلط اور بے ہول خیال ہے کیونکہ کل مسلمان ایک جسم ہیں، اعضا مختلف ہیں، اسلام کی روح موجود ہے، جس طرح انسانی جسم کے کسی عضو کی تکلیف سے روح کو صدمہ پہنچتا ہے، اور روح کے صدمہ سے تمام اعضا کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح مسلمان خواہ کہیں کے خراب حالت میں ہوں اسلام کی رسوائی اور مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہونگے ؎

چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

میں مکرر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس وقت آپ علیگڈھ ڈیپوٹیشن لیکر آوینگے تو میں اور میرے دوست نہایت خوشی کے ساتھ آپ کو مدد دینگے اور مجھے یقین ہے کہ آپ وہاں سے کامیاب واپس ہونگے +

آپ رزولیوشن پاس کرچکے ہیں جن لوگوں نے رزولیشن پاس کرنے کے ووٹ دئیے ہیں وہ اب عملی نورانی بھی دیں کچھ نہ سہی تو اپنے رزولیوشن پاس کرنے کی شرم رکھیں۔ یہ ضروری امر نہیں ہے، کہ بڑی بڑی رقمیں دیجاویں۔ چندہ دینے والوں کی تعداد زیادہ ہونا چاہئے، گو رقم کم ہو اگر ایک ایک دو دو روپیہ بھی دئیے جاویں تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ آپ حضرات جو باہر سے تشریف لائے ہیں ریل کا کرایہ دیا۔ کھانے کے دام دئیے دوسرے اخراجات میں روپیہ صرف کیا، اگر قومی تعلیم میں مدد دیں تو ایک نیک فال اور مبارک شگون ہے اگر اس وقت موجود نہ ہو تو کل لیکر آئیے تاکہ ثابت ہو جائے کہ یہ مجلس محض باتیں بنانے والوں کی نہیں ہے بلکہ کام کرنے والوں کی مجلس ہے +

نمبر ۶۲

اسپیچ

ہز ہائینس نواب صاحب بہادر نے ۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۱ء کو محمڈن ایجوکیشنل مدراس میں بحیثیت پریذیڈنٹ ہونے کے بابت رزولیوشن اصلاح تمدن کے فرمائی۔ وہ رزولیوشن بھی بجنسہ دلچسپی کے لئے درج کیا جاتا ہے:۔

رزولیوشن نمبر ۱۰

اس کانفرنس کی رائے میں وہ وقت آگیا ہے جب کہ تعلیم یافتہ اور روشن ضمیر مسلمان تعلیم کے ساتھ ساتھ

متحدہ کوشش اِن بیہودہ اور تمدنی عادات کی اصلاح کے واسطے کریں جو مسلمانوں کو تباہ کرتی ہیں اور شریعت کے خلاف ہیں ۔ یہ کانفرنس تمدنی اصلاح کو اپنے مقاصد میں شامل کرنا منظور کرتی ہے ۔۔

حضرات !

واقعی امر یہ ہے کہ میں خوب سمجھتا ہوں، اور غالباً آپ صاحبوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا کہ اسپیکر کو کیا بیان کرنا چاہیئے ۔ اور کیا نہ بیان کرنا چاہیئے ۔ میں اس امر سے بھی واقف ہوں کہ اس جلسہ میں جو لوگ تقریر کرتے ہیں، وہ کہاں تک حدود بحث سے باہر چلے جاتے ہیں، کیوں ؟ صرف اس وجہ سے کہ یہاں نہ اس قسم کی مجلسیں ہیں، نہ ہماری قوم میں اب تک اعلےٰ تعلیم عام ہوئی ہے اور نہ تقریر کرنے کی باضابطہ تعلیم دیجاتی ہے ، ایسی حالت میں بہت کم اصحاب ایسے ہونگے جو نفس مضمون سے باہر نہ جاتے ہوں ۔ جب قوم کی عام حالت یہ ہے تو کس کس کو کس کس بات پر ٹوکا جاوے ۔ اگر ایسا ہو تو تمام کارروائی ابتر ہو جاوے ۔

حضرات ! یہ مجمع ہے مختلف الخیال اشخاص کا ، یہ مجلس ہے مختلف قابلیت کے اشخاص کی ، یہ کانفرنس ہے اس لئے کہ ہر ایک مسلمان جس کو کچھ بھی مسلمانوں کا درد ہو، جس کو ذرا سا بھی قوم کا خیال ہو وہ یہاں آن کر اپنے خیالات کا خواہ وہ خیالات موافق ہوں یا مخالف اس جلسہ میں اظہار کرے اگرچہ بہت سے خیالات خارج از بحث ہونگے ، لیکن قوم کی محبت کی جو آگ کہ دل میں بھڑک رہی ہے جو شعلے کہ مسلمانوں کی محبت کے سینہ میں اُٹھ رہے ہیں ، قوم کی محبت کی جو گرمی کہ دل میں ہے اُس کا نکلنا ہی بہتر ہے ، گو قاعدہ کی حد سے کسی قدر باہر ہو تاکہ سُننے والے خود فیصلہ کرلیں کہ جو کچھ کہا گیا اس میں کون سی بات مفید ہے اور کونسی غیر مفید ۔ جب تک کہ ہر قسم کے خیالات کا اس جلسہ میں اظہار نہ کیا جاوے اچھی اور بُری باتوں میں کیونکر فرق کیا جا سکتا ہے ۔

اگرچہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہو کہ کانفرنس میں سرسیّد کے متعلق کچھ بیان ہونا خارج از بحث ہے ، لیکن اے حضرات ! کانفرنس ، علیگڈھ کالج اور سرسیّد کی ذات ، اور اُن کی ذات کے ساتھ اُن کے خیالات ، اور کارنامے سب ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں اور کوئی ان کے بیان کرنے کی بھی حد قائم نہیں کر سکتا ۔

مدراس میں کانفرنس کا پہلا اجلاس ہے اور میں خوب واقف ہوں کہ قبل اجلاس کے یہاں کس کس قسم کے خیالات تھے اور کانفرنس سے کیسی کچھ مخالفت تھی ، اور کیا کیا واقعات پیش آئے ۔ اور کس کس قسم کی تبدیلیاں واقعہ ہوئیں ۔ یہ کہنا کہ مخالف مولوی صاحبان کو ہم نے سبق سکھانا چاہئے ۔ بالکل غلط ہے یا یہ کہ ہم ان کی تمام باتوں [illegible] صحیح نہیں ہے کیونکہ حقیقت [illegible]

اور نیز ہم بہت سی باتیں اُن پرانے بزرگوں میں ایسی ہیں جو نئے تعلیم یافتوں میں نہیں ہیں، اور ضرورت ہے کہ یہ لوگ اُن کی عمدہ باتوں کو سیکھیں، اسی طرح نئے تعلیم یافتوں میں جو باتیں ہیں وہ سب کی سب ایسی نہیں ہیں کہ اُن کو رد کر دیا جاوے، نہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ اس نئی تہذیب اور نئی تعلیم کے حامیوں کی باتوں کو غور اور توجہ کے ساتھ سُنا جاوے، اور اس امر پر خیال کیا جاوے کہ کونسی باتیں قبول کرنے کی ہیں، اور کونسی نہیں، اچھی اور بُری باتوں کے فرق بتانے کو یہ مجلس قائم کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی مجلس ہے جس کو ڈاکٹری قاعدہ کے بموجب علم کیمسٹری کہنا چاہئے۔ علم کیمسٹری وہ علم ہے جس سے ہر چیز کے اجزا علٰحدہ علٰحدہ کئے جاتے ہیں اور یہ بتایا جاتا ہے کہ کس جزو کی کس قدر مقدار ہے اور کونسے عنصر مفید ہیں اور کونسے مضر۔ چنانچہ کانفرنس بھی مفید اور مضر اجزا کو علٰحدہ علٰحدہ کر کے دکھاتی ہے یہاں پر ہندوستان اور مدراس، بلکہ تمام ملک کے ہر ہر قوم حضرات آئے ہوئے ہیں جن میں بعض کے دل میں خطرات ہونگے، بعض کے دل شبہات سے بھرے ہونگے، اور بعض صرف اس غرض سے آئے ہونگے تاکہ اُن کے شبہات کا تصفیہ کیا جاوے، اور اگر ایسے بڑے مجمع میں اُن کے خطرات اور شبہات کا تصفیہ نہ کیا جاویگا تو اور کونسا موقع اُن کو رفع شبہات کا مل سکتا ہے ۞

اے حضرات! اب نہ وہ وقت ہے اور نہ ہماری ایسی حالت کہ جو خیالات دل میں لے کر آئے ہیں وہ سینہ میں بند کر کے لے جاویں، اور منطقی دلائل سے خارج از بحث گفتگو نہ کریں یا ضابطہ و قاعدہ سے ایک انچ قدم باہر نہ جانے دیں، ابھی کچھ عرصہ تک ضرور ایسا ہوگا، اور یہی مناسب ہے کہ دلوں میں جو غبار اور دھواں بھرا ہوا ہے اُسے نکل جانے دو، اُس کے بعد جو روشنی ہوگی، ایسی روشنی جو بجلی کی روشنی کی طرح صاف و شفاف ہو کر پھیلیگی اور اسی طرح رفتہ رفتہ اصلاح ہوگی ۞

نمبر ۹۳

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۹۰۱ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مدراس میں رزولیوشن اصلاح تمدن کے متعلق آخری اسپیچ فرمائی، اس رزولیوشن کی نقل اوپر درج ہو چکی ہے:-

حضرات!

یقین ہے کہ آپ سب صاحبوں کو اس رزولیوشن کے اجلاس میں پیش ہونے سے بڑا تعجب ہوا ہوگی کیونکہ مخالف اور موافق خواہ نئے خیال کے ہوں یا پرانے خیال کے، خوش نہ ہونگے، مگر جو ...

اور بالخصوص جو احباب اس پلیٹ فارم پر تشریف لائے، اور جنہوں نے تقریر کی ہر ایک تقریر سے یہ تو معلوم ہوتا تھا کہ سب کو ایک خیال ہے، اسلام کی حمایت کا، اور دل میں درد ہے مسلمانوں کی بہتری کا، سینہ میں جوش ہے قوم کی فلاح کا۔ ہر شخص جو رائے دیتا ہے، وہ صرف اس خیال سے کہ کونسی چیز مسلمانوں کے لئے مفید ہے اور کونسی مضر۔ میرے معزز دوست بلکہ عزیز خواجہ غلام ثقلین صاحب نے جو رزولیوشن پیش کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ رزولیوشن نہایت ضروری ہے مگر بہت پیچیدہ اور بہت مشکل ہے وہ اصلاح چاہتے ہیں اور اس سے کسی کو بھی خواہ وہ عالم ہو یا جاہل انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کی اصلاح نہ ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی خود عمل کرے یا نہ کرے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ اصلاح قوم سے کسی کو اختلاف ہوتا لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ انھوں نے رزولیوشن میں الفاظ ایسے استعمال کئے ہیں، کہ جن کی وجہ سے رزولیوشن پیچیدہ ہو گیا ہے۔ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ کانفرنس میں کوئی مذہبی بحث نہ ہوگی، لیکن رسوم کی بابت جب بحث چھڑیگی تو ضرور اس پر بحث ہو گی کہ کونسی رسم دنیاوی ہے اور کونسی مذہبی۔ اور یہ نتیجہ ہوگا کہ مذہبی اختلاف پیدا ہوگا۔ بعض رسوم کی نسبت تباہ کن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اب اگر اُن مصارف پر خیال کیا جاوے، جو محرم یا محفل میلاد شریف یا بزرگوں اور پیروں کے عرس میں ہوتے ہیں، کوئی شیعہ یا سنی اُن کی نسبت تباہ کن کا لفظ سننا گوارا نہ کریگا۔ اب اگر یہ کہا جاوے کہ ان میں روپیہ زیادہ نہ صرف کرو، تو وہ یہ کہینگے کہ یہ مذہبی بات ہے، جس قدر زیادہ صرف کیا جاویگا، اُتنا ہی زیادہ ثواب ملیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مذہبی بحث کا سلسلہ شروع ہوگا، جو کانفرنس میں نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اسی کے ساتھ جو دلائل کہ محرک نے پیش کئے ہیں وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں، نہ اس قابل ہیں کہ اُن پر کسی قسم کا غور نہ کیا جاوے۔

حضرات! زمانہ کی رفتار اس قدر تیز ہے جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مرحوم سر سید کے خیالات کا سب سے زیادہ جاننے والا اور ماننے والا میں ہوں، مجھ سے زیادہ کوئی دوسرا شخص اُن کا عقیدت مند اور اُن کی عزت کرنے والا نہ ہوگا، لیکن اُن کی رائے مثل قرآن و حدیث کے نہ تھی، وہ نبی نہ تھے، وہ معصوم نہ تھے، اُن کی گفتگو وحی آسمانی نہ تھی۔ جب اُن کا کوئی قول پیش کیا جاوے جو خلاف حدیث ہو۔ تو ہم باوجود اُن کی عزت عظمت واقتدار کے سر تسلیم خم نہ کرینگے، اگرچہ یہ سچ ہے کہ سر سید نہایت عالی دماغ اور دور اندیش مدبر تھے، اور وہ شب و روز قومی ترقی کے خیالات میں مستغرق و منہمک رہتے تھے وہ جو رائے قائم کرتے بعد غور کامل کے، جو خیالات ظاہر کرتے اُس کے ہر ایک پہلو پر گہری نظر ڈالتے اور اس وجہ سے کوئی دانشمند شخص یکایک سر سید کے خیالات سے اختلاف نہیں کر سکتا، لیکن زمانہ کی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، اقتضائے زمانہ ہمیشہ دانشمندوں کو اپنے واجب الاحترام بزرگوں کی رائے سے اختلاف کرنے یا جدید تجاویز پیش کرنے کو مجبور کرتا ہے۔ پس اے حضرات! اب وہ وقت آگیا ہے کہ اگر ہم

کانفرنس کے اغراض کی توسیع نہ کرینگے اور سوشیل رفارم کو اُس میں شامل نہ کیا جاویگا تو اُس سے دو نقص پیدا ہونگے۔ اول یہ کہ نوجوان طبیعت کے بہت سے لوگ جنہوں نے نئی تعلیم پائی ہے، اور جن کے دماغوں میں جوشِ اصلاح اور آزادی سمائی ہوئی ہے وہ اس بات پر تیار اور آمادہ ہیں کہ اگر یہ رزولیوشن نامنظور ہوا، تو وہ دوسری مجلس قائم کرینگے۔ اور ہماری کانفرنس کو جو نفع اُن کی شرکت سے پہنچتا ہے اُس سے کانفرنس محروم رہیگی، دوسرے یہ کہ جو علیحدہ مجلس وہ قائم کرینگے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یقیناً یہ کہ بوجہ جوشِ آزادی ناتجربہ کاری اور مذہبی امور سے کامل عدم واقفیت کے اعتدال سے گذر جاوینگے، اور ایسی تجاویز منظور کرینگے جو باعثِ قومی نقصان اور سبب رنج کا ہوگا۔ لیکن سوشیل اصلاح کا مسئلہ اگر کانفرنس میں شامل کرلیا گیا تو ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ ہمارے شریک رہینگے، اور اُن کے خیالات کی باگ ہمارے ہاتھ میں رہیگی، ہم اُن کو ایسی تجاویز کے پاس اور اختیار کرنے سے باز رکھینگے جو شریعت کے خلاف یا قومی نقصان کا باعث ہونگی۔ بلکہ ہم اعتدال کے ساتھ سوچ سمجھ کر کارروائی کرینگے۔ لیکن اے حضرات! باوجود اس قدر اشد ضرورت کے، میں دیکھتا ہوں کہ اس رزولیوشن کے منظور کرنے میں نہایت مشکلات کا سامنا ہوگا۔ ہم کو سب سے پہلے دو باتوں پر غور لازم ہے، اول یہ کہ جو دو ترمیمیں پیش کی گئی ہیں اُن کو دیکھیں کہ کہاں تک وہ اختیار کرنے کے لائق ہیں۔ پہلی ترمیم یہ ہے کہ بعد اختتام اجلاس کانفرنس ایک خاص دن تمدن اصلاح کی تجویز کے لئے معین ہو، مگر جیسا کہ حیدر شریف صاحب نے فرمایا ہے کہ ترمیم اُس وقت ہوتی ہے جب کہ کوئی رزولیوشن مجلس کے مقاصد میں شامل ہو جاوے۔ لیکن رزولیوشن چونکہ ایزادی رزولیوشن ہے اس لئے اس کی ترمیم اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کی منظوری نہ ہوجائے مولوی جمیل الدین صاحب نے فرمایا ہے کہ جس طرح اس کانفرنس کے ساتھ تعلیم نسواں وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ سیکشن ہیں اسی طرح سوشیل اصلاح کا سیکشن قائم کردیا جاوے۔ لیکن اس وقت جو سیکشن قائم ہیں وہ درحقیقت جزو ہیں کانفرنس کے اور جب تک کہ رزولیوشن پاس نہ ہوجاوے سوشیل رفارم کا علیحدہ سیکشن بھی قائم نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ان دونوں ترمیموں کی نسبت میرے نزدیک بھی اس وقت رائے نہیں لی جاسکتی اب دوسرا معاملہ اصل رزولیوشن کے پاس یا خارج کرنے کا ہے اس پر بعض نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ اُن کے نزدیک اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔

بعض نے بیان کیا ہے کہ یہ علما کا کام ہے اور اصلاح تمدن میں اُن کا شریک کرنا ضروری ہے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ بعض مقررین جادۂ اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں اور انہوں نے علما کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے درحقیقت وہ کسی طرح مستحق نہیں۔ ایسا منہ سے بات کہدینی تو آسان ہے لیکن علما کی جو عزت وعظمت دل میں بیٹھی ہوئی ہے، وہ کسی طرح مٹ نہیں سکتی اور ایسا کہنا مناسب بھی نہیں ہے کیونکہ وہ علم دین کے رہنما ہیں وہ اپنی زندگی دینی علم اشاعت میں صرف

کرتے ہیں، ہمارے اسلام کی ہدایت پہنچاتے ہیں، وہ ہمارے پیشوا اور رہنما ہادی ہیں جیسا کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے العلماء ورثۃ الانبیاء۔ لیکن عالم سے وہ عالم مراد نہیں ہیں
جو چند کتابیں پڑھ لیتے ہیں، اور بجائے اس کے کہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کو ترقی دیں آپس میں تفرقہ
اور جھگڑا پیدا کرتے ہیں۔ تاہم آپ لوگ مانیں یا نہ مانیں، لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ عوام کے دلوں
سے علماء کی عزت و عظمت کا مٹانا نہ صرف محال ہے، بلکہ مٹانے کا ارادہ کرنا بھی غلطی ہے، کیونکہ کوئی
قوم ترقی نہیں کر سکتی بغیر رہنما کے، ہر ایک قوم کے لئے ایک ایسے گروہ کی ضرورت ہے جو مذہبی رہنما
اور پیشوا ہو۔ لیکن کوئی رہنما نہیں ہو سکتا جب تک کہ مذہب کے اعتبار سے تقدس قائم نہ کرے +

جس وقت ندوۃ العلما قائم ہوئی، اُس وقت تمام نئے تعلیم یافتوں کا خیال تھا کہ ندوہ کا وجود ہمارے
کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے خلاف ہے۔ میں نے اس غلط فہمی کے مٹانے کی غرض سے ۱۸۹۵ء
کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام علیگڈھ ایک رزولیوشن پیش کیا تھا کہ ندوہ کے مقاصد
عین ہمارے مقاصد ہیں۔ اس رزولیوشن کی تائید جسٹس سید محمود صاحب نے کی تھی، میں نے جو تقریر
اس رزولیوشن کے پیش کرنے کے وقت دی تھی اور جو رائے ندوۃ العلما کی تائید میں ظاہر کی تھی اُس کا
بیان کرنا چونکہ کسی قدر طول ہوگا اور خارج از بحث بھی ہے لہٰذا میں اس موقع پر اُس کے بیان کرنے کی
ضرورت نہیں سمجھتا +

جب ۱۱۔ نومبر کو طالبعلمان مدرستہ العلوم کی طرف سے ہم اپنے دوست سر انٹونی میکڈانل صاحب
بہادر کے پاس ایڈریس لیکر گئے تھے اور صاحب موصوف نے جو اسپیچ کہ اُس ایڈریس کے جواب میں
ارشاد فرمائی تھی اُس میں ایک فقرہ یہ بھی بیان کیا تھا کہ "ندوہ سے بچتے رہنا" اس فقرہ پر میں نے اپنے
نام سے ایک مضمون علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مورخہ ۲۸۔ نومبر میں چھپوایا تھا اور ثابت کیا تھا کہ ہمارے
لفٹنٹ گورنر صاحب کس غلطی میں مبتلا ہیں اُس آرٹیکل میں میں نے اپنے ۱۸۹۵ء کے لیکچر کے فقرات
بھی درج کئے تھے +

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب علما سے ڈرتے ہو تو کانفرنس کیوں قائم کی۔ میں اس بیان کا مخالف ہوں
صاحبو! ڈرنا دو قسم کا ہے۔ ایک ڈرنا ہوتا ہے جو خوف ہے اختلاف رائے کا فقط کانفرنس قائم کرنا علما
سے مخالفت نہیں ہے، کیونکہ جب ہم سے ڈرتے تو وہ دیکھتے کہ ہم علما کے سامنے کس قدر مودب طریقہ
سے کھڑے ہوتے ہیں، علما ہماری تقریریں سُنتے کہ خلاف شریعت ہم کچھ نہیں بیان کرتے، جو کچھ کہتے
ہیں وہ مسلمانوں کی بھلائی کی نیت سے، جب یہ حال دیکھتے تو کانفرنس کو مدعو کرنے والے علما کی خدمت
میں عرض کرتے کہ جناب فیلہ کانفرنس کی نسبت جو کچھ خبر ملی وہ غلط تھی یا نہیں اور اس طرح انجام
غلط فہمی قائم ہو جاتی۔ لیکن ایک ڈرنا ہوتا ہے اُن باتوں کی وجہ سے ڈرنا جو درحقیقت خلاف مذہب

ہیں اور جب کہ بہت سے مراسم کی بنیاد مذہب پر رکھی گئی ہے تو علمار کا خوف حق بجانب ہوتا۔

تو اے حضرات! جب کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ندوۃ العلما جس میں مختلف صوبوں کے علما جمع ہوتے ہیں اور اصلاح و ترقی قوم اور مغربی علوم و فنون کی تحصیل کی کوشش کرتے ہیں، ایسے علماء اگر ہمارے ساتھ ہونگے، تو کہاں تک کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ہمارا خیال ہے اور میری رائے میں درحقیقت ایسے علماء کی شان میں گستاخی کرنا کسی کو منظور نہیں ہے اور بغیر علما کی مدد کے اس کام میں کامیابی نہ ہوگی لیکن صرف انہیں علما کی امداد حاصل ہو سکتی ہے جو ندوۃ العلما کے ارکین یا اُن کے خیالات کے معاون ہیں، لیکن جو علماء ریڈیکل خیال کے ہیں اور مذہبی رنگ اُن پر زیادہ چڑھا ہُوا ہے اُن کے دلوں میں ندوۃ العلمار کا کیا اثر ہوا۔ کچھ نہیں بلکہ اس مقدس اور متبرک مجلس کی بھی سخت مخالفت کی گئی، نہ ہم کو اس قسم کے ریڈیکل علما سے کسی مدد کے ملنے کی امید ہے اور نہ ایسے علما کی مخالفت کا ہمیں کچھ خوف ہے۔ اب میں آپ سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ آپ میں جو اصحاب نئے تعلیم یافتہ اور اس رزولیوشن کے پاس ہونے کے حامی ہیں، وہ درصورت اس کے نامنظور ہونے کے اعتدال سے کام کرینگے اور علیحدہ مجلس قائم کرنے کا ارادہ نہ کرینگے۔ اور اگر رزولیوشن پاس ہُوا۔ تو جو بزرگ اس وقت رزولیوشن کی مخالفت کر رہے ہیں وہ مجارٹی کی عزت کرینگے اور ایسی تجاویز اختیار کرینگے تاکہ اصلاح تمدن بھی اُس حد تک ہو جاوے جس کی خود وہ بھی ضرورت سمجھتے ہیں، اور اُن برائیوں کے دُور کرنے کی کوشش کرینگے جو اُن کے اور نئے تعلیم یافتوں کے نزدیک یکساں تباہ کن اور خلاف شریعت ہیں۔ اب میں بحیثیت ممبر ہونے کے رزولیوشن کی تائید کرتا ہوں اور بحیثیت پریسیڈنٹ ہونے کے ووٹ لیتا ہوں۔

نمبر ۹۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے محمدن کانفرنس بلس کے مولوی شبلی صاحب کے لکچر اسلام کے اختتام پر بطور ریمارکس کے فرمائی :-

حضرات!

اس وقت جو مرض مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے وہ دو قسم کا ہے ایک تو وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے کوئی مسلمان دنیاوی ترقی نہیں کر سکتا، اُن کا مقولہ ہے کہ "دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ" دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ دنیا ہے، انگریزی پڑھو دنیا میں ترقی حاصل کرو

اب تو مطلب یہ امر ہے کہ اسلام نے دین و دنیا میں کیا رشتہ رکھا ہے۔ اسلام نے بتایا ہے دین کیا چیز ہے اور دنیا کیا چیز ہے۔ ابھی وہ اسلام کے ڈاکٹر تھے جو اس مرض کی بتائی ہے مولوی شبلی صاحب نے بیان کر دی ہے اور کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں اب اس کے متعلق زیادہ بیان کروں، لیکن شیرینی جس قدر زیادہ ملے اچھی ہے اسلام کے فضائل جس قدر بھی بیان ہوں، عمدہ ہیں۔ لہذا میں اپنے لیکچر میں سے جو میں نے حیدرآباد میں، مسٹر انگزنڈر محمد ویب کے آنے پر دیا تھا اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتا ہوں لیکچر اگرچہ پرانا ہے، لیکن وہ اسلام پر ہے لہذا اسلام کے فضائل ہر وقت تازہ ہیں اور ان کا بار بار بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے:۔

نمبر ۹۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب ممدوح نے ۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۱ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مدراس میں بحیثیت پریزیڈنٹ ہونے کے رزولیوشن نمبر ۱۳ کی تائید میں فرمائی۔ ملاحظہ ناظرین کے لئے رزولیوشن کی نقل بھی دکھاتی ہے:۔

رزولیوشن نمبر ۱۳

یہ ضرور ہے کہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکوں کو مذہبی تعلیم بھی دیجاوے اور اس عنایت کے حصول کے لئے گورنمنٹ مدراس سے درخواست کیجاوے کہ مسلمانوں کو اجازت مرحمت ہو کہ وہ مذہبی تعلیم کے لئے سرکاری اور میونسپل بورڈ کے مدارس میں اپنا انتظام کریں جیسے کہ ممالک مغربی و شمالی و پنجاب نے اس سے قبل اجازت دی ہے +

حضرات!

جو رزولیوشن اس وقت پیش کیا گیا ہے وہ نہایت مفید اور ازحد ضروری ہے اور جتنے مسلمان اس وقت یہاں موجود ہیں یقیناً وہ سب اس تجویز کے سننے سے بہت خوش ہونگے لیکن قبل اس کے کہ رزولیوشن پاس کیا جاوے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تجربہ ہم کو پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی میں ہوا ہے، پہلے اس کو سُن لیا جاوے، اُس کے بعد اس رزولیوشن کے آیندہ نتائج پر غور ہو +

حضرات مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ جب مذہب کا نام آتا ہے تو ان پر ایک کیفیت طاری

ہو جاتی ہے، اور ہونی چاہیئے۔ جلسہ میں مذہبی گفتگو اور مذہبی ترقی اور بھلائی کی تجاویز بہت کچھ جوش ظاہر کرتی ہیں، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو نہ وہ جوش باقی رہتا ہے، نہ وہ مذہبی حرارت اور نہ وہ وجدانی کیفیت ۔

اے حضرات! جہاں تک یہ تجویز کی گئی ہے۔ نہایت معقول اور عمدہ ہے۔ یہی درخواست اول پنجاب میں کی گئی تھی اور پھر گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی میں ہم نے اسی قسم کی درخواست بھیجی تھی کہ گورنمنٹ مذہبی تعلیم کی سرکاری اسکولوں میں اجازت دے، اس کا انتظام مسلمان اپنے خرچ سے خود کرینگے اپنی طرف سے مذہبی تعلیم کے لئے مولوی مقرر کرینگے۔ ہم سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں صرف گورنمنٹ کی اجازت چاہتے ہیں۔ چونکہ گورنمنٹ نیک دل ہے، غیر متعصب ہے اور ہر ایک فرقہ کی ترقی کے رستے کھولنے والی ہے اور درخواست بھی معقول تھی لہذا بعد غور کامل کے اُس نے منظور کر لیا ۔

جس وقت یہ رزولیوشن اجلاس میں پیش ہوا تھا، مرحوم سرسید نے اسی وقت کہدیا تھا کہ مسلمان کچھ نہ کرینگے، بلکہ اُس کے روکنے کی کوشش کرینگے اور اگر گورنمنٹ نے اجازت دی، تو روپیہ کا انتظام نہ کیا جاویگا۔ بہرحال رزولیوشن پاس ہوا اور بڑی کوشش کے بعد منظوری حاصل ہوئی۔ میرے دوست نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب کئی مہینے تک نینی تال مقیم رہے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سے، نواب لفٹنٹ گورنر سے ملے، بہت خط و کتابت کی اور آخر کار اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی میں جہاں مسلمان زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور وہاں کے مسلمانوں کو تعلیم کا شوق بھی زیادہ ہے، وہاں اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ صرف ایک قصبہ امروہہ کے اسکول میں جہاں میرے دوست مولوی مشتاق حسین صاحب کا وطن ہے خود اُنہوں نے اپنے ذاتی خرچ سے دس روپیہ ماہوار کا ایک مولوی نوکر رکھا ہے۔ باقی کسی شہر میں کوئی بھی انتظام نہیں ہوا حتیٰ کہ کسی نے توجہ کی۔ نہ چندہ وصول کرنے کی اور مولوی رکھنے کی کوشش۔ حالانکہ ہر ایک شہر میں دس دس روپیہ ماہوار خرچ کا انتظام ہونا کچھ دشوار کام نہ تھا ۔

اسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانان مدراس گورنمنٹ سے منظوری حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں درخواست اس قدر معقول ہے کہ گورنمنٹ ضرور منظوری دیدیگی۔ لیکن جن جن صاحبوں نے اس رزولیوشن کو پیش کیا ہے اور جو صاحب اس بات کے خواہشمند ہیں اُن کو پہلے ایک فنڈ قائم کرنا چاہئے جس جس شہر میں اس کا انتظام مد نظر ہو وہاں کم سے کم تین سال کے خرچ کا سرمایہ فوراً جمع کر لیا جاوے۔ اُس کے بعد گورنمنٹ سے درخواست کریں۔ کیونکہ اس قسم کی درخواستیں جب گورنمنٹ میں پیش کیجاتی ہیں۔ اور گورنمنٹ اُن کو منظور کر لیتی ہے لیکن خود قوم اُس کا انتظام نہیں کر سکتی اسکا اثر آیندہ کے لئے بہت بُرا پڑتا ہے اور کسی طرح عمدہ نتیجہ نہیں نکلتا، لہذا عقلمندی اس میں ہے کہ ہم گورنمنٹ سے درخواست

انہیں بانوں کی درخواست کریں جن کے کرنے کے لئے ہم آمادہ اور تیار ہوں - اور جب تک ہم کو دلی یقین نہ ہو کہ اس کا انتظام ہو سکیگا اُس وقت تک گورنمنٹ سے درخواست کر کے گورنمنٹ کی نظروں میں زیادہ ذلیل نہ ہوں ؞

نمبر ۹۶

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک بہادر نے ۳۰ - دسمبر ۱۹۰۱ء کو مدراس میں سالانہ حساب کتاب متعلقہ کانفرنس پیش کرتے ہوئے بحیثیت آنریری سکرٹری کے فرمائی :-

مسٹر پریسیڈنٹ و معزز حضرات !

کانفرنس کا یہ قاعدہ ہے کہ دو چیزیں پیش کی جاتی ہیں ایک رپورٹ سیکرٹری اور دوسرے حساب آمد و خرچ - آمد و خرچ کے حسابات میں تفصیل دکھائی جاتی ہے - رپورٹ کارروائی سال گذشتہ مرتب ہے اور بعد اجازت صاحب پریسیڈنٹ طبع ہو کر تقسیم کی جاویگی - باقی رہا حساب آمد و خرچ یہ حساب سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر بعد جانچ و پڑتال کے منظور ہو چکے ہیں اس کمیٹی کے اجلاس میں کالج کے پرنسپل مسٹر ماریسن، پروفیسر ٹیننگ، مولوی عبدالباقی صاحب ایم اے بیرسٹر کالج اور سید ولایت حسین صاحب اور دیگر ممبران موجود تھے، چنانچہ حساب جانچے گئے اور تصدیق کے دستخط تمام ممبران نے کر دئے اُس کے آمد و خرچ کا گوشوارہ میں اخبر میں منظوری آپکے سامنے بھی پیش کرتا ہوں ؞

نمبر ۹۷

اسپیچ

یہ دوسری اسپیچ بھی ۳۰ - دسمبر ۱۹۰۱ء کو حساب کتاب متعلقہ کانفرنس پڑھے جانے کے بعد فرمائی -

حضرات !

اس خیال سے کہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو - میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ کانفرنس کا جو روپیہ ہے وہ خود کانفرنس کا سرمایہ ہے - یہ روپیہ سوائے کانفرنس کے کاموں کے کالج وغیرہ میں صرف نہیں کیا گیا -

پہلے یہ قاعدہ تھا کہ جن والے کانفرنس کو مدعو کرتے تو اُن کے کل مصارف یا تو ایک شخص اپنی ذات سے اٹھاتا ورنہ خاص چندہ مقامی اصحاب سے اخراجات کے لئے کیا جاتا اور ممبری کی فیس کا روپیہ تیاری رپورٹ اور خط و کتابت میں خرچ ہوتا، جو باقی رہتا وہ ممبرانِ کانفرنس کی رائے سے غریب طلبہ کے وظائف میں دیا جاتا۔ لیکن ہر جگہ چونکہ نہ ایسے اصحاب ہیں جو اپنی ذات سے اس قدر کثیر صرف اٹھا سکیں، تین چار سال کے بعد یہ نتیجہ ہوا کہ اجلاس کانفرنس کی دعوت کہیں سے نہ آئی۔ لہذا مرحوم سرسید کی رائے سے یہ تجویز قرار پائی کہ اگر کسی شہر کے مسلمان کل اخراجات نہ برداشت کر سکیں اور کانفرنس کے سرمایہ سے اعانت چاہیں، تو اُن کو اعانت دیجاوے، چنانچہ اُس کے بعد کانفرنس کے اجلاس دو طرح سے ہوئے ایک تو یہ کہ مقامی کمیٹی نے خاص چندہ کیا، ممبری کی فیس جمع کی اور مقامی اخراجات کے بعد جس قدر روپیہ پس انداز ہُوا وہ اسٹینڈنگ کمیٹی کو دیدیا، دوسرا یہ کہ صرف فیس ممبری سے مقامی اخراجات ہوئے اور پس انداز روپیہ اسٹینڈنگ کمیٹی کو دیدیا گیا۔

مَیں معترف ہوں کہ لوکل کمیٹی مدراس نے لکھا تھا کہ پس ماندہ روپیہ جو باقی رہیگا وہ نصف لوکل کمیٹی اور نصف اسٹینڈنگ کمیٹی کو دیا جاویگا۔

حضرات! یہاں کی کمیٹی اگر کسی شخص کو نوکر رکھ کر کام لینا چاہے اور جو رزولیوشن پاس ہوئے ہیں اُن کی تکمیل کے لئے کوشش کرے تو درحقیقت یہ کانفرنس کا کام ہے۔ اسی طرح اگر علیگڈھ کی اسٹینڈنگ کمیٹی کانفرنس کے پاس شدہ رزولیوشن کی تعمیل میں کوشش کرنے کو روپیہ صرف کرے تو یہ بھی کانفرنس ہی کا کام ہے۔ غرضکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ کانفرنس کی کارروائی برابر سال بھر تک جاری رہا کرے، یہ نہ ہو کہ جو رزولیوشن پاس ہوتے ہیں وہ لاوارثی چٹھیوں کی طرح ڈیڈ لیٹر آفس میں پڑے رہتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ رزولیوشنوں کی تعمیل کیونکر ہو اور سال بھر تک برابر کس طرح کارروائی جاری رہے، ہمارے پاس سونے کی کان نہیں ہے جہاں سے کھود کر روپیہ نکال لیں، روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے ہماری کارروائیاں پوری نہیں ہوتیں۔ ہماری حالت بالکل کُمبھ کرن کی سی ہے جو ۶ مہینے سوتا اور ۶ مہینے جاگتا تھا۔ نہیں بلکہ ہم ۳۶۵ دن میں پانچ دن کام کرتے ہیں اور ۳۶۰ دن سوتے ہیں تمام کانفرنس کے کاموں کا بار سکرٹری کے ذمہ ہے۔ میری یہ حالت ہے کہ میرے پاس بہت سے قومی کام ہیں۔ کالج اور سرسید میموریل فنڈ کا سارا کام مجھ ہی کو کرنا پڑتا ہے۔ صرف عــہ ماہوار کا ایک ملازم ہے۔ پس جو کچھ مدد ملتی ہے اُسی سے ملتی ہے۔ حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ ایک لائق گریجویٹ جس کے دل میں قوم کا درد ہو وہ مستقل طور سے نوکر رکھا جاوے تاکہ وہ ممالک مغربی، پنجاب، بنگال، اور مدراس، وغیرہ سب جگہ پھرے، اور کانفرنس کے لئے سب کو آمادہ کرے۔ مدراس ہی کو دیکھئے کہ یہاں کانفرنس کس طرح ہوئی۔ نہ ہمیں امید تھی نہ آپ صاحبوں کو خیال تھا کہ مدراس میں بھی کانفرنس کا ہونا ممکن ہے

خطوط یا اشتہاروں سے ہرگز کام نہ چلتا، دو طالب علم یہاں بھیجے گئے جو معزز یاسل سے ملے، اور جو ہدایت کالج کی طرف سے تھی اُسے رفع کیا، عبدالعادی بادشاہ صاحب جن کو میں بادشاہ سلامت کہتا ہوں مددگو کمیٹی ہو گئے، اور حبیب شریف و محمد ہاشم صاحب وغیرہ نے کافی اعانت پر آمادگی و مستعدی ظاہر کی اور ہر قسم کے پُرانے و نئے خیالات کے اصحاب آمادہ ہوئے، اور کانفرنس کا مدراس میں انعقاد ہوا۔ اگر کالج کے طلبہ نہ آتے، تو کانفرنس کا مدراس میں ہونا معلوم۔ لیکن کالج کے طالب علم بارہ مہینے تک باہر دورہ نہیں کر سکتے، اور اگر باری باری سے طالب علموں کو بھیجا جاوے تاہم سفر وغیرہ میں بہت خرچ ہے۔ اس سے تو یہ تجربہ ہو گیا کہ اگر کوئی لائق اور سمجھدار شخص برابر پھرتا رہے تو کامیابی ممکن ہے ٭

اے حضرات! حقیقت میں مسلمانوں کی حالت نہایت خراب ہو گئی ہے، یہ قوم بسترِ مرگ پر پڑی ہوئی ہے، اگر مردہ نہیں ہو گئی تو حالت نزع میں ضرور ہے۔ دشمن سے دشمن، بے رحم سے بے رحم، سنگدل سے سنگدل، کے بھی آنسو کسی عزیز کو بسترِ مرگ پر دیکھ کر نکلتے ہیں۔ دل میں درد ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں بجائے اس کے کہ ہم مریض کو ملامت کریں، طعنے دیں، اور مسلمانوں کو سست، کاہل، اور لاپروا کہا جائے تو یہ تو کہ قوم کو خواب غفلت سے جگانے والا، اور بیمار قوم کی دوا کرنے والا، کون ہے۔ ہاں اب کچھ کچھ لوگوں کے آنسو نکلنے لگے ہیں۔ علاج اور دوا کی فکریں بھی ہونے لگی ہیں۔ اور اگر کوشش برابر جاری رہی تو کیا عجب ہے کہ خدا صحت بھی دے اور ناتوان مریض پھر تندرست ہو جاوے ٭

یہ حالت کچھ ہندوستان ہی کی نہیں ہے بلکہ آپ نے میرے دوست مولوی رفیع الدین صاحب کی تقریر کو سُنا کہ ٹرکی، ایران، مصر، افریقہ وغیرہ میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں سب جگہ یہی حالت ہے ٭

اے حضرات! اس کانفرنس میں ڈیڑھ سو رزولیوشن اس وقت تک پاس ہو چکے ہیں۔ لیکن بجائے ان ڈیڑھ سو رزولیوشنوں کے اور نیز بالعوض ان ۱۰، ۱۲ رزولیوشنوں کے جو اس سال کانفرنس میں پاس ہوئے صرف ایک رزولیوشن نیشنل فنڈ کا پاس ہوتا، اور سب لوگ اس کو حرزِ جان بناتے اور ۲، ۳ دن کی کوشش کرنے کے بعد ہر سال جہاں کانفرنس ہوتی، وہاں جا کر دکھاتے کہ ہم اس قدر روپیہ جمع کر کے لائے ہیں۔ کوئی صد روپیہ لاتا اور کوئی دو دو پیسہ غرضکہ ہر شخص اپنی سال بھر کی کوشش اور کارگزاری کو دکھاتا۔ تعلیم کے لئے کوشش تو بہت ہو رہی ہے۔ لیکن کوشش صرف باتوں کا نام نہیں بلکہ وہ عمل سے ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں ۳ قسم کے آدمی ہیں۔ ایک تو مولوی صاحب جن کو اس کا خیال ہی نہیں کہ زمانہ نے کیا تبدیلی کی اور اُس کی رفتار کیا ہے۔ جب وہ واقف ہی نہیں تو وعظ و نصیحت کیونکر فرما سکتے ہیں۔ امرا کی حالت بمقتضائے دوسری ہے، اُن کے خیالات اُن کے حالات اُن کی اُمیدیں اُن کی خوشیاں ہی دوسری قسم کی ہیں۔ اُنہیں نہ قوم کی خبر نہ قوم کا درد۔ اب رہا وہ فرقہ جو متوسط درجہ کا،

اس طبقہ کے سامنے سر سید نے لکچر دیئے، اسپیچیں بیان کیں تمام کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ وہ کچھ کچھ زمانہ کی ہوا کو سمجھتے ہیں، لیکن اُن کی تعداد بہت کم ہے۔ اب رہا غربا کا فرقہ جس کی بہت زیادہ تعداد ہے، اُسے پیٹ نے مجبور کیا اور چونکہ تمام دروازے بند ہو کر ایک دروازہ ملازمت کھلا ہے، اگر اس دروازہ میں گھسیں تو کیا کریں۔ آگ لگیگی تو بھاگنے کو خواہ مخواہ مجبور ہونگے، نہ تعلیم کے خیال سے، نہ علم کے شوق سے علم حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ پیٹ کی مجبوری سے علم پڑھنا چاہتے ہیں۔ مگر گورنمنٹ کی طرف سے روز بروز سختی ہوتی جاتی ہے۔ فیس بڑھ رہی ہے۔ کتابوں کا خرچ زیادہ ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کے امدادی اسکول موجود نہیں ہیں مشن اسکولوں میں مذہب جانے کا اندیشہ ہے اور بالکل بجا اندیشہ ہے، امراء کو جانے دیجئے، مستطیع لوگوں کو چھوڑ دیجئے، اس لئے کہ اُن کو ضرورت نہیں۔ غربا کے لئے جو فتوے جہالت کا ہو گیا ہے اُسے توڑیئے، اور یہ اگر وہ توڑا جا سکتا ہے تو اُس کو صرف قومی امداد توڑ سکتی ہے کیونکہ اگر اپنے گھر سے باہر تعلیم دلانا چاہیں تو کم سے کم [illegible] روپیہ ماہوار کا خرچ ہے، خواہ وہ کالج بمبئی میں ہو یا علیگڈھ و مدراس میں [illegible] روپیہ کی نوکری تو مسلمانوں کو ملتی ہی نہیں پھر بچوں کے لئے [illegible] روپیہ ماہوار کہاں سے آسکتا ہے۔ اب صرف ایک طریقہ باقی ہے، کہ بچوں کو وظائف دیئے جاویں، جس کو طاقت ہو وہ کوشش کرے، اور ان بچوں کی امداد کے لئے سرمایہ جمع کیا جاوے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سخاوت اور فیاضی کا خیال مسلمانوں کے دلوں سے ابھی تک نہیں گیا، صرف مانگنے کا سسٹم اور طلب کا ذریعہ نہیں ہے جو قیل و قال کی مجلس ہوتی ہے میں خود کہتا ہوں کہ سراسر بے سود۔ جب تجربہ نے بتا دیا کہ موجودہ طریقہ سے نہ باقاعدہ وصول کرنے کی کوشش جاری رہ سکتی ہے اور نہ روپیہ جمع ہو سکتا ہے تو ضرورت ہے کہ سال بھر کے لئے دو آدمی نوکر رکھے جاویں جو بطور ایجنٹ کے کام کریں کیونکہ آنریری طور سے یہ کام نہیں چل سکتا۔ پیڈ ایجنٹ وظیفہ کے لئے روپیہ جمع کریں، اعلےٰ تعلیم کے فوائد بیان کریں، بچوں کو کالج بھیجنے کی ترغیب دلائیں۔ قومی ہمدردی کا لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کریں۔ اس کے لئے فنڈ کی ضرورت ہے، جو نہ علیگڈھ کالج میں صرف کیا جاوے، نہ کسی دوسرے کالج میں بلکہ وہ فنڈ صرف کیا جاوے، ایجنٹوں کی تنخواہوں اور کانفرنس کے دوسرے ضروری کاموں میں۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

نمبر ۶۸

اسپیچ

یہ اسپیچ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۰ء کو نواب صاحب بہادر نے اختتام اجلاس کانفرنس پر اہل دہلی کے شکریہ میں فرمائی :-

حضرات !

آپ نے جس مہربانی اور عنایت سے میری ناچیز خدمات اور ڈیلیگیٹوں کے یہاں آنے کے متعلق اظہار کیا ہے، اور جو کچھ شکریہ اس کی بابت ادا کیا گیا ہے، حقیقت میں جو عزت آپ نے مجھ کو بخشی ہے، اور جس مہربانی اور عنایت سے آپ نے اس کام کو انجام دیا ہے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں ٭

ہم لوگ اور نیز جس قدر ڈیلیگیٹ یہاں آئے ہیں ۲۴ سال کے عرصہ میں اس قدر خوشی اور امید میں کسی جگہ سے لیکر نہیں گئے، جیسی یہاں سے لئے جاتے ہیں، جس خوبی، اور جس عظمت، اور جس شان، اور جس محبّت سے یہاں کی اگزیکٹیو کمیٹی نے ہمارا استقبال کیا، وہ صرف قابل تعریف اور لائق ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ قابل فخر اور لائق نمونہ ہے، جس کا نقش ہر ایک دل پر جو علیگڈھ سے یا اپر انڈیا سے یہاں آیا ہے، ہو گیا۔ باوجود اس کمی تعلیم کے جو یہاں ہے نتیجہ برعکس نظر آیا۔ رمضان کے دنوں میں محنت اور تکلیف اُٹھا کر ان اسپیچوں اور رزولیوشنوں کو ۱۰ بجے سے ۵ بجے تک سُنا۔ اور راتوں کو ان کے رزولیوشنوں پر غور کرنا لائق شکر گذاری ہے، جو صاف صاف آزادانہ طور سے مگر اعتدال و ہمدردی سے باہم اختلاف ہوا، وہ صفائی قلب اور نیک نیتی سے کیا گیا۔ وہ وہی اختلاف ہے، جس کی نسبت کہا گیا ہے، کہ اختلاف العلماء رحمۃ ایک نے ایک بات کو مضر سمجھا اور دوسرے نے مفید خیال کیا ایک نے سچائی اور نیکی کے ساتھ اپنا خیال ظاہر کیا دوسرے نے صبر و تحمل کے ساتھ اُسے سُنا اور اعتدال و متانت کے ساتھ اُس کی تردید کی۔ غرضکہ یہ اجلاس محبّت اور اتفاق کے ساتھ ختم ہوا۔ مجھے اُمید ہے کہ جو بیج بویا گیا ہے ہر شخص بقدر استطاعت اور طاقت اُس کی آبیاری کریگا تا کہ وہ پودہ بڑھ کر تناور درخت ہو، جس کے پھل پھول نکلیں اور اُس کا سایہ ایسا ہو، جیسے برگد کے درخت کا، نہایت امید اور قوی امید ہے کہ یہاں کے بزرگ کوشش کرینگے اور آپس کا اختلاف مٹ جاویگا۔ اور آپ کا مدرسہ ایسا ہی درست ہو جاویگا۔ جیسی کہ اُمید کیجاتی ہے ٭

اگلے سال جہاں کہیں کانفرنس ہوگی مجھے امید ہے کہ آپ لوگ صورت سے کچھ نہ کچھ بیٹھیں گا مدد کریں

بہت بڑا مجمع ڈیلیگیٹوں کا موجود ہوگا، وہاں پھر آپ سے ملاقات ہوگی۔ میں نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ شمالی ہندوستان کے ڈیلیگیٹوں کی طرف سے ہندو بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں ہوں، جو مختلف اضلاع سے یہاں آئے ہیں۔ یہاں کے ہنود نے نہ صرف ہمارے ساتھ ہمدردی ظاہر کی، اور نہ صرف برائے نام شریک ہوئے، بلکہ ہم کو اُنھوں نے نیک مشورہ دیا۔ راجہ صاحب ترچناپلی بھی تشریف لائے، جب کہ تمام ہندوستان کے مسلمان سُنینگے کہ یہاں کچھ اختلاف نہیں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس قدر خوش ہونگے۔ مجھے ایک معزز ہندو اسپیکر کی تقریر پر رشک آتا ہے، اور جی چاہتا ہے کہ میں اُن کا شاگرد بنوں جو ہمدردی بھری تقریریں اُنھوں نے کیں وہ قابل شکریہ کے ہیں، یہاں کے ایک ہندو جنٹلمین نے ۱۵ روپیہ ماہوار کا وظیفہ ایک غریب مسلمان کو اس شرط پر دینا منظور کیا کہ ہم مسلمان بھی پندرہ پندرہ روپیہ ماہوار کے وظیفے ہم غریب مسلمانوں کو دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم وظیفے ہو گئے، اور اس طرح ایک ہندو جنٹلمین نے ایک نہیں بلکہ ۵ وظیفے ۱۵ ۱۵ روپیہ ماہوار کے دئیے۔ میں آنریبل جسٹس بادم صاحب کی تکلیف کا اور جو دلچسپی انھوں نے کانفرنس کے کاموں میں لی اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کرنل فارم بی صاحب پریسیڈنٹ استقبالیہ کمیٹی ہر ایک شکریہ کے مستحق ہیں۔ میرے پاس اسی وقت غلام احمد صاحب بنگلوری نے خط بھیجا ہے ان کا بھتیجا علیگڈھ کالج میں تعلیم پاتا ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ "میرے بڑے بھائی جناب محمد عابد حسین خاں صاحب کی دلی آرزو تھی کہ آپ چونکہ یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں لہذا آپ کی دعوت کی جائے۔ لیکن میں اس خیال کا ہمیشہ سے مخالف ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ قومی کام کے لئے ہوٹل میں قیام فرمانا اور ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ٹھیر کر قیم کی تکلیف گوارا کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں لہذا بجائے دعوت کے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ کی دعوت میں صرف ہو وہ آپ کے پاس نقد بھیجدیا جاوے تاکہ آپ کسی قومی کام میں لگادیں" چنانچہ اس خط کے ساتھ اُنھوں نے سو روپیہ کا نوٹ بھی بھیجا ہے۔ لیکن کھانا میں نے اپنے پاس سے نہیں کھایا بلکہ میں حاجی محمد عبدالہادی بادشاہ صاحب کا مہمان رہا اور مفت کھانا کھایا لہذا اس سو روپیہ کے بھی وہی مستحق ہیں چنانچہ ۵۰ نیشنل فنڈ میں اور ۵۰ انڈسٹرل اسکول میں دیدئیے جاویں۔ آخر میں جملہ ممبران ایگزیکیٹو کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بالخصوص اپنے نوجوان عزیز والنٹیروں کا جنھوں نے نہایت شوق اور دلچسپی کے ساتھ ہر قسم کی محنت اُٹھائی اور دعا کرتا ہوں کہ خدا اُن کی عمر میں برکت دے اور وہ قوم کے ستون ہوں ۔

اسپیچ

یہ تحریری تقریر نواب صاحب بہادر نے مئی ۱۹۰۲ء میں یونیورسٹیز کمیشن کے روبرو بطور شہادت کے فرمائی:-

عموماً ملک گورنمنٹ کا شکر گذار ہے کہ اُس نے رعایا کی تعلیم کا دینا اپنا ایک ضروری فرض خیال کیا اور اس ضروری فرض کے ادا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً توجہ اور کوشش کی۔ اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں متعدد یونیورسٹیاں قائم کیں۔ مگر جو اصول یونیورسٹی نے تعلیم کے قرار دئے اور جو قواعد طریقہ تعلیم کے لئے مقرر کئے، اُس کی نسبت عام رائے یہ ہے۔ کہ وہ تشفی بخش نہیں ہیں۔

یونیورسٹی کی تعلیم پبلک کی شکایتیں

اُس سے ملک کی خصوصاً اُس اعلےٰ درجہ اور شریف خاندانوں کی ضرورتیں اور خواہشیں پوری ہوئیں۔ نہ اعلےٰ طبقہ کے لوگوں کو جن کے خاندان علم کی تحصیل اور علمی مذاق میں مشہور تھے، کالجوں میں جانے اور مغربی علوم حاصل کرنے کی طرف کچھ رغبت اور توجہ ہوئی۔ یونیورسٹیوں کی ڈگری حاصل کرنا زیادہ تر اُسی فرقہ پر محدود رہا جو ملازمت پیشہ تھا۔ اور اُس طرف ایک گروہ محنتی کام کرنے والوں کا پیدا ہو گیا۔ کالج جو ہندوستان میں یونیورسٹیوں کے قواعد اور احکام کی پابندی پر مقرر ہوئے، اُن میں بجائے اس کے کہ ایسی تعلیم دیجائے کہ عقل و ذہن کو ترقی ہو اخلاق و کریکٹر درست ہو، دماغی اور جسمانی قوتوں کو نشو و نما ہو، طوطے کی طرح باتیں یاد کرا دینے پر زور دیا جاتا ہے۔ اور بجائے قوت مدرکہ کے قوت حافظہ کی پرورش کی جاتی ہے۔ مگر اس قسم کی ناقص تعلیم کا الزام حقیقت میں یونیورسٹی پر ہے نہ کالجوں پر ؛

مرحوم سرسید کی رائے یونیورسٹی کی تعلیم کی نسبت

سر سید احمد خاں مرحوم کی رائے جو کسی موقع پر اُنہوں نے ظاہر کی تھی حقیقت میں صحیح ہے کہ "یونیورسٹی اپنے امتحانوں میں طالب علموں کی اصلی استعداد اور اُن کی اخلاقی تعلیم و تربیت سے کچھ غرض نہیں رکھتی۔ صرف اپنے سوالات کے جوابوں سے غرض رکھتی ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ ممتحن کہاں جوابوں کے نمبر دینے میں کہاں تک غور کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں کالج بجز اس کے کہ اپنے طالب علموں کو طوطے کی طرح یاد کرا کے امتحان کے لئے تیار کریں اور کیا کر سکتے ہیں۔ یونیورسٹی تمام ملک کی تعلیم پر پورا اختیار رکھتی ہے اور وہی تعلیم کو اچھا یا بُرا کر سکتی ہے۔ کالجوں کو جو اس کے ماتحت ہیں کچھ اختیار نہیں ہے یا بہت ہی کم اختیار ہے"؛

جن وجوہ سے ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی نسبت یہ عام خیال ہے، اُن میں سے بعض

اسباب یہ ہیں :-

مضامین کی کثرت

اوّل - مضامین کی کثرت - اگر تعلیم کا اصلی مقصد قوائے عقلیہ کو ترقی دینا، اور دماغ میں ایسی قوت پیدا کرنا ہے جو کسی شخص کو زندگی کی کشمکش کے واسطے لائق بنا دے اور علم کے کسی شعبہ میں پوری استعداد پیدا کر دے، تو مضامین کی کثرت اس مقصد کی مزاحم ہے - ایک طالب علم کا دماغ ایسے مختلف مضامین سے بھر دینا جن کو وہ اس وقت بھول جاتا ہے، جبکہ امتحان کا خوف باقی نہیں رہتا - تعلیم کا اصلی مقصود نہیں ہو سکتا - کثرت مضامین نے کریمنگ کی عادت پیدا کر دی ہے جو دماغ پر بُرا اثر کرنے والی اور اصلی علمی مذاق پیدا کرنے کی مانع ہے - انٹرمیڈیٹ کلاس کو لیجئے - اس میں پانچ پانچ مضمون پڑھائے جاتے ہیں اور پانچوں میں امتحان دینا اور معتبہ نمبر حاصل کرنا ضروری ہے - اور مضامین ایک دوسرے سے ایسے مختلف ہیں کہ کسی ایک مضمون کی طرف پوری توجہ کرنا اور ان میں سے کسی خاص علم میں کافی استعداد حاصل کرنا ممکن نہیں - نہ کسی ایک مضمون میں پوری لیاقت پیدا کرنا دوسرے مضمون کی کمزوری کا معاوضہ ہو سکتا ہے - اور طالب علم مجبور ہے کہ تمام مضامین کو ایک ہی متوسط درجہ تک سیکھے اور اپنی دماغی قوت کو علم کے اُس شعبہ میں صرف کرے جس میں وہ کمزور ہے، اور جس سے اُس کو طبعی مناسبت نہیں ہے، اس طریقہ تعلیم سے سیکڑوں دماغ خراب ہو جاتے، اور اصلی علم کے حاصل کرنے سے باز رہتے ہیں - اگر بجائے پانچ کے تین مضامین انٹرمیڈیٹ کے واسطے قرار دئیے جاویں اور جو مضامین طالب علم کو اختیار کرنے چاہئیں اُن کی نسبت اُس کو کسی قدر پسند کرنے کا اختیار دیا جائے تو زیادہ مفید ہوگا - اور بعض مضامین زیادہ تر کمال کے ساتھ حاصل کئے جا سکینگے ⁂

بی - اے، کے امتحان میں بھی تین مضامین زیادہ ہیں اُن کی تعداد بھی کم کر دینی اور بجائے تین کے دو مضمون مقرر کرنے زیادہ مفید ہونگے ⁂

امتحانات کی سختی اور بے قاعدگی

دوم - امتحانات کی سختی اور بیقاعدگی - اس بات کی عام شکایت ہے کہ امتحان کا طریقہ ایسا واقع ہوا ہے کہ معلم اور طالب علم کی توجہ بجائے ترقی دینے قوت مطالعہ اور پیدا کرنے اصلی استعداد کے امتحان میں معیّنہ نمبر پانے کی طرف مائل رہتی ہے - اور حافظہ اس قدر واقعات اور سوالات کے تیار جوابات سے بھرا جاتا ہے جس قدر کہ وہ قبول کر سکتا ہے - نوٹوں کا زبانی یاد کرنا جس سے طالب علم سوالات کے جوابات دینے کے لائق ہو جائے، ضروری سمجھا جاتا ہے - امتحان سخت لیا جاتا ہے اور بہ نسبت کیمبرج اور اکسفورڈ کی یونیورسٹیوں کے زیادہ مشکل اور غیر مفید ہوتا ہے، اور اُس میں وہی پاس ہوتا ہے، جس نے کتابوں کے نوٹ زبانی خوب یاد کر لئے ہوں اور جن کے یاد کرنے سے بجز امتحان پاس کرنے کے اکثر بہت کم فائدہ ہوتا ہے ⁂

امتحان کی بیقاعدگی کی بھی شکایت ہے، اور اس کی تصدیق پاس شدہ طلبا کے اوسط فیصدی

کی اس عجیب کمی بیشی سے ظاہر ہوتی ہے جو مختلف سالوں کے نتیجہ امتحان دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے۔ ہر ایک چیز میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ سالانہ اوسط فیصدی میں بہت بڑا تغیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ پیدائش اور موت کا پرسنٹیج بھی قریب قریب برابر رہتا ہے۔ تو اس وقت ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ یونیورسٹی کے امتحانات کے کامیاب طلبا کا اوسط کبھی بہت کم اور کبھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب یہ خیال کیا جائے کہ تعلیم پانے والے طالب علم اور تعلیم دینے والے کالج اور تعلیمی کورس میں کچھ غیر معمولی اختلاف نہیں ہوتا تب نتائج امتحان کے غیر معمولی اختلاف کا سوا اس کے کہ طریقۂ امتحان میں بےقاعدگی ہے دوسرا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا ۔

کامیاب طلباء کی اوسط فیصدی میں کمی بیشی	کلکتہ یونیورسٹی کے کامیاب طلبا کا اوسط فیصدی چند سال کا نیچے لکھا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

سنہ	اوسط فیصدی	سنہ	اوسط فیصدی
۱۸۸۳	۵۰	۱۸۸۷	۶۶
۱۸۸۵	۳۴	۱۸۸۸	۴۴
۱۸۸۶	۳۰	۱۸۸۹	۲۴

الہ آباد یونیورسٹی کے کامیاب طلبا کا اوسط فیصدی چند سال کی بابت انٹرنس و ایف۔اے اور ایل ایل بی کے حسب ذیل ہے:۔

سنہ	انٹرنس	ایف اے	ایل ایل بی
۱۸۸۹	۵۴	۴۵	۵۰
۱۸۹۰	۴۴	۵۵	۴۳
۱۸۹۱	۳۷	۴۳	۳۶
۱۸۹۲	۴۰	۳۱	۳۹
۱۸۹۳	۴۲	۵۲	۴۹
۱۸۹۴	۳۱	۳۳	۳۱
۱۸۹۵	۳۰	۳۹	۲۳
۱۸۹۶	۵۵	۴۱	۳۱
۱۸۹۷	۴۵	۲۷	۳۴
۱۸۹۸	۵۶	۴۸	۳۵
۱۹۰۰	۳۲	۲۵	۱۳
۱۹۰۱	۴۳	۳۵	

ان اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انٹرنس کے امتحان میں کسی سال میں (۶۶) فیصدی طلبا کامیاب ہوئے اور کسی سال میں صرف (۲۴) فیصدی، ایف اے میں اگر کسی سال میں (۵۵) فیصدی پاس ہوئے تو دوسرے سال میں صرف (۲۰) فیصدی۔ ایل ایل بی، کے امتحان کی بے قاعدگی اور بھی حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۸۵ء میں (۵۰) فیصدی پاس ہوئے تھے اور سنہ ۱۹۰۱ء میں کل (۳) فیصدی پاس ہوئے ۔

صوبہ اودھ کی وکالت کے امتحان کا اوسط اور بھی افسوسناک ہے جو مفصلہ ذیل اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوگا ۔

سنہ	اوسط فیصدی
۱۸۹۸	۴۲٫۳
۱۸۹۹	۲۰٫۳
۱۹۰۰	۳۶٫۰۰
۱۹۰۱	۳٫۳

ایک مضمون میں فیل ہونے پر مضامین میں دوبارہ امتحان لینا۔

امتحان کے متعلق یہ قاعدہ بھی نہایت سخت ہے کہ اگر کوئی طالب علم کسی ایک مضمون میں بھی فیل ہو جائے تو پھر دوبارہ کل مضامین میں اُس کا امتحان لیا جاتا ہے۔ یہ قاعدہ اس قدر سخت اور ایسا مضر ہے کہ اس قاعدہ کے بنانے اور اب تک اُس کے قائم رہنے پر نہایت تعجب ہے۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کہ ایک ہونہار طالب علم کی عمر کا ایک سال ضائع ہو اور جو اُس نے پڑھا ہے اُس کو پھر ایک سال تک اور پڑھتا رہتا ہے، کوئی خاص فائدہ معلوم نہیں ہوتا ۔

سیکنڈ لینگوج کی غیر مفید تعلیم۔

سوم۔ سیکنڈ لینگوج کی غیر مفید تعلیم۔ فارسی یا عربی کی تعلیم جس طرح یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے وہ نہایت مہمل اور بے سود ہے۔ میں نے خود بہت سے بی۔ اے اور ایم اے، دیکھے ہیں جنہوں نے فارسی یا عربی میں ڈگری حاصل کی ہے مگر اُن کو کچھ نہیں آتا۔ نہ اُس زبان میں گفتگو کرنے کی لیاقت اُن میں پائی گئی، نہ تحریر کرنے کی قوت۔ امتحان کے لئے کچھ نظم و نثر زبانی یاد کرالی تھی، اور کتابی امتحان دیکر فارغ التحصیل ہو گئے تھے، مگر اُس کے بعد وہ اسے بھی بھول گئے، اور اُس پڑھنے کا کوئی فائدہ اُن کو حاصل نہ ہوا۔ وہ خود اس قسم کی تعلیم کے شاکی اور اپنی عمر کے ضائع ہونے پر متاسف ہیں۔ زبان سیکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے خیالات بذریعہ تحریر یا تقریر کے اُس زبان میں ادا کر سکے۔ اگر سیکنڈ لینگوج کی تعلیم اتنی بھی نہ ہو کہ اُس کا سند یافتہ لکھنے اور بولنے کی لیاقت معقول رکھتا ہو تو اُس کے سیکھنے سے آخر کیا حاصل ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ یونیورسٹی اور مدرسین

اور طالب علم سب کے سب کامیابی صرف امتحان کے متعلق خیال کرتے کو سمجھتے ہیں۔ اصلی استعداد حاصل ہونے کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ اور امتحان اس طریقہ سے لیا جاتا ہے جس سے اس بات کا دریافت کرنا منظور ہوتا ہے کہ کتاب اور اُس کے نوٹ یاد ہیں یا نہیں۔ اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ جس زبان میں امتحان لیا جاتا ہے، وہ اُس کو آتی بھی ہے یا نہیں۔ اور آئندہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد اس کا کچھ فائدہ حاصل بھی ہوگا یا نہیں۔ سیکنڈ لینگوج کی تعلیم جو یونیورسٹی میں دیجاتی ہے نہایت حقارت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ علاوہ کورس کے نقص اور تعلیم کے ناقص طریقہ کے عربی فارسی نہ آنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُستاد اچھے نہیں ہوتے۔ اور اکثر اُن میں سے خود اُس زبان کو اچھی طرح نہیں جانتے جس میں وہ تعلیم دیتے ہیں، اور بجائے اس کے کہ شاگردوں کو کتاب کا مطلب فارسی یا عربی میں بتائیں اور اُسی زبان میں گفتگو کریں۔ اُردو میں مطلب سمجھاتے ہیں اور اردو ہی میں استاد و شاگرد بات چیت کرتے ہیں ۔

جہاں اُستاد خود لائق ہیں اور اُن کو عربی فارسی کا خود مذاق ہے اُن کی تعلیم کا اثر اچھا دیکھا گیا ہے۔ اُن کا طرز تعلیم۔ طریقہ بیان۔ سمجھانے کا طور۔ اور خود اُن کی صحبت علمی مذاق شاگردوں میں پیدا کر دیتی ہے۔ شمس العلما مولوی سید امجد علی صاحب اور پروفیسر آزاد دو شخصوں کو میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے کام کے لئے نہایت موزوں پائے گئے۔ اور اُن کے شاگردوں میں اُن کی تعلیم کا اثر دیکھا گیا۔ خصوصاً پروفیسر آزاد کے شاگرد بعض ایسے ہیں جن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ اُس زبان کو جانتے ہیں جو اُنہوں نے سیکھی۔ اُن میں ایسا مذاق پیدا ہو گیا کہ جو کچھ اُنہوں نے پڑھا تھا اُس میں ترقی کی۔ اور اُن کی لیاقت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی، اُن میں سے شیخ عبدالقادر، محمد اقبال، حکیم امین الدین، اعجاز حسین، احمد حسین خاں، فضل حسین کا نام لے سکتا ہوں۔ اگر سیکنڈ لینگوج کی تعلیم اور طریقہ تعلیم اور انتخاب کتب اور انتخاب معلمین میں باہر کے لائق اور ماہر عالموں سے مدد لیجائے اور ایک کمیٹی خاص اس کے لئے مقرر ہو، تو میرے نزدیک اس سے موجودہ نقص کی بہت اصلاح ہو سکتی ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ آنریبل مولوی سید حسین صاحب بلگرامی سا شخص جن کی عربی و فارسی کی لیاقت ویسی ہی مسلّم ہے، جیسی کہ انگریزی کی یونیورسٹیز کمیشن کا ممبر ہے بہت کچھ توقع سیکنڈ لینگوج کے مفید ہونے کی پبلک کو ہے ۔

تعلیم بغیر تربیت کے

یونیورسٹی کی تعلیم کی نسبت یہ عام شکایت ہے۔ کہ اُس کے تعلیم یافتہ کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتوں کی طرح نہیں ہوتے۔ اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تعلیم کے ساتھ نہ تربیت کا کچھ انتظام ہے، نہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا بندوبست ہے۔ اور جو لوگ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے ملک میں جہاں مختلف قسم کے ایسے مذاہب اور اتنے فرقے ہوں جیسے

خیالات اور عادات اور مراسم باہم متناقض اور متبائن ہوں۔ گورنمنٹ ایسا انتظام تربیت اور مذہبی تعلیم کا اپنے ذمہ نہیں لے سکتی، جو ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی حاجتوں کو پورا کرے۔ اس لئے یہ مشکل گورنمنٹ سے حل نہیں ہو سکتی۔ تربیت اور مذہبی تعلیم ایک قومی ضرورت ہے، جس کو ہر قوم اپنے خیالات اور اپنی خواہشات کے موافق پورا کر سکتی ہے۔ البتہ چند اصول کی پابندی کے ساتھ گورنمنٹ نہایت خوشی کے ساتھ ہر قوم کو مدد دیتی ہے۔ چنانچہ بعض فرقے ان ضرورتوں کے پورا کرنے کا خیال کر رہے ہیں۔ اور بعض مقامات پر خاص قومی کالج بھی بنائے گئے ہیں اور بنائے جا رہے ہیں۔ مگر کالج کا بنانا اور تربیت کا پورا انتظام کرنا آسان کام نہیں ہے، اُس کے لئے بہت کچھ لیاقت، ہمدردی، تجربہ، استقلال، اور دور اندیشی کی حاجت ہے، کالج بمنزلہ جہاز کے ہے، اور وہی جہاز سلامتی سے کنارہ پر پہنچتا ہے جو عمدہ طور سے بنایا گیا ہو۔ جس کے بنانے والے ماہر اور مشاق ہوں۔ اور جس کا ناخدا ہوشیار اور تجربہ کار ہو۔

کسی کالج کی تعلیم بغیر تربیت کے پوری نہیں ہو سکتی، مگر جن کو تجربہ ہے، اور جو تربیت کی مشکلات سے واقف ہیں، وہ خوب جانتے ہیں، کہ کالج بنا لینا آسان ہے۔ مگر تربیت کا انتظام کرنا نہایت مشکل ہے۔ تربیت کے لئے ایسے بورڈنگ ہوس کی ضرورت ہے جو کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹی کے اصول پر قائم کیا گیا ہو۔

بورڈنگ ہوس کی ضرورت
مگر اس کی مشکلات

آج کل ہر ایک کی زبان پر بورڈنگ ہوس کا لفظ ہے، اور اُس کے قائم کرنے کی صدا ہر طرف سے آ رہی ہے۔ مگر غالباً بہت کم لوگ ہونگے جنہوں نے اس پر غور کیا ہو، کہ بورڈنگ ہوس کیا چیز ہے۔ اور جو فوائد اُس کے قائم کرنے سے حاصل ہونے چاہئیں وہ کیا ہیں اور کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں۔

اگر بورڈنگ ہوس سے یہ غرض ہے کہ بہت سے لڑکے ایک جگہ جمع کر دئے جاویں، اُن کے رہنے کے لئے حجرے بنا دئے جاویں، اُن کے کھانے پکانے کا بندوبست کر دیا جاوے، اور بطور انتظام کوئی شخص یا کوئی کمیٹی اس کی نگرانی کے لئے مقرر کر دی جاوے۔ تو ایسے بورڈنگ ہوس کو سرائے اور مسافر خانہ کہنا موزوں ہوگا۔ نہ کہ بورڈنگ ہوس۔ جو تجربہ ذاتی ۲۵ برس سے مجھے حاصل ہے، اُس کے لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ بورڈنگ ہوس کا قائم کرنا نہ صرف مشکل، بلکہ بعض صورتوں میں پُر خطر ہے۔ مختلف صوبوں کے متعدد بورڈنگ ہوس جو جدید خیال کی پیداوار ہیں، میں نے دیکھے ہیں اکثر بورڈنگ ہوس ایسے پائے جو نہایت بُرے موقع پر بنائے گئے ہیں۔ مکانات ایسے تنگ و تاریک ہیں جن میں ہوا اور روشنی بھی اچھی طرح نہیں پہنچتی۔ بعض ایسے بھی دیکھے جن کی عمارت اچھی ہے دیکھنے میں خوشنما بھی ہیں، اور اعداد بھی جو ان پر لکھے گئے ہیں اچھے ہیں۔ مگر حالت اُن کی کیا ہے؟

نہ اُن کا انتظام اچھا ہے، نہ کسی قسم کی نگرانی ہے، نہ اُن کے سونے اور جاگنے اور کھانے اور فرائض مذہبی ادا کرنے کا وقت معین ہے، نہ کوئی ایسا سامان ہے جس کا عمدہ اثر اُن کے اخلاق اور کرکٹر پر پڑے نہ بورڈروں کو عمدہ صحبت لائق پروفیسروں اور استادوں کی نصیب ہے، نہ کوئی اُن کا ایسا رہنما ہے جس کو وہ اپنے لئے نمونہ سمجھیں۔ اور جس کا اثر اُن پر پڑے، یہاں تک کہ کوئی اس بات کا دیکھنے والا نہیں ہے کہ وہ بازاروں میں جانے اور بد صحبت میں بیٹھنے سے بچیں۔ اور وہ ترغیبات جو فطرۃً جوانی میں پیدا ہوتی ہیں، اُن کے روکنے تھامنے کا کوئی بندوبست ہو۔ میرے ہی دل پر ایسی حالت کے دیکھنے سے بُرا خیال پیدا نہیں ہوا، بلکہ بعض بورڈنگ ہوس کے اُن لڑکوں نے جو بطور بورڈر کے وہاں رہتے تھے، خود شکایت کی، اور کہا کہ یہ بورڈنگ ہوس نہیں ہے بلکہ سرائے ہے، جو قواعد بنائے گئے ہیں وہ صرف کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں، کوئی اُن کی تعمیل کرانے والا نہیں۔ جو مہتمم اور نگران اور منتظم مقرر ہیں وہ برائے نام ہیں، مہینوں نہ ہم اُن کی صورت، نہ وہ ہماری شکل دیکھتے ہیں۔ ہم صرف اس ضرورت سے یہاں رہتے ہیں کہ یہ مکان مدرسہ کے قریب ہے اور ہم شہر میں آنے جانے کی تکلیف سے محفوظ ہیں ❊

بورڈنگ ہوس جس پر یہ لفظ صادق آسکے اور جس سے اُس کا اصلی مقصد حاصل ہو، اُس میں اتنی باتوں کا ہونا ضرور ہے ❊

۱۔ بورڈنگ ہوس کا انتظام ایسے لوگوں کے سپرد ہونا، جو اُس کے اصول اور قواعد سے واقف اور اُس کا تجربہ رکھتے ہوں ❊

بورڈنگ ہوس میں کیا کیا ہونا چاہئے۔

۲۔ اعلےٰ درجہ کا اور پورا اسٹاف ہونا ❊

۳۔ بورڈنگ ہوس اور بورڈروں کے رہنے کے مکانات کی صفائی اور اُن کو صحت بخش حالت میں رکھنا ❊

۴۔ حالتِ بیماری میں اُن کے معالجہ کی نگرانی کرنا ❊

۵۔ کھانے کا عمدہ اور صحت بخش ہونا ❊

۶۔ جسمانی صحت اور ورزشوں اور مردانہ کھیلوں کا انتظام ❊

۷۔ مذہبی تعلیم اور روشن خیال علما کی صحبت ❊

۸۔ ایسے کلب اور سوسائٹیوں کا ہونا جو تحریر اور تقریر کی قوت اور غور و خیال کے مادہ کو ترقی دیں ❊

سب سے ضروری امر تصفیہ طلب یہ ہے کہ بورڈنگ ہوس کا انتظام کس کے سپرد ہو اور کون اس کا ذمہ دار کیا جاوے۔ کالج جن کے ساتھ بورڈنگ ہوں۔ گورنمنٹ کالج ہوں گے یا ذاتی ؟

جو کالج گورنمنٹ کے ہیں اُن کے بورڈنگ ہوس کا انتظام گورنمنٹ کر نہیں سکتی۔ کیونکہ اِن تمام کاموں کا پورا کرنا نہ گورنمنٹ سے ہو سکتا ہے، نہ گورنمنٹ اپنے ذمہ لے سکتی ہے، نہ گورنمنٹ کالجوں کے یورپین عہدہ داروں کے ذمہ بورڈنگ ہوس کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ بنگال کے بعض اسکولوں میں سرکار نے اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور بذریعہ کمیٹی کے اُس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مگر وہ مقصد جو بورڈنگ ہوس سے ہے اُس سے حاصل نہیں ہوتا ۔

باقی رہے قومی کالج۔ اُس کی دو صورتیں ہیں:-

ایک یہ کہ کالج ایسا ہو، جس کے پرنسپل اور پروفیسر سب ہندوستانی ہوں، ایسی حالت میں ضرور ہوگا کہ بورڈنگ ہوس کا انتظام بھی اُنہیں کے ذمہ ہو۔ مگر میری رائے میں نہ ایسے کالج، نہ ایسے بورڈنگ ہوس ایسے لوگ پیدا کر سکتے ہیں۔ جن میں وہ تمام صفات جمع ہوں جو اعلیٰ تعلیم اور عمدہ تربیت سے حاصل ہوتی ہیں اگرچہ میں دوسرے فرقوں کی نسبت ایسا نہ کہہ سکوں۔ مگر اپنی قوم مسلمانان کے لئے یقیناً یہ بات کہہ سکتا ہوں۔ کہ وہ کالج جس میں اعلیٰ درجہ کے شریف، نیک، مہذب، اور ہمدردی رکھنے والے کیمبرج اور اکسفورڈ کے تعلیم یافتہ پرنسپل اور پروفیسر نہ ہوں، ہرگز ایسا کالج نہیں ہو سکتا جو ہمارے اغراض کا پورا کرنے والا ہو، نہ اُس کا بورڈنگ ہوس گو اُس کی عمارت کیسی ہی اچھی ہو، اور اُس میں کثرت سے بورڈر بھی رہتے ہوں، ایسا بورڈنگ ہو سکتا ہے جو بورڈنگ ہوس کہا جا سکے ۔

بورڈنگ ہوس کا انتظام بغیر یورپین افسر کے نہیں ہو سکتا۔

دوسرے ایسا کالج ہو جس کے اسٹاف میں لائق یورپین ہوں۔ اُس کی نسبت یہ سوال ہے، کہ بورڈنگ ہوس کی نگرانی اور ذمہ داری کس کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے اکثر ایسے کالج کے لئے کوئی ہندوستانی کمیٹی ہوتی ہے، اور اُس کا انتظام ٹرسٹیوں کے ذمہ ہوتا ہے، اگرچہ اُن میں اکثر عالم اور قابل اور منتظم ہوتے ہیں، مگر بہت کم اُن میں ایسے پائے جاتے ہیں جو بورڈنگ ہوس کے طریقوں اور اُس کے قواعد سے واقف ہوں۔ اور جن کو خود بورڈنگ ہوس میں رہنے کے فوائد اور اُس کے طریقے معلوم ہوں۔ اس لئے ضرور ہے کہ بورڈنگ ہوس کا انتظام اور اُس کی ذمہ داری یورپین پرنسپل اور اس کے اسٹاف پر بہ پابندی خاص قواعد کے چھوڑ دی جائے۔ اس کی ضرورت علاوہ اس کے کہ ہندوستانیوں میں بہت کم اس قسم کے انسٹیٹیوشن کا ذاتی تجربہ رکھنے والے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ تربیت کو تعلیم سے علیحدہ کرنا نامناسب بلکہ مضر ہوگا۔ بورڈنگ ہوس کے عام انتظام کی اُمید جیسی کہ ہم ایک یورپین پرنسپل سے کر سکتے ہیں، جو کیمبرج یونیورسٹی میں خود رہا ہو، اُس کی اُمید کسی اپنے مولوی یا کسی اپنے ٹرسٹی سے نہیں کر سکتے، البتہ اس بات کا دیکھنا ضرور ہوگا کہ جس انگریز کے ہاتھ میں ہم اپنے بچوں کی تربیت سپرد کریں وہ ہمارا ہمدرد ہو، ہمارے اغراض کو پیش نظر رکھے، ہم سے دوستانہ اور ہمدردانہ برتاؤ رکھنے والا ہو، اور ہمارے مقررہ قواعد کا پابند ہو۔ مگر صرف انگریزی اسٹاف پر بالکل چھوڑ دینا اور

اس کو خود مختار کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ بلکہ اپنی نگرانی ہمیشہ قائم رکھنی اور اس بات کا دیکھنا کہ وہ اپنے

یورپین افسر کے ساتھ ایک مسلمان عالم کا بھی ہونا۔

فرائض قواعد مقررہ کے مطابق انجام دیتے ہیں یا نہیں اشد ضروری ہے۔ اس لئے اس کے ہم اپنی روحانی اور اخلاقی تربیت اور اپنی قومی تہذیب اور قومی خصائل کے قائم رکھنے اور قومی فیلنگ پیدا کرنے کی توقع کسی غیر قوم کے آدمی سے گو وہ کیسا ہی اچھا ہو، نہیں رکھ سکتے۔ یہ کام ہماری ہی قوم کا آدمی کر سکتا ہے۔ اِس لئے ضرور ہے کہ ہم ان باتوں کی نگرانی کے لئے بورڈنگ ہوس میں ایک ایسا لائق، روشن ضمیر، اور غیر متعصب، مسلمان بھی انگریز پرنسپل کے ساتھ رکھیں جو اپنی اسلامی تہذیب و شائستگی کے ساتھ موجودہ زمانہ کی ضروریات سے بھی واقف ہو۔ جو انگریزوں کے ساتھ ملکر اچھی طرح کام کر سکے۔ اور جس کا روحانی اور اخلاقی مذاق لڑکوں پر اچھا پڑے۔ تاکہ ہمارے لڑکے اپنے مذہب، اپنی شائستگی، اپنے اخلاق، سے بے بہرہ ہو کر نرے انگریز نہ بنجاویں۔ اور بجائے برکت کے ہمارے حق میں مصیبت نہ ہو جاویں ٭

ایک اور دقت بورڈنگ ہوس کے قایم کرنے اور آیندہ اُس کے انتظام میں یہ ہے کہ بورڈنگ ہوس کے مالک مختار اور قواعد کے تجویز کرنے والے ہندوستانی ہونگے، اور اس کا انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں دینا ہوگا۔ اس حالت میں اکثر ایسی مشکلات پیش آوینگی۔ جن کا حل کرنا کچھ آسان نہ ہوگا،

یورپین اسٹاف اور مسلمان منتظموں کے باہم جھگڑے پیدا ہونے کا اندیشہ۔

ہندوستانیوں اور انگریزوں کے خیالات اور عادات اور مزاج ایسے مختلف واقع ہوئے ہیں کہ دونوں کا مل جل کر کام کرنا مشکل ہے۔ بورڈنگ ہوس کے کام کرنے والے انگریزوں کو اپنا ماتحت سمجھینگے اور اُن سے اپنے احکام کی تعمیل کرانا چاہینگے۔ اور انگریز بالطبع خود مختاری کی خواہش کرینگے۔ اور اکثر اپنے آقاؤں کے احکام اور قواعد کی پابندی دل سے نہ کرینگے۔ اور اُن کی ایسی خواہشیں جو اُن کے نزدیک ناواجب اور ناجائز ہوں کبھی پوری نہ کرینگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باہم اُن کے جھگڑے ہونگے۔ اور اُس کا اثر انتظام پر پڑیگا۔ اس لئے ضرور ہے کہ دونوں گروہوں کے حدود اختیارات صاف صاف مقرر کر دئے جاویں اور آقاؤں اور ملازم کے کاموں کی تشریح اور تصریح کر دیجاوے ٭

مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں مرحوم سر سیّد احمد خاں کے زمانہ میں کالج کے ٹرسٹیوں اور اسٹاف کے باہم بھی کسی قدر دقت پیش آئی تھی۔ اُس وقت کالج کے ایک معزز ٹرسٹی حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے اس مشکل کے حل کرنے کے متعلق ایک نہایت عمدہ رائے لکھی تھی، جو ہمارے نزدیک بطور ایک دستور العمل کے ہے۔ اور علیگڈھ کالج میں اُسی کے مطابق عمل ہوتا ہے، حاجی صاحب لکھتے ہیں کہ :-

> اُس کالج کا مقصد یہ ہے کہ مابین انگریزوں اور مسلمانوں کے صرف یاری ہی نہیں بلکہ عملی محبت پیدا کرائی جائے۔ نیز کالج کے شاگردوں کو یورپین ڈھنگ پر کام کاج کرنے، اصلاح سے رہنے، راستبازی

سے زندگی بسر کرنے، اور شگفتہ مزاج ہونے کی تعلیم دیجائے۔ اور اس مقصد کے حاصل ہونے کی تدبیر صرف یہ ہے کہ انگریزوں کو بھی اپنے کام میں عملاً نہ کہ صرف زبانی شریک کیا جائے۔ اور شاگردوں کے متعلق نہ صرف تعلیم بلکہ تربیت بھی انگریزوں کے حوالہ کی جائے۔ اور بورڈنگ میں انگریزوں کی مداخلت بہت کچھ بڑھا دیجائے۔ اور چونکہ ٹرسٹی اور کالج کے ملازمین دو جدا جدا گروہ ہیں، اور اُن میں باہم وہی تعلق ہے جو آقا اور ملازم میں ہوتا ہے، اس تعلق کو کارآمد اور خوش اسلوب بنانے کے واسطے لازم ہے کہ نہ صرف ملازموں کے حدود اختیار ظاہر کئے جاویں، بلکہ آقا کے حدود اختیار بھی محدود ہونا چاہئیں۔ تاکہ ہر ایک گروہ اپنے فرائض منصبی کے انجام دینے میں آزاد ہو، اور اپنے آپ کو ذمہ دار اور جواب دہ اپنی خدمات کا سمجھ کر اُس کے حسن انتظام میں مصروف رہے۔ جو افسوسناک تحریریں .. .. کی طرف سے پرنسپل یا کالج اتھارٹی کے مخالف یا پرنسپل کی طرف سے .. .. کے خلاف ہوئیں وہ درحقیقت نتیجہ ہیں اُس خرابی انتظام کا جو اول تھا۔ یعنی عدم تعین حدود مابین خدمات آقا و ملازم (ٹرسٹیز و کالج اسٹاف) جس کا اب قطعاً انتظام ہو جانا چاہیئے۔ یعنی ٹرسٹیوں کے کام یا خدمات صرف یہ ہونا چاہئیں :-

۱- فراہم کرنا روپیہ کا کالج کے مقاصد کے واسطے ❊

۲- عمدہ طور سے نگرانی اور مناسب طور سے صرف کرنا اُس روپیہ کا جو وصول ہو چکا ہے۔ یا آیندہ وصول ہو ❊

۳- نگرانی کرنا اس بات کی کہ اُس کے ماتحت یوریپین ملازم اور دیسی ملازم اپنے فرائض منصبی کو پورے طور پر انجام دیتے ہیں یا نہیں۔ اس کے سوا اگر ٹرسٹی یہ چاہیں کہ داروغہ عمارت بھی خود بنیں پرنسپل بھی خود ہوں، پروفیسر اور ٹیچر بھی خود ہوں، یا بورڈنگ ہوس کے مینجر اور گورنر بھی خود ہوں تو اُن کا انجام یہ ہوگا کہ :-

اوّل - تو بوجہ عدیم الفرصتی کے اُن کو اتنا وقت نہیں ملیگا کہ وہ کالج کے متعلق کسی خدمت کو بھی انجام دیسکیں ❊

دوم - بوجہ آقا ہونے کے اگر خود مختارانہ طور سے اپنے حدود اختیار سے باہر قدم رکھینگے، اور اس میں منجانب گروہ ملازم یا اُن کے ہم ردیف ٹرسٹیوں کے مزاحمت ہوگی، تو کام کا خاتمہ ناگوار اور برباد کن باتوں پر ہوگا ❊"

اگرچہ علیگڈھ کالج کا انتظام ایک نہایت لائق اور ہوشیار یوریپین پرنسپل کے متعلق ہے، ایک تجربہ کار، جفاکش، یوریپین پروفسٹ اُس کا نگراں ہے۔ ایک تجربہ کار محنتی پراکٹر اور چند سب پراکٹر بھی مقرر ہیں۔

اور بعض ٹرسٹی بھی اس میں کام کرتے ہیں۔ مگر ابھی اس کے پورا کرنے کے لئے بہت کچھ خرچ کرنے، اسٹاف بڑھانے، لائق سب پراکٹر مہیا کرنے، اُن کے رہنے کے لئے کالج کے احاطہ میں مکان بنانے، اخلاقی نگرانی کے لئے ایک روشن ضمیر عالم کے مقرر کرنے اور دیگر ضروری کاموں کی تکمیل کی حاجت ہے۔ اور روزانہ اس قدر مشکلات پیش آتی ہیں، اتنے نقص دکھائی دیتے ہیں اور اتنے جھگڑے ہوتے ہیں، جن کی اصلاح اور طے کرنے میں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اور بہ نسبت تعلیم کے اس کام میں پرنسپل اور پرووسٹ اور پراکٹر کا وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ اِن دقتوں اور مشکلات پر جو شبانہ روز میں علیگڈھ کے بورڈنگ ہوس میں دیکھتا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر جگہ بغیر انگریزی اسٹاف اور بغیر خرچ کثیر اور بغیر محنت شاقہ کے کیونکر آسانی سے بورڈنگ ہوس قائم ہو سکتے ہیں ✣

بورڈنگ ہوس کے اخراجات

بالفرض ایسے بورڈنگ ہوس قائم بھی ہو سکیں۔ مگر اُن کے قائم کرنے سے پیشتر دیکھ لینا ضرور ہے، کہ اُس میں کافی تعداد بورڈر آ دینگے بھی یا نہیں۔ عمدہ بورڈنگ ہوس میں رہنے کے لئے بہت خرچ درکار ہوتا ہے۔ اور ایسے کاموں میں بورڈروں کو روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جس کا براہ راست امتحان کے نتیجوں پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ میں سلطانی بورڈنگ ہوسوں کی نسبت کہہ سکتا ہوں کہ اُن میں ایسے بورڈروں کا کافی تعداد سے آنا جو اُس کے مصارف کے متحمل ہوں مشکل ہے اول تو مسلمان عموماً مفلس ہیں وہ خرچ کر نہیں سکتے۔ دوسرے تعلیم پر خرچ کرنا وہ بطیب خاطر گوارا نہیں کرتے خصوصاً ایسی باتوں پر جن کا اثر امتحان کی کامیابی کے سوا اور باتوں پر پڑتا ہو۔ قوم کا رجحان اور اُن کی نتہائی آرزو یہ ہے، کہ امتحان میں اُن کے لڑکے پاس ہو جاویں۔ اُن کو اُن فوائد کی جو عمدہ بورڈنگ ہوس میں رہنے سے حاصل ہوتے ہیں نہ قدر ہے نہ اُس کا خیال۔ اُن کے نزدیک وہی کالج اچھا ہے جو امتحان میں لڑکے زیادہ پاس کرا دیا کرے ✣

بورڈنگ ہوس میں کسی بورڈر کا خرچ عـــہ ۲۰ روپیہ ماہوار سے کم نہیں ہو سکتا۔ اور اکثر ۴۰ روپیہ ماہوار تک ہوتا ہے۔ یہ خرچ گو بمقابلہ کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹی کے اخراجات کے بہت ہی کم ہے، مگر اس ملک میں بہت ہی زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ بظاہر اس خرچ پر بورڈنگ ہوس میں بورڈروں کا اس قدر جمع ہونا کہ بورڈنگ ہوس چل سکے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر بورڈر جمع بھی ہو جاویں اور اُس خرچ کے متحمل بھی ہوں، تاہم اور بہت سے اخراجات کے لئے جو کہ بورڈروں کے لئے برداشت کرنا ہے بہت کچھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ پرووسٹ اور پراکٹر اور سب پراکٹروں کی تنخواہ کے علاوہ مذہبی نگرانی کے لئے ایک عالم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جو ڈین کہلایا جاتا ہے۔ جسمانی ورزشوں اور قواعد کے لئے خاص تنخواہ دار تجربہ کار آدمی رکھنا پڑتا ہے۔ جو لوگ بورڈنگ ہوس کا کام کرتے ہیں وہ جب تک کالج کے احاطہ میں نہ رہیں، اپنے فرائض منصبی اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ اور وہ [illegible]

رہ نہیں سکتے، جب تک اُن کے رہنے کے لئے ایسے مکانات نہ ہوں اگر وہ بصورت متاہل ہونے کے وہ مع اپنے عیال کے آسائش سے رہ سکیں۔ ان تمام کاموں کے لئے کالج کو خرچ کثیر اُٹھانا پڑتا ہے، جس کے لئے نہ کوئی فنڈ معیّن ہے، نہ جس کی آمدنی مستقل ہے، نہ جس کے لئے روپیہ بغیر خاص کوشش اور بغیر محنت مل سکتا ہے ❊

بورڈنگ ہوس علیگڈھ کے اخراجات کے لئے بھی مشکل سے روپیہ ملتا ہے اور جتنا چاہیئے اُتنا اُس کو بھی نہیں ملتا۔ اور وہ بہ نسبت اُس رقم کے جو بورڈروں سے وصول ہوتی ہے۔ بورڈروں کے ایک حصّہ پر زیادہ خرچ کرتا ہے اس لئے کہ بورڈنگ ہوس دو حصّوں میں منقسم ہے۔ ایک اسکول کلاس کے بورڈر، دوسرے کالج کلاس کے بورڈر، یہ بات خوشی سے ظاہر کی جاسکتی ہے کہ اسکول کلاس کے بورڈروں پر کالج کا کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ اور اُس کی شہرت اس قدر ہوگئی ہے اور اُس کے فائدے اُس قدر ثابت ہوگئے ہیں کہ دور دراز مقامات سے مستطیع مسلمان اپنے لڑکوں کو یہاں بھیجتے ہیں اور نہایت خوشی سے اُس کا صرف گوارا کرتے ہیں۔ چنانچہ قریب (۳۰۰) اسکول بورڈر کے ایسے ہیں جو پورا خرچ اپنا آپ اُٹھاتے ہیں اور فی بورڈر ما ۲۵ سے کم صرف نہیں ہوتا۔ مگر یہ افسوس سے بیان کیا جاتا ہے کہ کالج کلاس کے بورڈروں پر کالج کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اُن میں نصف سے زیادہ ایسے بورڈر ہیں کہ اگر اُن کی مدد نہ کی جاوے تو اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے۔ اُن سے اگرچہ پوری فیس لی جاتی ہے، اور پورا خرچ کھانے کا اور مکان کا کرایہ بھی وصول کیا جاتا ہے۔ مگر اُن کو وظیفے دئیے جاتے ہیں جن کی سالانہ مقدار [illegible] اور [illegible] ہوا کرتی ہے۔ اور یہ وظیفے کسی قدر اُس فنڈ سے دئیے جاتے ہیں، جو اسی کام کے لئے جمع ہے، اور زیادہ تر سالانہ چندہ سے دئیے جاتے ہیں، جس کے لئے بہت کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اگر وظائف سے اُن کی مدد نہ کیجاوے تو کالج کلاس کے نصف سے زیادہ بورڈر چلے جاویں۔ اور مشکل ہے کہ ہر سال چندہ سے اس قدر رقم وظائف دینے کے لئے وصول ہوجایا کرے ❊

بورڈنگ ہوس میں جسمانی ورزشوں کا انتظام

بورڈنگ ہوس میں جسمانی ورزشوں اور مردانہ کھیلوں کے لئے بھی عمدہ انتظام اور پوری نگرانی کی ضرورت ہے۔ تاکہ لڑکوں کی جسمانی صحت قائم رہے اور کھیل کی خوشی اور جوش میں وہ اُس تکان اور محنت کو برداشت کرسکیں۔ جو اس دماغی تکلیف کا بدل ہو جو اُن کو پڑھنے میں اُٹھانی پڑتی ہے۔ سوائے اس کے ان دلیرانہ کھیلوں کے ذریعہ سے اُن میں مفید خصلتیں دلیری اور مردانگی کی پیدا ہوں اور ڈسپلن کی عادت ہو۔ اور اپنا کام آپ کرنا سیکھیں، اور بالآخر ایک عمدہ جفاکش سپاہی اور ہر کام کرنے کے لائق بن سکیں۔ اس کے لئے بھی ضرورت ہے کہ اس کی نگرانی کالج اسٹاف کے کسی یورپین کے سپرد ہو، اُس کے لئے کرکٹ کلب اور فٹ بال کلب

اور رایڈنگ اسکول قائم ہوں۔ اور اُن کا انتظام باقاعدہ ہو، تاکہ ان کھیلوں میں افراط تفریط نہ ہونے پائے اور اعتدال قائم رہے ❖

بورڈنگ ہوس میں خاص کلب اور خاص سوسائٹیوں کی ضرورت

بورڈنگ ہوس میں خاص کلب اور خاص سوسائٹیوں کی بھی شدید ضرورت ہے۔ تاکہ اُن کی عقلی زندگی پوری ہو، اُن کا دماغ وسیع، اور اُن کے اخلاق بلند ہوں، اور دنیا کی کشمکش کے ہر معاملہ میں اُن کو مقابلہ کرنے کی قوت پیدا ہو۔ ایک ضروری سوسائٹی ڈبیٹ کے لئے ہو، تاکہ جلسوں میں اسپیچ کرنے کی مہارت پیدا ہو۔ ایک سوسائٹی ایسی بھی جو اخلاقی اور علمی مضامین پر جواب مضمون لکھنے پر قابلیت پیدا کرے۔ اور ایک ایسی انجمن بھی ہو، جو قوم کے لئے کام کرنے، اور قومی فوائد کے لئے کوشش کرنے پر توجہ کرے۔ اس قسم کی (۹) انجمنیں اور کلب مدرستہ العلوم علیگڈھ میں قائم ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن سے بہت بڑا فائدہ بورڈروں کو ہوا ہے۔ اور یوروپین اسٹاف کی شرکت اور نگرانی سے یہ انجمنیں اچھی طرح چلتی ہیں ❖

بورڈنگ ہوس میں مانیٹری سسٹم قائم کرنا بھی ضروری ہے تاکہ بورڈنگ ہوس کے کاموں کی نگرانی میں پراکٹر کو طلبا سے مدد ملے، اور مانیٹروں کو اس ذریعہ سے انتظام کرنے اور ڈسپلن قائم کرنے کی قابلیت پیدا ہو۔ علیگڈھ کالج کے طالب علموں میں اسی مانیٹری سسٹم سے وہ قابلیتیں پیدا ہوئیں جس کے سبب سے وہ مشہور اور نامور ہوئے اور محنت کرنے اور مشکل کاموں کے انجام دینے اور اپنے فرائض کو اچھی طرح پورا کرنے کی لیاقت اور قومی جوش اور ہمدردی کا خیال پیدا ہوا۔ اکثر طالب علم اپنی ذاتی آسائش پر قوم کی خدمت کو مقدم خیال کرنے لگے۔ یہاں تک کہ تعطیلوں میں بجائے گھر پر جانے اور آرام کرنے کے وہ مختلف حصوں میں ملک کے جاتے ہیں اور اپنے کالج کے لئے روپیہ جمع کرتے ہیں۔ سال گذشتہ میں قریب دس ہزار روپیہ کے وہ چندہ وصول کرکے لائے اور اس طرح سے اپنی عمدہ تعلیم اور عمدہ تربیت کا ثبوت دیا ❖

علیگڈھ کی تعلیم میں بوجہ پابندی یونیورسٹی کے قواعد کے جو نمایاں فرق اس کالج کے اور دوسرے کالج کے طلبا میں ہے وہ صرف نتیجہ بورڈنگ ہوس کے عمدہ انتظام اور عمدہ صحبت اور پروفیسروں اور طلبا کے باہمی میل جول کا ہے۔ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے، کہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے برابر یہاں تربیت کا سب سامان جمع ہے یا جیسا کہ ہم چاہتے ہیں اُس کا انتظام مکمل ہے، مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کچھ سامان تربیت کا یہاں مہیا کیا گیا ہے، اور جس طریقہ سے یہاں بورڈر رکھے جاتے ہیں۔ آج ہندوستان میں بے مثل ہے۔ ہر ایک بورڈر جو مدرستہ العلوم کی چار دیواری میں قدم رکھتا ہے اپنے تئیں نئی آب و ہوا، اور ایک نئی زندگی میں پاتا ہے، اور اپنی گرد و پیش کی تمام چیزوں میں زندہ دلی اور شگفتگی اور حرکت اور جوش دیکھتا ہے، اُس کے کانوں میں ہر طرف سے محبت، ہمدردی،

اور گورنمنٹ کی سچی خیرخواہی کی آوازیں آتی ہیں۔ اور وہ اپنے تمام جائز جذبات اور اُمنگوں کے لئے چاروں طرف آزادی کی راہیں کھلی پاتا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اب اُس نے ملک کے ہر حصہ میں اعتماد پیدا کرلیا ہے اور چاروں طرف سے قوم کے لڑکوں کا آنا کثرت سے جاری ہے۔ اس وقت (۳۱۷) بورڈر ہیں، جن میں سے (۴۷) لڑکے بارہ برس سے کم عمر کے ہیں۔ جن کے ساتھ نہ کوئی رشتہ دار رہتا ہے نہ کوئی ملازم، والدین نے تنہا اُن کو چھوڑ دیا ہے وہ نہایت خوشی سے یہاں رہتے ہیں اور گھر سے زیادہ اُن کا یہاں دل لگتا ہے ❊

اگر ہمارے کالج میں بورڈروں کے رہنے کے لئے اور مکانات ہوتے اور اسٹاف کافی ہوتا۔ تو طالب علموں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہوتی۔ اور بورڈروں کی نگرانی اور تربیت میں بھی ترقی پائی جاتی ❊

یہ خیال کہ بورڈنگ ہوس کی نگرانی یونیورسٹی کے متعلق کر دیجائے صحیح نہیں ہے۔ جو بورڈنگ ہوس ایسے ہونگے جیسا کہ علیگڈھ کا ہے اُس کے منتظم کبھی گوارا نہ کرینگے کہ گورنمنٹ یا یونیورسٹی کی دست اندازی یا کچھ بھی مداخلت اُن کے کاموں میں ہو۔ وہ اپنی آزادی میں خلل نہ آنے دینگے، اور وہ اپنے اس قومی کام میں کسی بیرونی ہدایت کی ضرورت نہ سمجھینگے۔ نہ اُس سے فائدہ ہوگا۔ اور جو بورڈنگ ہوس صرف مسافرخانہ اور سرائے کے طور پر ہونگے اُس کا انتظام اگر یونیورسٹی یا گورنمنٹ اپنے ذمہ یا اپنی نگرانی میں لیگی اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ ایسی ذمہ داری لینے سے گورنمنٹ کی نسبت بدگمانیاں پیدا ہونگی، جو خرابیاں پیش آوینگی اُن کا انتظام گورنمنٹ پر لگایا جاویگا ❊

یہ خیال کہ کسی کالج میں تعلیم کی اجازت نہ دیجائے الّا اُس شخص کو جو اپنے والدین یا اپنے دوست کے پاس رہتا ہو، یا سرکاری بنائے ہوئے بورڈنگ ہوس میں سکونت اختیار کرے، صحیح نہیں ہے۔ اس سے بورڈنگ ہوس کے فوائد تو حاصل ہونگے، اور اُن کے اخلاق اور کریکٹر درست نہ ہوسکینگے، مگر خرچ بڑھ جاویگا اور غریب طالب تعلیم پانے سے محروم ہوجاوینگے اور پبلک کو یہ بدگمانی پیدا ہوگی کہ گورنمنٹ نے اعلےٰ تعلیم روکنے کے لئے یہ حیلہ تجویز کیا ہے ❊

اس سے درحقیقت بہت نقصان ہوگا اور عام شورش پیدا ہوگی۔ میری رائے میں گورنمنٹ کو یا یونیورسٹی کو کسی بورڈنگ ہوس کا انتظام اپنے ذمہ لینا مناسب نہیں ہے۔ نہ ایسا قاعدہ جاری کرنا مفید ہے۔ تربیت کا انتظام بالکل اُسی فرقے کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہئے، جو اپنے بچوں کی تربیت کا انتظام کرنا چاہے۔ البتہ گورنمنٹ کو ترغیب دینا مناسب ہے تاکہ ہر فرقہ اپنی اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کے موافق بورڈنگ ہوس قائم کرے اور اُس کو مالی مدد دینا چاہئے تاکہ انتظام کے سامان مہیا کرنے میں آسانی ہو ❊

کالج صرف تعلیم کے لئے ہے، اور بورڈنگ ہوس تربیت کے واسطے۔ اور تربیت ناقص اور

ناتمام ہے، جب تک اخلاق اور مذہبی تعلیم نہ ہو۔ اور اخلاق درست اور مذہب کا اثر ہو نہیں سکتا جب تک کہ اُس کے اثر ڈالنے کو کافی سامان مہیا نہ ہو یعنی عمدہ صحبت نصیب نہ ہو۔ بلا شبہ دنیوی کے ساتھ مذہبی تعلیم کا دیا جانا نہایت ضروری ہے اور نہ صرف ضروری ہے۔ درحقیقت ایک کا دوسرے سے جدا کرنا گویا جسم اور جان کو علیٰحدہ کرنا ہے۔ مگر غور طلب یہ امر ہے کہ مذہبی تعلیم یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ کہاں اور کس طرح اور کس درجہ تک دیجا سکتی ہے، اور اُس کا انتظام کون کرسکتا ہے۔ سرکاری مدرسوں میں گورنمنٹ ہندوستان کی مختلف فرقوں کی مذہبی تعلیم پر نہ خود خرچ کرسکتی ہے نہ اُس کا انتظام اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔ نہ ایسا کرنا اُس کو مناسب ہے۔ اس کے لئے سرکاری مدرسوں میں مذہبی تعلیم کے لئے اجازت دینا اور خاص وقت مقرر کرنا کافی ہے، جیسا کہ بذریعہ سرکلر نمبر ۱۳ سنہ ۱۸۹۶ء انگلو ورنیکولر اسکولوں میں ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی و اودھ نے اجازت دی ہے۔ اور امدادی مدرسوں میں پوری آزادی ہے، اور ہر فرقہ اپنی خواہش اور مرضی کے موافق مذہبی تعلیم کا بندوبست کرسکتا ہے ✦

مگر مذہبی تعلیم دو قسم کی ہے، ایک کامل، دوسری بقدر ضرورت۔ یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم اول قسم کی ہو نہیں سکتی۔ اور نہ اُس وقت ہوتی تھی جب کہ خود مسلمانوں کے اعلیٰ تعلیم کے لئے خاص اُن کے مدرسے تھے۔ اُس وقت دو قسم کی تعلیم جاری تھی۔ ایک معقول کی دوسری منقول کی۔ زیادہ تر توجہ معقول کی تعلیم پر تھی، جو سلسلہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں مذہبی کتابیں بقدر ضرورت پڑھائی جاتی تھیں۔ دوسری تعلیم کے خاص مدرسے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ صرف ایک ہی خاندان میں ایسی تعلیم ہوتی تھی جو دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا تھا۔ اب یہ کام ندوۃ العلماء نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اگر اُس کو کامیابی ہوئی تو وہ اعلیٰ درجہ کی مذہبی تعلیم کی خواہش کو پورا کرسکیگا ✦

البتہ بقدر ضرورت جیسا کہ پہلے مسلمانی مدرسوں میں ہوتا تھا، سرکاری اور امدادی مدرسوں میں مذہبی تعلیم کا دیا جانا ممکن بھی ہے۔ مگر تعلیم سے بڑھ کر یہ امر ضروری ہے کہ مدرسہ میں کوئی ایسا نیک اور غیر متعصب مذہبی عالم بھی موجود ہو، جو لڑکوں کے فرائض مذہبی ادا کرنے کا نگراں رہے، اُن کو وعظ و نصیحت کرتا رہے، تاکہ اُس کی صحبت کا اثر ایسا ہو کہ لڑکوں کے دل میں مذہبی نیکیاں اور مذہبی خوبیاں بیٹھ جاویں، اخلاق حسنہ کا برتاؤ اور مذہبی فرائض کی پابندی اُن کی زندگی کا ایک جزو ہو جاوے۔ اور متعصبانہ خیالات پیدا نہ ہونے پاویں، کتابوں کے انتخاب اور عالموں کے تقرر میں اس بات کی نہایت احتیاط کیجاوے، کہ وہ باتیں جو درحقیقت مذہب کے اصلی تعلیم کے خلاف ہیں، اور جن سے مذہبی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، لڑکوں کے دلوں میں نہ بیٹھنے پاویں۔ اور اُن کو ایسی تعلیم و تہذیب دیجاوے جس سے نیکی اور انسانیت کے پاکیزہ خیالات اُن کے دل میں پیدا ہوں۔ یہی نوع انسان کے

ساتھ ہمدردی اور محبت کی خوبیاں اُن کو معلوم ہوں۔ اُن کے دل کی سچائی اور باہمی محبت اور نیکی کی طرف مائل ہوں۔ کوئی ایسی کتاب نہ پڑھائی جائے، نہ اس قسم کی باتیں لڑکوں سے کی جاویں، جن سے اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہو، کہ دوسرے مذہب والوں سے نفرت کرنا، اُن کو بُرا جاننا، اُن سے مخالفانہ برتاؤ کرنا، اور اُن کو حقیر سمجھنا، اچھا اور مذہب کے موافق ہے۔ اس قسم کی تعلیم یا ایسی صحبت جس سے اس طرح کے بُرے خیالات پیدا ہوں بجائے مفید ہونے کے مضر ہے، اور درحقیقت مذہبی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ مذہبی تعلیم کی بدنام کرنے والی ہے۔ اور ایسے ملک میں جہاں مختلف مذہب کے لوگ رہتے ہوں، اور جس کی ترقی اور آبادی اور امن و امان اس پر منحصر ہے کہ سب مل جل کر رہیں، بلالحاظ مذہب کے، سب باہم اتفاق و اتحاد رکھیں۔ باہم دوستانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کریں۔ مخالفت پیدا کرنے والی تعلیم نہایت خطرناک ہے *

چونکہ ہر مذہب میں دو قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ موجود ہیں اس لئے مذہبی تعلیم میں احتیاط ضرور ہے۔ میں اپنے مذہب اسلام ہی کی نسبت کہتا ہوں کہ اُس میں ایک فرقہ ایسا ہے، جس کے مذہبی خیالات اسلام کی اصلی تعلیم پر مبنی اور تعصب اور تنگدلی سے پاک ہیں۔ اس سے متعلمین کے دلوں میں یہ اثر اور یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اسلام تمام اخلاق اور فضائل کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کے ساتھ بلاتخصیص مذہب کے شفقت اور مہربانی سے پیش آنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ تعصبات اور اوہام سے پاک ہے۔ وہ ہر قسم کی قوتوں کا جو خدا نے انسان میں دی ہیں، ترقی دینے والا ہے، اُس نے رائے اور عقل کو آزادی بخشی ہے، اخلاق حسنہ کی تعلیم دی ہے اسی تعلیم سے انسان اپنی قوم کا معزز اور کارآمد رکن، بنی نوع انسان کا سچا ہمدرد، اور اپنی گورنمنٹ کا سچا خیرخواہ ہوتا ہے *

دوسرا وہ فرقہ ہے جس کے خیالات بالکل اس کے برخلاف ہیں۔ وہ دوسری قوموں کے ساتھ میل جول رکھنا اسلام کے خلاف سمجھتا ہے، اور سوائے اپنے ہم خیال لوگوں کے اور سب کو گمراہ اور فتنہ پرداز جانتا ہے، غیر مذہب والوں کی اہانت کو واجب، اُن کی توقیر کو حرام، اور اُن سے میل جول کو ممنوع سمجھتا ہے، یہاں تک کہ خود مسلمانوں میں بھی سوائے اپنے فرقہ کے سب کلمہ گو کو گمراہ اور ناری سمجھتا ہے۔ دوسرے فرقے کے لوگوں کے پاس بیٹھنا، اُن سے ملنا، اُن کے ساتھ کھانا کھانا یہاں تک کہ اُن کو سلام کرنا بھی بُرا جانتا ہے *

ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ دونوں قسم کی تعلیم میں کس قدر فرق ہے۔ ایک تعلیم کیسی مفید ہے، اور دوسری کیسی مضر اور خطرناک۔ مگر شکر اور خوشی کا مقام ہے کہ اول قسم کے خیالات رکھنے والے عالم کثرت سے ہیں اور انہیں کا ملک میں رسوخ ہے اور وہی عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ندوۃ العلما جس میں قریباً تمام ہندوستان کے مشہور اور معزز عالم شریک ہیں پہلی قسم کے خیالات

رکھنے والوں میں سے ہے، اور اتحاد و اتفاق پیدا کرتا، اور جھگڑے اور تعصبوں کو مٹانا اس کالج کا اصلی مقصود ہے، اور اسی جرم میں دوسری قسم کے متعصب اور نادان اور تنگ خیال مولویوں نے اُن پر کفر کا فتوے جاری کیا ہے ❖

جو تفریق مذہبی تعلیم کی میں نے مسلمانوں کی نسبت کی ہے وہی حالت دوسرے مذہبوں کی بھی ہے۔ عیسائی اور ہندو مذہب میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو تمام بنی نوع انسان سے محبت رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، دوسروں کے ساتھ ہمدردی رکھتے اور اتفاق اور اتحاد پیدا کرانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو دوسرے مذہب والوں کے دلوں کا دُکھانا، اُنکی تحقیر و توہین کرنا، اُن کے مذہبی پیشواؤں کو بُرا کہنا۔ اُن کے مذہبی عقائد و مراسم کی نسبت دلخراش باتیں کرنا، اُن کو حقیر سمجھنا۔ اُن سے متنفر رہنا، اور دوستی کی بجائے دشمنی پیدا کرنا سکھاتے ہیں۔ غرضکہ مذہبی تعلیم اگر اُس کی بنیاد نیکی اور فراخ حوصلگی پر ہو جو اعلیٰ تعلیم ہر مذہب کی ہے، وہ نیک خیالات پیدا کرنے والی ہے۔ اور اگر تعصب اور تنگدلی پر مبنی ہو تو وہ بُرے خیالات اور بُرے اخلاق سکھانے والی اور انسان کو وحشی بنانے والی بھی ہے۔ غرضکہ وہ ایک ایسی غذا ہے، جس کے اجزا میں تریاق اور زہر دونوں موجود ہیں، اور اُس کے استعمال کرنے والوں پر اُن کی زندگی اور موت منحصر ہے ❖

علیگڈھ کالج میں مذہبی تعلیم دیجاتی ہے۔ اگرچہ وہ کوئی ایسی تعلیم نہیں ہے جو اُس مذہبی تعلیم سے علیحدہ ہو جو مسلمانی مدرسوں میں دیجاتی ہے۔ کتابوں اور پڑھانے والوں اور مذہبی نگرانی کرنے والوں کا انتخاب ایسا کیا گیا ہے کہ جو فوائد مذہبی تعلیم سے ہونے چاہئیں وہ سب حاصل ہیں۔ یہاں کی مذہبی تعلیم تعصب سے پاک ہے۔ تفرقہ کو دُور کرنے والی ہے۔ غیر مذہب والوں سے اتحاد اور دوستی رکھنے کی تعلیم دیتی ہے۔ گورنمنٹ کی اطاعت اور سچی خیرخواہی کو جزو اسلام بتاتی ہے، جیسا کہ مدرستہ العلوم کے ٹرسٹیوں کے اُس ایڈریس میں جو مسٹر اکلینڈ کالون کو دیا تھا بیان کیا ہے ❖

"ہم نے مذہبی تعلیم کو مسلمانوں کے لئے خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ ایک مناسب حد تک تعلیم کا لازمی جزو قرار دیا ہے اور اس ذریعہ سے ہم کو اُن کے اخلاق کی درستی کا بھی نہایت موقع حاصل ہوا ہے۔ ہم مذہبی تعلیم میں بہ نسبت فقہی مسائل کے زیادہ تر اخلاقی تعلیم کو عزیز رکھتے ہیں۔ ہم اُن کو مذہبی تعلیم میں سکھاتے ہیں کہ رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا، تمام مخلوقِ خدا کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنا، ترقی اور حیا اور حسن خلق کا اختیار کرنا، غضب اور غرور کو ترک کرنا، سب سے بڑا جزو ایمان کا ہے۔ پھر ہم اُن کو سکھاتے ہیں کہ خدا کے حقوق بندوں پر کیا ہیں، آپس میں ایک مسلمان کے حقوق دوسرے مسلمان پر کیا ہیں، ایک ہمسایہ کے حقوق دوسرے ہمسایہ پر گو وہ کسی مذہب کا ہو کیا ہیں، مختلف قوموں کے ہم کو کس اخلاق سے زندگی بسر کرنی چاہئے۔ پھر ہم ان کو سچائی کی خوبی سکھاتے ہیں۔ اُن کو بتاتے ہیں کہ دل کی سچائی کیا ہے، زبان کی سچائی کیا ہے، نیت اور ارادہ کی سچائی کیا ہے، وعدہ کی سچائی کیا

اعمال کی سچائی کیا ہے۔ مذہبی تعلیم کے یہ رسالے آپ کے سامنے موجود ہیں آپ ملاحظہ فرماوینگے کہ سب اسی قسم کے اخلاقی امور سے مملو ہیں ✤

مذہبی تعلیم و تربیت کی نگرانی اور انتظام کے لئے سنی اور شیعہ دونوں کی علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں ہیں۔ جن میں ایسے لوگ شریک ہیں جو بلحاظ دینداری اور پابندی احکام اسلام کے اپنے اپنے فرقہ میں معزز اور ممتاز ہیں۔ کتابوں کا تجویز کرنا اور تعلیم و تربیت کی نگرانی رکھنا اُن کا کام ہے۔ دونوں فرقوں کی تعلیم کے لئے علیحدہ علیحدہ مشہور اور معزز خاندان کے عالم مقرر ہیں۔ صبح کو قرآن پڑھایا جاتا ہے اور ہر روز ایک ایک گھنٹہ مذہبی تعلیم اسکول اور کالج میں دیجاتی ہے۔ دنیاوی کی طرح دینیات کی تعلیم میں بھی امتحان لیا جاتا ہے۔ ممتحن باہر سے بُلائے جاتے ہیں۔ وہ باضابطہ رپورٹ امتحان کی پیش کرتے ہیں ✤

ایک عالم مشہور خاندان کا دین کے عہدہ پر مقرر ہے جس کے رہنے کے لئے مسجد کے متصل مکان بنادیا گیا ہے، وہ پانچوں وقت کی نماز سنیوں کو مسجد میں پڑھاتا ہے۔ جمعہ کو وعظ کہتا ہے مذہبی احکام اور اُس کی خوبیاں سمجھاتا ہے۔ شیعوں کے لئے بھی ایک علیحدہ عالم مقرر ہے جو اُن کی مذہبی تعلیم مذہبی احکام کی پابندی کی نگرانی رکھتا ہے ✤

اگرچہ شیعہ اور سنیوں کا مذہبی اختلاف مشہور ہے۔ اور اُس سے آئے دن جو جھگڑے اور قصے پیدا ہوا کرتے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ مگر علیگڈھ کی غیر متعصبانہ تعلیم کا یہ اثر ہے کہ یہاں اُس اختلاف کا کچھ اثر پایا نہیں جاتا۔ سنی اور شیعہ دونوں ایک جگہ رہتے، ایک جگہ کھیلتے، ایک جگہ پڑھتے، ایک جگہ کھانا کھاتے، اور ایک ہی مسجد میں اپنے اپنے طریق کے موافق خدا کی عبادت کرتے، اور نماز پڑھتے ہیں، یہ خوشنما منظر غالباً دنیا کے کسی حصے میں نظر نہ آئیگا، اور یہاں کی تعلیم و تربیت نے جو اتفاق اور اتحاد مختلف فرقوں میں پیدا کردیا ہے اُس کی نظیر نہ ملیگی۔ یہاں کے تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ساتھ بھی دوستی اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ اُن سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ مذہبی اختلاف باہمی اتحاد و اتفاق کا مانع نہیں ہے۔ اور چونکہ اس کالج کی بنیاد بے تعصبی اور فراخ حوصلگی پر ہے اس لئے تعصب اور قومی اختلاف کی خطرناک علامتوں میں سے کوئی ادنٰے علامت بھی یہاں نظر نہیں آتی۔ یہ وہ تعلیم ہے جو درحقیقت اصلی مذہبی تعلیم کہلائے جانے کے مستحق ہے اور یہی وہ تعلیم ہے جو مفید ہے۔ مگر یہ صرف کتابوں کے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ جیسا میں کہہ چکا ہوں صرف عمدہ صحبت و عمدہ نگرانی سے حاصل ہوسکتی ہے اور اُس کا انتظام ہر فرقہ اپنے اپنے مذہب کے موافق خود کرسکتا ہے۔ گورنمنٹ اس میں کچھ دخل نہیں دیسکتی ✤

لیکن یہ میرا منشا نہیں ہے کہ اگر اس طرح پر مذہبی تعلیم دینے سے تربیت کا انتظام نہ ہو، تو مذہبی

تعلیم نہ دیجاوے۔ بلکہ ضرور ہے کہ مذہبی کتابیں سرکاری اور امدادی مدرسوں میں ضرور پڑھائی جاویں۔ گورنمنٹ اسکولوں میں سرکار ایسی تعلیم دینے کی اجازت دے، اُس کے لئے وقت مقرر کردے اس واسطے مناسب سہولتیں دے، اور امدادی اسکولوں میں خود اُس کے منتظم اس کا انتظام کریں۔ غرضکہ مذہبی تعلیم کو تعلیم کا ایک ضروری جزو قرار دینا ضروری اور لازمی سمجھا جاوے۔ بغیر مذہبی تعلیم کے دماغی تعلیم ناقص ہی نہیں سمجھی جاتی بلکہ بغیر مذہب کے قومی زندگی ہی باقی نہیں رہتی ❊

اب میں صرف ایک بات اور کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ موجودہ یونیورسٹیاں ہم مسلمانوں کی مختص الحالات حاجتوں کے پورا کرنے کیلئے کافی نہیں ہیں۔ نہ کسی قسم کی اصلاح سے یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ ہماری تمام حاجتوں کے لئے کبھی کافی ہوں اس مسئلہ پر (۳۰) برس سے غور ہو رہا ہے اور مرحوم سر سید احمد خاں اور اُن کے ہم خیال اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ ہماری ضرورتیں اُسی وقت پوری ہونگی جب کہ ہم تعلیم و تربیت میں گورنمنٹ کی قائم کی ہوئی یونیورسٹیوں سے آزاد ہوں، اور اپنی ضرورت اور اپنی مرضی کے موافق اپنی قومی تعلیم کا خود انتظام کریں۔ میں کمیشن کے آگاہ کرنے کے لئے کہ مجوزہ محمڈن یونیورسٹی کی کیا ضرورت ہے، اُس کا کیا مقصود ہے، اُس میں کس قسم کی تعلیم دینے کی تجویز ہے، اور کس طرح وہ بنائی جاسکیگی۔ رپورٹ سلیکٹ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان منعقدہ ۱۸۷۲ء اور اسکیم مجوزہ مسٹر سید محمود ۱۸۷۳ء اور چند ضروری کاغذات پیش کرتا ہوں۔ اگرچہ ہم نہیں کہ سکتے کہ کب ہم اس قابل ہونگے کہ اپنی مجوزہ یونیورسٹی کی خواہش باضابطہ گورنمنٹ میں پیش کر سکیں۔ شاید سر سید جس طرح یہ تمنا اپنے ساتھ لے گئے ہم بھی اپنی رزو اپنے ساتھ لیجاویں۔ مگر ہم اپنے اس خیال پر قائم ہیں کہ ہماری عقلی اور مذہبی تعلیم کی تکمیل اور قومی حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے محمڈن یونیورسٹی کا قائم کرنا ضروری ہے، جس طرح اسکول سے کالج بن گیا، اُمید ہے کہ ایک دن آویگا جب کہ یہی کالج جس میں یونیورسٹی کا تخم موجود ہے نشو ونما پاکر یونیورسٹی ہو سکیگا ❊

نمبر ۲

اسپیچ

یہ ابتدائی اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۱-دسمبر ۱۹۰۲ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی میں رزولیوشن نمبرہ کے پڑھنے کے بعد اس رزولیوشن کی تائید میں فرمائی اور رزولیوشن بجنسہ

درج ذیل ہے :-

رزولیوشن نمبر ۵

"اس کانفرنس کی راے میں مسلمانوں نے گزشتہ دس سالوں میں جو ترقی مختلف علوم دنیوی میں کی ہے وہ کسی طرح قابل اطمینان اور تسلی دہ نہیں ہے - اس کی بڑی وجہ مسلمانوں کا افلاس اور اُن کی ناداری معلوم ہوتی ہے - اس لئے جب تک قوم مسلمانان جان توڑ کر کم استطاعت طلبہ کی بذریعہ وظائف مدد نہ کرے کوئی امید اُن کی آیندہ ترقی کی نہیں ہو سکتی" ؂

حضرات !

یہ ضروری رزولیوشن اس غرض سے پیش کیا گیا ہے کہ آپ اس بات کا اندازہ کریں کہ جب سے ہندوستان میں یونیورسٹیاں قائم ہوئی ہیں، ہندوستانیوں نے اُن سے کیا فائدہ اُٹھایا - اور ہماری قوم کا اُس میں کیا حصہ رہا ؂

کانفرنس کے اجلاس ۱۸۹۳ء میں بمقام علیگڈھ آنریبل جسٹس سید محمود صاحب نے اسی مضمون کے متعلق ایک نہایت عمدہ لیکچر دیا تھا اور اُس کے ساتھ تعلیمی نقشے اور ڈاے گرام بھی پیش کئے تھے - جن سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ مسلمانوں کو اپنی آبادی کی نسبت سے کس قدر تعلیم حاصل کرنا چاہئے تھی اور کتنی حاصل کی - جو نتیجہ علم الاعداد سے اُنہوں نے نکالا وہ مسلمانوں کے حق میں نہایت قابل افسوس تھا ؂

اِس بات کو (۱۸۹۳ء سے لیکر ۱۹۰۲ء تک) دس برس گذر گئے - لیکن اب ہمارے کالج کے پروفیسر عبدالقادر صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ اس دس برس مدت میں باوجود کانفرنس کے متواتر اجلاس ہونے کے اور باوجود اس امر کے کہ چاروں طرف سے غل و شور کیا گیا کیا نتیجہ نکلا - یہ تمام واقعات اور اُن کے نتائج ڈاے گرام کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں پیش کئے جائینگے ؂

ان ڈاے گراموں کو خصوصاً مسٹر آرنلڈ اور دیگر اصحاب جو تعلیم کے حامی اور اُس سے دلچسپی رکھنے والے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں - میں اُن صاحبوں کی بھی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جن کا تعلق یونیورسٹی سے ہے - وہ اس بات کو دیکھیں اور غور کریں کہ باوجود اُن تمام کوششوں کے جو اب تک ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں اور باوصف کالج قائم کرنے کے نتیجہ کیا ہے - کوئی مفید یا قابل اطمینان ترقی تعلیم میں مسلمانوں نے اب تک نہیں کی - میں نے جس قدر کہا اس سے زیادہ بیان کرنا نہیں چاہتا پروفیسر عبدالقادر صاحب خود بیان کرینگے - اُنہوں نے فصاحت اور بلاغت کا دریا نہیں بہایا ہے بلکہ اُنہوں نے فیگرس سے، فیکٹس سے، واقعات سے، علم الاعداد سے ہمارے بگڑے ہوئے حال کو کے دکھانے کی کوشش کی ہے - وہ آپ کو بتائینگے کہ تعلیم یافتہ قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کیا

نسبت ہے۔ اور وہ کیسی خراب حالت اور پستی کے درجہ میں ہیں۔ خصوصاً قانون میں اُن کی کمزوری کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کیا یہ بات دلی رنج اور افسوس کے ساتھ نہ سنی جائیگی کہ بمقابلہ ہندو کے آدھ میں تین فیصدی مسلمان تعلیم پاتے ہیں۔ یہ تو حالت ہے، لیکن ہم مسلمان رونا روتے ہیں قسمت کا اور شکایت کرتے ہیں گورنمنٹ کی کہ ہم کو اعلےٰ عہدے نہیں ملتے۔ منصفی اور صدر الصدوری کے عہدے کیوں نہیں دئیے جاتے۔ اب سے پچاس برس پہلے ایک زمانہ تھا کہ جتنے مولوی یا حافظ ہوتے وہی منصف اور سب جج کئے جاتے۔ گویا یہ عہدے مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص تھے۔ کوئی دوسرا فریق ان کا شریک نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بیان کے ثبوت میں اس موقع پر ایک حکایت یاد آئی۔ سنہ ۔۔ میں ایک صاحب منشی بھولاناتھ نامی اتفاق سے منصف مقرر کئے گئے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ عہدے مسلمانوں کے لئے مخصوص تھے اس لئے تمام روبکاروں پر نام کے ساتھ مولوی، حافظ، خان بہادر، وغیرہ لکھنے کا دستور تھا چنانچہ ان کے نام کے ساتھ بھی نویس سررشتہ دار قلم سے یہی القابی الفاظ ایک روبکار پر لکھے گئے "روبکار از دفتر خان بہادر مولوی منشی بھولاناتھ صاحب" انہوں نے جب یہ دیکھا تو کہا کمبخت تو نے تو مجھے مسلمان بنا دیا۔ اُس پر سررشتہ دار نے دست بستہ عرض کیا کہ اب تو حضور منصف ہو گئے ہیں۔ غرض اُس وقت کو یاد کر دیا اب اس زمانہ کو دیکھو کیا سے کیا حالت ہے۔ اُس وقت نئی نئی کمپنی کی عملداری ہندوستان میں آئی تھی۔ گورنمنٹ نے اعتدال کے ساتھ حکومت کرنا اصول حکمرانی اور ملک گیری خیال کیا۔ آہستہ آہستہ لیکن مضبوطی کے ساتھ ملک کے قانون اور تعلیم کو دیکھ کر حکومت کی، اور بتدریج اصلاح کرنا ملکی بہبودی سمجھا۔ دیکھو اب ملک کیسا سرسبز و شاداب اور آباد ہو گیا۔ بہت لوگوں کو شکایت کرتے سنا ہے کہ ہندوستان دیوالیہ ہو گیا، برباد ہو گیا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پہلے ہندوستان کی مالی حالت کیا تھی۔ دولت، حکومت، عزت، خاص فرقوں میں مخصوص تھی۔ لیکن انگریزی عملداری میں کیا ہوا۔ دولت سب پر تقسیم ہو گئی۔ ایک پرنس اور ایک کاشتکار برابر کے دعوے دار ہیں۔ اس سے پہلے لاکھوں اور کروڑوں کاشتکاروں کی کوئی خبر لینے والا نہ تھا لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ اب یہ کیفیت ہے اگر دادا وزیر تھے تو باپ سپہ سالار لیکن کوئی نہیں پوچھتا اب جتنے حقوق ہیں وہ سب مساوی ہیں۔ تلوار کا زمانہ رخصت ہو گیا۔ اب تو قابلیت اور لیاقت کی پوچھ ہے دیانت اور انصاف نے غریبوں پر ظلم کرنے سے ہاتھوں کو روک دیا ہے۔ پس کونسی حکمت اور کونسا موقع ہے کہ مسلمان قسمت کو روئیں یا گورنمنٹ کی شکایت کریں۔ اُن کو گورنمنٹ کی شکایت نہیں کرنا چاہئے بلکہ شکایت کرنی چاہئے اپنی۔ آفتاب جب چمکتا ہے تو ہر ایک چیز اپنی طاقت کے موافق اس سے فیض حاصل کرتی ہے۔ دو پھولوں کی کیاریوں میں، چمنوں میں، ادنیٰ و اعلےٰ پھولوں میں، یکساں روشنی پہنچاتا ہے۔ یہی حال گورنمنٹ کا ہے۔ آج دلی میں بہت سے ایسے دل ہونگے جنہیں اس کا یقین کامل

دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ افسوس ہم مسلمان بھی ایسے تھے اور ویسے تھے۔ ہمارے یہاں بھی ایسے جشن ہوتے تھے اور ویسے ہوتے تھے۔ لیکن قسمت نے ہماری مٹی خراب کردی، دیکھو یہ تاج کس کا بنایا ہؤا ہے، قلعہ کس کی عظمت اور شان کی گواہی دیتا ہے؟ ہمیں مسلمانوں کی۔ لیکن کیا کریں تقدیر نے ہمارے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔

صاحبو! جس وقت یہ خیالات ہم میں سے خواہ کسی کے دل میں گذرتے ہوں اُسی وقت غیبی فرشتہ یہ آواز دیتا ہے۔ کہ بالکل غلط، سراسر جھوٹ، کسی نے تمہارے ساتھ بُرائی نہیں کی، اگر کی ہے تو خود تم نے اپنے ساتھ کی ہے۔ مٹے ہو تو اپنے ہاتھوں، بگڑے ہو تو اپنے اعمال اور افعال کی بدولت، خدا فرماتا ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" وہی ملتا ہے جو انسان کوشش کرتا ہے۔ جیتے رہو، یا مر جاؤ اعمال کی سزا اور جزا سے، نہ یہاں بچاؤ ہو سکتا ہے نہ وہاں۔ بجائے سہولتیں پیدا کرنے کے انگریزی پڑھنے پر کفر کے فتوے لگائے جائیں۔ غریب طلبہ کی امداد کرنی اُن کا وظیفہ دینا گناہ سمجھا جائے مسلمانوں میں تعلیم پھیلانا، اُن کو کھانے کمانے کے لائق بنانا، گداگری سے محفوظ رکھنا، عاقبت کی خرابی سمجھی جاوے، کیا اُمید ہے کہ نیچر ان اعمال سے چشم پوشی کر سکتا ہے، یا ایسے مجرموں کو معاف کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کوئی چھری مارے ضرور زخم آئیگا، خون بہیگا۔

صاحبو! خوب سمجھ لو، کہ جب تک مسلمان غفلت کرینگے، اور زمانہ کا ساتھ نہ دینگے، وہ اپنے اخلاق اور اپنے اعمال کو اپنے پاک مذہب کے موافق نہ بنائینگے، ہمدردی کی روح اُن کے جسم کی رگ رگ میں نہ پھیلائینگے اُس وقت تک اُن کا آبرو سے دنیا میں رہنا، اور ایک زندہ قوم بن کر زندگی بسر کرنا محالات سے ہے۔

صاحبو! اس جلسہ کو دیکھ کر کسی قدر مجھ کو خوشی ہوتی ہے اور پھر رنج۔ خوشی تو اس بات سے ہوتی ہے، جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے معزز جنٹلمین جن کی یہ قومی مجلس ہے، نہ اُن کی اس سے کوئی ذاتی غرض ہے، نہ اُن کی تفریح کا جلسہ ہے، اپنے اعلےٰ اعلےٰ درجہ کے سیر تماشوں کو چھوڑ کر، بہت سی ایسی اچھی اچھی آوازوں سے جدا ہو کر، جو ان کے خوش کرنے کو کافی ہیں سات سات آٹھ آٹھ میل سے چلکر اور تکلیف اُٹھا کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ اگر دریافت کرو کہ کیوں آئے ہیں تو معلوم ہوگا کہ صرف پرجوش آوازیں سننے کے لئے، کس لئے آئے ہیں یہ جتلانے کے لئے، کہ دیکھو ہم اُس قوم کے آدمی ہیں جو تعلیم کو دنیا بھر کی نعمتوں سے ضروری اور مقدم خیال کرتی ہے۔ وہ تمہارے جلسوں میں شرکت کر کے ثبوت دیتے ہیں اس امر کا کہ ہم کو مسلمانوں کی قوم کے ساتھ خصوصیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تم کوشش کرتے ہو اپنی قوم کے لئے کہ اُس میں تعلیم کی روشنی پھیلے اور گورنمنٹ کی وفاداری کا جوش تمہارے دلوں میں پایا جائے تو تمہارے اس فعل سے ہم کو خوشی ہوتی او خوشی

کے ساتھ تم پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اور ہمارا آنا اس لئے ہے۔ تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ ہم تمہارے ساتھی اور مددگار ہیں اور اپنی خوشیوں کو چھوڑ کر تمہارے شریکِ حال بننے کو تیار ہیں ✦

یہ ہیں چند اسباب اور خیالات میری خوشی کے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مسٹر واکر صاحب اور لیڈی واکر اور دوسری معزز لیڈیاں کیوں آئیں ہیں؟ یہ سب آئے ہیں ہماری عزت افزائی کرنے کو، ہماری بھلائی چاہنے کو، اور سب سے بڑھ کر ہماری ہمت بڑھانے کو ✦

لیکن جب میں دوسرے پہلو پر غور کرتا ہوں تو یہ ساری خوشیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ اس وقت دیکھو تو کس قدر ہمارے مسلمان بھائی یہاں جمع ہیں اگر وہ اپنی دولت کا اتنا ہی حصہ ہمیں دیدیں جتنا کہ وہ فقیروں، سقوں، بھنگیوں پر صرف کرتے ہیں تو کیا یہ کوئی حیرت کی بات ہوگی کہ ہم پانچسو غریب طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کر سکینگے۔ لیکن ایسا خیال کرنا ایک جنون اور مالیخولیا کا شعبہ ہے۔ دنیا تو ایک طرف ایسی ہوا بھی انہیں نہیں لگتی۔ سچ ہے "ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم" ✦

انگریزوں کو دولت عزت حکومت اس لئے ملی کہ وہ ہمتی رکھتے ہیں اور ہم سے یوں چھن گئی کہ ہم ویسے نہیں ہیں ✦

نمبر ۱۷

اسپیچ

یہ اسپیچ بھی نواب صاحب بہادر نے ۳۱- دسمبر ۱۹۲۰ء کو رزولیوشن مذکورہ بالا کے متعلق فرمائی:-

حضرات!

مَیں اس رزولیوشن کی تائید کرتا ہوں۔ اس وقت تمام حاضرین نے واقعات اور علم الاعداد سے دیکھ لیا ہوگا کہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیا ہے۔ کیا ہماری غفلت اور بے پروائی کے یہ نتیجے نہیں ہیں۔ مرحوم سرسید احمد خاں نے جس وقت کالج بنانے کا ارادہ کیا اسی وقت سے اور نیز کالج قائم ہونے کے بعد تو اور بھی زیادہ ہمارے علما اور پیشوایانِ دین کی طرف سے کفر کے فتوے جاری ہونے لگے سرسید اور ان کی مددگار جماعت کو نیچری کا خطاب دیا گیا۔ ان کے لئے کفر اور قتل کے فتوے مہریں کرا کر شائع کئے گئے۔ اشتہاروں کے ذریعہ سے انگریزی کا پڑھنا کفر قرار دیا گیا۔

ساری دنیا میں اِن فتووں کی اشاعت کی گئی ۔

مگر میں آج اُس خیال کے لوگوں کو، اور خصوصاً اُن مولویوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ گو مسلمانوں نے تعلیم میں ابھی کم حصہ لیا ہے۔ تاہم جتنے مسلمانوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی وہ مسلمان اب تک مسلمان بن کر رہے ہیں کافر نہ بنے۔ مگر اے حضرات! اگر آپ سچی بات پوچھتے ہیں تو مسلمان جبھی مسلمان رہ سکتے ہیں کہ اُن کے پاس دولت ہو، ایک زمانہ میں مسلمانوں کے پاس ایک بادشاہت دنیوی تھی دوسری بادشاہت دینی۔ دنیاوی بادشاہت جب جاتی رہی، تو اُس کے ساتھ دینی بادشاہت بھی نہ رہی۔ ہندوستان میں بادشاہ نہ رہے تو ولی بھی نہ رہے۔ کہاں ہیں وہ علمائے عظام اور کہاں ہیں وہ مشائخ اور فقرائے عالی مقام جن کے سامنے دنیا جہان کے بڑے سے بڑے مقتدر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب جہاں دیکھو مدرسے ویران اور خانقاہیں سونی پڑی ہیں۔ مسلمانوں کی تعلیم میں جو کمی رہی اُس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ گورنمنٹ کے کاروبار میں اُن کو حصہ نہ ملے۔ تمہیں دن رات خود اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ جب بازار میں کوئی چیز لینے جاتے ہو تو پہلے سے اچھے مال کے لینے کا خیال ہوتا ہے۔ اور وہی مال خریدتے ہو، جو اچھا نظر آتا ہے۔ اسی طرح قیاس کر لو کہ جب گورنمنٹ روپیہ خرچ کرتی ہے تو کیا اس لئے کہ بُرا مال خریدے، وہ ملازمت اور اپنے ملکی کاروبار میں اُنہیں لوگوں کو چاہتی ہے جو قابلیّت رکھتے ہیں، لیاقت رکھتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کس کے باپ ولی تھے یا کس کے دادا خان بہادر یا پردادا وزیر سلطنت تھے ۔

صاحبو! ذرا سوچنے کی بات ہے کہ آخر کیوں مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے، میں جہاں تک غور کرتا ہوں میری سمجھ میں اس سے زیادہ بڑی کوئی وجہ نہیں آتی کہ کم استطاعت فرقہ کا تعلیم نہ پانا ان ساری مصیبتوں کا اصلی اور ٹھیک سبب ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوئی تو اُس خرابی کے دُور کرنے کی کوشش کی گئی، اور اسی محنت اور دوڑ دھوپ کا یہ نتیجہ ہُوا کہ آپ آکر ایک مختصر سا فرقہ کم استطاعت لوگوں کا تعلیم کی طرف مائل ہوا ہے۔ لیکن اُن کی مالی حالت روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔ اور وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ کسی طرح پڑھ سکیں۔ کیونکہ تیس روپیہ ماہوار سے کم خرچ کرنے میں کوئی آدمی بورڈنگ ہوس میں نہیں رہ سکتا۔ جب تیس روپیہ کی نوکری ملتی ہی نہیں، پڑھائیں کیا خاک ۔

پس اے حضرات! میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اگر کسی کے چار، چھ لڑکے ہوں تو وہ کیسے بچوں کو پڑھائے، کیونکر تعلیم کا خرچ اُٹھائے، اور اپنا بھی پیٹ پالے، موجودہ حالات پر نظر کر کے ہم نے یہ کوشش کی کہ دوسروں پر اس کا اثر ڈالا جائے جو دینے کے لائق ہیں۔ اُن سے اسکالرشپ مانگے جائیں۔ اور اس طرح سے روپیہ جمع کر کے وظیفوں کے ذریعے سے امداد کی جائے۔ چنانچہ ہماری کوشش میں تھوڑی بہت کامیابی ہوئی اور اے حضرات اس خبر کو سن کر آپ کو خوش ہونا چاہئے کہ ہم آج آٹھ سو

روپیہ مہینہ غریب طالب علموں کی امداد کے لئے کالج میں دیتے ہیں۔ اور کسی کو نہیں معلوم کہ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ جو غریب لڑکے وظیفہ لیتے ہیں اُن میں اور امیروں کے لڑکوں میں ذرہ برابر امتیاز نہیں ہے۔ کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں، کھیل کود میں سب برابر ہیں ۔

ہم سے بہت سے امیر اس امر کی خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے لڑکوں کے لئے علیحدہ بندوبست کیا جائے۔ ماریں صاحب کے ساتھ رہیں۔ مگر ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ نہیں صاحب یہاں ایک لڑکا لڑکا اور ایک جلاہے کا برابر کا بھائی ہو کر ایک درجہ اور ایک حیثیت سے رہیگا۔ عزت دولت سے نہیں ہوتی۔ بلکہ علم سے حاصل ہوتی ہے۔ عزت خان بہادر اور دیوان بن جانے سے نہیں حاصل ہوتی۔ بلکہ بی۔اے ہوتے اور شمس العلماء بننے سے ملتی ہے۔ ہم اپنے طالب علموں میں اسلامی فیلنگ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور سچی عزت کے اصلی اور حقیقی راستوں پر اُن کو چلنا سکھاتے ہیں ۔

حضرات! اب بتائیے کہ اس کے لئے یہ آٹھ سو روپیہ مہینہ کہاں سے آتا ہے۔ خدا خوش اور سرسبز رکھے ہمارے حضور پر نور حضرت نظام کو اور اُن کی سلطنت کو [illegible] جن کی بدولت دو ہزار روپیہ ماہوار ہمارے کالج کو ملتا ہے۔ حضور پُرنور کے نزدیک تو دو ہزار روپیہ کی کوئی حقیقت نہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کالج انہیں دو ہزار کی بدولت کیسا چل رہا ہے۔ خوش نصیبی ہے مسلمانوں کی کہ ہمارے نئے فنانشل سکرٹری مسٹر واکر صاحب بہادر آج کے دن ہماری مجلس میں تشریف رکھتے ہیں۔ اگر وہ توجہ کے ساتھ تحریک کریں تو میں قوی امید کرتا ہوں کہ دو ہزار کے چار ہزار ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اسی دلی میں وہ کمشنر رہ چکے ہیں۔ اُن کو دلی کی حالت خوب معلوم ہے کہ یہاں کوئی قومی مجلس نہ تھی۔ انہوں نے دلی میں دیکھا ہوگا کہ کوئی قومی جلسہ ایسا موجود نہیں۔ جو کوئی اُن سے ملنے آتا تھا اپنی ذاتی غرض کے لئے نوکری کی سفارش کو۔ ہم نہ ذاتی غرض رکھتے ہیں نہ سفارش چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم نفرت کرتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے سفارش کریں، لیکن ہاں قوم کے لئے ضرور سفارش چاہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ایک روز آپ کی مہربانی ضرور بکار آمد ہوگی ۔

آج اگر ہمارے آقا حضور نظام ہمارے اس جلسہ میں رونق افروز ہوتے تو ہماری تمنا پوری ہو جاتی اور ہماری ہمت میں قوت ہوتی۔ خیر اگر آج ہم حضور کی تشریف آوری کی عزت حاصل کرنے سے محروم ہیں تو ایک نہ ایک دن ضرور ایسا موقع آئیگا، اور ہماری آرزو پوری ہو کر رہیگی اور اُس وقت تک ہماری محنت اور ہماری کوشش کبھی کم نہ ہوگی ۔

صاحبو! ہمارے کالج میں ہر سال تین مہینے کی تعطیل کلاں ہو جاتی ہے لڑکے جب اپنے گھروں پر جاتے ہیں تو ایک ایک دو دو روپیہ مانگ کر کالج کے لئے چندہ وصول کرتے ہیں۔ پچھلے دس سال میں لڑکوں نے تیرہ ہزار روپیہ وصول کیا لیکن آپ تعجب کریں گے کہ اس سال جو لڑکے بھیجے گئے

اُنہوں نے سترہ ہزار سے زیادہ قوم سے بھیک مانگ کر چندہ وصول کیا ✦

حضرات! آپ سوچتے ہونگے کہ یہ کونسی تحریک تھی۔ جس نے اُنہیں دربدر پھرنے پر آمادہ کیا۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اُن کو ہمت دلائی گئی، اُن میں جوش پیدا کیا گیا، اُن میں قومیت کی روح پھونکی گئی، وہ ایسے حلقے میں رہتے ہیں، جہاں سوائے ہمدردی، تعلیم اور قومی ترقی کے کوئی آواز اُن کے کان میں نہیں پڑتی۔ اب یہ حالت پہنچی ہے کہ تعطیل میں سمجھدار لڑکے اپنے مکانوں پر نہیں جاتے ماں باپ پیار سے بلاتے ہیں، بھائی بند اصرار کرتے ہیں۔ لیکن وہ بجائے اس کے کہ وطن اور عزیزانِ وطن کو دیکھ کر خوش ہوں اور اپنے پیاروں سے ملیں، بھیک کے تھیلے گلوں میں ڈال کر چندہ جمع کرنے کو نکل جاتے اور جا بجا پھرتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ "جو شخص کوشش دل سے کرتا ہے میں اُس کی مدد کرتا ہوں" اس لئے ہم انہیں کوششوں سے اُمید کرتے ہیں کہ قوم ترقی کریگی۔ اور ہم اپنے پانوں کے سہارے کھڑے ہونگے ✦

ابھی آپ اس دلّی کی کانفرنس کو خیال کیجئے، ہم نے جس وقت یہاں کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اکثر لوگوں نے کارونیشن کے موقع پر کثیر اخراجات کے خیال سے ہماری رائے سے اتفاق نہ کیا۔ اور بعضوں نے مایوسی کے خیالات ظاہر کئے کہ کسی طرح خرچ کے لائق روپیہ فراہم نہ ہوسکیگا۔ اور بہتوں نے ہماری رائے کو حماقت اور جنون سے تعبیر کیا۔ اور سارے اختلافات رائے کی وجہ وہی روپیہ کا نہ ملنا سمجھا گیا تھا۔ مگر جس کے دل میں آگ لگی ہوتی ہے، وہ چلاتا ہے اور خدا، درد کی آواز سُنکر مدد کرتا ہے۔ ہم نے سچے دل سے کوشش کی، اور خدا نے ہماری مدد کی۔ میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ کسی سال تین چار ہزار روپے سے زیادہ نہیں وصول ہوا تھا۔ لیکن اس مرتبہ بائیس ہزار روپیہ چندہ ممبری اور ڈونیشن میں جمع ہوا۔ آج مجلس کی شان اور ترتیب میں جو نیا جوش ہے وہ دربار اعظم اور شہنشاہ معظم جشن تاجپوشی کی برکت کی وجہ سے ہے۔ ہم کو دعا کرنی چاہیئے کہ اُن کی عمر دراز ہو، اُن کے ملک میں وسعت ہو، اور اُن کی مہربان حکومت کا سایہ ہم پر قایم رہے ✦

اخیر میں میں تحریک کرتا ہوں کہ اُس محبت اور عنایت کی وجہ سے جو تکلیف مسٹر واکر صاحب بہادر فنانشل سکرٹری حیدرآباد اور مسٹر آرنج صاحب ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن نے ہماری مجلس میں آکر گوارہ فرمائی ہے اور جو دلچسپی اُن کو ہمارے قومی جلسہ سے ہے اُس کے شکریہ میں تین چیرز دئے جائیں" ✦

نمبر ۶۲

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء کو رزولیوشن نمبر ۶ کی تائید اور مولوی بشیر الدین صاحب کی اسپیچ کے جواب میں فرمائی۔ رزولیوشن حسب ذیل ہے :-

رزولیوشن نمبر ۶

(الف) بخیال اس امر کے کہ اکثر رزولیوشن جو کانفرنس سے منظور ہوتے ہیں اُن پر عملدرآمد کافی طور پر نہیں ہوتا، اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ کل ایسے رزولیوشن جن میں عملی کارروائی کرنے کی ضرورت ہو، کسی ایک سکشن کے سپرد کر دیے جائیں اور اس وقت جو مفصلہ ذیل سکشن ہیں یعنی

(۱) سکشن تعلیم نسواں (۲) سکشن تعلیمی مردم شماری (۳) سکشن مدارس ٭

ان میں سکشنہائے مفصلہ ذیل اور اضافہ کئے جائیں یعنی :-

سکشن سوشیل ریفارم، لٹریری سکشن، سکشن امور متفرقات ٭

(ب) سکشنہائے مذکورہ بالا کے سکرٹریوں کا فرض ہوگا کہ جو امور اُن کے سکشن سے متعلق ہیں اُن کی بابت سال بھر تک عملی کارروائی کرتے رہیں اور وقتاً فوقتاً ایسی کارروائی کو اخبارات میں شائع کرتے رہیں۔ اور اخیر سال پر آنریری سکرٹری کانفرنس کے پاس رپورٹ بھی کریں ٭

(ج) واسطے اخراجات سنہ ۱۹۰۳ء کے کانفرنس کی مد سے مبلغ ایکہزار روپیہ منظور کیا جائے تاکہ ہر سکشن کا سکرٹری حسب ضرورت تنخواہ محرر و ڈاکخرچ وغیرہ میں صرف کر سکے ٭

(د) اصحاب مفصلہ ذیل سنہ ۱۹۰۳ء کے لئے سکرٹری مقرر کئے جائیں اور آیندہ ہر سال ہر ایک سکشن کے ممبر اپنا سکرٹری کثرت رائے سے منتخب کیا کریں :-

(۱) شیخ محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری سکشن تعلیم نسواں ٭

(۲) مولوی محمد بشیر الدین صاحب اڈیٹر البشیر سکرٹری سکشن تعلیمی مردم شماری ٭

(۳) مولوی بہادر علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری سکشن مدارس ٭

(۴) خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری سکشن سوشیل ریفارم ٭

(۵) شمس العلماء مولوی شبلی صاحب سکرٹری لٹریری سکشن ٭

(۶) نواب محسن الملک بہادر آنریری سکرٹری کانفرنس سکرٹری سکشن امور متفرقات ٭

(۱۷) ہر سکشن کا سکرٹری کیماہ کے اندر اپنے سکشن کے متعلق ضروری قواعد تیار کرے اور بعد منظوری سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے اُن پر عملدرآمد کرے"۔

حضرات!

مولوی بشیر الدین صاحب نے جو تقریر اس وقت کی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اُنھوں نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ کہا۔ ہم کو اعتراف ہے کہ مہمانوں کو ہر قسم کی تکلیف ہوئی، اُن کی تکلیف سے ہم کو دلی رنج اور رنج کے ساتھ ندامت ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ جو مہمان یہاں تشریف لائے ہیں وہ سب تعلیم یافتہ اور سمجھدار ہیں۔ جب وہ دربار کے ہجوم کو ملاحظہ فرماوینگے اور اس بات سے واقف ہونگے کہ گورنمنٹ کو باوجود ہر قسم کے اقتدار کے کس قدر دشواریاں دربار کے انتظام میں پیش آئی ہیں۔ تو غالباً وہ خود فیصلہ کرینگے کہ جو تکلیف اُن کو ہوئی، وہ محض لاچاری کی وجہ سے ہوئی۔ اور چونکہ وہ اس جلسہ میں ذاتی راحت اور آرام پانے کے لئے نہیں آئے، بلکہ وہ تشریف لائے قوم کو مصیبت سے بچانے کے لئے، وہ آئے اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کو، وہ اس تکلیف کو جو قوم کی وجہ سے اُن کو پہنچی راحت پر ترجیح دینگے۔

وہ یہاں کس کے مہمان ہیں؟ خود اپنے۔ اس جلسہ میں نہ کوئی کسی کا مہمان ہے اور نہ کوئی میزبان۔ بلکہ ہر شخص خود مہمان ہے اور خود ہی میزبان ہے۔ تاہم میں قوم کی طرف سے، کانفرنس کی طرف سے، تمام بزرگوں سے اُس تکلیف کی جو اُن کو پہنچی دلی افسوس اور ندامت کے ساتھ معافی چاہتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ کانفرنس سے اپنی دلچسپی اور ہمدردی کم نہ ہونے دینگے، بلکہ کانفرنس کے کاموں سے دلچسپی لینگے اور کوشش کرینگے کہ آیندہ کانفرنس زیادہ مفید اور کارآمد ہو اور کسی قسم کی خرابی اور نقص کانفرنس کے کسی کام میں باقی نہ رہے۔

نمبر ۳۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۱-جنوری ۱۹۰۳ء کو بمقام دہلی اجلاس محمڈن کانفرنس میں مولانا نذیر احمد صاحب کے لکچر اور مولوی محمد شبلی نعمانی، ملک الشعرا مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی نظموں کی نسبت بطور شکریہ کے کی:۔

حضرات! اب آپ کی دلی خواہش ہوئی کہ مولوی شبلی صاحب نعمانی اور شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب کے

فصیح و بلیغ لیکچر سنیں ⁂

صاحبو! حقیقت میں ہماری کانفرنس کی اصلی غرض یہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی حقیقت سے واقف کریں اُس کے نتائج اُن کو سنائیں موجودہ قوم کی پست حالت کی تشبیہاں کو دکھلائیں۔ جو سفر کی زحمت اور تکلیف آپ نے اُٹھائی تھی، مَیں یقین کرتا ہوں کہ وہ آج مولانا کی نظم سن کر جاتی رہی ہوگی ⁂

حضرات! واقعی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اب یادگارِ زمانہ ہیں۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ فیاضِ ازلی کا فیض کبھی بند نہیں ہوتا۔ نہ یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص قسم کی لیاقت کے آدمی وہ ایک دفعہ پیدا کرکے آیندہ کے لئے بند کر دے۔ مگر اس بات پر یقین کیجئے کہ آسمان صدیوں چکر کھاتا ہے، تب ایک ایسا قابل شخص پیدا کیا جاتا ہے جس کے پیچھے ہزاروں لاکھوں کروڑوں آدمی چلتے ہیں ⁂

ہمارے مولانا حالی بھی اُنہیں لوگوں میں سے ہیں جن کا مَیں نے ذکر کیا۔ میں آپ صاحبوں سے دریافت کرتا ہوں کہ جو اثر اس وقت پیدا ہوا اور جو سوز و گداز کی حالت آج ظاہر ہوئی، کیا اُس کا باعث نظم اور یہ ترتیبِ الفاظ ہے جو آپ نے سنے۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کوئی نئے لفظ نہ تھے، کوئی نئی بات نہ تھی نیا ذکر نہ تھا۔ وہی لفظ تھے جو دن رات ہم بولتے ہیں۔ وہی باتیں تھیں۔ جن کا ذکر اکثر ہماری صحبتوں میں ہوتا ہے۔ پھر آخر کس چیز نے اتنا اثر آپ کے دلوں پر کیا۔ صاحبو! وہ ایک قلبی کیفیت تھی، اور سچی بات دل سے نکلی اور دل پر اثر کر گئی "آنچہ از دل می خیزد بر دل می ریزد" میں یقین کرتا ہوں کہ آج جو محرم کی مجلس مولانا نے برپا کر دی اُس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ آج کا اثر کل تک نادارد ہو جائے۔ بلکہ اس وقت کی حالت کو دیکھ کر یقین کے ساتھ مَیں اپنی کامیابی سمجھتا ہوں، کہ اُنہوں نے وہ تیر آپ کے دل پر لگایا ہے جو بہت دنوں تک دل میں یادگار رہیگا۔ اور ایک عرصہ تک اُس کی تکلیف سے آپ بےچین رہینگے آپ نے کسی تھیٹر یا تماشے کی مجلس میں کبھی ایسے سوز و گداز دیکھے ہیں، جیسے یہاں دلوں پر گذرے اور آنکھوں نے دیکھے ⁂

مولانا نے آپ کے دلوں پر نقش کر دیا، اور بتا دیا کہ قوم کس مرض میں مبتلا ہے اُس کے علما کی کیا حالت ہے اور امرا کی کیا کیفیت۔ کوئی پتھر ہی کا دل رکھتا ہوگا جس پر اثر نہ ہو۔ مجھے تو بھروسہ ہے کہ یہ اثر نہ صرف یہاں رہنے تک باقی رہیگا، بلکہ یہاں سے جانے کے بعد تک یاد رہیگا اور ایک مدت تک آپ اس کو نہ بھولینگے ⁂

ہر شخص سمجھتا ہے کہ میرے لئے ایک دن وہ آنے والا ہے جبکہ اپنے خدا کو اور اپنے رسول کو مُنہ دکھانا ہوگا۔ نماز روزہ اور عبادت کا سوال ہوگا۔ ممکن ہے کہ جو نافرمانیاں اُس کی عبادت کرنے میں ہم سے سرزد ہوئی ہیں اُن کو وہ رحیم و کریم اپنے فضل اور کرم سے بخش دے لیکن جو آفت ہم پر چھائی ہے

کہ تم نے غریبوں کی تعلیم کے لئے کیا کیا، یتیموں کی کس قدر خبر گیری کی، تو کیا جواب دو گے۔ حقوق العباد کون بخشیگا۔ ایک ایک یتیم بچہ اور ایک ایک جاہل جو رہ جائیگا، ہم لوگوں کا ہاتھ پکڑیگا اور کہیگا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھئے کہ خدا نے جو ان کو دولت دی وہ کس کام میں لائے ہم ذلیل و خوار ہوئے ہم نے قلی گری اور مزدوری کر کے زندگی بسر کی، لیکن اُنہوں نے ہماری خبر نہ لی۔

سیکڑوں ایسے لوگ ہیں جو تمنا کرتے ہیں کہ ہم کو ایڈریس دیئے جائیں، پھر ہم پر پھول برسائے جائیں بڑے بڑے تمغے ہمارے سینوں پر لٹکائے جائیں۔ لیکن آپ خیال کرو اس بچہ کی حالت پر جس کے ماں باپ افلاس کی حالت میں مر رہے ہوں اور وہ بچہ اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود ہو کیا خیال کرتے ہونگے اُس وقت اُس کے ماں باپ اور کیسا صدمہ گذرتا ہوگا اُن پر۔ کبھی سوچتے ہونگے کہ کون اسے پرورش کریگا کبھی حسرت و یاس سے اپنے دل میں کہتے ہونگے کہ کون اسے تعلیم دلائیگا۔ نہیں معلوم کہ کیسی کچھ مٹی خراب ہوگی۔ کاش اُن لوگوں کو جو ایڈریس لینے تمغے پہنتے پھول اپنے اوپر برسنے کے خواہشمند ہیں، خدا اتنی توفیق دے کہ وہ ان یتیم اور بے آس بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں۔ اُن کی پرورش اپنے ہاتھ میں لیں تو یقین جانئے کہ ان بچوں کے والدین کی روحیں وہ ایڈریس اُن کو دینگی۔ جن پر فرشتگان رحمت کی مہر ہوگی اور وہ پھول برسائے جائینگے جو ریاض جنت میں کھلتے ہیں۔ بمقابلہ اس کے کیا خاک اُن ایڈریسوں کی خوشی ہو سکتی ہے جو تھوڑی دیر میں خاک ہو جاویں اور دیمک اُن کو چاٹ جائے، یا وہ پھول جو تھوڑی دیر میں خشک ہو جائیں، اور وہ تمغے جو مرنے کے بعد چھن جاتے ہیں۔ لیکن جو تمغے اُن روحوں سے ملینگے اُن پر خدا کی مُہر ہوگی جو نہ کبھی گھسینگے نہ کبھی مٹینگے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہینگے۔

مولانا حالی نے جو نظم پڑھی اور اُس سے جو اثر ہُوا۔ وہ نہ ہزاروں رزولیوشنوں سے ہو سکتا ہے نہ سیکڑوں تقریروں سے۔ جو سوز و گداز اُس نے پیدا کیا اُس کا تجربہ آپ نے خود کر لیا۔ یہی اصلی چیز ہے جو دل سے نکلی تھی اور فوراً اُس نے دل میں اثر کیا۔ میں اس بات کا آپ کو اور انتظار دلاتا ہوں کہ ابھی اس کی تکمیل کے واسطے دو چیزیں اور باقی ہیں۔ مولانا شبلی صاحب جن کی عالمانہ قابلیت سے آپ خوب واقف ہیں اور جن کی تعریف میں خود نہیں کرنا چاہتا، وہ ایک لیکچر دینگے جس کا عنوان ہے "اسلام اور تعصب" دوسرے مولانا نذیر احمد صاحب بھی ایک لیکچر دینگے، جس کے سُننے کے لئے اگر آدمی ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے تو بھی کوتاہی اُس کی زحمت دُور ہو جاویگی اور محنت وصول ہو جاویگی۔ میں ترغیب نہیں دینی چاہتا۔ اگر آپ کو سُننا ہے تو کل ٹھیک ساڑھے دس بجے تشریف لائیے کیونکہ ٹھیک وقت پر اجلاس شروع ہو جائیگا۔

نمبر ۴۲

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰۔ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کو بمقام دہلی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بیست و چہارم میں رزولیوشن نمبر ۳ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی۔ رزولیوشن حسب ذیل ہے:۔

رزولیوشن نمبر ۳

"اس کانفرنس کو لازم ہے کہ سندھ تک اپنے دائرہ کو وسیع کرکے مسلمانان سندھ کے ساتھ شریک ہو جو وہاں کی تعلیمی حالت کی اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں جو آج کل نہایت خراب حالت میں ہے"+

حضرات!

میرے عزیز دوست نے جو رزولیوشن پیش کیا ہے وہ نہایت تائید اور بہت کچھ غور کے قابل ہے صاحبو! کانفرنس اب مجمع تماشے کا نہیں رہا۔ بلکہ وہ مسلمانوں کو اپنی حالت سے خبردار کر رہا، اور اُن کو خواب راحت سے جگا رہا ہے۔ اور مَیں دیکھتا ہوں کہ دن بدن مسلمانوں کو اُس کی ضرورت محسوس ہوتی جاتی ہے اور اُس سے دلچسپی بڑھتی جاتی ہے اور عنقریب ایک ان ایسا آنیوالا ہے کہ کانفرنس کے اصلی مقاصد بخوبی حاصل ہونگے اور ہندوستان کے مسلمان اس کی قدر کرینگے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سر سید مرحوم کی اصلی غرض اس کانفرنس کے قائم کرنے سے کیا تھی۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم کے اصول اور طریقے مسلمانوں کے لئے اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ مختلف فرقوں کے حالات معلوم کر کے اُن کی اصلاح کی کوشش نہ کی جائیگی۔ ہم کو کیا معلوم کہ مسلمانوں کے خیالات سندھ میں کیا ہیں اور سندھ والوں کو کیا معلوم کہ یہاں کے مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ اب کانفرنس میں جو سندھ کے لوگ شریک ہوئے، تو اُن کو ہماری کانفرنس کی حالت معلوم ہوئی، اسی لحاظ سے اس امر کی ضرورت ہے کہ یہاں کے لوگ اب سندھ کو جائیں اس لئے کہ جیسا ہمارے معزز محرک نے بیان کیا ہے وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے اور دولتمند بھی ہیں مگر تعلیم سے بالکل غافل ہیں۔ کانفرنس کو وہیں جانا چاہئے۔ جہاں مسلمانوں کو جگانے اور تعلیم کی ضرورت سے آگاہ کرنے کی حاجت ہو۔ پچھلے سالوں میں سر سیّد مرحوم کے زمانہ میں اکثر اجلاس کانفرنس کے خاص علیگڈھ میں ہوئے۔ اس لئے کہ کہیں سے کوئی دعوت نہ آتی تھی اور مرحوم بھی علیگڈھ میں کانفرنس کا ہونا زیادہ پسند کرتے تھے، مگر ہمیشہ سے مَیں اس کا بہت مخالف تھا اور میری رائے تھی کہ مختلف صوبوں میں کام کرنا چاہئیں۔ مَیں نے مرحوم کو ایک مرتبہ بمبئی سے لکھا کہ گھر سے باہر جانا چاہئے ایسے اجلاسوں سے جگہ میں

چندہ کرکے لائے جاویں۔ ہم کو کوئی ترقی کی اُمید نہیں کرنی چاہئے۔ جس کے جواب میں سر سیّد نے مجھ کو لکھا" کہ تم ہی آؤ اور اس کام کو کرو۔ مَیں نے تو ایک برس کی رسم مقرر کرلی ہے، اور سال بھر پیچھے علیگڈھ ہی میں فاتحہ خوانی کرلیتا ہوں"، چنانچہ اُس وقت سے مَیں نے کانفرنس کو ترقی دینے کا کام اپنے ذمّہ لیا اور جا بجا دورہ کیا، مگر اُس وقت تک مسلمان اس کی ضرورت سے اتنے آگاہ نہ تھے، اب اُن کی دن بدن آنکھیں کھلتی جاتی ہیں، اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اُن کی کیا حالت ہے۔ نہ دیسی بے خبری ہے نہ انگریزی تعلیم کی ضرورت سے انکار ہے بلکہ خواہش اور پیٹ پالنے کی فکر۔ وہ اب جانتے ہیں کہ عزت اور رزق کے دروازے اُن پر چاروں طرف سے بند ہو رہے ہیں اور وہ زمانہ آگیا ہے کہ بغیر اپنی کوشش کے کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ بھی سب سمجھ گئے ہیں کہ بغیر مغربی تعلیم کے جو اعلےٰ درجہ کی ہو، وہ کسی قسم کی عزت اور ترقی کی اُمید نہیں رکھ سکتے +

حضرات کانفرنس ایک قومی آلہ مسلمانوں میں اعلےٰ تعلیم پھیلانے کا ہے، اِس آلہ سے جو آواز خواہ وہ کلکتہ سے نکلے یا کسی اور جگہ سے مسلمانوں کو چاہئے کہ اُسے سُنیں اور متفق ہو کر کام کریں۔ اس لئے جو تجویز میرے دوست نے پیش کی ہے۔ مجھے اُس سے اتفاق ہے اور میری دلی خواہش ہے کہ سندھ میں جاکر وہاں کے مسلمانوں کی مدد کی جاوے، اس سال تو خوش نصیبی سے کانفرنس کی دعوت بمبئی سے ہوچکی ہے۔ اگر آیندہ سال سندھ سے ہم کو دعوت دیجاویگی تو ہم نہایت خوشی سے لبیک کہنے کو تیار رہیں +

نمبر ۷۵

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۳۔ جنوری ۱۹۰۲ء کو اجلاس کانفرنس دہلی میں رزولیوشن نمبر ۱ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی +

رزولیوشن نمبر ۱۰

یہ کانفرنس کامیابی تجویز قائم کرنے محمڈن یونیورسٹی کے یہ امر ضروری ہے کہ ہندوستان کے ہر ایک صوبہ میں کمیٹیاں قائم کی جاویں جن کا نام پراونشل کمیٹی ہو اور جو مستقل طور پر اپنے اپنے صوبہ میں واسطے جمع کرنے چندہ کے کوشش کریں ہر ایک کمیٹی کا ایک پریسیڈنٹ اور ایک سکرٹری مقرر ہو

اور یہ پانچوں کمیٹیاں سر سید احمد میموریل فنڈ کمیٹی کے ماتحت اور اس کے قواعد کی پابند ہوں اور سکریٹری سر سید میموریل فنڈ کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ماہواری رپورٹ ان کمیٹیوں کی کارروائی کی اخبارات میں شائع کرتا رہے اور نیز سالانہ اجلاس کانفرنس میں سالانہ رپورٹ پیش کرے ❊

جناب پریسیڈنٹ صاحب حاضرین !

جو رزولیوشن اس وقت پیش ہوا ہے، نہایت ضروری ہے، افسوس ہے کہ اب تک اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی ❊

اس وقت ایک ایسے بزرگ جو فخر انگلستان ہیں ہماری خوش نصیبی سے یہاں تشریف لائے ہیں۔ اُن کے آنے سے ہماری کانفرنس کی عزت اور وقعت تو اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب کوئی آرزو دل میں باقی نہیں رہی ❊

صاحبو! یہ ایک فال نیک ہے ہماری آئندہ ترقی کے لئے کیونکہ وہ بزرگان انگلستان جن کے ہاتھ میں ہندوستان کے قسمت کی باگ ہے ایسے وقت میں تشریف لائے ہیں۔ جب کہ ہم اپنی قومی تعلیم کا مسئلہ پیش کر رہے ہیں ❊

محمڈن یونیورسٹی کا بنانا ایک امر نہایت ضروری ہے۔ اس واسطے کہ جو تعلیم گورنمنٹ نے ہندوستان میں پھیلائی ہے۔ وہ مسلمانوں کے واسطے کافی نہیں۔ مذہبی تعلیم کے علاوہ معاشرت تمدن وغیرہ کی جس قدر ہماری اپنی ضروریات ہیں وہ ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ صرف گورنمنٹ کی حمایت سے اور اپنی کوشش سے ❊

صاحبو! محمڈن یونیورسٹی کا خیال ایک خواب پریشاں نہیں ہے جس کو ہم نے دیکھا تھا بلکہ یہ خواب اُس بزرگ شخص کا دیکھا ہوا ہے جو آج آرام و چین کی گہری نیند سو رہا ہے اور جسے اب ہم اس دنیا میں کبھی نہ اُٹھا سکینگے ❊

کوئی بیج زمین پر جب ڈالا جائے اگر اس کو پانی دیتے رہو تو بڑھتے بڑھتے ایک تناور درخت ہو سکتا ہے اور ہزاروں ذی روح اُس سایہ پر پرورش پاتے ہیں بالکل یہی مثال ہماری یونیورسٹی کی ہے کہ اس کالج کو بویا سر سید نے، جب کہ یہ چلنے پھولنے لگا اور اس میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو تہذیب شائستگی علمی قابلیت اور گورنمنٹ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ مثال ہوں تو اس وقت گورنمنٹ انگریزی کی برکتوں اور وفاداری کی بشارت دیتے پھرینگے ❊

ایک اور بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ میں جو بیان کیا گیا ہے کہ کسی مختص القوم یونیورسٹی کی ضرورت نہیں" اس فقرہ سے اکثر لوگوں کو یہ خیال ہوا

ثب پیدا ہوا ہے کہ جب کمیشن کی یہ رائے ہے تو محمدن یونیورسٹی اب کیسے قائم ہوگی۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ جدید یونیورسٹی قائم ہونے کی بابت جو کچھ کہا گیا وہ صرف کمیشن کا خیال اور اُسکی رائے ہے۔ گورنمنٹ نے ابھی تک اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ نہ کوئی آرڈر پاس کیا ہے ٭

آپ خوب سمجھ لیجئے کہ اگر یہ رائے مان بھی لی جائے تو بھی اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ادب اور آزادی کے ساتھ ہم اپنے حقوق کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلانا یکو ڑ دیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ گورنمنٹ کی سچی اور دلی خیر خواہی اسی میں ہوگی کہ جب ہم محمدن یونیورسٹی کے لئے روپیہ جمع کر لینگے جس وقت کل روپیہ فراہم ہو جائیگا۔ تو ہم ادب کے ساتھ اپنے حقوق کو ثابت کر دکھائینگے۔ اور کہینگے کہ ہم گورنمنٹ کی پالیسی میں مخارج نہیں ہیں۔ بلکہ اُس کے سینہ میں دل ہیں۔ اور بحیثیت انگلش گورنمنٹ کی وفادار رعایا ہونے کے اُس کے الطاف کے امیدوار ہیں ٭

صاحبو! جس اصول پر ہمارا کالج چل رہا ہے اور ثابت کر رہا ہے کہ ہم قوم اور گورنمنٹ دونوں کے سچے خیر خواہ ہیں۔ اس سے ہم کو امید اور یقین ہے کہ جو پہلا ہاتھ ہماری مدد کو بڑھیگا وہ گورنمنٹ کا ہوگا ٭ پس اے میرے دوستو! وسوسوں میں مت پڑو۔ اپنا کام کئے جاؤ۔ کمیٹیاں قائم کرو۔ شاخیں پھیلاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیسی کیسی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ تمہارے اور ہمارے خوش رو اور خوشخو ہز ہائینس پریسیڈنٹ صاحب اسی سال کے لئے ہمارے پریسیڈنٹ نہیں ہیں بلکہ ہمارے تمہارے جینے جی کے ساتھی ہیں۔ ہز ہائینس جیسے اب بھی ہماری قوم میں بزرگ موجود ہیں جو مثل آفتاب کے درخشاں ہیں" ٭

نمبر ۷۶

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو (بوقت ۱۲ بجے دن) محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بمبئی میں پریزیڈنٹ صاحب کے انتخاب کی بابت فرمائی :۔

حضرات!

اپنی زندگی کے نہایت عمدہ ایام میں سے آج کا دن بھی شمار کرتا ہوں۔ کیونکہ جو خدمت اس وقت میرے سپرد کی گئی ہے وہ نہایت معزز اور ایک دل خوش کن خدمت ہے "یعنی انتخاب آپ کے پریسیڈنٹ کا"

صاحبو! مدت دراز سے میرے دل میں دو آرزوئیں تھیں، پہلی خواہش تو یہ تھی کہ کانفرنس کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہو، اور دوسری تمنا یہ تھی کہ ایک مرتبہ کانفرنس کی کرسی صدارت پر میں اپنے معزز دوست اور قوم کے عالم و فاضل رکن آنریبل مسٹر رحیم الدین طیب جی کو رونق افروز دیکھوں۔ مگر افسوس کہ ایک عرصہ تک ان میں کی کوئی آرزو پوری نہ ہوئی، لیکن صاحبو! جس قدر دیر، جتنی تعویق، میری دلی خواہشوں کے بر آنے میں ہوتی جاتی تھی، بجائے اس کے کہ مجھ کو مایوسی ہوتی، نا امیدیاں بڑھتی جاتیں، میرے دل کو ایک قسم کا اطمینان، طبیعت کو تشفی ہوتی جاتی تھی۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ یہ میری آرزو کوئی چھوٹی موٹی آرزو نہیں، بلکہ ایک بڑی زبردست آرزو ہے پوری ہونے کو ہوگی مگر دیر سے اور جب پوری ہوگی تو بہت اچھی طرح اور خوش اسلوب طریقہ سے۔ اس لئے کہ دنیا میں جیسی چھوٹی اور ادنےٰ قسم کی چیزیں جلد پیدا ہوتی ہیں، قاعدہ کی بات ہے کہ وہ اُسی طرح جلد ناپید بھی ہو جاتی ہیں۔ نباتات کو دیکھو، طرح طرح کے گھاسوں کا، جڑی بوٹیوں کا خیال کرو، اگرچہ وہ جلد اُگتی ہیں اُگتے ہی پھل پھول لاتی ہیں، مگر کتنے دن کے لئے ادھر اُگیں اُدھر مرجھا گئیں۔ لیکن بڑے بڑے درختوں کا یہ حال نہیں۔ مانا کہ اُن کا بیج دیر میں جمتا ہے، دنوں میں اُگتا ہے، برسوں میں نشو و نما پاتا ہے، مدتوں میں پھل لاتا ہے، لیکن اس کے بعد کیا ہوتا ہے، جیسے وہ دیر میں اُگتے ہیں، نشو و نما پاتے ہیں، پھل پھول لاتے ہیں، اسی طرح اُن کے استحکام اور قوت میں ترقی ہوتی ہے۔ اُن کے پھل لذیذ خوش ذائقہ ہوتے ہیں دل و دماغ کو تقویت بخشتے اور فرحت پہنچاتے ہیں ❊

صاحبو! دلی کی کانفرنس اگرچہ باعتبار اپنی شان و شوکت کے یادگار زمانہ ہوگی، لیکن سب سے زیادہ نفع یہ ہوا کہ اُس اجلاس سے میرا جوش بہت بڑھ گیا، اور اس خیال کو کہ بمبئی میں کانفرنس ضرور کی جائے بہت ترقی ہوگئی، چونکہ کانفرنس کا اصلی کام قوم میں نئی روح پھونکنا ہے۔ اس لئے دلی کی کانفرنس میں شریک ہونے والے ممبروں نے وہاں پر بہت سی بوسیدہ عمارتیں، شاہان سلف کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر دیکھے تھے۔ جنہیں دیکھ کر دل سے آہ نکلتی تھی اور آنکھیں ڈھونڈتی تھیں کہ کہاں ہیں ہماری قوم کے وہ نامور بزرگ جنہوں نے ایسی مضبوط اور عالیشان عمارتیں بنائیں۔ کہ آج تک گو صدیاں گذر گئیں نہ بنانے والے رہے نہ بنوانے والے، زمانہ کے بڑے بڑے انقلاب آئے لیکن ان نشانیوں کو اب تک نہ مٹا سکے، کہاں ہیں ہمارے وہ آبا و اجداد جن کی شان شوکت دولت و حشمت کی یہ مستقل یادگاریں باقی ہیں، جس وقت یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ہماری قومی شان و شوکت کہاں گئی، ہماری دولت کیوں ناپید ہوگئی، دل یہ جواب دیتا تھا کہ تقدیر کی خوبی اور قسمت کا لکھا ہوا پورا ہوا ؎

گفتم چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود

لیکن اے صاحبو! جس وقت ہم یہ خیال کرتے تھے، اسانہ کے ساتھ ہاتف غیب پکارتا تھا اور کہتا تھا کہ ظالمو نہیں نہیں ہرگز ایسا خیال مت کرو، نہ تقدیر کا کچھ قصور ہے اور نہ زمانہ کی بیوفائی کا، بلکہ یہ خود تمہارا اپنا قصور ہے ؎

گفت کز خطا کردی و تدبیر نہ این بود

تو صاحبو! یہ حالت دیکھ کر میں نے اپنے جی میں کہا کہ کب تک تقدیر کو روؤ گے، کہاں تک حسرت کے آنسو بہاؤ گے، چھوڑو دلی کو، اور چلو بمبئی کو وہاں جا کر دیکھو کہ باوجود غیر سلطنت کی رعایا ہونے کے اور باوجود اس کے کہ جو امن و آزادی، اطمینان اور آسائش، وہاں کے مسلمانوں کو حاصل ہے، وہی تم کو گورنمنٹ نے عطا کی ہے، لیکن یہاں تمہارے بزرگوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بوسیدہ ہو کر گرتی جاتی ہیں اور اُدھر بمبئی کے مسلمان جو مثل تمہارے رعایا ہیں، عالیشان عمارتیں بنا رہے ہیں، بمبئی کے مسلمان تم جیسے شکستہ حال نہیں، وہ تونگری اور دولت مندی میں ہندوستان کی دوسری قوموں سے کم نہیں، دولت و ثروت کا نام جو شمالی ہند کے مسلمانوں میں مفقود ہے، الحمد للہ کہ بمبئی کے مسلمانوں میں موجود ہے۔ بس اس خیال نے مجھے آمادہ کیا کہ بمبئی چلوں اور اپر انڈیا کے غریب مسلمانوں کو بمبئی کے دولتمند مسلمانوں کی حالت دکھا کر ان جیسا بننے کی اُن کو ترغیب و تحریص دلاؤں، تاکہ بجائے حسرت کے اُن میں ہمت پیدا ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی، جو لوگ یہاں آئے ہیں اُن کے اہل خاندان اور اعزہ اگرچہ خستہ حال ہیں، لیکن اے اہل بمبئی وہ آپ سے مل کر، اور آپ کی حالت و ثروت کو دیکھ کر، غور کرینگے۔ کہ گو آپ کے پاس سلطنت نہیں ہے۔ لیکن خدا کی مہربانی سے کروڑوں روپیہ کے مالک ہیں، آپ کے تموّل کو دیکھ اُن کے پژمردہ دلوں میں شگفتگی اور اُن کی رُخ کو تازگی پیدا ہوگی، اور جب وہ آپ کی دولتمندی کے اسباب پر غور کرینگے، تو قسمت کا شکوہ اور تقدیر کا رونا چھوڑ دینگے، اُن میں ایک جوش پیدا ہوگا اور صنعت و حرفت و تجارت کے لئے جد و جہد اور کوشش کرینگے ؞

باوجودیکہ یہاں کے مسلمان دولتمند ہیں، فارغ البال ہیں، لیکن اے حضرات بمبئی آپ مجھے معاف فرمائیں اگر میں یہ کہوں کہ ایک چیز کی آپ میں بھی کمی ہے یعنی تعلیم و تمدن میں یہاں کے مسلمان بھی دوسری جگہ کے مسلمانوں سے کچھ کم پیچھے نہیں ہیں ؞

صاحبو! قومی تعلیم و ترقی اور تمدن کی صدا ابھی آپ کے کانوں تک بھی نہیں پہنچی، اگرچہ میں خوشی کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ آپ کو تعلیمی نفع پہنچانے کے لئے انجمن اسلام موجود ہے جو نہایت عمدہ قومی خدمت کر رہی ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب تک آپ نے اُس سے کافی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ پس میری خواہش بمبئی میں اجلاس کانفرنس منعقد کرنے کی اس وجہ سے بھی تھی کہ آپ کو تعلیم کے فوائد جتلائے جائیں اور آپ کے دلوں میں اعلیٰ تعلیم کے اکتساب کا شوق پیدا کیا جائے ؞

بمبئی کے مسلمانوں کے متعلق ایک غلط افواہ یہ مشہور تھی کہ اُن کو قومی کاموں اور تعلیمی کوششوں سے کسی قسم کی دلچسپی ہے اور نہ ہمدردی لیکن آج کا عظیم الشان اور منعقدہ جلسہ خود اس افواہ کی تکذیب کر رہا ہے جو مبارک صورتیں اس مجلس میں نظر آتی ہیں۔ آخر کیوں اور کس لئے اُنہوں نے یہاں آنے کی تکلیف گوارا کی ہے، صرف اپنے مسلمان بھائیوں کی ہائے واویلا سننے اور اُن کی اصلاح حالت اور فلاح وبہبودی کی طرف متوجہ ہونے کے لئے۔ پس کیسا مبارک ہے یہ جلسہ اور کس قدر مقدس ہے یہ کام جو ہم سب کو مدنظر ہے مجھے اُمید ہے کہ ہماری اور آپ کی متفقہ کوشش سے ہمارے غریب بھائیوں کی فلاح وبہبودی ہوگی ✦

دوسری آرزو جو میری دلی تھی، خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی پوری ہوئی یعنی میں اپنے معزز دوست آنریبل مسٹر بدرالدین طیب جی کے پریسیڈنٹ منتخب کئے جانے کی تحریک کرتا ہوں۔ کیونکہ بلحاظ وجاہت ظاہری کے وہ ہماری قوم کے مشاہیر روزگار میں سے ہیں۔ اور اس زمانہ میں بہت کم لوگ مثل اُن کے قابلیت شہرت اور اقتدار رکھتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان کے مسلمان خوشی کے ساتھ اس خبر کو سنینگے کہ مسٹر بدرالدین طیب جی ہماری کانفرنس میں شریک ہوئے، اور نہ صرف شریک بلکہ کانفرنس کی کرسی صدارت قبول فرمائی ✦

حضرات! اس موقع پر خوشی کے ساتھ مجھے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ نواب نصر اللہ خاں صاحب نے پراونشیل کانفرنس قائم کر کے ہمارے لئے پیش خیمہ کھڑا کر دیا ہے، اُن کی پراونشیل کانفرنس سے ہم کو اور ہماری کانفرنس سے اُن کو مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں بہت کچھ مدد ملنے کی امید ہے ✦

نمبر ۶۶

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸ دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ہفدہم منعقدہ بمبئی میں رزولیوشن نمبر ۳ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی تھی اور رزولیوشن حسب ذیل ہے ✦

رزولیوشن نمبر ۳

یہ اجلاس کی رائے ہے کہ کانفرنس کو دائمی اور مؤثر بنانے اور اس میں کل مسلمانوں کو دلچسپی پیدا کرنے کے لئے قواعد و قوانین کانفرنس میں ترمیم لازمی ہے ✦

حضرات! جو رزولیوشن اس وقت آپ کے سامنے مسٹر حمید علی نے بغرض منظوری پیش کیا ہے میں اُس کی

تائید کرنے کو کھڑا ہوا ہوں، نہ صرف تائید کرتا ہوں بلکہ اس رزولیوشن کا اصلی محرک درحقیقت میں ہوں جس وقت بمبئی میں اجلاس ہونا قرار پایا، مَیں نے اُسی زمانہ میں آنریبل جسٹس بدرالدین طیب جی، قاضی کبیرالدین اور لوکل کمیٹی کے دوسرے سربرآوردہ ممبروں سے کہا کہ سوائے شمالی ہندوستان کے دوسری پریسیڈنسیوں کے لوگ ایسی دلچسپی نہیں رکھتے جو بحیثیت مسلمان ہونے کے اُنہیں رکھنی چاہئے۔ آیا کانفرنس کے قواعد اور اس کے موجودہ کانسٹی ٹیوشن میں کچھ نقص ہے، یا ان اطراف کے مسلمانوں کو تعلیمی معاملات سے خود دلچسپی نہیں ہے؛

اگر کانفرنس کے موجودہ قواعد نظرثانی کے محتاج ہیں تو مَیں خوشی کے ساتھ آمادہ ہوں کہ ہر صوبہ کے سربرآوردہ تعلیم یافتہ اور سمجھدار مسلمان متفقہ طور سے ایسے قواعد تجویز کریں تاکہ ہر ایک پریسیڈنسی کے مسلمانوں کے لئے یہ کانفرنس یکساں مفید ثابت ہو۔ اور ہر جگہ کے مسلمان خواہ وہ کشمیر کے ہوں یا پنجاب کے، ممالک متحدہ کے ہوں یا بنگال کے، مدراس کے ہوں یا بمبئی کے، کانفرنس سے یکساں دلچسپی لیں۔ مَیں نے نہ صرف بمبئی کے مقتدر مسلمانوں سے یہ درخواست کی، بلکہ اخبارات میں اس بحث کو چھیڑا اور اب میری اسی درخواست کے بموجب یہ رزولیوشن مسٹر حیدری نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے؛

حضرات! اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ **سرسید احمد خاں** نے جس وقت اس کانفرنس کی بنیاد قائم کی، اُن کے زیر اثر اور اُن کے مشن سے اتفاق کرنے والے زیادہ تر شمالی ہندوستان کے مسلمان تھے اور وہی لوگ اس وقت تک اُس کو چلا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کانفرنس کے چودہ اجلاس اپر انڈیا میں ہوئے ان میں سے دو لاہور اور دو دہلی میں، دس ممالک متحدہ میں۔ ممالک متحدہ میں جو دس اجلاس ہوئے، اُن میں سے بھی چار خاص علیگڈھ میں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے سمجھ رکھا تھا کہ کانفرنس خاص علیگڈھ کی ہے۔ لیکن اب کانفرنس کی وہ حالت نہیں رہی، کانفرنس کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، کوئی پریسیڈنسی باقی نہیں رہی جہاں کانفرنس کا اجلاس نہ ہوا ہو اور لوگوں نے خاص دلچسپی نہ لی ہو۔ چندہ نہ دیا ہو۔ شریک نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ کلکتہ اور مدراس کے مسلمانوں نے اس کانفرنس کے اجلاس سے فائدہ بھی اُٹھایا؛

کلکتہ کے اجلاس میں نواب گورنر بنگال اور مدراس کے اجلاس میں گورنر مدراس جلسہ میں رونق افروز ہوئے۔ کلکتہ کے مدرسہ عالیہ اور مدراس کے مدرسہ اعظم کے متعلق نہایت دلچسپ مباحثے ہوئے۔ اور گورنمنٹ نے اُن پر کافی نوٹس لیا۔ چنانچہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی اصلاح منظور کی گئی، مدرسہ اعظم مدراس کے لئے گورنمنٹ نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی ایک کوٹھی عمدہ موقع پر خرید کر کے مدرسہ کو اس میں منتقل کیا؛

لیکن سے حضرات! کلکتہ یا مدراس کے مسلمانوں نے جو کچھ دلچسپی کانفرنس سے لی، مجھے امید ہے کہ وہاں کے مسلمان مجھے معاف فرمائیں گے وہ دلچسپی ایک عارضی دلچسپی تھی۔ اسی بنا پر میرا یہ خیال ہے کہ جب تک

ہرایک صوبہ کے مسلمان یہ دیکھینگے کہ کانفرنس کے کانسٹی ٹیوشن بنانے اُس کے انتظام میں دخل دینے کو مثل علیگڈھ پارٹی کے ہم کو بھی حق حاصل ہے۔ سوائے عارضی دلچسپی کے حقیقی اور اصلی دلچسپی مختلف پریسیڈنسیوں کے مسلمانوں میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ ہرایک جگہ کے مسلمان خواہ وہ پنجاب کے رہنے والے ہوں یا بنگال کے، بمبئی کے ہوں یا مدراس کے، سب ہمارے بھائی ہیں اور ہم کو ہرایک صوبہ کی تعلیم اور اُن کی ترقی کا ویسا ہی خیال ہے جیسا ممالک متحدہ کے رہنے والے مسلمانوں کا ۔

خدا کا شکر ہے کہ تعلیم نے آپس کے نفاقوں کو مٹانا شروع کردیا ہے۔ اگر ہم ایک انچ اپنے بھائیوں کی طرف بڑھتے ہیں تو وہ گزوں ہماری جانب کھنچکر آتے ہیں۔ لوگ علیگڈھ کالج کو مفید سمجھتے ہیں کانفرنس کو بھی وہ اچھا جانتے ہیں۔ لیکن باہر والوں کو اکثر یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کوشش کی جاتی ہے وہ صرف علیگڈھ کالج کو تقویت دینے کے لئے۔ حالانکہ جب تک یہ خیال باقی رہیگا ہرگز کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اگر ہمارا یہ خیال ہو کہ ہماری تمام کوششیں صرف علیگڈھ کالج کے لئے محدود رہیں تو درحقیقت یہ ہمارا خیال ایک خودغرضی کا خیال ہے ۔

پس ہماری تمام تر کوشش اس امر پر صرف ہونا چاہئے کہ علیگڈھ کالج ہمارا نہ سمجھا جاوے بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صرف علیگڈھ کالج کی ارگنیسیشن متصور نہ ہو، بلکہ تمام اسلامی کالجوں اور اسکولوں سے اُسے یکساں تعلق ہو، ہم نہ امام ہیں اور نہ دوسرے مسلمانوں کو مقتدی بنانا چاہتے ہیں ہماری ہرگز یہ خواہش نہیں کہ تمام مسلمان علیگڈھ کی آواز کے مطیع ہوں، ہر شخص کو حق ہے کہ وہ قومی تعلیم اور قومی ترقی میں مثل سرسید کے کوشش کرے اگر کانفرنس کا کانسٹی ٹیوشن ایسے مسلمانوں کے ہاتھ سے بنیگا، جو مختلف صوبوں کے سربرآوردہ اصحاب ہونگے اور جو قائم مقام ہونگے اُس صوبہ کے اہل اسلام کے، اُس وقت درحقیقت کانفرنس کے اصول ایسے مقرر ہونگے جن سے مسلمانوں کو کسی طرح نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ رہیگا۔ اگر یہ رزولیوشن اس اجلاس میں پاس ہوگیا، تو میں سمجھونگا کہ کانفرنس مستحکم بنیاد پر قائم ہوگئی اور اس کے بعد میں بمبئی کے اجلاس کو مبارکباد کا مستحق خیال کرونگا ۔

نمبر ۸۲

اسپیچ

(یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۸ - دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بمبئی میں رزولیوشن نمبر ۲ کے معترضین کے جواب میں فرمائی - (رزولیوشن نمبر ۲ کی اصل عبارت اسپیچ بالا میں پہلے درج ہوچکی ہے) ‌+

جناب والا!

جو اعتراض کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ میں نے بمبئی آن کر حسبِ دفعہ ۱۲ پریسیڈنٹ صاحب کو لکھا کہ آپ خود شریک اجلاس سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی ہوں اور لوکل کمیٹی کے ۳ ممبروں کو منتخب کریں، چنانچہ اس کے جواب میں پریسیڈنٹ صاحب نے لکھا کہ میں بوجہ بیماری کے خود تو شریک نہیں ہوسکتا۔ البتہ ممبروں کو انتخاب کیئے دیتا ہوں، چنانچہ ممدوح نے ۳ ممبروں کو منتخب کردیا اور حسبِ دفعہ ۱۳ بموجودگی اُن تینوں ممبروں لوکل کمیٹی کے میں نے اور شیخ عبداللہ بی - اے - ایل - ایل - بی - ممبر سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نے پروگرام مجوزہ لوکل کمیٹی کو جس میں رزولیوشن زیرِ بحث بھی شامل تھا پاس کیا +

یہ نہیں ہوسکتا کہ اگر علیگڈھ والے یا ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نہ آدیں تو کانفرنس کا پروگرام نہ بنے یا اجلاس کانفرنس نہ ہو اور رزولیوشنوں پر مباحثہ نہ ہوسکے - اگر ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کو اس امر کا خیال ہے کہ بغیر اُن کی منظوری کے کوئی رزولیوشن اجلاس میں پیش نہ ہوسکے تو اُن کو لازم تھا کہ جس طرح میں پندرہ تاریخ کو بمبئی پہنچ گیا وہ بھی وقت سے پہلے آجاتے لیکن جب وہ مثل عام ممبروں کے اجلاس میں آدیں تو اُس کے ذمہ وار وہ خود ہیں - اب پروگرام میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور جو پروگرام تیار ہوچکا ہے وہ ہر طرح باقاعدہ ہے" +

نمبر ۶۹

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب محسن الملک صاحب بہادر نے ۲۸ - دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بمبئی میں رزولیوشن نمبرہ کی تائید کرتے ہوئے فرمائی ؛-

رزولیوشن نمبرہ

(اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ مسلمان شریف خاندانوں کی رسم و رواج کے پورے لحاظ کے ساتھ زنانہ مدارس قائم کئے جائیں) *

حضرات !

غالباً تمام مجلس اس بات کی منتظر ہوگی کہ اس مسئلہ پر میں بھی کچھ گفتگو کروں !

(اجلاس سے آواز آئی کہ ہاں)

صاحبو ! جو رزولیوشن اس وقت زیر بحث ہے پہلے اس کے الفاظ پر غور کرنا چاہئے۔ رزولیوشن میں کوئی لفظ پردہ کی مخالفت کا نہیں ہے جب کہ رزولیوشن میں کسی قسم کے پردہ کی مخالفت نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف زنانہ مدارس بپابندی رسم و رواج قائم کرنے کی ضرورت بیان کی گئی ہے تو غالباً کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم نسواں ضروری نہیں ہے ، لیکن اسپیچوں میں چونکہ پردہ کا ذکر آ گیا ، لہذا غلط فہمی پیدا ہوئی کہ کانفرنس پردہ کے مسئلہ کو چھیڑنا چاہتی ہے *

حضرات ! جس مسئلہ کو ذرا بھی مذہب سے تعلق ہو وہ ہرگز کانفرنس میں پیش نہیں ہو سکتا۔ پچھلے سال ہز ہائنس آغا خاں نے جو ایڈریس دہلی کانفرنس میں دیا ، اُنھوں نے مہربانی فرما کر قبل اجلاس مجھے بھی اُس کی ایک کاپی دیکھنے کو بھیج دی تھی ، اُس میں پردہ کا ذکر دیکھ کر میں نے اُن سے درخواست کی کہ اس حصہ کو ایڈریس سے نکال دیا جاوے ۔ کیونکہ یہ مذہبی بحث ہے ، اور مذہبی بحث کے چھیڑنے سے ہماری کانفرنس کو نقصان پہنچیگا ، اور آپ کے ایڈریس کے اس حصہ کو عموماً مسلمان اعتراض کی نظر سے دیکھینگے اور عجب نہیں کہ اجلاس میں بھی شورش اور برہمی پیدا ہو جائے ۔ لیکن باوجود میرے اصرار کے انھوں نے اُس کو ایڈریس سے نکالنے میں عذر کیا اور یہ لکھا کہ میرے نزدیک یہ مسئلہ مذہبی نہیں ہے جو کچھ میری رائے ہے وہ ذاتی ہے اور میں اُس کو صحیح سمجھتا ہوں ۔ اس لئے میں ایڈریس سے نہیں نکال سکتا ۔ چونکہ یہ اُن کی ذاتی رائے تھی ، اور موجودہ پریسیڈنٹ صاحب کے ایڈریس کو مجھے قبل اجلاس دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا

نہیں ہوئی، ورنہ باصرار میں اپنے معزز پریسیڈنٹ سے بھی درخواست کرتا، کہ وہ اس حصہ کو اپنے ایڈریس میں رکھ کر خلاف قانون کانفرنس کارروائی نہ کریں، اور نہ مسلمانوں کو اس کے خلاف جوش پیدا کرنے اور کانفرنس کو بدنام کرنے کا موقع دیں، بہرحال اُنھوں نے بھی جو کچھ اس مسئلہ پر کہا یہ اُن کی اپنی ذاتی رائے ہے۔ کانفرنس کے اجلاس میں بموجب عام قواعد مجالس کے کسی کو حق نہیں ہے کہ پریسیڈنٹ کے ایڈریس پیش ہوتے وقت اعتراض کرے اس لئے میں ایڈریس کے اس جملے پر اعتراض نہ کر سکا مگر مجھے افسوس ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کالج والوں کی اور کانفرنس کی رائے ہے کہ پردہ اُٹھا دیا جاوے میں کہتا ہوں کہ نہ کانفرنس کا یہ منشا ہے اور نہ کالج کا۔ کالج کے بانی **سر سید احمد خاں** تو جاہل سے جاہل اور کٹر سے کٹر مسلمان سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر تھے۔ ججوں، کلکٹروں، کی بیویوں نے اُن کی بہو یعنی محمود بیگم سے ملنا چاہا، لیکن اُنھوں نے اس کو بھی جائز نہ رکھا۔ علی گڈھ پارٹی اور علیگڈھ کالج کے ۹۰ فیصدی طلبہ کی یہ رائے ہے کہ پردہ جیسا کہ موجودہ زمانہ میں ہے قائم رکھا جاوے، پردہ کی نسبت میری ذاتی رائے یہ ہے کہ پردہ ایک مذہبی امر ہے اور مذہب سے جیسا ثابت ہو وہ رکھا جاوے لیکن کانفرنس کو اس بحث سے کسی وقت بھی کچھ سروکار نہ ہونا چاہئے۔ جب کہ یہ امر اچھی طرح سے طے ہو گیا کہ پردہ کی بحث کانفرنس سے خارج رہنی چاہئے، پس اس کو مدنظر رکھ کر اصل رزولیوشن پر ووٹ لئے جاویں جس میں کسی قسم کے پردہ کا ذکر نہیں ہے۔ رزولیوشن چونکہ صاف ہے لہذا مجھے امید ہے کہ کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۸۰

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۷ دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بمبئی میں ہز ہائنس نواب صاحب جاورہ کی اسپیچ کے جواب میں بطور شکریہ کے فرمائی۔

یور ہائنس!

ہم سب مسلمان یور ہائنس کے نہایت شکر گذار ہیں کہ حضور نے اس نمائش کے افتتاح کرنے کی غرض سے یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمائی حقیقت میں یہ بہت بڑی مہربانی یور ہائنس کی ہے جو کہ تعلیمی نمائش جناب عالی نے اپنے دست مبارک سے کھول دی۔ اس مفید کام کے لئے آپ سے بہتر ہم کو کوئی دوسرا شخص نہیں مل سکتا تھا۔ ہر شخص جو حضور سے واقف ہے وہ بلا مبالغہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جو قومی ہمدردی

فیاضی اعلیٰ خیالات یور ہائنس کی ذات میں ہیں اُن کے لحاظ سے تمام قوم کو یور ہائنس کی ذات پر فخر ہے تعلیمی معاملات میں جو دلچسپی یور ہائنس نے لی ہے اور مدرستہ العلوم مسلمانان علیگڑھ، جو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا عظیم الشان قومی کالج ہے۔ اور جس کی سرپرستی بغیر کسی قسم کی ہماری درخواست کے جو بے پچاس روپیہ ماہوار کے دوامی عطیہ سے فرمائی ہے، اس مہربانی کو ہم کبھی نہ بھولینگے، جب ڈیپوٹیشن جناب والا کی ریاست میں گیا، اور جو کامیابی اُس کو وہاں حاصل ہوئی، اور چھ ہزار روپیہ سے مدد کی یہ تمام واقعات ایسے ہیں جو کسی شخص کی تعریف کے محتاج نہیں اور جن سے آپ کی روشن خیالی اور اعلیٰ قومی توجہ کا ثبوت ملتا ہے ❖

ان سب باتوں سے بڑھ کر خاص کانفرنس کی شرکت کے لئے باوجود کثرت اشغال سفر کی زحمت اُٹھا کر یور ہائنس کا یہاں تشریف لانا اور اس قومی جلسہ کی کارروائی کو غور سے دیکھنا اور قریب قریب کل اجلاسوں میں رونق افروز رہنا، اور نہایت توجہ اور شوق سے تعلیمی مسائل اور تعلیمی مباحث کو سننا ایسی باتیں ہیں جن کو دیکھ کر کسی قدر اندازہ اُس دلچسپی کا ہو سکتا ہے جو حضور کو قومی کاموں سے ہے اور جن کی وجہ سے آیندہ کے لئے نہایت دل خوش کن امیدیں ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں ❖

جناب والا! آج آپ نے تعلیمی نمائش کا دروازہ نہیں کھولا بلکہ مسلمانوں کے لئے وہ باب حکمت کھولا ہے جس کے کھلنے پر وہ ایسے مکانات کے اندر داخل ہوتے ہیں جہاں تعلیم کے نتیجے اور اُس کی وجہ سے جو روشنی دنیا میں پیدا ہوئی ہے اُس کے سامان نظر آتے ہیں اور جن کو دیکھ کر ایک دن ایسا آئیگا کہ وہ بھی نہ اپنی ذات کے لئے، بلکہ قوم کے لئے، اور نہ قوم کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے اپنی مفید بیش بہا ایجادوں کی وجہ سے پھر ایسے مشہور اور عالم کو فائدہ پہنچانے والے ہونگے جیسے کہ کبھی ان کے بزرگ دنیا میں مشہور رہے اور دنیا کو فائدہ پہنچاتے تھے ❖

غرض میں اپنی تقریر اس قدر اور بیان کر کے ختم کرتا ہوں کہ اس مبارک رسم کا آپ کے مبارک ہاتھوں سے ادا ہونا ہماری کانفرنس کی تاریخ میں ہمیشہ شکرگذاری اور دلی احسانمندی کے ساتھ یاد رہیگا ❖

نمبر ۸۱

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۲۹ - دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بمبئی میں جناب خان بہادر دارا شاہ وزیر ریاست جاورہ کی تقریر کے شکریہ میں فرمائی :-

حضرات!

غالباً آپ اتفاق کرینگے کہ جو تعلیم ہم کو خان بہادر دارا شاہ نے دکھائی ہے اور جس خوبی سے انہوں نے ہم کو طریقہ تعلیم بتایا اور جس محنت سے انہوں نے ہمارے بچوں کو تعلیم دی وہ اس کے لئے ہر طرح قابل شکر گذاری ہیں - خود ہماری قوم کا اگر کوئی شخص اس قدر محنت ہمارے بچوں کے ساتھ کرتا تو وہ بھی کچھ کم شکر گذاری کے قابل نہ ہوتا لیکن جب کہ ایک غیر قوم غیر مذہب کے شخص نے محض انسانی ہمدردی کے خیال سے ہمارے بچوں کے ساتھ اس قدر محنت برداشت کی تو وہ ہر طرح مستحق شکر گذاری ہے +

حضرات! پارسیوں کی تعداد ۰۰ ہزار سے زیادہ نہیں ہے، لیکن دولت، ثروت تجارت و تعلیم فیاضی اور ہمدردی جو کچھ ان میں ہے اسے دیکھتے اگر یہ کہا جائے کہ وہ ۰۰ لاکھ سے زیادہ ہیں تو کچھ بیجا نہ ہوگا +

اس زمانہ میں جو ترقی انہوں نے کی ہے اس کی نظیر نہیں - مسلمان اگرچہ سلطنت جانے کی شکایت کرتے ہیں اور سلطنت کی عدم موجودگی کو اپنی نکبت کا باعث قرار دیتے ہیں لیکن حضرات سلطنت اصلی قوت نہیں ہے، بلکہ اصلی قوت ہے علم - جس کا ثبوت مسلمانوں اور پارسیوں کی حالت سے بخوبی ہوتا ہے - ہماری سلطنت کو گئے ابھی سو برس نہیں گذرے، لیکن ان کی سلطنت کو گئے بارہ سو برس سے زیادہ زمانہ ہو چکا - لیکن پارسیوں کے مقابلہ میں ہماری قوم جس کی تعداد چھ کروڑ سے زیادہ ہے کسی بات میں ہمسری اور برابری کا دعوےٰ نہیں کر سکتی - ہماری قوم میں کوئی نظیر جمشید جی بھائی کی نہیں مل سکتی - ٹاٹا نے جو فیاضی ظاہر کی مسلمانوں میں کون ہے جو اس کی نظیر دیکے +

حضرات! سو برس پہلے پارسیوں کی قوم میں وہ سب سستیں موجود تھیں جو ہماری قوم میں ہیں - لیکن ان کی قوم کی ترقی کا صرف ایک گر ہے یعنی انہوں نے اپنی کل قوت اور فیاضی صرف اپنی قوم کی نفع رسانی میں صرف کی +

یہ طریقہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کا تھا اور اسی کی ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ہم مسلمانوں میں پھر اسی طریقہ کا رواج ہو - یہ دولت درحقیقت ہمارے بزرگوں کا ترکہ ہے جو ہم کو ملنا چاہئے لیکن اپنے بزرگوں کا ترکہ حاصل

کرنے کی توجہ نہ کی اور پارسیوں نے ہمارے بزرگوں کا ترکہ ہم سے لے لیا۔

بمبئی کانفرنس نے ہم کو بہت سے عمدہ سبق دئے ہیں خصوصاً آج کے جلسے میں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ نہایت مفید ہے۔ ہم شکر گذار ہیں لوکل کمیٹی بمبئی اور بالخصوص آنریبل جسٹس بدرالدین طیب جی اور قاضی کبیر الدین صاحب کے جنہوں نے مہربانی فرماکر ہم کو ایسی عمدہ تعلیم کے دیکھنے کا موقع دیا۔

حضرات! ان لڑکوں کی تعلیم کا جو طریقہ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ طریقہ تعلیم ڈیڑھ سو برس ہوئے کہ یورپ میں ایجاد ہوا تھا جو نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں، وہ جوانوں بلکہ بڈھوں کے پڑھنے کی ہیں مثلاً لڑکوں کو کریما پڑھائی جاتی ہے جب کہ ایک بچہ یہ نہیں جانتا کہ ہوس کیا چیز ہے تو اُس کا اثر بچہ کے دماغ پر کیا پڑ سکتا ہے تعلیم و تربیت تجربہ اور مشق کی محتاج ہے۔

انگریزوں کی قوم جو آج تعلیم میں اس قدر ترقی کر گئی ہے کچھ زمانہ پہلے وہ بالکل وحشی تھی اُس زمانہ کے مسلمان علم اور تمدّن میں اعلےٰ درجہ کی ترقی پر تھے مسلمانوں نے پانسو برس تک عیسائیوں کو تعلیم دی ہے آج جب کہ ہم اپنی قوم کو انگریزی تعلیم کی تحصیل اور مغربی علوم کے اکتساب کے لئے آمادہ کرتے ہیں تو ہماری قوم ہم کو الزام دیتی ہے کہ ہم مسلمانوں کو نیچری بناتے ہیں۔ جو الزام مسلمان ہم کو دیتے ہیں یہ نیا الزام نہیں ہے بلکہ دنیا میں جب کسی قوم میں علم کی روشنی پھیلائی جاتی ہے، تو ہر جگہ اسی قسم کا الزام دیا جاتا ہے انگریزوں سے دریافت کرو کہ اُن کے یہاں کیا حال تھا۔ پیرس کی گلیوں اور سڑکوں پر جو غلاظت پڑی رہتی تھی اُس کا حال دریافت کرو، پادریوں کا یہ حال تھا کہ مہینوں ہفتوں تک کبھی نہاتے نہ تھے اگر اتفاقیہ کوئی تیسرے چوتھے مہینے کوئی نہاتا تو اُس کو مسلمان کہا جاتا جس وقت اٹلی کے باشندے مسلمانوں سے عربی زبان کے علوم کی تعلیم پاکر اپنے ملک کو واپس جاتے تو پادری کہتے کہ شیطان ہو گیا، کافر ہو گیا، مسلمان ہو گیا، اسی جرم میں بہت سے آدمیوں کو ملک سے جلاوطن کیا گیا کہ اُن کے فاسد عقائد کا اثر عیسائیوں پر نہ پڑنے پاوے۔ لیکن کیسا انقلاب زمانہ کا ہے کہ آج جو مسلمان انگریزی پڑھتا ہے، اُس کو کافر اور نیچری کہا جاتا ہے میری دعا ہے کہ خدا سب کو ایسا کافر اور ایسا نیچری اور کافر بنادے جس کے معنی ہیں، روشن خیال مسلمان اور غیر متعصب مسلمان ہیں۔ میں خان بہادر دارا شاہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اگر ہم مسلمان اپنے بزرگوں کی تعلیم بھول گئے اور یہ خدا ترس پارسی ہمارے بچوں کی تعلیم میں مصروف ہے۔ ورنہ آج ہماری تو یہ حالت ہے کہ اپنے بچوں کو زیور اور عمدہ لباس پہنانے کے لئے جس طرح بھی ممکن ہو اور جہاں سے بھی ہو سکے روپیہ صرف کرنے میں دریغ نہیں لیکن تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے مطلق قدر ہے۔

دنیا کے تمام مصارف میں بیدریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں لیکن میاں جی کی تنخواہ مقرر کرنے کے وقت انتظام اور کفایت شعاری کا پورا لحاظ کیا جاتا ہے اور دو روپیہ یا ہوا رسے زیادہ تنخواہ مقرر نہیں کی جاتی بیاہ میں ناچنے کے لئے طوائف کو ایک رات کے ڈیڑھ سو روپیہ دیدیں، لیکن قاضی جی کو پانچ روپے

زیادہ نہ دینگے ۔

غرضکہ کہاں تک قوم کی حالت کو بتایا جاوے لیکن اے حضرات اب عورتوں کی طرح رونے کا وقت نہیں ہے، بلکہ کام کرنے کا وقت ہے، قوم بیمار ہے، اس کے علاج کرنے کی ضرورت ہے، ہم لوگ جو علیگڈھ پارٹی کے نام سے مشہور کئے جاتے ہیں اسی واسطے آئے ہیں کہ بیمار قوم کا علاج کریں۔ نسخہ لکھیں۔ لیکن نسخہ اگر لکھ دیا جاوے تو تعویذ کی طرح گلے میں لٹکانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ ضرورت ہے دوا لانے کی لیکن دوا کے لئے روپیہ کی حاجت ہے۔ اگر کسی نہ کسی طرح دوا کے اجزا ہم پہنچاوے تو یہ اور مصیبت ہے کہ بیمار ضدی ہے کہ جہاں دوا پلانا چاہا اور اس نے لات ماری اور برا بھلا کہنا شروع کیا۔ لیکن علیگڈھ کے ڈاکٹر پھوڑے کو چیر کر کے جہالت اور اوہام فاسد کا جو مواد بھرا پڑا ہے اس کو خارج کرینگے۔ پھوڑے کے چیرنے کے وقت بیمار ضرور چیخیگا چلائیگا لیکن جب مواد خارج ہو جاویگا۔ تو وہ زمانہ قریب آویگا کہ تم کہو گے کہ علیگڈھ سے جو ڈاکٹر آئے ہیں ان کو سلام کرنا چاہیئے ۔

نمبر ۸۲

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے ۳۰۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بمبئی میں رزولیوشن نمبر ۹ کی ترمیم کی تائید کرتے ہوئے فرمائی :-

رزولیوشن نمبر ۹

اس کانفرنس کی رائے میں وہ وقت آگیا ہے جب کہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمان متحدہ کوشش ان رسوم کی استیصال میں کریں جو مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہیں اور جس سے وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً شادی و غمی کے اخراجات کو مناسب طریقے سے محدود کر دیا جاوے اور کانفرنس کے ہر ممبر کو لازم ہوگا کہ اس پر عمل درآمد کریں ۔

(۱) مسکرات کی جملہ اقسام سے پرہیز کرنا ۔

(۲) شادی و غمی یورد لباس وغیرہ جملہ اخراجات میں فضول خرچی نہ کرنا ۔

(۳) اولاد کا نکاح ایام نابالغی میں یا ان کی خلاف مرضی نہ کرنا ۔

(۴) اطفال خورد سال کو قیمتی زیور نہ پہنانا اور نہ شوق دلانا ۔

(۵) احدیت پیشہ گداگروں کو خیرات نہ دینا۔

(۶) جدید طرز معاشرت کے اسراف کو روکنا۔

(۷) صیغۂ اصلاح تمدن کے کسی ممبر کو بیکار نہ رہنا

اور کسی ایک بیکار شخص کو کام میں لگانا۔

چنانچہ یہ کانفرنس تمام مسلمانوں سے عموماً اور ممبران کانفرنس سے خصوصاً امید رکھتی ہے کہ وہ

مذکورۂ بالا مقاصد پر عمل کرینگے۔

حضرات!

مجھے صرف اس قدر کہنا ہے کہ ۲۰ برس سے کانفرنس قائم ہے۔ لوگوں کا اعتراض تھا کہ رزولیوشن پاس کئے جاتے ہیں لیکن عملی کام نہیں ہوتا۔ البتہ سال گذشتہ سے صرف دو رزولیوشنوں پر باقاعدہ توجہ ہوئی ہے اور عملی کام شروع کیا گیا ہے۔

ایک تو لٹریری سیکشن ہے جس کے سکرٹری ہمارے نامور عالم اور مشہور عالی دماغ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی ہیں، جن کے استقلال اور توجہ اور اعلےٰ قابلیت سے انجمن ترقی اردو نہایت مستحکم بنیاد پر قائم ہوئی ہے، اور جو اپنا کام نہایت عمدگی اور خوبی سے انجام دے رہے ہیں اور جس کے عمدہ نتائج حاصل ہونے کی پوری امید ہے۔

دوسرے صیغۂ اصلاح تمدن، جس کے سکرٹری میرے عزیز خواجہ غلام الثقلین صاحب ہیں انہوں نے جس سچائی ہمدردی اور دلسوزی سے کام کیا ہے اُس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ میرے نزدیک کانفرنس پر فرض ہے کہ وہ ان دونوں صاحبوں کی خدمت کا نہ صرف شکریہ ادا کرے، بلکہ ان کو اُن کے کاموں کے انجام دینے میں، جو انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے، مدد دے۔ اور جو تجویزیں ان کی طرف سے پیش ہوں اُن پر خاص توجہ کرے۔ کانفرنس منظور کرے یا نہ کرے لیکن یہ لوگ برابر اپنے کام میں مصروف رہینگے، کیونکہ سر سید کا اثر جس شخص پر قائم ہے وہ کسی طرح اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ پس میں اس ترمیم کی تائید کرتا ہوں۔

نمبر ۸۳

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو اجلاس محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بمبئی میں حساب آمد و خرچ پڑھ کر سنانے کے بعد فرمائی :-

جناب پریسیڈنٹ !

اگرچہ بموجب قاعدہ کانفرنس کے کانفرنس کی فیس ممبری اور ڈونیشن مقامی اخراجات کے بعد جو باقی بچتے ہیں وہ کانفرنس کے مصارف کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن اہل مدراس نے جب کانفرنس کو مدعو کیا، تو انہوں نے یہ لکھا کہ ہم نہایت مشکل سے روپیہ اپنے مقام پر جمع کرینگے۔ لہذا ہماری خواہش ہے کہ جس قدر چندہ ہم مدراس میں جمع کریں اُس میں مقامی اخراجات متعلق اجلاس منہا کرنے کے بعد جو کچھ باقی رہے اُس میں سے نصف کانفرنس کے سالانہ مصارف کے واسطے لیا جاوے اور نصف انجمن مفیدالاسلام مدراس کو دیا جاوے۔ میں نے اس خیال سے کہ جہاں کانفرنس کا اجلاس ہو وہاں کی مقامی تعلیم کو بھی نفع پہنچنا چاہیے، اہل مدراس کی درخواست کو منظور کرلیا۔ لیکن مدراس کے اجلاس کانفرنس میں بعض ممبروں نے اس تجویز پر اختلاف کیا۔ اُن کا اختلاف اس بنیاد پر تھا۔ کہ کانفرنس چونکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ارگنیزیشن ہے لہذا ضرورت ہے کہ خود کانفرنس کی بنیاد مستحکم ہو اور اُس کے فنڈ میں کافی سرمایہ جمع رہے۔ لیکن بعد طویل مباحثہ کے آخر کار یہ قرار پایا کہ جس قدر روپیہ لوکل کمیٹی مدراس کی معرفت جمع ہوا ہے اُس میں سے لوکل کمیٹی مدراس کے اخراجات منہا کرنے کے بعد جو باقی رہے اُس میں سے نصف انجمن مفیدالاسلام مدراس کو دیا جاوے اور نصف سنٹرل سٹینڈنگ علیگڈھ کو۔ میں نے اسی تجویز کے موافق بمبئی لوکل کمیٹی سے بھی مثل مدراس کی لوکل کمیٹی کے باہم طے کیا ہے کہ لوکل کمیٹی بمبئی کی معرفت جس قدر روپیہ وصول ہو بعد منہائی اخراجات کے اُس میں سے نصف انجمن اسلام بمبئی کو اور نصف سنٹرل کمیٹی علیگڈھ کو دیا جاوے مجھے امید ہے کہ آپ سب صاحب اس تجویز کو منظور فرماوینگے ۔

نمبر ۵۴

اسپیچ

یہ اسپیچ نواب صاحب بہادر نے یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو محمڈن ایجوکیشنل کے اجلاس منعقدہ
بمبئی میں بطور آخری اسپیچ کے پریزیڈنٹ کی تقریر کے جواب میں فرمائی :-

حاضرین!
ابھی پانچ دن کا ذکر ہے کہ جب ہم سب اس پنڈال میں آکر جمع ہوئے تھے، وہ تقریب تھی جلسہ کے افتتاح کی اُس وقت ہم دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے کہ کس ذوق شوق سے لوگ چلے آتے ہیں طرح طرح کے سامان ہو رہے ہیں *

صاحبو! کیسا مبارک تھا یہ مجمع، اور کیسا نفیس تھا یہ منظر جس میں مفید سے مفید رزولیوشن پاس ہوئے فصیح و بلیغ تقریریں ہوئیں۔ ہر شخص کا دل قوم کی محبت سے بھرا ہوا نظر آتا تھا، سینوں میں ایک جوش تھا، اور دلوں میں ایک درد، جو گھروں سے کھینچ کر ملکوں سے سمیٹ کر ہزارہا کوس کی دوری پر یہاں سب کو لے آیا تھا۔ اس کے بعد جو کارروائی ہوئی وہ جسمانی، روحانی، دماغی، عقلی، ترقی کے لئے ہر ایک طرح سے دل خوش کن تھی۔ مگر اب ہمارے اجلاس کا یہ آخری دن ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری کارروائی کا آخری گھنٹہ بھی تھوڑی دیر میں بجا چاہتا ہے *

صاحبو! ایک وقت تو وہ تھا کہ جب یہ عمدہ مکان ایشیائی اور مغربی طرز کے فرنیچر سے تیار کیا جاتا تھا، قسم قسم کی زیب و زینت کے سامان نظر آتے تھے، اس کا دلکش اور خوشنما منظر اپنی خوبی اور نفاست کے لحاظ سے ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی تھا *

مگر کل صبح سے یہ سامان اُٹھنا شروع ہوگا، نہ یہ دلچسپ منظر رہیگا، نہ لوگوں کی چہل پہل باقی رہیگی، نہ روشنی سے جھاڑ و فانوس جگمگاتے ہوئے نظر آئینگے۔ البتہ ایک سکوت اور سناٹے کا عالم باقی رہ جائیگا۔ لیکن حضرات! کیا آپ کے خیال میں اس ظاہری شان و شوکت کے دور ہو جانے سے ہمارا اصلی مقصد بھی فوت ہو جائیگا؟ مانا کہ یہ جھاڑ اور فانوس کی روشنی جاتی رہیگی جس کو ظاہری آنکھیں دیکھ سکینگی۔ تو کیا اس سے وہ نور اور اصلی روشنی، جو اس کانفرنس کے مقاصد سے پیدا ہوئی ہے یعنی مسلمانوں کی تعلیم اُن کی تربیت قومی ہمدردی کا خیال یہ بھی مفقود ہو جائیگی؟ نہیں نہیں کبھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ روشنی جو ہمارے دلوں میں پیدا ہوئی وہ تھے اور پیدا کئے دونوں قسم کے لیمپوں سے لائی ہے جیسے جدید تعلیم یافتوں نے لیکچروں سے اسپیچوں کس طرح بہا کر ہمارے پنڈال میں دکھانے موادیوں نے

وعظ کہا، خطبے پڑھے، پردہ پر بحث کی، قرآن کی آیتیں سنائیں گئیں، سنسکرت کے دوہے گائے گئے، اور ان سب باتوں نے ملکر ایک طرح کی مشرقی اور مغربی کیفیت پیدا کر دی ۔

صاحبو! جن جھاڑوں کی روشنی کو آپ نے دیکھا اگرچہ بظاہر دیکھنے میں خوشنما ہو لیکن حقیقت میں یہ روشنی فانی ہے، وہی لیمپ روشن زیادہ رہتے ہیں، سا جن کا میں نے ذکر کیا اور انہیں کی روشنی ایسی ہے جس کو فانی نہیں کہ سکتے ۔

صاحبو! یہ کانفرنس ایک ایسا چراغ ہے جس نے قوم سے جہالت کی تاریکی کو مٹا کر تعلیم کی روشنی پھیلائی ہے ۔ آپ جانتے ہیں چراغ کی روشنی کا کیا خاصہ ہوتا ہے؟ ایک چراغ سے سیکڑوں ہزار بلکہ لاکھوں چراغ روشن ہو جاتے ہیں اور پھر اس چراغ کی روشنی بدستور باقی رہتی ہے ۔ اسی طرح یہ کانفرنس جس کی مثال میں نے چراغ سے دی، بمنزلہ ایک ایسے روشن چراغ کے ہے کہ جس سے نہ صرف اس صوبہ بمبئی کو روشنی پہنچیگی، بلکہ تمام ہندوستان منور ہو جائیگا ۔

آپ کے دل اس روشنی سے ہمیشہ روشن رہینگے اور ایک ایک آدمی سے صدہا آدمی اس روشنی کو حاصل کرینگے ۔

صاحبو! کسی کو روپیہ دینا بہت آسان ہے مگر روپیہ آنی جانی چیز ہے ہمیشہ کسی کے پاس نہیں رہتا، آیا اور ہاتھ سے نکلا لیکن ایسی روشنی ہر وقت پاس رہتی ہے ۔

حضرات! قبل اس کے کہ میں اپنے معزز اور عالم پریسیڈنٹ صاحب اور لوکل کمیٹی کے قابل سکرٹری قاضی کبیرالدین صاحب کا دل سے شکر ادا کروں، اپنا فرض خیال کرتا ہوں کہ جیسے ہمارے معزز پریسیڈنٹ صاحب نے اپنے خیالات نہایت صاف صاف اور سچائی سے ظاہر فرمائے ہیں تو میں بھی جو اس پلیٹ فارم پر کھڑا ہوں محض شاعر ہی نہ بنوں بلکہ اسی طرح صفائی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر دوں ۔

صاحبو! مدت سے یہ میری تمنا تھی کہ بمبئی میں کانفرنس کا اجلاس ہو، مختلف موقعوں پر پریسیڈنٹ صاحب سے اپنی خواہش کا میں نے اظہار کیا مگر جواب اپنی مرضی کے موافق نہ پایا، یہاں تک کہ پچھلے ستمبر کے مہینہ میں جب پھر میں بمبئی آیا، تو یہ ارادہ کر کے آیا "یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید" اس مرتبہ چاہے کچھ بھی ہو بمبئی میں کانفرنس ہوگی اور ضرور ہوگی کیونکہ میری کوشش اگرچہ ہے اور میں صرف قومی ہمدردی کی وجہ سے بمبئی میں کانفرنس ہونا چاہتا ہوں، تو ناممکن ہے کہ ہمارے پریسیڈنٹ صاحب جو مجھ سے عزت میں، دولت میں، علم میں، ہر طریقے سے زیادہ ہیں، میری تمنا کے ساتھ ہمدردی نہ فرمائیں ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور جب میں نے پریسیڈنٹ صاحب کے تمام مقاصد بیان کئے تو انہوں نے

اسلام علیہ میں جہاں مجھ کو ڈرو دیا گیا تھا بڑے جلسے میں اپنے خیالات ظاہر کر کے نہایت خوشی سے کانفرنس کا بمبئی میں منعقد ہونا منظور فرمایا ✦

مگر حضرات! شوق میں آکر بمبئی میں کانفرنس کا ارادہ کرنے کو تو کر لیا، پریسیڈنٹ صاحب بھی بمبئی کا ہو گئے، لیکن اُس وقت سے میرے دل میں یہ وسوسا و رخیال پیدا ہوا کہ کانفرنس ہونے کو تو ہو گی، مگر کامیابی محال ہے، اور کچھ ہوئی بھی تو کسی شمار و قطار میں نہیں، کیونکہ خیالات متفرق اعلیٰ محض غلط فہمیاں بے انتہا موجود ✦

صاحبو! مختلف خیال اور عقاید کے لوگ علیگڈھ میں ہی منحصر نہیں تمام دنیا میں پائے جاتے ہیں، ان میں بھی سیکڑوں ہزاروں آدمی ایسے ملینگے جن میں اکثر لامذہب ہونگے سیکڑوں نیچری ہزاروں تارک الصلوٰۃ۔ لیکن ان واقعات اور حالات پر کوئی نظر نہیں کرتا، جہاں علیگڈھ پارٹی کا نام آیا تو بلا سوچے سمجھے اور بغیر حقیقت حال دریافت کئے کفر کے فتوؤں کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے۔ وہی مثل ہے ؎

ہر بلائے کز آسمان آید   گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ مے پرسد   خانۂ انوری کجا باشد

غرض دوسرے دن جب میں اپنی تعریف اخباروں میں دیکھتا تھا تو بلا مبالغہ کوئی ایسا لفظ نہ ہوتا تھا۔ جو اسلام کے دائرے سے مجھ کو خارج نہ کرتا ہو، اُس وقت میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ الٰہی میری شامت اعمال کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ پریسیڈنٹ جنہوں نے ہم کو دعوت دی ہے شہر سے، برادری سے بلکہ اسلام سے خارج کر دئے جائیں ✦

صاحبو! جس کام کی ابتدا اس طریقے سے ہو، تو اس کا انجام کو پہنچنا میرے نزدیک بشری قوت سے ممکن نہیں تا وقتیکہ خدا کی بے انتہا اور زبردست طاقت مدد نہ کرے ✦

اِس ادھیڑ بن میں کئی مہینے گذر گئے جوں جوں کانفرنس کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا دوں دوں خیال پیدا ہوتا تھا کہ دیکھئے اُس وقت کیا ٹربونگ مچتی ہے ✦

مگر حضرات! اب میں دیکھتا ہوں کہ کانفرنس کی تمام کارروائیاں جس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ روزانہ انجام پائیں جیسے باقاعدہ ترتیب اور تہذیب کے ساتھ اجلاس ہوئے اور جن سے نہایت مفید نتائج ظاہر ہونے کی اُمید ہے، تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے اپنی غایت درجہ کی مہربانی اور بندہ نوازی سے عین وقت پر ہماری مدد کی، جو کچھ کہ میرے خیالات تھے وہ سب غلط تھے یہ بالکل سچ ہے "دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است" ✦

صاحبو! اختلاف اور مخالفت دو متضاد چیزیں ہیں اختلاف رائے کسی مسئلے میں واسطے اصلاح و تحقیق کے بحث ہے جب تک کہ اُس میں نیک نیتی اور ہمدردی کے ساتھ بحث کی جائے ممکن نہیں کہ کوئی اسباب

پیدا ہوں اُن کو رفع کرنا، اور اپنے دل کو تسلی دینا مقصود ہو ✤

اور مخالفت کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے طریق سے اُس مطلب کو بہ غرضی کے ساتھ بحث و مباحثہ میں لاکر چلنے اور بنے بنائے کام کو بگاڑنے اور اُس میں خرابیاں ڈالنے کی کوشش کی جائے ✤

مخالفت حقیقت میں ایک فعل شیطانی ہے اور اختلاف ایک فعل رحمانی ✤

سو حضرات! نہ معلوم خدا نے کونسا فرشتہ رحمت بھیج دیا کہ جس کی وجہ سے ہم نے یہاں نہ کفر کے فتوے دیکھے نہ مخالفت کا اثر پایا ✤

بجائے اس کے دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سینوں میں ایک ہمدردی کا جوش موجزن ہے ✤

صاحبو! ملحد، بیدین، نیچری، دشمن اسلام، کے معزز خطاب یونہی سے ہم کو نہ ملے۔ لیلے پر عاشق ہونا اور مجنوں بننا ذرا مشکل کام ہے ایک زمانہ گذرا بہت سے پتھر کھائے، بہت سے زخم اُٹھائے، تب یہ خطاب ملے ہیں۔ وہ کون مقام ہے جہاں کانفرنس گئی اور ہم نعوذ باللہ مسلمانوں کے دشمن قرار نہ دیئے گئے، ایک مرتبہ میرٹھ میں جب کانفرنس کا اجلاس ہونا قرار پایا، تو اجلاس سے تین مہینہ پیشتر میں نے شمالی ہند کے مختلف بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا، ہر جگہ جاکر اسپیچیں دیں لیکچروں کے ذریعہ سے کانفرنس کے مقاصد اور اغراض بیان کئے۔ منجملہ دیگر مقامات کے دہلی بھی گیا۔ جب وہاں کے مولویوں کو میرے آنے کی خبر ملی، تو گلیوں گلیوں مولویوں کے وعظ ہوتے تھے اور کوئی بُرے سے بُرا عقیدہ ایسا نہ تھا، جو ہماری طرف منسوب نہ کیا جاتا ہو، جب میں ٹون ہال میں جانے لگا کیا دیکھتا ہوں کہ دو منکر نکیر دروازہ پر کھڑے وعظ فرما رہے ہیں اور چلا چلا کر کہہ رہے ہیں "کہ دیکھو مسلمانو! جو اس مجمع میں شریک ہوگا، اسلام سے خارج ہوگا، اور جب اسلام ہی باقی نہ رہا تو تمہاری بیویوں کو بھی طلاق ہو جائیگی" ✤

یہ سُن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ نوجوان تو اس حکم کو سُن کر خوش ہوگئے کہ چلو چھٹی ہوئی دوسری ابھی سے اچھی بیوی پسند کے لائق تلاش کرلینگے (چیرز) ✤

اس کے بعد جب میری سواری نکلی تو ایک مولوی نے باواز بلند نہایت صفائی اور بیباکی کے ساتھ بیان کیا کہ "مسلمانو! ذرا بچنا، دیکھو دجال جارہا ہے اپنے ایمان کو سنبھالے رہنا ✤

اُس وقت تو میں چپکا نکلا چلا گیا، لیکن جب ہال میں پہنچا اور تقریر کرنے کھڑا ہوا تو سب سے پہلے اپنے مہربانوں کا کفر کے فتووں کے صلہ میں شکریہ ادا کیا اور اُن سے کہا کہ کیا کفر کے فتوے پتنگ کے کاغذ سے بھی ارزاں ہوگئے، بھائیو! ہم کو جو چاہو سو کہو لیکن خدا کے لئے جھوٹ نہ بولو، سچ کہو آنا تو ہے "مہدی" اور کہتے ہو "دجال" (چیرز) ✤

صاحبو! یہ واقعہ تو میں نے آپ کو اس مقام کا سنایا جو تہذیب کا مرکز سمجھا جاتا ہے اسی مناسبت سے دوسرے مقام کی حالت پر قیاس کیجئے ایک دلی میں کیا ایسی مصیبتیں خدا جانے کہاں کہاں نہ گذریں یہاں

بمبئی میں نہ تو اس قسم کا ان آنکھوں نے کوئی ناگوار واقعہ دیکھا نہ کانوں نے کوئی بُری خبر سُنی بلکہ جو مدد اور محبت یہاں ملی ہم اُس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے ✦

صاحبو! بمبئی میں کانفرنس کا یہ تیرھواں اجلاس ہے۔ جب یہاں کانفرنس ہونی تجویز ہوئی تو پریسیڈنٹ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ روپیہ ہم دینگے لیکن مہمانداری کے انتظام اور جو معزز بزرگ یہاں تشریف لائینگے، اُن کو آرام پہنچانے کے ذمہ وار تم ہو، اُس وقت میں نے یہ خیال کرکے حامی بھرلی، کہ بمبئی جیسے دور دراز مقام پر ایسے کتنے آدمی آئینگے جن کے لئے کوئی بڑا اہتمام کرنے کی ضرورت پیش آئیگی۔ زیادہ سے زیادہ وہی دس بیس آدمی جن کو خاص قسم کی دلچسپی اور ہمدردی ہے اور اس لحاظ سے نہ مہمانداری کا زیادہ ہنگامہ ہوگا نہ قیام کے لئے عالیشان اور وسیع کوٹھیوں کی ضرورت ہوگی ✦

مگر حضرات! جس کثرت کے ساتھ لوگ جمع ہوئے اور ہندوستان کے ہر گوشہ سے جیسے معزز لیڈر کے سربرآوردہ مہمان آئے میرے تو خیال اور گمان میں بھی یہ بات نہ تھی ✦

حضرات! علم طب کا مسئلہ ہے کہ جب تک یہ چار خلطیں، خون، سودا، صفرا، بلغم، مناسب اعتدال کے ساتھ باہم متفق رہتی ہیں تو صحت بھی ٹھیک اور درست رہتی ہے اور جب ان میں سے ایک میں بھی کمی بیشی ہو تو فوراً سمجھ لو کہ تندرستی پر زوال آنا شروع ہوا۔ لیکن اب تک یہ مواد ہماری کانفرنس میں مناسب مقدار کے ساتھ کبھی جمع نہ ہوا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ یہاں جمع ہوا اور جس کا بدیہی نتیجہ آپ نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ جن کا وعظ اب موقوف تھا قرآن اور حدیث کی تعلیم پر، اور کیا وہ لوگ جن کے لیکچر اور اسپیچ یہاں خصوصیت سے فقط قومی تعلیم کے لئے، دونوں نے مل جُل کر اتفاق کے ساتھ اس امر کو تسلیم کیا کہ مسلمانوں کو ضرورت زمانہ کے موافق دین اور دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم کی ضرورت ہے اور اس کام میں کوشش کرکے اس کو پورا کرنا علیگڑھ کالج کو جو مسلمانوں کا قومی درسگاہ ہے ترقی دینا مذہبی اور انگریزی تعلیم کو قوم میں پھیلانا ہمارا فرض ہے ✦

صاحبو! مسلمان کیسے ہی گئے گذرے ہوں، کیسے ہی جاہل ہوں، کیسے ہی بے غیرت اور ہمت کو انہوں نے چھوڑ دیا ہو۔ لیکن ایک چیز نہ اُن سے چھوٹی ہے نہ چھوٹیگی۔ وہ کیا ہے؟ دین! جو بدنصیبی سے حج ادا نہیں کرتے، روزے نہیں رکھتے، نماز نہیں پڑھتے، وہ بھی اپنے آپ کو خدا کا گنہگار بندہ خیال کرکے استغفار پڑھتے ہیں، مسجدوں میں نہیں جاتے، لیکن جب اُن کو آباد دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے اور نمازیوں کو اپنے سر کا سرتاج سمجھتے ہیں ✦

صاحبو! دوسری قوموں کو جب ان کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہاں کیا ہوتا ہے؟ کہیں لمبے کھٹکتے ہیں، ناچ رنگ کے جلسے ہوتے ہیں، کسی مقام پر شادیانوں کے نقارے بجائے جاتے ہیں لیکن ہمارے یہاں جو پہلا کام ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مولوی یا کوئی عزیز قریب ہی سہی بچے کے پیدا ہوتے

ہی اُس کے کان میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آواز پھونک کر اذان دیتا ہے۔ اور یہ وہ نوبت ہے جس کی آواز کان سے اُتر کر سیدھی دل میں بیٹھتی ہے کہ مرتے دم تک جدا نہیں ہوتی اور یہی وہ دائمی نقارے ہیں جو قیامت تک ہر مسلمان کے گھر میں اسی طرح سے بجتے رہینگے ❖

صاحبو! جس بچہ نے دودھ پیا ہو اپنی مسلمان ماں کا۔ جس بچّہ کی رگوں میں خون بہ رہا ہو اسلام کا، اگر وہ کمبخت چاہے بھی تو بھی تو اسلام کے دائرے سے جدا نہیں ہو سکتا ❖

حضرات! یہی وجہ ہے کہ جہاں دین اور مذہب کا نام آیا اور مسلمان مرنے مارنے کو طیار ہو گئے۔ وہ انگریزی مدرسوں میں محض اسی لئے نہیں گئے، کہ ہمارے دین میں خرابی آجائیگی، اور محض اسی وجہ سے پستی کا کوئی درجہ ایسا باقی نہیں رہا جس کو انہوں نے طے نہ کر لیا ہو، حکومت کے ساتھ دولت، دولت کے ساتھ غیرت، شرم، حیا، غرض ساری خوبیاں ایک ایک ہو کر رخصت ہو گئیں دنیا کی قوموں کے مقابلہ میں ذلیل و خوار زندگی بسر کرنا گوارا کیا، زمانہ کا ساتھ نہ دیا، ضرورت کا لحاظ نہ کیا، دنیاوی حشمت اور شوکت لٹا کر حفاظت کی تو صرف دین اور مذہب کی، اور جب تک اُن کے دماغوں میں یہ بات سمائی رہی کہ مغربی علوم کا حاصل کرنا کفر ہے، انگریزی نہ پڑھنا تھی نہ پڑھی۔ مگر اب جب کہ اُن کو اطمینان ہو گیا کہ مغربی علوم ہوں یا کسی اور جگہ کے، مذہب اسلام پر اس کا کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا، اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جو ہر زمانہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ قدیم فلسفہ ہو یا جدید، سائنس کی زبردست قوت ہو یا اس سے کوئی بڑھ کر، اسلام بحیثیت اسلام جب مقابل کیا جائیگا۔ تو اُس کی صداقت کے ثبوت ملتے چلے جائینگے، تب انہوں نے انگریزی کا پڑھنا شروع کر دیا، وہ اوہام باطلہ کے بھوت جو قوم کے چاروں طرف تشکل کردہ ہوئے جمع ہوئے تھے، اب اُن کا پتہ نشان نہیں۔ تجربے اور زمانے نے مخالف اور نکتہ چینوں کو بہت کچھ کمزور بنا دیا ہے اور جو چنگاریاں اب بھی کہیں کہیں دبی پائی جاتی ہیں اور کبھی کبھی چمک اُٹھتی ہیں عنقریب وہ زمانہ آنا چاہتا ہے کہ راکھ ہو کر رہ جائینگی ❖

صاحبو! اس قسم کی قومی مجلسوں کا ہونا جس میں آج ہم اور آپ شریک ہیں خود اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم میں آگے بڑھنے کی ایک تحریک پیدا ہو گئی ہے، اُس کو اپنے تنزل کا احساس ہو گیا ہے اور دوسری قوموں کو ترقی کی دوڑ میں بڑھتے ہوئے دیکھ کر اگر اُن سے بازی لے جانیکا نہیں تاہم برابر ہو جانے، اور برباد شدہ عزت کی واپسی کا خیال، خیال کے ساتھ شوق۔ اور شوق کے ساتھ آمادگی کا اظہار ہے ❖

اب مجھے **سرسید** کے مذہب اور اُس سبب سے علیگڈھ کالج کی طرف سے جو بدگمانیاں پیدا ہوئیں اس بحث کے متعلق کچھ تھوڑی سی گفتگو کرنا باقی ہے ❖

صاحبو! جس زمانہ میں وہ مذہب پر زور شور سے آرٹیکل لکھ رہے تھے، جس زمانہ میں اُن کی تفسیر کی تصنیف جاری تھی جس کے سبب مسلمانوں کی دنیا میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی، کیا عالم اور کیا جاہل

سارے کے سارے مسلمان اُن پر ملامت کرتے، اور اُن کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے، کوئی کفر کا فقرہ ایسا نہ تھا جو اُن پر نہ کسا جاتا ہو، اور کوئی خفیف سے خفیف بہتان ایسی نہ تھی جو اُن پر نہ لگائی جاتی ہو، غرض ساری دنیا ایک طرف تھی اور وہ بندہ خدا ایک طرف۔

صاحبو! یہ تمام واقعات میرے سامنے کے اور میری آنکھوں کے دیکھے ہوئے ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ سرسید کا جاننے والا، اُن کی عزت کا کرنے والا، اُن کی خوبیوں کو سمجھنے والا کوئی دوسرا نہیں۔

لیکن پھر بھی ۱۸۹۸ء یعنی اُن کے اخیر دم تک میرے اور مرحوم کے درمیان مذہبی بحث و تکرار قائم رہی۔ چنانچہ اُن کی زندگی کے آخری دور میں بھی ایک مضامین کا سلسلہ عرصہ دراز تک بطور خط و کتابت کے جاری رہا اور اب وہ کتاب کی شکل میں شائع ہو گیا ہے اور آپ صاحبوں میں سے اکثر نے جو اس وقت یہاں موجود ہیں غالباً ملاحظہ بھی کیا ہوگا۔

مَیں نے اس بحث کے کسی مقام پر ایک مرتبہ یہاں تک لکھ دیا کہ "سید صاحب آپ نے تو جائے خدا کو اصل شان خدائی پر قائم نہیں رکھا بلکہ ڈارون کا خدا بنا دیا"۔

یہ سچ ہے کہ ہمارے مسلمہ عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو اُنہوں نے شد و مد کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علما کو اُن کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا۔ اور بعض نے یہاں تک کفر کے فتوے بھی دیدئے۔ اور اُن کو کیا کہوں خود مجھ کو بہت سے مسائل میں اُن سے اختلاف کرنا پڑا، بحث و مباحثے رہے۔ لیکن باوجود ان تمام حالات کے دیکھتے ہوئے، میرا دل اُن کے سچے اور پکے مسلمان ہونے پر ہمیشہ گواہی دیتا تھا اور دیتا ہے۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو بھی میں اُن کے پاس موجود تھا۔ اُس وقت اگر وہ کچھ پڑھتے تھے تو درود اور کلمہ۔

صاحبو! شاید کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو کیونکہ ایک مدت گذر رہی جب کا یہ واقعہ ہے سرسید نے اول مرتبہ عقائد اسلام کی نسبت ایک مضمون چھاپا اور اس کو دیکھ کر جس شخص نے پہلے پہل خط کے ذریعہ سے اُن پر کفر کا فتوے دیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کون تھا؟

صاحبو! وہ یہی بندہ تھا جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑا تقریر کر رہا ہے۔ جب یہ کفر کا فتوے اُن کے پاس پہنچا تو فوراً اُنہوں نے مجھ کو جواب دیا۔ غرض یہ ایک بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کے لئے نہ مہلت ہے نہ موقع۔ البتہ اس قدر کہنا چاہتا ہوں۔ کہ جیسے جیسے اُن کے خیالات معلوم کرنے کا زیادہ موقع ملتا گیا۔ خواہ بالمشافہ بات چیت کرنے یا خط و کتابت کے ذریعہ سے ویسا ہی ویسا میرے دل پر اُن کی خوبیوں اور اُن کے اسلام کا اثر ہوتا گیا اور آج تک باقی ہے۔

صاحبو! ایک بڑی خوبی تو اس مرحوم شخص میں یہ تھی کہ جو تقریر کرتا تھا یا اپنے ایسے ظاہر کرتے جس سے کہ

ملک بھر کو اُن سے کد اور کاوش ہو گئی، مدتوں بحث مباحثہ کی گرم بازاری رہی، لیکن کبھی کسی وقت میں اپنی تصنیف و تالیف کو کالج کی چہار دیواری کے اندر نہ آنے دیا اور اس امر کی تلاش رہی کہ کسی طالب علم کی نظر سے کوئی اپنی کتاب نہ گذرنے پائے ۔

مذہبی تعلیم کے لئے دینیات کی کمیٹی علیحدہ بنائی۔ اور اُس کی رائے اور تجویز سے دینیات کی تعلیم جاری رہی اور اب تک ہے ۔

باہمی اتحاد اور اتفاق کی نسبت اُن کا خیال تھا کہ جب تک مسلمانوں میں شیعہ ہیں یا سنی، مقلد ہیں یا غیر مقلد وغیرہ وغیرہ ان تمام فرقوں کی متحدہ کوشش کسی مفید سے مفید غرض کے پورا کرنے میں شامل نہ ہوگی اُس وقت تک ان کی ترقی محالات سے ہے۔ اُن کی ہمیشہ سے یہ رائے تھی کہ عقاید کے اختلاف کی وجہ سے ہر فرقہ کو اختیار رہے کہ وہ اپنے فرائض کو جدا جدا طریقہ سے ادا کرے۔ لیکن اصولاً بحیثیت ایک اسلام رکھنے کے اور بایک قوم ہونے کے اُن کو ہمیشہ ایک دوسرے کا معاون اور مددگار رہنا چاہیئے، اور اس بات کے واسطے کسی تمیز اور تفرقہ کی ضرورت نہیں، صرف مسلمان ہونا کافی ہے ۔

وہ کہا کرتے تھے کہ ایک دوسرے کے عمدہ مقاصد میں شریک ہو کر کام کرنے سے یہ مت سمجھو کہ کسی خاص فرقہ یا گروہ کی ترقی ہے، بلکہ کل مسلمانوں کی اور اسلام کی ترقی خیال کرو۔ اُن کا قول تھا کہ آپس کے ایسے بحث مباحثے سے بچو، جو کسی کے مذہبی عقاید کو صدمہ اور رنج پہنچائے کیونکہ یہ معاملہ خدا کے ساتھ ہے اور وہی اس کا محاسب۔ ہم دنیا میں اتفاق کے ساتھ رہنے اور ایک غرض واحد یعنی اسلام کو ترقی دینے کے لئے آئے ہیں نہ کہ جنگ و جدل کرنے اور جماعت میں تنزل پیدا کرنے کے لئے ۔

صاحبو! جب اُنہوں نے کالج میں مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو ایک مسجد بنوانی تجویز کی، جب اس امر کی اطلاع اُن کے دوست خلیفہ سید محمد حسین صاحب پرایم منسٹر پٹیالہ کو ملی تو ممدوح نے اعتراض کیا اور شیعہ، سنی دو طالبعلموں کے واسطے دو مسجدیں بنانے کی رائے دی، جس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں جس فرقہ کو مٹانا چاہتا ہوں تم اُسی کے قائم رکھنے کی صلاح دیتے ہو، جب کہ مسلمان ایک خدا کے ماننے والے، ایک پیغمبر سے ہدایت پانے والے، اور ایک کعبہ رکھنے والے، ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اُن کی عبادت گاہیں فرقہ بندی کے لحاظ سے جدا جدا قائم کی جائیں۔ اس سے ہمیں بحث نہیں کہ کوئی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے یا کوئی کھول کر، کوئی بالجہر آمین کہے یا بالخفی، جس کا جو طریقہ ہو وہ اُس کے برتنے کے لئے آزاد ہے ۔

اور نہ اس اختلاف کی وجہ سے ہم کسی مسلمان کو دائرہ اسلام سے کوئی جدا چیز خیال کرتے ہیں چنانچہ وہی ایک مسجد جس کا ارادہ کیا تھا بنائی اور جس میں کل طالب علم خواہ شیعہ ہوں یا سنی، مقلد ہوں یا غیر مقلد، اپنے اپنے طریقوں کے ساتھ اپنے اپنے اماموں کے پیچھے نمازیں پڑھتے اور ایک خدا کو سجدے کرتے ہیں۔ جیسے

سنی طلبا کی مذہبی تعلیم اور اُن کے اخلاق اور تربیت پر عمدہ اثر ڈالنے کے لئے علیحدہ منتظم مقرر ہیں، ویسے ہی شیعوں کے چال چلن کی نگرانی اور اُن کی مذہبی تعلیم جاری رکھنے کے لئے اُن کے ہم مذہب عالم موجود ہیں ✦

صاحبو! ایسی مسجد ہندوستان بھر میں سوائے علیگڑھ کے آپ کہیں نہ دیکھینگے کہ جس میں ہر فرقہ اور عقیدے کا مسلمان بلا کسی مزاحمت اور روک ٹوک کے آزادی اور اطمینان کے ساتھ اپنے ارکانِ مذہبی کو ادا کرتا ہو، وہاں کسی ایسی تقریر کرنے کی کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا، جو کسی کی دل آزاری کا موجب ہو ✦

صاحبو! سر سید کی مذہبی بحث علیگڑھ کالج کے لئے بہت سی بدگمانیوں کا سبب بنگئی اور یہی ایک وجہ تھی جس کے پردہ میں اُن کی زندگی میں کیا معنی آج تک بھی مخالفت کے گیت گائے جاتے ہیں، اور کالج کی بہتر سے بہتر خوبی کو ایسی خوفناک صورت میں دکھایا جاتا ہے جس کے سبب ناواقف لوگوں کی طبیعت پر بُرا اثر پیدا ہوتا ہے۔ اور مجھے اس امر کو افسوس کے ساتھ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ ابھی ہماری قوم میں ایسے لوگوں کی کمی ہے کہ ایک واقعہ سننے کے بعد اُس کی تحقیقات کریں اور اسباب کا پتہ چلائیں اور پھر صحیح رائے قائم کر کے اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ بجائے اس کے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ محض سنی سُنائی باتوں پر جن کی بنیاد محض غلط افواہوں پر منحصر ہوتی ہے ناقص رائے قائم کر لیتے ہیں، اس کے علاوہ سب سے بڑی مشکل جو پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی سمجھانے اور اس غلط فہمی کے رفع کرنے کی کوشش بھی کرے تو سمجھتے نہیں اور اپنی رائے سے ہٹنا اور اُس کو واپس لینا گوارا نہیں کرتے ✦

صاحبو! اس تقریر کا یہ منشا نہیں کہ علیگڑھ کالج دنیا کے تمام اوصاف کا مرکب ہے، اس میں کوئی عیب اور کوئی بُرائی نہیں۔ ایسا دعوے تو میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اتنا بڑا عظیم الشان انسٹیٹیوشن جس کی نظیر اس وقت ہندوستان میں موجود نہیں۔ ممکن ہے کہ اُس کے انتظام میں بعض اصلاحوں کی ضرورت ہو ✦

ممکن ہے کہ بعض حقیقی بُرائیاں ایسی موجود ہوں، جن پر ہماری نگاہ نہ گئی ہو یا ہم اُس نقص کو نقص ہی نہ خیال کرتے ہوں، تو ایسی حالت میں جب کہ وہ ایک قومی درسگاہ ہے ہر سمجھدار اور نیک نیت مسلمان کا فرض ہے کہ ان برائیوں کی نسبت گفتگو کرے، جو خرابیاں ہوں ہمدردی کے ساتھ ظاہر کرکے اُن کے دور کرنے کی کوشش کرنے پر متوجہ ہو، اور میں کہتا ہوں کہ ایسے نیکدل لوگوں کے ہم ساتھی ہوں اور وہ بُرائیاں مل کر کوشش کریں ✦

صاحبو! جیسا کہ یہ مجمع ہم میں سے پیدا ہو گیا آپ خوب سمجھ لیجئے ہماری مثال اس جماعت جسم کی

ہوگی اگرجس کی روح کو بدن سے جدا ہوئے تو عرصہ گذر گیا لیکن مصالحوں کے زور سے اُس کی شکل ہنوز قائم ہے اور شاید کچھ دن تک اور باقی رہے ✤

حضرات! مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کانفرنس کے یہاں بمبئی میں ہونے سے بہت سی بدگمانیاں رفع ہوگئیں ہونگی، اکثر خیالات باطل مٹ گئے ہونگے، اور بجائے اس کے کہ ہم رہزن خیال کئے جاتے تھے اب تو آپ بھی اپنے جی میں کہتے ہونگے کہ "رہزن نہیں یہ تو رہنما ہیں" ✤

صاحبو! پردہ جائے یار ہے اس بحث کی نسبت بوڑھوں سے لیکر جوانوں تک کے خیالات آپ نے سُنے اور سب کو یہی کہتا پایا ہوگا کہ پردہ قائم رہے پردہ - یہ جو ظفر علی خاں حیدر آباد سے آئے ہیں اور جن کی رائے اس مسئلہ کے متعلق ابھی آپ کو معلوم ہوئی، بی - اے، پاس ہیں لال ٹوپی سر پر ہے ڈاڑھی منڈانے سے تو البتہ دھوکا ہوتا ہے کہ شاید علیگڈھ کالج کے پڑھے ہوں لیکن باعتبار خیالات کے میمن بوہرے یا خوجوں میں سے ایک شخص معلوم ہوتا ہے ✤

صاحبو! یہ سب کچھ سہی مجھے خوشی تو اس امر کی ہے جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ کیسے کچھ بُرے خیالات پھیلے ہوئے تھے اور وہ دفعتاً کس طرح دُور ہوتے چلے گئے، اور اب وہ زمانہ آیا کہ ہم سب متفقہ طریقے سے اپنے مقاصد کی تکمیل میں کوشش کرنے کے لئے آمادہ ہونگے ✤

صاحبو! جس کثرت کے ساتھ کانفرنس میں لوگ آئے ہیں مجھ کو ان سب کے آنے پر بھی تعجب ہے ✤

آپ کو معلوم نہیں یہ مولانا حالی اور مولانا نذیر احمد صاحب جن کو آپ اس پنڈال میں دیکھتے ہیں جب مدراس کانفرنس ہوئی تو خود مَیں نے ان سے چلنے کے لئے بے حد اصرار کیا، مدراس والوں کو جیسا تمنا تھی، اُن بیچاروں نے تار پر تار بھیجے، بُرا مانا، مگر یہ کسی طرح راضی نہ ہوئے اور نہ چلنا تھا نہ چلے، نہیں معلوم کہ ہمارے معزز پریسیڈنٹ صاحب اور قاضی کبیر الدین صاحب نے کیسا جادو کر دیا کہ ایک دم سے کیا بوڑھے اور کیا جوان گھروں سے اُٹھ کر چل کھڑے ہوئے ✤

صاحبو! یہ نذیر احمد وہ شخص ہیں کہ سر سیّد تک ان کے کانفرنس میں آنے کی تمنا کیا کرتے تھے اور سال بھر پہلے سے بلاوے بھیجتے تھے آنے کو یہ آپ سے آتے نہیں لیکن جس طرح آتے تھے یا آتے ہیں اُس کی حقیقت کوئی ہمارے دل سے پوچھے، اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ مُنہ پھٹ بھی ایسے کہ جب کبھی تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو لگی لپٹی رکھتے نہیں، بات آئے پیچھے سر سیّد کو کہنے سُننے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے تھے ✤

صاحبو! مولانا کی مسلمہ علمی قابلیت ان کی سحر بیانی، ان کی طلاقت لسانی، بیان کا انداز، ذرا بھی مبالغہ کی بات نہیں، ہمارے لئے مایہ ناز ہے، اور یہ چند صورتیں اس مجلس میں غنیمت ہیں کل جس وقت مولانا لیکچر

دے رہے تھے، اور جو سماں آپ نے دیکھا، غالباً آپ اُس کو نہ بھولینگے، آپ پر جو اثر ہُوا ہو اُس پر ہمیں بحث نہیں ہے۔ مگر جو اثر پردہ نشین بی بیوں پر ہُوا ہے اُس کے معلوم ہونے سے ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ میرے خلیقی بھائی کی دو بیٹیاں بھی وہاں گئی تھیں اور پردہ میں سے تمام لیکچر اور اسپیچیں اور وعظ سن رہی تھیں۔ مجھ سے اُنھوں نے کہا کہ ہم بڑی خوش نصیب ہیں کہ ہم کو مولوی نذیر احمد صاحب کے وعظ سننے کا موقع ملا جس سے ہم کو آج معلوم ہُوا کہ اسلام کیا چیز ہے اور مسلمان کیسے ہوتے ہیں اور قومی ہمدردی اور قومی کام کیا چیز ہے۔ کاش ایسی باتیں سال میں ایک دفعہ بھی ہم لوگوں کے کان میں پڑ جایا کریں۔ تو ہم بھی اپنے مذہب کو، اپنے فرائض کو، سمجھنے لگیں۔ ہم تو اب تک یہ جانتے تھے اور کیوں ایسے جلسوں میں شریک ہوں، اور ایسی مفید باتوں کے سننے کا ہم کو موقع نہیں دیا جاتا۔" ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کانفرنس کی کارروائی دیکھنے اور سننے کے لئے جو انتظام پردہ نشین بی بیوں کے جانے کا کیا گیا تھا وہ کیسا مفید اور عمدہ تھا۔ خدا کرے ہمیشہ ایسا ہی ہوا کرے ۞

صاحبو! نہ کانفرنس ہوتی، نہ لوگ آتے، اور نہ ہماری مسلمان بیویاں اور معصوم بچیاں نیچرن ہوتیں ؎

نمی گویم دریں گلشن گل و بلبل و بہار از من
بہار از یار و گل از یار و باغ از یار و یار از من

بہر حال میں مبارکباد دیتا ہوں پریسیڈنٹ صاحب کو کہ جس محبت جس خوشی کے ساتھ آپ نے ہم کو بلایا اور اپنے اخلاق کریمانہ کا برتاؤ کیا۔ ہر شخص کا دل اس شکرگذاری سے بھرا ہوا ہے اور وہ صرف شکرگذاری بلکہ دعائیں دیتے جاتے ہیں ۞

جناب پریسیڈنٹ صاحب میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جو اصحاب باہر سے تشریف لائے وہ سب آپ کے، آپ کی لوکل کمیٹی کے سکرٹری، اور آپ کے کل اہل بستی کے، شکرگذار اور احسان مند جاتے ہیں، علاوہ ازیں سب سے بڑی خوشی کا موقعہ یہ ہے کہ جو غلط فہمیاں آپ کے ایڈریس سے پیدا ہوئیں تھیں بفضلہ وہ بھی اچھی طرح سے رفع ہو گئیں، آپ نے اپنے ایڈریس میں تین باتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی بات کانگرس سے علاقہ رکھتی ہے اور جس کی نسبت آپ کا خیال ہے کہ وہ ملکی بہبودی کے واسطے ایک بڑی خوبی کا مجموعہ ہے، کانگرس کی نسبت جو خیالات آپ نے ظاہر فرمائے ہیں وہ آپ کی ذاتی رائے ہے اس لئے مجھ کو اس مسئلہ کے متعلق کسی مزید بیان کی حاجت نہیں ۞

البتہ ہندو مسلمانوں کے باہمی اتفاق اور اتحاد کے بارہ میں مجھ سے اور سر سید سے جو

گفتگو ہوا کی اور نہایت توجہ اور غور کے بعد اُن کی اور نیز میری یہ رائے رہی ہے کہ " بدبخت ہیں وہ مسلمان جو ہندوؤں سے اختلاف کریں اور بدنصیب ہیں وہ ہندو جو مسلمانوں سے نفاق رکھیں " ۔

جناب والا ! یہ دونوں قومیں نہیں ہیں ہمارے جسم انسان کی آنکھیں ہیں اور میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اتفاق کے لئے نہ فقط ہندو اور مسلمانوں کی ضرورت ہے ، بلکہ ہندو مسلمان اور تیسرے عیسائی ، یہ تینوں ملکر جب تک ہندوستان کی بہتری کی مناسب تجویزیں مساوی کوشش کے ساتھ مل کر نہ سوچینگے ، ہندوستان جنت نشان نہ سمجھا جائیگا بلکہ ایک دوزخ کا نمونہ رہیگا ۔

دوسری بات پردہ کی بحث سے متعلق ہے اور مجھ کو اس بحث سے کچھ زیادہ سروکار نہیں کیونکہ کانفرنس سے اس کا تعلق نہیں ۔

چار کتابیں مصر سے آئی ہوئی میرے پاس موجود ہیں ہر ایک کا مصنف جدا جدا ہے اور ان چاروں کتابوں کے تمام اوراق اس بحث سے بھرے پڑے ہیں ۔ جس سے جتنا ہو سکا پردہ دوری کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا ، ایک نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ اگر اسلام میں پردہ کا وجود ہے بھی تو بھی اس کو مت مانو ، کیونکہ یہ تہذیب کے خلاف ہے ۔

رہی پردہ کے بارہ میں سر سید کی رائے اور اُن کا خیال ، سو میں نے تو ان کا یہ حال دیکھا کہ مدت العمر کبھی وہ اس بات کے بھی روادار نہیں ہوئے ، کہ اُن کی بہو محمود بیگم کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر انگریز کی میم صاحبہ سے بھی مل سکیں ، خواہ وہ اُن کے دوستوں کی خاتونیں ہوں یا سید محمود کی ۔

یہی ایک بات نہیں بلکہ اُن کا تعصب تو اس مسئلہ میں یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ تعلیم نسواں بھی اُسی دائرہ کے اندر اندر رکھنا چاہتے تھے جیسا کہ اگلے پرانے شرفا کے خاندانوں کا دستور تھا ، وہ اس جدید طریقے کی تعلیم کو جس کا چرچا ہو رہا ہے قوم کے حق میں نہایت مضر خیال کرتے تھے غرض خدا کا شکر ہے کہ پردہ کی نسبت جو غلط فہمی پیدا ہوئی تھی وہ بھی جاتی رہی ۔

اب تیسری بات محمڈن یونیورسٹی کا خیال ہے ! جناب من ! میں نے کبھی ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کیا کہ محمڈن یونیورسٹی کے متعلق جو رائے ظاہر فرمائی ہے وہ کسی مخالفت کے سبب ہے اور ایسا سمجھنے کے لئے کوئی وجہ میرے پاس نہ تھی ، کیونکہ میں جانتا تھا سب سے پہلے میں نے ہی اس خیال کو آپ پر ظاہر کیا ، اس کی نسبت رائے دریافت کی ، اعانت چاہی ۔ جیسے میرا عریضہ آپ کی خدمت میں پہنچا ، تو سب سے پہلے آپ ہی نے اس اسکیم کو پسند فرمایا ، اور نہایت جوش محبت سے نہ صرف اپنی رائے سے ہم کو مفید اور نیک مشورہ دینے کی کوشش کی اور یہ سب کچھ کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دو ہزار روپیہ کے عطیہ سے بھی ہماری مدد کر کے ہمارے حوصلوں کو بڑھایا ۔

اب ایک امر کسی کام کے شروع ہونے سے پہلے اس کی مشکلات پر نظر دوڑانا نشیب و فراز

بتاتا ہو واقعی یہ ایک دانشمند سمجھ دار اور نیک نیت باخبر شخص کا فرض ہے بس اگر کوئی شخص ایسے ہمدردی کے مشورے کو مخالفت کا نتیجہ قرار دے۔ تو حقیقت میں ایسی رائے رکھنے والا قوم کا دوست نہیں ہے۔ اور قوم کا دوست کیا معنی وہ خود اپنا دوست نہیں ہے، جو رائے آپنے ہم کو دی اس میں شبہ نہیں کہ وہ طبیعت کی صفائی اور دلی ہمدردی کے ساتھ دیگئی ہے ❖

حقیقت میں ایک ڈاکٹر کا یہ کام ہے کہ وہ مریض کو دیکھے تشخیص مرض کر کے دوا بتائے اور کہے جب تک یہ دوا استعمال نہ کروگے فائدہ نہ ہوگا ❖

جن مشکلات پر غور کرنے کی آپنے ہدایت کی وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ نظرانداز کر دیجائیں، چالیس برس کی لگاتار کوششیں ہمارے سامنے ہیں، لیکن اب تک کیا نتیجہ ہوا، یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے دس لاکھ سے کیا ہوتا ہے اُس کے واسطے تو بقول ہز ہائینس آغا خاں کے ایک کروڑ روپیہ چاہئے، اس سال کوشش کی گئی کہ اگر مسلمان زیادہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتے تو کم سے کم ایک روپیہ تو دے سکتے ہیں، اور روپی فنڈ جاری کیا گیا، نہایت سرگرمی اور محنت کے ساتھ کام شروع ہوا۔ سال بھر تک متواتر وصول یابی کی کوشش کی گئی، کوئی مقام، کوئی جگہ مانگنے سے نہ چھوڑی، مگر صاحبو! سال بھر کی کوشش اور محنت کے بعد اگر دیکھو تو کیا جمع ہوا۔ سولہ ہزار اور اُن سولہ ہزار پر جو خرچ ہوا اگر اُس کو منہا کیا جائے تو اتنے بھی باقی نہیں رہتے۔ غرض ضرورت کا وہ عالم آمادگی کا یہ حال ❖

صاحبو! یونیورسٹی کوئی اسٹیچو نہیں ہے کہ بازار سے خرید لائیں اور کسی مقام پر کھڑا کر دیں ❖

یونیورسٹی نام ہے، کالج کے مجموعوں کا جب تک ہمارے سکول نہ ہونگے کالج کہاں سے آئینگے، جب کالج نہ ہونگے یونیورسٹی کہاں سے خود بخود پیدا ہو جائیگی ❖

صاحبو! اور مقاموں کو جانے دو، اسی بمبئی پریسیڈنسی کا حال سنئے، جس وقت میں پونا گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ پرائمری تعلیم میں ایک ہزار چار سو سکنڈری میں سے کچھ طلبا شامل ہیں لیکن ان میں بھی مسلمانوں کا عدم وجود برابر ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ مرہٹی وغیرہ زبانوں کی پابندی ہے اور اس لحاظ سے جب تک مدارس ہیں اردو نہ جاری کی جائیگی، مسلمان طلبا شامل نہیں ہو سکتے اور جب شریک نہ ہونگے ترقی کا ہونا معلوم ❖

اسی زمانہ میں مجھ کو ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن سے ملنے کا اتفاق ہوا، میں نے مسلمانوں کی اس تعداد کی کمی کو اُن کو دکھلایا اور اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہدیا کہ آپ کے یہاں سب قوموں کا حصہ ہے لیکن نہیں ہے تو مسلمانوں کا ❖

مگر اے صاحبو! اس قسم کی کسی حاکم سے یا خود گورنمنٹ سے التجا کرنا ایک بیکار سی بات ہے۔

جس کا نتیجہ سوائے شرمندگی اور افسوس کے اور کچھ نہیں مل سکتا ۔

صاحبو! جب ہم اس قسم کے سوال کرینگے تو وہی جواب ملیگا جو فقیروں کو دیا جاتا ہے آپکو معلوم ہے، جان بچانے کے لئے گورنمنٹ کیا کرتی ہے، دیکھئے جب قحط پڑتا ہے تو اُس وقت گورنمنٹ کی طرف سے پور ہوس قائم کئے جاتے ہیں، جہاں اُن کی حالت کی مناسبت سے غذا کا ایسا بندوبست کیا جاتا ہے کہ وہ فاقہ کی مصیبت سے صرف مرنے نہ پائیں۔ کیا وہاں کوئی مسٹنڈا مسلمان جائے اور درخواست کرے کہ بجائے اس کھچڑی اور دال بھات کے، ہم کو پلاؤ دو، تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اُس کو ملجائیگا ؟

حضرات ! پلاؤ تو ایک طرف لاتوں اور مکّوں سے اُس کی جان بھی بچ جائے تو غنیمت ہے ۔

ملک میں مختلف قومیں آباد ہیں، گورنمنٹ سب پر یکساں حکومت کرتی ہے اور سب کے حقوق اُس کی نظر میں مساوی ہیں۔ اگر وہ کسی مرتبہ اپنی مہربانی سے ہماری گذشتہ عظمت کا خیال کر کے اور موجودہ تباہی کی حالت پر رحم فرما کر ہمارے ساتھ کوئی خاص رعایت کرے تو یہ اُس کی مہربانی، ورنہ ہم کو کوئی حق نہیں کہ بار بار اُس سے سوال کریں اور جب سوال پورا نہ کیا جائے تو شکایت کرتے پھریں ۔

صاحبو ! ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ اپنی مدد کریں، جو کام کیا جائے وہ اپنے بل اور بوتے پر، تم خیرات کرتے ہو، اپنا روپیہ خرچ کرتے ہو۔ لیکن کن لوگوں پر جو غیر مستحق ہیں، اصلاح تمدن کا کام تمہارے لئے موجود ہے، فقیروں کو مت دو۔ میرے نزدیک اُن مسلمانوں سے زیادہ کوئی فقیر نہیں جن کے پاس علم کی دولت نہیں ۔

حضرات ! کیا مسلمانوں کے لئے تعلیم کی ضرورت نہیں کیا قوم بھنگیوں اور مستوں کے درجہ سے بھی گئی گذری ہو گئی، کاش جس قدر کہ آپ ان لوگوں کو دیتے ہیں اتنا ہی روپیہ قوم کے بچوں کی تعلیم پر صرف کیا جائے تو کیا ہمارا بیڑا پار نہیں ہو سکتا ؟

صاحبو ! ہم کو نہ گورنمنٹ کے سامنے گداگری کا ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہے نہ کسی اور کے، ہاں ہاں اگر ضرورت ہے تو بیشک قوم کے سامنے، اور نہ اس کی ہم کو کچھ شرم ہے، مسلمان اگر ذرا بھی تعلیم و تربیت کے اعلےٰ اصول کی طرف متوجہ ہوں تو ابھی نہ کچھ ایسا وقت گیا ہے اور نہ بات بگڑی ہے تھوڑی سی کوشش میں ساری مشکلیں آسان ہوتی نظر آتی ہیں ۔

صاحبو ! ہمارے محترم پریسیڈنٹ صاحب نے ایک بات ایسی فرمائی ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اُنھوں نے ایک موقع پر کہا ہے کہ تم آتے ہو اور ہم سے مانگتے ہو، لیکن اس کی کیا وجہ کہ ہم کو مدد نہ دو، جب کہ تمام مسلمان ایک جسم ہیں اور قاعدہ کی بات ہے کہ جب جسم کے کسی حصہ میں کچھ

خلش یا بےچینی ہوتی ہے تو اس وجہ سے سارے جسم میں درد ہوتا ہے جیسا کہ مشہور شاعر کا قول ہے کہ

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے درد کا تم کو احساس نہیں ۔

صاحبو! جو شکایت کی گئی اگر ایسا ہو تو نہایت معقول اور حق بجانب ہے ۔

لیکن قبل اس کے کہ میں اور کچھ بیان کروں اس کے متعلق ایک حکایت کہنی چاہتا ہوں ۔ عرفی، اکبر کے زمانہ میں ایک شاعر گذرا ہے اُس نے اپنے وقت کی بدحالیاں اور لوگوں کے اپنے ساتھ بُرے سلوک دیکھ کر اس رباعی کو ترمیم کیا اور کہا کہ شاید سعدی کے وقت میں ایسا ہی ہوتا ہو جیسا کہ اُس نے بیان کیا ہے۔ لیکن اب تو بجائے "بنی آدم اعضائے یکدیگر اند" کہنے کے مناسب ہے کہ یوں کہیں "بنی آدم اعدائے یکدیگر اند" ۔

تو حضرات! اس واقعہ کو سن کر میں بھی یہ کہتا ہوں کہ ممکن ہے اور بہت زیادہ ممکن کہ خود ہم لوگوں نے کسی وقت کسی زمانہ میں "اعدائے یکدیگر اند" کی مثال کو جائز رکھا ہو لیکن میں بدلائل آپ کو بتاتا ہوں کہ ہم جہاں کہیں گئے دشمن بن کر نہیں گئے بلکہ ایک سچے اور وفادار دوست کی حیثیت سے گئے ہیں۔ اپنی ضرورتوں سے مقدم مقامی ضرورتوں کو سمجھا ہے۔ اپنی ناچیز خدمات پہلے وہاں کے لئے اور بعد میں اپنے لئے پیش کی ہیں، جس وقت ہم لاہور گئے سب سے پہلے ہماری کوشش یہ تھی کہ جو کچھ فائدہ پہنچ کر وہ انجمن حمایت اسلام کو پہنچے، کلکتہ گئے اور جو فوائد کانفرنس کی وجہ سے کلکتہ والوں کو حاصل ہوئے اُن کا حال وہاں جناب مرزا شجاعت علی بیگ صاحب سے جو اس وقت یہاں تشریف رکھتے ہیں دریافت کیجئے ۔

مدراس میں جب کانفرنس گئی تو محض کانفرنس کی درخواست پر جو اعانت ہمدردی کے ساتھ ہز ایکسیلنسی لارڈ ایمپتھل کی گورنمنٹ نے وہاں کے مدرسہ اعظم کے ساتھ فرمائی، اُس کے آج تک ہم مشکور ہیں اور رہینگے۔ اس کے علاوہ اسکالرشپ جاری کرائے، عبدالہادی بادشاہ صاحب سے جن سے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر وہ اُٹھیں۔ تو ایک مہینہ تک پھرنے کے لئے میں تمہارے ساتھ ہوں، جس قدر امکانی کوشش اسکالرشپ فراہم کرنے چندہ وصول کرنے میں ہو سکیگی کرونگا۔ ان علیگڈھ کالج میں اور دوسرے سکولوں یا کالجوں میں جو فرق ہو سکتا ہے وہ وہی ہو سکتا ہے جو ایک لوکل اسکول یا کالج کے مقابلہ میں کسی جنرل کالج کو، اور اس اعتبار سے وہ بےشبہ ہندوستان کے مسلمانوں کا اسلامی کالج ہے ۔

صاحبو! میں نہیں سمجھتا کہ کس طرح سے علیگڈھ کالج صرف ممالک متحدہ کے لئے مخصوص کیا جا سکتا ہے، علیگڈھ کالج ایک ایسا نیشنل کالج ہے جو نہ صرف ممالک متحدہ کے لئے ہے بلکہ تمام ہندوستان کے لئے ہے ۔

اس وقت ہمارے یہاں سات سو چھ طالب علم کالج اور اسکول میں تعلیم پاتے ہیں جن میں سے دو سو بیس ممالک متحدہ کے رہنے والے ہیں باقی چار سو چھیاسی پنجاب - بہار - ممالک متوسط - بنگال - بمبئی - حیدرآباد - سندھ وغیرہ دوسرے صوبوں اور دور دراز مقامات سے آئے ہوئے ہیں ٭

صاحبو! جو اعداد میں نے آپ کے سامنے پیش کئے ان سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ ہم کسی خاص لوکل کالج کی کوشش اور مدد کے لئے نہیں آئے۔ بلکہ یہ ہماری کوشش ہندوستان کے مسلمانوں کے واسطے ہے ٭

صاحبو! اکثر یہ بھی اعتراض ہوا کرتا ہے کہ علیگڑھ کالج غریب طالب علموں کی مدد نہیں کرتا وہ تو امیروں کے واسطے ہے اور اس وجہ سے غریبوں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا ٭

لیکن میں ایسے اعتراض کرنے والوں کو سناتا ہوں اور آپ حضرات تعجب فرمائیں گے باوجود اس کے کہ ہماری قوم کی کیا حالت ہے، اس کو تعلیم سے کس درجہ دلچسپی ہے، کن کن مشکلوں اور زحمتوں سے ہم کو چندہ ملتا ہے، مگر پھر بھی ہم دس ہزار روپیہ سال ایسے نادار بچوں کی تعلیم پر بذریعہ اسکالرشپ صرف کرتے ہیں، جو کسی طرح سے وہ سوائے علیگڑھ کے اپنی تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے اس پر بھی ہمارے پاس بہت سی درخواستیں امداد کے لئے آتی رہتی ہیں لیکن ہم کو افسوس کے ساتھ واپس کرنی پڑتی ہیں کیونکہ ہمارے پاس اس سے زیادہ خرچ کرنے کو روپیہ نہیں ٭

صاحبو! جب سے ہمارے یہاں کالج کلاسیں قائم ہوئیں اس وقت سے اب تک تین سو ستاون گریجوایٹ کالج سے نکلے ہیں، اب مقابلہ کیجئے صوبہ بمبئی اور مدراس سے کہ جہاں سینتالیس اور چھیالیس برس کی مدت دراز میں مسلمان گریجوایٹوں کی تعداد پچاس اور چھیاسی کے درمیان ہے۔ پس اے حضرات ان تمام واقعات پر نظر کر کے جو مختصر طریقے سے میں نے بیان کئے کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ محمڈن کالج، علیگڑھ کا کالج ہے یا صوبہ متحدہ کا، اور ہم وہاں کے مسلمانوں کی بھلائی چاہتے ہیں یا ہر جگہ اور ہر مقام کے مسلمانوں کی اصلاح اور فائدہ ہم کو منظور ہے ٭

صاحبو! اگر ایسا خیال نہیں تو پھر کیوں نہیں کہا جاتا وہ بمبئی کے مسلمانوں کا کالج، مدراس کے مسلمانوں کا کالج، بنگال کے مسلمانوں کا کالج، پنجاب کے مسلمانوں کا کالج ہے ٭

بے شبہ وہ بمبئی کے مسلمانوں کا کالج ہے اور نہ محض بمبئی کے مسلمانوں کا بلکہ ان تمام مقامات کے مسلمانوں کا جو ہندوستان کے ہر گوشہ میں آباد ہیں ٭

سارے ہندوستان کے مسلمان اس پر یکساں حق رکھتے ہیں اور ان کو اختیار ہے کہ آج اگر چاہیں تو مجھ کو سکرٹری کے عہدے سے جدا کر کے دوسرا مقرر کر دیں ٭

صاحبو! اگر میرے اس بیان پر بھی آپ کو اطمینان نہیں ہوتا تو میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ

کہ ہم قولاً اور فعلاً انجمن اسلام کی مدد کرنے کو تیار ہیں ◆

صاحبو! کل جس وقت قاضی کبیر الدین صاحب کی یادگار میں چندہ ہو رہا تھا اُس وقت میں چپ تھا لیکن اب میں اعلان کرتا ہوں کہ دس روپیہ ماہوار کا ایک سکالرشپ جس کا کیپٹل ہزار روپیہ ہوتا ہے انجمن کے ایسے طالب علم کو علیگڈھ کالج دیا کریگا۔ جو یہاں سے جا کر وہ کسی کالج کلاس میں داخل ہو ◆

نوٹ (اس اعلان پر جناب پریسیڈنٹ نے یہ درخواست کی کہ طالب علم کے مخصوص علیگڈھ جانے کی شرط کو اُڑا دیا جائے اور محض انجمن کے نام سے رکھا جائے جس کے جواب میں محترم والا جب التعظیم اسپیکر نے کہا کہ خیر میں اپنی سعی کوشش کرونگا)۔

اور جہاں تک ممکن ہوگا پریسیڈنٹ صاحب کی خواہش پورا کرنے میں سعی کرونگا ◆

جناب والا! اب ایک بات محمدن یونیورسٹی کی نسبت کہنی اور باقی تھی آپ نے اس تجویز کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے زیادہ مفید اور اس سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ◆

اس مشکل مسئلہ کی نسبت ہم نے کہاں تک کامیابی حاصل کر لی اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ پانچ برس کے عرصہ میں پانچ لاکھ بہتر ہزار روپیہ ہم نے جمع کیا، جو مشکلات کہ خیال میں تھیں اُن کے دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ بجائے مایوسی پیدا کرنے کے اُمید دلانے والا ہے اور اس طرح کوششیں قائم رہیں تو آپ دیکھینگے کہ کیسی کچھ کامیابی ہوتی ہے ◆

صاحبو! کسی کام کی مشکلات پر نظر کرنا، اُن کو سوچنا سمجھنا یہ تو ایک دانشمندی اور تجربہ کی بات ہے لیکن اُس کو دشوار سمجھ کر چھوڑ بیٹھنا یہ ایک پست ہمتی کی دلیل ہے۔ زبردست سے زبردست قوت کبھی ایسے خیال والوں کو سرسبز اور کامیاب نہیں بنا سکتی۔ ہمیشہ بڑے اسکیل پر بڑا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہیئے، اور پھر بتدریج کام شروع کیا جائے اس طرح سے کہ پہلے ایک مختصر کوٹھا بنائیں جب وہ جگہ تیار ہو جائے تو متفرق کمرے اور ہال بنائیں اور پھر رفتہ رفتہ منزل بمنزل عمارت کو بلند کرتے چلے جائیں جو قدم آہستگی کے ساتھ منزل پر ڈالے جاتے ہیں وہ بغیر کسی تکان کے یقیناً منزل مقصود پر پہنچتے ہیں ◆

صاحبو! کوئی قوم اسکول میں مڈل اور انٹرینس کی تعلیم پانے سے قوم نہیں بن سکتی اگر قوم بنیگی تو بی۔ اے، ایم۔ اے، کے درجہ تک تعلیم پانے اور اعلے درجہ کی تربیت حاصل کرنے سے نہ کہ ریل کے بوروں پر نمبر ڈالنے والوں سے کسی قوم کو امتیاز کا درجہ نصیب ہو سکتا ہے یا آج تک کہیں ہوا ہے ◆

صاحبو! جیسا کہ میں بارہا کہہ چکا ہوں کوشش اور ہمت شرط ہے اور عالیشان اُولوالعزمانہ ارادہ کی ضرورت ہے، تاکہ ہم اپنی زندگی میں اپنے مقصد پر نہ بھی کامیاب ہوں تاہم ہم کو خدا سے اُمید ہی ہے

اگر ہم اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی کو نہ دیکھ سکے اور کوشش کرتے کرتے مر گئے تو بھی امر ہیں۔ یہ لازم نہیں آتا کہ ہمارے بچے جو تعلیم پا چکے یا پا رہے ہیں یہ بھی اپنے مقصد پر کامیاب نہ ہونگے، ہونگے اور ضرور ہونگے۔ اور جو ارادہ ہم نے کیا ہے ہم نہ ہوں۔ نہ سہی، لیکن اُس کو پورا کر کے رہینگے ۔

صاحبو! جس قدر کہ مَیں نے بیان کیا اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بجز اس کے کہ اب ہم اپنے عالی جناب پریسیڈنٹ صاحب اور دیگر حضرات کی مہربانیوں کا صدق دل سے شکریہ ادا کریں ۔

صاحبو! بلحاظ اُس حمیت اور بلحاظ اُن پاکیزہ خیالات کے جو ممدوح موصوف کے دل میں ہیں ہم ہمیشہ امید رکھینگے کہ وہ کانفرنس کی اس طرح سرپرستی فرماتے رہینگے، جیسے کہ اُنھوں نے کی ہے اور اپنے آپ کو اُس کا رکن اعظم تصوّر فرمائینگے ۔

صاحبو! ایک موقع پر پریسیڈنٹ صاحب نے رزولیوشن کی عدم تعمیل پر افسوس کے ساتھ کہا ہے، کہ بہت سے مفید رزولیوشن اب تک بیکار پڑے ہیں اس کی نسبت مَیں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں ۔

مسٹر حیدری کانفرنس کا کانسٹیٹیوشن تبدیل کرنے کی غرض سے رزولیوشن پیش کرنے والے تھے، مَیں نے قاضی کبیرالدین صاحب سے کہا کہ ابھی اس کا موقع نہیں اس رزولیوشن کے پیش کرنے سے لوگ خیال کرینگے کہ بمبئی والے ہمارے مقاصد میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں اس واسطے ضرورت ہے کہ پہلے چند عالی دماغ مسلمان شامل ہو کر اس مسئلہ کے متعلق ایک صحیح رائے قائم کرلیں، اُس وقت یہ پیش کیا جاوے تو زیادہ مناسب ہے، قاضی صاحب نے اُن سے ذکر کیا اور اُنھوں نے محض اس خیال سے کہ مبادا کسی قسم کا اختلاف ہو، اپنی سچی رائے کے اظہار کو بھی چھوڑ دیا اُن کا یہ احسان نہایت شکرگذاری کے قابل ہے اور مَیں اس واقعہ کے بعد جناب پریسیڈنٹ صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ جس کے اوپر آپ نے افسوس کیا ہے، اب وہ دن آگئے اور آپ دیکھینگے کہ کس طرح ہر رزولیوشن کی تعمیل کی جاتی ہے ۔

صاحبو! ہمارے راستہ میں بہت سے دریا مثل نربدا، گنگا، وغیرہ کے حائل تھے۔ لیکن اب تو سب پر پل بندھ گئے اور ادھر سے اُدھر جانے کے لئے راستہ کھل گیا ۔

یہ نتیجہ ہے قاضی کبیرالدین صاحب کی کوششوں کا، اُن کے جوش کا، ہمدردی کا، قاضی صاحب تو اپنے دل میں کہتے ہونگے کہ اب کبھی ایسی تکلیف اور محنت نہ اُٹھاؤنگا لیکن شاید اُن کو خبر نہیں کہ وہ ہم سے اب چھوٹنا بھی چاہینگے تو نہ چھوٹ سکینگے، کیونکہ اب تک تو تھے وہ کبیرالدین، لیکن اس کانفرنس نے اُن کو اکبرالدین بنا دیا ۔

صاحبو! ایک شکریہ مجھ کو ادا کرنا ہے، احمد دیوجی صاحب کا جنہوں نے محفل میلاد کے کانفرنس کا آغاز کیا اور ایسی محبت کی جو ہر سب کو پلائی جس کا مزہ کبھی دل سے نہ جائیگا ٭

اس طرح کل محمد صاحب کے جلسہ وعظ کا لطف ہمیشہ یاد آیا کریگا خدا کرے کہ ایسے پھول جیسے کل کھلے ہر روز اس چمن میں کھلیں اور اپنی مہک سے قوم کے دماغوں کو تازہ کرتے رہیں ٭

غرض اے حضرات! آپ کی کن کن مہربانیوں کو یاد کریں، عالی جناب ہز ہائنس آغا خاں بالقابہم کے احسانات سے ہم سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اُن کی عالیشان پارٹی کا تصور کریں یا رات کی اُس شاہانہ پارٹی کا سماں دیکھیں، جس کو یہ آنکھیں عمر بھر یاد رکھینگی، وہ مکان کی زینت، روشنی کی کیفیت، چمن کی آرائش، باجوں کی دلکش اور سُریلی آوازیں، ایک کا مشرق سے، تو دوسرے کا مغرب سے، تیسرے کا شمال سے، تو چوتھے کا جنوب سے، غرض چاروں طرف سے لوگوں کا آنا، آپس میں ملنا جلنا، محبت کی باتیں کرنا، طرح طرح کی مٹھائیاں، ہر قسم کے میوے، اور نفیس غذائیں کھانا، یہ تمام باتیں تمام عمر کے لئے ایک ایسا اچھا سہانا وقت تھا، جس کے دوبارہ آنے کی بہت کم اُمید ہے، اور بلا مبالغہ جو سامان اور تکلفات کئے گئے، وہ ہز ہائینس صاحب کی شان اُن کے رتبے اور اُن کے منصب لائق تھے، کوٹھی کیا تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک جنت کا ٹکڑا آسمان سے اُتر آیا ہے ٭

جناب عالی! ایک شادی تو آپ کے بیٹے کی اور ایک شادی آپ کی قوم کے بیٹوں کی، خدا یہ دونو شادیاں آپ کو مبارک کرے ٭

صاحبو! اس موقع پر حاجی قاسم صاحب اور حاجی صدیق صاحب کے بھی کچھ کم ہم مشکور نہیں ہیں جنہوں نے اپنی سیر چشمی کے سبب سے مفت میں ہم کو مظفر آباد ہال اور صدیق باغ جیسے عالیشان محل رہنے کے لئے دئے ٭

صاحبو! اس بمبئی میں کرایہ پر ایسے مکان لئے جاتے تو کتنی کس قدر بڑی رقم روزانہ پر بھی تو دینی پڑتی لیکن شاباش ہے ان کی ہمت پر کہ ہمارے آرام کے مقابلہ میں اپنے سیکڑوں روپیہ کی آمدنی کا انہوں نے خیال نہ کیا، لوگ تو ان سے بہت خوش ہوگئے، لیکن میری رائے میں غلطی ہوئی ان کو کم سے کم دس ہزار روپیہ کے کرایہ پر مکان دینا چاہئے تھا اور جو کرایہ آتا وہ تحفہ کی صورت میں یہ کانفرنس کو دیتے ٭

صاحبو! اب اخیر میں مجھ کو ایک شکریہ اپنے عزیز نواب نصر اللہ خاں صاحب کا ادا کرنا رہگیا ہے، حضرات ان کی ہمدردی اور روشن خیالی سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ آج ہی یہ گرفتار ہوئے ہیں، ایک مدت گذری جب سے کہ یہ ہمارے کام کے ہو لئے ہیں۔ جو درد قوم کا ان کے دل میں ہے خدا کرے وہ سب کے دل میں ہو اور جو کوششیں تعلیم کی بھلائی کی یہ کر رہے ہیں خدا کرے کہ سب اس ہوس میں مبتلا ہوں ٭

صاحبو! نواب وہ صاحب کے شکریہ کے بعد آپ یہ سمجھیں کہ میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں سب سے بڑا اور ضروری شکریہ تو رہ گیا وہ کس کا انجمن اسلام کے بچوں کا۔ جو تکلیف ان بچوں نے اٹھائی اور جو راحت ان کی وجہ سے ہم کو ملی سچی بات تو یہ ہے کہ کسی ایک سے بھی تو وہ خدمت بن نہ پڑتی جو انہوں نے کی، جو کام ان کو کرنے پڑے وہ انہیں کا کام تھا، دن کو دن نہ جانا، رات کو رات نہ سمجھے۔ مگر صاحبو کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جو کچھ کیا وہ انہوں نے ہی کیا اور ہم نے ان کی خدمت کا کوئی صلہ انہیں دیا ؛

حضرات! ہم نے ان کو ایسا سبق دیا ہے جس کی وجہ سے اگر آج یہ خادم نظر آتے ہیں تو کل کے دن یہی مخدوم قوم سمجھے جائینگے، ہمارا اب کیا ہے جو کچھ کام برا بھلا کرنا تھا کرلیا کوئی دن جاتے ہیں، کہ داعی اجل کو لبیک کہنے والے ہیں کہ چل چلاؤ کا وقت آ لگا ہے، اب جو کچھ کرینگے یا نہ کرینگے تو یہی بچے، قوم کی نظریں اور ساری امیدیں انہیں سے وابستہ ہیں ؛

صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ جب خزاں کے دن آتے ہیں تب کہیں ہریالی نظر نہیں آتی، جہاں ذرا ہوا کا جھوکا آیا اور زرد پتے جھڑنے لگے، سو ہماری مثال انہیں جیسے زرد پتوں کی سی ہے خواہ وہ آپ کو ثمر سے سمجھیں یا شہد سے ہمارے جو نوالے بھریں ہم تو گرینگے اور ضرور گر کر رہینگے، لیکن جہاں آپ نے پتے جھڑتے دیکھے ہونگے وہاں یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جیسے جیسے پتے جھڑتے جاتے ہیں ویسے ہی ویسے نئی کونپلیں بھی پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، صاحبو! وہ کونپلیں یہی تو ہمارے بچے ہیں، جس وقت یہ تعلیم پا کر سرسبز ہونگے تو ایک دن آپ دیکھینگے کہ پھر کیسے پھولتے اور پھلتے ہیں، الغرض تمام طالب علموں کی خدمتوں کا اور بالخصوص طالب علمی کی محنت کا جو کہ برائے نام طالب علم ہے، لیکن بے حقیقت میں ہمارا مطلوب، شکریہ ادا کرتا ہوں، نہ اپنی طرف سے بلکہ تمام ممبران کانفرنس کی طرف سے ؛

صاحبو! اب وہ وقت آیا کہ یہ غم کی داستان اب ختم ہوا چاہتی ہے ؎

بپایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی

مگر اے صاحبو! آپ یہ خیال نہ کریں کہ جو آگ ہمارے سینوں میں مشتعل ہے وہ بجھ جائیگی، جانے کو اس وقت جاتے ہیں، لیکن ہم نے آپ کو چھوڑا نہیں آئینگے، پھر ستائینگے اور زندگی باقی ہے تو ایسے ہی جلسے پھر ہونگے ؛

الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیۃ

یعنی وہ دلچسپ کتاب جس میں مرحوم سرسید احمد خان صاحب علیہ الرحمۃ نے تاریخ عرب اور پاک اسلام کی مذہبی تاریخ کو نہایت فصاحت سے بیان کیا ہے اور عیسائی مورخوں کے بیجا اعتراضات کے جواب جو پاک مذہب اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن کریم پر کئے تھے، ایسے تسلی بخش اور سچے دندان شکن دئے ہیں جو قابل دید ہیں۔ درحقیقت اُس مرحوم و مغفور نے اس کتاب کی تصنیف سے مذہب پاک اسلام کی وہ خدمت کی ہے جو ہر طرح قابل تعریف و تحسین ہے اور ممکن نہیں کہ اس لنٹوی کے ساتھ کوئی اور صاحب ایسی بے بہا کتاب تصنیف کرے اور لطف یہ کہ نہایت اعلیٰ درجہ کی صاف زبان اردو میں۔ جو مسلمان کہ سچے دل سے قوم اسلام کے ہمدرد اور ترقی خواہ اور اسلام کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کا فرض ہے کہ اس بے بہا کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ مسلمان جو عربی زبان کی عدم واقفیت ہونے کے علاوہ انگریزی فلسفہ و منطق سے ماہر ہیں۔ اس کتاب میں نہایت مدلل اور مفید تر بحثیں دیکھینگے۔ اگرچہ اس میں ۱۲۶ نہایت دلچسپ مضامین ہیں مگر ہم مختصر طور پر تھوڑے سے مضامین کی فہرست ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک دیباچہ اور بارہ خطبے شامل ہیں *

دیباچہ میں یہ بحثیں ہیں۔ مذہب کیا چیز ہے۔ سچے مذہب کے پرکھنے کا سچا اصول کیا ہے۔ اسلام صحیح طور پر کن احکام کا مجموعہ ہے۔ اُن کتابوں پر بحث جو عیسائی اور مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات پر لکھی ہیں۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد کا ذکر جس کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے *

خطبہ اول عرب کا جغرافیہ، عرب کے قبائل اور سلاطین پر محققانہ بحث، لفظ سارا سن کی تحقیق، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے حالات پر محققانہ بحثیں، حضرت ہاجرہ کی حریت پر بحث۔ خطبہ دوم عرب جاہلیت کی رسوم و عادات۔ بُت پرستی۔ حجر اسود اور خانہ کعبہ کا ذکر، حج زمانہ جاہلیت میں رسوم ازدواج۔ خطبہ سوم عرب جاہلیت کے ادیان پر بحث نہایت تفصیل سے، اسلام کی مناسبت دیگر الہامی مذہب سے۔ خطبہ چہارم اسلام انسان کے لئے رحمت اور تمام انبیا کے مذاہب کی پشت پناہ ہے، اسلام عقل کے موافق ہے۔ کثرت ازدواج طلاق و غلامی پر محققانہ بحثیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا۔ خطبہ پنجم مسلمانوں کی مذہبی کتابوں پر محققانہ بحث، خطبہ ششم مذہبی روایتوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر کامل بحث۔ خطبہ ہفتم قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور نزول پر بحثیں۔ خطبہ ہشتم خانہ کعبہ کی مفصل تاریخ۔ خطبہ نہم آنحضرت کے نسب نامہ پر محققانہ بحث۔ شجرہ نسب آنحضرت مع شجرہ نسب مصنف کتاب۔ خطبہ دہم بشارات نسبت آنحضرت کے جو توریت اور انجیل میں ہیں۔ خطبہ یازدہم روایات شق صدر اور معراج کی تحقیق۔ خطبہ دوازدہم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بارہ برس تک کے حالات *

اس کتاب کے شروع میں مرحوم سرسید کی ایک رنگین عکسی تصویر بھی ہے نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔ قیمت مجلد سے ر بلا جلد ہے

مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز سرسید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور

مصنف مرحوم علیہ الرحمۃ کا مبارک نام ہی اس مجموعہ کی خوبیوں اور اوصاف کے واسطے کافی شہادت ہے اور اس کی توصیف اور تعریف میں کچھ بھی کہنا سراسر بے ادبی اور اس کی کسر شان ہے۔ سرسید مرحوم علیہ الرحمۃ کے مبارک نام اور اس کے مشن (مدعا) سے شاید ہی کوئی تعلیم یافتہ مسلمان ایسا ہو جو واقف نہ ہو۔ جو جیسا کارنامے اُس مرحوم مغفور نے اسلامی پبلک کی ترقی تعلیم اور ہر قسم کی بہبودی کی خاطر اپنی گرانبہا پر درد زندگی میں کئے وہ بھی اس قابل ہیں کہ فی زمانہ یا آیندہ ہر ایک قسم کے قومی کاموں کی تمہید اُن کے مبارک نام سے تبرکاً و تیمناً شروع ہو۔ چنانچہ عموماً مرحوم و مغفور کا ذکر خیر کسی نہ کسی طرح سے اس قسم کے قومی جلسوں میں آنا شروع ہو گیا ہے ❖

اس کتاب مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز میں سرسید مرحوم کی تمام عرق ریزی شروع سے لیکر اختتام تک بھری پڑی ہے جیسا کہ انہوں نے مختلف طریقہ سے مسلمانوں کی حالت گمنام کو روبہ اصلاح کرنے کی خاطر کوشش کی۔ ویسے ہی یہ لکچرز بھی نیچرل اور دماغ کے طرح طرح کے نتیجوں سے مملو ہیں جو شخص اُس مرحوم جیسی کی اولوالعزمی استقلال۔ صبر و تحمل۔ بردباری۔ انکساری اور عالی حوصلگی۔ تبرکاً ہے کہ بے مایوسیوں کا جو وقتاً فوقتاً منہ دکھاتی رہی ہیں اندازہ کرنا چاہے۔ قوم اور قومی ہمدردی اور ملک کی بہتری اسلام کی حمایت۔ سچی لائلٹی صاف بیانی۔ اعلےٰ درجہ کی زبان اردو کی تقریر و تحریر۔ تہذیب اخلاق کا بہترین نمونہ بننے کے لئے اپنی زندگی میں اس سے اچھا سبق سیکھنا چاہے اُس کے واسطے اس مجموعہ لکچرز و اسپیچز سے بڑھکر کوئی ناصح شفیق اور رہبر کامل نہیں ہوسکتا۔ لقمان کی حکمت ارسطو کا فلسفہ اور شکسپیئر کی فصاحت اس کے آگے معمولی قرار دیجاسکتی ہیں ❖

یہ بے بہا ذخیرہ زمانہ حال کی دینی اور دنیوی بہتری کے لئے ہی عزیز تر نہ ہوگا بلکہ جوں جوں ضروریات آنے والی نسلوں کو پیش آئینگی۔ خود بخود یہ مجموعہ عزیز تر ہوگا۔ ملکی و قومی لائبریریوں کی زیب و زینت ہوگا عام پبلک جلسوں میں اُس کے نہایت شوق سے تذکرے ہوا کرینگے۔ بڑے بڑے لکچرار اس مجموعہ سے مدد لینگے۔ اردو لٹریچر کے سیکھنے والے اس سے سند لیا کرینگے۔ غرضکہ یہ بےنظیر مجموعہ بےنظیر ہے ❖

اس کے شروع میں مرحوم سرسید کی رنگین عکسی تصویر ہے اور ۱۸۶۳ء سے لیکر ۱۸۹۸ء تک کے کل لکچرز اس میں نہایت محنت سے جمع کر دئے ہیں اور وہ لکچرز بھی اس میں ہیں جن کا اکثر سرسید مرحوم کے دوستوں نے آج تک نام تک نہ سنا ہوگا ❖

ضخامت ۹۰۰ صفحے۔ نہایت اعلےٰ درجہ کا کاغذ۔ عمدہ چھپائی۔ خوشخط لکھائی۔ نیز اس سے پہلے جو ترجمے لکچرز لوگوں نے چھاپے ہیں وہ بالکل ناکمل ہیں ❖

قیمت مجلد ...

قیمت بلاجلد ...

احکام طعام اہل کتاب

مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کے واسطے اسلامی احکام۔ اس میں سرسید مرحوم نے نہایت معتبر احادیث اور قرآن پاک کی آیات جمع کر کے اس پر بحث کی ہے۔ نہایت خوبی سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک اور نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس معاملہ میں کیا تعلیم دی ہے۔ قیمت ۶ر

سرسید مرحوم و مغفور کے آخری مضامین

یہ عالی قدر اور مقدس مضامین ہیں جو مرحوم سرسید نے از ابتدائے یکم شوال ۱۳۱۴ھ لغایت ۵ ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ تک نہایت دلسوزی کے ساتھ لکھے اور آخرکار مضمون لکھتے لکھتے ہی اس جہان فانی سے مفارقت کر کے اپنے مالک حقیقی کی طرف تشریف لے گئے۔ راقم نے اس خیال سے کہ یہ گوہر بے بہا ضائع نہ ہو جاویں نہایت تلاش اور تجسس سے جمع کر کے طبع کرائے اور یہ مضامین اسی قوم کے نام نامی پر معنون کئے جس کے واسطے وہ جگر گوشۂ بتول و آل رسول عمر بھر سر توڑ کوششیں کرتا رہا۔ وطن سے بے وطن ہوا۔ خویش و بیگانے اپنے بیگانے کا ہدف تیر ملامت بنا۔ گالیاں سہتا رہا۔ برے القاب سنتا رہا۔ کبھی وہابی بنا کبھی مجنوں۔ پر حرف شکایت لب تک نہ لایا کہا تو یہی کہا کہ **رب اهد قومی انهم لا یعلمون** قوم کی یاد میں جیا۔ قوم کی دھن میں مرا۔ اور جب قومی عشق فنا فی القوم کے درجے کو پہنچا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قوم اس عشق کی کہاں تک قدر کرتی ہے۔ علاوہ محصول ڈاک قیمت - - - - - عہ

خلق الانسان

نئے فلسفہ دانوں نے انسان کی پیدائش کے متعلق آج کل کی نئی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ انسان کیڑے سے پیدا ہوتا ہے لیکن آج سے تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کی پاک کتاب اس بات کو دنیا پر روشن کر چکی ہے اسی مضمون کو سرسید نے قرآن سے لیکر نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور نئے فلسفہ دانوں کا خوب جواب دیا ہے اس کا مطالعہ ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ قیمت " " " - " " ۲ر

ازالۃ الغین عن ذوالقرنین

سکندر ذوالقرنین کے حالات کے متعلق اور یاجوج ماجوج اور سد یاجوج ماجوج اور سد کے حالات جیسے [illegible] کے متعلق جو سرسید احمد خاں نے مضمون قرآن سے لیکر نہایت ہی اعلیٰ ہدایات لکھے ہیں اس کتاب کے متن میں آیات قرآنی [illegible] مصنف کے ہے اور حاشیہ پر [illegible] ہے۔ قیمت - - - ۵ر